پاکیزہ اجتماعی قدروں کا ترجمان ادبی جریدہ

۱۹۶۱ء

ماہنامہ

کانپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنہاں ہے رگِ سنگ میں وہ حسن کہ جس سے
آئینے اُجالو کہ صنم خانے سجالو

یونس قنوجی

مدیر	فیروز لوہیجہ
معاون مدیر	ابو ضیاء
ناظم شعبۂ اشتہارات	کمال یوسف
سرورق	آرٹیکو
تزئین	اے لطیف
خطاط	رشید

شرعی حدود کے اندر اجتماعیت کا علمبردار

ماہنامہ

رگِ سنگ

کامٹی

جلد ۔ دوم
شمارہ ۱۷

ستمبر ۱۹۷۱ء
رجب المرجب ۱۳۹۱ھ

عام شمارہ ایک روپیہ
سالانہ دس روپے

دفتر
مقام اشاعت
ترسیل زر کا پتہ
۴۲/۸۹ ۔ مکھنیا بازار کامٹی

فون نمبر
۱۸۸۲۰

طابع و ناشر
فیروز الدین لوہیجہ

فون نمبر
۴۲۸ ۸۲۰ ۔ ۶۰۴۷۲

آپ کے مال تجارت کو جلد سے جلد اتر پردیش کے مختلف علاقوں تک پہونچانے کیلئے
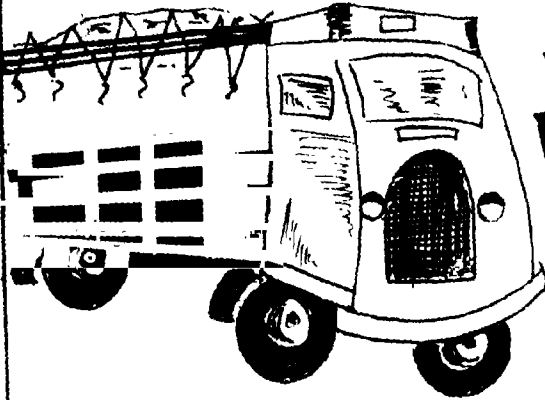
پورا ٹرک سارے اتر پردیش کے لئے بھیجا جاتا ہے

مسلمانوں پر اس وقت ایک نظر ڈالنے سے ایک عام ذہنی و نفسیاتی کیفیت نظر آتی ہے جسے پورے طور پر الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے ہوتا ہو لیکن شاید قریب تر الفاظ یہ ہوں کہ کچھ کئے بغیر سب کچھ پا جانے کی خواہش گویا استعارہ کی زبان میں مسلمان بیٹھے بیٹھے شطرنج کی ایسی چال چلنا چاہتے کہ دفعتًا بازی مار لیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان سیاست میں دیر میں آئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے سیاست کا مفہوم آرائی، تجاویز کی منظوری، اظہار رائے اور زیادہ سے زیادہ اظہار ناراضگی سمجھا جس سیاست کی بنیاد آج سے ۴۰، ۵۰ سال پہلے پڑی تھی اسکا مزاج اور خمیر تمام تر بلکہ درحقیقت یورپ میں بھی اسوقت (جب انتخابی اور جمہوری زندگی کا آغاز تھا) سیاست کا مفہوم اس سے کچھ زیادہ نہ تھا مگر اسکے بعد سے تمام دنیا حالات بہت بہت سرعت کے ساتھ بدل گئے۔ اب سیاست نام جد وجہد اور ایثار و قربانی کا ہے مگر مسلمانوں میں تبدیلی بہت دیر میں واقع ہوئی ہے اور عجیبات ان کا سب سے زیادہ بدلنے والا طبقہ سب سے کم بدلنے والا ہے۔ اور سب سے زیادہ متحرک اور ترقی پسند جماعت سب سے زیادہ جامد اور ساکن واقع ہوئی ہے چنانچہ تحریک خلافت کے چند سالوں کو مستثنیٰ کرکے مسلمانوں کی پوری سیاسی تاریخ محض جلسوں، تقریروں، تجاویز، بیانات، وفود اور یادداشتوں (میمورنڈم) کی روداد انھوں نے مغربی سیاست کا جو سبق یاد رکھا ہے وہ صرف یہ کہ سیاست نام ہے دماغی ذہانت، قانونی قابلیت، سیاسی حاضر دماغی اور حسن تقریر کا لیکن وہ یہ بھول ہیں کہ یہ مجلسی (پارلیمنٹری) سیاست کے لئے تو مفید ہے مگر خارجی اور عملی سیاست اور انقلابی جد وجہد کچھ اور چاہتی ہے اور کبھی کبھی اسکی ضرورت بھی پیش آتی ہے

اس شمارے کے قلمکار

شہ رگ

اداریہ

گذشتہ دنوں، دستور کی چوبیسویں ترمیمی بل کی منظوری کے بعد اہل نظر یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ ایک زبردست تبدیلی، جسکے نتائج اقلیتوں کے حق میں خصوصاً بڑے ہی اندوہناک ہو سکتے ہیں، عمل میں آگئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ قیامت دبے پاؤں گذر گئی اور جن کے اوپر گذری وہ خاموش بیٹھے دیکھا کئے۔ چند مسلم رہنما جو حکمراں گروپ سے تعلق رکھتے ہیں تائید کرتے دیکھے گئے۔ نیز وہ مسلم رہنما جو اپنوں کیلئے "بہت سخت" ہیں اور دوسروں کے باب میں کافی سے زیادہ نرم دل فقط درخواست کرکے خاموش ہو گئے۔ صرف ایک بندۂ خدا نے جس کا نام فریک انتھونی ہے، اپنی سکت بھر اس بل کی مخالفت کی اور اس غریب کو جس تضحیک و تنقید کا نشانہ بننا پڑا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حسب معمول وزیر اعظم نے یہ کہکر اشک شوئی کی کوشش کی ہے کہ وہ خود اقلیتوں کے حقوق پر نظر رکھیں گی کہ وہ سلب نہ ہونے پائیں۔

مگر ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ محترمہ صرف ایک فرد ہیں اور افراد آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں نیز موصوفہ کا ماضی بھی تو ایسا نہیں ہے کہ اقلیتیں انکی اس بات سے مطمئن ہو جائیں۔

حالیہ وسط مدتی پارلیمانی انتخاب میں وزیر اعظم اندرا گاندھی کی جماعت حکمراں کانگریس نے صاف صاف اپنے منشور میں یقین دہانی کی تھی کہ "اردو کو اسکا جائز اور آئینی حق دیا جائیگا جس سے وہ ابتک محروم رہی ہے"۔ اس منشور کی روشنی میں اقلیتوں نے اپنی بے پناہ حمایت سے عظیم اکثریت سے حکمراں کانگریس کو کامیاب کرایا اور صرف اقلیت ہی نہیں بلکہ ملک کی عظیم اکثریت نے انکی حمایت کی۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ملک کی اکثریت نے اردو کے تعلق سے حکمراں کانگریس کی پالیسی کو سراہا ہے۔ مگر نتیجہ کیا نکلا؟ جن سنگھ کے ایک رہنما نے دہلی میں، دوسرے نے لکھنؤ میں دھمکی دیدی "اندرا جی اردو کو دوسری سرکاری زبان بناکر تو دیکھیں"، لیجیے سارے عزائم سارے ولولے ہوائی ہوگئے۔ وہی ڈھاک کے تین پات۔ نام نہاد ہولتوں کا اعلان جس سے جن سنگھ تک منکر نہیں۔

ایک عجیب قسم کا جال ہے جسمیں سبکو الجھا دیا گیا ہے۔ ایسی طاقتوں کو وجود میں لایا جاتا ہے پھر انکی پرورش کیجاتی ہے ہمارے اندیشوں کو ابھارکر، ہماری حمایت حاصل کی جاتی ہے مگر جب ہم اپنے جائز مطالبات سامنے رکھتے ہیں تو ان طاقتوں کا ہوّا دکھاکے ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم تو مجبور ہیں کیا کریں ورنہ ہم تو بڑے سیکولر ہیں، جمہوریت پسند ہیں۔ بس کیا عرض کریں فراق کا ایک شعر یاد آجاتا ہے۔ گو اس میں ان خداؤں کا تذکرہ ہے جو اپنے ہاتھوں سے بنائے جاتے ہیں ؎

خدا کو اہل جہاں جب بنا چکے تو فراق
پکار اٹھے کہ خدا نے ہمیں بنایا ہے
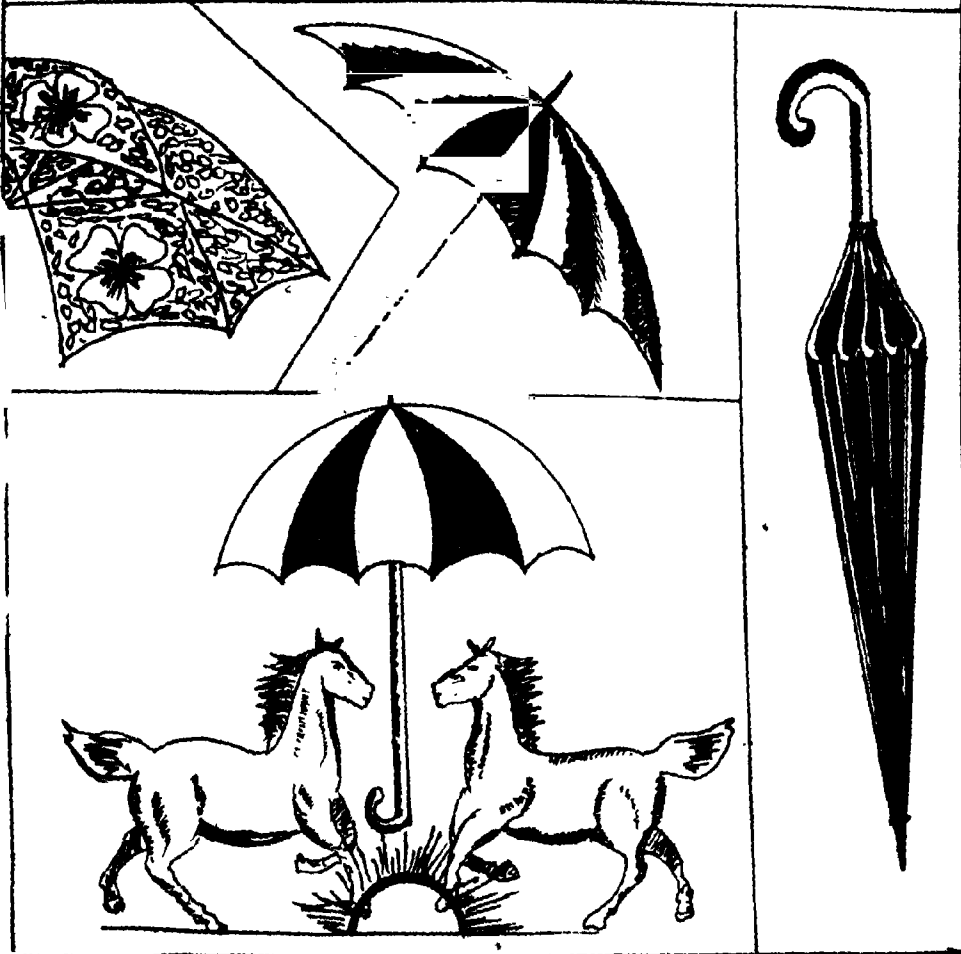
چھاتوں کے بنانے اور تھوک بیچنے والے

امبریلا ہاؤس ایس وزیر محمد نظیر محمد

بساطی بازار کانپور

بستی بستی

بنجارے کے قلم سے

چند دن گذرے ہیں کہ ہمارے ایک پرخلوص کرم فرمانے ہمارے اوپر طنز کیا۔ "میاں گو سب سے پہلے آپ نے کانپور میں ایک مسلم اسپتال کی تجویز رکھی تھی، مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ تو وہیں کے وہیں رہ گئے مگر دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے شہر میں یکے بعد دیگرے "جمعیۃ اسپتال"، "محمدی اسپتال"، "نوریہ اسپتال" قائم ہو گئے اور آپ جگہ خرید کر بیٹھ تو گئے مگر آگے کی کوئی خبر تک سننے میں نہیں آتی۔" ہم ان کا مطلب سمجھ گئے وہ ہماری قوت عمل و عزم کو جگانا چاہتے تھے۔

ظاہر ہے برا ماننے کا کیا سوال تھا۔ ہم نے خوشدلی سے اپنی لاپرواہیوں کا اعتراف کیا۔ مگر اسکے ساتھ ساتھ ہم نے ایک اوجھل پہلو بھی ان کے سامنے واکیا۔

ہم نے عرض کیا۔ "جناب آپ کی اس اسکیم کی وجہ سے یہ تو ہوا کہ دوسروں کو بھی اسکے قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر بھی آپ کو اور آپ کی جمعیت کو ملے گا۔ مزید ہم نے ان کو تمثیلاً بتایا کہ حالیہ سال سے راعین بھائیوں نے بھی اپنے یہاں بیت المال کا نظم قائم کیا ہے وامسال صرف دو ڈھائی ہزار روپئے کی وصولیابی ہوئی ہے مگر آئندہ زیادہ کی امید پائی جاتی ہے تو کیا اس کے اجر میں آپکا حصہ نہیں ہے؟" ہم نے مزید انکشاف کیا کہ ایک راعی بھائی نے خود ہم سے اعتراف کیا کہ "آپ لوگوں کے اوّلین قدم" سے ہم کو بھی خیال پیدا ہوا۔"

ہم نے ان سے یہ بھی بتایا کہ آپ کے یہاں تعلیم بالغان کا نظم قائم ہونے کے بعد سے کانپور میں تقریباً تین یا چار جگہ اس کا نظم قائم ہو گیا ہے۔ یقین کلی ہے کہ احکم الحاکمین کے یہاں آپ کا اجر بھی محفوظ ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جلد یا بدیر جب وقت لکھا ہوتا ہے تب ہی کام ہوتا ہے" پھر ہم نے ان کے سامنے ان دشواریوں کو رکھا جو ہم کو درپیش تھیں۔

بہرحال اللہ میاں کا کرم کہ اس بات کو ہفتہ بھر بھی نہیں گذرا تھا کہ اسپتال ہذا کی جگہ کرایہ داروں سے خالی ہو گئی۔ مگر اس کاوش میں ہمارا قطعاً کوئی کمال نہیں ہے۔ اس تگ و دو نیز کاوش کا سارا... کریڈٹ اگر کسی شخص کو جاتا ہے تو وہ ہیں محمد سہیل صاحب آلوله والے۔

یہ وہ گمنام سپاہی ہیں جو اپنی خا[illegible] سے جنگوں کا نقشہ پلٹ دیتے ہیں موصوف ہی کی کوششو[ں] کی وجہ سے اس جگہ کی خریداری ہو سکی تھی اور ان ہی کی "دور اندیش کاوشوں کی" وجہ سے تخلیہ عمل میں آیا۔ بہرحال ہم کوشش میں ہیں کہ جلد ہی اس اسپتال کے

سلسلے میں کوئی لائحہ عمل آپ کے سامنے پیش کریں۔
" خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا"

●

زمانہ اتنی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے کہ عقل حیران، فہم ششدر۔ مگر کریں تو کیا کریں مجبور ہیں کہ ہم بھی اتنی ہی رفتار اپنائیں ورنہ پیچھے رہ جانے کا اندیشہ۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قومی یا اجتماعی کاموں میں چند ہی شکلیں ہیں جو بار بار سامنے آتی ہیں لیکن ظاہر ہے ان مخلص شکلوں کی اپنی بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں اپنے بھی کچھ مشاغل ہیں۔

بعض اوقات مجھے ایک مشہور عام کہانی یاد آجاتی ہے کہ ایک بار کسی بادشاہ نے اپنی رعایا کو حکم دیا کہ ہر شخص فلاں حوض میں ایک ایک گھڑا دودھ کا ڈالے تاکہ وہ حوض دودھ کا ہو جائے۔ سب نے یہ سوچا کہ سب تو دودھ ڈالیں گے ہی اندھیرے میں اگر ہم پانی ہی پر اکتفا کریں تو کس کو پتہ چلے گا؟ مگر صبح دودھ کی ایک بوند نہیں تھی باعث کہ سب نے یہی کیا تھا۔ یہی عالم ہمارا ہے ہم سوچتے ہیں کہ دوسرے تو کر ہی رہے ہیں ہمیں کیا ضرورت ہے مگر اس کو کیا کہیئے کہ جس حالت کو ہماری قوم پہونچ چکی ہے وہاں تیر تکوں سے علاج ہوتا نہیں وہاں تو باقاعدہ ایک پلاننگ کے تحت منصوبہ بند طریقے پر سب ہی کو کم از کم تھوڑا بہت وقت تو اجتماعی و ملی کاموں کے لئے دینا ہوگا۔

مسلم پنجابی کانگریس کی تشکیل سے یقین جانئے ہمیں یہی امید ہوگئی ہے کہ کام کرنے والے ہاتھوں کی کمی کا شکوہ ہمارے لبوں پر نہیں آئے گا۔ لیکن ادھر ہم نے محسوس کیا کہ پتہ نہیں کیوں اس ادارے کی مصروفیات سامنے نہیں آرہی ہیں۔ وجوہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔

میں اس ادارے کے بانیان سے عرض کروں گا کہ انھوں نے آل انڈیا مسلم پنجابی کانگریس نام رکھ کر اپنے کاندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری اٹھانے کا عزم ظاہر کیا ہے اور یہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے مگر سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں پنجابی جمعیت کافی تعداد میں پھیلی ہوئی ہے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے مگر اس سے بھی پہلے ہمیں اپنے علاقے میں کچھ ایسا کام کرنا چاہئے تاکہ ہم رابطہ کیا تھ ساتھ "عملی نمونہ" بھی پیش کر سکیں۔

ہم نے سنا تھا کہ اس کانگریس کے زیر تحت محلے علاقے کی صفائی کے سلسلہ میں کچھ منصوبے ہیں بیشک وقت کی یہ بھی اہم ضرورت ہے اس سلسلہ میں صفائی ہفتہ کافی پر افادیت ثابت ہوسکتا ہے۔

ایک تجویز میں ارباب کانگریس کے سامنے اور رکھنا چاہتا ہوں "پنجابی مردم شماری" کے سلسلے میں وجہ یہ ہے کہ مردم شماری نہ ہونے کے سبب بہت سے اجتماعی منصوبے منظر عام میں آنے سے ہنوز محروم ہیں۔ مردم شماری کے بعد منصوبہ بند طریقوں سے عظیم کام کئے جا سکتے ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں کانگریس کوئی قدم اٹھاتی ہے تو میرا خیال ہے کہ جمعیت کی طرف سے مناسب Response ملے گا۔

رگِ سنگ
کا
اگلا شمارہ زکوٰۃ نمبر
ہوگا
مضمون نگار اصحاب اپنے مضامین جلد ارسال کریں

دعا ۔ بندگی کا مظاہرہ

مولانا شریف حسین صاحب

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، میں جو کمالات جمع تھے ان کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔
"عبدیت کاملہ و نبوت جامعہ"
عبدیت کا ظہور اور نتیجہ دعا ہے۔ اور نبوت کا مظہر دعوت ہے یہ دونوں سیرت محمدی کے اہم نمایاں عنوان اور اس صحیفۂ اعجاز کے دو مستقل باب ہیں۔

دعوت پر سیرت محمدی کے ہر طالب علم اور مصنف کی نظر پڑتی ہے۔ اسکی تفصیلات سے کتابیں لبریز ہیں اور اسکے آثار و نتائج تمام دنیا میں درخشاں و تاباں ہیں

دعوت جلوت کی چیز ہے اسلئے سب کو بے پردہ و بے نقاب نظر آتی ہے لیکن (میری کوتاہ نظر میں) اس حقیقت پر بہت کم لوگوں کی نظر پڑی کہ دعا کو سیرت نبوی میں کیا مقام حاصل ہے۔ اور خود دعوت نبوی کی تاثیر و تسخیر میں اسکا کتنا بڑا حصہ ہے۔ اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبدیت کے اس شعبہ کو عروج و ترقی کی کس حد تک پہنچایا۔ کس طرح آپ نے اس شعبہ کا جو عبدیت اور عبادت کے تمام شعبوں اور مظاہر کی طرح مردہ و افسردہ ہو چکا تھا) احیاء اور اسکی تجدید فرمائی، پھر اسکی تکمیل اور تعمیم فرما کر دنیا سے تشریف لیگئے۔ جن لوگوں کی مذاہب اور عقائد کی تاریخ پر گہری اور تفصیلی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ اس دور میں جو جاہلیت کے نام سے موسوم ہے عبد و معبود کے تعلق میں اتنا اضمحلال پیدا ہو گیا تھا کہ دعا کا سرچشمہ (جو یقین اور محبت و خوف کے بغیر جاری نہیں ہو سکتا) اندر ہی اندر خشک ہو گیا تھا۔

عبد اپنے معبود کے متعلق اتنی غلط فہمیوں اور اتنی جہالتوں کا شکار تھا کہ اسکے اندر دعا کا جذبہ اور تقاضا پیدا ہونا مشکل تھا۔

دعا کے کیلئے اس ہستی کی یقین کی ضرورت ہے جس سے دعا کیجائے۔ پھر اس یقین کی کہ اسکو ہر طرح کی قدرت ہے اور دینے کیلئے اسکے پاس سب کچھ ہے۔ پھر اس یقین کی کہ اس در کے سوا کوئی در نہیں۔ پھر اس یقین کی کہ وہ خود بھی دینا چاہتا ہے۔ اور محبت و رحمت بخشش و عطاء اور احسان و انعام اسکی خاص صفت ہے۔

اور کوئی لیکر اتنا خوش نہیں ہوتا ہے جتنا وہ دیکر خوش ہوتا ہے۔ پھر اس یقین کی کہ مخلوق محتاج محض اور سرتاپا کشکول گدائی ہے اور پھر اس یقین کی کہ وہ معبود اپنی ہر مخلوق سے دنیا کی ہر چیز سے یہاں تک کہ اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے وہ ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر ایک کی ہر حال میں مدد کر سکتا ہے۔

جاہلیت کی تاریخ پر نظر ڈالئے انمیں سے ہر یقین کتنا نایاب اور مضمحل ہو چکا تھا۔ ان حقائق میں سے ہر حقیقت کے بارے میں کتنے شبہات و حجابات اور کتنے توہمات اور مغالطے پیدا ہو چکے تھے۔

یونانی فلسفہ کو "واجب الوجود" یا "مبداء اول" کی صفات سے جتنا گریز و انکار اور صفات کی نفی اور مجرد و بلا صفت ذات کے اثبات پر جتنا اصرار تھا۔ اسکے ہوتے ہوئے اسکے علاوہ اثر میں دعا و التجا کا کیا امکان باقی رہ جاتا تھا۔ جس ذات کے متعلق کسی صفت کا علم نہیں بلکہ اس سے

صفت کمال کی نفی کی جا رہی ہے ۔ اس سے سوال کرنیکا ر مدد چاہنے کے کیا معنیٰ ہو سکتے ہیں جسکو کارخانۂ ہستی میں کوئی دخل نہیں ۔

جو عقل اوّل کو پیدا کرکے "معطل" ہو گیا جس سے ایک ہی "واحد" کا صدور ہو سکتا ہے ۔ اور وہ بیکار ہے اس سے ہر دم اور ہر آن نئے نئے افعال و کام کے صدور کی توقع کب حق بجانب ہو سکتی ہے ۔

اسکے مقابلہ میں مشرکانہ جاہلیت اور وثنیت نے صفات الٰہیہ میں تقریباً ہر صفت کو کسی نہ کسی مخلوق کی طرف منسوب کر رکھا تھا ۔ کوئی اختیار پر قادر تھا، کسی کے ہاتھ میں رزق تھا ۔ کسی کا علم محیط و ہمہ گیر تھا ۔ اور ہر غیب اسکے لئے "شہود" تھا ۔ کسی کے لئے زمان و مکان کے حجابات اٹھ چکے تھے وہ اپنے پرستاروں کی ہر جگہ در بیک وقت سب کی مدد کر سکتا تھا ۔ اور ہر جگہ پہنچ سکتا تھا ۔ وقس علیٰ ہٰذا

ایسی حالت میں اللہ واحد کی طرف رجوع کرنے اور اسکے سامنے دست سوال دراز کرنیکا کیا امکان تھا ۔ خصوصاً جبکہ وہ نظر سے اوجھل ہو اور مقامی الٰہ نظر کے سامنے اور دسترس کے اندر ہوں اور اسی کے ساتھ اسکو بھی ذہن میں رکھئے کہ جاہلیت کے اس دور میں صفات و افعال الٰہیہ کا ذکر و تذکرہ ہی مفقود اور ان کا علم صحیح تقریباً معدوم ہو چکا تھا ۔ اور "الٰہ کثیرہ" کی کارفرمائیوں اور کارسازیوں کی داستان سے مجلس معمور اور قلب و دماغ مسحور رہتے تھے ۔ ایسی حالت میں وہ ذہنی کیفیت بالکل قدرتی اور طبعی تھی ۔ جسکا قرآن مجید نے نقشہ کھینچا ہے وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (الزمر) اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں اور جب اسکے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں ۔

بہر حال یونانی فلسفہ نے (اس مسلک کی بنا پر جو اس نے صفات کے بارے میں اختیار کیا تھا) دعا و التجا کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا ۔ اور مشرکانہ جاہلیت نے (صفات الٰہیہ کو مخلوقات کی طرف منسوب کرکے) دعا و التجا کا رخ اللہ جل جلالہٗ سے توڑ کر بندوں کی طرف تبدیل کر دیا تھا ۔ دونوں کا مجموعی نتیجہ یہ تھا کہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے طلب و سوال اور دعا و التجا کا رواج ہی تقریباً ختم ہو گیا تھا ۔

زمانہ بعثت میں پورے پورے ملک اور وسیع علاقوں میں ایسے چند آدمی بھی ملنے مشکل تھے جنکو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی عادت اور اس کا سلیقہ ہو ۔ اور جو اس سے تسکین حاصل کرتے ہوں اور اسی کی دعوت دیتے ہوں ۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم (ارواحنا ولقوم فداہ) نے محروم و محجوب انسانیت کو دوبارہ دعا کی دولت عطا فرمائی ۔ اور بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام کر دیا ۔ اور دعا کی کیا دولت عطا فرمائی بندگی کی بلکہ زندگی کی لذت اور عزت عطا فرمائی ۔ اس سے انسانیت کو پھر اذن باریابی ملا اور آدم کا بھاگا ہوا فرزند پھر اپنے خالق و مالک کے آستانے کی طرف یہ کہتا ہوا واپس ہوا ۔

بندہ آمد بر درت بگریختہ
آبروئے خود بعصیاں ریختہ

دعا سے محرومی کا ایک بڑا سبب جاہلیت کا یہ غلط تخیل تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بہت دور ہے ۔ ہماری آواز وہاں کہاں پہونچ سکتی ہے ۔

سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا اور یہ مژدہ سنایا کہ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ

الدّاعِ اذا دعان (البقرہ-۲۳) اور جب رب سے تیرے بندے تیرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں۔

دوسرا یہ غلط عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی نفع و ضرر کا مالک اور انسانوں کی امداد و اعانت پر قادر ہے۔ اس عقیدہ نے دعا و استعانت کو "حقیقی نافع و ضار" سے ہٹا کر خیالی معاونوں اور دادرسوں کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ اور عالم کا عالم شرک بت پرستی کا شکار تھا۔ سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اس فرمان کا اعلان کیا۔ جسمیں آپ ہی کو خطاب تھا۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ــــ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ۔ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (یونس-۱۰)

کہہ دو اے لوگو اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا۔ بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ ایمان والوں میں رہوں۔ اور یہ بھی کہ یکسو ہو کر دین کی طرف رخ کئے رہو۔ اور مشرکوں میں نہ ہو۔ اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ تیرا بھلا کرے اور نہ برا۔ پھر اگر تو نے ایسا کیا تو بیشک ظالموں میں سے ہوجائیگا۔ اور اللہ تمہیں کوئی تکلیف دے تو اسکے سوا اسکو کوئی ہٹانے والا نہیں اور اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچاتا ہے تو کوئی اسکے فضل کو پھیرنے والا نہیں۔ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اپنا فضل پہونچاتا ہے۔ اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر رب نے صرف اسی کو واضح نہیں کیا کہ بندہ اپنے مالک سے دعا کر سکتا ہے اور وہ اسکی سنتا اور اسکی مدد کر سکتا ہے۔ بلکہ رب نے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو دعا مطلوب ہے اور وہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے بلکہ دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔

دعا بندگی کا نہایت واضح اور موثر مظاہرہ اور عدم دعا بندگی سے گریز اور استکبار اور سرکشی کی علامت ہے۔

رب کے اس اعلان نے دعا کا پایہ کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المؤمنون ع ۶) اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کرونگا بیشک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا نہ کرنا محض محرومی کا باعث نہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی باعث ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ مَن لم يسأل الله يغضب عليه۔ جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ پھر رب نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ دعا کو مغز عبادت قرار دیا الدعاء مخ العبادة دعا کو رحمت و برکت کے دروازے کی کلید قرار دیا گیا اور فرمایا گیا۔ من فتح له منكم باب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة۔ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا۔ اسکے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے اسطرح دعا کا شعبہ جسکی زندگی میں کوئی جگہ نہیں رہ گئی

عبادات اور معابد بھی اسکے نور سے خالی ہو چکے
تھے۔ اور رہبانیت کے سالکین و مرتاض اور عبادو
زہاد بھی اس دولت سے محروم تھے۔ دوبارہ زندہ اور
تازہ ہوا۔ اور یہ دولت اتنی عام ہوئی کہ۔

" نہ رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی "

نبوت محمدی کی تجدید اور اسکا عمل تکمیل اسی پر ختم نہیں
ہوتا۔ آپؐ نے دعا کرنا بھی سکھایا۔ آپؐ نے انسانیت
کے خزانے کو اور دنیائے ادب کو دعاؤں کے
ان جواہرات سے مالا مال کیا، جنکی نظیر انکی آبداری و
درخشانی میں صحف سماوی کے بعد مل نہیں سکتی۔ آپ
نے اپنے مالک سے ان ان الفاظ میں دعا کی جن
سے زیادہ موثر اور بلیغ الفاظ۔ جن سے زیادہ موزوں
و مناسب الفاظ انسان لا نہیں سکتا۔ یہ دعائیں مستقل
معجزات اور دلائل نبوت ہیں۔ ان کے الفاظ شہادت
دیتے ہیں کہ یہ ایک پیغمبر ہی کی زبان سے نکلے ہیں۔
ان میں نبوت کا نور ہے۔ پیغمبر کا یقین ہے۔ عبدکامل
کا امتیاز ہے۔ محبوب رب العلمین کا اعتماد و ناز ہے۔ فطرت
نبوت کی بےصورت و سادگی ہے۔ دل دردمند و قلب مضطر
کی بے تکلفی و بے ساختگی ہے۔ صاحب غرض و
حاجت مند کا اصرار و اضطرار بھی ہے۔ اور بارگاہ الوہیت
کے ادب شناس کی احتیاط بھی۔ دل کی جرأت اور
درد کی کسک بھی ہے اور چارہ ساز کی چارہ سازی
اور دل نوازی کا یقین اور سرور بھی، درد کا اظہار بھی
ہے اور اس حقیقت کا اعلان بھی کہ۔ ع

درد ہا داری و درمانی ہنوز!

یہ دعائیں اپنی روحانی و معنوی قدر و قیمت کے علاوہ
اعلیٰ ادبی قدر و قیمت کی حامل ہیں اور دنیا کے ادبی
ذخیرے کے وہ نوادر اور شہ پارے ہیں جنکی نظیر
انسانی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ بہت سے ناقدین ادب
نے بھی خطوط کو اسوجہ ادب میں اعلیٰ مقام دیا ہے کہ وہ
بے ساختہ اور تکلفات سے دور ہوتے ہیں اور ان میں
دلی جذبات کی بے تکلف ترجمانی ہوتی ہے لیکن ان کو
معلوم نہیں کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں!
ادب کی ایک صنف اور بھی ہے جس میں خطوط
سے زیادہ بے تکلفی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے جس
میں سارے حجابات اور اصطلاحات اٹھ جاتے ہیں۔
جس میں صاحب کلام اپنا دل کھول کر رکھ دیتا ہے اور اسکی
زبان اسکے دل کی حقیقی ترجمان بن جاتی ہے۔ جب متکلم داد
و تحسین سے بے پرواہوتا ہے۔ سامعین کی خاطرداری
نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے دل کے تقاضے سے گویا ہوتا ہے
ادب عالی کی یہ صنف " دعا و مناجات " ہے۔

ادب کا ایک اہم عنصر (جسکو اکثر ناقدین فن نے
نظرانداز کیا ہے اور جو ادب میں حقیقی روح اور طاقت
پیدا کرتا ہے اور اس کو بقائے دوام بخشتا ہے) صداقت
اور خلوص ہے۔ اس عنصر کی جیسی نمود "دعا و مناجات"
میں پائی جاتی ہے ادب کی کسی اور صنف میں نہیں پائی
جاسکتی۔

پھر صاحب دعا صاحب درد بھی ہو اور اس کو اپنے
درد دل کے اظہار پر اعلیٰ درجے کی قدرت بھی ہو تو پھر اس
کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ ادب کا معجزہ بن جاتے ہیں
اور وہ الفاظ نہیں ہوتے بلکہ دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔
اور آنکھ کے آنسو ہوتے ہیں اور وہ صدیوں تک ہزاروں
انسانوں کو تڑپاتے رہتے ہیں۔ پھر ان مطالب کو ادا
کرنے والی زبان وہ ہو جو وحی کی گذرگاہ اور فصاحت و
بلاغت کی بادشاہ ہو تو پھر انکی تاثیر و اعجاز کا کوئی ٹھکانا
نہیں۔

حدیث شریف و سیر مبارک کے دفتر میں سیدنا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہیں ان
پر نظر ڈالئے کیا کوئی بڑے سے بڑا ادیب اپنی بے بسی ا
کمزوری کا نقشہ کھینچنے کے لئے اپنا فقر و احتیاج بیان کر

کے لئے اور دریائے رحمت کو جوش میں لانے کیلئے اس
سے زیادہ موثر، اس سے زیادہ دل آویز اور اس سے
زیادہ جامع الفاظ لا سکتا ہے۔

ایک بار سفر طائف کا نقشہ سامنے لائیے اور
مسافر طائف کے شکستہ دل اور خون آلود پاؤں پر
نظر ڈالئے۔ پھر غربت اور مظلومیت کی اس فضا میں ان
الفاظ کو پڑھئے۔ اَللّٰهُمَّ الیك اشکو ضعف قوتی وقلۃ
حیلتی وهوانی علی النَّاسِ رب المستضعفین الی
من تکلنی الی بعید یتجهمنی او الی عدو ملکتہ امری
ان لم یکن بك علیَّ غضب فلا ابالی غیر ان عافیتك
ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت
له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والاخرۃ من
ان یحل بی غضبك او ینزل علی سخطك لك العتبی
حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بك۔ ترجمہ:-
الٰہی اپنی کمزوری، بے سرو سامانی اور لوگوں کی تحقیر
کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم
کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ
عاجزوں کا مالک تو ہی ہے۔ اور میرا مالک بھی تو ہی ہے
مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کیا بیگانہ ترش رو کے
یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔ اگر مجھ پر ترا غضب
نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں، لیکن تیری عافیت میرے
لئے زیادہ وسیع ہے میں تیری ذات کے نور سے پناہ
مانگتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں۔
اور دنیا و دین کے کام اس سے سنور جاتے ہیں۔ کہ تیرا
غضب مجھ پر اترے یا تیری نا رضامندی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے
تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی
کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف
سے ملتی ہے۔

(مسلسل)

قومی تعلیم گاہ ہو کے بچے اعتماد و توقع ہیں اس بہت
بڑے گلستان میں فریاد رساں کانٹے بنتے جا رہے ہیں
انہیں مناسب تربیت و نگہداشت سے
بہار آفریں پھولوں میں بدل دینے کا
کام بھی ایک قومی فریضہ ہے اور ہم سب
کیلئے اس سے عہدہ برآ ہونا بہت ضروری ہے
گڈلک
ٹوائیز
آپ کے ننھے منے بچوں کو صحت بخش
زود ہضم غذا کیساتھ غباروں کھلونوں اور
بسکٹوں کی بھی ضرورت ہے!
آج ہی خریدیئے
منظور شدہ ڈیلرس
گڈلک ٹوائیز اینڈ سوئیٹ ہاؤس
فون ۲۳۶۳۱۶
بساطی بازار کانپور
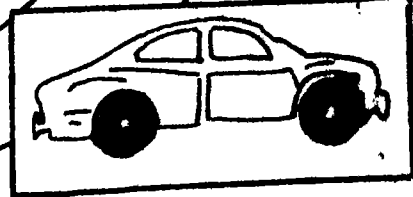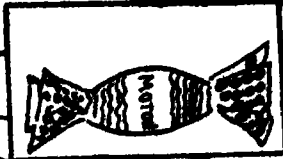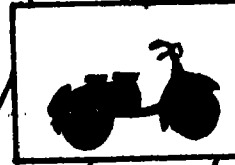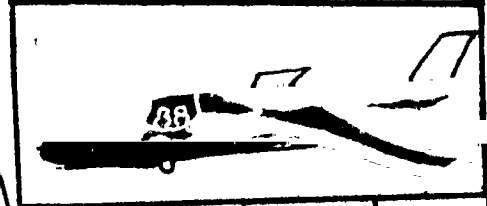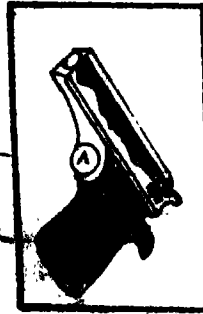
نجات یا مکتی

نذیر احمد مرہانی

کسی چیز سے چھٹکارا حاصل کرنیکو نجات کہتے ہیں خواہ وہ دنیاوی ہو یا آخرت کی ہو۔ ہر انسان آخرت کا قائل ہے۔ خواہ وہ اسکو دوسرا جنم کہے یا آخرت کی ابدی زندگی کہے۔

دنیا پرست انسان دنیاوی مصائب و مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنیکو ہی نجات سمجھتے ہیں۔ اور مال و دولت کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ اور اسکے حاصل کرنے اور جمع کرنے میں اپنا وقت صرف کردیتے ہیں۔ اگر کسی کو آخرت یا دوسرے جنم کا خیال بھی ہوا تو اسکو صحیح راستہ نہیں ملتا اور اپنے ایجاد کردہ راستے ہی میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ ہر شخص ایک نیا راستہ اختیار کرتا ہے! اور اسی کو صحیح راستہ سمجھتا ہے۔ لیکن اہل فہم انسان بقدر ضرورت مال حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آخرت کی بھی فکر رکھتا ہے۔

اہل اسلام اپنے کو صاحب کتاب کہتے ہیں لیکن عوام نہ کبھی غور کرتے ہیں اور نہ جاننے کی کوشش ہی کرتے ہیں کہ ان کی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے کیا احکامات نازل کئے ہیں اور کون کون سے راستے بتلائے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال ویسی ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل یہود کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا
كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی طرح ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔

مرد مومن کو لازم ہے کہ جسطرح دنیاوی نجات حاصل کرنے میں دن رات جد و جہد کیا کرتا ہے اسی طرح اگر نجات ابدی حاصل کرنیکے لئے بھی دھیان رکھے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے صاف اور سیدھے راستے بتلادیئے ہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا
وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۔

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو یعنی مسلمانو)
تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور
اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور تم نیک
کام بھی کیا کرو۔ امید ہے کہ (دنیا ہے کہ)
تم فلاح پاؤ۔

مندرجہ بالا احکام میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی کمائی سے جس سے انسان کو انتہائی محبت ہوتی ہے روکا ہو! اس کا کچھ حصہ طلب کیا ہو تو پھر ان احکامات کی تعمیل کرنے میں کون امر مانع ہوسکتا ہے بس محض کاہلی "لاپرواہی" اور عدم توجہی حائل ہو جاتی ہے۔ جتنے راستے نجات کے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندہ کو بتلائے ہیں اسمیں عمل صالحہ کی سب سے زیادہ تاکید ہے۔ اس عمل میں بھی کوئی خرچ نہیں ہے اب یہ جان لینا ضروری ہے کہ عمل صالحہ کسکو کہتے

ہیں۔

عمل صالح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جسکا تعلق خاص خدا سے ہے اسکو عبادت کہتے ہیں دوسرے وہ جسکا تعلق بندوں سے ہے اسکی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جسکی حیثیت انسانی فرض کی ہوتی ہے اس کا نام اخلاق ہے۔ اور دوسرے کا نام معاملات ہے۔ عمل صالح سے مراد ہر وہ عمل ہے جو نیت خالص سے ہو اور سنت کے موافق ہو۔ جو عمل اخلاص سے ہو لیکن سنت کے موافق نہ ہو وہ مردود ہے۔ اور جو عمل سنت کے موافق ہو لیکن نیت خالص سے نہ ہو تو وہ مقبول نہیں پس جسنے عمل صالحہ کو صحیح معنوں میں اختیار کیا اسکی فلاح دین اور دنیا دونوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمکو اور جملہ مومنین کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم سب اسکے بتلائے ہوئے راستوں پر چل کر نجات ابدی حاصل کریں۔ آمین۔

اقوال حضرت عمر فاروق رضؓ

صادق کمال

۱۔ اپنے کو عالم کہنے والا جاہل اور اپنے کو جنتی کہنے والا جہنمی ہے۔

۲۔ اسراف (فضول خرچی) یہی ہے کہ انسان کا جو جی چاہے کھائے۔

۳۔ تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں:۔ (الف) سلام کرنا (ب) مجلس میں دوسروں کیلئے جگہ خالی کرنا (ج) مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔

۴۔ انسان کے نماز روزے کو نہیں بلکہ اسکی دانائی اور راست بازی کو دیکھنا چاہیئے۔

۵۔ عالم کی لغزش سے ایک عالم پھسل جاتا ہے۔

۶۔ طالب دنیا کو تعلیم دینا ڈاکو کے ہاتھ تلوار فروخت کرنا ہے۔

۷۔ کسی کے خلق (عادت) پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک غصہ کی حالت میں اسکا ردعمل نہ دیکھ لو۔

۸۔ کسی کی دینداری پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو، جب تک اسے طمع (لالچ) کے وقت نہ آزما لو۔

۹۔ جو عیوب سے آگاہ کرے وہ دوست ہے۔

۱۰۔ منھ پر تعریف کرنا ذبح کرنیکے مترادف ہے۔

۱۱۔ ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم کرنا ہے۔

۱۲۔ مومن اللہ و رسول کے مخالفین سے دوستی نہیں رکھتے خواہ وہ ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔

۱۳۔ خضوع و خشوع کا تعلق دل سے ہے نہ کہ ظاہری حرکات سے۔

۱۴۔ قوت عمل یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ٹالا جائے۔

۱۵۔ کم بولنا حکمت، کم سونا عبادت، کم کھانا صحت اور کم ملنا عافیت ہے۔

مت پھیلا

آفتاب عالم ظفر پوری

۱۔ خدا کے سوا کسی کے آگے ہاتھ۔

۲۔ چادر سے زیادہ پاؤں۔

۳۔ تقریب میں زیادہ بکھیڑا۔

۴۔ راستہ میں کوئی چیز۔

۵۔ مجلس میں پیر۔

۶۔ کسی کی بری بات۔

۷۔ بغیر ضرورت سامان

۸۔ مرض کی زیادتی۔

۹۔ قرض کی زیادتی۔

۱۰۔ دولت کی زیادتی

قرآن مجید کے متعلق دلچسپ اعداد و شمار

پیشکردہ : تنویر آرا حمید

ذیل کے اعداد و شمار فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اپنی کتاب بستان المحدثین میں مشہور استاد تجوید عبد العزیز بن عبد اللہ نے نقل کئے ہیں :-

سورتیں	۱۱۴
اعشار کوفی	۶۴۳
اخماس کوفی	۸۴۷
آیات کوفی	۱۹۳۶
" شامی	۶۲۵۰
" مدنی	۶۲۱۴
رکوعات	۵۴۰
اعشار بصری	۶۲۳
اخماس بصری	۱۲۴۶
آیات بصری	۶۲۱۶
" مکی	۶۲۱۲
" عامہ	۶۶۶۶

کلمات	۸۶۴۳۰
حروف	۲۲۱۲۹۵
زبر	۵۳۲۴۲
زیر	۳۹۵۸۲
پیش	۸۸۰۴
نقطے	۱۰۵۱۸۴
مد	۱۷۷۱
تشدیدات	۱۲۵۲

الف	۴۸۸۷۲	ط	۱۲۷۴
ب	۱۱۴۲۸	ظ	۸۴۲
ت	۱۱۹۹	ع	۹۲۲۰۰
ث	۲۷۶	غ	۲۲۰۸
ج	۳۲۷۳	ف	۸۴۹۹
ح	۹۷۳	ق	۶۸۱۳
خ	۲۴۱۶	ک	۹۵۲۲
د	۵۶۴۲	ل	۳۴۳۲
ذ	۴۶۹۷	م	۲۶۵۳۵
ر	۱۱۷۹۳	ن	۲۶۵۶۱
ز	۱۵۹۰	و	۲۵۵۳۶
س	۵۸۹۱	ہ	۱۹۰۷۰
ش	۲۲۵۳	لا	۳۷۲۰
ص	۲۰۱۳	ء	۴۱۱۵
ض	۱۶۰۷	ی	۲۵۹۱۹

مع عند المتقدمین	۱۵
مع عند المتاخرین	۱۸
سجدہ اختلافی	۱۵
سجدہ اتفاقی	۱۴

اپنے پیارے مولانا کی خدمت میں ایک پرائیویٹ عرضداشت

ایم۔ الہیٰ

ہاں پیارے مولانا صاحب ۔ آپ میرے بزرگ و محترم ہیں۔ اور دینی اعتبار سے آپکے میرے اوپر کچھ احسان ہیں ان ہی احسانوں کے عوض آج میں آپ کو کچھ دنیاوی فوائد والی باتیں بتاتا ہوں ۔ امید ہے کہ اس پر عامل ہوکر آپ بھی دیگر مولویوں کیطرح سے دنیا سے فائدہ اٹھانے والے بن سکیں گے ۔

مولانا صاحب ۔ بیشک آپ دین کے پند ونصائح سے ضرور عوام کو روشناس کرائیں مگر خدارا ہمارے ایسے لوگوں کو مستثنیٰ کریں ۔

آپ جانتے ہیں کہ ہملوگ کچھ دیندار تو نہیں ہیں مدرسہ کیلئے، مسجد کیلئے چندہ دیتے ہیں۔ فقراء، مساکین یتامیٰ وغیرہ کی امداد کے لئے جب اپیل کی جاتی ہے تو ہم اس کار نمایاں میں بھی شرکت کرنا فخر سمجھتے ہیں اور پھر آپ جیسے بزرگوں کی خدمت سے بھی ہم اپنا منہ نہیں موڑتے ۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ آپ جناب بڑے غیور ہیں دیگر مولویوں کی طرح کو نذرانہ کی تھیلی قبول نہ کرکے صرف ہماری چائے وغیرہ کو ہی قبول کر لیتے ہیں یہ آپکا احسان کچھ کم تھوڑا ہے الغرض ہم کسی نہ کسی طریقے سے اپنا نام مخلصین کی فہرست میں لکھائے ہی رہتے ہیں اب اتنی نیکیاں کمانے کے ساتھ ساتھ اگر ہم کچھ تھوڑا موڈ بنانے کے لئے اور دنیا کی کچھ عیش کیلئے تھوڑا آپ کے کہنے کے خلاف بھی کر لیتے ہیں تو کیا حرج ہے جی ۔ زیادہ نہیں ہفتہ میں صرف ایک ہی بار سینما دیکھتے ہیں اور تھوڑا سا ہی سود کھاتے ہیں ۔ روزانہ نہیں تو جمعہ کو تو ضرور نماز پڑھ ہی لیتے ہیں ۔ اور آپ جانتے ہیں کہ آج کل کا انسان کتنا کمزور ہے بس اسی وجہ سے ہم روزوں سے چھوٹ حاصل لیتے ہیں ۔ ورنہ ہم خدانخواستہ اسکے منکر نہیں ہیں ۔

اور حج کو کہئے تو ہم ہر سال جایا کریں ۔ مگر افسوس کہ حکومت وقت کے طرف سے ہی اجازت نہیں ملتی تو مجبوراً صبر کرنا پڑتا ہے ۔ حالانکہ ہم اسکے لئے کچھ بخشش کے ذرائع بھی استعمال کر لیتے ہیں اگر کامیاب ہوگئے تو خیر ورنہ مجبوراً صبر ۔ کیونکہ دین کا یہ عمل تو ہم اب ہمارا بہت پسندیدہ عمل ہے کہ اسکے سبب ہمکو وہاں کی طرح طرح کی خوبصورت عمارتیں وغیرہ دیکھنے کو مل جاتی ہیں ۔ اور انگلینڈ وغیرہ کا خرچ بچکر وہاں نہ جانے کی کچھ تلافی بھی ہو جاتی ہے ۔

الغرض ایک آدھ فیصدی دین پر عمل کرکے ہم اپنا نام مسلمانوں کی فہرست میں ضرور شامل رکھنا چاہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کہ ــــــ

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو"

کے ایک حکم یعنی "اللہ سے ڈرو" پر عمل نہیں کرپاتے تو دوسرے حکم یعنی "سچوں کے ساتھ رہو" پر تو عمل کرتے ہی ہیں ۔ کیونکہ آپ لوگوں سے زیادہ سچا موجودہ وقت میں کون ہوگا ؟ ۔ اسلئے ہم آپ کی صحبت سے وقتاً فوقتاً فائدہ اٹھاتے ہی رہتے ہیں اور آپکی صحبت میں بیٹھنے کے دو فائدے ہیں ۔ ایک تو اللہ کا حکم پورا کرتے ہیں، دوسرے ان مجالس میں ہونے والی غپ شپ سے کانوں کو کچھ مزہ بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اسی طرح قرآن کے حکم کے مطابق کہ ۔

"کھاؤ اور پیو بیجا خرچ نہ کرو" میں سے دو باتوں میں کھاؤ اور پیو

پر عمل کرتے ہیں یا اب رہا کہ "بیجا خرچ نہ کرو" تو اس میں کچھ بے احتیاطی ہو ہی جاتی ہے۔ وہ بھی آپ لوگوں کے نظریہ کے مطابق۔ ورنہ ہم تو اس کو بیجا خرچ بھی نہیں سمجھتے بھلا بتایئے تو ہم نے اپنے لڑکے لڑکی کی شادی جیسی نیک تقریب پر چار پانچ ہزار روپے جل وغیرہ کی سجاوٹ پر خرچ کر دیئے تو کہیں یہ بے جا خرچ ہوا۔

ارے ہم نے اپنے ان اولاد کی شادی جیسی نیک تقریب میں خرچ کئے ہیں کہیں پھینک تو نہیں آئے۔

الغرض دین کے وہ احکام جو ہماری طبیعت کے مطابق ہوتے یا جو ہمارے معاشرہ میں مروجہ ہیں ان پر تو ہم حتی الامکان عامل ہونے کی کوشش کرتے ہی ہیں۔ اب رہے وہ احکام جو ابھی ہمارے معاشرہ میں رائج نہیں ہیں تو ان احکام کی ہمارے ایسے لوگوں کو رخصت ہی دے دیں۔ اور آپ رخصت دے بھی سکتے ہیں۔ کیونکہ اپنے ملنے والوں اور بڑے لوگوں کے لئے دین کی رخصت میں اکثر گنجائش نکل آتی ہے بہرحال آپ ہمارے ایسے لوگوں کو دین کے ضروری احکام کی رعایتیں دیتے رہکر ہماری نظروں میں اپنی تعظیم کو برقرار رکھیں۔ ورنہ اگر آپ سے بھی چوک ہونے لگی اور آپ نے بھی فلاں مولوی صاحب کی طرح ہم لوگوں کو ہر وقت جائز اور ناجائز سے آشنا کرانے لگے تو آپ بھی ان مولوی صاحب کی طرح دنیا کی فوائد سے محروم ہو جائیں گے۔ پھر ہم لوگوں کی نظروں میں آپکی بزرگی ختم، آپ کی عالمیت پر شبہ اور نکتہ چینی آپ کا نظریات سے بائیکاٹ حتی کہ آپ سے سلام وکلام، ملنے جلنے میں بھی کترائی ہونے لگے گی۔

کیا آپ کو یہ سب قبول ہے؟ ہرگز نہیں آپ ایسی راہ سے پرہیز کیجئے جس کہ آپ کو بھی دنیا کے فوائد سے محروم ہو جانا پڑ جائے۔

بس آپ لوگوں کی مانتے رہئے جب آپکی دعوت کریں تو قبول کیجئے، ہماری غلطیوں سے چشم پوشی اختیار کیجئے اور دین کے جن احکام میں ہم گنجائش چاہیں ان میں ہمارے لئے گنجائش نکالتے رہئے۔ غرضیکہ آپ ہماری ہر بات کو پورا کیجئے۔ اور اپنی نصیحتوں سے ہمارے کانوں کو [illegible] کر پھر وہ آپ کی مجلسوں سے محروم آپکی مجلسوں میں ہونے والی ایران توران کی غپ شپ اور صحبتوں سے ہمارے کان محروم ہو جائیں۔

اور پھر آپ اس پر بھی غور کریں کہ عوام کو دین کی راہ کی طرف لانے میں کتنی محنت وتکان اور عوام کی خوشامد کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اسکے نتیجہ میں پھر لوگ آپ سے ملنا جلنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ تو آپکا روزانہ کا مشاہدہ ہے۔

تو پھر کیوں آپ اپنے کو مشقت میں ڈال کر دنیا کی نعمتوں سے محرومی اٹھانا چاہتے ہیں۔

اسے آپ بھی دیگر راہ نمایانِ دین کی طرح دنیا کی نوازشات سے فیض حاصل کرنے والے بنئے۔

امید ہے کہ آپ میری گذارشات پر عمل کرکے سوسائٹی میں اپنی عظمت وشان کو برقرار رکھنے والے بنیں گے۔۔

جدید نکات

فیض محمد عثمانی

* شیریں سخنی اور خوش گفتاری کی خوبی پیدا کرنے کے لئے ہر وقت شکر بجا لانے کی عادت اپنائیے۔
* کڑوی بات کہنے والے کریلے کھانے کے عادی ہوتے ہیں
* مقابلہ کی تاب نہ ہو تو حریف سے فوراً معافی مانگ لیجئے
* راستہ چلتے وقت دوسروں سے پیچھے رہنے میں ناگہانی مصیبت کے وقت بھاگنے میں آسانی رہتی ہے
* اگر سارا کام آج ہی کر ڈالوگے تو کل کے لئے کام باقی نہیں رہ جائے گا۔ اس لئے کام کو کل کے لئے ٹال دو تاکہ کل بیکار نہ بیٹھنا پڑے

ڈیلائٹ پی۔ وی۔ سی جوتے پہن کر تو دیکھئے پھر کے
قدم یا سرپٹ جیسے بھی چلیں آپ محسوس کرینگے آرام
خوبصورت بناوٹ۔ نہ پھٹنے والے سول منفرد ڈیزائن
دھوکر پہننے کے قابل۔۔ دیدہ زیب رنگوں میں دستیاب
ڈیلائٹ جوتے اور سینڈل آج ہی خریدیں۔
بے مثال جوڑا
ڈیلائٹ
DELITE CASUAL
RUSTAM SANDAL
BALAM NAGRAS
SHAHANSHAH CASUAL
جوتے جو بیش بن جاتے ہیں چھوٹے بڑے سب ہی کا دل موہ لیتے ہیں
C.S.C.
BEBEE
MAZBOOT
Delite FOOT WEAR
ہول سیلنگ ایجنٹ
سرتاج ایجنسیز
حسرت موہانی روڈ کانپور
اعلیٰ قسم کے
پی وی سی کے جوتے بنانے والے
سپر پوپی پلاسٹ پرائیویٹ لمیٹڈ
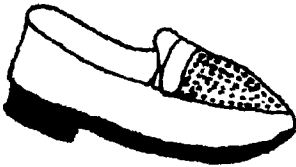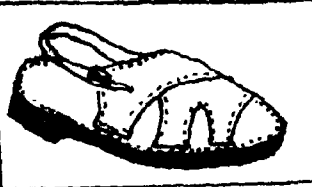
درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی

تسکین الدین فاروقی

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے بڑے عابد و زاہد انسان گذرے گزرے ہیں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ خلیفہ وقت کو حضرت سالمؒ کے زہد و تقویٰ، توکل علی اللہ اور دنیوی بے ثباتی کا حال معلوم ہوا تو ان کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہشام مدینہ منورہ آئے تو حضرت سالم سے ملاقات کے لیے مسجد نبوی گئے۔ عشاء کی نماز کا وقت تھا۔ حضرت سالمؒ نماز کے بعد اوراد و وظائف میں مصروف تھے۔ مسجد میں کسی طرح کی دنیوی باتیں ممنوع ہیں اسلئے خلیفہ وقت انتظار میں مصروف رہے کہ کس طرح ان سے مخاطب ہوا جائے۔

حضرت سالمؒ جب مسجد نبوی سے باہر جانے کیلئے تیار ہوئے تو اپنے زمانہ کی سب سے بڑی، حکومت کا فرمانروا مسجد کے دروازے پر ان سے شرف ملاقات کے لیے پہلے ہی باہر آگیا۔ حضرت سالم رح کے باہر آتے ہی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے علیک سلیک کے بعد ان سے عرض کیا۔

"میں خلیفہ ہشام آپ سے شرف ملاقات کے لیے دارالخلافہ دمشق سے حاضر ہوا ہوں۔ آپکی جو دنیوی ضروریات ہوں مجھے بتایئے، میں انھیں پورا پورا کردوں۔ اس لیے کہ اسوقت میں مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ ہوں،

حضرت سالمؒ نے شان استغناء اور بے نیازی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا "ہشام! دنیا کی ضرورتیں تو ہم نے اس مالک سے بھی نہیں طلب کیں جسکے تم بھی محتاج ہو۔ تم ہماری ضرورتیں کیا پوری کروگے۔ جاؤ بحیثیت خلیفہ کے اپنی ذمہ داریاں بہ حسن و خوبی انجام دو"

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کو ایک دن اشتیاق پیدا ہوا کہ آج کسی اللہ کے کامل بندے سے ملاقات کی جائے۔ اپنے خصوصی غلام مسرور سے کہا کہ آج کسی پہونچے ہوئے بزرگ سے ملاقات کراؤ۔ رات کو جب خلیفہ ہارون الرشید عامیانہ لباس میں عوام کی حالت معلوم کرنے نکلتے تھے اسی غرض سے مسرور کے ساتھ چلے ایک بزرگ کے آستانہ پر جاکر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔ کون ہے؟ مسرور نے جواب دیا خلیفہ ہارون الرشید آپ سے ملنے آئے ہیں۔ یہ سننے کے بعد دروازہ کھلا اور ایک بزرگ باہر آئے خلیفہ ہارون الرشید کو دیکھ کر انھوں نے دنیوی تکلفات کا اظہار کرنا شروع کیا۔ "آپ نے کیوں زحمت کی مجھے کسی غلام سے کہلوا دیا ہوتا، میں خود ہی آجاتا۔ کچھ دیر ان بزرگ سے گفتگو کرنے کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے ان سے رخصت طلب کی اور آگے چل دیئے۔

راستہ میں غلام مسرور سے گویا ہوئے "یہ بزرگ تو ہیں۔ مگر یہ جان کر کہ میں خلیفہ وقت ہوں جس طرح کی پر تکلف گفتگو کی ہے یہ ایک عارف کامل کے مقام سے کمتر درجہ کی بات ہے۔

اس کے بعد مسرور ایک اور بزرگ کے آستانہ پر خلیفہ ہارون الرشید کو لے گئے، مسرور نے ان کے مکان پر دستک دی اندر سے آواز آئی "کون ہے"؟ "خلیفۂ وقت آپ کے آستانہ پر شرف ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں" مسرور نے جواب دیا۔

"ہمارا بندگان خدا سے ملنے کا وقت ختم ہوچکا ہے" چاہے خلیفہ وقت ہوں یا عام آدمی جس کو ملنا ہو کل صبح ہمارے مقررہ وقت کے اندر آکر ملے اس وقت ہم مصروف عبادت ہیں خلیفہ اپنے اوقات کا پابند ہے ہم اپنے اصول کے پابند"

اس پر خلیفہ ہارون الرشید نے مسرور سے کہا کہ یہ واقعی ایک درویش کامل بزرگ ہیں۔ میں کل ان کے مقررہ اوقات پر آکر ان سے ملاقات کرونگا۔

ایسے ہی اللہ کے نیک اور صالح، دنیوی تکلفات سے بے نیاز بزرگان خدا کے لئے شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال نے ایک جگہ کہا ہے

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی ہے نہ صفاہاں نہ سمرقند

دنیا، دنیا کی بادشاہتیں، دولت و حشم سب ہیچ ہیں بڑے بڑے دنیوی فرمانرواجن کے آگے بڑی سے بڑی ادی طاقتیں سرجھکانے پر مجبور لیکن ان کے سامنے اپنے وقت کے حاکمان و فرمانروا بھی نیاز مندانہ حاضری پر مجبور۔

رشید صاحب کی علالت

رگ ریشہ کے مفاد رشید صاحب کی سخت علالت کی وجہ سے اس شمارہ کی ترتیب میں دیر ہوئی جس کے لئے ادارہ کو افسوس ہے (مدیر)

معراج النبی کا تحفہ

ابن شمسی

" ارے بھئی رجبی شریف آ رہی ہے۔ ہاں ابھی سے اس کا نظم وغیرہ بنانا ہے۔ اور دیکھو کہ اس مرتبہ ذرا زور داری سے چندہ ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ پچھلے سال ہمارے یہاں سجاوٹ کی کمی رہ جانے کے سبب سے اُس پارٹی والے بازی لے گئے تھے۔ حالانکہ ہماری طرف کے مقررین حضرات بہت زور دار اور لچھے دار تقریر کرنے والے تھے۔ لیکن سجاوٹ پھیکی رہ جانے کے سبب سے وہ زیادہ مجمع کو اکٹھا نہ کر سکے ..... اور ہاں اس مرتبہ ان مولنا صاحب کو نہ بلانا جنہوں نے سیدھی سادی سی سیرۃ پاک پر تقریر کر کے دور دراز سے آئے ہوئے سامعین کو مایوس کر دیا۔ وہ تو کہیئے کہ بعد میں جناب علامہ فصیح البیان ...... صاحب نے اپنی چرب لسانی سے سامعین کے بگڑے ہوئے موڈ کو کچھ قابو میں کر لیا۔ ورنہ اس مرتبہ شاید ہم اپنے یہ اجلاس نہ کر پاتے۔

کیونکہ سیدھی سادی روکھی پھیکی تقریر کے لئے چندہ کون دے؟

اور ہاں سنو ہو سکتا ہے کہ عوام چندہ دینے میں کچھ لیس و پیش کریں۔ تو تم چندہ کی اپیل کے ساتھ یہ خبر بھی شائع کروا دو کہ اس مرتبہ فخر القوم طوطی زبان اور فصیح اللسان صاحب کی بھی توقع ہے حالانکہ انکی ذرا بھی امید ہے نہیں۔ لیکن عوام کو سمجھانے کے لئے ایسا کر دو۔ ہم مولانا طوطی صاحب کو رسماً خط بھی لکھے دیتے ہیں تاکہ عوام سے کہنے کو ہو جائے کہ انھوں نے آنے سے معذرت کر لی ہے۔"

اس قسم کی باتیں عام طور پر کسی بھی مذہبی تقریب کے موقع پر جلسوں کا اہتمام کرنے سے پہلے آپ کے کانوں میں پڑتی ہونگی۔ رجبی شریف کے جلسوں کے انعقاد سے قبل بالخصوص اس قسم کی باتیں مجھے سننے میں ملیں گویا ہمارے نزدیک رجبی شریف منانے کا مقصد یہ ہے کہ بس شاندار سجاوٹ ہو جائے۔ اور کچھ زور داری سے لچھے دار تقاریر ہو جائیں۔ ہم لوگ اس بات کو تقریباً یکسر بھول گئے۔ کہ اس مبارک رات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کو اپنے قرب خاص میں بلا کر مومنین کے لئے ان کو کونسا قیمتی تحفہ عطا کیا۔ آپکو معلوم ہے اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ اس دنیا میں اسلامی احکام کا نزول فرماتے رہے۔ لیکن جب مومنوں کو نماز جیسی قیمتی شے دینے کا وقت آیا۔ تو خدا تعالیٰ نے اس قیمتی شے کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھجوانے کے بجائے خود حضور کو اپنے پاس بلا کر یہ قیمتی تحفہ عطا کیا ـــــــــــ حضور اس قیمتی تحفہ کو پاکر نہایت خوش وخرم اپنی امت کی قسمت پر ناز کرتے ہوئے واپس آئے۔ اور پھر اُس دور کے مسلمانوں نے اس تحفہ کا اس کے شایان شان استقبال کر کے اس کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دی۔

" لیکن آج کے ہم مسلمانوں نے اس عظیم تحفہ کی ناقدری کر کے اس کو فراموش کر دیا ہے۔ اور ہمیں اس کا کچھ احساس بھی نہیں ہے ...... یوں کہنے کو تو ہم یہ بہت دعا کرتے ہیں کہ ہم [illegible]

بنے ہیں۔ اور دنادار بنے ہیں۔ لیکن آپ غور کریں کہ حقیقت میں اگر ہم ایسے ہوتے جیسا کہ دعویٰ کرتے ہیں۔ تو اس تحفہ سے بال برابر لاپرواہی کا کرنا تو دور رہا۔ اس سے کوتاہی سے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ بے التفاقی سے اس کو فراموش کردینا آپ کسی جگہ دور دراز کا سفر کرنے جائیں۔ اور وہاں سے اپنے اعزہ و اقارب کے لئے کچھ قیمتی تحفے لاکر ان کو دیدیں۔ لیکن آپ کے اعزہ ان تحفوں کو ردّی کی ٹوکری میں جگہ دیں۔

تو کیا اس بات سے آپ کو صدمہ نہ ہوگا۔ کہ آپ اتنی دور سے اور اتنی محنت اٹھاتے ہوئے یہ تحفے لائے۔ اور ان کو اپنا سمجھ کر یہ تحفے دئے۔ لیکن ان لوگوں نے ہمارے لائے ہوئے تحفوں کی یہ قدر کی۔ اس طرح آپ اس بات کو سمجھیں۔ کہ حضور پاک کتنی دور اور کتنی بڑی پاک بارگاہ سے یہ قیمتی تحفہ لائے۔ اور ہم مسلمانوں کو اپنا سمجھ کر ہمکو یہ تحفہ عطا کیا۔ تو اب ایسی حالت میں کیا ہماری طرف سے لاپرواہی حضور پاکؐ کی روح پاک کو اذیت پہونچانے کیلئے کافی نہیں ہے؟

تین غزلیں

یونس قنوجی

کسی بھی رخ سے پئے شغل ہاؤ ہو تو رہے
لہو قبول مگر سامنے سبو تو رہے
اگرچہ کوئے ملامت میں زندگی گذری
یہی بہت کہ حسینوں کے روبرو تو رہے
حلاوتِ لب و رخسار، لذتِ مے و جام
نہیں نصیب میں تسلیم، گفتگو تو رہے
بلا سے خونِ جگر سرخیٔ بہار بنا
گلوں سے کھیلنے والے شگفتہ رو تو رہے
طرب کا رنگ تبسم کی روشنی نہ سہی
ہم اہلِ غم کے یہاں جشنِ آرزو تو رہے
دل و جگر کو نشانے پہ لاؤ ہم نفسو
کمالِ بدرشِ نگاہوں کی آبرو تو رہے
جراحتوں کی شکایت بھی کفر ہے یونس
کسی کا دستِ کرم شاملِ رفو تو رہے

سیف خیرآبادی

دل میکدے سے آپ ہے بیزار کیا کریں
ساقی ہے مستِ بادۂ پندار کیا کریں
احباب چارۂ دلِ بیمار کیا کریں
جب غم ہی لا علاج ہو غمخوار کیا کریں
کیونکر چھپائیں دل میں غمِ یار کیا کریں
غماز ہیں یہ دیدۂ خونبار کیا کریں
کچھ کم نہیں ہے موت سے فرقت کی زندگی
مرنے کی آرزو ترے بیمار کیا کریں
آؤ اسی اندھیرے میں ڈھونڈیں کوئی کرن
اب انتظارِ صبحِ شبِ تار کیا کریں
یہ ابرِ نوبہار یہ سرمستیٔ نسیم
تحریکِ میکشی ہو تو میخوار کیا کریں
پہلو میں دل ہے اور دل اُس کی جلوہ گاہ
ہم جستجوئے کوچۂ دلدار کیا کریں
بیبات اپنی شانِ مروت سے ہے بعید
ساقی پلا رہا ہے تو انکار کیا کریں
ہوگا ہلاک آپ جو آئیگا سامنے
اے سیف ہم تو سیف ہیں تلوار کیا کریں

انوار الحق حافظ اسعد بوی

بزمِ نظر میں شمعِ وفا اب جلائے کون
معصوم روشنی کے نظارے دکھائے کون
اے مطربِ بہار چمن دل کے ساز پر
عہدِ جنوں میں نغمۂ ادراک گائے کون
جی چاہتا ہے حشرِ نظر میں سمیٹ لوں
بر سہلِ خیالِ دید کی زحمت اٹھائے کون
عکسِ جمیل خلدِ نظر، جنتِ خیال
تیرے بغیر بزمِ تمنا سجائے کون
دل تو انھیں کا ہو گیا پہلی نظر کے بعد
اب میتِ نگاہ پہ آنسو بہائے کون
عیش و طرب میں تلخیٔ ایام گر نہ ہو
احساسِ انبساط کے احساں اٹھائے کون
چشمِ جنوں تو کر دے رخِ حسن بے حجاب
لیکن حیات و موت کا پردہ اٹھائے کون
حافظ خیالِ یار کے عالم میں کھو کے آج
پھر سے نگاہ و ہوش کی دنیا میں آئے کون

تین غزلیں

حباب ہاشمی

کیا کہیں کیسے شبِ ہجر بسر ہوتی ہے
آنکھ لگنے نہیں پاتی کہ سحر ہوتی ہے
دلِ محزوں کے لیے ہے یہی تسکین بہت
ہر شبِ غم کی بہرحال سحر ہوتی ہے
جب کبھی آتا ہے تری زلفِ پریشاں کا خیال
میری دنیائے سکوں زیر و زبر ہوتی ہے
کاوشِ ضبطِ الم، ضبطِ فغاں نا ممکن
دل جو روتا ہے تو پھر آنکھ بھی تر ہوتی ہے
مجھ کو کچھ غم نہیں اپنی تہی دامانی کا
یا دہی تیری مرا رختِ سفر ہوتی ہے
پوچھتے ہیں رقیبوں سے مرا حالِ زبوں
پرسشِ غم بھی بہ اندازِ دگر ہوتی ہے
جھلملاتے ہیں ستارے سرِ مژگاں جو حباب
لوٹتے ہیں تو زمانے کو خبر ہوتی ہے

شمیم فتحپوری

کیا جانئے کیا کر گئے وہ ایک نظر میں
باقی نہیں احساس کوئی قلب و جگر میں
جن کے لیے باقی ہے خلش قلب و جگر میں
اُن کو لیے بیٹھا ہوں میں آغوشِ نظر میں
اس خاک کے پتلے کو کیا قابلِ تعظیم
نظارۂ مشیت کوئی تخلیقِ بشر میں
احساسِ محبت کے سوا کچھ نہیں دل میں
دل ڈھونڈ رہا ہے کوئی شے دیدۂ تر میں
جب سے ہے تصور میں ترے عارض و گیسو
ظلمت ہے نہ شب میں، نہ وہ تنویر سحر میں
اب اُن کا یہ عالم ہے کہ ہر لمحہ میں بے چین
فریاد کا یہ حال کہ ڈوبی ہے اثر میں
ہر وقت تجسس ہے ترا دن ہو کہ ہو رات
دل کو ہے تری فکر نگاہیں ہیں سفر میں
ہر گوشۂ تاریک میں ہے نورِ خراماں
بدلی ہے فضا دل کی، کہ جلوے ہیں نظر میں
پہچان شمیم آج سخنور کی ہے مشکل
کچھ فرق نہیں، بے ہنر و اہلِ ہنر میں

عروج زیدی

فردا کے پرستارو! امروز سے بیگانہ
دنیا تمھیں کر دے گی بھولا ہوا افسانہ
تا چند زبانوں پر ذکرِ مے و پیمانہ
لے ساتھ تیزاب مل کر اک نعرۂ مستانہ
طاعت میں اگر پیدا اخلاص کا جذبہ ہو
تعظیم کو خود اُٹھے سنگِ درِ جانانہ
بے مہریٔ دنیا کا آئینہ انھیں کہیے
اس طرح وہ ملتے ہیں جیسے کوئی بیگانہ
ہاں اپنی طرح کوئی ورنہ تو تنہا مل جائے
ہم ہر کس و ناکس سے کہتے نہیں افسانہ
میں سوزِ مجسم ہوں تم سازِ سراپا ہو
میں زحمتِ کاشانہ تم رحمتِ کاشانہ
جنت سے نکلنا ہی اس بات کا شاہد ہے
انسان کی فطرت میں ہے لغزشِ مستانہ
افسانۂ اُلفت اب موقوف ہے تم پر
ہم سرخیٔ افسانہ، تم حاصلِ افسانہ
وہ کیوں نہ عروج اپنی تقدیر پہ نازاں ہو
مٹ کر جسے ملتا ہے خاکِ درِ جانانہ

افسر ماروی

ہم اگر ان کی خاکِ پا ہوتے
کیا خبر آج کیا سے کیا ہوتے
واقفِ جادۂ بقا ہوتے
کاش ہم خضر آشنا ہوتے
ذوقِ مے اور عہدِ پیری میں
حضرتِ شیخ پارسا ہوتے
ہم کو اظہارِ حق تو کرنا تھا
وہ ملا سے اگر خفا ہوتے
آرزو جو لبوں پہ آ جاتی
کس قدر وہ چراغ پا ہوتے
کاش وہ بھی جہانِ اُلفت میں
غم شناور، غم آشنا ہوتے
کشتیٔ دل نہ ڈوبتی افسر
آج زندہ جو ناخدا ہوتے

ساجد امیٹھوی

پھولوں کی تمنا میں کانٹوں سے گزر آئے
دنیا سے کہاں ہوتا ہم کام جو کر آئے
یوں تو تری محفل میں ہشیار بھی ہیں لیکن
الزام اگر آتے دیوانوں کے سر آئے
لرزے ہوئے ہونٹوں پہ سہما سا پیام اُن کا
تا عمر دعاؤں میں یارب نہ اثر آئے
آنسو وہی آنسو ہے دراصل محبت میں
دامن پہ ترے جسکی تصویر اُتر آئے
مائل بہ کرم اُن کی نظریں ہیں مری جانب
اللہ کرے دل کے لٹنے کی خبر آئے
اک منزلِ جاناں تک سو راستے ہیں پیچا
جب جا کے مسافر کو آدابِ سفر آئے
ناکامیٔ دل ہی کچھ ڈھارس ہے مجھے ساجد
دل میرا نکل جائے ارماں جو بر آئے

شمیم عثمانی

کون رُو در رُو اُن کے شکوا کرنیوالا ہے
دل نے صرف ملنے کا راستہ نکالا ہے
صرف آپ کی خاطر اہلِ بزم کا آنا
اعتراض بیجا بھی میں نے ہنس کے ٹالا ہے
آہ پر جو ہنس بھی دے شکریہ ادا کیجئے
اتنا بھی زمانے میں کون سننے والا ہے
تم قریب ہو ورنہ کچھ حقیقتیں یوں ہیں
رات ایک ناگن ہے اور چاند کالا ہے
میری سمت سے اکثر پھیلی نظر اُٹھنے
جب بھی میں نے یہ دیکھا دل دھڑک گیا
اس نظر کو کیا کہئے دوست بھی ہے دشمن
گاہ زندگی دی ہے، گہہ مار ڈالا ہے
ذوقِ دید حیراں ہے جلوہ گاہِ جاناں
کچھ نظر نہیں آتا۔ اس قدر اُجالا ہے
میں شمیم تنہا ہوں اور طنز دنیا کے
جن سے کچھ توقع تھی اُنکے منہ پہ تالا ہے
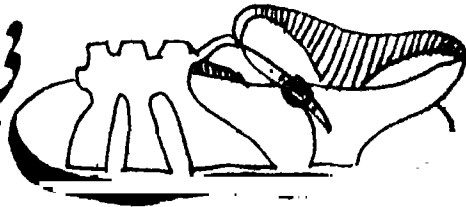
مسلمانوں کی اخلاقی پستی

اقبال رفیق

میم (م) آلفاق سے ایک ایسا لفظ ہے جس سے عام طور پر اچھے ہی الفاظ بنتے ہیں مثلاً مرد، مردانگی، مرد مجاہد، ایسا لگتا ہے خدا نے بھی اس لفظ کو پسند کیا ہے جب ہی تو خود مالک جہاں نے اپنے رسولؐ کو "محمدؐ" کہکر پکارا اور اپنے پاک گھر کو مکہ کہا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا جب اپنے پیارے رسول کو جس لفظ سے پکارے اسکی امت کو الگ کیسے کر سکتا تھا لہٰذا اپنے رسول کو محمد کہا تو اس کے امتیوں کو مسلمان کہا مسلمان یعنی مسلم ایمان۔ سچ بولنے والے ایمان دار لوگ۔

لیکن اب اس دور میں آپ مسلمان کے معنی سچ بولنے والے اور ایماندار سے لگا تو سکتے ہیں مگر انکی تعداد اس قدر کم ہے کہ بعض وقت اسے بقدر نفی کہنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے خدا نے مسلمان کو ایک سپاہی بنا کر بھیجا تھا کہ تم "م" کے مانند سر جھکا کر چلنا جس طرح یہ لفظ اپنے آس پاس کے دوسرے لفظوں سے بلند ہونے پر بھی سر جھکانے نظر آتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کو بھی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ دنیا کی تمام قوموں سے افضل ہوں مگر اپنا سر جھکا کر چلیں اسی میں اُن کی فلاح ہے خدائے تعالیٰ نے صاف صاف قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اگر تم نے میری نافرمانی کی تو تم بھی اسی طرح ذلیل اور خوار ہو جاؤ گے جیسے کہ دوسری امتیں ہو گئیں تمہارے اوپر ایسے حاکم مسلط کر دیئے جائیں گے جو تم کو چین سے بیٹھنے نہ دیں گے۔

آج وہی وقت آگیا ہے کہ ہم سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو چکے ہیں ہمارے اوپر ایسے حاکم مقرر کر دیئے گئے ہیں جو ہم کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے ہم ان کو خطاوار نہیں کہتے خطاوار تو ہم ہیں ہماری تہذیب اور ہمارا اخلاق سب ختم ہو چکا ہے ہم لڑنے والے جھگڑالو کے نام سے بدنام ہو چکے ہیں اور آپسی جھگڑے بکھیڑ دن کے بعد تو ہم۔ کہیں کے نہیں رہ گئے۔

اس بات کو آج سے بہت زمانہ قبل سر سید احمد خاں نے محسوس کیا تھا ان کے سامنے قوم کا یہ بدنما چہرہ گردش کھا رہا تھا وہ جانتے تھے اگر قوم نے زمانہ کیا تھ ساتھ قدم نہ اٹھایا تو وہ بچھڑ جائے گی اور پھر جو حالت ہوگی بہت ناگفتہ بہ ہوگی یہ چیز تو آپ کی نظروں سے بھی گزری ہوگی کہ ہمارے ہی بہت سے بھائی کس قدر گندے ماحول میں رہتے ہیں گالیاں بکنا ان کا کام چوری کرنا اُن کا پیشہ جوا کھیلنا اُن کا شغل چاقو مار کر ہلاک کر دینا انکی بہادری اور اپنے ہی بھائی کا گلا غیروں سے کٹوا دینا ان کا روزمرہ کا وطیرہ ہے پھر بھی وہ اپنے کو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور "محمد کی امت" میں ہیں

میں اس اتفاق کو نہیں بھول سکتا جب میرا کشمیر جانا ہوا تھا اور وہاں ایک سری نگر کے ایک نسواں اسکول کی ایک طالبہ سے میں نے سوال کیا تھا کہ کیا تم نماز پابندی سے ادا کرتی ہو؟ آپ حیرت کریں گے کہ اس نے مسکرا کر کہا تھا کہ کبھی کبھی میں نے پھر سوال کیا تھا کہ تم خدا پر پورا بھروسہ نہیں رکھتیں تو اس نے جو جواب دیا تھا وہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھا اس نے کہا تھا کہ خدا نے مجھے کیا دیا سوائے پریشانیوں کے۔ اس لئے اس پر بھروسہ کیوں کروں؟ یہ تھا اُس لڑکی کا خیال اپنے مذہب اسلام کے بارے میں جو اپنے آپ کو مسلمانہ کہلانے کی دعوے دار تھی ایسی صورت میں جب لڑکیاں ہی اس قسم کی ہوں گی تو انکی گود میں پلنے والے بچے کیسے ہوں گے

اس کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں اگر کبھی آپ کو جیل جانے کا اتفاق ہوا ہوگا تو آپ نے وہاں پر زیادہ تر مسلمان ہی قیدی اور حوالاتی دیکھے ہوں گے گویا مسلمانوں کا اہم ترین کام اب جرائم پیشگی ہی رہ گیا ہے دوسری طرف اسکولوں اور کالجوں میں آپ کو دوسری قومیں صف آرا ہوتی ملیں گی آپ کو اسی سے ہر قوم کے مستقبل کا اندازہ ہوگا۔

تماشوں میں محرم کے جلوس میں زیادہ تر تعداد برقعہ پوش عورتوں کی ہوتی ہے اگر ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ مسلمان عورتیں کس قدر آزاد ہو گئی ہیں تو ہم آپ یہ کہتے ہیں کہ نہ صاحب ہمارے گھر کی عورتیں تو نہیں نکلتیں پتہ نہیں کون لوگ آزاد کئے ہیں۔ بھلا بتائیے اگر یہ ہماری آپ کی بہنیں مائیں نہیں ہیں تو کیا شیطان کی خالائیں ہیں آخر یہ ہوتی تو ہیں سب مسلمان ہی۔

آج اگر کوئی دوسری قوم ڈھول باجا بجاتا ہوا کسی مسجد کے سامنے نکل جاتا ہے تو ہم مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن خود بے حسی کا یہ عالم ہے کہ مسجد سے آواز آتی رہتی ہے اور ہم لوگ اطمینان سے ریڈیو سیلون بیٹھے سنا کرتے ہیں کوئی پرواہ ہی نہیں کرتا اس بات کی کہ چلو نماز پڑھ لیں یا یہ کہ اذان ہو رہی ہے تو ریڈیو بند کر دیں۔

بہت کیا عورتوں نے تو سر پر دوپٹہ ڈال لیا گویا سارے گناہ معاف ہو گئے اور بے چارے مرد تو وہ اتنے احترام سے بھی گئے گذرے ہو گئے یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ فلموں کے اتنے شوقین ہوتے ہیں کہ اگر دیکھنے کو دل چاہے تو قرض ادھار لیکر بھی دیکھتے ہیں اس سے ایک تو بلا ضرورت قرض دار ہوتے ہیں دوسرے فضول خرچی کی عادت پڑ جاتی ہے اور سب سے بڑی نقصان وہ بات تو یہ ہے کہ بچوں پر بھی خراب اثر پڑتا ہے

اس وقت ضرورت تو اس بات کی ہے کہ پہلے ہم اپنے آپ کو پھر اپنے بچوں کو مہذب بنائیں تعلیم کا رواج اپنے آس پاس کے لوگوں میں عام کریں اپنے دوستوں کو جو نہیں پڑھے ہیں یا کم پڑھے ہیں ان کو پڑھائیں۔

احتجاج لبساطخانہ

ابن لبساطی

میرا نام لبساطخانہ ہے۔

جی ہاں پھر کان کھول کر سن لیجئے کہ میرا نام لبساطخانہ ہے۔

جناب راقم "اعتراض خانہ" صاحب آپ سے میرا زبردست احتجاج ہے کہ آپ نے میرا نام بدلنے کی جرأت کیسے کی؟

آپ نے اپنے مضمون میں اعتراض کرنے والوں کی چند مثالیں دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ میری سرزمین پر بسنے والے پیارے پیارے بھولے بھالے ساکنین سب کے سب اعتراض خاں ہیں۔

ارے دین کے معاملہ میں کبھی کبھی اعتراض اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ ان دیندار لوگوں کو اپنی دینی لیاقت پر خود اعتمادی نہ پیدا ہونے پائے۔

کیونکہ ان میں اگر اپنی دینی لیاقت پر خود اعتمادی پیدا ہو جائے گی تو پھر یہ لوگ ہر وقت جائز و ناجائز کا چرچا کرنے لگ جائیں گے جس سے کہ ہمارے سکون پسند ساکنین کے آرام میں خلل پڑنے لگے گا اسلئے کبھی کبھی ان پر اعتراض کرتے رہ کر انکو دینی لیاقت پر خود اعتمادی میں آنے سے بچانے کی کوشش ہوتی ہے۔

ورنہ آپ دنیا کے کوئی بھی کام کر لیں سینما دیکھیں جوا کھیلیں شراب پئیں، نماز روزہ ترک کریں، دینی عمل کا مذاق اڑائیں۔ ہر کام خلاف شرع کرتے رہیں، غرضیکہ کوئی بھی کام دین کا مخالفانہ اقدام کر لیں، کوئی بھی آپ سے کچھ نہیں کہے گا۔ اور اگر بھولے سے ان امور میں کسی نے اعتراض کرنے کی کوشش بھی کی تو خود اسکو ہی خفت اور طعن و تشنیع کا مزہ اٹھانا پڑے گا۔

چنار کی وادیاں

(مسلسل)

ابوفزل

ٹورسٹ سینٹر سے ہم باہر نکلے۔ سامنے ہی ٹیکسی اسٹینڈ تھا۔ کول صاحب جن کے مکان واقع ایر وڈرم روڈ میں ہمیں قیام کرنا تھا۔ ان کی دوکان "ریزی ڈینسی" میں ہے۔ یہاں ہم کو پہونچ جانا تھا۔ مگر جب ٹیکسی والے سے ہم نے "ریزی ڈینسی" چلنے کے لئے کہا اس نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنادیا کیونکہ ٹورسٹ سینٹر سے اسکا فاصلہ بہت قلیل ہے ایک ٹیکسی والے کو پتہ نہیں کیوں ہم پر ترس آگیا وہ تیار ہوگیا۔

دوران سفر جب اسکو علم ہوا کہ ہم بفضل الٰہی مسلمان ہیں تو اسکی خوشی بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اسکا نام محمد یوسف تھا۔ برسبیل تذکرہ ہم نے یوسف میاں کو بتایا کہ ہم ایر وڈرم روڈ پر قیام کرنا چاہتے ہیں۔ تو انھوں نے انکشاف کیا کہ وہ جگہ بہت دور ہے وہاں بس وغیرہ تو ملیگی نہیں دیگر یہ کہ بعض اوقات ٹیکسی بھی نہیں ملتی ہے۔ ملتی بھی ہے تو غیر معمولی کرایہ۔

پنجابی بچہ، آپ جانیے اقتصادی پہلو پہلے پیش نظر رکھتا ہے۔ ہم نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور یوسف میاں سے قیام کے سلسلے میں رہنمائی چاہی۔ انھوں نے کہا کہ انکے ایک عزیز ہیں ان کے کئی ہاؤس بوٹ ہیں وہیں چلیے، ہم نے حامی بھرلی۔

ڈل جھیل میں ایک ہاؤس بوٹ موسومہ "کلکتہ ہاؤس بوٹ" یوسف میاں کے عزیز کا تھا۔ موصوف کا نام حبیب اللہ تھا۔ انھوں نے پہلے تو بڑا لمبا چوڑا بتایا۔ ہم نے ان سے عرض کیا جناب اول تو دو چار دن کے لئے نہیں بلکہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے لئے رہنے آئے ہیں۔ دوئم یہ کہ ہمارے ساتھ کوئی لمبی چوڑی فیملی نہیں بلکہ صرف ایک بیگم اور ایک بچہ سوئم یہ کہ کھانا ہم خود پکا لینگے۔ چوتھی بات یوسف میاں نے مکمل کی کہ "اپنے ہی بھائی ہیں"

قصہ مختصر حبیب صاحب نے مبلغ دس روپیہ ہم کو دو کمرے ایک ڈرائنگ روم، ایک کچن، ایک باتھ دے دیا۔

یوسف کی ٹیکسی پر ہی ہم واپس ٹورسٹ سینٹر وہاں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ قصہ یہ تھا کہ ہمارے سامنے ایک کشمیری ٹریولنگ ایجنٹ کو پولیس کانسٹبل نے دھکے دے کر گیٹ سے باہر نکال دیا کیونکہ اس کے پاس شناختی کارڈ نہیں تھا۔ چند ہی منٹ میں اسکی حمایت میں بہت سے لوگ مجتمع ہوگئے پولس کے اعلیٰ افسران بھی آگئے۔ بڑی مشکل سے انھوں نے مظاہرین کو سمجھایا۔ ان کانسٹبلوں کو ڈانٹا جن سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ میں نے اس واقعہ کو اس لئے قلم بند کیا دوران واپسی بعینہ یہی واقعہ دوبارہ ہمارے سامنے پیش آیا سب سامان وغیرہ لیکر ٹیکسی پر ڈل لیک اپنی نئی قیام گاہ آئے۔

ڈل لیک پر سیکڑوں ہاؤس بوٹ قطار در قطار پر سکون تھے خصوصاً شب میں جب برقی قمقمے روشن ہوتے ہیں تو نظارہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یوں تو کشمیر میں کتنی جھیلیں ہیں مگر ڈل سب سے بڑی ہے دیگر یہ کہ زیادہ ہماہمی بھی یہیں رہتی ہے اپنے ہاؤس بوٹ تک پہونچنے کے لئے دو شکاروں پر سامان بار کروایا

دو کمرے، دو مسہریاں، سنگار میز، قالین،
یوں پر پردے، کرسیاں، مناسب کچن روم، ضروریات
سارے برتن موجود۔ ڈنر سیٹ و ٹی سیٹ قرینہ سے
یوں میں سجے۔ بے شمار کلنے و چمچے۔ لیٹرین فلش
ٹم غسل خانہ مع جدید لوازمات وغیرہ وغیرہ۔

ایک نوکر بھی ہمکو مالکان کی طرف سے فراہم کیا گیا
اسکی مدد سے سامان قرینے سے لگایا۔ طویل بس کے
نے اتنا زیادہ تھکا دیا تھا کہ باہر جانے کا موڈ قطعاً نہیں
پیٹ کو کیا کیا جاتا۔ کھانے کو ظاہر ہے کچھ نہیں تھا۔
یٹ سے بذریعہ ٹیمپو لال چوک پہونچے کرایہ کی سواری
و پہنچ گئے مگر صاحب مستورات کے ساتھ ٹیمپو میں بیٹھنا
ہوار رہے۔

لال چوک سری نگر کی ایک قابل ذکر جگہ ہے ضروریات
ری کا اشیاء وہاں فراہم رہتی ہیں۔ مضافات کشمیر میں
کے لئے بسیں بھی وہیں ملتی ہیں۔ تفریح کیلئے سینما
ہیں۔ ایک طرف عالیشان ہوٹل ہیں تو دوسری طرف
کے کنارے کشمیری اور ہندوستانی کھانے کے ..
ں کی لائنیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ پنجابی چاٹ والوں
بشان دوکانیں بھی ملتی ہیں۔ تحائف و سوغات
دوکانیں وہیں ہیں۔ غرض عجیب رنگا رنگ بازار ہے
ماح دن میں کم از کم ایک بار وہاں ضرور آتے ہیں۔
ضرور تا

کراؤن ہوٹل میں شام کا کھانا کھایا۔ یوں سمجھئے
تھا بس غنیمت تھا۔ وہیں سے میاں محمد شفیع صاحب
یا۔ ڈاکٹر نفیس صاحب نے موصوف کے نام ایک
دے دیا تھا۔ ہم نے فون پر پہلے اپنا تعارف کرایا
کمال جوہری صاحب کی بابت دریافت کیا۔
نے فرمایا کہ اس وقت تو وہ گھومنے گئے ہوتے
لیکن اگلے دن کمال میاں کے ہمراہ ہمارے
س بوٹ میں ہم سے ملنے آ رہے ہیں۔

ٹہلتے ہوئے واپس ہوئے۔ رات میں شکارے
پر ڈل جھیل کی سیر ایک عجیب خوابناک منظر پیش کرتی ہے
ہر طرف شکارے ہی شکارے دکھائی دیتے ہیں کبھی کبھی
کوئی مانجھی گیت گاتا ہوا گذر جاتا ہے۔ تو کہیں ٹرانسسٹر
پر الیہ یا طربیہ راگ کانوں میں جیسے چاندی کی گھنٹیاں،
بجانے لگتا ہے۔ عجیب روح پرور سماں ہوتا ہے تکان
زیادہ تھی۔ جلد ہی واپسی کی ٹھہری۔ فوراً ہی نیند نے
اپنی آغوش میں لے لیا۔

حسب معمول علی الصبح ہی آنکھ کھل گئی ہمارے بوٹ
کے دائیں پہلو میں تو صرف دو گز خشکی کے بعد ایک،
ایک دوسرا ہاؤس بوٹ تھا۔ مگر بائیں سمت میں خاصہ
بڑا ایک خطہ خشکی کا تھا۔ اتفاق ہے کہ یہ خصوصیت صرف
ہمارے ہی بوٹ کے ساتھ مخصوص تھی۔ دراصل یہ خطہ
حبیب اللہ و برادران کی ملکیت تھا۔ اس خشکی میں انھوں نے
ترکاریاں بوئی تھیں۔ سبزہ تھا۔ پھلوں کے درخت تھے
اس خطہ میں حبیب صاحب کی ایک چھوٹی مگر خوبصورت رہائشی
عمارت بھی ایستادہ تھی۔ اس خشکی سے ہمارے بوٹ پر
آنے کے لئے ایک لکڑی کا پٹرا بچھا ہوا تھا۔ دوران
قیام یہ پٹرا ہم لوگوں کے اعصاب پر سوار رہا کیونکہ،
ہماری بچی بے دھڑک اس پر دوڑا کرتی تھی ڈر لگا
رہتا تھا کہ کہیں پانی میں نہ جا پڑے مگر اللہ میاں کا کرم
شامل حال رہا۔

موسم معتدل تھا۔ بنیائن و لنگی پہنے ہم خود کو
مکمل گھریلو ماحول میں محسوس کر رہے تھے اب میاں محمد شفیع
صاحب و کمال میاں کا انتظار کر رہے تھے سامان
وغیرہ قرینے سے خانم نے سجا دیا تھا۔ بس کمی صرف تھی
اخبار کی جو ابھی تک ہمکو نہیں ملا تھا۔ ٹرانسسٹر کی کمی کا
شدت سے احساس ہوا۔ باعث کہ خبریں ہی سن لیتے
تقریباً گیارہ بجے کمال صاحب اپنی فیملی شکارے
پر ہماری سمت آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ (باقی)

خودنمائی

کمال یوسف

"چھن چھن چھناک!!" برتنوں کے ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی رئیسہ کی غصہ میں بھری ہوئی آواز سنائی دی "ایسے برتنوں میں تو جانور بھی منہ نہ لگائیں۔"

"تو کون ہوتی ہے ہمارے برتنوں کو توڑنے والی" رئیسہ کی ساس جمیلہ بیگم بھی غصہ سے بھر کر بولیں۔

"مجھ سے نہیں پی جاتی چائے ان گندی پیالیوں میں" رئیسہ تنک کر بولی۔

"ایسا ہی ہے تو منگالو اپنی گانٹھ سے پیالیاں، چلیں ہیں وہاں سے صفائی والی" رئیسہ کی بڑی نند بل کھا کر بولی۔

"کیا دھرا تمہارے بھائی کے پاس۔ جو کچھ لیکر آئی تھی۔ وہ سب ختم ہی کر دیا۔" رئیسہ کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔

"کیا ختم کر دیا ہے تیرا۔ کسی بچے سے اگر ایک آدھ برتن ٹوٹ گیا تو بات کا بتنگڑ بنا رہی ہے" جمیلہ بیگم پھر بولیں۔

"کیا کچھ نہیں ختم کر دیا تم لوگوں نے یہ پوچھو۔ زرینہ نے اشفاق کی شادی کے موقع پر میرا نکلس لیا تھا تو ابھی تک دینے کا نام نہیں۔ میکہ سے لایا ہوا میرے میک اپ (Make up) کا بکس جس پر سونے کے کام کا کور (cover) چڑھا ہوا تھا۔ رضیہ نے لیا تو ہضم کر گئیں۔ آپ نے میری ریشمی ساڑیوں کی قمیضیں بنا کر پہن ڈالیں۔ میں کوستی ہوں اس گھڑی کو جب میں اس گھر میں بیاہ کر آئی تھی۔ ماں باپ کے گھر میں دودھ میں نہاتی تھی۔ اور یہاں ڈھنگ کا کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ میری تو قسمت پھوٹ گئی" رئیسہ کچھ روہانسی سی ہو گئی۔

"تو چلی جاؤ نہ اپنے امّا باوا کے گھر کیوں ہمار چھاتی پر بیٹھی مونگ دل رہی ہو" جمیلہ بیگم ترش لہجہ میں بولیں "کون گیا تھا تمہاری خوشامد کرنے کہ چلئے بیگم ہمارے گھر کی بہو بنئے۔"

"ہاں تو میری ہی عقل ماری گئی تھی جو آپکے لاڈ صاحب بہادر کے پلے باندھ کر میری زندگی تباہ کر دی نہ تو پیسہ ہی ہے اور نہ تعلیم کہ کہیں نوکری ہی مل جا...

"بڑی آئیں تعلیم والی۔ ذرا سا پڑھ لکھ کیا گئیں کہ صاحبہ کا دماغ ہی نہیں ملتا" چھوٹی نند زرینہ چمک کر بولی۔

"Shut up!.." رئیسہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

"اے ہے میرے بچوں کو آنکھ دکھائیں تو آنکھ نکال لوں گی۔ سمجھیں!" جمیلہ بیگم غصہ سے کانپ رہی تھیں۔

"بڑی آئیں آنکھیں نکالنے والی۔ باندی ہوں جو اسطرح غرّا رہی ہیں" رئیسہ بدتمیزی پر اتر آئی اور پھر وہ پیر پٹکتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

رئیسہ کی شادی ایک برس قبل جمیلہ بیگم کے بیٹے ناظم سے ہوئی تھی حقیقت میں یہ شادی بے جوڑ تھی یہی وجہ تھی کہ بہو کے ساتھ اور نندوں کے ساتھ دن چپقلش ہوتی رہتی تھی۔ رئیسہ ایک مالدار باپ کی نازوں پلی بیٹی جو بی۔اے پاس تھی جبکہ ناظم کی حالت تو ابتر تھی ہی۔ خدا کے فضل سے تعلیم بھ...

داجبی سی تھی۔ اس میں کچھ اسکا اپنا قصور تھا اور کچھ والدین کی غفلت شامل حال تھی کہ وہ پرائمری کلاس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ دراصل یہ ہے جوڑ شادی رئیسہ کی ماں کی ناسمجھی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے عمل میں آئی تھی جمیلہ بیگم رئیسہ کی ماں کی رشتہ کی بہن لگتی تھیں جب انھوں نے اپنے لڑکے کیلئے ان سے رئیسہ کا رشتہ مانگا اور ان پر کچھ ایسا جادو کر دیا کہ وہ انکار نہ کرسکیں۔ گوکہ رئیسہ کے والد مختار حسین صاحب نے اس رشتہ کی مخالفت کی لیکن چونکہ انکی اہلیہ محترمہ ضدی طبیعت کی مالک تھیں اسلئے وہ اپنی بات پہ اڑ گئیں لہٰذا انھیں رئیسہ کے مستقبل کا بھی کوئی خیال نہ رہا۔

...... رئیسہ بھی اس شادی کی مخالفت نہ کرسکی اگرچہ وہ ایک تعلیم یافتہ باشعور لڑکی تھی۔ لیکن مشرقی ماحول میں پلی بڑھی ہر ایسے معاشرہ میں جہاں لڑکی کی مرضی کو معیوب سمجھا جاتا ہے کسی حد تک لڑکی اور لڑکے کی مرضی شرعاً جائز ہے۔ حالانکہ رئیسہ اپنے سسرال آئی لیکن اپنے آپکو اس ماحول کے مطابق ڈھال نہ سکی۔ بلکہ غیر شعوری طور پر اپنی بربادی کا انتقامی جذبہ اسمیں لڑائی کی صورت ہر وقت کارفرما رہا۔

"آج سے میں اس گھر میں نہیں رہونگی سمجھے!"

جیسے ہی ناظم کمرے میں داخل ہوا رئیسہ بھڑک اٹھی "اب الگ گھر میں رہیں گے۔"

"کیا ہوا بیگم!" ناظم نے حسب معمول انکساری سے پوچھا۔

"بس میں نے کہہ دیا کہ اب میں اس گھر میں نہ رہونگی" رئیسہ نے اسی لہجہ میں جواب دیا۔ "خود تو اس گھر میں کچھ ہے نہ، میرے سامان پر راج رہے ہیں اور اوپر سے ہمیں دکھاتے ہیں۔ اب میں یہاں ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔"

"لیکن بیگم دوسرا گھر ملے گا کہاں! آج کل مکانوں کی ویسے ہی قلت ہے۔" ناظم پھر اسی منکسر مزاجی سے بولے۔

"میں کچھ نہیں جانتی، جب تک مکان نہیں ملتا ہم ڈیڈی کے گھر میں رہیں گے۔"

"نہیں! یہ ٹھیک نہ ہوگا۔ میں تمھارے یہاں ہرگز نہیں رہ سکتا۔"

"آپ رہیں یا نہ رہیں میں تو صبح ہی چلی جاؤنگی۔" ناظم نے رئیسہ کو بہت روکنا چاہا۔ لیکن وہ نہ رکی اور یہ کہکر چلی گئی کہ اگر ناظم اسکے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو یا تو کوئی مکان ڈھونڈھ لے یا پھر اسکے ساتھ اسکے باپ کے گھر رہے۔ ناظم عجب کشمکش میں پھنس گیا۔ ایک طرف ماں اور بہنیں تھیں اور دوسری طرف شریک حیات اور ایسی جس کے پیچھے ناظم دم ہلاتا پھرتا تھا۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ناظم احساس کمتری میں مبتلا تھا۔ کیونکہ اسکی بیوی تعلیم یافتہ تھی۔ اور مالدار گھرانے کی لڑکی بھی۔ جتنا ناظم رئیسہ کی جی حضوری میں لگا رہتا، اتنا ہی وہ نخرے دکھاتی تھی کیونکہ ناظم کی مالی حیثیت خراب ہونے کی وجہ سے اب اسکے سسر نے اپنی لڑکی کی خاطر اسے کاروبار میں کچھ پیسہ لگا دیا تھا۔ اور اب ناظم اپنے سسرال میں رہتا تھا۔ کیونکہ اسکے 'ان داتا' کی یہی مرضی تھی وہ آجکل بہت مصروف تھا۔ کیونکہ اسکے سالے کی شادی ہونے والی تھی۔

"اماں اجن میاں تمھارے پاس کارڈ آیا ہے مختار حسین صاحب کے یہاں سے؟"

"ہاں آیا تھا! لیکن میں نے لوٹا دیا۔"

"کیوں؟ کیا کچھ ان بن ہو گئی ہے؟"

"نہیں بھئی کوئی ان بن نہیں ہوئی ہے ویسے تم تو جانتے ہی ہو کہ میں ایک تنقید نگار ہوں اور اگر کچھ لوگ مجھ سے متنفر ہوں تو یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اور مجھے بھی کسی بات کی فکر نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تنقید نگار کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہیئے اور کان بند۔" اجن میاں ہنستے ہی ٹھہرے ہوئے

...ں بولے۔

"لیکن پھر بھی کیا بات ہوئی جو تم نے کارڈ واپس
...؟" رحیم صاحب نے پوچھا۔

"کچھ نہیں بھئی پچھلے سال اسے لڑکی کی شادی
...موقع پر دعوت دی تو نہیں آیا۔ ابھی لڑکے کی
...پر غائب رہا۔ حالانکہ ہم دونوں کی بچپن کی
...تھی۔ وہ بڑھ کر سرمایہ دار کہلانے لگا اور میں صرف
میاں ہی رہ گیا۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ ہر انسان
...کا بھوکا ہوتا ہے۔ دھن دولت کیا ہے یہ تو
...میل ہے جوار بھاٹا کی طرح۔"

"ہاں یار یہ واقعہ کئی اور لوگوں کے ساتھ
ہوا ہے اور وہ بھی یہ سوچ رہے ہیں کہ شادی
شرکت نہیں کریں گے۔" رحیم صاحب نے بتایا۔

"نیا سرمایہ دار اور نیا پہلوان کم ظرف ہوتا
...پہلوان اپنے جسم پر گھمنڈ کرتا ہے اور دولت مند
دولت پر۔ لڑکے کی منگنی بھی اس نے بڑے
...سے کی تھی۔ حالانکہ لڑکی والے بیچارے ایک
...متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مختار نے زور
...کر منگنی کی رسم ادا کروائی گو کہ لڑکی کے والدین
...تقی پرہیزگار لوگ ہیں، منگنی جیسی لغو اور غیر
...بار رسم صرف اسلیے ادا کی کہ معاشرہ میں ان کی ناک
...نہ کٹ جائے۔ انکی ہیٹی نہ ہو۔"

"ارے یار یہی دیکھو مختار صاحب نے برات
...تین سو ساڑھے تین سو آدمی لئے ہیں جبکہ لڑکی
...کی اتنی حیثیت نہیں ہے۔ وہ بیچارے شاید بہت
...نان ہیں۔" رحیم صاحب نے ایک اور نیا انکشاف

"تین سو براتی!" اچھن میاں حیرت سے اچھل
...،" آخر ہماری قوم کا انجام کیا ہوگا۔ ان ہی
...ے لوگوں کی مغروریت اور بے راہ روی کی وجہ
سے برادری میں ایک غلط مثال قائم ہو جاتی ہے
جس سے متوسط طبقہ متاثر ہوتا ہے۔ وہ جو کوئی
کام بھی کرتے ہیں تو دوسرے بھی اسے کرنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے لئے یا معاشرہ کیلئے
نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے یہاں کی شادیوں
میں سب ہندوانہ رنگ آتا جا رہا ہے۔ ان کے یہاں
لڑکی والے پر اتنا بار پڑتا ہے کہ وہ لڑکی کا ہونا
منحوس قرار دیتے ہیں اور اسی تاریکی کو مٹانے کیلئے
ہمارے حضور سرور کائنات اس دنیا میں تشریف لائے
تھے۔ لیکن اگر یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں جب
اپنی قوم میں بھی لڑکی کی پیدائش پر لوگ ماتم کیا کریں
گے۔" اچھن میاں سانس لینے کے لئے رکے۔ "رحیم میاں
ہوسکتا ہے میری بات کچھ لوگوں بری لگے کیوں کہ مجھے
سچ بات کہنے میں کوئی عار نہیں اور سچائی ہمیشہ تلخ ہوتی
ہے۔"

"ہاں اچھن میاں تم ٹھیک کہتے ہو ہمارے اس
کھوکھلے معاشرہ نے شادی بیاہ کی تقریبوں کو اتنا مہنگا
بنا دیا ہے کہ جتنا کہ ہندو معاشرہ میں اور اسکی خاص وجہ
ہے ماحول! اب یہی دیکھو وہ بت پرستی کرتے ہیں اور ہم
قبروں کی شکل میں پوجا کرتے ہیں۔"

"یہ تو ایک الگ بات ہے لیکن سب سے بڑی لعنت جو ہمارے
معاشرہ کی دین ہے اور وہ ہے خود نمائی۔ ہر ایک دوسرے
پر سبقت لیجانے کی کوشش میں کوشاں رہتا ہے۔ ہر ایک یہ
چاہتا ہے کہ اسکا مدمقابل دوسروں کی نظروں میں نیچا ہو جائے
تاکہ اس کی امارت کا ڈنکا بجنے لگے۔ ایسا کرتے وقت وہ یہ
تو کہتے ہیں کہ صاحب اگر اللہ نے ہمکو نوازا ہے تو ہم تو دھوم
دھام سے تقریب منائیں گے لیکن اسوقت یہ نہیں سوچتے
ان کی انفرادی غلطیاں اجتماعی نقصانات کا باعث بنتی ہیں۔ نہ جانے ہم
ان اندھیروں سے نکل کر دائمی روشنی میں قدم رکھیں گے۔" اچھن میاں
موقع کا ایک شعر یاد آگیا سنو" رحیم صاحب بولے۔ ؎

طوفان اور تنکا

میم قاسمی

بت کیا ہے ؟"

اس سوال کا جواب ہم آپ نہیں دے سکتے۔ اس سوال
اب ان لوگوں سے پوچھئے جن کی جھونپڑیاں شہر کے
نے میں ایک مٹی کے دیئے کے لئے ترس رہی ہیں
یاں ان کی مقدر بنی ہوئی ہیں۔ جن لوگوں کے جسموں
یک دھجی تک نہیں، سردیاں ان کے جسموں سے چمٹی
ئی ہیں۔ زبانیں پیاس کی شدت سے کانٹے ہو رہی
محرومیاں جن کے دامن کی زینت بنی ہوئی ہیں۔
حال سلمیٰ کا تھا۔ سلمیٰ کی زندگی ایک ایسے ریگستان
رح تھی۔ جہاں دور دور تک بہاروں کی کوئی آہٹ
، جہاں کوئی اسے سہارا دینے والا نہیں تھا۔ عورت
کمزور ہستی ہے جسے زندگی گذارنے کیلئے کسی کے سہارے
ی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن افسوس اس کو کوئی سہارا
نے والا نہ تھا ـــــ وہ ایک نئی زندگی اور نئی زندگی کی
یں کہاں سے لائے ؟" نئی زندگی کے تراشے ہوئے خواب
تھے۔ امیدوں اور آرزوؤں کی نرم و نازک پلکوں
راغ روشن تھے وہ کب کے بجھ چکے تھے۔ اندھیرا !
اندھیرا ہی اسکی زندگی ہو۔ صرف ایک مدھم چراغ اسکی
رتی ہوئی آرزوؤں کا ٹمٹما رہا تھا ـــــ جو صرف اس
لئے ہی نہیں اسکی ساری زندگی کے لئے سب کچھ تھا۔
کے سامنے چراغ بجھ جانے کے باوجود بھی اگر انسان
ندگی میں تھوڑی سی بھی روشنی مل جائے تو وہی اسکے
عل حیات بن جاتی ہے۔

وہ ایک ننھے سے چراغ کا عکس اپنی نگاہوں میں لئے

زندگی کے تاریک صحرا میں اپنی منزل کو ڈھونڈھ رہی تھی۔
صرف اس امید میں کہ جانے انسان کا وقت کب بدل جائے
جس جھونپڑی میں آج جو چراغ جل رہا ہے اور جس کی روشنی کا،
دائرہ محدود ہے اس کا دائرہ عمل وسیع بھی ہو سکتا ہے۔

"کب کیا ہونے والا ہے ؟"

یہ کسی کو نہیں معلوم، لیکن امید ہی وہ اسپرٹ ہے جو زندہ
رکھتی ہے .... امید جو سب سے بڑی مشعل ہے جو سبھی
کے لئے کرشمۂ حیات ہے۔ وقت کے ساتھ انسان ہمیشہ
ترقی کرتا رہا ہے۔ آج انسان کتنا آگے بڑھ گیا ہے اس کی
ذہن کی پرواز نے چاند کو بھی چھو لیا ہے۔ لیکن افسوس آج بھی
انسان ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے .... آج بھی
خوشیوں کا قحط ہے .... بے بسی مجبوری اور ناانصافی کی
چیخیں آج بھی فضا کو لرزاں کئے ہوئے ہیں کوئی ایک
دوسرے سے متفق ہو کر زندگی گذارنا نہیں چاہتا !"

● 34709

وکیل صاحب کا شمار شہر کے بڑے رئیسوں میں
ہوا کرتا تھا۔ شہر کے ہر چھوٹے بڑے ان کا احترام کرتے
تھے۔ انہیں دیکھ کر نظریں جھکا لیا کرتے تھے۔ اس لئے
نہیں کہ وہ اس قابل تھے بلکہ صرف اسلئے کہ ان کے پاس دولت
تھی۔ دولت ! جو دنیا کی سب سے بڑی چیز ہے اور
جس کیا کچھ نہیں خریدا جا سکتا۔ جس کے پاس دولت ہے
اس کے پاس عزت ہے، شہرت ہے غرض سب کچھ ہے
غریبوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ سبھی اسے بری نگاہوں سے

دیکھتے ہیں — جیسے وہ کچھ بھی نہیں!"

آہ! مستقبل کو اپنی پلکوں پہ سجانے والو! اے خداوند کریم کی دی ہوئی دولت کو بے جا صرف کرنے والے انسانو کاش! تم نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ ان انسانوں کی زندگی کس طرح بسر ہوتی ہوگی۔ جن کو ایک وقت کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ جو اپنی پلکوں پہ زمانے کے ستم کو سجائے ہوئے جیتے ہیں۔ لیکن آہ بھی نہیں کرتے۔ کیا تم سوچ رہے ہو کہ ان مصیبت کے ماروں کے حقوق تم پر نہیں ہیں؟ کیا تم اپنے انجام سے بے خبر ہو؟ یاد رکھو ایک دن ایسا بھی آئے گا جب تم سے سوال کیا جائیگا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا کیا؟ تمہیں کس لئے بھیجا گیا تھا؟ تم کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے۔ تمہاری زبان کچھ بولنے سے محروم ہو جائے گی۔ تم لرزہ براندام ہو گے تمہیں اپنے وجود پر گھن آنے لگی۔ تم اپنے کو فضا میں اڑتے ہوئے ہلکے پھلکے غبارے کی طرح محسوس کرو گے۔

●

"بہن جی! صرف ایک کمبل کا سوال ہے سردی سے میرے دل کے ٹکڑے کی جان نکل رہی ہے۔ مسز وکیل جیسے ہی کار سے اتری تھیں کہ سلمٰی اپنی پھٹی ہوئی ساری کا پلو سنبھالے انکے پاس جاتے ہوئے بولی —"

یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ اپنی جھونپڑی سے شہر کی طرف آئی تھی اور کسی کی طرف اپنا ہاتھ پھیلا رہی تھی ورنہ اس کے قبل وہ محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنے معصوم بچے کا گذر کر لیا کرتی تھی لیکن اتنا نہیں ہو پاتا تھا کہ وہ سردی سے بچنے کے لئے ایک کمبل خرید سکے اور یہی وجہ تھی کہ آج وہ ایک کمبل کے لئے مسز وکیل کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے تھی۔

"اُف۔ تم لوگوں نے تو جینا محال کر رکھا ہے، جیسے ہم نے تم لوگوں کی ذمہ داری لی ہو" مسز وکیل نے قدرے بیزاری سے کہا اور آگے بڑھ گئیں۔

سلمٰی کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسکی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا ہو۔

"بہن جی، کچھ تو خیال کیجئے کڑکڑاتی ہوئی سردی ہے کم از کم اپنا پھٹا پرانا کوٹ ہی دے دیجئے خدا آپ کو سدا سہاگن اور سدا بہار رکھے" سلمٰی نے عاجزی سے کہا اور قدم بڑھا کر ان کے قدموں پر جھک گئی۔

جانے کیوں اس وقت مسز وکیل کا پتھر جیسا دل موم کی طرح پگھل گیا اور انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کے قریب آکر کوئی کہہ رہا ہو۔

"عورت انسانیت کے ماتھے کی تابانی ہے... تو پھر اسے قدموں میں کیوں جگہ دی جائے"

وہ سلمٰی کو اپنے ساتھ لئے کوٹھی پر چلی آئیں۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد سلمٰی مسز وکیل کی کوٹھی سے اتر رہی تھی تو اس کے بغل میں کمبل تھا اور چہرے پر سکون کی لہریں اس بات کی شاہد تھیں کہ سردی اس سے دور بہت دور بھاگ رہی ہے۔

●

شام کے تقریباً چھ بج رہے تھے۔ ہلکی ہلکی بوندا باری ہو رہی تھی۔ درختوں نے اپنے سائے سمیٹ لیے تھے۔ پرندوں کا ایک گروہ اپنے گھونسلوں کو جا رہا تھا۔ بجلیوں کی چمک، بادلوں کی کڑک اور ٹھٹھرتی ہوئی سردی نے فضا میں ایک انجانا سا خوف پیدا کر رکھا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کائنات کا ذرہ ذرہ برف کی طرح منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔

"آج تو سردی کا پورے شباب پر ہے شام ہی سے بوندا باندی شروع ہے" مسز وکیل نے کافی کی پیالیاں وکیل صاحب کو بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں جی! سردی تو کافی ہے، کیا خیال ہے؟" وکیل صاحب نے سوالیہ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا اور پیالی کو ہونٹوں سے لگایا۔

"جانے ان غریبوں پر کیا بیتتی ہوگی جن کے بدن ڈھکنے کو ایک کپڑا بھی نہیں کڑاکے کی سردی اور بوندا باندی کا عالم،

آہ! ان بھیک منگوں کی کیا حالت ہو گی جن کو تن ڈھکنے کے لئے ایک تنکے کا سہارا بھی نہیں"۔ مسز وکیل نے پیالی میز پر رکھ کر ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔

آج تو بیگم تم ایسی آہ بھر رہی ہو جیسے تمہیں پر سب کچھ بیت رہی ہو اور پھر خلاف معمول یہ بہکی بہکی سی باتیں۔ خیریت تو ہے؟ وکیل صاحب نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ کل شام ایک بھیک مانگنے والی عورت آئی تھی چہرے پر معصومیت اور سادگی سے یہ ظاہر تھا کہ وہ ایک شریف عورت تھی پھر بھی اسکی حالت قابل رحم اور متاثر کن تھی۔ میں اسکی دل دہلا دینے والی کہانی سن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی واقعی اسکی کہانی میں رِستے ہوئے زخموں کا درد گھلا ہوا تھا۔ اور وہ عورت ....."

" وہ عورت کون تھی؟ کیسی تھی"۔ وکیل صاحب بیگم کو بیچ ہی روکتے ہوئے بولے۔

مسز وکیل نے مزید سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ عورت شہر کے قریب ہی ایک چھوٹی سی آبادی میں بلکہ یوں کہئے کہ ویرانے میں رہتی ہے۔ اس واقعہ کو پانچ سال ہو گئے۔ ایک دن وہ اپنے کھیت میں بیٹھی اپنے آپ سے بے خبر ساون کا گیت گانے میں مست تھی کہ یک بیک اس نے دیکھا کہ ایک ہنس مکھ نوجوان اس سے کچھ ہی دوری پر سرمئی رنگ کے خوش وضع کوٹ میں ملبوس کھڑا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی گہری لکیریں تھیں۔

تنہائی اور سناٹے کے عالم میں وہ ایک اجنبی کو اپنے قریب دیکھ کر گھبرا سی گئی اور پھر اٹھ کر بھاگنے ہی والی تھی کہ نوجوان نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ گھبرائی اور بے ساختہ چیخ اٹھی۔ لیکن نوجوان نے بڑے پریم سے ڈھارس بندھائی۔ اور اس سے کہا کہ وہ صرف اسکی گائکی سے متاثر ہو کر اس کے پاس آیا تھا۔ یہ سن کر اس حسینہ کی دہشت کچھ کم ہوئی اور اس نے نوجوان کی طرف شرگیں آنکھوں سے دیکھا۔

نوجوان اس کا ہاتھ چھوڑ چکا تھا۔ لیکن اس نے نوجوان کی آنکھوں میں نہ جانے کون سا جادو بھرا پایا دیکھا کہ آزاد ہو جانے پر بھی وہ بھاگ نہ سکی اور وہیں کھڑی رہی۔

تھوڑی ہی دیر کی بات چیت میں وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی گھل مل گئے اس طرح کہ جیسے وہ ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہوں۔ اس عورت نے پھر اس کی فرمائش پر اس کو ساون کے کئی گیت سنائے اور نوجوان اس سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے اس سے رخصت ہو گیا۔

وہ دونوں پھر ایک دوسرے سے اسی طرح روز ملتے رہے یہاں تک کہ ایک دن وہ بھی آگیا جب وہ نوجوان اسے اس دنیا میں بے سہارا چھوڑ کر چلا گیا۔ اب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ اس کا سب کچھ لوٹ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے چھوڑ کر جا چکا ہے۔ وہ روئی، بلبلائی، تڑپی مگر کر بھی کیا سکتی تھی۔

عورت کا دل شبنم کی طرح نازک اور کومل ہوتا ہے وہ مردوں کی میٹھی میٹھی باتیں سن کر موم کی طرح پگھل جاتی ہے ایک عجیب جذبہ ایک عجیب کشش ہوتی ہے کہ وہ مردوں کے دو میٹھے بولوں پر اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ لیکن بعد میں اُسے احساس ہوتا ہے کہ اس کی دنیا ویران ہو گئی اور وہ سماج کے طعنوں کا شکار ہو گئی۔

" کاش کہ آج کا ہر انسان کچھ کرنے سے پہلے مستقبل کے متعلق سوچ لیا کرتا تو آج وہ دن نہیں دیکھنا پڑتا جس کی امید آگے نہیں ہوتی۔ لیکن افسوس آج کا انسان اپنے آغاز و انجام سے بے خبر وقت کے تند جھونکوں میں اپنے آپ کو بہائے جا رہا ہے لیکن اسکا اسے احساس بھی نہیں ہے"۔

مسز وکیل کہتے کہتے چند لمحے کے لئے رک گئیں اور خلا میں گھورتی ہوئی گویا ہوئیں۔

" وہ بھی وقت کے تند جھونکوں میں بہتی رہی اور آج

آسے جلد ہی شادی کرنے کا وعدہ کرکے چلا گیا تھا۔ اور پھر آج تک نہیں آیا۔ ماں باپ نے اسے گھر سے نکال دیا، سماج والوں نے اسے طعنوں کا شکار بنایا۔ ہر طرح سے اسے ذلیل کیا۔ رسوائیوں کی گہری جھیل میں ڈوب جانے کے لئے مجبور کیا۔ لیکن کسی نے بھی یہ نہیں سوچا کہ آخر یہ سب کیسے ہوا کیا اس گناہ میں صرف اسی کا ہاتھ تھا؟

کوئی بھی کچھ سوچنے کے لئے تیار نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی اپنے کو برا کہنے کے لئے تیار نہیں!!"

وہ نوجوان کے پاپ کو اپنی گود میں لئے بھورے آج بھی نوجوان کی تلاش میں ہے اسے امید ہے کہ وہ جوان اسے ضرور مل جائے گا۔ پانچ سال بیت گئے لیکن اسے آج بھی امید ہے کہ وہ نوجوان ایک نہ ایک دن اسے ضرور ملیگا ۔ ۔ ضرور ملیگا ۔ ۔ !"

مسز وکیل ایک جنونی کیفیت میں کہے جا رہی تھیں۔ ایک عجیب کرب ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اور ان کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔

ادھر وکیل صاحب جب یہ الم ناک داستان سن رہے تھے تو ان کا ذہن ماضی کے دھندلکوں میں پانچ سال قبل کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے پانچ پہلے کے سارے واقعات سینما کی تصویر کی طرح گشت کر رہے تھے، اور انہیں اپنا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"بیگم اس عورت اس عورت کا نام کیا تھا" وکیل صاحب سے آخر برداشت نہ ہو سکا اور انھوں نے مسز وکیل سے یہ سوال کر ہی لیا۔

"سلمیٰ!"، مسز وکیل نے مختصر سا جواب دیا۔

لفظ سلمیٰ میں نہ جانے کون سی کشش تھی وہ کون سا جذبہ تھا کہ وکیل صاحب کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ ۔ ۔ وہ سمجھ گئے کہ اس غریب عورت سلمیٰ کی کہانی خود ان کی اپنی بھی کہانی سے متعلق ہے۔

"بیگم کافی رات ہو گئی ہے آپ آرام کرو" وکیل صاحب نے بستر پر جاتے ہوئے بہ مشکل کہا۔ ان کی آواز میں حزن کی سی ویرانی تھی۔ وہ آج زندگی کی بازی میں اپنے آپ کو شکست خوردہ محسوس کر رہے تھے۔ ان کا ضمیر آج ان پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔ اور آج وہ اپنے کئے ہوئے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی سوچ رہے تھے۔

●

نصف رات ڈھل چکی تھی سردی اپنے شباب پر تھی۔ درختوں کا لمس لیتی ہوئی تیز ہوا فضا پر مسلط تھی اور اسکے تیز جھونکے درختوں کو اکھاڑ دینے والے جھٹکے دے رہے تھے چڑیوں کے گھونسلے اڑ رہے تھے۔ اور ایسے میں وکیل صاحب کے قدم شہر کے ویرانے کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ وہ اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی تاریکیوں سے بے خبر ایک ایسی جگہ جا رہے تھے۔ جہاں انکی زندگی، ان کے خوابوں کی، شہزادی اپنی زندگی کے تاریک صحرا میں ایک مدھم سا چراغ روشن کئے، اپنی ساری آرزوؤں اور تمناؤں کا گلا، گھونٹے پانچ سال سے انکی راہ تک رہی تھی۔

وکیل صاحب چلتے چلتے یکایک رک گئے ہوا کی تیزی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ ان سے کچھ ہی فاصلے پر املی کا درخت بے رحم جھونکوں سے گر پڑا تھا۔ پرندوں کے گھونسلے اجڑ گئے تھے۔ اور اس تناور درخت نے گرتے گرتے کئی جھونپڑیوں کو اپنی زد میں لے لیا تھا۔ وہ اور آگے بڑھے بہت گرج کے ساتھ دور کہیں بجلی گری اور اس کی تیز روشنی میں انھوں نے جو دیکھا وہ اس کی تاب نہ لا سکے ۔ ۔ ۔ ۔ انھوں نے دیکھا کہ پانچ سال سے ان کا انتظار کرنے والی ان کے خوابوں کی شہزادی سلمیٰ ایک جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھی ہوئی ان کا انتظار کر رہی ہے۔ انھوں نے اپنے قدموں کو اور تیز کیا اور لپک کر اسکے پاس پہونچے لیکن شاید انہیں دیر ہو چکی تھی جھونپڑی کا دیا نہ معلوم کتنی دیر ہوئی بجھ چکا تھا اور طوفان کا مقابلہ کرنے والا حقیر تنکا اب اپنی ہمت ہار چکا تھا۔

وہ تھکے ہارے قدموں سے واپس لوٹنے لگے۔ ان کے ذہن کے پس منظر میں اسوقت بار بار یہ شعر گونج رہا تھا ؎

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

قومی خدمت

مختار احمد

(نسیم اور سلیم دو دوستوں کی آپس کی گفتگو)

سلیم :۔ کیا بات ہے تم نے تو اب دوستوں کی دوستی کو بالائے طاق رکھدیا؟

نسیم :۔ تمہارے منھ سے یہ بات تو اچھی نہیں لگتی۔

سلیم :۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ جب میں دوکان آتا ہوں تو کچھ لوگ بیٹھے ہوتے ہیں نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں ہوتی ہیں نہ اپنی کہہ پاتا ہوں اور نہ تمہاری سن پاتا ہوں۔ سلام و دعا کرکے اپنا سا منہ لیکر چلا جاتا ہوں۔

اتوار کو گھر آتا ہوں تو بھابھی جان سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح سات بجے دو آدمی آئے تھے اب تک لاپتہ ہیں۔ بچے سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ہفتوں ابو کی شکل دکھائی نہیں دیتی۔ کیا یہ سب باتیں غلط ہیں؟

نسیم :۔ کہتے تو تم ٹھیک ہو لیکن یار تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں ایک شخص آتا ہے یہ امید لیکر میں جاؤں گا تو کام ہو جائے گا۔ اگر میں اس سے انکار کردوں تو اسکی مایوسی کا کیا عالم ہوگا اس کا تم نے اندازہ کیا ہے؟ جب کہ آج کے دور میں کوئی کسی کی بات تک نہیں پوچھتا

سلیم :۔ یہ تو تمہارا کہنا ٹھیک ہے کہ وہ بہت مایوس ہوگا۔ لیکن ایک بات بتاؤ کہ تم نے کبھی اپنی بیوی کے چہرے کی مایوسی پڑھی ہے؟ اپنے بچوں کی مایوسی کا حال کبھی دیکھا ہے؟ کیا تمہارے اپنے بچے ہیں ان کے آنسو پونچھنے والا کوئی ہے!

نسیم :۔ میں نے مایوسیاں خوب پڑھی ہیں اور روز پڑھتا ہوں لیکن اسکا کوئی حل ہے؟

سلیم :۔ ہاں کیوں نہیں دنیا میں ایسی کون سی چیز ہے جسکا کوئی حل نہیں اگر تم سنجیدگی سے سنو تو بتاؤں بس "قومی خدمت" کا بھوت اپنے سر سے اتار دو حقیقت میں سب کو اسکی ضرورت ہے اور جو تم مجھے نصیحت کررہے ہو۔ یہ بھی تو قومی خدمت ہے۔ ویسے میں خود بھی پریشان ہوں اور سنجیدگی سے آپکا مشورہ سنوں گا، آپ فرمائیے۔

سلیم :۔ تم ایسا کرو کہ دوکان پر وقت مقرر کرلو اور دوکان، مکان، اپنی اور بچوں کی زندگی، قومی خدمت ان سب میں اپنے وقت کی تقسیم کرلو اور جو وقت تم جس کام کیلئے مقرر کرو اسوقت میں صرف وہی کام کرو تب ممکن ہے تم ہر زندگی کو خوشحال بنا سکو۔

نسیم :۔ مشورہ بہت صحیح ہے اور ہر ایک کی نظر میں ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مجھے جسکا نام تم قومی خدمت دیتے ہو۔ اسکا کوئی صحیح وقت نہیں ہے۔

سلیم :۔ آج نہیں تو کل پچھتاؤ گے اور جب کل بچے روئیں گے۔ اور ان کے آنسوؤں کو تم نہ دیکھ سکو گے تو تمہاری ساری قومی خدمت جو ہے بورے میں تیل لینے چلی جائے گی۔

(نسیم اپنے آپ سے)

نسیم :۔ میں نے بہت سنجیدگی سے غور کیا کہ سلیم ٹھیک کہتا ہے تم دوسروں کی خدمت تو خوب کرتے ہو چونکہ مالی اعتبار سے تم کمزور ہو اسلئے دوسروں سے مالی امداد لیکر دوسروں کی ضرورتیں پوری کرتے ہو لیکن ایک وقت شاید وہ آئے کہ تم کو اپنے لئے دوسروں

مالی امداد کی ضرورت پڑے یہ سوچ کر میں لرز اٹھا میں نے
سوچا کر سلیم کے مشورے پر عمل کروں اور میں نے کچھ دن
Timings مقرر کر دیئے ۔ اچانک ایک دن سلیم آیا
اور بہت گھبرا کر اس نے کہا نسیم جلدی چلو چھوٹا بھائی گرفتار
ہو گیا ہے ۔ اور والدہ کی حالت خراب ہے۔ انکو سپلیٹ
داخل کر آیا ہوں خدا را اس وقت میری مدد کرو۔
میں فوراً دکان سے اٹھا اور سلیم کے ساتھ چلا گیا
ساڑھے چار گھنٹے دوکان خالی پڑی رہی لوگ آ آ کر واپس
چلے گئے جنمیں خریداری تھی اور ٹھلوے بھی لیکن سلیم کا
چھوٹا بھائی چھوٹ گیا ۔ جب یہ خبر سلیم کی والدہ کو معلوم
ہوئی تو وہ اچھی ہو گئیں ۔ اور سلیم میاں خوشی خوشی دوکان
آکر بیٹھ گئے ۔ اور ایک گھنٹے تک تعریفوں کے پل باندھتے
رہے ۔

(دو دوستوں کی دوسری نشست)

نسیم :۔ کہو سلیم میاں تم نے میرا روزہ توڑ دیا نہ؟
سلیم گھبرا کر :۔ تو ہے ۔
نسیم :۔ تمہارے مشورے پر عمل شروع کیا تھا
لیکن عین کاروباری وقت میں آپ قومی خدمت کیلئے تشریف
لے آئے۔ سوچو اگر ایسا نہ کرتا اور تم سے یہ کہہ دیتا کہ میرا کارو
باری وقت ہے ۔ شام سات بجے آنا تو تم کو کتنی تکلیف ہوتی،
اور شام کے سات بجے تک پتہ نہیں بھائی کا کیا حال ہوتا
اور والدہ کی کیا نوبت ہوتی ۔ بتاؤ قومی خدمت کا کوئی
وقت ہے !

سلیم :۔ واقعی میں بہت شرمندہ ہوں اور
حقیقت یہ ہے کہ قومی خدمت کا کوئی وقت نہیں ہے لیکن
بابو میں سنجیدہ ہوں اور تم سے کہتا ہوں کہ آخر ان
بچوں کا کیا ہوگا ؟

نسیم :۔ سلیم یہ واقعہ اکیلا تمہارے ساتھ نہیں
پیش آیا جسطرح کا تم نے مشورہ دیا تھا اسی طرح کا مشورہ
شر لوگ دے چکے ہیں ۔ لیکن جب خود انکا ہی کام پڑتا ہے
تو وہ بے جھجک چلے آتے ہیں اور انکو یہ یاد نہیں رہتا
کہ میں کیا مشورہ دے چکا ہوں ۔ اور جب ان کا کام
کرنے سے کوئی معذوری ظاہر کی جاتی ہے تو وہ تیوریوں
پر بل ڈال کے اسطرح چلے جاتے ہیں جیسے مقروض ہوں۔

سلیم :۔ نسیم لوگوں کو بیٹھ کر اسکا مکمل حل نکالنا پڑیگا۔
ورنہ زندگی دشوار ہو جائے گی ۔

نسیم :۔ تو کوئی نیا مشورہ عنایت فرمائیے ۔

سلیم :۔ کیا میں ہی بتاتا رہوں تم بھی تو بتاؤ کہ
تمہارے ذہن میں کیا خاکے ہیں ؟ ۔

نسیم :۔ تو سنو دو حل میرے سامنے ہیں ۔ نمبر ایک
دکان بیچ ڈالوں اور کسی گاؤں میں جا کر کھیتی کسانی کروں
اور وہاں سے ایک نئی زندگی شروع کروں اور نمبر دو
کہیں نوکری کر لوں اور وقت نہ ہونے کا بہانہ کر کے قومی
خدمت سے چھٹکارا حاصل کروں ، میری سمجھ تو بس یہی
آتا ہے ۔

سلیم :۔ یہ دونوں باتیں تو اچھی نہیں ہیں کوئی اور راستہ
ڈھونڈنا پڑے گا ۔

نسیم :۔ تو پھر تمھیں کچھ بتاؤ ۔

سلیم :۔ میرے خیال میں تو ایسا ہے کہ تم دوکان میں
کسی سے پارٹنر شپ کر لو کیونکہ پیسہ تو تمہارے پاس ہے
مگر جسکا پیسہ لگاؤ اسکو دوکان میں بھی بٹھاؤ اسکی وجہ سے
جب کام بڑھ جائے گا۔ تو لوگ خود نہیں آئیں گے۔ اور اگر
آتے بھی ہیں ۔ تو تم بڑی آسانی سے یہ کہہ سکو گے کہ اب میرا
تنہا معاملہ نہیں اسلئے میں دوکان کے اوقات میں مجبور
ہوں ۔

نسیم :۔ مشورہ تمہارا معقول ہے کوشش کرونگا کہ ایسا
ہو جائے ۔

(میں نے سلیم کے مشورے کے مطابق کئی لوگوں سے
سلسلۂ گفتگو شروع کیا ۔ اور جواب میں مہینوں لگ گئے لیکن
آخر میں ہر ایک کا جواب مایوسی تھا) ایک دن اچانک سلیم

دوکان پر آیا۔

(دونوں دوستوں کی تیسری نشست)

سلیم:۔ کہو نسیم میاں کیا ہوا کسی سے کوئی بات ہوئی؟

نسیم:۔ ہاں۔ بابو پانچ مہینے بعد آئے ہو اس درمیان میں میں پانچ آدمیوں سے گفتگو کر چکا ہوں۔ لیکن ہر ایک کا جواب مایوسی تھا۔

سلیم:۔ آخر اسکی وجہ۔

نسیم:۔ قومی خدمت

سلیم:۔ میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔

نسیم:۔ تو سنئے چاروں کا حال تو جانتا نہیں ایک صاحب کا حال سن لیجئے میں نے اُن سے گفتگو چلائی کبھی ہاں کبھی نہیں کے تاثرات سامنے آئے اور آخر میں مایوسی مجھے بڑا اطمینان تھا کہ ان سے کام ہو ہی جائیگا۔ لیکن جب ناکامی ہوئی تو بڑا دھکا لگا۔ اور یہ جاننے کے لئے کہ خواہش کے بعد انکار کیوں؟ میں نے کھوج کرنا شروع کی۔ اسی کوشش میں ایک دن انکے ایک دوست سے ملاقات ہو گئی۔ ان سے میری بھی کچھ جان پہچان تھی میں نے سوچا ان سے معلوم کروں۔ معلومات کی تو معلوم ہوا کہ اعتبار تو ہے لیکن انکار کی اصل وجہ قومی خدمت ہے۔ ان کے دوست نے بتایا کہ جو شخص اپنے پیسے کو نہ رکھ سکا اور اس جگہ پہنچا کہ دوسروں سے سہارا طلب کرے اس شخص نے ان میں والبتہ ہو گیا تو میرا بھی وہی حشر ہوگا۔ لہٰذا ایسی ہمدردی سے باز آئے۔

ایک دوسرا واقعہ بھی سن لیجئے ایک صاحب کے پہ کافی پیسے دیتا تھے ایک معقول رقم انکو دے دیجئے اور بقیہ کے لئے وعدہ کیا گیا کہ اتنے روپیہ ماہوار ادا کر دیئے جائیں گے۔ پانچ ماہ میں وہ رقم ادا ہو جاتی تھی و ماہ تک وعدے کے مطابق روپیہ پہونچایا گیا تیسرے ماہ کچھ ایسی پوزیشن تھی کہ مقررہ رقم سے آدھی رقم دی گئی بڑی لجاحت سے معذرت کی گئی لیکن صاحب جناب

نے بیوی بچے عزیز و اقارب لواحقین اور خاندان تک پیٹا لیکن صبر ضبط کا مظاہرہ کیا اسلئے کہ قرضدار تھا۔ اب مشورہ دو کہ میں کیا کروں کیا میری پہلی والی اسکیم ٹھیک ہے کہ دوکان بیچ کر کھیتی باڑی کروں یا کسی کے وہاں ملازمت کروں۔ یا میرے ایک ہندو دوست عرصہ سے اس بات کے خواہشمند ہیں کہ میں پارٹنر شپ کرلوں۔ کہو تو ان سے پارٹنر شپ کرلوں؟

سلیم تمھاری باتیں سن کر میرا تو سر چکرا گیا میرے خیال میں جو بھی فیصلہ کرو جلدی کرو میں اب مشورہ دینے کے قابل نہیں رہا۔

زندگی تو ہے درد کا ایک شاہکار عظیم
لوگ کیا سوچ کر جینے کی دعا کرتے ہیں

جھوٹ کی سرزمیں

(قسط دوم)

یوسف السباعی

باہر نکل کر میں نے سوچا کہ اپنی شجاعت کو کہاں استعمال کروں؟ آخر مجھے ایک ترکیب سوجھی فلسطین کا مسئلہ میرے سامنے تھا، روتا سسکتا اور زخمی فلسطین جہاں مسلمان چن چن کر قتل کیئے جا رہے ہیں، جہاں ہماری عصمت محفوظ ہے اور نہ عزت، یہودی بچوں کو ذبح کر دیتے ہیں، عورتوں کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ہم منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں میں خوش ہو گیا یہ تو ہوا نہ کام۔ میں نے خواہ مخواہ اپنی شجاعت معمولی چیزوں پر ضائع کر دی۔ میں سوچنے لگا کہ فلسطین کو کیسے آزاد کرایا جا سکتا ہے رضا کار بن جاؤں یا باقاعدہ فوج میں بھرتی ہو جاؤں لیکن اس سے کیا ہوگا؟ آخر جنگ کہاں ہو رہی جس میں میں اپنے جوہر دکھلاؤں سوچ سوچ کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ عرب لیڈروں کو لشکر بھجوانے پر آمادہ کروں تاکہ اپنی پوری قوت مجتمع کرکے یہودیوں پر ایسا وار کیا جائے کہ ان کا نام ونشان تک مٹ جائے یہ سوچ کر میں سول سیکریٹریٹ کی طرف چل دیا۔ ابھی میں دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ عقب سے شور وغل سنائی دیا سکریٹری صاحب مسلح سپاہیوں کے جھرمٹ میں تشریف لا رہے تھے۔ میں نے محافظ سے پوچھا: "یہ جلوس کیسا ہے؟" "جلوس کیسا میاں یہ تو حفاظتی دستہ ہے"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"سیکریٹری صاحب کی حفاظت کیلئے ہے کہیں یہودی انہیں قتل نہ کر دیں۔"

"تو سکریٹری صاحب یہودیوں سے ڈرتے ہیں؟"

محافظ نے حقارت سے میری طرف دیکھا اور بولا: "اسلئے کہ یہ بہت بڑے آدمی ہیں حکومت کے سارے راز ان کے پاس ہیں۔ یہی حکومت کو چلاتے ہیں سب معاملات کی چابی انہی کے پاس ہے۔"

ابتدا میں تو مجھے یہ فقرے بڑے اچھے لگے، لیکن ذرا غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ کیسے راز اور کیسی چابی معاملات کو کون نہیں جانتا۔ یہی اچھل کود اور سرکس کے مسخروں کا بھانڈپن۔ رہی یہ بات کہ حکومت کو چلاتے ہیں تو بھائی کیسی حکومت اور کیسا چلانا ہمیں تو آج تک یہ پتہ نہ چلا کہ حکومت کرتی کیا ہے۔ ہر تیسرے دن خفیہ اجلاس ہوتے ہیں۔ اور عوام سے کہا جاتا ہے کہ بس اس مرتبہ ایسی قرار داد منظور ہوئی ہے کہ یہودیوں کی ماں مر جائے گی۔ ہوتا کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ جب عوام حد سے زیادہ بے چین ہو جاتے ہیں تو سکریٹری صاحب واشنگٹن چلے جاتے ہیں۔ اور لندن سے پیرس ہوتے ہوئے بدھوؤں کی طرح گھر لوٹ آتے ہیں۔ جلسوں اور قرار دادوں سے بھلا فلسطین مل سکتا ہے۔ اب بھلا یہودی انھیں کیوں مارنے لگے اگر میں یہودی ہوتا تو دن رات بلا معاوضہ ان کی پہرے داری کرتا اور تہہ دل سے ان کی درازیٔ عمر کی دعائیں مانگتا تاکہ یہودی حکومت زیادہ دیر تک قائم رہ سکے۔ میں نے سوچا کہ اندر جا کر سکریٹری صاحب کا مزاج درست کیا جائے۔ اندر جانے لگا تو محافظ نے روک لیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ سکریٹری صاحب کو مرغا بنا دوں

آخر انھوں نے عوام کو بیوقوف کیوں سمجھ رکھا ہے؟"
محافظ نے میری بات سنتے ہی شور مچا دیا:
"غدار، یہودی قاتل، دیکھو جانے نہ پائے۔"
تھوڑی دیر بعد میں عدالت میں کھڑا تھا۔ کیس
چونکہ انتہائی اہم تھا، اسلئے فوراً کارروائی شروع
ہو گئی۔ مجھ پر عرب لیڈروں کو ختم کرنے کی سازش کے
الزام میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ نجات بہت مشکل نظر آ
رہی تھی خوش قسمتی سے جج میرا بہت عزیز دوست تھا
وہ میری طرف دیکھتے ہی ہنس پڑا اور بولا:
"ہائیں تم یہودی ہو؟"
میں نے اسے سارا قصہ کہہ سنایا صرف شجاعت
کی پڑیا کا ذکر گول کر دیا تاکہ وہ مجھے پاگل نہ سمجھنے لگے۔
اس نے مجھے ذاتی ضمانت پر رہا کر دیا میں تھکن کے
مارے چور چور ہو رہا تھا۔ اگلی صبح میں دس بجے
سو کر اٹھا مجھے صبح سات بجے دفتر پہنچنا ہوتا ہے۔ عام
حالات میں تو شاید خوف سے میری گھگی بندھ جاتی،
لیکن بھلا ہو شجاعت کا، میں اطمینان سے اٹھا نہا دھو کر
کپڑے بدلے اور گنگناتا ہوا دفتر کی طرف چل دیا دیر
ہو جائے پر میں ہمیشہ تین طریقے استعمال کرتا ہوں پہلا طریقہ
یہ کہ دفتر میں اس طرح گھس جاتا ہوں کہ لوگوں کو یہ
محسوس ہوتا ہے جیسے میں علی الصبح یہاں پہنچ گیا تھا پھر
دفتر کے کسی کام سے باہر جانا پڑا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے
کہ رونی صورت بنا کر دفتر میں جاتا ہوں اور مردہ آواز
میں ساس یا بیگم کی بیماری کی خبر سنا کر ساری رات
بیدار رہنے کی شکایت کرتا ہوں شہر کے ڈاکٹروں کو
ایک آدھ گالی دیتا ہوں کہ کمبخت رات کے وقت بستر
سے ہلے تک نہیں تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کراہتا ہوا دفتر
میں داخل ہوتا ہوں اور ظاہر کرتا ہوں کہ بس یہ دن
میری زندگی کا آخری دن ہے بیماری نے ادھ موا
کر دیا ہے لیکن اس روز تو میرا جسم مارے شجاعت
کے پھٹا پڑا تھا بہجت پاشا نے مجھے بتایا کہ صاحب نے
پانچ مرتبہ مجھے یاد کیا ہے۔ میں بغیر سوچے سمجھے گنگناتا
ہوا دفتر میں جا گھسا۔
بڑے صاحب انتہائی غصے میں تھے دیکھتے ہی بولے
"کہاں تھے تم اب تک؟"
"گھر میں سو رہا تھا۔"
"کیوں؟" انھوں نے چیخ کر پوچھا۔
"میری مرضی"
صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں حیرت
کے مارے وہ کچھ دیر خاموش رہے۔ میں انھیں اسی
حالت میں چھوڑ کر اپنی میز پر آ بیٹھا۔ ساتھ والے شخص نے
حال پوچھا میں نے مسکرا کر کہا "اچھا ہے" میرے سامنے
جو فائل پڑی تھی۔ وہ عبدالحمید مرحوم کی بیوہ کی تھی اس نے
یتیم بچوں کی پرورش کیلئے کارخانے کے مالک سے
مدد مانگی تھی جس میں مرحوم ایک حادثے کے دوران
میں ہلاک ہو گیا تھا یہ فائل پانچ سال سے میری میز
پر پڑی تھی اس کے اوراق مختلف محکموں کی مہروں سے
سیاہ ہو رہے تھے۔ فائل میں لگے ہوئے کاغذ بار بار
الٹنے پلٹنے سے بوسیدہ ہو رہے تھے یہ پانچ سال جانے
بے چاری نے کیسے گزارہ کیا ہوگا۔ میں نے فائل کا
آخری صفحہ کھولا اس پر وزیر صاحب کا حکم درج تھا:
"زیر دفعہ...... سائلہ کی درخواست نامنظور کی جاتی ہے
کیونکہ کارخانے کے مالک پر مرحوم کے وفات
کے فوراً بعد مقدمہ کیا جا سکتا تھا۔ اب یہ مدت گذر چکی
ہے اسلئے حکومت کچھ نہیں کر سکتی۔"
شاید ان کو یہ علم نہیں کہ سائلہ نے تو مرحوم کے مرتے
ہی درخواست دے دی تھی لیکن محکماتی چکروں سے
ہوتی ہوئی یہ پانچ سال میں ان تک پہنچ سکی۔ میں
نے اس حکم کے نیچے تمام حالات تفصیل سے لکھ دیے اور
وزیر صاحب کے دفتر کی طرف چل دیا۔ وہ حسب معمول

دن کے گیارہ بجے تک بھی دفتر نہیں آئے تھے نئے انتخابات ہو رہے تھے اور وہ دوبارہ پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی کوششوں میں مصروف تھے فائل ان کے میز پر رکھ کر میں واپس آگیا۔ ایک گھنٹے بعد بڑے صاحب بوکھلائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور بولے:

"یہ فائل تم نے وزیر صاحب کی میز پر رکھی تھی؟"

میں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ انھوں نے فائل میرے سامنے کر دی۔ وزیر صاحب نے لکھا تھا: "ان صاحب کا دماغی معائنہ کرایا جائے۔" یہ رنگ دیکھ کر میں نے دفتر سے کھسکنے میں مصلحت سمجھی اور ایک لفظ کہے بغیر میز سے اٹھ کھڑا ہوا راستے میں طلبہ کا ایک جلوس دکھائی دیا جو زور و شور سے نعرے لگا رہا تھا دفعتاً ایک نے پتھر اٹھایا اور بجلی کے کھمبے سے لگے ہوئے ایک بلب کو چکنا چور کر دیا۔ اب تو ہر طرف چھینا جھپٹی شروع ہو گئی فیس معاف کروانے والے دکانوں پر جھپٹے لوٹ مار شروع کر دی میں نے انھیں روکنا چاہا تو مجھ پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش ہونے لگی تھوڑی دیر بعد جب میں مجمع سے نکلا تو میری آنکھ سوج کر کپا ہو رہی تھی۔ سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا گرتا پڑتا گھر پہنچا بھائی دروازے پر کھڑا تھا مجھے اس حالت میں دیکھ کر پوچھنے لگا:

"کیا ہوا؟"

میں بستر پر جا کر لیٹ گیا اور چیخ کر بولا:

"جلدی لاؤ۔"

"کیا؟ پانی لاؤں؟"

"بیوقوف کہیں سے بزدلی کی پڑیا لاؤ۔ اس شجاعت کی وجہ سے انہوں نے مار مار کر میرا کچومر نکال دیا ہے۔"

وہ بھونچکا سا رہ گیا میں نے تفصیل سے اسے پورا قصہ سنایا۔ تو وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے ڈانٹا تو وہ باہر نکل گیا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی چڑھا دی۔ میری بیوی کی آواز سنائی دی وہ میرے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

"بھیا تو گئے کام سے۔ دماغ چل گیا ہے۔" میرا بھائی آہستہ سے بولا۔

باقی آٹھ دن کی شجاعت تو میری جان لے کر رہے گی ــــ یہ سوچ کر میں اٹھا اور دیوانہ وار کمرے میں گھومنے لگا۔ اچانک مجھے ایک ترکیب سوجھی میں نے کھڑکی کھول کر نیچے کی طرف دیکھا گندے نالے کا پائپ قریب ہی تھا میں نے قمیص اتار کر اسکا پھندا بنایا اور پائپ میں پھنسا کر نیچے لٹک گیا ذرا سی دیر میں میں گلی کھڑا تھا صرف، بنیائن اور پاجامہ پہنے ہوئے تاجرِ اخلاق کی طرف دوڑا۔ شجاعت کا بوجھ اٹھائے گرتا پڑتا بڑے میاں کے پاس پہنچا۔ وہ حسب عادت بوریوں کے درمیان بیٹھے اونگھ رہے تھے میں نے چلا کر کہا:

"خدا کے لئے مجھے بچائیے!"

"کیا ہوا تمہیں؟"

"میں ایک لمحہ بھی بہادر نہیں رہنا چاہتا۔" یہ کہہ کر میں نے تفصیلاً اپنے ساتھ آنے والے واقعات سنائے۔

"ابھی تو صرف دو دن گذرے ہیں بیٹا آٹھ دن تو پورے کر لو۔"

دو دن میں یہ حال ہوا ہے، باقی آٹھ دن میں جانے کیا حال ہوگا۔ مار کھائی، آنکھ سوجی، پاگل بنا، ملازمت ہاتھ سے گئی۔ خدارا مجھے بزدلی کی ایک پڑیا دے دیجئے۔"

میں نے پہلے ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں۔"

"ذرا ڈھونڈیے، جناب، ان تھیلیوں کے پیچھے کونوں میں، الماریوں کی درازوں میں، دکان میں جھاڑو دے کر ہی دیکھ لیجئے شاید چند ذرات مل جائیں۔"

(باقی۔باقی)

کینوس اور چمڑے کا مختلف النوع سامان تیار کرنے کیلئے آپکی تجارتی ضرورتوں کو پورا کرنیکیلئے
سپر
ایجنسی
مکھنیا بازار کانپور
آپ کو عمدہ قسم کا مال سپلائی کرنے میں
شہرت تامہ رکھتے ہیں
کینوس اور چمڑے کے تھوک بیوپاری

کھیر کھلائے گی

کوثر نفیس

اگلے وقتوں میں دہلی میں ایک لالچی مولوی صاحب رہتے تھے تعلیم کچھ تھی نہیں الٹ پلٹ وعظ کیا کرتے اور لوگوں سے روپیے بٹور لیا کرتے تھے ان مولوی صاحب کے چند شاگرد بھی تھے اپنی بیٹھک میں شاگردوں کو بٹھاتے اور ہر روز وعظ میں ان سے کہتے کہ جو شخص خدا کے نام پر دوسروں کو اچھے اچھے کھانے کھلاتا ہے اسے بڑا ثواب ہوتا ہے جتنا ثواب قورما کھلانے سے ہوتا ہے اس سے دگنا بریانی کھلانے سے ہوتا ہے اور تگنا زردہ کھلانے سے اور کھیر کھلانے سے تو کچھ پوچھو ہی نہیں کہ کتنا ثواب ہوتا ہے مولوی صاحب کی بیوی بھی ان کے عجیب و غریب وعظ سنا کرتی تھیں اور کبھی کبھی ان کے دل میں بھی ثواب کمانے کی امنگ اٹھتی تھی ایک دن مولوی صاحب نے کھیر کھلانے کے ثواب میں جو بے طرح زور دیا تو اندر بیوی نے بھی سن لیا اور دل میں ٹھان لی کہ میں بھی ثواب کمانے کے لیے ضرور کسی کو کھیر کھلاؤں گی مولوی صاحب جب وعظ ختم کر کے گھر میں آئے تو بیوی نے کہا مولوی صاحب آپ اپنے شاگردوں کو کہدیں کہ کل کھانا نہیں کھائیں میں انہیں خدا کی راہ میں کھیر پکا کر کھلاؤں گی مولوی صاحب نے بیوی کی یہ تجویز سنی تو اس کا منہ تکتے رہ گئے سوچا کہ ہم تو کھیر کا ثواب اس لئے بیان کرتے ہیں کہ لوگ ہمیں کھیر کھلائیں یہ دوسروں کو کھیر کھلانے پر تیار ہو گئی!

بولے نیک بخت تو نے کھیر کھلانے کا ثواب تو سن لیا مگر اب میرا وعظ بھی سن لے کہ بندے کو ہر ایک چیز اپنی بساط کے موافق کرنی چاہیے ہمیں اتنی توفیق کہاں کہ لوگوں کو کھیر کھلائیں۔ بیوی تھیں بہت ضدی بولیں میں کھیر ضرور کھلاؤں گی اور اگر تم نہیں کہتے تو تو میں خود پردے کے پیچھے سے کہے دیتی ہوں کہ اے شاگردو کل کھانا نہیں کھانا مولوی صاحب نے بہتیرا منع کیا مگر اللہ کی بندی نے ذرا پرواہ نہ کی اور کھیر پکانے کی تیاری شروع کر دی اگلے دن مولوی صاحب نے پھر اپنی بیوی کو بار بار سمجھایا مگر اس کی سمجھ میں خاک نہیں آیا آخر تنگ آکر مولوی صاحب چادر تان کر لیٹ گئے اور بولے تم نے میری بات نہیں مانی تو ابھی مر جاؤں گا یہ کہہ کر لمبے لمبے سانس لینے لگے بیوی اپنی ہٹ پر بے طرح اڑ گئی تھیں انہوں نے پرواہ نہ کی بولیں مرو یا جیو کھیر تو میں کھلا کر رہوں گی آخر مولوی صاحب سے اور کچھ تو بن نہ سکا دم روک مردہ بن کر پڑ گئے ادھر بیوی نے مولوی صاحب کو ستانے کیلئے کیا تماشہ کیا کہ شاگردوں کو آواز دی اور کہا ہے ہے مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا نہلانے والے کو بلاؤ اور کفن کا بندوبست کرو شاگرد تو کفن دفن کے انتظام میں مشغول ہو گئے ادھر بیوی نے مولوی صاحب کے کان میں کہا "میاں خیریت چاہتے ہو تو اسی وقت اٹھ بیٹھو ورنہ کفن دفن کا انتظام ہو رہا ہے" مولوی صاحب نے گھبرا کر پوچھا پہلے یہ بتا کھیر کھلائے گی بیوی نے کہا کھیر تو میں کھلاؤں گی"

مولوی صاحب نے آہ بھر کر فرمایا تو پھر جینے بھی دے اتنی دیر میں شاگرد کفن وغیرہ کا سامان لے کر آ گئے مولوی صاحب کو تختے پر لٹا کر نہلایا گیا اور پھر کفن وغیرہ

پہنایا گیا بیوی کو ادھر اپنی بچ کا خیال تھا ادھر میاں کی
محبت دل کو بیتاب کئے دیتی تھی بار بار خیال آتا تھا کہ
کہیں مولوی صاحب کھیر کے غم میں بچ بچ جان ہی نہ دیدیں
اسی تدبیر دے کے پیچھے سے شاگردوں کو آواز دی اور کہا
شاگردوں مولوی صاحب وصیت فرما گئے تھے کہ مرنے کے
بعد میرے کان میں ایک دعا پڑھ دینا ذرا تم ہٹ جاؤ
اور مجھے دعا پڑھ لینے دو۔ شاگرد باہر چلے گئے تو بیوی نے
مولوی صاحب سے کہا اب بھی کچھ نہیں گیا اٹھ بیٹھو میں
کوئی بہانا کر دوں گی" مولوی صاحب نے پھر وہی سوال
کیا پہلے یہ بتا کھیر کھلائے گی بیوی نے کہا کھیر تو میں کھلاؤں گی"
مولوی صاحب نے آہ بھر کر فرمایا تو پھر چلنے بھی دے"
بیوی مجبوراً پردے میں چلی گئیں اور شاگرد مولوی صاحب
کا جنازہ لے کر قبرستان روانہ ہوئے بیوی کا خیال تھا
کہ جنازہ چلے گا تو مولوی صاحب اٹھ بیٹھیں گے
وہ نہ اٹھے تو انھیں فکر ہوئی کہ واقعی کہیں میاں دفن نہ
کر دیئے جائیں برقعہ اوڑھ کر جنازہ کے پیچھے پیچھے قبرستان
پہنچیں وہاں قبر تیار تھی اور لوگ مولوی صاحب کو اسمیں
اتارنے ہی والے تھے کہ بیوی نے شاگردوں سے کہا
مجھے مولوی صاحب کے کان میں ایک دعا اور پڑھنی ہے
تم ذرا ہٹ جاؤ" سب لوگ ہٹ گئے تو بیوی نے مولوی
صاحب سے پھر کہا دیکھو اب کچھ باقی نہیں رہا ذرا سی دیر
میں دفن ہو جاؤ گے مان جاؤ۔ مولوی صاحب نے پھر
وہی سوال کیا پہلے یہ بتا کھیر کھلائے گی" بیوی بولیں ۔
کھیر تو میں کھلاؤں گی" مولوی صاحب آہ بھر کر بولے ۔
تو پھر چلنے بھی دے" بیوی پریشان ہو کر ایک طرف
کھڑی ہو گئیں کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں نہ اپنی ضد
چھوڑی جاتی تھی نہ میاں کو زندہ دفن ہوتے دیکھا
جاتا تھا ادھر شاگردوں نے مولوی صاحب کو قبر میں
اتار کر تختے لگانے شروع کر دیئے۔ جب ایک تختہ باقی رہ گیا
تو بیوی کو ایک ترکیب سوجھی با آواز بلند کہا کہ لو شاگردو
مولوی صاحب تو مر گئے یہ گھر کی کنجیاں ہیں جو کچھ
مال اسباب گھر میں رکھا ہے اس کو اللہ کے نام پر
لوٹ لو" مولوی صاحب تو صرف کھیر کھلانے ہی کے صدمے
میں جان دینے کو تیار ہو گئے تھے اب جو انہوں نے
بیوی کی زبان سے تشویش پیدا کرنے والی یہ بات
سنی تو کفن پھاڑ قبر میں سے نکل آئے اور کہنے لگے
"نیک بخت تو کھیر کھلا میں مرنے سے باز آیا"

گھریلو چٹکلے

کلثوم شیرازی

- عموماً فرشی دریوں کے کناروں سے دھاگے نکلتے ہیں جس سے دریاں خراب ہو جاتی ہیں۔ سادا کپڑا لے کر اس کے کناروں پر سنجاب لگا دیں۔
- فرنیچر کی چمک برقرار رکھنے کے لئے مٹی کے تیل میں سرسوں کا تیل ملا کر ملیں۔ فرنیچر چمک اٹھے گا۔
- جن بہنوں کے چہروں پر چھائیاں ہوں۔ وہ گلاب کے عرق میں پھٹکری ملا کر چھائیوں پر ملیں۔ ٹھیک ہو جائیں گی۔
- المونیم کے برتنوں کو دھوتے وقت اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ واشنگ سوڈا washing soda استعمال نہ ہو۔ کیونکہ اس کے استعمال سے جو کیمیاوی عمل ہوتا ہے وہ نقصان دہ ہے۔
- پیتل کے برتنوں کو چمکانے کا ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ نمک کو سرکہ میں ملا کر استعمال کریں برتن کے باہری حصہ کو چمکانے کے لئے خشک سفیدہ سے پالش کریں۔
- باتھ برک Bath Brick کو باریک پیس کر اس کو میٹھے تیل یا پیرافین میں اچھی طرح حل کریں۔ پیتل کے برتنوں کو چمکانے کے لئے یہ محلول ہی بہت زیادہ بہتر ثابت ہوتا ہے۔

دیار نانک و کبیر

ادارہ

برصغیر ہند و پاک کی فضا پر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں دونوں ممالک کے درمیان بد اعتمادی اور نفرت کی خلیج اور وسیع ہوتی جارہی ہے نہ جانے کب جوالا مکھی پھوٹ پڑے اور اپنی لپیٹ میں نہ جانے کتنوں کو لے جائے۔

اگر خدانخواستہ جنگ چھڑ گئی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء سے کہیں زیادہ ہولناک اور تباہ کن ہوگی جس کے معاشی اور سماجی اثرات کو سوچا نہیں جاسکتا ایک کمترین اندازہ کے مطابق ۱۹۶۵ء کی جنگ میں صرف ہندوستان کو تقریباً پچاس کروڑ روپوں کا نقصان ہوا تھا۔

ہم اپنے قارئین کے لئے یہاں دونوں ملکوں کی دفاعی تیاریوں کا ہلکا سا خاکہ پیش کر رہے ہیں۔

مندرجہ ذیل اعداد و شمار صرف موٹی موٹی تیاریوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

	ہندوستان	پاکستان
آبادی	۵۵۰،۰۰۰،۰۰۰ (پچپن کروڑ)	۱۲۸،۴۰۰،۵۰۰ (بارہ کروڑ چوراسی لاکھ پانچ سو)
کل افواج	۹،۳۰،۰۰۰	۳،۲۴،۵۰۰

فوجی طاقت!

بری افواج:-

سیکشن	۱۰
پلیٹون	۴۰
کمپنی	۱۲۵
بٹالین	۸۷۵
بریگیڈ	۲۹۰۰
ڈویژن	۱۰

ہندوستان میں اس وقت کل ملاکر پچیس ڈویژن پیدل فوج (انفنٹری) ہے۔ دس ڈویژن شمالی سرحدوں پر تعینات ہے جبکہ ۱۹۶۵ء میں کل بائیس ڈویژن تھے۔

پاکستانی افواج میں کل گیارہ ڈویژن پیدل فوج ہے اس میں سے چار مشرقی پاکستان میں ہیں ایک خبر کے مطابق دو اور ڈویژن انتہائی تیزی کے ساتھ تیار کئے جارہے ہیں جبکہ ۱۹۶۵ء میں مغربی پاکستان میں چھ اور مشرقی پاکستان میں ایک ڈویژن پیدل فوج تھی۔

بکتر بند Armoured فوج کے دونوں ملکوں کے پاس دو دو ڈویژن اور ایک بریگیڈ ہیں یعنی دونوں کی طاقت یکساں سی ہے۔ ۱۹۶۵ء میں یہ طاقت صرف ڈیڑھ ڈیڑھ ڈویژن پر مشتمل تھی۔

چند قابل ذکر اعداد و شمار

	ہندوستان	پاکستان
کل نفوس	۸۰۰،۰۰۰ (آٹھ لاکھ)	۳۰۰،۰۰۰ (تین لاکھ)
آرمرڈ ڈویژن	۲	۲
آرمرڈ بریگیڈ	۱	۱
پیدل فوج کے ڈویژن	۱۵	۱۱
پہاڑی پیدل فوج کے ڈویژن	۱۰	-
" " " بریگیڈ	۶	-
پیراشوٹ بریگیڈ	۲	-

ہندوستانی بکتر بند فوج کے پاس اس وقت سینچورین (Centurion) شرمن (Sherman) وجینتا (Vijayanta) اور اسٹورٹ (Stuart) ٹینک ہیں۔

[illegible]

چینی T-59 ٹینک (Chaffee) اور بلڈاگ (Bulldog) ٹینک ہیں۔

ہوائی افواج

اسوقت ہندوستان میں تقریباً تیس اسکواڈرن ہوائی فوج ہے (ایک اسکواڈرن میں بارہ سے پندرہ جہاز ہوتے ہیں) جبکہ ۶۵ء میں یہ تعداد ۲۵ تھی۔

پاکستان میں تعداد اٹھارہ ہے جبکہ ۶۵ء میں صرف دس تھی

چند قابل ذکر اعداد و شمار۔

	ہندوستان	پاکستان
کل نفوس	۹۰،۰۰۰ (نوے ہزار)	۱۵۰۰۰ (پندرہ ہزار)
کینبرا ہلکے بمبار	۵۰	۱۱
بی ۵۷ بی کینبرا ہلکے بمبار	—	۲ اسکواڈرن
مگ ۲۱ مزاحمی طیارے	۱۲۰	—
مگ ۱۹ مزاحمی طیارے	—	۵ اسکواڈرن
F104A مزاحمی طیارے	—	۱ اسکواڈرن
نیٹ لڑاکا طیارے	۱۵۰	—
F86 مزاحمی لڑاکا بمبار	—	۷ اسکواڈرن
میراج مزاحمی لڑاکا بمبار	—	۱ اسکواڈرن
ویمپائر لڑاکا بمبار	۵۰	—

بحری افواج

ہندوستان کے پاس ایک ایرکرافٹ کیریئر I.N.S. Vikrant ہے، اس میں بیک وقت دس سی ہاک (Sea Hawk) طیارے چار پٹرولر (Patroller) طیارے اور ہیلی کوپٹر ہوتے ہیں اس پر تقریباً سترہ سو افسران و سپاہ رہتی ہے، ہندوستانی بحری فوج کے پاس ایک سبمیرین (Submarine) بھی ہے۔

پاکستان میں کوئی ایرکرافٹ کیریئر نہیں ہے، اسکے پاس چار سبمیرینیں ہیں۔ ایک پہلے سے ہے اور تین زیر تیاری فرانس میں۔ اس میں سے ایک تیار ہو کر شاید پاکستان کے حوالے بھی کی جا چکی ہے۔

چند قابل ذکر اعداد و شمار

	ہندوستان	پاکستان
کل نفوس	۴۰،۰۰۰ (چالیس ہزار)	۹،۵۰۰ (نو ہزار پانچسو)
۱۶۰۰۰ ٹن کا ایرکرافٹ کیریئر	۱	—
کروزر (Cruisers) وہ جنگی جہاز جو دشمن کی تلاش میں ادھر ادھر جاتے ہیں	۲	۱
سبمیرین	۱	۲ (دو زیر تیاری)
ڈسٹرائر (Destroyer) تباہ کن جہاز	۱۱	۵
ہوائی جہازوں کو مار گرانے والے فریگیٹ	۳	—
سبمیرین کو مار گرانے والے فریگیٹ	۳	—

(مندرجہ بالا اعداد و شمار انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریٹجک سائینسز لندن سے لی گئی ہیں)

دِق کیا ہے؟

ڈاکٹر ایم۔ ایس بریجہ وارثی

دِق ایک بڑی خطرناک بیماری ہے اس بیماری کا زور ہندوستان میں اس قدر ہے کہ بڑے بڑے ڈاکٹر صاحبان اس بیماری سے رہا ہونے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں جس گھر میں اس نے گھر کیا مریض کو زندگی سے بیزار اور تیمار داروں کو مریض سے لاچار کر دیا زیادہ تر اس طریقہ سے گھلا گھلا کر اس نے مریض کا دم کھینچا اس وقت مریض کے منہ سے سوائے خدا کے اور کچھ نہیں نکلتا اس نے بڑے بڑے تندرست آدمیوں کو بڑی بے رحمی اور مستقل مزاجی سے اپنے پنجے میں دبا کر چھوڑا ہے لیکن انسان بھی ایک عجیب فتنہ کار ہے اپنی بہبودی اور حفاظت کے واسطے اس نے کیا نہ کیا؟ متواتر اس صدی کے ۳۲ سال اسی جفاکشی میں گذرے ہیں کہ دق سے بچنے میں سہولت اور کامیابی ہو جائے حالانکہ آجکل زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔

یہ بیماری آج کی کوئی نئی بیماری نہیں ہے۔ یہ ایک چھوت کی بیماری ہے جو ایک انسان سے دوسرے انسان بڑی آسانی سے پھیلتی ہے یہ ایک قسم کا جرثومہ ہے جس کو ٹیوبرکلوسس کے نام سے پکارتے ہیں جس وقت یہ جرثومہ انسان کے جسم میں داخل ہوتا ہے تو بیماری پیدا کر دیتا ہے لیکن اس جرثومہ کے انسان کے بدن میں داخل ہونے کے یہ معنی نہیں لگانا چاہیے کہ اس کو دق لازمی ہو ہی جائیگی یہ مرض ان غریبوں پر جلد ہی پھیلتا ہے جن کے مکانات غلیظ ہوتے ہیں یا جو گندی سڑکوں یا گلیوں میں رہتے ہیں ان کو غذا اغراض یا کم ملتی ہے جنکو متواتر نا امیدی کا سامنا کرنا پڑتا ہے دق اکثر ان آدمی یا عورتوں کو بھی ہو جایا کرتا ہے جن کو ایک عرصہ تک مکان کی تنگی کے باعث ایک دِق کے مریض کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے یہ مرض عموماً ہر عمر میں ہوتا ہے ۲۱ برس کی عمر سے زائد والے آدمیوں میں پلموزری ٹیوبرکلوسس عام بات ہے موت اکثر ۱۸ اور ۲۵ برس کے درمیان میں ہوتی ہے بعض پیشے ایسے ہیں جن کو اختیار کرنے والے آسانی سے دِق میں بیمار ہو جاتے ہیں مثلاً کانوں میں کام کرنے والے مٹی کے برتن بنانے والے اِن کے برعکس جن کو ہوا اور کھلے میدانوں میں کام کرنا پڑتا ہے وہ مشکل سے بیمار پڑتے ہیں وہ گائے جن کو دق کا مرض ہوتا ہے اپنے دئے ہوئے دودھ میں لو ندین قسم کی جراثیم دیتی ہے اور اگر اس قسم کے دودھ کو بغیر گرم کئے استعمال کیا جائے تو ان جراثیم کا انسان کے جسم میں پہونچکر انسان کی ہڈیاں غدود اور جوڑوں میں تکلیف پہونچانے کا احتمال رہتا ہے۔ جو بچے ایسے دودھ کا استعمال کرتے ہیں انکو بھی نقصان کرنے کا اندیشہ رہتا ہے جب ٹیوبرکل بیسیلیس بذریعہ سانس اندر داخل ہوتا ہے تو پہلے پھیپھڑے میں پہونچتا ہے پھیپھڑا گودام کی طرح ہوتا ہے جسکا اوپر کا حصہ ایپکس یعنی زاویہ ہوتا ہے جس وقت ہم سانس لیتے ہیں تو ہوا پھیپھڑے کے اندر داخل ہوتی ہے جس دوران جرثومہ پھیپھڑے کے اندر یہ کام ہوتا رہتا ہے اسی وقت حرارت بڑھنے اور گھٹنے لگتی ہے حرارت کا بڑھنا ایک لازمی نتیجہ ہے یہ حرارت متواتر ایک سی نہیں رہتی

دن میں کبھی بڑھتی اور گھٹتی رہتی ہے۔ بدن کی گرمی دن میں صبح کے وقت تندرست بدن کے موافق رہتی ہے اور۔ دوپہر یا رات کو بڑھ جاتی ہے اور شام یا رات کو کم ہو جاتی ہے۔ کھانسی بلغم جانا۔ سستی رہنا۔ خون کی کمی ہونا وزن کا کم ہونا بد ہضمی ہونا جن کی کوئی دوسری وجہ نہ ہو تو دق کی علامات کہلاتی ہیں۔ اس وقت فوراً بخار کا اندازہ بذریعہ تھرمومیٹر کر لینا چاہیے اور ہر دو دو گھنٹہ پر بدن کی حرارت معلوم کرنی چاہیے اگر حرارت دن میں زیادہ ہو اور اوپر دی ہوئی علامتیں معلوم ہوں تو فوراً شک کرنا چاہیے کہ دق کا اثر ہے یہ علامت سب سے پیشتر ظاہر ہوتی ہے اور کھانسی شروع زمانہ میں خشک ہوتی ہے کف بہت کم خارج ہوتا ہے اور ایک خاص قسم کی آواز پیدا ہو جاتی ہے وقت گزرنے پر جب مرض چند ہفتہ ٹھیر جاتا ہے تو کھانسی کچھ کچھ تر ہونے لگتی ہے اور کف نکلنا شروع ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ پھیپھڑوں میں گڑھے سے ہو جاتے ہیں تو کھانسی درد کے ساتھ آتی ہے کھانسنے میں تکلیف معلوم ہوتی ہے شروع حالت میں بلغم کم اور چکیلا ہوتا ہے اور مرض ترقی پانے پر بلغم پتلا خارج ہونے لگتا ہے کھانسنے میں خونی اخراج جانے لگتے ہیں کف کیا تو خون کی پھٹکی آنے لگتی ہے دق کے ہر درجہ میں یہ علامت پائی جاتی ہے کبھی سینے میں درد دھیما کبھی تیز ہو جاتا ہے نبض کی رفتار عموماً تیز رہتی ہے پسینہ کی علامت مرض کی ہر صورت میں پائی جاتی ہے وزن کی کمی مرض کی پہلی علامت ہے بھوک کی کمی مرض کے شروع ہونے سے ہو جاتی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد جی متلانا قے ہو جانا جسکے باعث خون میں کمی ہو جاتی ہے اگر واقعی اثر ہے تو فوراً علاج شروع کرنا چاہیے اگر شروع میں لاپرواہی ہو گئی تو۔ بعد ازاں علاج محال ہو جاتا ہے اس میں شروع میں مریض کو زیادہ تکلیف نہیں معلوم دیتی کیوں کہ صرف بخار ہوتا ہے جو کہ رات کو پسینہ آکر اتر جاتا ہے اس وجہ سے یاد رکھنا چاہیے کہ شروع میں لاپرواہی نہ ہو بعد ازاں زندگی ایک عجیب خطرے میں ہو جائے جس کا کامیابی سے خطرہ سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس کے لئے فوراً کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے اور اسکے لئے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے ملنا چاہیے اس کے مشورہ بلغم تھوک اور خون سینہ کا ایکسرے کروانا چاہیے

مصنوعی دل اور پھیپھڑے

علی ناصر زیدی

موجودہ دور کی اہم طبی ایجادات میں اس مشین کو بڑا دخل ہے جس کی مدد سے اب دل کا اپریشن کیا جا سکتا ہے ماہر سرجن اطمینان سے دل کی مرمت کرنے کے بعد مریض کا سینہ بند کر دیتے ہیں اور وہ تندرست ہو جاتا ہے

اس قسم کے آلات ماہرین طب و جراحت کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ ۱۹۳۳ء کی بات ہے کہ جیفرسن میڈیکل کالج فلاڈلفیا کے ڈاکٹر جان۔ ایچ۔ گبن نے ایک میکانی دل تیار کرنا شروع کیا۔

پندرہ سال تک وہ متواتر تجربات کرتے رہے اور انھوں نے اس عرصہ میں پانچ مشینیں تیار کیں۔ بالآخر وہ ایک ایسی مشین تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جسے بجا طور پر پھیپھڑے کا نعم البدل کہا جا سکتا ہے۔

اور اب تو یہ مشینیں عام ہو رہی ہیں اور ان کی مدد سے قلب کے ایسے ایسے آپریشن کئے جا رہے ہیں جن کا تصور اب سے چند سال پیشتر تک محال تھا۔

یہی نہیں۔ فوری طور پر ایک دل کی جگہ دوسرے انسانی دل کو بدل دینے کا حیرتناک تجربہ دو سال ہوئے کامیاب ہو چکا ہے اور اب سائنسداں اس بات کی کوشش میں مصروف ہیں کہ ایسے اہم آپریشنوں کو ہر کس و ناکس عام کر دیا جائے۔

شاندار فتح

تماشائی کے قلم سے

ہندوستان اور انگلستان کے درمیان تیسرا اور آخری ٹسٹ میچ ۱۹ اگست ۱۹۷۱ء سے اوول کے گراؤنڈ پر کھیلا گیا۔ اس سے قبل ہندوستان اور انگلستان کے درمیان ہونے والے دو ٹسٹ میچ برابری پر فیصل ہوئے اور دوسرے ٹسٹ میچ میں ہندوستان کو بارش نے ہار سے بچا لیا۔ ورنہ انگلستان اس سے قبل ہی ہندوستان سے صفر کے بمقابلہ ایک سے آگے ہوتا۔

یہ تیسرا فیصلہ کن کرکٹ ٹسٹ میچ دونوں ہی ٹیموں کے اس دعوے کے ساتھ شروع ہوا کہ وہ حریف کو شکست دے دیں گی۔ انگلستان کی ٹیم کے کپتان رے النگورتھ نے اس بار بھی ٹاس جیتا اور بلے بازی کا فیصلہ کیا میدان بازی کے لئے ہندوستانی ٹیم میدان میں اتری اور پہلے دن انگلستان کی ٹیم اپنی پہلی باری میں ۳۵۵، رن بنا کر آوٹ ہو گئی۔ انگلستانی ٹیم کو آؤٹ کرنے کا سہرا پہلے دن ہندوستان کے اسپن گیند اندازوں کے سر رہا۔

دوسرے دن کھیل شروع ہونے سے تین گھنٹے قبل سے ہی بارش شروع ہو گئی۔ اور اسکا سلسلہ بڑی دیر تک جاری رہا۔ نتیجتاً دوسرے دن ہندوستانی ٹیم بلے بازی کے لئے میدان میں نہ اتر سکی اور ایسا نظر آنے لگا کہ جیسے یہ ٹسٹ بھی فیصلہ کن مرحلے تک نہیں پہونچ پائے گا۔

تیسرے دن ہندوستان نے اپنی پہلی انگ کا آغاز کیا لیکن دن بھر کی تگ و دو کے بعد ہندوستانی ٹیم کو اپنے سات وکٹ گنوانے پر ۲۳۴ رن ہی ہاتھ لگے۔ انگلستان کے گیند اندازوں کی جارحانہ بولنگ کے سامنے ہندوستانی بلے بازوں کا کھیل جم نہ سکا اور وہ دن بھر دفاعی بلے بازی کرتے رہے۔ اس دن قابل ذکر رن بنانے والوں میں سارڈیسائی اور اسکیپر واڈیکر خاص تھے۔ جنھوں نے بالترتیب ۵۴ اور ۴۸ رن بنا کر ہندوستانی ٹیم کو مکمل تباہی سے بچا لیا اسنو کی گیند اندازی ہندوستانی بلے بازوں پر چھائی رہی اور کپتان النگورتھ نے ۲۳ گیندیں کھلا کر تین وکٹ لئے۔

چوتھا دن دونوں ہی ٹیموں کے لئے بڑا قیامت خیز ثابت ہوا۔ ہندوستانی ٹیم جو کھیل کے تیسرے دن اپنی پہلی انگ میں، وکٹ پر ۲۳۴ رن بنا چکی تھی۔ ۲۸۴ رنوں پر آوٹ ہو گئی۔ اسکے بعد جب انگلستان کی ٹیم اپنی دوسری انگ کھیلنے کے لئے میدان میں اتری تو جیسے ہندوستانی گیند اندازوں کی بن آئی اور انھوں نے انگلستان کے بلے بازوں کو بارہ پر رکھ لیا اور پوری ٹیم صرف ۱۰۱ رن بنا کر آوٹ ہو گئی۔

تاریخ کا یہ پہلا اتفاق تھا کہ ہندوستان کے مقابلے انگلستانی ٹیم نے کم سے کم رن بنائے اس سے قبل کے میں انگلستانی ٹیم ۱۳۴ رن پر آوٹ ہوئی تھی۔

پہلی اننگس میں انگلستان نے ۳۵۵ رن بنائے تھے۔ اور ہندوستانی ٹیم نے اس کے جواب میں ۲۸۴ رن بنائے تھے اسطرح انگلستانی ٹیم کو ہندوستانی ٹیم

پر ۱۱۰ رنوں کی سبقت حاصل ہوئی تھی۔ دوسری اننگز میں
جب انگلستانی ٹیم ۱۰۱ رنوں پر آوٹ ہو گئی تو اسطرح
اسے ہندوستانی ٹیم کے اسکور پر صرف ۱۷۳ رنوں
کی سبقت حاصل ہوئی اور اس لحاظ سے اس بات کا
واضح امکان نظر آنے لگا کہ شاید ہندوستانی ٹیم اپنی
دوسری باری میں ۱۷۳ رن بنا کر انگلستان کے خلاف
یہ ٹسٹ میچ بھی جیت لے اور ساتھ ہی ساتھ ربڑ بھی۔
اور کچھ ہوا بھی اس توقع کے مطابق جو تیسرے دن کھیل
ختم ہونے تک ہندوستانی ٹیم نے ۲ وکٹ کھو کر ۷۶ رن
بنالئے اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ہندوستان مزید
۹۷ رن بنا کر جیت سکتا ہے۔ ان ۷۶ رنوں میں کپتان
واڈیکر کے ۴۵ قیمتی رن تھے اور وہ ابھی کریز پر موجود
تھے۔

پانچواں اور آخری دن بالآخر ہندوستان کیلئے
فتح کا پیغام لے کر آیا۔ اور انگلستان کے خلاف کھیلے
گئے مسلسل ۲۴ ٹسٹ میچوں کے بعد ہندوستان نے خود
انگلستان کی ہی سرزمین پر کامیابی حاصل کی۔
حالیہ برسوں میں درحقیقت عالمی کرکٹ کا یہ بڑا
سنسنی خیز واقعہ تھا۔ کیونکہ جون ۱۹۶۸ء کے بعد سے
کوئی بھی ٹیم اس سے قبل انگلستان کو ٹسٹ میچ میں شکست
نہیں دے سکی تھی۔ اور ہندوستان کی اس جیت
نے انگلستان کا ۲۸ میچوں میں نہ ہارنے کا ریکارڈ
توڑ دیا۔

اس فتح کا ایک شاندار پہلو یہ بھی ہے کہ ویسٹ
انڈیز پر کامیابی کے بعد ہی ہندوستان کو یہ جیت حاصل
ہوئی اور اس سے قبل ہندوستان کا ریکارڈ انگلستان
کی سرزمین پر کھیلنے کے سلسلے میں بہت ہی خراب رہا
تھا۔ سات دوروں اور ۲۱ ٹسٹ میچوں میں مجموعی
طور پر ۳۹ سال کے دوران اسے ۱۵ ٹسٹ میچوں
میں شکست ہوئی تھی۔ اور ۶ میچ ہار جیت کا فیصلہ کئے
بغیر ہی ختم ہو گئے تھے۔

بہر حال کل کے دو وکٹ پر ۷۶ رنوں کے اسکور
کے بعد جب ہندوستانی ٹیم پانچویں دن میدان میں
اتری تو ایک عجیب امید و بیم کی کیفیت کا عالم اس پہ
طاری تھا۔ اور ۸ وکٹ کے تحفظ کے ساتھ اسے جیت
سے ہمکنار ہونے کیلئے صرف ۹۷ رن بنانا تھے۔
کل کے آوٹ شدہ کھلاڑی تھے اشوک منکڈ اور
انیل گاوسکر۔ جنھوں نے بالترتیب ۱۱ رن اور صفر
رن ہندوستانی ٹیم کو دیئے تھے۔ اسلئے کھیل کے
لئے کل کے کھیلتے ہوئے کھلاڑی اجیت واڈیکر اور
سردیسائی اپنے بلے لئے ہوئے بلے بازی کے لئے
میدان میں اترے۔ اجیت واڈیکر نے کل ۴۵ رن
بنائے تھے اور سردیسائی ۱۳ رن بنا کر کھیل رہے تھے۔

کھیل شروع ہوا تو اجیت واڈیکر دوسرے ہی
اوور میں آوٹ ہو گئے۔ ایک اچھے وکٹ کے گرجانے
سے ہندوستانی ٹیم کو خدشہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ایسے
موقع پر ٹیم کا ہر کھلاڑی اور اس کا ہر ہر رن قیمتی تھا۔
اسکے بعد جب انگلستان کے اسپنر انڈر ووڈ نے سردیسائی
اور سولکر کو آوٹ کیا تو ہندوستان کے ۵ وکٹ پر ۱۲۴
رن ہو گئے تھے۔ سردیسائی نے ۴۰ اور سولکر نے
ایک رن بنایا تھا۔ اور اسوقت ہندوستان کو جیتنے
کے لئے صرف ۲۹ رن درکار تھے۔

بالآخر جب اسکے بعد فرخ انجینیر اور وشوناتھ کھیلنے
آئے تو انکی بے دھڑک بلے بازی نے یہ قطعی طور پہ
طے کر دیا کہ ہندوستان جیت جائے گا۔ وشوناتھ جب
۳۳ رن بنا چکے تو عین اسوقت جب وہ ہندوستانی
ٹیم کو فتح سے ہمکنار کرانے والا چوکا مار رہے تھے آوٹ
ہو گئے۔ اور پھر فوری بعد اس چوکے کو مار کر ہندوستانی
ٹیم کو فتح سے ہمکنار کرانے کا اعزاز حاصل کر لیا عابد علی
نے

کہ لوگ کہتے ہیں

آپ کے خطوط

رامپور
۹ راگست ۱۹۷۱ء

برادر مکرم ۔ سلام و نیاز
تازہ رگ سنگ ملا۔ عرفان نوازی کا شکریہ قبلہ والد محترم کی غزل آئندہ شمارے کے لئے بھیج رہا ہوں امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ارباب حلقہ کو سلام مسنون

والسلام
نیازمند
عرفان زیدی

بھائی فیروز صاحب
سلام مسنون
تاخیر کے لئے آپ قطعی فکر نہ کریں خود میری جانب سے اسی طرح ہو جاتی ہے کہ بجز شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا مضمون کے سلسلے میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ تو فرصت تو واقعی اس وجہ سے نہیں تھی حتیٰ کہ سارا کام اپنے ہی ذمہ ہوتا ہے بہرحال آپ کو کچھ روانہ روانہ کیا جائے گا۔ انشاءاللہ اگر مضمون سائنسی ہو یا اگر کوئی نظم ہی ہو تو یہ بھی گوارا ہوگی؟ سائنسی کی زیادہ امید ہے بہرحال تحریر فرمائیے گا۔ فقط

والسلام
آپ کا
عباد

سیر پور کانھ نگر
۱۸ راگست ۱۹۷۱ء

مکرمی تسلیم
بجواب کارڈ مورخہ ۱۵ راگست ۱۹۷۱ء عرض ہے کہ آپ کا رگ سنگ ہر طرح پسند آیا اور قابل توجہ مسلمانان ہند ہے مقامی ایجنٹوں کے نام درج ذیل ہیں ان سے آپکے رگ سنگ کی ایجنسی کے سلسلہ میں میری گفتگو ہو چکی ہے میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو ضرور لکھیئے

والسلام
نیازمند
محمد نسیم جلالی

مرزاپور
۱۱ راگست ۱۹۷۱ء

مکرمی! مزاج گرامی
بعد سلام کے واضح ہو کہ رگ سنگ ماہ جولائی کا موصول ہوا۔ آپ کے رسالے کے سبھی مضامین قابل تعریف ہوتے ہیں ماہ جولائی کے پرچے میں جہیز کے بابت موقول کا [illegible] کی بربادی کا مضمون نگار نے جو حقیقی نقشہ کھینچا ہے اس سے مسلم خواتین اچھا سبق حاصل کر سکتی ہیں اگست کے شمارے کا منتظر ہوں

والسلام
نیازمند
محمد سعید خاں

[illegible]
۱۹۷۱ء

اٹاوہ
۱۲ راگست

عزیزم زید مجدکم - سلام مسنون

چار پانچ دن قبل دونوں پرچے ایک ساتھ ”رگ سنگ“ کے موصول ہوئے شکریہ ۔ میری طبیعت آجکل لکھنے پر کم آمادہ ہوتی ہے انشاء اللہ جلد کچھ روانہ کردوں گا۔ امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے احباب کو سلام والسلام

احقر فدا حسین

فتحپور
۲۰ راگست

برادر محترم سلام مسنون

تازہ رگ سنگ اپنی تمام رنگ و رعنائی کے ساتھ ملا۔ شکریہ

کافی دلکش اور جاذب نظر ہے

”سنگ رگ“ میں آپ نے جو بات کہی ہے وہ تلخ ضرور ہے لیکن سچائی سے بھرپور ہے۔ ہمیں اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے ورنہ اردو کے نام لیوا اور مخلص و ہمدرد کی تعداد صفر کے برابر رہ جائے گی!

اسلامیات کے باب میں مولانا مودودی دکو ثر اعظمی کے مضامین سیرت افروز اور ذہن کو جلا بخشنے والے ہیں۔

منظومات میں یونس قنوجی و مردوج زیدی کی تخلیق اچھی اور پسندیدہ ہیں!

ادبیات میں سلطان احمد کو کال یوسف کی کوششیں لائق ستائش ہیں!

کاوش مستورات میں انجم افروز کا مضمون لائق مطالعہ ہے!

مجموعی حیثیت سے تازہ شمارہ آپ کے خلوص اور کاوش کا اعلیٰ نمونہ ہے خدا کرے ”رگ سنگ“ آپ کے ہاتھوں روز افزوں ترقی کرتا رہے۔ آمین ثم آمین

امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے فقط والسلام

آپکا مخلص شمیم

لیجئے جواب حاضر ہے

علامہ معلومی کے قلم سے

ایک شخص بیک وقت تین سوالات ہی دریافت کرسکتا ہے۔ سوال صاف خوشخط اور جواب کے لیے جگہ چھوڑ کر لکھیں صرف تعلیمی، اصلاحی، معاشرتی اور معلوماتی سوالات ہی کے جواب دیے جائیں گے۔ اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرمائیں۔ "لیجئے جواب حاضر ہے" ماہنامہ رگِ سنگ ۲۵/۱۴ سکھنیا بازار کانپور۔

ظفر حسین ———— پٹنہ

س۔ زندگی اگر ایک خواب ہے تو پھر موت کو ہم کیا کہیں گے؟
ج۔ خواب کی تعبیر۔
س۔ انسان کا سب سے پہلا فرض؟
ج۔ انسان بننا۔
س۔ پتھر کب پگھلتا ہے؟
ج۔ کبھی نہیں۔ جب پتھر پگھلنے کی نوبت آتی ہے تو پھر اسے پتھر کہا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر تو وہ موم ہو جاتا ہے۔

دُرِ شہوار ———— نگینہ

س۔ آج کل ملاوٹ کا دور ہے۔ خالص چیز آجکل کونسی دستیاب ہو سکتی ہے؟
ج۔ ملاوٹ کے اس دور میں آج کل بھی ایک چیز ایسی ہے جو بالکل خالص دستیاب ہو سکتی ہے اور وہ ہے ایک شیر خوار بچے کے لئے اس کی ماں کا دودھ۔
س۔ اردو کے لئے اسکے فدائی آجکل کیا کر رہے ہیں۔
ج۔ کچھ بھی تو نہیں؛ اُردو دوست اردو کی طرف سے خود اپر واہی برت رہے ہیں اور اُردو کشی کا الزام عائد کرتے ہیں دوسروں پر۔
س۔ میں نے ایک افسانہ موجودہ اردو کش ماحول کو دیکھتے ہوئے لکھا ہے۔ اگر میں اُسے بھیجوں تو کیا آپ اسے "رگِ سنگ" میں شائع کریں گے؟
ج۔ اس افسانہ کو آپ بھیج دیجئے معیار کے مطابق ہوا تو ضرور شائع کیا جائے گا۔

محمد کفیل ———— کانپور

س۔ اسپتال کی جگہ تو کرایہ داروں سے خالی ہو گئی۔ اسکی تعمیر کب تک شروع کروا رہے ہیں؟
ج۔ ہم بھی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ آپ بھی دعا کیجئے۔
س۔ میں نے آپکے کسی گذشتہ شمارے میں چار حضرات کے نام پڑھے تھے۔ جنھوں نے اسپتال کی جگہ خریدی ہے۔ برائے مہربانی لکھئے وہ چاروں حضرات کون کون ہیں؟
ج۔ جناب سعید احمد شریف احمد صاحبان، حاجی محمد نفیس صاحب۔ حاجی احسان کریم صاحب اور فصیح الدین صاحب۔

شوق سہسرامی ———— سہسرام

س۔ اپریل کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ غزل کی اشاعت کا شکریہ۔
ج۔ ہائیں! اپریل کا شمارہ آپ کو ڈاک سے اب

موصول ہوا۔ جبکہ ہم اسے ۶ ماہ قبل پوسٹ کرچکے تھے۔ گویا آپ کو مئی۔ جون، جولائی اور اگست کے شمارے ابھی تک نہیں ملے۔ خدا کی پناہ۔ یعنی ڈاک ہم غریب اردو دوستوں پر کیسے کیسے کرم کررہا ہے۔ بس دعائیں دینے کو جی چاہتا ہے۔ آپ اپنے حلقے کے ڈاکیے اور محکمہ ڈاک سے اس غیر ضروری تاخیر کیلئے ضرور باز پرس کیجئے جناب ورنہ ہماری ساری محنتوں پر پانی پھر جائے گا۔

س ۔ دلکش، جاذب نظر، ادبی اور اسلامی مواد سے بھرپور رنگ سنگ کا ہر شمارہ مجھے پسند آتا ہے۔

ج ۔ قدر دانی کا شکریہ۔ ہم اپنی حد بھر ہر ماہ رسالہ کو زیادہ سے زیادہ دلکش جاذب نظر اور بہتر مواد سے بھرپور بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

س ۔ نظم کی کمی بری طرح کھٹکتی ہے۔

ج اپریل کے بعد کے شمارے تو آپ کو ملے ہی نہیں پھر آپ کیسے اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہم نے نظم کی کمی کو دور کیا ہے یا نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

محمد طاہر ـــــــــــ کانپور

س ۔ فیض عام اسکول کی ایسوسی ایشن میں نئی تبدیلیاں؟

ج ۔ ہماری زندگی کا ثبوت۔

س ۔ بیت المال کے زیر اہتمام کوئی انڈسٹری ضرور قائم کیجئے تاکہ دوسروں کو بھی تلقین ہو اسطرح رقم نہ خرچ ہو کر اسکا منافع مستحقین کو تقسیم کیا جائے۔ مجھے یاد ہے میں نے کچھ اسی طرح کی ملتی جلتی اسکیم آپ ہی کے قلم سے لکھی ہوئی پڑھی بھی تھی؟

ج ۔ بیشک آپ کا خیال درست ہے کچھ شرعی پابندیاں ہیں۔ بہر حال اس سلسلہ میں ہماری کوششیں جاری ہیں۔ مگر انکی رفتار واقعی بہت سست ہے باعث کہ کام کرنے والے ہاتھ بہت کم ہیں۔

انوار عارفی ـــــــــــ الہ آباد

س ۔ میں نے ایک غزل آپکو برائے اشاعت بھیجی تھی وہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی کیا بات ہے؟

ج ۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپکی وہ غزل معیار کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے نہ شائع کرسکیں گے

س ۔ جب دل حد سے زیادہ مایوسی کا شکار ہوجائے تو؟

ج ۔ مایوسی اسلام میں کفر ہے۔ خدا سے لو لگائیے انشاء اللہ مایوسی کے بادل چھٹ جائیں گے!

س ۔ میں نے سنا ہے کہ کوئی فلم کمپنی حضرت محمدؐ کی حیات مبارکہ پر فلم تیار کررہی ہے۔ کیا یہ بات سچ ہے۔

ج ۔ جی ہاں ایک امریکی فلم ساز کمپنی اس گستاخانہ جسارت کی مرتکب ہورہی ہے۔ دنیا کے گوشہ گوشہ سے اسے اس گستاخی سے باز رکھنے کے لئے کوششیں جاری ہیں۔ ہم مسلمانان ہند بھی اپنے ملک کے دفتر وزارت خارجہ کی معرفت فرداً فرداً اسے اس گستاخی سے باز رکھنے کے لئے احتجاجی مراسلے بھیج سکتے ہیں۔ ویسے مجھے یہ امید ہے کہ وہ اپنے اس گستاخانہ ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکے گا۔ انشاء اللہ۔ اور اس سلسلے کی ایک اور خبر آپکی نظر سے شاید نہیں گذری مصری حکومت بھی برگزیدہ ہستیوں سے متعلق فلموں کی تیاری میں مصروف ہے اور اسے بھی اس گستاخی سے باز رکھنے کیلئے اطراف و اکناف عالم سے احتجاجی خطوط بھیجے جارہے ہیں مصری حکومت کو بھی اس بے ادبی سے باز رکھنے کی کوشش کرنا ہمارا فرض عین ہے۔

ATTENTION !

For

★ TRAVELLING ARTICLES !

★ WEDDING PRESENTS !!

★ ATTRACTIVE GIFTS !!!

Dinner, Tea & Coffee Sets

Pressure Cookers

Raj Jug

Holdalls

Ataichi Cases

Suit Cases

Thermc
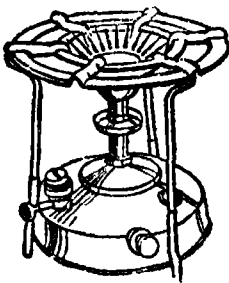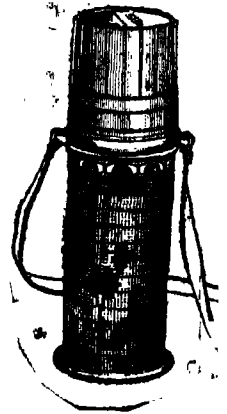
Stoves Etc.

Ladis & Gents Purses Etc.
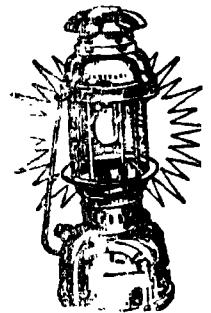
Gass Batt Etc.

Please Visit :-

KAMAL & CO.

MESTON ROAD, KANPUR.

F. A. PRI

DAILY RAG-E-SANG KANPUR

SEPTEMBER 1971

Registered with the Registrar of Newspapers R. N. 19397/70

Only Title Printed at Fine Art Press Chamanganj KANPUR

جنوری سنہ ۱۹۷۲

دی
سپر ٹینری
کانپور
کمرڈ دیسی لیدر
انڈسٹریل لیدر
فائن کاف لیدر
سوئیڈ لیدر
کروم ویٹ بلیو
کروم اپر لیدر
زگ گرین لیدر
سوٹ کیس لیدر
سول لیدر
ربر سول
سارے ہندوستان میں واحد اور اوّل
ISI
کے مطابق کروم اپر لیدر بنانے والے
دی اسپر ٹینری - جاجمئو - کان پور
ٹیلی فون نمبر: ۶۳۴۸۶

کی کامیابی کے لئے ہماری
نیک خواہشات
ایس محمد اسمٰعیل اینڈ کمپنی
حسرت موہانی روڈ کانپور
ٹیلی گرام "زبن" کانپور
پوسٹ بکس نمبر ۲۷۰
فون 62700

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ

"میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں، یقیناً ساری تعریف تیرے ہی لئے ہے، سارے احسانات اور تمام انعامات تیرے ہی ہیں بادشاہی سراسر تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔"

ان الفاظ پر غور کیجیے، ان کے اندر خود یہ معنی پوشیدہ ہیں کہ غلام کو اس کے آقا نے طلب کیا ہے اور غلام اسکے جواب میں لبیک لبیک کہتا ہوا اور اپنے مالک کی تعریف کے گن گاتا ہوا دوڑتا چلا جا رہا ہے۔ بیت اللہ کی طرف طلبی ہوئی، اس نے عرض کیا "میں حاضر"۔ عرفات میں بلایا گیا، اس نے کہا "میں حاضر"۔ مزدلفہ بلایا گیا۔ اس نے کہا "میں حاضر"۔ منیٰ میں طلب کیا گیا اس نے کہا "میں حاضر"۔ ساری دوڑ دھوپ کے دوران میں یہ الفاظ آپ زبان سے کہتے رہیں تو قانون کا تقاضہ پورا ہو جائے گا مگر اس تلبیہ کی اصل روح یہ ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے آپ اپنے دل کی گہرائیوں میں فی الواقع یہ محسوس کریں کہ آپ اللہ کے بندے اور غلام ہیں اس کی طرف سے آپ کی طلبی ہوئی اور جہاں جہاں حاضر ہونے کی طلبی ہوتی جا رہی ہے وہاں وہاں آپ لبیک لبیک کہتے ہوئے دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اس لبیک میں ایک نشہ ہے جو لازماً ہر اس بندۂ حق پر طاری ہو جائے گا۔ جسے یہ احساس ہو کہ خداوند عالم کی طرف سے اس جیسی ناچیز ہستی کی طلبی ہو رہی ہے۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

(ابوالاعلیٰ مودودی)

اس شمارے کے قلمکار

شہ رگ

"رگِ سنگ" کا تازہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تیسری جلد (یا نئے سال) کا یہ پہلا شمارہ اپنی عمر ترتیب میں ۲۱واں نمبر رکھتا ہے۔ سال گزشتہ کی طرح امسال بھی حج بیت اللہ شریف کے مبارک موقع پر اس موضوع سے متعلق خصوصی مضامین کے ساتھ بیاضِ خاص پیش کی جا رہی ہے

حج دینِ اسلام کا ایک اہم رکن اور نہایت بالشان فریضہ ہے۔ اس موضوع پر عربی و فارسی ہی میں نہیں اُردو زبان میں بھی ہزارہا ہزار صفحات مزین کئے جا چکے ہیں، ہمارے مقدس اسلاف اور موجودہ اکابر ملت اور علمائے امت حج کی فرضیت اور فلسفہ کے متعلق اپنے علم و قلم اور فکر و نظر کی بہترین صلاحیتوں سے کام لے کر جو گراں قدر اور بیش بہا افکار و خیالات پیش کر چکے ہیں، ظاہر ہے کہ "رگِ سنگ" ان میں کوئی اضافہ نہیں کر رہا ہے بلکہ انھیں کے ذکر و تذکرہ کی بزم سجا کر اور اپنی عزت افزائی اور آبرومندی کا ایک خوبصورت بہانہ کر اہلِ نظر اور قدرداں مخلصین کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اس معروضہ کے بعد سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اپنی کم مائگی اور بے بضاعتی کی تشہیر کو اپنے لئے کسی درجہ میں بھی گراں اور ناگوارِ خاطر تصور کیا جائے لیکن تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختلف باغوں اور قسم قسم کی شاخوں سے چنے ہوئے پھولوں کو شعور و سلیقہ سے آراستہ و پیراستہ کر کے ہم نے ایک خوبصورت اور خوشبودار گلدستہ تیار کیا ہے اور بجا طور پر رب کعبہ کی بارگاہِ رحمت سے اس کے صلہ کے طور پر یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پرستاروں اور اپنے دین و آئین کے خدمت گزاروں کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید و نفع بخش فرمائے گا ؎ ہم اہلِ وفا کو یہی انعام بہت ہے

عیسوی تقویم کے اس نئے سال سے "رگِ سنگ" کو کتابت، طباعت اور معیار کے لحاظ سے بیش از بیش بہتر اور بلند و بالا بنانے کے لئے کچھ نئے اقدامات و انتظامات کئے گئے ہیں جس کا اندازہ قارئین کو خود اس شمارہ کے ملاحظہ سے ہو رہا ہوگا اعتراف کرنا ہوگا کہ "خوب سے خوب تر" کی تلاش و جستجو کے لئے سفر جاری ہے اور قدم بہ قدم سلسلہ برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی مناسبت سے معاونین اور کرم فرماؤں سے مخلصانہ تعاون اور ہمت افزائیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ توقعات بھی وابستہ کی جا سکتی ہیں اور انشاء اللہ اس معاملہ میں بھی کسی محرومی اور ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے گا ویسے اہلِ عزم و عمل کی یہ شان ہی ان کے لئے زادِ راہ ہو اکرتی ہے کہ ؎

خدا تو ساتھ ہے اب اور کوئی ہو کہ نہ ہو
یہی یقین ہے بس اہلِ دل کا سرمایہ

روئداد بیت المال

• ادارہ

۲۷ دسمبر کی سہ پہر ماہ رمضان المبارک کے بعد حالیہ سال کی اولین بیت المالی نشست کا افتتاح علامہ قاری محمد الٰہی صاحب خطیب مسجد مچھلی بازار کی افتتاحی دعا سے ہوا۔ گو خنکی خاصی تھی مگر احساس فرض کے تحت تمام اراکین موجود تھے۔ کم از کم اس معاملے میں بیت المال کمیٹی کو کسی قدر داد دی جا سکتی ہے کہ میٹنگ کی حد تک اراکین کی فعالیت میں شبہ نہیں کیا جا سکتا اگر اس داد کے ساتھ ساتھ دعا یہ بھی ہونی چاہیے کہ یہ تعریف فعالیت میں اضافے کا موجب ہی ثابت ہو....

سب سے پہلے حالیہ سال کا بجٹ بنا سال گزشتہ کی طرح مبلغ ۰۰۔ ۰۰۰ 35 روپے کا بجٹ بنایا گیا۔ منجملہ آٹھ مدات قائم کی گئیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ماہانہ وظائف برائے مستحقین ۲۔ اعانت خواستگاران تعلیم و تعلیم بالغان ۳۔ اعانت بسلسلہ علاج ۴۔ اعانت بسلسلہ شادی ۵۔ اعانت مشین برائے خود کفالت ۶۔ اعانت بسلسلہ ادائیگی قرض ۷۔ اعانت بسلسلہ کاروبار ۸۔ مد ہنگامی۔

حساب کتاب کیلئے محترم غلام خواجہ صاحب کو مجاز کیا گیا سال گزشتہ قرض کے سلسلے میں حاجی محمد طفیل صاحب کو ذمہ دار مجاز کیا گیا تھا تاکہ وہ اسکا حساب کتاب دیکھیں اور ماہانہ نشست میں باقاعدگی سے پیش کریں۔

اسپتال کے معاملے میں مجوزہ پیش رفت پر غور کرنے کے بعد فی الوقت مجوزہ اراکین بسلسلہ تعمیر اسپتال مجاز کیے گئے ... ایک ... کی درخواست کی گئی

وقت چونکہ زیادہ ہو چکی تھی اسلئے آج کی نشست کو ختم کرتے ہوئے آئندہ نشست ۳۱ دسمبر کو منعقد کرنے کی اطلاع تمام اراکین کو دی گئی۔

۳۱ دسمبر کی شب میں سب سے پہلے حافظ محمد طفیل صاحب چوہدری نے تعمیر اسپتال کے سلسلے میں مولانا منظور صاحب کا مؤقر فتویٰ پیش کیا جس پر توجہ سے غور و خوض کیا گیا۔

نیجر محمد نفیس صاحب نے بیان فرمایا کہ اسپتال کی تعمیر کے سلسلے میں نقشہ نویس کو جگہ دکھا کر نقشہ بنانے کی ہدایت کر دی گئی ہے

درخواستوں پر بڑی دلسوزی و ہمدردی مگر ساتھ ساتھ ذمہ داری کے احساس کے ساتھ غور فرمایا گیا۔

تقریباً دس ہزار چار سو روپے کی درخواستیں اسی نشست میں منظور کی گئیں جنکی تفصیل درج ذیل ہے۔

• ۲۸ درخواستیں برائے ماہانہ وظائف بڑی رد و قدح کے بعد قابل منظوری کی حامل ٹھہریں۔
• ایک درخواست بسلسلہ کاروبار گرم جوشی کیساتھ منظور کی گئی
• تین درخواستیں برائے علاج منظوری کے قابل سمجھی گئیں۔
• پانچ درخواستیں مختلف وجوہات کی بنا پر مسترد کی گئیں۔
• ۲۴ درخواستیں دیگر حالات و کوائف کی بنا پر آئندہ نشست میں غور کرنے کے لئے روک لی گئیں۔

اس نشست میں تمام اراکین موجود تھے سوائے محترم حاجی اشتیاق صاحب کے جو بوجہ علالت اہلیہ نہ آسکے تھے حافظ محمد طفیل صاحب چوہدری کی دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا ●●

بستی بستی

بجارے کے قلم سے

——— بعض اوقات کس قدر شدت سے جی چاہتا ہے کہ اس آکتا دینے والے تصنع اور [illegible] والے جھوٹ سے بھری دنیا ... ... یہ دور" چلے جائیں۔ وہاں، جہاں نام نہاد "عظیم لوگ" نہ ہوں جو اتنا زیادہ کھو گئے ہیں کہ خود اپنے "احساس عظمت" سے دبے جا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حالیہ ہند پاک جنگ میں شکست اسلام کی ہوئی ہے پوچھئے اسلام کی شکست کیونکر ہو گئی؟ کیا مجیب الرحمٰن اور انکے ۸۰ فیصدی مسلم عوام کا رشتہ اسلام سے منقطع ہو چکا ہے؟ کیا ہندوستان کی فوج میں اسلام کے ماننے والے فوجیوں نے بڑھ چڑھ کر داد شجاعت نہیں دی؟

صدر بھٹو فرماتے ہیں کہ "پچھلی ہزار سالہ تاریخ میں اسلام کو ایسی شکست نہیں ہوئی" ہم حیران ہیں کہ اسلام کی شکست کیونکر ہوئی۔ شکست اگر ہوئی ہے تو خود بھٹو صاحب کی ہوئی ہے۔ ضرب کاری لگی ہے تو انکی اقتدار پسندی پر لگی ہے جس نے آج ان کو یہ دن دکھایا ہے۔ شکست ہوئی ہے تو کمیونزم کی 'ہار' ہوئی ہے تو نام نہاد سوشلزم کی' جسکے نعرے لگا کر انھوں نے اسلام پسند جماعتوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ شکست سے ہمکنار ہوئی ہے تو انکی نام نہاد ترقی پسندی جس نے ہمکو ہمارے ماضی کے ورثے سے یکلخت جدا کر دیا۔ پاکستان کے دونوں بازوؤں نے ہی دوران الیکشن اسلام کو ٹھکرا دیا تھا۔ جماعت اسلامی و دیگر اسلام پسند جماعتوں نے خود کو پیش کیا کہ "آؤ ۲۴ سال پہلے جس نظام کے نام پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت وجود میں آئی تھی، مگر اس نظام کو آج تک جاری و ساری نہیں کیا گیا، آؤ اس نظام کو اپنائیں

"ہم کو اگر منتخب کروگے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم حقیقی اسلامی طرز حیات کو عمل میں لائینگے۔ ہم اس نظام کی تشکیل کے لئے کوشاں رہیں گے۔ جس میں ہر شخص کو مساوی بنیاد پر اپنی جائز روزی کمانے کی اجازت ہوگی مگر استحصال کی اجازت قطعاً نہیں ہوگی

" دنیا میں کسی جگہ بھی صحیح معنوں میں اسلامی نظام نہیں اپنایا گیا ہے آؤ، ہم ایک تجربہ کر کے دیکھیں ہمیں یقین ہو ہے کہ اس نظام حیات کو اپنانے کے بعد دنیائے انسانیت کی بیشتر مشکلات حل ہو جائیں گی کیوں کہ اسلام صرف مسلمانوں کیلئے نہیں ہے بلکہ ساری انسانیت کیلئے ہے

"ہم چوروں کے ہاتھ قلم کریں گے اطمینان رکھو تھوڑے عرصے کے بعد چوریاں ختم ہو جائیں گی۔ ہم بیت المال کا حقیقی نظام قائم کریں گے یقین رکھو کچھ عرصے کے بعد کوئی شخص زکواۃ لینے والا نہیں ملے گا۔ ہم زانی کو سنگسار کریں گے اعتماد رکھو ہر خاتون کی عزت و عصمت محفوظ ہو جائے گی۔

ہمارا اللہ ایک ہے، ہمارا رسول ایک ہے، ہماری کتاب ایک ہے۔ آؤ ہم بھی ایک ہو جائیں۔ نہ کوئی پنجابی ہے نہ بنگالی۔ نہ سندھی سے امتیاز نہ ہو نہ سرحدی کی تخصیص ہو۔ مگر دنیا کو علم ہے کہ پاکستانی عوام نے کیا جواب دیا۔ ....

..... دونوں بازوؤں نے انکو ٹھکرا دیا

دونوں جگہ کے عوام نے یہی جواب دیا "سرمایہ داروں کے دلالو جاؤ جاؤ اب ہمیں مزید بیوقوف مت بناؤ۔ ہمارے پاس کیمونزم ہے جس میں ہر شخص برابر ہے .. امریکن ایجنٹوں، ہمارے پاس سوشلزم ہے جس میں کوئی مزدور اور کسان بھوکا نہیں رہ سکتا . . . دقیانوسی ملاؤ تم کہاں چودہ سو برس پرانی اینٹیں اکھاڑتے ہو، ہم ایک نیا سماج بنا رہے ہیں .. . . رجعت پسندو تم زانی کو سنگسار کرنے کی باتیں کرتے ہو، یعنی ہماری ثقافتی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالنا چاہتے ہو۔ یہ ہمارے کیبرے ہاؤسز یہ ہمارے حسین کلب، جو ہماری ترقی پسندی کی جیتی جاگتی تصاویر ہیں تم انکو ختم کر دینا چاہتے ہو۔ ہر آن ہر لحظہ ترقی پذیر دنیا میں تم جنسی پابندی جیسی غیر ترقیاتی باتیں کرتے ہو۔ تم چوروں کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کی بات کرتے ہو یعنی سارے ملک کو اپاہج بنا ڈالنا چاہتے ہو ؟ کیا ہم کو اتنی بھی آزادی نہیں ہے کہ چوری جیسی حقیر حرکت اپنی مرضی سے کر سکیں ؟ ہر لمحہ بدلتی ہوئی دنیا جس میں اسمگلنگ ہے، جس میں ریس کورس کے میدان ہیں، جس میں عیش گاہیں ہیں۔ تم ان سب کو ویران بنا دینا چاہتے ہو؟ تم مساوات کی باتیں کرتے ہو مساوات دیکھنا ہے تو ہماری اس نئی نسل میں دیکھو جس میں لڑکے اور لڑکی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ کٹھ ملاؤں ہمکو ہمارے حال پر چھوڑ دو اب ہم تمہارے جال میں نہیں آئیں گے۔"

کسی نے کہا "ہمارے پاس [illegible] ہے جو استحصال پسندوں، اور کٹھ ملاؤں کی گردن مروڑ دیگا کسی نے کہا ہمارے پاس بھٹو ہے جو علیحدگی پسندوں اور رجعت پسندوں کا بھٹا بٹھال دیگا۔

غرضیکہ دینی علماء کو ہر جگہ ٹھکرایا گیا۔ مذہبی قدروں کو بیخ و بن سے اکھاڑا گیا۔ کیمونزم کے نقارچیوں نے انتخابی نتائج پر خوب خوب بغلیں بجائیں۔ نیشنلزم کے پرستاروں نے آنیوالے مستقبل کی شان میں دل کھول کر قصائد کہے مگر یہ چھوٹے لوگ دل ہی دل میں خوب خوش ہوتے کہ چلو ملا نے والی صرف ایک ہی کڑی تھی اب وہ بھی نہ رہی۔

اب سوچئے اگر کوئی کہتا ہے کہ حالیہ جنگ میں اسلام کی شکست ہوئی ہے تو ہم سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

ارے غضب کر دیا

ایک قصائی کا لڑکا تھا اسکے پاؤں میں ہڈی کی کرچ چبھ گئی اور زخم پک گیا۔ قصائی اسے لے کر جراح کے پاس پہنچا جراح روزانہ اس کی مرہم پٹی کرتا اور معاوضہ میں آدھ سیر گوشت پاتا۔ یہ سلسلہ بہت دنوں چلتا رہا۔ ایک دن جراح کسی وجہ سے دکان پر نہ جا سکا اسکے لڑکے نے مرہم پٹی کرنے والوں کی دیکھ بھال کی۔ شام کو باپ نے پوچھا سب کام سیدھے ہو گئے تھے بیٹے نے کہا ہاں کام تو سب ٹھیک ہو گئے۔ مگر وہ قصائی کا لڑکا آتا ہے اسکے زخم سے آج ہڈی کی ایک کرچ نکلی وہ میں نے نکال کر پھینک دی۔ باپ نے کہا ارے غضب کر دیا الو نے! اب کیا خاک کھائے گا! [illegible] گوشت روز کھلا [illegible]

اسلامیات

فریضۂ حج اور فلسفۂ اجتماعیت

احمد سجاد صدیقی

حج مذہب اسلام کا پانچواں رکن اور دین فطرت کا وہ پیغام محبت ہے جو فلسفۂ اجتماعیت کی روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ بچھڑے ہوؤں کو ملاتا ہے، بیگانوں کو یگانگت کا درس دیتا ہے اور ناآشناؤں کو محب صادق بناتا ہے اسلام کا منشائے حقیقی یہی ہے کہ افراد مختلفہ کو ملت واحدہ بنا کر ایک مرکز پر جمع کرایا جائے۔ یہی روح نماز پنجگانہ کی محلہ کی مسجد میں ادائیگی سے وابستہ ہے یہی روح نماز جمعہ کی شہر کی مرکزی مسجد میں ادائیگی کے اندر جاری و ساری ہے یہی مقصد مسلمانان شہر و مضافات کو عیدین کے موقع پر عیدگاہ میں جمع کرنے سے ہے اور اسی کے مطابق اسلامیان عالم میں رابطہ دینی و ایمانی استوار کرنے اور مختلف ملکوں قوموں نسلوں، زبانوں اور رنگتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو دینا توحید کی وحدت میں شامل کرنے کے لئے عمر بھر میں کم از کم ایک دفعہ صاحب استطاعت مسلمانوں پر حج بیت اللہ شریف فرض کیا گیا۔

فریضۂ حج کی ترتیب طریق عبادت نہایت سادہ اور اتحاد آموز ہے یعنی ادائے حج میں سب کے لئے چاہے وہ شہنشاہ ہو یا فقیر سادہ اَن سلا لباس (جو نسل انسانی کے جد اعظم حضرت آدم علیہ السلام کا لباس تھا) تجویز کرایا گیا تاکہ ایک ہی معبود حقیقی اور ایک ہی رسول صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی کتاب قرآن مجید اور ایک ہی قبلہ کعبہ شریف پر ایمان و یقین رکھتے ہیں ایک ہی صورت ایک ہی لباس ایک ہی رنگ اور ایک ہی سطح پر ظاہر اور معنوی حالت میں خدائے بزرگ برتر کے دربار عالی وقار میں حاضر ہوں ؎

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

سفر حج اور اسکے پاکیزہ اعمال و افعال حج کرنے والے مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کرتے ہیں کیونکہ اس زمانے میں زائر حرم ہمہ تن خدا کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے وہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور سفر حج سے پیشتر متعلقہ افراد کے تمام حقوق ادا کر جاتا ہے اسکے بعد دنیا کی تمام لذتوں کو ترک کر کے خدا کے دربار میں پاک و صاف ہو کر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے

حج کا مسافر سفر کرتے وقت جس قدر خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی قدر اسکے اندر نیکی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اسکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور مخلوق خدا کی امکانی خدمت کرے، اس کی طبیعت بدکلامی سے بیزار ہو جاتی اور بددیانتی سے سخت نفرت کرتی ہے۔

احرام باندھنے کے بعد یہ مرد مومن بالکل درویش اور فقیر بن جاتا ہے کیونکہ اس کے لئے سب دنیاوی لذتیں ممنوع ہو جاتی ہیں اس میں ضبط نفس اور جفاکشی کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ تلبیہ اور تکبیر کہتے وقت خدا کی ہستی اسکے پیش نظر ہوتی ہے جو اس میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے جذبے کو تقویت دیتی ہے اس طرح اسکے اندر اعلیٰ مقصد کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا حج کے انفرادی فائدے [illegible]

خود کسی طرح کم نہیں ہے یہ ایسے فوائد ہیں جو کسی شخص کو
انسان کامل بنانے کے لئے کافی ہیں۔ تاہم ہمیں اس حقیقت
پر بھی غور کرنا چاہیے کہ مسلمان اکیلا حج نہیں کرتا، بلکہ حج کے
زمانے میں لاکھوں مسلمان مل کر ایک ہی وقت میں حج کرتے
ہیں اور اس حج کی بدولت ہر ملک اور ہر شہر میں اس زمانے
میں بہت [illegible] جوش و خروش پیدا ہوتا ہے، نہ صرف
حاجی بلکہ ان کے متعلقین بھی ان تیاریوں میں حصہ لیتے ہیں
اور حج کی برکات و فیوض سے مستفیض ہوتے ہیں پھر سب
مل کر جماعتوں میں یا حج کے قافلوں میں مذہبی عبادات و رسوم
ادا کرتے ہیں تو اس اجتماعی عمل کے نہایت عمدہ اثرات
مرتب ہوتے ہیں اسکے بعد مکہ معظمہ پہونچ کر لاکھوں مسلمانوں
کی عبادت اور آپس میں میل جول نہ صرف اسلامی اخوت و
اتحاد کے جذبے کو تقویت دیتے ہیں بلکہ ان کی ایمانی
قوت کو بھی مستحکم کرتے ہیں۔

مرکز اسلام۔ حج کی بدولت مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ عالم اسلام
کا حقیقی مرکز صدیوں سے بنا ہوا ہے اس کی یہ مرکزیت
صدیوں کے انقلابات اور سلطنتوں کی تبدیلیوں سے ختم
نہیں ہو سکی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صدیوں سے ہر سال حج کے
زمانے میں روئے زمین کے تمام مسلمان ایک ایسی عالمگیر اسلامی
فوج کی شکل میں نظر آتے ہیں جو ملکوں اور نسلوں کے اختلاف
کے باوجود احرام کی مشترکہ اور یکساں یونیفارم میں ملبوس
ہوتی ہے یہ اسلامی فوج ہر طرف منظم اور متحد نظر آتی ہے
ان کا حاکم مطلق ایک ہوتا ہے۔ ان کا دار السلطنت بھی ایک
ہوتا ہے وہ سب یکساں طریقے سے عبادت کرتے ہیں
اور ایک ہی مقدس زبان عربی کو استعمال کرتے ہیں۔ ان
کے نعرے بھی یکساں ہوتے ہیں اس طرح وہ اپنی وحدت
و تنظیم کا ایک ایسا اعلیٰ اور شاندار مظاہرہ کرتے ہیں جس کی نظیر
تمام عالم کی تاریخ میں موجود نہیں ہے

عالمگیر اخوت۔ یہاں آکر [illegible]

کا اختلاف مٹ جاتا ہے اور اسلام کی عالمگیر اخوت و وحدت
کا زندہ مظاہرہ نظر آتا ہے۔ اتحاد و یکجہتی کا شاندار عالمگیر
اجتماع اسلامی تعلیمات کو عملی شکل میں پیش کرتا ہے اور مسلمانوں
کے انحطاط و زوال کے باوجود یہ عالمگیر اجتماع ہر سال منعقد
ہوتا رہتا ہے اور اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اسلام زندہ
ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوگا۔

یہ عالمگیر اجتماع کسی کے خلاف سازش یا جنگ کے
لئے منعقد نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ محبت و خلوص، خدا پرستی
اور دینداری کے پاکیزہ مقاصد کی نشو و نما کرتا ہے لڑائی جھگڑا
کی بجائے محبت، دوستی، امن پسندی اور عالمگیر اخوت کا سبق
دیتا ہے

قیام امن کی مستقل تحریک۔ اسلام نے حج و عمرہ کی ادائیگی
کے لئے سال کے چار مہینے مقدس و محترم قرار دیئے ہیں
تاکہ کعبہ کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن و امان
قائم رہے لہٰذا دنیا میں قیام امن کی یہ مستقل اور دوامی
تحریک ہے اور اس طرح اسلام نے سال کے ایک تہائی
حصے میں جنگ و جدل کو قانونی اور شرعی طور پر بند کیا ہے

اسلام نے حج کے لئے سہولت فراہم کرنے اور امن
امان قائم کرنے کے لئے مزید اقدام یہ کیا ہے کہ حرم کعبہ کو
قیامت تک کے لئے ایسا دار الامن قرار دیا ہے کہ اس میں
آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ گھاس
کاٹنے کی اجازت نہیں ہے حرم کعبہ کا شکار بھی نہیں چھوڑا
جا سکتا بلکہ اس مقدس اور پاک سرزمین کے بارے میں
یہ حکم ہے کہ اگر حرم کعبہ کے اندر کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو
اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ وہ دار الامن ہے جہاں ہر قسم کی سلامتی
کی ضمانت ہے، جہاں غلہ اور دوسری عام ضروریات کی چیزوں
کو روک کر گراں کرنا اور لوگوں پر ظلم کرنا الحاد کے برابر قرار دیا
گیا ہے

انسانی مساوات۔ حج کا انداز ایسا ہوتا ہے جہاں ہر [illegible]

سامانات کا منظر نظر آئے گا یہاں کالے گورے امیر و غریب شہری اور دیہاتی، مشرقی اور مغربی افراد دکش ہدکش خدا کی عبادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں کسی چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہے کسی کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہے کہیں نسل، رنگ و نسب اور مال و جاہ کا امتیاز نہیں ہے سب لوگ فرزندان آدم ہونے کی وجہ سے برابر اور مساوی ہیں

حج کی فرضیت۔ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اس کی فرضیت کے بارے میں قرآن کریم کا یوں ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ
اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (پ ۴۔ آل عمران)

ترجمہ: "اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو
اس گھر تک پہونچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ
کعبہ کا حج کرے اور جس نے کفر اختیار
کیا تو اللہ تمام دنیا سے بے نیاز ہے"

اس آیت کریمہ میں استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے حج کی فرضیت اور اہمیت واضح ہو جاتی ہے اسی مضمون کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں اس طرح واضح فرمایا ہے

"جو شخص زادراہ اور سواری رکھتا ہو جس کے
ذریعے وہ بیت اللہ تک پہونچ سکتا ہو اور پھر
حج نہ کرے تو اس کا اس حالت میں مرنا اور یہودی
یا عیسائی ہو کر مرنا یکساں ہے"

آپؐ نے ایک دوسری حدیث میں اسی حدیث کی مزید وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔

"جس کسی کو نہ تو کسی اہم ضرورت نے حج سے
روکا ہو اور نہ کسی ظالم حاکم نے (منع کیا ہو) اور
نہ کوئی شدید مرض اس کی راہ میں رکاوٹ ہو پھر اس
نے حج نہ کیا ہو اور اس حالت میں اسے موت
آ جائے اسے اختیار ہے کہ خواہ وہ یہودی
بن کر مرے یا عیسائی بن کر (اس دنیا سے رخصت ہو)"

قرآن کریم کی مذکورہ آیت کریمہ اور احادیث شریف سے حج کی قطعی فرضیت ثابت ہے لہٰذا ہر تندرست صاحب استطاعت اور عاقل و بالغ مسلمان کو عمر بھر میں ایک مرتبہ حج ضرور کرنا چاہئے۔

حج کی فضیلت مذکورہ بالا احادیث میں حج ترک کرنے کی جس قدر مذمت کی گئی ہے اسی قدر حج کرنے کی فضیلت بھی بہت سی احادیث میں مذکور ہے ایک حدیث میں یوں مذکور ہے۔

"جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس میں
گناہوں اور فسق و فجور سے پرہیز کیا تو وہ
گناہوں سے پاک و صاف ہو کر) اسی طرح
(اپنے گھر) لوٹتا ہے جس طرح وہ ماں کے
پیٹ سے (پاک و صاف و معصوم ہو کر)
پیدا ہوتا ہے"۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو بہترین عمل قرار دیا ہے بالخصوص عورتوں اور کمزوروں کے لئے اسے جہاد کا رتبہ عطا فرمایا ہے۔ آپ نے حج کو گناہوں کا کفارہ بھی قرار دیا ہے۔

ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے

حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے وفد،
(مہمان) ہیں اگر وہ دعا مانگتے ہیں تو اللہ ان کی
دعا قبول فرماتا ہے۔ اگر وہ اس سے مغفرت
طلب کرتے ہیں تو وہ انہیں بخش دیتا ہے
(سنن نسائی وابن ماجہ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب تم کسی حاجی سے ملو تو اسے سلام کرو
اور اس سے مصافحہ کرو۔ پھر اس سے یہ درخواست
کرو کہ وہ تمہارے لئے استغفار کرے اس سے
پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو، کیونکہ اس
وقت وہ بخشا ہوا انسان ہے۔" (مسند امام احمد)

تعجیل حج۔ جس شخص پر حج فرض ہو جائے تو اسکے لئے ضروری
ہے کہ وہ جلد از جلد حج کرے جیسا کہ ذیل کی حدیث میں مذکور ہے
حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اسے جلدی کرنی
چاہئے اسلئے کہ اسے بیماری آسکتی ہے اسکی
سواری گم ہوسکتی ہے یا اسے کوئی اور ضرورت
پیش آسکتی ہے۔"

فرضیت کے شرائط: (۱) حج عاقل، بالغ اور آزاد مسلمان پر
فرض ہے بچے، غلام، کافر اور پاگل انسان پر حج فرض نہیں ہے۔
۲. حج کا ارادہ کرنے والا خانہ کعبہ تک پہونچنے کی استطاعت
میں زادراہ اور سواری دونوں شامل ہیں۔

زادراہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کے پاس (رہنے کے
گھر) اور ضرورت کے سامان کو چھوڑ کر اتنا مال ہو جو اس کی
مکہ معظمہ تک آمد و رفت اور وہاں کے مصارف کے علاوہ
اس کے پیچھے گھر والوں کی گذر اوقات کے لئے کافی ہو۔ سواری
سے مراد آمد و رفت کا ذریعہ ہے خواہ اس کی اپنی سواری ہو
یا وہ کرایہ دے کر بحری یا ہوائی جہاز یا موٹر کے ذریعے سفر
کرسکے۔

۳۔ حج کے مسافر کو راستے میں کسی جانی و مالی نقصان کا
خطرہ نہ ہو۔ خواہ سفر خشکی کا ہو یا سمندر کا۔ اگر راستے میں خطرہ
ہو تو حج نہیں ہوگا۔

۴۔ عورت کے حج کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے
شوہر یا محرم رشتہ دار (جیسے بھائی، باپ، بیٹا، ماموں
وغیرہ) کے ساتھ سفر کرے بشرطیکہ مکہ معظمہ کی مسافت تین دن
یا اس سے زیادہ کی ہو۔ ایسی صورت میں اگر عورت کو شوہر
یا محرم رشتہ دار نہ مل سکے تو مالدار ہونے کے باوجود اس
پر حج فرض نہیں ہے۔

جو محرم رشتہ دار عورت کو حج کرانے کے لئے ساتھ
جائے اسکے اخراجات حج کرنے والی عورت کے ذمہ ہوں
گے۔

۵۔ معذور یعنی اندھوں، اپاہج اور سخت بیمار افراد پر
خود حج کرنا فرض نہیں ہے۔ نابالغ بچے پر بھی حج فرض نہیں
ہے تاہم اگر وہ اپنے والدین کے ساتھ جائے تو وہ نفلی حج
ہوگا اس کا ثواب اسکے ماں اور باپ کو ملے گا۔ بالغ ہونے پر
اگر اس پر حج فرض ہو جائے تو گذشتہ نفلی حج کافی نہیں
ہوگا اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

۶۔ معذور اور بیمار افراد اگر مالدار ہوں اور ان پر تندرستی
کی حالت میں حج فرض ہو چکا ہو تو انہیں لازم ہے کہ وہ مرد یا
عورت میں سے کسی دوسرے کو اپنی طرف سے حج کرانے
کے لئے بھیجیں۔

۷۔ اگر بیمار شخص کے تندرست ہونے کی امید ہو تو اسکی
طرف سے دوسرا حج نہیں کرسکتا ہے تاہم اگر تندرستی سے
مایوس ہو کر اس نے کسی دوسرے شخص کو حج کے لئے بھیج دیا
اور وہ حج کر کے واپس آگیا۔ پھر اصل شخص تندرست ہو گیا
تو ایسی صورت میں اس اصل شخص پر خود حج کرنا فرض ہو جائیگا

۸۔ حج فرض ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص سستی کی وجہ سے
یا کسی اور عذر کی بنا پر حج نہ کر سکا ہو تو اسے چاہئے کہ مرنے
سے پہلے حج بدل کی وصیت کر جائے۔ یہ وصیت اسکے
مال کے تہائی حصے میں سے پوری کی جاسکتی ہے تاہم اگر
تہائی حصہ کے مال سے حج ادا نہ ہوسکے تو وارثوں سے
اجازت لینی ضروری ہے۔ بہرحال وارثوں کے لئے مناسب

ہے کہ وہ فوری ذمہ داری سے اپنے موقف کو سبکدوش کرنے کے لئے کسی سے اس کا حج بدل کرا دیں۔

میقات حج۔ اسلامی شریعت نے عمرہ اور حج کے لئے احرام باندھنے کے لئے مختلف مقامات مقرر کئے ہیں جنہیں میقات کہتے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، یمن اور جنوبی ممالک کے لئے یلملم کا مقام مقرر ہے۔ اسے آج کل سعدیہ کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ معظمہ سے خشکی کے راستے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے یہاں سے جدہ ۵۵ میل رہ جاتا ہے۔ بحری جہازوں کے مسافروں کو یہ جزیرہ کامران سے ۳۸۰ میل تک روانہ ہونے کے بعد ملتا ہے۔

میقات پر پہونچ کر احرام باندھنا واجب ہے اگر کوئی میقات سے آگے گزر کر احرام باندھے تو اسے فدیہ کے طور پر ایک جانور کی قربانی کرنی ہوگی

احرام کے احکام حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھنا نہایت ضروری ہے۔ احرام میں صرف ایک تہمد اور ایک چادر ہوتی ہے۔ کوئی سلا ہوا لباس نہیں ہوتا ہے۔

احرام کے لئے مندرجہ ذیل اعمال مسنون ہیں

۱. احرام سے پہلے غسل کرنا مسنون ہے مرد و عورت کو ہر حالت میں غسل کرنا چاہیئے

۲. غسل کے بعد احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگائی جائے خواہ اس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے۔ خوشبو کے سلسلے میں زعفران کا استعمال مردوں کے لئے ممنوع ہے

۳. احرام کے کپڑے سفید ہوں۔

۴. احرام کا لباس پہن کر دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے

اقسام احرام حج۔ احرام کی تین قسمیں ہیں

۱. افراد یعنی صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے

۲. تمتع یعنی پہلے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جائے عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا جائے اس کے بعد ۸ ذی الحجہ کو حج کی نیت سے دوبارہ احرام باندھا جائے

۳. قران یعنی حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے صرف ایک دفعہ احرام باندھا جائے یا عمرہ ختم ہونے سے پہلے اسی احرام کے اندر حج کی نیت بھی کر لی جائے۔

حنفیہ کے نزدیک بہترین طریقہ قران کا ہے پھر تمتع اور اس کے بعد افراد ہے لیکن قران صرف اس صورت میں حج کی بہترین قسم ہے جب کہ دوران احرام میں کسی ناجائز کام کے سرزد ہونے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ قران کی صورت میں عمرہ اور حج دونوں حالتوں میں مسلسل طویل عرصہ تک اسی احرام کو باندھنا پڑتا ہے۔

احرام کے محرمات۔ احرام کی حالت میں مندرجہ ذیل اعمال حرام ہیں

۱. سر یا جسم کے بالوں کو تراشنا یا مونڈنا، یا نوچنا البتہ بیماری یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے سر کے بالوں کو تراشنا یا مونڈنا جائز ہے بشرطیکہ اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اس کا فدیہ یہ ہے کہ تین دن تک روزے رکھے جائیں یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا ایک بکری کی قربانی دی جائے۔ اگر کوئی قران ادا کر رہا ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کا دوگنا فدیہ دینے کا حکم ہے۔

مذکورہ بالا فدیہ کسی عذر کی بنا پر مقرر ہے لیکن اگر کوئی کسی عذر کے بغیر بال تراشے یا مونڈے تو اس کا فدیہ لازمی طور پر بکری کی قربانی ہے۔

۲. احرام کی حالت میں ناخن کاٹنا بھی حرام ہے۔ ناخن تراشنے کی صورت میں اس کے لئے بھی فدیہ مقرر ہے۔

۳. مردوں کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا یا سر کو پگڑی، ٹوپی یا کسی اور چیز سے ڈھانکنا بھی ممنوع ہے۔

۴. مردوں کے لئے پاؤں میں موزے، جراب یا کوئی ایسا کپڑا پہننا جس سے پاؤں کی ہڈی یا ٹخنے چھپ جائیں ممنوع ہے۔

۵. احرام باندھنے کے بعد بدن پر خوشبو ملنا یا خوشبو سے معطر کپڑا پہننا مرد و عورت دونوں کے لئے ممنوع ہے

۶. خواتین احرام کی حالت میں ایسی نقاب سے چہرے کو

نہ لٹائیں جو چہرے کو چھوئے البتہ ایسی چیز کو چہرے پر لٹکانا جائز ہے جو چہرے کو ڈھک لے مگر اسے نہ چھوئے۔

۷۔ خشکی کے جانور کا شکار کرنا اور اسے ذبح کرنا بحالت احرام ممنوع ہے بلکہ شکاری کی مدد کرنا یا اسے شکار کا پتہ بتانا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ البتہ اس کا کھانا جائز ہے۔ بشرطیکہ کوئی دوسرا شخص خود شکار کر کے لائے

حالت احرام میں شکار کرنے والے پر اس شکار کے برابر جانور کی قربانی کرنی ضروری ہے یا وہ چند مسکینوں کو کھانا کھلائے

۸۔ جماع اور اس سے متعلقہ امور بھی بحالت احرام ممنوع ہیں۔ جماع سے حج یا عمرہ باطل ہو جاتا ہے اور کسی فدیہ سے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔

حالت احرام میں گناہ اور معصیت کے تمام کام ممنوع ہیں

احرام کے مباحات۔ بحالت احرام میں غسل کرنا، سر دھونا اور تہمد کا تبدیل کرنا جائز ہے

۲۔ خیمہ چھتری یا چھت سے اپنے سر پر سایہ کرنا بھی جائز ہے۔

۳۔ بطور علاج آنکھ میں سرمہ یا کوئی اور دوا ڈالنا بھی مباح ہے بشرطیکہ اس میں کوئی خوشبو نہ ہو۔

۴۔ سمندری جانور کا شکار، اس کا گوشت کھانا اور خرید و فروخت کرنا جائز ہے۔

۵۔ فصد کھلوانا یعنی جسم کے کسی حصے کا خون نکلوانا بھی جائز ہے

تلبیہ۔ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے یا اس کی نیت کرنے کے بعد تلبیہ (لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ) کہنا چاہئے تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

مردوں کے لئے بلند آواز سے تلبیہ کہنا مستحب ہے۔

تلبیہ کے بعد اللہ سے مغفرت کی دعا مانگنا مستحب ہے نیز سوار ہوتے وقت اور اترتے وقت، کسی بلند جگہ چڑھتے اور اترتے وقت کسی قافلے سے ملاقات کے وقت ہر نماز کے بعد اور رات کے آخری حصے میں تلبیہ کہنا مستحب ہے تلبیہ کی مدت حج میں قربانی کے دن جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ عمرہ میں تلبیہ کی مدت حجر اسود کو چھونے یا بوسہ دینے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

طواف القدوم۔ مکہ معظمہ پہنچنے پر غسل کرنا مستحب ہے نیز خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے اور مکہ معظمہ میں داخل ہو کر طواف القدوم (آنے کا طواف) کرنا بھی مسنون ہے، واجب نہیں ہے جس شخص کا احرام افراد یا قران کا ہو وہ طواف القدوم کرے گا۔ اور جس کا احرام تمتع کا ہوگا وہ عمرہ کا طواف کرے گا۔

طواف کی شرائط۔ طواف کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ طواف کرنے والا نہ صرف ناپاکی سے پاک ہو بلکہ باوضو بھی ہو۔

۲۔ طواف کرتے وقت پوری ستر پوشی اختیار کی جائے [illegible]

۳۔ طواف حجر اسود سے شروع کیا جائے اور اسی پر ختم ہو۔

۴۔ طواف میں دائیں طرف سے چلنا چاہئے (اس طرح کہ خانہ کعبہ بائیں طرف رہے)

۵۔ حطیم (وہ عمارت جو خانہ کعبہ کے شمالی جانب قوس کی شکل میں بنی ہوتی ہے) سمیت پورے خانہ کعبہ کا طواف کیا جائے۔

۶۔ طواف میں پورے سات چکر لگائے جائیں پہلے تین چکروں میں تیز چال سے چلنا مسنون ہے اور آخر کے چار چکروں میں معمولی رفتار برقرار رہے۔ پورے طواف کا مسلسل کرنا (موالات) بھی مسنون ہے نیز حجر اسود کو چومنا یا بوسہ دینا مسنون ہے طواف کے علاوہ خانہ کعبہ کا رات دن کے کسی حصے میں نفلی طواف بھی کیا جا سکتا ہے۔

سعی صفا و مروہ۔ خانۂ کعبہ کے قریب دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا دوڑنا حج و عمرہ کا اہم رکن ہے اگر یہ رہ جائے تو نہ حج ادا ہوسکتا ہے نہ عمرہ۔

حج کا یہ اہم رکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ کے اس واقعہ کی یادگار ہے جب کہ وہ اس بے آب و گیاہ وادی میں اپنے صغیر فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تشنگی کو دفع کرنے کے لئے کسی مددگار کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ رہی تھیں تاکہ اگر کوئی انسان نظر آئے تو اس سے مدد لی جائے۔

سعی کے شرائط و سنن۔ یہ سعی طواف کے بعد شروع ہوتی ہے اور اس کی ابتدا کوہ صفا سے کی جاتی ہے اور سات چکر پورے کئے جاتے ہیں۔ ایک چکر سے مراد صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کا فاصلہ ہے۔

طواف کی طرح سعی کے لئے باوضو ہونا اور صفا و مروہ کے اوپر چڑھنا اور وہاں دعا مانگنا مسنون ہے۔

۲۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد عمرہ کرنے والا یا حج تمتع کرنے والا (متمتع) سر کے بال منڈوا کر یا ترشوا کر احرام کھولے گا اگر حج مفرد والا اور قران کرنے والا اپنا احرام اس وقت تک نہیں کھولے گا جب تک وہ حج کے تمام اعمال سے فارغ نہیں ہوگا۔ لہٰذا اسے چاہیئے کہ وہ مکہ معظمہ چلا جائے۔

یوم الترویہ۔ اسکے بعد حج کے ارکان و اعمال یوم الترویہ سے شروع ہوں گے جو ۸ ذی الحجہ کو کہتے ہیں اس دن اہل مکہ اور حج تمتع کرنے والے نیا احرام باندھیں گے اور حج افراد اور حج قران کرنے والے پہلے احرام کے ساتھ منیٰ جائیں گے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز منیٰ میں جا کر پڑھی جائے اور وہاں ایک رات بسر کی جائے۔

پھر اگلے دن یعنی ۹ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد عرفات روانہ ہوں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی حدیث میں مذکور ہے۔

منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں باہر کے مسافر حاجی فرض نماز قصر کرکے پڑھیں گے مگر اہل مکہ اور اسکے قریب کے رہنے والے پوری نماز پڑھیں گے۔

اعمال یوم عرفہ۔ ۹ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد حاجی منیٰ سے عرفات کی طرف جاتے ہیں اور زوال آفتاب تک وادی نمرہ میں قیام کرتے ہیں۔ یہ مسنون طریقہ ہے۔ عرفات جاتے ہوئے تلبیہ اور تکبیر کہنا مستحب ہے۔ زوال آفتاب کے بعد نمرہ کے مقام پر ظہر و عصر کی نمازیں قصر کے ساتھ جمع کرکے باجماعت پڑھی جاتی ہیں ان نمازوں سے پہلے امام خطبہ دیتا ہے۔ ظہر و عصر کی دونوں نمازوں کے لئے ایک اذان اور دو اقامتیں کہی جاتی ہیں۔ اگر کسی کو جماعت نہ ملے تو اس صورت میں بھی وہ ظہر و عصر دونوں نمازوں کو جمع کرکے پڑھ سکتا ہے۔

وقوف عرفات۔ وقوف عرفات حج کا اہم رکن ہے اس کے بغیر حج نہیں ہوسکتا ہے۔ وقوف عرفات کا وقت زوال آفتاب کے بعد اگلے دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کی صبح تک ہے لہٰذا جو شخص اس وقت تک کے اندر عرفات پہونچ جائے تو اس کا حج ہوجائے گا اسکے بعد پہونچنے پر اس کا حج نہیں ہوگا دن میں غروب کے بعد تک عرفات کے میدان کے اندر وقوف کرنا مسنون ہے۔

وقوف مزدلفہ۔ عرفہ کے دن نویں ذی الحجہ کو سورج غروب ہوجانے کے بعد نماز پڑھے بغیر مزدلفہ کے لئے روانہ ہونا مسنون ہے۔ روانہ ہوتے اور چلتے وقت تلبیہ (لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ) اور تکبیر کہتے ہونا مستحب ہے

مزدلفہ پہونچ کر مغرب اور عشاء کی نمازوں کو عشاء کے وقت جمع کرکے پڑھنا مسنون ہے۔ عشاء کی نماز میں قصر کیا جائے گا یعنی دو رکعتیں فرض پڑھی جائیں گی)

مزدلفہ میں فجر کی نماز عام دنوں کی بہ نسبت جلد یعنی زیادہ اندھیرے میں پڑھنا مسنون ہے۔ مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے

اگر یہ کام رہ جائے تو ایک جانور کی قربانی ضروری ہے۔ مزدلفہ میں مشعر حرام کے مقام کے پاس وقوف کرنا افضل ہے

مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی۔ مزدلفہ سے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کو اطمینان سے روانہ ہونا مسنون ہے۔ البتہ عورتیں، بچے اور بوڑھے نماز فجر سے پہلے بھی روانہ ہو سکتے ہیں مگر وہ رات کا تہائی گذرنے سے پہلے روانہ نہ ہوں۔

روز قربانی۔ ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کے دن حجاج منیٰ میں آکر مندرجہ ذیل اعمال حج کرتے ہیں۔

۱۔ رمی۔ وہ سب سے پہلے جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں مارتے ہیں جسے رمی کہتے ہیں۔ یہ واجب ہے اگر یہ کام رہ جائے تو ایک جانور کی قربانی ضروری ہے۔ اس کا مسنون وقت طلوع آفتاب سے زوال آفتاب تک ہے تاہم غروب آفتاب تک یہ عمل ادا کیا جا سکتا ہے

کنکریاں کھڑے ہو کر پھینکی جائیں اور پھینکتے وقت تکبیر کہی جائے ہر کنکری کا مخصوص مقام کے اندر (جو دائرہ کی شکل میں جمرہ کے گرد بنا ہوا ہے) گرنا ضروری ہے۔ کنکریاں ایک ایک کر کے پھینکی جائیں۔ پھینکنے وقت تلبیہ کہنا بند کر دیا جائے

۲۔ قربانی۔ قربانی حج تمتع اور حج قران کے لئے واجب ہے اور حج افراد کرنے کے لئے مسنون ہے اگر متمتع اور قارن کسی وجہ سے قربانی نہ کر سکے تو وہ اس کے بدلے تین روزے حج میں اور سات روزے اپنے وطن واپس آکر رکھے جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں مذکور ہے۔

قربانی کا مسنون وقت ۱۰ ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ہے تاہم قربانی اسکے بعد ۱۲ ذی الحجہ کو بھی کی جا سکتی ہے حاجی کے لئے منیٰ میں قربانی کرنا اور عمرہ کرنے والے کے لئے مکہ معظمہ میں مروہ کے قریب قربانی کرنا مسنون ہے ویسے حدود حرم اور منیٰ کا تمام میدان قربانی کی جگہ ہے۔

قربانی کے موقع پر بھی اونٹ، دنبہ، بھینس، بھیڑ اور بکری کے نر و مادہ میں سے کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اونٹ اور بھینس کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

۳۔ حلق یا تقصیر۔ احرام کھولنے کے لئے حلق (سر منڈانا) یا تقصیر (بال ترشوانا) واجب ہے۔ اگر یہ عمل رہ جائے تو ایک جانور کی قربانی ضروری ہے۔ اس موقع پر سر منڈانا، بال ترشوانے سے افضل ہے۔ البتہ خواتین صرف بال ترشوائیں ان کے لئے سر منڈانا مکروہ ہے سب سے پہلے سر کے دائیں حصے کے بال منڈوانے مستحب ہیں۔ اس کے بعد بائیں کا ترشوانا بھی مستحب ہے

حلق یا تقصیر کا مسنون وقت ۱۰ ذی الحجہ کے دن قربانی کے بعد ہے تاہم قربانی کے دنوں تک اس کا موخر کرنا بھی جائز ہے۔

احرام کھولنا۔ حلق یا تقصیر کے بعد حاجی کے لئے احرام کھول دینے۔ احرام کھولنے سے وہ کام جائز ہو جاتے ہیں جو بحالت احرام ممنوع تھے البتہ جماع طواف افاضہ (طواف زیارت) کے بعد جائز ہو گا۔ خوشبو لگانا جائز ہو گا

۴۔ طواف زیارت، طواف افاضہ (طواف زیارت) حج کا رکن ہے اگر یہ ادا نہ کیا جائے تو حج نہیں ہو گا طواف زیارت کا مسنون وقت قربانی کے آخری دن یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک طواف زیارت کر سکتا ہے۔

طواف افاضہ (زیارت) کے بعد حاجی پر سے احرام کے سلسلے کی ہر قسم کی پابندی اٹھ جاتی ہے یہاں تک کہ عورت سے تعلق بھی حاجی کے لئے جائز ہو جاتا ہے

طواف زیارت کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز
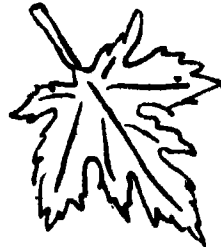
ناولٹی
بٹن
اسٹور
عمدہ۔ دیدہ زیب
اور
نایاب قسم کے بٹن
ٹیلیفون نمبر
۶۶۰۷۶
سامان ٹیلرنگ
ریل دھاگہ، شولڈر پیڈ
قینچیاں اور ربن
ناولٹی بٹن اسٹور
حسرت موہانی روڈ کان پور

پڑھنا اور اسکے بعد زمزم کے کنوئیں پر آنا اور اس کا پانی پینا مستحب ہے

متمتع کیلئے سعی۔ وہ شخص جو عمرہ اور حج دونوں کو ملاکر ادا کرتا ہے۔ متمتع کہلاتا ہے اس کے لئے طواف زیارت کے بعد حج کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) ضروری ہے کیونکہ اس کی پہلی سعی عمرہ کے لئے تھی اور اب دوبارہ سعی حج کے لئے ہوگی

البتہ حج افراد اور قران کرنے والے حاجی (قارن) کے لئے اگر انھوں نے طواف القدوم کے بعد سعی کرلی ہو۔ دوبارہ سعی کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر طواف القدوم کے بعد انھوں نے سعی نہیں کی ہے تو اس وقت سعی کرنا انکے لئے بھی ضروری ہے

ایام تشریق۔ طواف زیارت سے فارغ ہونیکے بعد حاجی کا منیٰ واپس جانا اور وہاں دو یا تین راتیں بسر کرنا اور ہر روز تینوں جمروں پر کنکریاں پھینکنا (رمی) حنفیہ کے نزدیک مسنون ہے۔ تاہم معذور شخص مکہ معظمہ یا کسی دوسری جگہ یہ راتیں بسر کرسکتا ہے منیٰ کے قیام کے دوران تینوں جمروں پر کنکریاں پھینکنے کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے دن کی جاسکتی ہے ان دو یا تین دنوں میں ہر روز پہلے جمرۂ اولیٰ پر (جو مسجد خیف کے قریب ہے) پھر جمرۂ ثانیہ پر اور پھر جمرۂ عقبہ پر کنکریاں ترتیب سے پھینکنا مسنون ہیں۔

منیٰ میں ۱۲ / یا ۱۳ / ذی الحجہ تک قیام کیا جاسکتا ہے جو شخص ۱۲ / ذی الحجہ کو واپس جانا چاہے اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے چلا جائے منیٰ سے واپسی کے بعد مکہ معظمہ وادی محصب میں قیام کرنا مستحب ہے

طواف وداع۔ مکہ معظمہ سے رخصت ہوتے وقت طواف وداع کرنا واجب ہے اگر یہ رہ جائے تو ایک جانور کی قربانی ضروری ہے البتہ حائضہ عورت کو یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ طواف کے بغیر رخصت ہوسکتی ہے۔ طواف وداع کے بعد ملتزم پر آنا ہے (یہ وہ دیوار ہے جو خانہ کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے) اور وہاں دعا مانگنا مستحب ہے

زیارت مدینہ۔ ہر مسلمان کے لئے مسجد نبوی اور مزار نبوی کی زیارت کرنی مستحب ہے۔ اسکے فضائل کئی احادیث میں مذکور ہیں۔ وہ حضرات جو حج سے بہت پہلے چلے جاتے ہیں وہ حج سے پہلے مدینہ منورہ زیارت کے لئے جاتے ہیں

عمرہ کے احکام۔ عمرہ کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہے مگر ایام حج یعنی ۹ / ۱۰ / ذی الحجہ میں صرف عمرہ کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ البتہ حج کے ساتھ تمتع یا قران کی شکل میں عمرہ ادا کیا جاسکتا ہے، عمرہ کا ثواب بھی اسلامی شریعت میں بہت زیادہ ہے۔ بعض علماء نے حج کی طرح عمرہ کرنا بھی ضروری قرار دیا ہے۔ یہ قول امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ مسنون ہے واجب نہیں ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں چار عمرے ادا فرمائے تھے آپ نے پہلے تین عمرے ذوالقعدہ کے مہینے میں ادا فرمائے تھے اور آخری عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ ادا فرمایا عمرہ کے اعمال، عمرہ کے اعمال حج کے اعمال سے کم ہیں۔ عمرہ کرنے والا بھی مقررہ میقات پر پہنچ کر غسل کر اور احرام باندھے

●ڈگ منگ کا ہر شمارہ۔ آپ کے لئے علم و معلومات کا بیش بہا خزانہ ہوگا۔ اسے محفوظ رکھئے۔ اور اس سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیجئے

جاتا ہے اسکے بعد تلبیہ کیا جاتا ہے اس کے بعد مکہ معظمہ پہونچ کر سب سے پہلے طواف القدوم کیا جاتا ہے۔ پھر طواف کرنے والا حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے یا اسے چھوتا ہے اور مسنون طریقہ سے سات چکر پورے کرنے کے بعد مقام ابراہیم پر نماز پڑھتا ہے پھر حجر اسود کا استلام کرنے کے بعد وہ صفا اور مروہ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

وہاں پہونچ کر صفا و مروہ پر چڑھ کر ان کے درمیان سات مرتبہ سعی کرتا ہے اور ہر سعی میں وادی کے نشیب میں دوڑ کر چلتا ہے۔

اس عمل کے بعد عمرہ کے تمام مناسک (اعمال) پورے ہو جاتے ہیں لہٰذا اگر وہ سر منڈوالے یا سر کے بال ترشوالے تو احرام کی پابندی ختم ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد جو حج کرنا چاہے وہ دوبارہ احرام باندھ کر حج کے مناسک ادا کرتا ہے۔ ایسا عمرہ و حج، حج تمتع کہلاتا ہے اور جو شخص احرام نہ کھولے اور اسی احرام سے حج کرے اسے حج قران کہا جاتا ہے اور جو صرف حج کی نیت کرے اسے حج افراد کہا جاتا ہے۔

آپ کی رائیں اور مشورے

رنگ سنگ پڑھنے کے بعد براہ کرم اپنی رائے سے ہمیں ضرور مطلع فرمائیے۔ آپ کو کیا کیا پسند آیا۔ کس مضمون کو اچھا سمجھتے ہیں اپنے اس ماہنامہ میں اور کون سی تبدیلی آپ چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ لکھئے۔

آپ کا ہر خط ہمارے لئے اہم ہوگا آپکی رائیں اور مشورے رنگ سنگ کے مستقبل کے لئے نشان راہ ثابت ہوں گے اسلئے خط لکھنا نہ بھولئے۔ (مینیجر)

امنِ انسانیت کا عالمی منشور اور رحمت و مغفرت کا آخری پیغام

اے لوگو! میں جو کہوں سن لو ممکن ہے کہ اس حج کے بعد میں پھر یہاں تم سے نہ مل سکوں۔ لوگو! جس طرح یہ دن (یوم حج) یہ مہینہ (ذی الحجہ) اور یہ شہر (مکہ معظمہ) محترم ہے اسی طرح آج سے جب تک تم زندہ ہو، تمہاری جانیں تمہاری عزتیں اور تمہارے مال بھی باہم ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ عنقریب تم اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگے اور وہ تمہارے اعمال کی بابت تم سے باز پرس کرے گا۔ لوگو! خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام خون ختم کرتا ہوں اور پہلا خون جسے اپنی طرف سے معاف کرتا ہوں۔ وہ عبدالمطلب کے پوتے ربیعہ بن حارث کا ہے۔ جن کی رضاعت بنی لیث میں ہوئی تھی اور جنہیں بنی ہذیل نے انہیں قتل کر دیا تھا۔ دورِ جاہلیت کا سارا سودی نظام منسوخ بس جس قدر اصل سرمایہ ہے وہ البتہ تمہارا ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تمہارے ساتھ زیادتی کی جائے میں عباس ابن عبدالمطلب کا سارا سود متروک قرار دیتا ہوں۔ لوگو! میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا ہے اور اس ذمہ داری کی بنا پر کہتا ہوں کہ تم میں سے جس کسی کے پاس کسی کی امانت ہو۔ وہ نہایت دیانت داری کے ساتھ اسے اصل مالک کے پاس پہونچا دے۔ لوگو! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بیویوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہا کرو۔ خدا کے نام اور کلام کے ساتھ تم نے انہیں اپنے اوپر حلال کیا ہے وہ تمہارے لئے انیس زندگی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت خوب سن لو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ نماز پنجگانہ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اپنے مال کی زکواۃ بخوشی دیا کرو۔ جس کی جزا یہ ہے کہ تم فردوس بریں میں داخل ہو گے۔

(خلاصہ خطبۂ حجۃ الوداع)

نت نئے ڈیزائنوں میں ہر قسم کا ہوزری
کا سامان
تولیہ، بنیان، موزے، انڈرویر، رومال
اون اور اونی سوئٹر
وغیرہ فراہم کرنے والے

تاج شو کمپنی
لباطی بازار کانپور
پلاسٹک اور ربر سول کی بنی ہوئی
ہوائی اور پی. وی. سی
چپلیں، سینڈل اور شوز کی ٹھوک
خریداری کے لئے ہر وقت تیار

نوزنگ جنرل اسٹورس
لباطی بازار کانپور ہول سیل
آپ کی روز مرہ کی ضروریات کے لئے اشیائے
آرائش و زیبائش مہیا کرنے والے
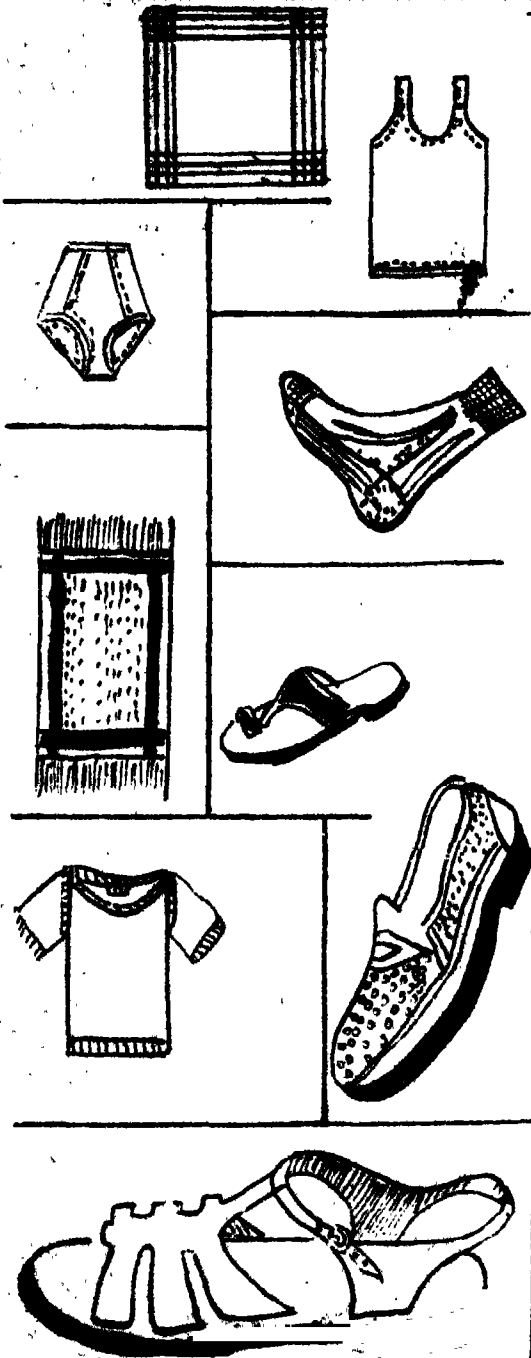
اسلامیات

آدابِ حج

حضرت مولانا عارف القادری

ہر سال یوم الحج کی آمد پر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ پوری امت مسلمہ کی نگاہوں میں گردش کرنے لگتا ہے آداب حج کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل کے اس سرسبز و شاداب علاقہ پر نظر ڈالئے جس کو تاریخ کی زبان میں کلدانیہ یا کالڈیا اور عراق کہا جاتا ہے اس بستی میں اپنے دور کے اعتبار سے انسانی تہذیب و تمدن انتہائی عروج پر تھا لیکن روحانی و اخلاقی نقطۂ نظر سے فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا ایک طرف جبر و تشدد کی وہ بادشاہت قائم تھی جو بندگانِ خدا سے عملاً اپنی کبریائی کا خطبہ پڑھوا رہی تھی۔ تو دوسری جانب وہ بااثر خاندان تھا جس کی جبینِ عقیدت خود تراشیدہ بتوں کے سامنے جھکی ہوئی تھی۔ ایسے پرخطر ماحول میں خاندان آذر کا وہ فرزند جلیل جس کو کائنات انسانی کی تعمیر و اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور جس نے سن شعور میں قدم رکھتے ہی آفتاب و ماہتاب کی چمک دمک اور نجوم و کواکب کی سج دھج دیکھ کر ان کو مسترد کرتے ہوئے علی الاعلان کہا۔

انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین

یعنی میں نے (سب کچھ دیکھ بھال کر) اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے زمین و آسمان بنائے اور اسی کا ہو کر میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔

اس دنیا اس اعلان نے ایوان کفر و شرک میں ہلچل پیدا کردی۔ شاہ سے لیکر گدا تک اپنوں سے لیکر بیگانوں تک سب ہی نے غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ مخالفت کی تند و تیز آندھیاں اٹھیں۔ خاندان کے سربراہ آذر نے سنگسار کرنے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تعلقات منقطع کر لینے کی دھمکی دی۔ لیکن میدان الفت کا یہ فدائی اور حق و صداقت کا تنہا علمبردار اپنی ساری خاندانی عظمت اور عیش بھری زندگی کو داؤ پر لگا کر کہتا ہے۔

سَلَامٌ عَلَیْکَ سَأَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ إِنَّهُ کَانَ بِیْ حَفِیًّا ○ وَأَعْتَزِلُکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَأَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰی أَلَّا أَکُوْنَ بِدُعَاءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ○

یعنی تجھے سلام ہے قریب ہے کہ میں تیرے لئے اپنے رب سے معافی مانگوں گا۔ بیشک وہ مجھ پر مہربان ہے اور میں تم سے اور ان سب سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ علیحدہ ہو جاؤں گا اور اپنے رب کو پوجوں گا قریب ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی سے محروم نہ ہوں۔

ابھی منزل عشق کے راہی کا سفر ختم نہ ہوا تھا کہ خدائی کے نشہ میں سرشار بادشاہ کے دربار میں طلبی ہوئی۔ یہ آزمائش پہلی آزمائش سے کہیں زیادہ صبر آزما ثابت ہوئی

کیونکہ نمرود کا پیکر تخت حکومت پر جلوہ افروز ہے دربار شاہی کے جاہ وجلال کی ہیبت سے ہر شخص سہما ہوا نظر آرہا ہے۔

آہ! یہ سب تزک واحتشام یہ ظاہری ساز وسامان صرف اس مرد حق آگاہ کو مرعوب کرنے کے لئے کیا گیا تھا جس کے دل میں عشق الہٰی کی شمع روشن تھی۔ جس کی آنکھیں خالق السموات والارض کے لازوال حسن کو دیکھ رہی تھیں۔ اور جس نے قصر شاہی میں پہونچ کر الوہیت کی ڈینگیں مارنے والے نمرود سے اپنے معصومانہ انداز میں فرمایا۔

فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق
فأت بھا من المغرب فبھت الذی کفر

یعنی اللہ تعالےٰ آفتاب کو مشرق سے برآمد فرماتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا۔

یہ بات سن کر نمرود کے ہوش اڑ گئے۔

حضرت ابراہیمؑ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے جوش وخروش۔ بیباکانہ طرز بیان اور حق گو زبان کی ہولناکی نے تمام مجمع کو دم بخود کردیا۔ نمرود نے اپنی خانہ ساز کبریائی کا تخت اٹھتے ہوئے دیکھ کر نار آتش کرنے کا حکم دیا۔

ایک طویل وعریض میدان میں آتشکدہ تیار کیا گیا قوم کا ہر فرد اس کام میں شرکت کے لئے اپنی دلچسپی کا اظہار کر رہا ہے ہر ماں اپنی گود کے بیمار بچے کو صحتیاب دیکھنے کے لئے لکڑیوں کے انبار میں اضافہ کرنے کی منت مانتی ہے جب آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ چنگاریاں اڑنے لگیں اور ملت خلیل کے اس مبلغ اعظم (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کو دہکتی آگ میں پھینکا گیا۔ تو جس خدائے بزرگ وبرتر کی رضامندی کے لئے یہ سب کچھ کیا جارہا تھا۔ اس کی صدائے جاں نواز یا نار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم کا نغمہ سناتی ہے۔ آگ کے شعلے اپنا طبعی وظیفہ پورا کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام صحیح وسالم

کہ اس چتا سے صحیح وسلامت باہر نکل آتے ہیں۔

اقلیم محبت کا قانون اور عشق ومستی کا کاروبار بالکل نرالا ہوتا ہے۔ جب عقل وخرد معطل ہو جاتی ہے تب کیف ومستی کا دور دورہ شروع ہوتا ہے۔ محبوب کی چاہت میں جب سب کچھ تج دیا جاتا ہے۔ تب کہیں منزل جاناں تک رسائی ہوتی ہے۔ کسی کے جذبہ تسلیم ورضا کو چیرنے والے آرے کی دھار پر دیکھا جاتا ہے کسی کے صبر واستقلال کو دہکتے انگاروں پر جانچا جاتا ہے پھر یہی نہیں جس کو جتنا عظیم فرض تفویض کیا جاتا ہے اسکی مناسبت سے اس کی ہمت وجرأت کو پرکھا جاتا ہے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امامت کبریٰ کے منصب عظمیٰ پر فائز کرنا مقصود تھا۔ آپ کے مقدس ہاتھوں سے اس عظیم وجلیل عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جانا تھا۔ جو اطراف واکناف عالم میں بسنے والوں مسجود الیہ قرار پاتی اسلئے مسلسل امتحانات لئے گئے۔

آتش نمرود سے سرخرو ہو کر نکل آنے کے بعد دین حق کا داعیٔ اول وطن کو خیرباد کہتا ہوا کرۂ ارض کے اس خطہ کی تلاش میں نکلا۔ جہاں حق وصداقت کی تخم ریزی کی جاتی مضبوط دل اور چٹان کی طرح مستحکم ارادہ والا مقدس انسان فلسطین شام مصر اور بہت سے مقامات پر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا اس وادیٔ غیر ذی زرع میں فروکش ہوا۔ جہاں دور تک نہ پانی تھا نہ آبادی۔

اس پورے سفر میں رفیقہ حیات جناب ہاجرہ ساتھ رہیں دین حق کی خاطر تکلیفیں سہتے سہتے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا شباب پیرانہ سالی میں بدل چکا ہے۔ اعضاء جسم میں ضعف نمایاں ہو رہا ہے آپ نے بارگاہ الہٰی میں دین کے باقی کام کو جاری رکھنے اور ملت خلیل کا پیغام گھر گھر پہونچانے والے جانشین کی دعا کی چنانچہ بڑی دعاؤں کے بعد حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت

ہوئی۔ نازو نعم میں پلا ہوا بچہ جب سن شعور کو پہونچا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بچہ کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔ جناب ہاجرہ جب ارشاد ربانی پر مطلع ہوئیں۔ سر تسلیم خم ہوگیا۔ جناب اسماعیل حکم الہیٰ بجالانے پر بدل و جان آمادہ ہو گئے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے جناب اسماعیل علیہ السلام کو وادیٔ منا میں قربان کے لئے لٹا دیا۔ اور اپنے معصوم ہاتھوں سے ذبح کرنا شروع کیا فضا عالم میں نغمہ بلا ہوتی۔

قد صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین ○ وفدینٰہ بذبح عظیم۔

یعنی (اے ابراہیم) بیشک تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکیوں کو بیشک یہ وہ تھی جانچ تھی اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ (اسماعیل) کے فدیہ میں دے کر اسے بچا لیا

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام راہ حق کی راہ میں پیش آنے والی بہت سی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے بعد مسلمانان عالم کے سالانہ اجتماع کیلئے بیت اللہ شریف کی تعمیر شروع فرماتے ہیں اس تعمیری کام میں ہاتھ بٹانے اسماعیل علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ تکمیل عمارت کے بعد وحی ربانی نے پکارا۔

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق

یعنی (اے ابراہیم) عام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر وہ ہر دور دراز گوشہ سے آئیں گے۔

اس حکم الہیٰ کی تعمیل کے لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے کوہ بو قبیس پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان عام کیا چنانچہ قیامت تک پیدا ہونے والوں نے یہ آواز سنی اور جس شخص نے جتنی بار لبیک کہا وہ اتنی ہی دفعہ حج کرے گا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے اس اعلان کے بعد حج شروع ہوگیا جو آج تک ہو رہا ہے اور انشاء اللہ تا قیام قیامت قائم رہے گا۔ ●●

تاریخ بیت اللہ شریف

محمد مصطفیٰ صدیقی

ہزارہا سال قبل اس وقت جب ساری دنیا خدائے واحد و قدوس کی حاکمیت و ربوبیت کو فراموش کر کے کفر، شرک، الحاد، بے دینی اور خدا بیزاری کے اندھیروں کا مرکز اور قیادت وقوت، مال و دولت حکمت، حکومت، عزت، وجاہت، شوکت و حشمت اور ہر مادی ضرورت کی الگ الگ نمائندگی کرنے والے ہزارہا ہزار بتوں اور مصنوعی خداؤں کا مسکن بن گئی تھی۔ اس وقت رب السموات والارض کے حکم سے اس کے دو نیک اور پاک پیغامبروں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے عزیز از جان فرزند ارجمند سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ نے "دنیا کے بتکدہ" میں خدا کے پہلے گھر کعبہ کی بنیاد ڈالی، ادھر ادھر سے پتھر چنے اور اس کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ فضل خداوندی نے یاوری کی تائید و نصرت الٰہی شامل حال ہوئی اور عمارت مکمل ہو کر رہی۔

دنیا میں مالک دنیا کے اولین معبد اور خدا پرستی کے مرکز کا ذکر قرآن کریم سورہ آل عمران میں یوں فرماتا ہے

"یقیناً پہلا گھر جو نوع انسانی کے لئے مقرر کیا گیا۔
وہ ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت اور جہانوں کیلئے ہدایت"

یہی بات اقبال نے اپنے اس شعر میں کہی ہے ؎

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

اس وقت خدا کا یہ گھر اس قدر سادہ تھا کہ نہ اس کے اوپر کوئی چھت تھی اور اس کے دروازہ میں چوکھٹ اور کواڑے

طول حجر اسود سے رکن شامی تک ۳۲ گز، عرض رکن شامی سے غربی تک ۲۲ گز اور دیواروں کی بلندی ۹ گز تھی۔

(۱) تعمیر ابراہیم۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل زندگی بھر اس کے نگراں اور پاسبان رہے۔ بعد کے دور میں خدا کا یہ گھر کئی مرتبہ حوادث روزگار کا شکار ہوا۔ چونکہ کعبہ کی عمارت نشیب میں واقع تھی اس لئے جب بارش ہوتی تو پانی کے ریلے سے اسکی چار دیواری کو نقصان پہونچ جاتا تھا۔ جن سیلابوں سے کعبہ شریف کی عمارت متاثر ہوتی ان میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔

۱۔ سیل عمر بن عبدالعزیز ۱۰۰ ہجری میں بزمانہ حضرت عمر بن عبدالعزیز آیا۔

۲۔ سیل ابو شاکر: یہ سیلاب ۱۲۰ ہجری میں آیا۔

۳۔ سیل مخبل: ۱۸۴ ہجری میں آیا جو بڑا شدید تھا۔

۴۔ سیل حنظلہ: ۲۰۲ ہجری میں آیا۔ مکانات کثرت سے گرے اور بہت نقصان ہوا۔

۵۔ سیل ۲۰۸ھ: اتنا سیلاب آیا کہ تمام حرم مٹی کنکر اور پتھروں سے بھر گیا۔

۶۔ سیل ۲۵۳ھ: اس میں پانی حجر اسود تک چڑھ آیا۔

۷۔ سیل ۲۶۲/۲۴۲ھ: دونوں مرتبہ سیلاب آیا۔

۸۔ سیل ۲۸۲ھ: ۱۲ ذیقعدہ کو سیلاب آیا۔ حرم شریف میں پونے آٹھ ہاتھ پانی بھر گیا اور مسجد الحرام کے کئی ستون اکھڑ گئے۔

۹۔ سیل ۷۹۰ھ: خانہ کعبہ کے اندر ایک بالشت پانی بھر گیا

۱۰۔ سیل ۸۰۲ھ: ۱ جمادی الاول کو آیا۔ شہر اور حرم شریف کو بڑا نقصان پہنچا

۱۲۔ سیل ۸۰۸ھ: اس سیلاب میں پانی مکانات کی چھتوں تک چڑھ گیا۔ جب پانی اترا تو حرم شریف کے اندر ۱۱۰۰ انسانی لاشیں موجود تھیں

۱۱۔ سیل ۸۱۰ھ: ۲۲ ذی الحجہ کو عصر کے وقت آیا

۱۳۔ سیل ۸۸۰ھ: ۱۴ ذی قعدہ کو سیلاب آیا۔ خانہ کعبہ کے اندر اتنا پانی آگیا کہ شہر کے سیکڑوں مکانات اور دوکانیں منہدم ہو گئیں۔ حرم شریف کے اندر ستر لاشیں تھیں۔

ان سیلابوں اور دیگر حوادث سے متاثر ہونے پر خانہ کعبہ کا بار بار از سرِ نو تعمیر ہوا۔ اس کی جتنی دفعہ تعمیر ہوئی اس کی مختصر روداد یہ ہے۔

۲۔ تعمیر بنی جرہم۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات کے بعد بنی جرہم کو اس میں مداخلت ہوئی کیونکہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار تھے اور بنی اسمٰعیلؑ کے خیر خواہ و محافظ تھے۔ مضاض ابن عمرو جرہمی جو نانا اسمٰعیلؑ کے بیٹے کا تھا اس نے اپنے ہاتھ میں سب اختیار لے لیا۔ بنی جرہم کے اختیار کے زمانے میں پہاڑی نالا آیا اور کعبے میں پانی چڑھ گیا۔ اور کعبہ ڈھے گیا جس کو بنی جرہم نے اسی صورت میں پھر بنا دیا۔ (سر سید احمد خان)

۳۔ تعمیر عمالیق۔ بنی حمیر میں ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے تھا جو مکے میں بستا تھا اس پچھلی قوم نے بنی جرہم پر غلبہ کیا تھا اور کعبہ کی مختار ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں اس قوم عمالیق ثانی نے کعبے کو پھر بنایا جو غالباً پہاڑوں کے نالے چڑھ آنے سے ٹوٹ پھوٹ جاتا تھا۔

۴۔ تعمیر بنی خزاعہ۔ جن دنوں کعبے کی تولیت بنی خزاعہ کے ہاتھ میں تھی ایک سیلاب آیا اور کعبے کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ بنی خزاعہ نے تعمیر کعبہ کے علاوہ کعبے کے گرد اس خیال سے ایک چار دیواری تعمیر کر دی کہ بعد میں آنے والے سیلابوں سے محفوظ رہ سکے۔

۵۔ تعمیر قصی۔ قصی بن کلاب کی تولیت کے زمانے میں کعبے کی عمارت گر پڑی۔ اس دفعہ جب اس کی دیواریں بنائی گئیں تو ان پر کھجور کی لکڑی سے چھت بھی ڈال دی گئی اور عمارت تعمیر کر کے اس پر سیاہ غلاف چڑھا دیا گیا۔ یہ عمارت رسول اکرمؐ کے بچپن کے زمانے تک موجود تھی۔

۶۔ تعمیر قریش۔ اس تعمیر کا باعث یہ ہوا کہ ایک عورت بیت اللہ میں خوشبوئیں جلا رہی تھی کہ غلاف کعبہ میں آگ لگ گئی۔ آتش زدگی سے دیواریں پھٹ گئیں اس عرصے میں ایک سیلاب آیا اور کعبے میں پانی بھر گیا۔ قریش نے اس کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ یہی وہ تعمیر ہے جس میں رسول اکرمؐ نے اپنے دست مبارک سے حجر الاسود نصب کیا تھا۔

۷۔ تعمیر عبداللہ ابن زبیرؓ۔ سر سید احمد خانؒ فرماتے ہیں: "معاویہؓ بن ابی سفیان کے بعد جب یزید نے اپنے تئیں اپنے باپ کا جانشین کیا تو عبداللہ ابن زبیرؓ نے اس سے بیعت میں یعنی اس کو خلیفہ تسلیم کرنے میں تامل کیا۔ اس پر حصین بن نمیر یزید کی طرف سے فوج لے کر مکے پر چڑھ گیا اور کئی دن تک عبداللہ ابن زبیرؓ سے لڑائی ہوتی رہی۔ عبداللہ ابن زبیرؓ کے سب لوگ کعبے کے گرد خیموں میں پڑے ہوئے تھے اور حصین بن نمیر ابو قبیس پہاڑ سے گوپھن میں پتھر مارتا تھا اور غلاف کعبہ اس کے صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اتفاق سے ایک خیمے میں آگ لگ گئی۔ ہوا تیز چل رہی تھی کعبے میں بھی جا لگی اور غلاف کعبہ جل گیا اس کے جلنے سے تمام دیواروں کے پتھر ایسے ہو گئے کہ کبوتروں کے بیٹھنے سے بھی گر پڑتے تھے اور کئی جگہ سے دیواریں شق ہو گئیں۔ حصین بن نمیر مع اپنے لشکر کے پانچویں ربیع الثانی ۶۴ ہجری کو مکے سے شام کو چلا گیا تب ابن زبیرؓ نے مکے کے ذی وجاہت اور شریف لوگوں کو بلایا اور کعبے کے ڈھانے میں مشورہ کیا۔" کعبہ ڈھا کر بالکل زمین کے

برابر ہوگیا اور حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ کی رکھی ہوئی بنیاد نکل آئی تو حضرت ابن زبیرؓ نے اسے حضرت ابراہیمؑ کی بنا پر تعمیر کرنا چاہا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

۸۔ تعمیر حجاج بن یوسف جب عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا تو اس نے حجاج بن یوسف کو ابن زبیرؓ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ طرفین میں سخت جنگ ہوئی۔ ابن زبیرؓ شہید ہو گئے۔ حجاج کعبے میں داخل ہوا تو اس نے عبدالملک کو لکھا کہ ابن زبیرؓ نے کعبے میں ایسی چیزیں بنادی ہیں جو پہلے نہ تھیں اور ایک نیا دروازہ بھی بنادیا ہے۔ عبدالملک نے جواب دیا کہ اس دروازے کو بند کردو اور جس قدر ابن زبیرؓ نے زیادتی کی ہے وہ سب گرادو۔ چنانچہ حجاج بن یوسف نے یہ چیزیں گراکر کعبے کی تعمیر نو کی۔

۹۔ تعمیر ترکیہ۔ حکیم محمد سردار خاں نشاط امرتسری لکھتے ہیں۔ ۱۰۲۰ ہجری میں اہالی مکہ مکرمہ نے بسرکردگی امیر مکہ شریف ادریس اور سادات و اکابر شہر کے صلاح و مشورے سے سلطان ترکی احمد خاں بن سلطان محمد خاں رابع کے حضور میں اس مضمون کی عرضداشت بھیجی کہ خانۂ خدا کی دیواریں وغیرہ اس حالت کو پہونچ گئی ہیں کہ اگر ان کی فی الفور خبرگیری نہ کی گئی تو ان کے انہدام کا خوف ہے، اس پر علمائے دارالسلطنت اور دیگر وزرائے شاہی کے کمیشن نے بحث و مباحثہ کے بعد یہ قرار دیا کہ جہاں تک ممکن ہو موجودہ عمارت ہی کو بندشوں وغیرہ کے ذریعے سے مضبوط کردیا جائے اور بیت اللہ شریف کے گرانے اور بنانے کا کوئی معمولی کھیل نہ تصور کیا جائے اور اسی جلسے میں یہ طے کرلیا گیا کہ اگر کعبۃ اللہ کی دیواروں کو دو جگہ پر آہنی تاروں اور پٹیوں کے ذریعے سے کس دیا جائے تو عمارت گرنے سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

چنانچہ اس کمیشن کی سفارش پر کعبے کی مرمت کردی گئی۔ اس مرمت کو ابھی ۱۹ سال کا عرصہ ہوا تھا کہ ۱۹ شعبان ۱۰۳۹ ہجری کو اردگرد کی پہاڑیوں پر سخت بارش ہوئی اور پانی ایک دریا کی صورت میں مکہ معظمہ میں گھس آیا اور خانۂ کعبہ میں جمع ہوگیا۔ اس زمانے کے امیر مکہ شریف مسعود نے اہالیانِ شہر سے مشورہ کرکے والیٔ مصر کے ذریعے سلطان ترکی کو اس حادثے سے خبردار کیا اور والیٔ مصر کی کوششوں سے کعبے کی مرمت کی گئی۔

اس کے بعد ۱۲۷۸، ۱۲۹۳ اور ۱۳۲۷ھ ہجری میں سیلاب آئے۔ اگرچہ اس سے جانی نقصان ہوا اور کعبے میں مٹی اور پتھروں کے ڈھیر لگ گئے۔ لیکن عمارت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچا

۱۰۔ تعمیر سعودیہ۔ حکومت سعودیہ نے کعبے کی تزئین و آرائش اور مسجد الحرام کی مرمت اور توسیع پر لاکھوں پونڈ خرچ کئے ہیں۔ اور ابھی یہ کام جاری ہے

اصحابِ فیل۔ ان حوادث کے علاوہ خانہ کعبہ ایک اور مصیبت ابتلا میں بھی مبتلا ہوا۔ اور وہ تھی اصحاب فیل کی کعبے پر یورش۔ یہ واقعہ رسولِ اکرم کی پیدائش سے چند سال پیشتر کا ہے۔ ان دنوں یمن پر نجاشی شاہ حبشہ کی حکومت تھی جس کا حاکم ابرہہ نامی ایک عیسائی تھا۔ اس نے جب حج کے موسم میں اہل یمن کو حج بیت اللہ کے لئے ہزاروں کی تعداد میں روانہ ہوتے دیکھا تو کعبے کی مقبولیت سے جل اٹھا اور نجاشی سے اجازت حاصل کرکے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ کعبے پر چڑھ دوڑا۔ اس نے اپنا ایک قاصد عبدالمطلب کے پاس بھیجا یہ کہہ کر کہ ہمارا مقصد جنگ نہیں بلکہ کعبے کا انہدام ہے۔ عبدالمطلب نے ابرہہ کا پیغام سن کر جواب دیا۔

یہ گھر اللہ کا ہے جسے حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا اس لئے اللہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ کے لشکریوں نے عبدالمطلب کے دو سو اونٹ گرفتار کر لئے تو ابرہہ کے پاس انہیں واپس مانگنے پہونچے۔ ابرہہ نے حیران ہوکر پوچھا تم اپنے اونٹ واپس

مانگ رہے ہو۔ کیا تمہیں کعبے کوئی فکر نہیں؟"

عبدالمطلب نے جواب دیا۔ "میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے تم سے مانگ رہا ہوں، کعبے کا مالک خود اللہ ہے وہ اسکی حفاظت کا بندوبست کرے گا۔"

ابرہہ نے اپنے زبردست لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اہل مکہ پہاڑوں کی طرف چلے گئے ہاتھی آگے بڑھے کہ کعبے کو مسمار کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے گھر کو محفوظ رکھا۔

حجر اسود۔ حجر اسود کے معنی کالے پتھر کے ہیں یہ کالے رنگ کا ایک پتھر ہے جو خانہ کعبہ کی دیوار کے ایک گوشے میں قدِ آدم بلند لگا دیا گیا ہے۔ خانہ کعبہ بیسیوں دفعہ گرا اور بنا کبھی سیلاب میں بہہ گیا اور کبھی آگ میں جل گیا اس بنیاد کا جو حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں پڑی تھی ایک پتھر بھی اس میں باقی نہیں۔ مگر اس عہد عتیق کی یادگار صرف یہی ایک پتھر رہ گیا۔ جس کو اہل عرب نے جاہلیت میں بھی بڑی حفاظت سے قائم رکھا اور ساڑھے تیرہ سو برس سے عہد اسلام میں وہ اسی طرح نصیب ہے یہ پتھر کعبے کے اس گوشے کی دیوار میں لگا ہے جس کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوں تو بیت المقدس سامنے پڑے گا۔ اور اسی لئے حجر اسود کے مقابل گوشے کا نام رکنِ شامی ہے۔ اس گوشے کی تخصیص سے بیت المقدس کی سمت کا اشارہ مضمر ہے اس گوشے میں اس پتھر کو لگانے سے مقصود یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے طواف کے شروع اور ختم کرنے کے لئے وہ ایک نشان کا کام دے۔ ہر طواف کے ختم کے بعد اس پتھر کو بوسہ دے سکتے ہیں۔ سینے سے بھی لگا سکتے ہیں ہاتھ یا کسی لکڑی یا کسی چیز سے اس کو چھو کر اس چیز کو چوم سکتے ہیں یہ نہ ہو تو اس کی طرف صرف اشارے پر بھی قناعت کر سکتے ہیں۔ یہ پتھر کہنے کو ایک معمولی پتھر ہے جس میں نہ کوئی آسمانی کرامت ہے نہ کوئی غیبی طاقت ہے صرف یادگاری پتھر ہے۔ مگر ایک مشتاق زیارت کی نگاہ میں اس تخیل کے ساتھ

کہ تمام دنیا بدل گئی، شہر مکہ کا ذرہ ذرہ بدل گیا۔ کعبے کی ایک ایک اینٹ بدل گئی مگر یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیمؑ خلیل اللہ سے لے کر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک کے مقدس لب یا مبارک ہاتھ بالیقین پڑے ہیں اور پھر تمام خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرام، ائمہ اعلام، اکابر اسلام اور حکمائے عظام کے ہاتھوں نے اسکو مس کیا ہے اور آج ہمارے گنہگار لب اور ہاتھ بھی اس کو مس کر رہے ہیں دل اور آنکھوں میں تاثیر اور کیفیت کی ایک عجیب لہر پیدا کر دیتا ہے اور یہاں پہ ہم مسلمان یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک پتھر ہے جس میں کوئی قدرت نہیں اور جیسا کہ بادۂ توحید کے ایک ہوشیار متوالے (حضرت عمرؓ) نے اس کو چوم کر کہا۔ اے کالے پتھر میں خوب جانتا ہوں کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے دیکھا تھا الغرض یہ بوسہ تعظیم کا نہیں بلکہ اس محبت کا نتیجہ ہے جو اس یادگار کے ساتھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی روحانی اولاد کو ہے ورنہ اگر کوئی نہ اس کو چھوئے اور بوسہ دے نہ اشارہ کرے تو اس سے اسکے ادائے حج میں کوئی نقصان نہیں آتا۔"

جس طرح ابرہہ نے کعبے کو نقصان پہونچانا چاہا اسی طرح ابو طاہر سلیمان ابن الحسن نے، جو فرقہ قرامطہ کا سردار تھا حجر اسود کو نقصان پہونچانے کی کوشش کی۔ وہ اپنے لشکر جرار کے ساتھ ۸ ذی الحجہ ۳۱۷ ہجری کو حرم میں داخل ہوا بقول سید علی شبیر "اہل شہر و مضافات کے تخمیناً تیس ہزار آدمی قتل کیے گئے خاص بیت اللہ میں سات سو طواف کرنے والے حاجی مارے گئے۔ چاہ زمزم لاشوں سے پٹ گیا۔ یہ سارے لوگ تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے ہلاک ہوئے ابو طاہر نے حاجیوں کا سامان، کعبے کا غلاف اور کعبے کا خزانہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا مال لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اور مقام ابراہیم و حجر اسود کو لے جانا چاہا، خدام کعبہ نے مقام ابراہیمؑ کو کہیں گھاٹی میں چھپا دیا تھا وہ نہ مل سکا۔ مگر حجر اسود کو اتار کے

نیوفنس ملٹی ۔ کیڑوں کوڑوں کی روک تھام کے لیے کس طرح استعمال کی جاتی ہے ۔

چھپے ہوئے مقامات پر اسے چھڑکیے ' مثلاً کونوں کھدروں میں ' سیلی ہوئی جگہوں پر اور دوسرے ان مقامات پر جہاں جراثیم چھپ جاتے ہیں ۔ جب ممکن ہو اسے چھڑکنے کے بعد سوراخوں کو بند کر دیجیے ۔

زہر ہے ۔ احتیاط کیجیے ۔ چھڑکتے وقت اپنے جسم کو اس سے الگ رکھیے ۔ اگر جسم پر لگ بھی جائے تو اسے صابن اور پانی سے دھو ڈالیے ۔ کھانے پر اسے مت چھڑکیے ۔ اس کے علاوہ پودوں ' جانوروں ' کپڑوں اور بستر کو اس سے بچائے رکھیے ۔ چھڑکنے کے بعد ہاتھ صابن اور پانی سے دھو ڈالیے ۔

۱۴ ذی الحجہ ۳۱۷ ہجری یکشنبہ کے دن عصر کے وقت جعفر بن علاج معمار نے ابو طاہر کے حکم سے اکھاڑا اور اس کی جگہ خالی رہ گئی طواف کرنے والے وقت طواف سے اسکی جگہ اپنا ہاتھ رکھ کر ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے اور یہ حالت بائیس سال تک یعنی حجر اسود کی واپسی تک قائم رہی :

۳۶۳ ہجری میں ایک دن دوپہر کے وقت جب گرمی کی شدت کی وجہ سے لوگ سو رہے تھے اور دو آدمیوں کے سوا اور کوئی طواف بھی نہیں کر رہا تھا، ایک شخص منہ پر کپڑا ڈالے تیز تیز قدم اٹھاتا حجر اسود کی طرف بڑھا اور کدال حجر اسود پر زور سے مارنے لگا جس سے حجر اسود کو خفیف سا نقصان ہوا۔ لیکن اتنے میں ایک یمنی نے جو طواف کر رہا تھا اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ وہ ایک رومی تھا اور حجر اسود کو نکال لے جانے کے ناپاک ارادے سے آیا تھا۔

اسی طرح کے اور واقعات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدس پتھر کو کئی مرتبہ گزند پہونچانے کی کوشش کی گئی۔

تزئین مولانا سلیمان ندوی کی رائے میں حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا۔ یمن میں خاص قسم کی چادریں بنی جاتی ہیں جن کو برد یمانی کہتے ہیں یہ پردہ انہی چادروں سے تیار کیا گیا تھا قصی بن کلاب کے زمانے سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا۔ خدا کا گھر سیم و زر کی نقش آرائیوں کا محتاج نہ تھا لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہیں اس لئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب خلیفہ ہوتے تو انھوں نے کعبے کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھائے۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانے میں ۳۶ ہزار اشرفیاں اس کام کے لئے بھیجیں۔ امین الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیاں۔ نسند کیس کہ دروازے کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوادی جائے

بیت اللہ کی تزئین و آرائش پر متعدد مسلمان فرمانرواؤں نے جتنی بہا رقم خرچ کیں اور سلسلہ اب تک جاری ہے سعودی عرب کی حکومت گذشتہ چند سالوں سے بیت اللہ اور مسجد الحرام کی تزئین پر لاکھوں پاؤنڈ خرچ کر رہی ہے۔

غلاف کعبہ۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب کعبے کی چار دیواری تعمیر کی تو اس پر کوئی غلاف نہ چڑھایا۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کعبے پر غلاف چڑھانے کا باقاعدہ انتظام اس زمانے میں ہوا۔ جب اسکی تولیت قریش کے حصّے میں آئی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی غلاف کعبہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

> "قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ جب حج کے بعد سب حاجی رخصت ہو جاتے تھے تو ۱۰ محرم کو کعبے پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ اسی طریقے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضؓ کے زمانے میں بھی عمل ہوتا رہا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں یوم عاشورہ پر غلاف چڑھانے کے علاوہ ایک غلاف عید الفطر کے موقع پر چڑھانا شروع کر دیا۔ یہ بات بھی روایات سے معلوم ہوتی ہے کہ زمانۂ اسلام میں سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے ریشمی غلاف بنوایا تھا، پھر یزید اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے اپنے زمانے میں اسکی تقلید کی اور عبدالملک بن مروان کے عہد سے یہی مستقل طریقہ بن گیا جو آج تک جاری ہے۔

۷۵۰ ہجری میں مصر کے فرمانروا الملک الصالح اسمٰعیل بن ناصر نے غلاف کعبہ تیار کرانا اپنے ذمے لے لیا اور اس غرض کے لئے تین گاؤں وقف کر دیئے۔ اس وقت سے موجودہ زمانے تک مصر ہی سے غلاف بن کر آتا رہا۔ مصر پر ترکی سلاطین کا قبضہ ہو جانے کے بعد سلطان سلیمان اعظم نے

کف الصاح کے اس وقف میں سات گاؤں کا اور اضافہ کر دیا اور اس عظیم وقف کی آمدنی سے ہر سال کعبے کا غلاف اور ہر پانچویں سال حجرۂ نبوی کے پردے اور منبر نبوی کا غلاف مصر سے بنا کر آنے لگا۔ مگر جب پچھلی صدی کے آغاز میں مصر کے وائسرائے محمد علی پاشا نے ترکی سلطنت سے بغاوت کر کے خود مختاری اختیار کر لی تو اس نے یہ وقف منسوخ کر دیا اور غلاف کعبہ حکومت مصر کے خرچ پر بنوا کر بھیجنا شروع کر دیا موجودہ صدی کے آغاز تک کعبہ دنیا کے سیاسی حالات سے غیر متاثر رہا، لڑائیاں ہوتی تھیں، سلطنتوں کے تعلقات بنتے اور بگڑتے رہتے، مگر کعبہ کے لئے غلاف جہاں سے آیا کرتا تھا وہیں سے آتا رہا، لیکن اس صدی کے آغاز میں دنیا کے سیاسی حالات اس پر بھی اثر انداز ہونے لگے جنگ عظیم اوّل میں جب ترکی سلطنت جرمنی کے ساتھ شریک جنگ ہوئی تو اسے اندیشہ ہوا کہ انگریز مصر سے غلاف کے آنے میں مانع ہوں گے اس لئے استنبول سے ایک نہایت شاندار غلاف بنوا کر حجاز ریلوے کے ذریعے سے مدینے بھیج دیا گیا مگر چونکہ مصر سے عین وقت پر غلاف پہنچ گیا تھا، اس لئے وہ ترکی غلاف مدینہ طیبہ میں محفوظ کر دیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں شریف حسین اور حکومت مصر کے تعلقات خراب ہو گئے اور مصری حکومت نے عین حج کے موقع پر جدّہ پہنچے ہوئے غلاف کو واپس منگوا لیا۔ خوش قسمتی سے اس وقت وہ ۔۔۔ غلاف کام آگیا جو جنگ کے زمانے میں ترکی حکومت نے مدینہ طیبہ بھیج رکھا تھا پھر ۱۹۲۵ء میں سلطان ابن سعود اور شریف حسین کی لڑائی کے زمانے میں مصر سے غلاف نہ آیا اور ابن سعود نے عراق کا بنا ہوا ایک غلاف چڑھا دیا۔ جو شریف حسین نے احتیاطاً بنوا کر رکھ چھوڑا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں ٹھیک یکم ذی الحجہ کو حکومت مصر نے غلاف بھیجنے سے انکار کر دیا اور ابن سعود کو فوراً مکے میں ایک غلاف بنوانا پڑا پھر ۱۹۲۸ء میں بھی مصری غلاف نہ آیا اور امرتسر سے مولانا داؤد غزنوی اور مولانا اسمٰعیل غزنوی کے اہتمام کے اہتمام میں غلاف بنوا کر بھیجا گیا۔ ان تجربات کی بنا پر اسی زمانے میں مکہ معظمہ کے اندر ایک دارالکسوۃ قائم کر دیا گیا تھا تاکہ مصر سے آئے دن غلاف نہ آنے کی مصیبت کا مستقل علاج کر دیا جائے۔

مرکزِ ملّت ۔ معمارِ حرم، حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے مکے میں اللہ کے جس گھر کی بنیاد رکھی تھی، توحید کی شمع روشن کی تھی اور اس گھر کو لوگوں کے اکٹھے ہونے کے لئے امن و سلامتی کا مقام بنا دیا تھا۔ یہی گھر تھا جس سے اللہ کا نام بلند ہوتا تھا سارے عرب میں اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں نے تعلیم ابراہیمیؑ یعنی توحید کو فراموش کر دیا تھا، چنانچہ رسول اکرمؐ کی بعثت کے وقت حالت یہ تھی کہ کعبہ بتوں کی پرستش گاہ بن چکا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر دنیا کو درسِ توحید دیا اور کعبے کو بتوں کی لعنت سے پاک کر کے مرکزِ ملت بنا دیا۔ کعبہ کئی مرتبہ گرا اور از سرِ نو تعمیر ہوا لیکن اس کی مرکزی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا جب تک مرکزِ ملت قائم ہے مسلمانوں کی پیشانیاں اس کی سمت جھکتی رہیں گی وہ اس مقدس گھر کا طواف کرتے رہیں گے سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہو کر قربانی دیتے رہیں گے اور اللہ کا نام بلند ہوتا رہے گا۔

جس ملت کا کوئی مرکز نہ ہو، اس کی عظمت برقرار نہیں رہتی اس میں وحدت فکر اور ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی اس کا قومی شیرازہ بکھر جاتا ہے

میں
تو بھی
خریدلائی
لی جیولری
کے دلکش زیورات جن پر سائنٹفک طریقے
سے سونے کا ورق چڑھایا جاتا ہے اور جنکی چمک
دمک سالوں برقرار رہتی ہے ۔
مجھے اتنے پیارے لگتے ہیں کہ
جب میں خریدنے جاتی ہوں
ڈھیروں خریدلاتی ہوں ۔ یہ قیمت میں
الص سے بھی کم ہیں اور ہزاروں
نئے نئے ڈیزائنوں میں ملتے ہیں
آپ بھی خریدیئے
یہ میری طرح
آپ کے حسن و خوبصورتی کو نکھار دیں گے
اور آپ کی شخصیت کو دوبالا بنا کر
جاذبِ نظر
بنا دیں گے
فیاض اینڈ کمپنی
حسرت موہانی روڈ کانپور
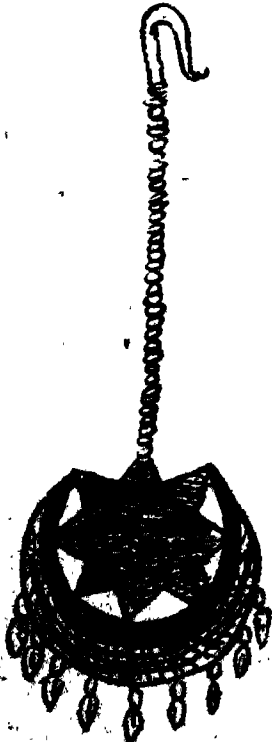
فغانِ درویش

بارگاہِ ربّ العزّت میں مسلمانانِ عالم کا استغاثہ

(طیش صدیقی)

یا خداوندِ جہاں، مالکِ ہر جاہ و حشم
صانعِ صنعتِ کل، صاحبِ قرطاس و قلم
فاطرِ ارض و سما، خالقِ اربابِ ہمم
ربِّ ہارونؑ و براہیمؑ و کلیمؑ و آدمؑ

ہے یہ تسلیم کہ مجرم ہیں، خطاوار بھی ہیں
بے سہارے بھی ہیں، بے کس بھی ہیں بیمار بھی ہیں
کاروبارِ عمل و علم سے بیزار بھی ہیں
اس پہ دعوٰے ہے کہ ہم تیرے پرستار بھی ہیں

در پہ آئے ہیں ترے ہم غمِ حالات لئے
دل میں امیدِ کرم، لب پہ مناجات لئے

ناز ہے ترے محبوب کی امت میں تو ہیں
خادمانِ شہِ لولاک کی ملت میں تو ہیں

کون ہے لائقِ ہر حمد و ثنا تیرے سوا
کس میں ہے بندہ نوازی کی ادا تیرے سوا
کس نے اُس ذات کو مبعوث کیا تیرے سوا
کوئی بھی جس کو نہ پہچان سکا تیرے سوا

کبریا اپنی محبت کی ادا کا صدقہ
کارسازا! نگہِ کارکشا کا صدقہ
بے نیازا! کرمِ بیش بہا کا صدقہ
دامنِ لطفِ شہِ ہر دوسراؐ کا صدقہ

رنگ میں رنگ ترا، بو میں تری ہی بو ہے
مختصر یہ کہ خداوندِ محمدؐ تو ہے

ہم کو خوش بختیٔ دارین عطا فرما دے
اور کچھ دے کہ نہ دے چین عطا فرما دے

درد و آلام کی تصویر دکھائیں کس کو
قصۂ گردشِ ایام سنائیں کس کو
قلبِ مضطر کا ہے جو حال بتائیں کس کو
بے نوائی میں اگر دیں تو صدائیں کس کو

دیکھ! مجبور و پریشان و زبوں حال ہیں ہم
بے سر و ساز ہیں، محروم پر و بال ہیں ہم
ربِّ کعبہ! تری عزت، ترا جلال ہیں ہم
پھر بھی دنیا میں تری خستہ و پامال ہیں ہم

کون سنتا ہے بجز تیرے فغانِ درویش
[illegible]

ایک دو داغ اگر ہوں تو دکھائے کوئی
[illegible]

قبضۂ جور میں ہے مسجدِ اقصیٰ کی زمیں
ہے تسلّط میں جفا کے حرمِ ثالث دیں
پائے نفرت پہ ہے اربابِ محبت کی جبیں
حادثہ یہ بھی قیامت سے کوئی کم تو نہیں

دشت و در شرقِ وسطیٰ کے بنے ہیں مقتل
خوں میں بھیگے ہیں نگارانِ عرب کے آنچل

تنگ و تاریک ہے ستوں پہ ترے ، بزمِ وجود
ہے کہیں شورِ نصاریٰ تو کہیں شرِّ یہود
کچھ نہیں مصر و فلسطین و یمن تک محدود
ہند میں بھی ہے کمینوں کی جماعت موجود

شر ہے سرگرم ، شرافت کو دبانے کے لئے
کفر بیتاب ہے ایماں کو مٹانے کے لئے

گوڑسے زادوں کی ٹولی ہو کہ دایانوں کی
روحِ رقصاں ہے ہر اک میں شیطانوں کی
غیر جیبوں کی یہاں ہے نہ گریبانوں کی
جان ارزاں ہے ترے سوختہ سامانوں کی

قالبِ خستہ میں رستے ہوئے ناسور بھی ہیں
سانحہ سینائی کے رانچی و جبلپور بھی ہیں

واقفیت نہیں تاریخ سے ناداں کو کچھ
علم و حکمت سے غرض کچھ نہیں شیطانوں کو
ہے حماقت کہ ستاتے ہیں مسلمانوں کو
صف میں بت خانوں کی لاتے ہیں خدا خانوں کو

دینِ توحید کی بنیاد ہی ڈھاتے ہیں خبیث
سنگِ اسود پہ بھی الزام لگاتے ہیں خبیث

ہے لعینوں کو ترے نام سے نفرت یارب
اہلِ اسلام سے ہے ان کو عداوت یارب
ہے انھیں ملّتِ بیضا سے کدورت یارب
نور ہے اُن کے لئے موجبِ وحشت یارب

چاہتے یہ ہیں کہ دُنیا میں اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ ظلم و جہالت کا بسیرا ہو جائے

یا خدا ! بے کس و مظلوم رہیں گے کب تک
نام لیوا ترے معتوب رہیں گے کب تک
ہم ترے فضل سے محروم رہیں گے کب تک
دشمنوں کے ترے محکوم رہیں گے کب تک

آس لائی ہے کرم کی ترے در پہ ہم کو
اپنی رحمت کے لئے تھام لے بڑھ کر ہم کو

تیرہ باطن ہے جہاں اہلِ یقیں ہیں ہم لوگ
اس خرابہ میں خرابات نشیں ہیں ہم لوگ
حافظِ حرمتِ قرآنِ مبیں ہیں ہم لوگ
دین و آئینِ محبت کے امیں ہیں ہم لوگ

درس تعمیر کا لیتا ہے زمانہ ہم سے
زندگی نور فشاں ہے تو ہمارے دم سے

مٹ گئے ہم تو ترا نام نہ لے گا کوئی
تیری بخشش ، ترا انعام نہ لے گا کوئی
میکدے سے ترے پھر جام نہ لے گا کوئی
ساغرِ بادۂ اسلام نہ لے گا کوئی

کون ہے نام ، جو آئینِ وفا کا لے گا!
کس میں یہ دم ہے کہ سر دے کے جو ٹالے گا؟

جانِ رحمتؐ کی زباں پر جو دعا آئی تھی!
خلقِ جاں بخش نبوت میں جو لہرائی تھی!
بدر میں جس سے مسرت کی گھٹا چھائی تھی!
عشق نے جس سے نئی تاب و تواں پائی تھی!
ہم کو صدقے میں اسی پاک دعا کے یارب
پھر عطا کر سروسامان بقا کے یارب

جمع ہو جائیں پھر اک مرکزِ تنظیم پہ ہم
بہرِ تعمیر، لئے جذبۂ پاکانِ حرم
راہِ اخلاص و وفا میں ہوں محبت کے قدم
سر پہ ہو سایہ فگن سبز ہلالی پرچم!
عازمِ شوق ہو پھر قافلۂ صدق و صفا
تھرتھرانے لگے تکبیر کے نعروں سے فضا

یا خدا! گنبدِ خضرا کے مکیں کا صدقہ
سیر فرمائے سرِ عرشِ بریں کا صدقہ
اور آرام گہِ سرورِ دیں کا صدقہ
اس کے ہر ذرہ پہ نورِ جبیں کا صدقہ
روشنی بخش دے ایمان و یقیں کی ہم کو
تابِ پرواز دے جبریلِ امیںؑ کی ہم کو
دے ہمیں جذب اویسیؓ و بلالیؓ یارب
در پہ آئے ہیں ترے بن کے سوالی یارب

ہم کو صدیقؓ کے صدقے میں صداقت دیدے
واسطہ سطوتِ فاروقؓ کا سطوت دیدے
فیضِ عثمانِ غنیؓ شانِ سخاوت دیدے
پھر بازوئے علیؓ نازِ شجاعت دیدے
سازِ خاموش کو سوزِ ازلی دے یارب!
شورشِ قلبِ حسینؓ ابنِ علی دے یارب!

ہم اولوالعزمی و ہمت کے نشاں بن جائیں
امن و ایثار و اخوت کے نشاں بن جائیں
اپنے اجداد کی غیرت کے نشاں بن جائیں
اپنے آبا کی حمیت کے نشاں بن جائیں
ہم کو اسلاف کی پہچان بنا دے یارب!
پیروِ بوذرؓ و سلمانؓ بنا دے یارب!

پھر پلا بادۂ سرجوش کا ساغر ہم کو
مستیٔ جاں دے پئے ساقیٔ کوثر ہم کو
کر عطا خالدؓ جانباز کا جوہر ہم کو
جذبۂ طارقؒ بے باک عطا کر ہم کو
قوتِ غزنوی و جرأتِ ایوبی دے
جو بزرگوں میں ہمارے تھی وہی خوبی دے
کر عطا حکمتِ رازیؒ و غزالیؒ یارب
اب یہاں سے تو نہیں جائیں گے خالی یارب

تیری چوکھٹ سے بھی محروم اگر جائیں گے
نام لے کر ترا، دنیا سے گزر جائیں گے

سلیمان سالک

جناب سالک کانپوری کانپور کے ایک مایۂ ناز شاعر ہیں "رنگ سنگ" کے صفحات پر آپ پہلی بار اپنی تازہ ترین تخلیق "شکست" کے ساتھ جلوہ گر ہو رہے ہیں موصوف نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے ہوسکتا ہے کہ بعض قارئین ان سے متفق نہ ہوں، لیکن ان اشعار میں آپ نے جس واردات قلبی کو پیش کیا ہے اس کی شدت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۱)

وہ نغمۂ شب کا کیف گیا، وہ صبح طرب کے گیت گئے
وہ لطف کی باتیں ڈوب گئیں، وہ روز خوشی کے بیت گئے

اے جان تمنا! کھل کر ہم اظہار ندامت کرتے ہیں
اس سعی و عمل کی بازی میں ہم ہار گئے تم جیت گئے

(۲)

یہ لوٹ ہی تھی اس طرح کی جو قزاق زمانہ لوٹ گیا
ہمت تو بہت کچھ کی ہم نے مگر پھر حوصلۂ دل ٹوٹ گیا

بے تاب جنوں، بے صبر فغاں، بے ہوش خرد، بے صوت زباں
ماحول اس غمناکی میں امید کا داماں چھوٹ گیا

(۳)

امید کا تارا ڈوب گیا، ہمدردی قسمت چھوٹ گئی
اب زہر کا ساغر پینا ہے مینائے محبت پھوٹ گئی

تسکین کسے دوں صبر کسے آنکھوں کو سنبھالوں یا دل کو
سیلاب میں بیڑا غرق ہوا، طوفان میں ہمت ٹوٹ گئی
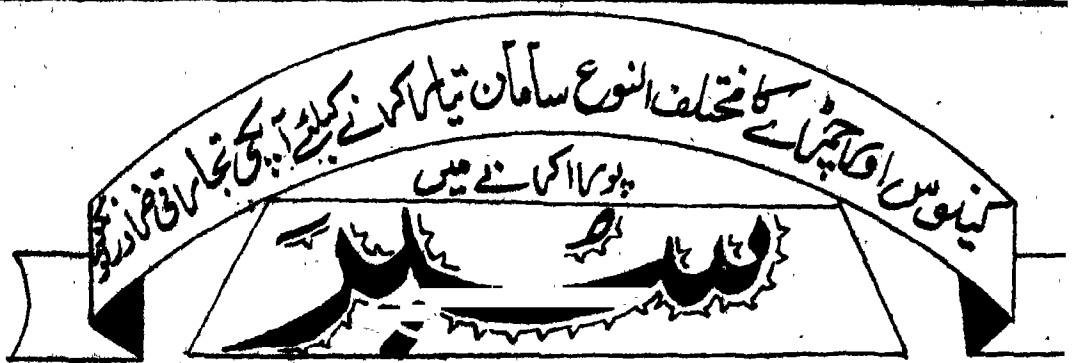
افسانہ

سردخانہ

عذرا بخاری
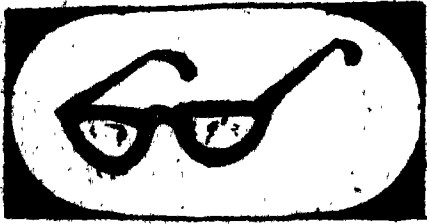
پھولی کو کدّو پسند نہ تھا۔ کھانے کے وقت اس نے چار آنے چھنّو کو دے کر کہا۔ "جا ری چار سیخ کباب لے آ۔ اور دیکھ میری بہن ذرا جلدی آنا بس ہوا کی طرح جاؤ اور گولی کی طرح واپس آجاؤ۔ میں گھڑی دیکھتی ہوں۔ پانچ منٹ میں آگئی تو آلوچے کھانے کو اکنّی دوں گی۔" آلوچے ـــ چھنّو نے زبان منہ میں گھمائی اور پھولی کے سامنے وہ ہوا ہو گئی ـــ لیکن گلی کا موڑ کاٹتے ہی جب کھلے میدان میں پہونچی تو اس کی رفتار سست ہو گئی۔ سامنے ہی پانچ سات لڑکیاں دائرہ بنائے کوئلا چھپا کی کھیل رہی تھیں۔ انہیں کھیلتے دیکھ کر چھنّو کے منہ میں پانی بھر آیا اس نے سوچا پانچ منٹ تو بہت وقت ہوتا ہے اور کبابوں کی دوکان یہ سامنے ہی تو ہے۔ اگر دو تین منٹ کھیل لوں تو پھر بھی ٹھیک وقت پر گھر پہونچ جاؤں گی اور اکنّی بھی جیت لوں گی چنانچہ وہ یہ کہہ کر "بس دو منٹ کے لئے کھیلوں گی" کھیل میں شریک ہو گئی اسی وقت فوضی نے اسے جا نکالا ـــ اچھا تو تو یہاں کھیل رہی ہے اور پھولی چڑیل گھر میں تیرا انتظار کر رہی ہے ٹھہر میں ابھی جا کر بتاتی ہوں۔" جا بتا دے"۔ چھنّو نے بے پروائی سے کہا۔ "میں بھی بتا دوں گی کہ تو اسے میدان میں کھڑے ہو کر چڑیل کہہ رہی تھی۔ فوضی قائل ہو گئی، اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے برف کے گولے کو اطمینان سے چوستے ہوئے اس نے کہا" اچھا تو پھر مجھے بھی کھیل میں شریک کر دے ـــ" آجاؤ پر ایک شرط ہے۔ ایک دفعہ مجھے برف کا گولا چوس لینے دو ـــ چھنّو نے ہلکا سا چٹخارا لے کر کہا ـــ فوضی فوراً مان گئی۔ چھنّو نے گولے کو منہ میں پکڑا تو تنبیہ کے طور پر بولی۔ دیکھ بہن! بس چوسنا کاٹ مت کھانا" ـــ اوں ہوں ـــ چھنّو نے ایک طویل سانس لے کر برف کا گولا چوسا۔ پھر دونوں کھیل میں شامل ہو گئیں جانے چھنّو کب تک کھیلتی رہی۔ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے تب اسے کباب یاد آئے۔ مگر تب تک وہ بہت تھک چکی تھی اور بھوک بھی خوب زوروں سے لگ رہی تھی اور اب اسے کبابوں کی دوکان بہت دور لگی۔ وہاں تک کون جائے اس نے فوضی سے پوچھا "کیوں ری کھا نا کھا چکی تو ـــ ہوں" ـــ فوضی نے سر ہلا دیا اور فوضی کے بھرے پیٹ کا خیال کر کے اسے اور بھی زیادہ بھوک محسوس ہوئی ـــ صبح کے کھائے ہوئے ایک کلچے کا اب پیٹ میں کہیں پتہ نہ تھا ـــ وہ کوئی ایسی ترکیب سوچنے لگی جس سے وہ بغیر کبابوں کے گھر پہنچ کر مار سے بچ جائے اچانک سامنے سے عورتوں کے ایک لدے پھندے تانگے کو دیکھ کر خوشی سے اسکی باچھیں کھل گئیں۔ فوضی کے ہی ہیں کہنے کے باوجود جو چھوٹ باندھ کر وہاں سے بھاگی ہے تو مکان کے دروازے پر پہونچ کر بھی دم نہ لیا بھڑے ہوئے دروازے کو دھکّا مارا، واقعی گولی کی طرح زن سے ڈیوڑھی کو پار کر کے صحن میں جا گری اس وقت ماں جی کچن کے دروازے میں بیٹھی، روٹی کے آخری نوالے

کو بڑی احتیاط سے سالن کی کٹوری میں گھما رہی تھی۔ اسے دیکھ کر غصے سے بولیں "اے ہے کیا آفت ہے حواسوں میں تو ہو کیا باؤلے کتے نے کاٹ کھایا ہے"۔

ماں جی کی بات کو نظر انداز کر کے وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "ماں جی — تانگہ — عورتیں — ہاں — عورتیں" "کیسی عورتیں —" ماں جی نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔ پھر جیسے کچھ یاد آگیا انہیں — تیزی سے اٹھیں تو کٹوری دور جا گری۔ مگر گھبراہٹ میں انھوں نے اس طرف توجہ نہیں دی اور چھوٹی اور بڑی کو آوازیں دینے لگیں۔

چھوٹی اور بڑی ماں جی کی آواز پر باہر نکل آئیں چھنو کو دیکھ کر چھوٹی کا خون کھولنے لگا۔ غصے میں مارنے کو بڑھی تو ماں جی کے منہ سے "عورتوں" کا لفظ سن کر وہ بھی ٹھٹک گئی — اس گھر میں بھلا اس سے زیادہ اور کس کو ان عورتوں کا انتظار رہتا تھا۔ ہاں اس نے اطمینان کا ایک لمبا سانس کھینچا اور اسے یوں لگا جیسے یہی وہ آخری عورتیں ہیں جن کے ساتھ رضیہ کا ڈولا اس گھر سے روانہ ہوگا۔ چھنو کی طرف دیکھ کر اس نے بڑی مستعدی سے کہا۔ "اری چڑیل اندھی، دیکھتی نہیں ڈیوڑھی کا دروازہ کیسے چوپٹ کھلا ہے، چل بند کر اسے"۔ چھنو نے دوڑ کر دروازہ بند کر دیا — اب گھر میں عجب سی بھگدڑ مچ گئی تھی۔ جلدی جلدی تختوں کی میلی چادریں بدل گئیں پلنگوں پر بھی نئی چادریں ڈال گئیں اور ان چادروں کے نیچے تیل بھرے تکئے چھپائے گئے کمروں کے اندر بکھری ہوئی مختلف چیزوں کو جلدی جلدی اٹھایا گیا۔ مثلاً ٹوٹی پیالیاں، میلے تولئے، گندی صابن دانیاں، ٹوٹے دانتوں والی کنگھیاں، بدبودار موزے، ٹوٹے ہوئے کھلونے۔ ان چیزوں کو کہیں نہ کہیں چھپا دیا گیا۔

رضیہ نے گھر میں یہ اہتمام دیکھا تو جھٹ غسلخانے میں جا کر اس نے ہاتھ منہ دھویا، کپڑے بدلے، چنٹوں والا دوپٹہ لیا۔ بال ٹھیک کئے۔ ہلکی سی لپ سٹک لگائی پھر چھنو کو آواز دی — "کہاں دیکھا تھا تانگہ تو نے —" رضیہ نے پوچھا۔ "ادھر میدان میں —" چھنو تھوڑا سا بوکھلا گئی۔ "اچھا اچھا سمجھ گئی" رضیہ بولی "بھلا کتنی عورتیں تھیں ؟" "— کیا معلوم تانگہ بھرا پڑا تھا۔ کچھ بچے بھی تھے" "وہ تو ہوتے ہی ہیں۔ تو یہ بتا دیکھنے میں عورتیں کیسی تھیں فیشن ایبل سی تھیں — ہے نا —!؟" "آں — ہاں سب سفید براق سے برقعے اوڑھے رکھے تھے سب نے" — چھنو نے ذرا سوچ کر جواب دیا — "کیا سب کم بختیں بوڑھی تھیں ؟ —" رضیہ نے چونک کر پوچھا — "اوں۔ ہوں۔ جوان بھی تھیں۔ ایک تو تانگے ہی میں بیٹھی بچے کو دودھ پلا رہی تھی —" "ہشت چل بھاگ" رضیہ کا دل اندر ہی اندر جیسے بیٹھ سا گیا تھا۔ وہ تو ایسے گھرانے میں ہرگز کبھی شادی نہ کروائے گی، جہاں عورتیں سفید کفن اوڑھے پھرتی ہوں۔

ماں جی اپنے میلے چیکٹ کپڑے بدل کر غسلخانے سے نکلیں تو انھوں نے چھنو کو آواز دے کر پوچھا "اے چھنو کی بچی کہاں دیکھا تھا تانگہ تو نے ! ابھی تک پہونچے ہی نہیں پائیں" "میدان کے پاس" — چھنو نے مدھم آواز میں جواب دیا — "میدان کے پاس؛ اب تک تو انہیں دس بار آ چکنا چاہیئے تھا —" "وہی میں سوچ رہی ہوں" چھوٹی بولی — "مجھے اچھی طرح معلوم بھی تھا کہ وہ ادھر آ رہی ہیں —" "آں — ہاں — انھوں نے مجھ سے گھر کا پتہ جو پوچھا تھا" — چھنو اٹک رہی تھی — "اچھا —" بڑی نے فوراً فومی کو آواز دی — "جا ری ذرا گلی میں دیکھ کہیں بھول کر کسی اور کے گھر تو نہیں چلی گئیں" — فومی جو اب تک اس ہنگامے کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی فوراً بولی — "اماں یہ سب جھوٹ ہے۔ وہ تانگہ تو کب کا کشمیری محلے کی طرف مڑ کر چلا گیا تھا۔ اور اس تانگے میں

ڈھینٹ ہو بیٹھی تھی۔ دہی جو اچار بیچتی ہیں میں نے خوب اچھی طرح اسے دیکھا تھا۔ تو اب تک بکا کیوں نہیں تھا۔ بڑی غصے سے بولی " تیرا بیڑا غرق ہو"۔ ماں جی چھنو کو مارنے تو چکیں۔ مگر چھوٹی پہلے ہی اسے قابو میں لے چکی تھی اسے دہرا غصہ چڑھا تھا۔ اس دن وہ چار چوٹ کی چھنو کو بڑی کس مپرسی سے "جان بچ گئی" دوپہر اور شام کا کھانا بنا۔ چھوٹی نے ہانپتے ہوئے ساری دوپہر بیٹھے ہوئے صحن میں چھنو کھڑی سسکیاں بھرتی رہی۔ آخر بڑی دیر بعد بڑی کی ممتا اچھلی تو ہاتھ پکڑ کر کچن میں لے گئی۔ منہ دھلایا۔ پھر کھانا نکال کر دیا۔ چھوٹی نے سنا تو غصے میں پھر پھٹنے لگی۔ "ایک ڈانٹے تو دوسرا خوشامد اور چونچلے کرنے لگتا ہے تبھی تو وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔ نوکر کی ذات کو جوتی تلے ہی رکھنا چاہیئے۔ پیار محبت سے پیش آؤ تو سر پر کودنے لگتا ہے۔ بڑی نے تڑخ سے جواب دیا "کافی تو سزا دے بیٹھیں کیا اب جان لے کر چھوڑنا تھا۔ بچی ہے دھوپ میں کھڑی بیمار ہو گئی تو اپنے کو ہی دیکھ بھال کرنی پڑے گی"۔ شاید کچھ دیر تک دونوں کی زبانیں چلتیں مگر احمد بھائی آ گئے تو دونوں خاموش ہو گئیں۔

فضل دین جب میاں جی کے پاس آیا تو اس کے پاس پیٹ بھرنے کا کوئی مستقل آسرا بھی نہ تھا۔ رات فٹ پاتھ پر بسر ہوتی تھی اور دن مزدوری کرنے یا مزدوری ڈھونڈنے میں گذر جاتا تھا۔ میاں جی نے ترس کھا کر اسے دوکان میں رہنے کو جگہ دے دی۔ پھر اپنے آپ ہی وہ کام کرنے لگا۔ سکان سے کھانا لا دیا۔ آہستہ آہستہ کھانا بھی میاں جی کے ہاں سے ملنے لگا اور میاں جی جو خود کسی وقت میں ڈرائیور رہ چکے تھے اسے ڈرائیوری سکھانے لگے۔

فضل دین ڈرائیوری سیکھ گیا تو میاں جی کی وساطت سے ہی اسے بس ٹرانسپورٹ میں ملازمت مل گئی۔ کچھ پیسے جمع ہوئے تو میاں جی نے اس کی شادی بھی کر دی۔ فضل دین بہت خوش تھا اور میاں جی کا احسان مند۔ چند سال خوب گذرے لیکن پھر فضل دین کی صحت گھٹنے لگی۔ ڈرائیوری کا سخت کام اس سے نہ ہوتا تھا۔ مگر اس کام کے علاوہ وہ کوئی اور کام جانتا نہ تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ فضل دین کو دق ہو گئی۔ چار مہینے اسپتال میں کاٹ کر وہ گھر آیا اس نے بس کی نوکری چھوڑ دی اور ٹیکسی ڈرائیور بن گیا۔ مگر جلد ہی اس کی عارضی صحت کا خاتمہ ہو گیا اور دو ماہ کی بیماری کے بعد وہ جاں بحق ہو گیا۔ اس وقت اس کے پانچ بچے تھے۔ جن میں سب سے بڑی لڑکی چھنو کل آٹھ سال کی تھی۔

فضل دین کوئی پونجی چھوڑ کر نہیں مرا تھا۔ سہارا دینے والا کوئی ہمدرد عزیز بھی موجود نہ تھا۔ مجبوراً دل پر پتھر رکھ کر چھنو کی ماں نے چھنو کو میاں جی کے سپرد کر دیا

اس وقت تک میاں جی کی حیثیت گھر میں ایک حاکم سے احمق بڈھے کی صورت اختیار کر چکی تھی ان کے لڑکے احمد کی دو بیویاں تھیں۔ یہ دونوں آپس میں خوب لڑتیں۔ ساس سسر سے بد لحاظی سے پیش آتیں اور نند سے خار کھاتی تھیں۔ بڑی کے چار بچے تھے۔ مگر چھوٹی بے اولاد تھی۔ گھر کا ماحول کچھ ایسا تھا۔ جیسے کوئی ریاست بغیر کسی راجے یا نواب کے ہو۔ ہر کوئی من مانی کرتا۔ چونکہ دوکان مندے میں جا رہی تھی اس لئے گھر کی مالی حالت بھی کمزور ہو چکی تھی

چھنو کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے میاں جی نے اس کی ماہانہ تنخواہ آٹھ روپے مقرر کر دی ..... اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے یہ بھی کہا کہ چھنو اس گھر میں نوکر کی حیثیت سے نہیں بیٹی کی حیثیت سے رہے گی۔ اسے پڑھایا لکھایا بھی جائے گا۔ مگر یہ بات میاں جی نے کی تھی اور وہ گھر میں بے وقوف بڈھے کے خطاب سے نوازے جاتے تھے۔

گھر میں چھنو کو بہت سے کام کرنے پڑتے تھے۔ آٹا گوندھنا۔ سبزی بنانا۔ جھاڑو دینا۔ برتن صاف کرنے بچوں

شگفتہ پھولوں کی طرح
تمام دن تر وتازہ رہنے
کے لئے اصغر علی محمد علی
تاجران عطر لکھنؤ
کے
مشہور عالم
عطریات
اور
روغنیات
استعمال کرنے
کو ترجیح دیجئے
عطریات اور روغنیات
کی خریداری
میں احتیاط
ضروری
ہے
خریداری کے وقت اس
بات کا پورا خیال رکھنا ضروری
ہے کہ آپ پوری قیمت کی چیز
پا رہے ہیں اسلئے ہر قسم کے
عطریات اور روغنیات
آپ ہماری دکان
سے ہی خریدیں
ہماری دکان کے
عطریات روغنیات
اپنی پاکنگ کے لئے
مشہور ہیں
حاجی احسان الٰہی
محمد آفاق
پرفیومرس و جنرل مرچنٹ
حسرت موہانی روڈ
کانپور
فون ۶۸۷۶۵
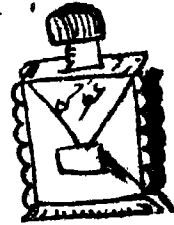
سے کپڑے دھونے۔ بازار سے چیزیں لانا بچّے کو کھلانا پاؤں دبانا وغیرہ وغیرہ ان کاموں میں پڑھنے لکھنے کی اسے فرصت کہاں ملی تھی اور پھر میاں جی کے منہ سے نکلی ہوئی یہ بات کسی کو یاد بھی تو نہ رہی تھی ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو چھنو کی ماں کے ہاتھ پر آٹھ روپے رکھ دئے جاتے اور یہ آٹھ روپے مفت میں تو نہیں دئے جاتے تھے نا؟

چھنو کی ماں کو چھنو کو اسکول میں پڑھانے کی بڑی حسرت تھی لیکن حالات بدل چکے تھے۔ جب وہ چھنو کو دیکھنے آتی۔ اسے پھٹے حالوں دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتی اس کے جگر کا ٹکڑا جس کے ابھی کھیلنے کودنے کے دن تھے کس طرح کولہو کا بیل بن گیا تھا کبھی کبھی وہ شکایتاً ماں جی سے کہہ دیتی"ماں جی اسکے نہانے دھونے کا خیال رکھا کیجئے۔ دیکھئے تو بال کیا چیل کا گھونسلا ہو رہے ہیں" اے واہ تو کیا سمجھتی ہے روز نہانے کے لئے ڈانٹ پڑتی ہے۔ مگر یہ تو جیسے پانی سے ڈرتی ہے۔ سامنے کھڑی ہے پوچھ لو کبھی تو تنگ آکر میں خود بال دھو دیتی ہوں۔ کنگھی سے صاف بھی کرواتی ہوں"۔ ماں چپ ہو جاتی۔ وہ چھنو کو یہاں سے لے جا بھی سکتی تھی۔ مگر بیٹی کی ذات کس کے بھروسے اور اعتبار پر چھوڑتی صبر کا گھونٹ پی کر اور سینے پر پتھر رکھ کر وہ گھر لوٹ جاتی اور چھنو پھر انہیں کاموں میں جٹ جاتی میلے کپڑوں کا ڈھیر، سڑے برتنوں کا انبار۔ اور سب سے بڑھ کر بڑی کی گود کا بچّہ تھا۔ جس سے وہ سخت بیزار تھی۔ سوکھی ٹانگوں اور بڑے پیٹ والا یہ بچّہ تو اس کے لئے پیر تسمہ پا ہو گیا تھا ہر وقت اسکے گلے کا پھندا بن کر لٹکا رہتا۔ وہ تو بھلا ہو رضیہ آپا کا اور چھوٹی کا اس سے اس کی گلو خلاصی کروا دیتی تھیں "اے واہ چھنو کوئی بڑی کی نوکر تو نہیں ہے۔ وہ کوئی اپنے پلے سے اس کی تنخواہ نہیں دیتی ہیں ہمیں بھی کام ہوتا ہے۔ چل ری چھنو ادھر آ" — چھنو اس ماحول کی عادی ہو چکی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ کب کس کا کہنا ماننا چاہئے..... اور کب نہیں ماننا چاہئے..... چنانچہ بڑی کی چیخ پکار کو ان سنا کر کے بچّے کو پٹخ کر یہ جا وہ جا غائب ہو جاتی۔ اس وقت بڑی کا دل چاہتا اس بے مروّت نوکرانی کو کچّا چبا ڈالے مگر مجبور تھی اس گھر میں جہاں ہر کوئی حاکم وقت تھا۔ وہاں بھلا ایک اکلوتا نوکر کس کس کا رعب مانتا۔ دل میں کڑھتے ہوئے چھوٹی اور رضیہ کو منہ بھر بھر گالیاں دیتی لیکن رات کو جب وہی چھنو پاؤں دباتے ہوئے دن بھر کی جمع کی ہوئیں آس پڑوس کی افواہیں سناتی تو وہ سب بھول جاتیں۔ چھنو کی بدتمیزی بھی قطعاً یاد نہ رہتی۔ اس سے سر جوڑ کر یوں رازداری کی باتیں کرتیں۔ جیسے چھنو ان کی ٹانگ برابر چھوکری نہ تھی بلکہ بڑی کا بیتا عورت ہو — چھنو کے منہ میں تو ویسے بھی زبان کی جگہ کترنی رکھی تھی۔ خوب مزے لے لے کر باتیں کرتی

کبھی منظور سے کی بھاگی ہوئی بیٹی کا ذکر ہوتا کبھی سامنے کی گلی میں پولیس کے چھاپے کی کہانی دہرائی جاتی اور کبھی اللہ دی دائی کی گرفتاری کی بات چلتی۔ اور جب آس پاس کے اسکینڈل ختم ہو جاتے تو بڑی کہہ دیتی — "اے تیری یہ رضیہ آپا ہر وقت بنی ٹھنی اپنے کمرے میں گھسی کیا کرتی رہتی ہے" — "میں کیا جانوں" چھنو ذرا سا چونک کر مکاری سے کہتی — "چل جھوٹی ساری دوپہر اس کے کمرے میں گھسی باتیں شکاتی ہے کھٹی کھٹی ہنستی ہے اور کہتی ہے میں کیا جانوں"

سارے گھر میں صرف رضیہ نے میٹرک تک تعلیم پائی تھی۔ اس لئے اسے اپنے تعلیم یافتہ ہونے کا بڑی شدت سے احساس تھا۔ اپنی جاہل بھاوجوں میں گھل مل کر بیٹھنا ان کی بہتی ناک والے بدتمیز بچوں کو اٹھانا پیار کرنا اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ البتہ چھنو سے اس کی بھی خوب چھنتی تھی اکثر چھنو اسکے کمرے میں گھسی رہتی۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے خوشبوؤں میں بسی جب بھی وہ اپنی بھاوجوں کے قریب سے گذرتی۔ تو وہ دیر تک اسکے پیچھے نتھنے پھلاتی رہتیں

اور بڑی نے تو باقاعدہ اس خوشبو کے پیچھے کسی بھید کو معلوم کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

چھنو نے بڑی کی دلچسپی کو محسوس کیا تو بولی ــــ "کیا پتہ، خوشبو لگتا ہے پاؤڈر تھا ــــ اپنے کمرے کی کھڑکی میں لدی رہتی ہے ا ــــ

"کھڑکی میں؟" بڑی اچھل پڑی ــــ "ہوں میں تو پہلے ہی کہتی تھی۔ کوئی بات ضرور ہے لیکن میری یہاں کون سنتا ہے کچھ کہوں گی تو لوگ کہیں گے بھاوج ہے نند سے بیر ہی رکھے گی۔ نا بابا میں کیوں کسی کی برائی لوں جس دن نکل جائے گی خود ہی سب کو پتہ چل جائے گا۔ اچھا تو چھنو کو کھڑکی کے آس پاس کسی کو بھی کبھی دیکھا ہے تم نے" ــــ "ہوگا کوئی میں کیا جانوں" چھنو گول مول جواب دے کر کھسک جاتی اور بڑی ساری رات اس نامکمل خاکے سے مکمل کہانی بنانے میں لگی رہتی۔ بڑی کی چھوٹی کے پاس، چھوٹی کی رضیہ کے پاس، رضیہ کی بڑی کے پاس ــــ اوٹ پٹانگ جھوٹی سچی باتوں کا ایک عجب سا چکر چھنو نے چلا رکھا تھا۔ جس کا نتیجہ ہمیشہ گھر میں کسی زبردست لڑائی کی صورت میں نکلتا۔ ۔ ۔

دن بھر کام کاج میں چھنو کو کھیلنے کودنے یا فارغ بیٹھنے کو وقت کم ہی ملتا تھا دوپہر کو جب سب آرام کر رہے ہوتے اس وقت بھی چھنو کو فرصت نصیب نہ ہوتی۔ کبھی رضیہ آپا کے کمرے میں طلبی ہو گئی۔ ساری دوپہر رضیہ آپا پلنگ پر دراز ہاتھ میں کوئی کتاب لئے اس سے باتیں کرتی رہتیں۔ اور چھنو باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ڈھیروں [illegible] پر استری بھی پھیرتی رہتی کبھی چھوٹی کی ٹانگوں میں درد ہونے لگ جاتا اور کبھی بڑی کا گود کا بچہ اٹھ کر رونے لگ جاتا۔ دوپہر یونہی گذرتی

گھر میں اس جھگڑے بازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب بھی چھنو سودا سلف لینے بازار جاتی خواہ کیسا بھی ضروری کام کیوں نہ ہوتا۔ وہ دو ڈھائی گھنٹے سے پہلے کبھی واپس نہ آتی۔ یہی وقت اس کے کھیل کود اور پڑوس کے گھروں میں جا کر باتیں چٹکانے کا ہوتا۔ حالانکہ پڑوسنیں بھی اس سے اپنا حق طلب کئے بنا نہ رہتیں۔ کسی نے گھڑی دو گھڑی کو اپنا بچہ تھما دیا۔ کسی نے مسالہ کوٹنے کی فرمائش کر دی کسی نے سبزی چھلوائی وغیرہ۔ مگر یہ کام چھنو کو زیادہ بار نہ گزرتے

اس دن وہ صبح سے کام میں جٹی ہوئی تھی۔ کپڑے دھوئے تھے۔ پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر فرش صاف کئے تھے۔ ننھے کو کتنی دیر کولہے پر لادے رکھا تھا۔ اور اب وہ خاصی بیزار ہو رہی تھی۔ رات مچھروں نے سونے نہ دیا اور اب کام کرتے ہوئے اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ تھکن، بیزاری اور نیند ــــ اس وقت ماں جی کو شلوار کی ضرورت پڑ گئی۔ انہوں نے چھنو کو آواز دی ۔ ۔ ۔ ۔ چھوٹی نے سنا تو ڈانٹ کر بولی "پہلے برتن صاف کر لے تو اب کی گئی شام کو لوٹے گی" تو کیا دن بھر یونہی برتن سڑنے کو پڑے رہیں گے۔" ماں جی نے کہا "چھنو ایسی بھی تو بیوقوف نہیں ہے دیکھ رہی ہے میں مریض ہوں بس چٹکی بجانے میں آ جائے گی" ــــ چھنو پہلے ہی تیار بیٹھی تھی۔ چھوٹی کی بڑبڑاہٹ کی پرواہ کئے بغیر چپ سے رفو چکر ہو گئی۔ لیکن وہ چٹکی لیں۔ بج کر بارہ بجے کی گئی۔ چھنو تین بجے گھر پہنچی۔ چھوٹی نے آتے ہی جوتا سنبھال لیا۔ ماں جی کوستی رہیں اور چھنو کے سر پر تڑاتڑ جوتے پڑتے رہے دل کی بھڑاس نکال کر چھوٹی نے جوتا زمین پر ڈالتے ہوئے کہا "خبردار! جو صحن میں کھڑی نظر آئی جلدی جا کے برتن صاف کر نہیں تو دوپہر اور رات کا کھانا بند۔"

چھنو کا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ اور اب مار کھانے سے اس کے جسم کی بوٹی بوٹی لرز رہی تھی [illegible] کچن میں چلی گئی۔

گندے برتنوں کا انبار [illegible] کی بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔ ہاتھ کی [illegible] سے اس نے برتن سمیٹنے شروع کئے۔ کچھ دیر تو [illegible] ماں جی پر [illegible]

چپ چاپ صبر سے سنتی رہی۔ آخر جب نہ رہ سکیں تو چلا کر بولیں "اے حرام خور! ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں۔ کیا۔ دھیان سے کام کر خبردار" جواب کی کسی برتن کی آواز آئی۔۔۔ اور ماں جی کا جملہ ختم ہوتے ہوتے چھنو نے ایک ٹوٹے کناروں والی بے قلعی پتیلی کو اتنے زور سے گرایا کہ ماں جی ناک میں تیوار چڑھاتی جھنکتی دوڑتی ہوئی آئیں۔ "مردار چڑیل۔ باز نہیں آئے گی۔ ابھی مارے جوتوں کے ذرش کر دوں گی۔ کیا کر رہی ہے تو ۔۔۔؟"

"برتن مانجھ رہی ہوں۔" چھنو نے سخت گستاخ لہجے میں جواب دیا۔۔۔ "دھیان سے مانجھ پھر۔" چھنو کا پھولا چہرہ دیکھ کر ماں جی نرم پڑ گئیں۔ آج کل نوکر کہاں ملتے ہیں اور پھر صرف آٹھ روپوں میں تو پاتال بھی چھان مارو تو نہ ملے۔ اس لئے چھنو کی گستاخیوں کو اکثر شربت پانی سمجھ کر پی جانا پڑتا تھا۔ ماں جی چلی گئیں تو چھنو نے چولھے میں سے راکھ نکالی۔ پھر سارے برتنوں کو گنا پھر رضیہ آپا کو کوسنے لگی۔ جو صرف پانی پی کر گلاس مانجھے جانے کو پھینک دیتی تھی۔ چھنو نے پانی والے سارے برتنو کو الگ کر دیا۔ ان پر راکھ نہیں لی جائے گی۔

اسی وقت رضیہ آپا آواز دیتی ہوئی آئیں: "اے کہاں غائب تھیں صبح سے دوسرے کیا تجھے سونے کی ہیر دیتے ہیں جو ان کے کام دوڑ دوڑ کر کرتی ہے اور ہمیں شکل تک نہیں دکھاتی ہو۔ اوہو کیا بات ہے چپ بیٹھی ہو ناراض ہو شاید۔ چھوٹی نامراد نے کچھ کہہ دیا ہوگا۔ کھانا بھی کھایا تو نے یا نہیں ۔۔۔؟ ارے ابھی تک نہیں کھایا ساڑھے تین بج رہے ہیں۔ اچھا لے میری بہن! دوڑ کے ایک پان تو لا دے۔ منہ کا مزا خراب ہو رہا ہے۔ بھاگ کے جا اور میں تیرے لئے کھانا نکالتی ہوں۔ دیکھتی ہوں چھوٹی کیسے روک لیتی ہوں۔۔۔ مگر چھنو پیسے لے کر بے دل سے ادھر کو دوڑی ہوئی۔ پانچ سات منٹ بعد واپس آئی تو رضیہ آپا جا چکی تھی۔ وہاں صرف رکابی میں کھانا پڑا مکھیوں سے بھنک رہا تھا۔ جانے

چھنو کو اس دن کیا طیش آیا کہ کھانا ادھ منتلی طرح چھوڑ کر گھر سے نکل گئی اور بھوکی پیاسی تین میل کا فاصلہ طے کر کے اپنے گھر جا کر دم لیا۔

ماں نے پھٹے حالوں، ننگے پاؤں سسکی لگی چھنو کو دیکھا تو پریشان اور دکھی ہو کر سینے سے لگا لیا۔

کئی روز تک چھنو ڈرتی رہی کہ ماں جی کی طرف سے کوئی آکر اسے لے ہی نہ جائے۔ مگر ماں نے کہہ دیا تھا چاہے کچھ ہو جائے وہ چھنو کو وہاں نہیں بھیجے گی۔ آٹھویں دن میاں جی آئے تو منہ توڑ جواب لے کر چلتے بنے۔

اسی دن چھنو کو ایک اور گھرانے میں نوکری مل گئی مختصر سا گھرانا تھا۔ صرف دو میاں بیوی اور پھر تھا بھی پڑوس میں اچھا کھانے کو، اچھا پہننے کو، کام برائے نام رات کو اپنے گھر سونا اور پندرہ روپے تنخواہ۔ چھنو اور چھنو کی ماں کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ تو یونہی حماقت میں تین سال تک اپنی بچی کو وہاں سڑاتی رہی۔

پہلے دن چھنو لوٹ کر آئی تو بہت خوش تھی: "اماں ذرا سا کام، ایک کمرہ مجھے الگ دے دیا ہے۔ سارا دن چارپائی پر کروٹیں لیتی رہی ہوں۔ بیوی بڑی اچھی ہیں۔" کافی دنوں یہ حکایت چلتی رہی لیکن پھر آہستہ آہستہ چھنو کے چہرے پر افسردگی چھانے لگی وہ کام پر نہ جانے کے بہانے کرنے لگی۔ ماں نے ایک دن کھل کر پوچھا تو بولی "جانے بیوی کیسی ہے۔ پاس جا کر بیٹھتی ہوں تو جھڑک دیتی ہیں۔ کہتی ہے ملازموں کے پاس نہیں بیٹھنے۔ باتیں کرتی ہوں تو کہتی ہیں زیادہ باتیں نہیں کرتے ... تنہا اور خاموش پڑے پڑے میرا تو دل چاہتا ہے جنونیوں کی طرح دیواروں سے باتیں کرنے لگوں۔" ماں نے لاپرواہی سے کہا۔ "چلو جیسی ہو ٹھیک ہے تم تو آرام سے ہو اور پھر زیادہ بک بک کرنا کونسی اچھی بات ہے"

چھنو ماں کا یہ سرد جواب سن کر چپ سی ہو رہی ایک مہینہ جوں توں کر کے گزرا۔ چھنو کو اس سرد خانے میں ایک ایک

جینا کا جینا محال ہو رہا تھا۔ اسکے بہانے اور ٹال مٹول بڑھ رہی تھی۔ ایک مہینے کے اندر اس نے تین چھٹیاں کر لی تھیں۔ ماں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ آخر ایک دن جو نہ جانے کے لئے لیری تو ماں جوتا لے کر پل پڑی چڑیل۔ کمٹی، وہاں جوتے کھاتے تین سال گزارے تھے یہاں آرام کی روٹی تجھے ہضم نہیں ہوتی۔ اچھا کھانے کو، اچھا پہننے کو، تنخواہ بھی معقول —— میں دیکھتی ہوں کیسے نہیں جائے گی۔ چل جلدی کر جوتا پہن اور دفعان ہو یہاں سے، خبردار جو اٹکی۔ ابھی تیرے پیچھے آتی ہوں بیوی کو کہوں گی رات کو بھی اس مردی کو ادھر اپنے پاس ہی رکھیں چل جلدی اٹھ"!

چھنو آنسو بہاتی، ناک پونچھتی، سسکیاں بھرتی گھر سے نکلی —— بیوی کے دروازے تک جیسے گھسٹتی ہوئی گئی۔ پھر جیسے ایک دم اس کے پاؤں میں بجلی بھر گئی۔

ماں جی نے چھنو کو دیکھا تو حیرت اور خوشی سے لپک کر اسے سینے سے لگایا۔ ہائے ری چھنو ہے نا" ان کی آواز بھرا آئی۔ "قسم لے لو جو اس ایک مہینے میں پل پل تجھے یاد نہ کیا ہو۔ پر تو بڑی کٹھور نکلی۔" سفید پلّو سے وہ آنسو پونچھتے ہوئے رضیہ چھوٹی اور بڑی کو آوازیں دینے لگیں۔ اور چھنو خاموش کھڑی نیچی نظروں سے مسکرائی جا رہی تھی! ●●

● ایک نوجوان سپاہی بتا رہا تھا کہ میں نے تین وجوہات کی بنا پر فوجی ملازمت اختیار کی (۱) میں اپنے ملک کے دفاع کے لئے لڑنا چاہتا تھا (۲) میں اپنے جسم کو مضبوط بنانا چاہتا تھا (۳) وہ آکر مجھے زبردستی لے گئے۔
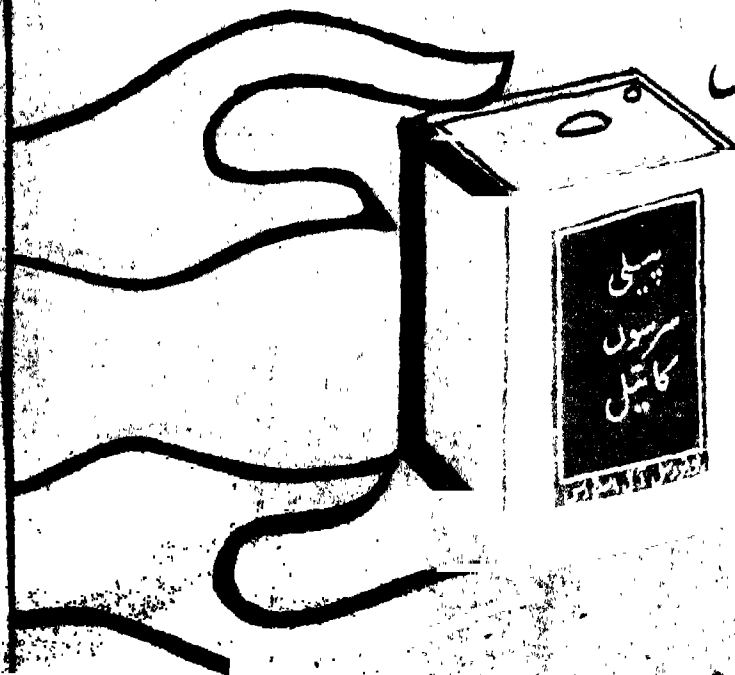
ڈیلائٹ۔ پی ڈی سی۔ جوتے پہن کر تو دیکھئے پھر ہلکے
قدم یا سرپٹ جیسے بھی چلیں۔ آپ محسوس کرینگے آرام
خوبصورت بناوٹ، نہ پھیلنے والے سول۔ نئے نئے
ڈیزائن دھوکر پہننے کے قابل۔ دیدہ زیب رنگوں میں
دستیاب ڈیلائٹ جوتے اور سینڈل آج ہی خریدیں
بے مثال جوڑا
ڈیلائٹ
DELITE CASUAL
RUSTAM SANDAL
BALAM NAGRAS
SHAHANSHAH CASUAL
جوتے جو فیشن بن جاتے ہیں چھوٹے بڑے سب ہی کا دل موہ لیتے ہیں
سول سیلنگ ایجنٹ
سرتاج انجینئرز
حسرت موہانی روڈ کانپور
اعلیٰ قسم کے
پی ڈی سی
کے جوتے
بنانیوالے
میر نوبی پلاسٹ پرائیویٹ لمیٹڈ

چنار کی وادیاں

ابوغزل

گل مرگ اور بابا رشی سے واپسی پر ہم جمعہ کے دن دوپہر سے پہلے پہلے سرینگر پہونچ گئے تھے سب سے پہلے ہم نے اپنے سابقہ ہاؤس بوٹ پر قبضہ کیا۔ مالکان نے ازراہ عنایت ہمارا ہاؤس بوٹ کسی کو کرایہ پر نہیں اٹھایا تھا یا ممکن ہے اس دوران کوئی سیاح آیا ہی نہیں ہو۔ دوسرا کام یہ کیا کہ نہا دھوکر قریب کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے چلے گئے۔

ایک رہائشی مکان کو غالباً مسجد بنا لیا گیا تھا۔ ایک ہی منزل تھی اور اس میں صرف ایک ہال تھا جس میں داخل ہوتے ہی بائیں پہلو میں چار وضو خانے یا پیشاب خانے تھے۔ وہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ وضو خانے میں ہی استنجہ اور نہانے کا بندوبست ہوتا ہے۔ اور میرے خیال میں یہ طہارت سے کسی قدر عدم واقفیت کا ثبوت ہے۔

ہر مکتب خیال کے مسلمان موجود تھے۔ مالکی بھی تھے شافعی بھی۔ حنبلی بھی جلوہ افروز تھے حنفی بھی اور کوئی ٹوپی پہنے تھا تو کوئی ننگے سر۔ کوئی زور سے آمین کہتا تھا تو کوئی دل کی دل ہی میں رکھتا۔ مگر کسی بھی مسجد میں میں نے اذان کے بعد صلوٰۃ کا دستور نہیں دیکھا۔

امام کے خطبے سے پہلے ایک بہت پرجوش مقرر تقریر کر رہے تھے۔ کشمیری زبان دراصل کئی زبانوں کا مرکب ہے۔ فارسی، پشتو، عربی، اور اردو، سب سے کشمیری نے استفادہ کیا ہے۔ میں کشمیری ظاہر ہے کیا سمجھتا مگر زبان جاننے والوں نے بتایا کہ جس کے طفیل ایک عرب زبان ہر کو ایسی وطنیت قرار دی گئی ہے جسکی وجہ سے کلمہ گو بھائیوں کے درمیان (خواہ وہ کسی زبان کے بھی بولنے والے ہوں) کسی بھی جگہ مکمل اجنبیت سے سابقہ نہیں پڑتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم نے عربی سے قرار واقعی نسبت نہیں رکھی ورنہ شاید مسلمانوں کے درمیان کی مسلمہ نزدیکیاں دوریوں میں مبدل نہ ہوتیں

مساجد میں میں نے ایک خاص چلن یہ دیکھا کہ سامعین اکثر و بیشتر واعظ کے جملوں کی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح حاضرین کی توجہ ہمہ وقت واعظ کی طرف مرکوز رہتی ہے۔ مجھے خصوصی طور پر کشمیریوں کا یہ طریقہ بہت پسند آیا۔

دوسرے دن ہم مصطفےٰ کمال جوہری سے انکی نئی قیام گاہ پر ملاقات کی غرض سے گئے۔ پہلے ان کا قیام میاں محمد شفیع صاحب کی قیام گاہ میں تھا مگر بسلسلہ تعمیر کمال میاں اور انکی فیملی پروفیسر عباد صاحب کی قیام گاہ میں مقیم تھی۔ بالائی منزل پر عباد صاحب کی رہائش تھی نچلی منزل میں پنجابی برادری کے ایک فرد تنفیر صاحب فروکش تھے۔

تنفیر صاحب سے ہماری پہلی ملاقات تھی موصوف کا آبائی وطن تو رامپور ہے مگر بسلسلہ تجارت سرینگر میں مستقل قیام ہے۔ مراد آباد، نینی تال وغیرہ میں بھی انکے کاروبار ہیں ہم ان سے مل کر بے حد متاثر ہوئے حسین صورت بنا بنکر پرخلوص طبیعت، خوش پوشاک، سلیقہ مند، بذلہ سنج ہر لمحہ ایک پرمذاق جملہ کی تخلیق کیلئے کمربستہ۔ یہ دوسری بات ہے کہ "حسن" اور وہ بھی "رامپوری" تو کبھی کبھی یار لوگ انکی بھی

کھپا دیتے تھے مگر کیا مجال جو آپکی برجستگی جواب دینے میں چند لمحوں کی بھی تاخیر گوارا کر لے۔

تفسیر صاحب کو جب "ٹنگ مرگ" میں منائی گئی "شام غزل" کا علم ہوا تو انھوں نے ایک تجویز رکھی کہ ڈل لیک پر ایک "شب غزل" کا اہتمام کیا جائے۔ ہم کیا عذر ہو سکتا تھا ہم نے ہاؤس بوٹ میں دوسرے دن سب کو مدعو کر لیا۔

دوسرے دن کمال میاں اور انکی فیملی تو سہ پہر تک آگئیں۔ ہماری خانم نے "کڑھی" کا اہتمام کیا تھا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے وہاں گوشت کی ہنڈیا کچھ زیادہ اچھی نہیں بنتی تھی خدا جانے پانی کی بات ہے یا کچھ اور بہرحال کڑھی خوب ذوق و شوق سے کھائی گئی۔ کچھ بعد دیگرے عباد صاحب نیز ان کی فیملی اور تفسیر صاحب معہ اپنی بیگم تشریف لے آئے۔

تقریباً ایک بجے رات تک گیتوں اور غزل کی محفل جمی۔ عباد صاحب نے شعراء کے مخصوص انداز میں اقبال کی ایک غزل سنائی۔ تفسیر صاحب نے بے حد اصرار کے بعد روایتی دھنوں کے انداز میں شرمے ہوئے ایک بہت پرانا مگر بے حد حسین گیت سنایا۔ عباد صاحب کی بچی نے دو بہت خوبصورت گیت بطور خاص سنائے اس کی آواز واقعی بہت اچھی تھی اور ہم! ہماری گردن تو پتلی تھی ہی ظاہر ہے ہم کو تو "بھی" دبانے تھے

رات کے تقریباً ڈیڑھ بجے عباد صاحب اور تفسیر صاحب نے واپسی کی ٹھہرائی کیونکہ یہ لوگ رات کو رکنے کے خیال سے نہیں آئے تھے۔ ہم لوگوں نے ہر چند اصرار کیا کہ کافی جگہ ہے رک جائیے مگر یہ لوگ نہیں مانے ظاہر ہے قدرت جس حادثہ کو مقدر کر چکی تھی وہ تو وقوع پذیر ہونا تھا یہ لوگ رک بھی کیسے سکتے تھے؟

آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی۔ انجو اور سو چکے تھے۔ بہتیرا آوازیں دی گئیں، تب دو شکارے سیس پار سے ہماری طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ بہت چھوٹے چھوٹے بچے شکارے لا رہے تھے مگر یہ بہت عام بات ہے وہاں ... عموماً چھوٹے چھوٹے بچے شکارے کھیتے ہیں۔

عباد صاحب، انکی بیگم، ان کے دو صاحبزادے اسلم اور اکرم ایک بچی شہلا عباد صاحب کے چھوٹے بھائی کی بیوی اور ان کا ایک دس مہینہ کا بچہ۔ تفسیر صاحب اور انکی بیگم حسن اتفاق سے پورے دنوں سے تھیں مگر جو کچھ تفسیر صاحب کی زبردستی اور کچھ غزلیں سننے کے اشتیاق میں چلی آئی تھیں۔ اس طرح آٹھ۔ نو۔ افراد تھے۔ دو شکارے کافی تھے۔ آدھے آدھے بٹ گئے۔ سب نے ایک دوسرے کو الوداع کہی۔ خنکی خاصی تھی۔ ہم لوگ معہ کمال میاں وغیرہ ہاؤس بوٹ کے اندر چلے آئے

یکایک مجھ کو خیال آیا کہ میں نے تفسیر صاحب کو "ترنگ سنگ" کے چند شمارے برائے مطالعہ دئیے تھے انکو وہ یہیں بھول گئے ہیں لاؤ جلدی سے باہر نکل کر دیدوں۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک شکارہ تو کئی گز آگے بڑھ چکا ہے اور تفسیر صاحب کے شکارے نے ابھی کنارہ چھوڑا ہی ہے میں نے ہاتھ بڑھا کے شمارے تفسیر صاحب کے ہاتھوں میں تھما دیئے۔

یکایک عباد صاحب کے شکارے سے چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں میں نے جو ادھر نگاہیں دوڑائیں تو اندھیرا کافی تھا۔ پہلی نگاہ میں تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ شور و غوغا کس لئے۔ مگر غور سے دیکھنے پر ایک عجیب بات دکھائی دی کہ شکارہ آدھا دکھائی دے رہا ہے اور اس کا نصف حصہ غائب ہے۔ میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا تھا یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے کچھ سمجھ میں آیا کہ شکارہ ڈوب رہا ہے

چیخ و پکار سن کر خالہ جان، کمال میاں، شاہانہ اور یاسمین بھی کنارے پر آ کر اس المناک منظر کو دیکھتے ہی مدد کیلئے چیخنے لگیں۔ ادھر شکارے پر عجیب قیامت کا عالم تھا تفسیر صاحب نے کوشش کی کہ ڈوبتی ہوئی کشتی کے افراد کو اپنی کشتی میں کھینچ لیں مگر اس کوشش میں انکی کشتی میں بھی پانی بھرنا شروع ہو گیا۔ اب تو سب کے حواس جواب دے

لگے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر کیا کیا ......
جائے؟۔

عجب دردناک منظر تھا۔ ایک قیامت کا نظارہ تھا جس کا تصور آج بھی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ بلبلا بلبلا کر کنارے سے کہیں مدد کیلئے فریاد کر رہے تھے گر نہ کہیں آدم نہ آدم کا نشان حتیٰ کہ کنارے کھینے والے وہ دونوں لڑکے بھی گھبرا کر خدا جانے کہاں بھاگ گئے تھے۔

ہم تیرنا بس کچھ واجبی سا جانتے ہیں مگر ہم نے خیال کیا "میاں نیروز یہ تمھارے ماتھے پر ہمیشہ کیلئے کلنک کا ٹیکا لگ گیا۔ کیونکہ ہاؤس بوٹ پہ مدعو کرنے والے تم ہی تھے۔" یہ سوچ کر بیتہ نہیں ہمارے دل میں کیا آئی ہم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پانی کے اندر چھلانگ لگادی ادھر ہماری خانم نے اور نرگس نے عقلمندی کا ثبوت یہ دیا کہ وہ فوراً بھاگیں ہاؤس بوٹ کے مالکان کے مکان کی طرف اور جاکر زور زور سے آوازیں دینا اور دروازہ پیٹنا شروع کردیا

بیان حالانکہ عباد صاحب کے دونوں لڑکے اسلم اور اکرم بہت اچھے پیراک اور اپنے اسکول میں تیراکی کے سلسلے میں کئی انعامات بھی حاصل کر چکے تھے۔ مگر اسوقت حواس جواب دے گئے تھے وہ بھی ڈوب رہے تھے۔ ہم نے پانی میں کنارے کی طرف تیرنا شروع کیا دل میں صرف یہی خیال تھا کہ جتنے زیادہ سے زیادہ لوگ بچ سکیں انکو بچا لیا جائے

سب سے پہلے ہمارے ہاتھ میں اکرم میاں آئے ہم نے انکی کمر پکڑ کر کنارے کی طرف تیرنا شروع کیا۔ خالہ جان اور شاہانہ ہماری منتظر تھیں ہم نے اکرم میاں کو انکو سونپا اور پھر واپس کشتی کی طرف روانہ ہوگئے اس بار عباد صاحب کے چھوٹے بھائی کی بیگم ہم کو ڈوبتی ہوئی ملیں۔ انکے حواس بھی رخصت ہو چکے تھے ہم نے ان کو بھی سہولت سے تھاما اور کنارے پر پہونچایا خالہ جان اور شاہانہ نے بڑی ہمت اور طاقت استعمال کرتے ہوئے انکو کنارے پر کھینچ لیا تھا۔ ہم نے محسوس کیا کہ ہماری گھڑی کھلکر ہمارے ہاتھ میں آگئی ہے۔ اس وقت گھڑی باندھنے کا موقع تو تھا نہیں ہم گھڑی کنارے پر پھینک کر کنارے کی طرف چل پڑے۔

کمال میاں کو تیرنا قطعی نہیں آتا ہے مگر درد ناک فریادیں سن کر ان سے بھی نہیں رہا گیا اور وہ پانی کی طرف بار بار لپکنے لگے۔ وہ تو کہئے خالہ جان یا سمین نے زبردستی انکو روکا ... ورنہ انھوں نے ایک نیا دردسر پیدا کرنے میں کوئی کسر تھوڑی اٹھا رکھی تھی۔

مسلسل چیخ و پکار سن کر ادھر ادھر سے کنارے مدد کیلئے آنے لگے۔ ہماری خانم اور بی نرگس کی چیخ و پکار سن کر اس مکان کی عورتیں پہلے بیدار ہوئیں انھوں نے کشمیری زبان میں چیخ چیخ کر اپنے مردوں کو بیدار کیا۔

تیسرے چکر میں ہمیں عباد صاحب کی لڑکی شہلا ملی۔ اسکو بھی ہم نے تھاما اور کنارے کی طرف روانہ ہوئے۔ اب ہم کو کمزوری کا احساس ہونے لگا تھا اس اثنا میں چھ سات شکارے بیک وقت آگئے۔ کسی نے عباد صاحب کو.. سنبھالا کسی نے تفسیر صاحب کو عباد صاحب کی بیگم نے بہت حاضر دماغی کا ثبوت دیا۔ وہ خود پانی کے اندر چلی گئیں۔ مگر انھوں نے دس مہینے کے بچے کو پانی سے اوپر ہی اوپر رکھنے کی کوشش کی ورنہ ظاہر ہے کہ دس مہینے کی ننھی سی جان خدا نخواستہ کتنی المناک صورت پیدا ہوسکتی تھی۔

اب ہم نے پکار کر گنتی کرو۔ سب بچ گئے کہ نہیں۔ اب دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگ رہے تھے الٰہ میاں سب بچ جائیں۔ ہم نے پھر چوتھا چکر لگایا۔ یکایک ہماری ٹانگ سے پانی کے اندر کسی کا جسم ٹکرایا۔ ادھر خالہ جان چیخیں۔ عقیلہ (تفسیر کی بیگم) نہیں ہے۔ تفسیر بدحواس ہوکر چیخے عقیلہ نہیں ہے۔ عقیلہ نہیں ہے۔ عقیلہ نہیں ہے۔ عقیلہ ... تین بار پانی کی سطح کے اوپر آکر چوتھی بار بھی چلی گئی تھیں یہ سوچ کر کہ اب بھنا ممکن نہیں سے بقول عقیلہ صاحبہ سے

انھوں نے کلمہ تک پڑھ لیا تھا اور انکو بس یہ خیال ہو رہا تھا کہ صبح سو کر اٹھنے پر انکے بچے جب انکو نہیں پائیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا؟

میری ٹانگوں سے جب انکا جسم ٹکرایا تو میں سمجھ گیا کہ یہ عقیلہ بیگم ہیں میں نے ان کو اوپر اٹھانے کی کوشش کی مگر ان کی بدحواسی کی وجہ سے ایکبار تو میں خود بھی پانی میں چلا گیا لیکن اللہ کا کرم تھا اور فوراً انکو کنارے کی طرف لے آیا۔

اب میں بالکل بے حال ہو چکا تھا آہستہ آہستہ پانی سے باہر افراد کی گنتی ہوئی۔ ذرا مالک کا کرم ملاحظہ کیجئے کہ سب موجود تھے میں پاجامہ اور کرتا پہنے تھا اور اسپر سوئٹر، پتہ نہیں سوئٹر کا اون کس قسم کا تھا کہ جب پانی سے باہر نکلا ہوں۔ تو سوئٹر گھٹنوں سے نیچے تک پہونچ چکا تھا۔ اس حادثہ سے پہلے مجھے سخت قسم کی کھانسی آ رہی تھی مگر اتنی دیر پانی میں رہنے کے بعد اللہ کی شان ساری کھانسی وانسی غائب ہوگئی۔

بچہ بیہوش تھا۔ سب سے پہلے اسکو الٹا لٹکا کر پانی پیٹ سے نکالا گیا۔ ہاؤس بوٹ کے مالک عبدالخالق صاحب نے کمال عقلمندی سے وہ ساری تدابیر اختیار کیں جو کرنا چاہیے تھیں بچے کی ماں تو بچے کی بیہوشی دیکھ کر ایک چیخ مار کر بیہوش ہو چکی تھیں خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی دیر بعد بچے کو بھی ہوش آگیا۔

عباد صاحب و تفسیر صاحب کو گھر جانا ضروری تھا۔ تجربہ کار ماجھی بلائے گئے۔ یہ لوگ شکارے پر بیٹھ کر اس پار گئے ہم لوگ بھی تین چار بجے تک سونے کیلئے لیٹے۔ کافی چیزیں گم ہو چکی تھیں۔ سب کچھ مل گیا صرف ہماری گھڑی جو شاہد میاں نے لندن جاتے ہوئے ہم کو دی تھی اور ہم کو بہت عزیز تھی وہ ہزار کوشش کے باوجود نہ مل سکی۔ مگر ہم کو شمہ برابر بھی اس کا دکھ نہیں ہوا۔ کیوں کہ ہم نے اسکو جانوں کا صدقہ سمجھ لیا تھا۔ عباد صاحب کو ہماری گھڑی کے گم ہونے کا بہت صدمہ تھا۔ وہ بار بار یہ کہتے تھے "اتنے نیک آدمی (خوش نہیں تو کوئی دیکھیے) کی چیز گم تو ہونا ہی نہیں چاہیئے" ہم نے بھی سر ہلا دیا "بیشک نیک ہوتے تب نہ"

اس حادثے کے بعد سب ہی کا خیال تھا کہ ہاؤس بوٹ کی رہائش ترک کر دینا چاہیئے۔ ہماری خانم بھی خاصی گھبرا رہی تھیں باعث کہ کوئلنڈری بھی کا ساتھ تھا۔ مگر ہم نے سوچ سمجھ لیا تھا کہ اگر اسوقت جگہ تبدیل کی تو زندگی بھر پانی کا خوف اعصاب پر سوار ہو جائے گا۔ بہرحال دو چار دن کے بعد یہ وقتی اثر بھی زائل ہو گیا۔

پہلگام جانے کیلئے میاں محمد شفیع صاحب سے سلسلہ جنبانی کی گئی تھی کیونکہ یہ علم ہو چکا تھا کہ پہلگام اس وقت سیاحوں سے پُر ہے۔ سرینگر میں خاصی گرمی پڑ رہی تھی۔ اب ایک دن رہنا بھی یہاں دوبھر لگ رہا تھا۔ مگر میاں محمد شفیع صاحب چونکہ "کافی مشغول" تھے اسلئے فی الحال انتظار اور ابھی اور ابھی اور ابھی ہو رہا تھا۔ اس بیچ ہم لوگوں نے سرینگر سے تفریحی مقامات کی سیاحت شروع کر دی۔

●●

● نواب محسن الملک کو نفیس اور عمدہ کھانا کھانے کا بہت شوق تھا۔ اسی شوق کی بدولت وہ باورچیوں کی بڑی ناز برداری کرتے تھے۔ ان کا باورچی جہانگیر تھا۔ جو کھانا خوب پکاتا تھا مگر بڑا ہی گستاخ اور بدمزاج تھا۔ ایک دن اس نے نہایت گستاخانہ اور ناملائم کلمات نواب صاحب سے کہے۔ نواب صاحب خفا ہو کر اوپر چلے گئے تیسرے پہر وہ جب نیچے آئے تو ان کے ایک نیازمند نے عرض کیا کہ افسوس کی بات ہے ایسے کھانے سے تو فاقہ بہتر ہے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں "ارے میاں، تم کیا جانو یہ گالیاں نہ تھیں چٹنی تھی۔

معلومات

بارہ مہینے، بارہ کہانیاں

ذوالفقار احمد تابش

لیجئے پیش ہے تابش صاحب اپنے قلم کی زبان سے آپ کو عیسوی سال کے بارہ مہینوں کی دلچسپ اور معلومات آفریں داستانیں سنا رہے ہیں۔ یہ داستانیں خاصی دلکش ہیں عیسوی سال کے پہلے مہینے (جنوری) کی مناسبت سے یہ مضمون مزہ دے جائے گا۔ ساتھ ہی یہ خوشخبری ابھی سے سن لیجئے کہ "رنگ سنگ" کے آئندہ شمارہ میں جو یقیناً ہجری سال کے پہلے مہینے محرم الحرام کے موقع پر سامنے آئے گا ہم قمری مہینوں کے بارے میں علم و معلومات سے لبریز کہانیاں پیش کریں گے۔ امید ہے قارئین زیادہ سے زیادہ پسند فرمائیں گے۔

(ادارہ)

جنوری سال کا پہلا مہینہ۔ جنوری کا نام رومیوں کے دیوتا جینس (JANUS) کے نام پر رکھا گیا۔ اس دیوتا کے دو سر تھے جن سے وہ آگے اور پیچھے بیک وقت دیکھ سکتا تھا

اہل روم نے اس دیوتا کا ایک شاندار معبد تعمیر کر رکھا تھا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس دیوتا کی پرستش صرف جنگ کے دنوں ہی میں کی جاتی تھی۔ امن و امان کے زمانے میں اس معبد کے دروازے بند رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اہل روم کوئی کام شروع کرنے سے پیشتر اس دیوتا کے حضور منت مانتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جینس دیوتا کے حضور میں منت ماننے سے ہر کام بخیر و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ رومیوں کے خیال میں یہ دیوتا پہلے آسمان کا دربان بھی تھا چنانچہ عام طور پر لوگ اپنے گھروں کے دروازے کی حفاظت کے لئے اسی دیوتا سے دعائیں مانگتے تھے۔

سال کا یہ مہینہ اس لحاظ سے بڑا اہم ہوتا ہے کہ اس ماہ میں ہر کوئی گزرے ہوئے سال کی طرف دیکھتا ہے اور اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ اس نے کیا کھویا ہے اور کیا پایا ہے۔ اور پھر اگلے سال کی طرف نگاہ دوڑاتا ہے۔ اور مختلف پروگرام بناتا ہے کہ وہ کیا کیا کرے گا اور کس طرح مستقبل کی تعمیر کرے گا۔ یعنی جس طرح جینس دیوتا آگے اور پیچھے دیکھتا ہے، اسی طرح انسان بھی اپنے ماضی اور حال کا بیک وقت جائزہ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل روم نے اس مہینے کو دیوتا جینس سے منسوب کر دیا تھا۔

فروری سال کا دوسرا مہینہ، جو سال کے تمام مہینوں سے عجیب و غریب واقع ہوا ہے۔ ایک زمانے میں یہ مہینہ سال کا آخری مہینہ تھا۔ یعنی دسمبر کی جگہ فروری تھا۔ لیکن حضرت مسیحؑ کی ولادت سے ۵۰۰ سال قبل اسکو جنوری کے بعد کر دیا گیا۔ یعنی اسے بارہویں کے بجائے دوسرا مہینہ بنا دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد مارچ کو سال کا پہلا مہینہ مقرر کیا گیا تو فروری ایک بار پھر بارہواں مہینہ بن گیا۔ لیکن بعد میں پھر اسکو سال کا دوسرا ہی مہینہ بنا دیا گیا اور اس وقت سے اب تک یہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ مگر یہ مہینہ ہے بڑا عجیب و غریب، اور نایاب صفت، کیونکہ دوسرے تمام مہینوں سے یہ ہر لحاظ سے مختلف ہے۔ دوسرے مہینوں میں کوئی تیس دن کا ہوتا ہے اور کوئی اکتیس کا، مگر یہ صرف اٹھائیس دن کا ہوتا ہے۔ اور پھر مستقل اٹھائیس دن کا بھی نہیں رہتا، بلکہ ہر چوتھے سال اس میں ایک دن زیادہ کر کے اسے انتیس دن کا کر دیا جاتا ہے۔ جس سال میں فروری کا مہینہ انتیس کا آرہا ہو تو اسے لیپ کا سال کہتے ہیں۔ دراصل پورا سال

۳۶۵ دن اور ۶ گھنٹے پر مشتمل ہوتا ہے۔ چار سال کے بعد یہ ۶ گھنٹے جو جمع ہوتے رہتے ہیں، چوبیس گھنٹے بن جاتے ہیں یعنی ایک دن۔ اور وہ ایک دن فروری میں ڈال کر سال پورا کر دیا جاتا ہے۔

فروری کا نام اہل روم کے ایک مذہبی تہوار فیبرواؔ (FEBRUA) کے نام پر رکھا گیا۔ یہ تہوار دیوتا لیوپرکس کے اعزاز میں اور صفائی اور پاکیزگی کے لئے منایا جاتا تھا۔ شہروں اور محلّوں کی صفائی ہوتی تھی۔ لوگ خود بھی نہا دھو کر اچھے اچھے کپڑے پہن کر خوب جشن مناتے اور لیوپرکس دیوتا کی عبادت کرتے چنانچہ اسی مشہور اور مقبول مذہبی تہوار کے نام پر فروری نام رکھ دیا گیا۔

مارچ سال کا تیسرا مہینہ۔ اس مہینے کا دیوتا بڑا خوفناک ہے رومی دیومالا کے مطابق اس کی شکل کچھ اس طرح ہے کہ اس کی رتھ میں انتہائی منہ زور گھوڑے جتے ہوتے ہیں رتھ میں دیوتا کھڑا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں چمکتا ہوا لمبا نیزہ ہے جس کی انی کا رخ آسمان کی طرف ہے۔ دوسرے ہاتھ میں ایک ڈھال ہے۔ دیوتا کا دہشت ناک چہرہ آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہے۔ جہاں وہ دور کسی چیز کی طرف گھور رہا ہے۔ اس کے بلند اور چمک دار خود کے اردگرد بجلیاں سی کوندتی نظر آتی ہیں۔

یہ مارس (MARS) دیوتا ہے جس کا نام اردو میں مریخ ہے۔ رات کو آسمان کی طرف غور سے دیکھنے سے ایک موٹا سا سرخی مائل تارہ نظر آتا ہے۔ یہی مریخ ہے۔ اور یہی وہ سیارہ ہے جو جدید ہیئت دانوں کے لئے سب سے زیادہ توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اسی سیارے کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اس میں ہماری زمین کی طرح کوئی ذہین اور ترقی یافتہ مخلوق آباد ہے

اہل روم کے نزدیک مارس دیوتا جنگ و جدل کا دیوتا ہے مارس ہر شے پر قادر ہے۔ وہ ہر کام کر سکتا ہے کیونکہ وہ تمام دیوتاؤں سے زیادہ طاقتور ہے۔ وہ مشکل وقت میں مارس دیوتا کی قربان گاہ پر جانوروں کی قربانیاں دیتے اور اس سے مدد کے طالب ہوتے۔

جب کبھی رومی لشکر جنگ پر روانہ ہوتا تو ان کے ہمراہ چوزوں کے پنجرے اور جانوروں کے گلے ہوتے۔ لڑائی سے پہلے جانوروں کی قربانی دیتے اور چوزوں کے آگے دانہ ڈالتے اگر چوزے دانہ رغبت اور خوشی سے کھا لیتے تو سمجھتے کہ مارس دیوتا ان کا طرفدار ہے اور وہ جنگ میں کامیاب و کامران ہوں گے۔ لیکن اگر چوزے دانہ نہ کھاتے یا بے دلی سے کھاتے تو وہ سمجھتے کہ دیوتا ان سے ناراض ہے اور وہ لڑائی نہ جیت سکیں گے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ بارش، بجلی، گرج چمک اور بادل وغیرہ مارس دیوتا کے تابع ہیں۔ چنانچہ خشک سالی۔۔ کے زمانے میں بارش کے لئے بھی اسی سے دعائیں مانگی جاتیں

اپریل چوتھے مہینے کا نام، مگر اس مہینے کا نام کسی دیوتا یا دیوی کے نام پر نہیں رکھا گیا۔ یہ بہار کے فرشتے سے منسوب ہے یعنی خوش رنگ، مہربان اور رحمت کے فرشتے کے نام سے۔ جب مارس دیوتا خونیں رتھ اپنے پیچھے گرد و غبار، طوفان اور جھکڑ، برق و رعد اور خون کے چھینٹے چھوڑتا ہوا گزر جاتا تو یہ فرشتہ ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے

اپریل کا مطلب ہے: کھولنے والا، آغاز کرنے والا، ابتدا کرنے والا (OPENER) مارس دیوتا کے عہد میں جب حسین و دلکش، نرم و نازک چیزیں خوف و دہشت کے مارے پناہ گاہوں میں چھپ جاتیں تو اپریل کا مہربان فرشتہ آکر ان کی پناہ گاہوں کے دروازے کھول دیتا اور وہ ہنستی مسکراتی باہر نکل آتیں زمین پر ہر طرف پھول ہی پھول، کلیاں ہی کلیاں اور سبزہ ہی سبزہ پھیل جاتا۔ اپریل کا فرشتہ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں اور گیت ہی گیت بکھیر دیتا ہے برگ و بار ٹہنیوں پر شگوفے کھل اٹھتے۔ کلیاں اور پھول مسکرانے لگتے اور ہر طرف بہار کا دور دورہ ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس ہنستے مسکراتے اور ناچتے گاتے ہوئے مہربان فرشتے سے اپریل کا مہینہ منسوب کر دیا گیا

مئی اپریل کے بعد مئی آتا ہے۔ مئی کا نام بھی ایک دیوی سے منسوب ہے۔ جس کا نام مایا (MAIA) تھا۔ مایا دیوی عظیم دیوتا اٹلس کی بیٹی تھی۔ رومیوں کے خیال میں اس دیوی اور فن

دنیا کو جس پر اتنے عظیم اور سر بفلک پہاڑ کھڑے ہیں اٹھائے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے سمندر ہیں۔ بڑے بڑے شہر جنگل اور صحرا پھیلے ہوئے ہیں۔ اٹلس دیوتا نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے اس دیوتا کی سات بیٹیاں تھیں جن میں سے میا دیوی سب سے زیادہ مشہور ہے۔ عطارد دیوتا میا دیوی کے بیٹے کا نام ہے لیکن جانے کیا بات ہوئی۔ عظیم دیوتا جیو پیٹر (مشتری) نے جو کہ تمام دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ اٹلس کی ساتوں بیٹیوں کو پکڑ کر اور ستارے بنا کر آسمان پر ٹکا دیا۔ رات کو آسمان پر چھ ستاروں کا جو ایک جھرمٹ سا نظر آتا ہے وہ انھیں کا ہے۔ ساتویں دیوی نے ایک فانی انسان سے شادی کر لی جو دیوتاؤں کے نزدیک ایک ناقابلِ معافی جرم تھا۔ اس انسان سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی جس پہ وہ دیوی اتنی شرمسار ہوئی کہ اس نے ہمیشہ کے لئے اپنا منہ چھپا لیا اور اپنی بہنوں کے جھرمٹ سے روپوش ہو گئی۔ تو مئی کا نام اٹلس دیوتا کی بیٹی اور عطارد دیوتا کی ماں میا دیوی کے نام پر رکھا گیا۔

جون سال کا چھٹا مہینہ، اس کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نام جونو (JUNO) دیوی کے نام پر رکھا گیا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ یہ نام روم کے مشہور و معروف شخص جونی ئیس (JUNIUS) مشتری سے منسوب ہے۔ ہم یہاں دونوں کا ذکر کرینگے۔

جونو دیوی، دیوتاؤں کے دیوتا جیو پیٹر (مشتری) کی خوبصورت بیوی کا نام تھا۔ رومی دیومالا کے مطابق نہایت حسین و جمیل دیوی تھی۔ ایک نازک اور دلفریب گاڑی پر سوار رہتی تھی جسے مور کھینچتے تھے۔

اسکے برعکس جونی ئیس ایک نہایت ظالم، بداخلاق اور بے رحم انسان تھا۔ اس کی تنگ دلی اور بے رحمی کی داستانیں دور دور تک مشہور تھیں۔ کہتے ہیں کہ اسکے دل میں رحم یا محبت کی رمق تک نہ تھی۔ چنانچہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ جون بھی ایک گرما گرم اور آتشیں مہینہ ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ اس کا نام اسی آتش مزاج شخص کے نام پر رکھا گیا ہو۔

جولائی۔ سال کا ساتواں مہینہ۔ یہ مہینہ بھی کسی دیوی یا دیوتا سے منسوب نہیں بلکہ یہ مہینہ دنیا کے ایک عظیم انسان کے نام پر رکھا گیا۔ وہ شخص روم کا جلیل القدر شہنشاہ اور فاتح جولیس سیزر تھا۔

جولیس سیزر نہ صرف ایک عظیم حکمران تھا بلکہ ایک بہادر سپہ سالار، بہت بڑا عالم، قانون داں اور مدبر بھی تھا۔ اس نے جہاں بہت سے ممالک کو فتح کر کے دنیا کے چند عظیم فاتحین میں اپنا نام پیدا کیا، وہاں اس نے بہت سی کتابیں لکھ کر اور نئے قوانین بنا کر اور اصلاحات نافذ کر کے دنیا کے بہترین مدبرین اور باتدبیر حکمرانوں کی صف میں بھی اپنے لئے جگہ پیدا کر لی۔

ہم بتا چکے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا جب سال کا آغاز مارچ کے مہینے سے ہوتا تھا یعنی مارچ سال کا پہلا مہینہ ہوتا تھا اس وقت یہ مہینہ پانچواں پڑتا تھا اور اس کا نام کوانٹیلیس (QUANTILIS) تھا جس کا مطلب تھا پانچواں مگر جولیس سیزر نے جہاں اور بہت سی اصلاحات نافذ کیں وہاں اس نے سال کے مہینوں کی ترتیب بھی بدل دی، اور سال کا پہلا مہینہ جنوری کو قرار دیا۔ اب کوانٹیلیز ساتواں پڑتا تھا مگر یہ معانی کے لحاظ سے پانچواں تھا جو قطعی غیر مناسب تھا جولیس سیزر نے جو کہ خود بھی اس مہینے میں پیدا ہوا تھا حکم دیا کہ اس مہینہ کا نام اسکے نام کی مناسبت سے جولائی رکھ دیا جائے۔ چنانچہ اب تک یہی نام چلا آتا ہے۔

اگست جولیس سیزر کے بعد روم میں ایک اور بڑی شخصیت نے اپنے نام کے جھنڈے گاڑے۔ وہ آگسٹس ([illegible]) تھا جو جولیس سیزر کا ایک رشتے کا بھائی۔ پہلے اس کا نام اوکٹیوی ئیس تھا اور وہ جولیس سیزر کے ایک عزیز ترین دوست مارک انطونی کے ساتھ روم پر حکمران تھا۔ مگر انطونی کی موت کے بعد وہ پوری سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اس نے بھی جولیس سیزر کی طرح عوام کی بھلائی کیلئے بہت سی نئی اصلاحات نافذ کیں اسنے نئے قوانین بنائے اور عوام کی بھلائی کے لئے کوششیں کیں جس پر روم کے لوگ اسکے اتنے گرویدہ ہوئے کہ انھوں نے اسے

سیٹوری لیس کی بجائے اگسٹس کہنا شروع کر دیا۔ جس کے معنی ہیں دانا دانشمند
وغیرہ۔ آہستہ آہستہ یہ آٹھواں مہینہ بھی اگسٹس کے نام پر اگست بن گیا اور
اگسٹس کا نام زندۂ جاوید ہوگیا۔ لیکن ابھی ایک اور دشواری باقی تھی اس
وقت جولائی کے اکتیس دن تھے اور اگست کے تیس۔ لوگوں کو یہ
بات پسند نہ آئی کہ اگسٹس کسی طرح جولیس سیزر سے کم تر شمار ہو۔ چنانچہ
انھوں نے ستمبر (جو کہ اس وقت اکتیس دن کا تھا) میں سے ایک
دن لے کر اگست میں جمع کر دیا اور اس طرح اگست بھی اکتیس کا ہوگیا۔

لیکن اگسٹس کا نام رکھنے کے لئے آٹھواں مہینہ ہی کیوں خاص
طور پر چنا گیا؟ بات دراصل یہ تھی کہ اس مہینے میں اگسٹس نے بہت سے
مشہور کام سرانجام دیئے تھے۔ اسی مہینہ میں رومی کونسل کی تشکیل
کی گئی۔ اسی مہینے میں اس نے مصر کو فتح کیا اور پھر اسی مہینے میں اس نے
روم کے طویل جنگی دور کو ختم کیا۔

اگسٹس کا عہد حکومت روم کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے اس کے
عہد میں رومیوں نے نہ صرف طویل جنگی دور سے نجات حاصل کی بلکہ اس
دور میں روم کی معاشرت کے ہر شعبے نے بہت ترقی کی۔ بڑی بڑی لائبریریاں
قائم ہوئیں۔ ادب، آرٹ، موسیقی اور شاعری کو بہت عروج حاصل ہوا۔
پورے ملک میں عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہوئیں اور علوم و فنون کو خوب
فروغ حاصل ہوا۔ ہوریس اور ورجل جیسے عظیم شاعر بھی اگسٹس ہی کے
زمانے کے شاعر ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اگسٹس کے نام پر اس مہینے کا نام
رکھا گیا۔

ستمبر۔ اگست کے بعد ستمبر آتا ہے۔ ستمبر کے لغوی ہیں سات
مگر ترتیب میں یہ نواں مہینہ ہے اس طرح معنوں کے لحاظ سے یہ
بے چارہ بالکل غلط جگہ واقع ہے۔ لیکن اس میں ہنسنے کی کوئی بات
نہیں۔ کیونکہ اس میں ستمبر کا کوئی قصور نہیں۔ اصل میں بات یہ ہے
کہ قدیم زمانے میں جب سال کا آغاز مارچ سے ہوتا تھا۔ تو اس وقت
ترتیب اور معنوں کے لحاظ سے ستمبر بالکل صحیح جگہ پر تھا۔ یعنی
اس وقت یہ ساتواں مہینہ ہی تھا۔ مارچ کو پہلا مہینہ ہی مان کر گن
لیجئے۔ ستمبر ساتواں ہی پڑے گا۔ آج جب ہم اس اختلاف کو
دیکھتے ہیں تو ہمیں آج سے صدیوں پہلے کا وہ زمانہ یاد آتا ہے
جب کیلنڈر ابھی ترتیب پا رہا تھا اور مہینوں کے نام [illegible]
جا رہے تھے۔ کبھی انہیں آگے کر دیا جاتا تھا کبھی پیچھے اور
کبھی ان کا کوئی نام رکھا جاتا تھا اور کبھی کوئی۔

اکتوبر۔ سال کا دسواں مہینہ۔ یہ مہینہ بھی ستمبر کی طرح نہ تو
کسی دیوی سے منسوب ہے نہ دیوتا سے اور نہ ہی کسی بڑی
شخصیت سے بلکہ یہ مہینہ بھی بچارے ستمبر کی طرح گھر سے
بے گھر ہوا پھرتا ہے لغوی اعتبار سے اس کے معنی ہیں آٹھ
مگر ترتیب میں دسواں مہینہ ہے۔

ذہن میں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے، اگست کے
بعد کسی مہینے کو رومیوں نے کسی شخصیت سے منسوب کیوں نہیں
کیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ جولیس سیزر اور اگسٹس جیسے عظیم المرتبت
شہنشاہوں کے بعد ان کی نسلوں میں ایسی کوئی شخصیت پیدا
ہی نہ تھی کہ جس کے نام سے وہ کسی مہینے کو منسوب کرتے اگسٹس
کی وفات کے ساتھ ہی روم کا سنہری زمانہ گزر جاتا ہے۔ اور
اس کے بعد کوئی ایسی ہستی ۔ پیدا نہیں ہوتی جو اہل روم کے دلوں
کو اس طرح مسخر کر سکتی کہ وہ جولیس سیزر اور اگسٹس کے
بعد اسے کوئی درجہ دے سکتے۔ چنانچہ باقی مہینوں کو اسی طرح چھوڑ
دیا گیا اور ان میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی۔

نومبر۔ بالکل یہی حال نومبر کا ہے اس کے بھی نام اور ترتیب
میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ معنی کے لحاظ سے یہ نواں مہینہ ہے مگر
کیلنڈر میں اس کا شمار گیارہویں مہینے کے طور پر ہوتا ہے۔

موجودہ کیلنڈر کو یہ شکل اختیار کرتے کرتے صدیاں گزری
ہیں۔ اس اثنا میں اس میں سیکڑوں تبدیلیاں ہوئیں۔ کبھی مہینوں
کی ترتیب بدل گئی۔ کبھی ان کے نام بدلے گئے اور کبھی ان کے
دن گھٹائے اور بڑھائے گئے۔ مگر اہل روم کے بعد کسی کو سال
کے آخری مہینوں کے نام بدلنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور
رفتہ رفتہ یہی نام لوگوں میں رچ بس گئے

لیکن لوگ اس مہینے کو "خونی مہینے" کا نام دیتے تھے کیونکہ
موسم سرما میں سخت سردی اور برف باری کے زمانے میں

انہیں زندہ رہنے کے لئے اپنے بے شمار مویشیوں کو ذبح کرنا پڑا تھا۔ اور ان کے گوشت پر ان کی گزر اوقات ہوتی تھی

دسمبر: آخری مہینہ دسمبر ہے۔ اس کے لاطینی میں لغوی معنے ہیں دس۔ مگر ترتیب میں یہ بارہواں مہینہ شمار ہوتا ہے۔ آج کل اس پر سال کا اختتام ہوتا ہے مگر قدیم زمانے میں یہ دسواں مہینہ ہی تھا اسکے بعد جنوری اور فروری آتے تھے اور فروری ہی پر سال کا اختتام ہوجاتا تھا۔

عیسائیوں میں یہ مہینہ خوشی اور مسرت کا مہینہ ہے اس مہینے میں ان کا مشہور تہوار کرسمس آتا ہے، بچے بوڑھے جوان مرد عورت، سب ہی بڑی خوشی سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ گھروں کو سجایا جاتا ہے۔ نئے نئے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ سیر و تفریح کے پروگرام بنائے جاتے ہیں دعوتیں ہوتی ہیں ایک دوسرے کو تحفے تحائف پیش کئے جاتے ہیں اور فادر کرسمس مسکراتے مسکراتے اپنے تھیلوں کو کھلونوں اور تحفوں سے بھرے ہوئے جب برف پوش پہاڑیوں اور میدانوں سے بہتے ہوئے آتے ہیں تو ہر چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا ہے لوگ فادر کرسمس کا گرمجوشی سے استقبال کرتے ہیں اور پوری قوم جشن عید منانے میں مصروف ہوجاتی ہے

دیوی دیوتاؤں کا زمانہ گذر گیا اب روشن خیال ہوچکے ہیں وہ پہلے زمانے کے لوگ کی طرح ضعیف الاعتقاد نہیں رہے اب سب ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور باقی سب خداؤں کا جادو ٹوٹ چکا ہے۔ مگر سال کے مہینوں کے نام صدیوں سے یہی چلے آتے ہیں جو دیویوں اور دیوتاؤں اور بادشاہوں کے ناموں سے منسوب ہیں اور ہمیں اس دور کی یاد دلاتے ہیں جب لوگ وہمی اور کمزور عقائد کے مالک تھے اور ایک خدائے برتر کی بجائے بے شمار خداؤں کی پرستش کرتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے

●●

مکتوبات

کہ لوگ کہتے ہیں

آپ کے خطوط

دیوبند
۲۶ر دسمبر ۱۹۶۲ء

جناب مدیر صاحب
السلام علیکم

"رنگ سنگ" کے لئے ایک غزل بھیج رہا ہوں، جس کا مطلع ہے

ہر چند ہوں بے بہرہ و محروم ازل بھی
لیکن کبھی کہہ لیتا ہوں اچھی سی غزل بھی

شاید اپنے وعدے کے مطابق "زکوٰۃ نمبر" شائع فرما چکے ہوں۔ میں ایام تعطیل میں وطن چلا گیا تھا، ممکن ہے آپ نے بھیجا ہو۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ آپ نے ضرور بھیجا ہوگا لیکن مجھے مل نہ سکا۔ اب ضائع ہونے کی چاہے جو بھی شکل پیش آئی ہو۔ بہرحال اگر ہو سکے تو دوبارہ عنایت فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

زکوٰۃ نمبر کے لئے میں نے بھی "نظام زکوٰۃ" کے عنوان سے مضمون لکھا لیکن ناقص ہونے کی وجہ سے ارسال خدمت نہ کر سکا۔

کچھ دنوں میں میں اساتذہ دارالعلوم سے "انٹرویو" کے نام سے ایک کتاب شائع کرنے والا ہوں، لیکن کتاب کے منظر عام پر لانے تک کچھ حضرات کے انٹرویو رسائل و رسائل میں شائع کرنے کا خیال ہے۔ چنانچہ ماہنامہ "دارالعلوم" میں فروری ۱۹۶۳ء سے ان شاء اللہ مستقل شائع ہوں گے اگر آپ بھی چاہتے ہوں تو لکھیں۔

خیر اندیش
عبدالوحید داحد ضیائی جلالپوری

:

لار (دیوریا)
۱۳ر جنوری ۱۹۶۳ء

مدیر محترم
السلام علیکم

"ترجمان جمعیت" اور پھر اسی کے نقش ثانی "رنگ سنگ" کے توسط سے آپ مجھ سے واقف ہوں گے "ترجمان جمعیت" جب اول اول منظر عام پر آیا تھا، میں مستقل رسالے کے لئے لکھتا رہا۔ ادھر چند ماہ سے یہ سلسلہ کچھ رک گیا "اب پھر میں آپ کی بزم میں شریک ہو رہا ہوں

آپ کی عنایت سے رسالہ پابندی وقت کے ساتھ مل رہا ہے "ترجمان جمعیت" سے لیکر "رنگ سنگ" کے بیسویں شمارے تک ہر نمبر کا مطالعہ میں نے بڑے غور اور دل جمعی سے کیا ہے اس طرح میں کہہ سکتا ہوں کہ رسالے کے نقش اول سے نقش ثانی تک کا پورا ارتقائی سفر میری نگاہوں کے سامنے ہے اس سلسلہ میں کوئی شبہ نہیں دینی اور اصلاحی ماہنامے

سنگ کا چند

...جو رنگ سنگ نے دلوں میں شرر پیدا کر دیا ہے
...گی وہ یقیناً محسوس کی جاتی رہے گی۔ رنگ سنگ کو بہتر
سے بہتر بنانے کی جو کوششیں آپ اور آپ کے احباب
کر رہے ہیں، وہ لائق صد ستائش ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ
کامیاب بھی۔

رسالہ کی دلچسپی میں اضافہ کرنے کے لیے میری ناچیز
رائے میں دو عنوان مستقلاً بڑھا دیے جاتے تو بہت
بہتر ہوتا۔ مثلاً "مطالعہ کی میز پر" اس عنوان کے تحت مختصراً
کسی بڑے رائٹر کی تحریر کا بہت عمدہ اقتباس دوسرے
"جنوں کا تعاقب" کے عنوان سے غیر سیاسی چیزوں پر نہایت
ہلکے پھلکے شریفانہ اور طنزیہ انداز میں تبصرے۔ میں ان
دونوں عنوان پر نمونہ کے طور پر مختصراً آپکی خدمت میں بھیج
رہا ہوں۔ ممکن ہے آپکو پسند آئے اور میری حقیر کاوش سے
رسالہ کی کوئی خدمت انجام پا سکے۔ اس کے ساتھ ہی رسالہ
کے لیے اپنی ایک غزل بھی ارسال کر رہا ہوں

ایک چیز اور یاد آئی جو اقتباس آپ رسالہ کے
شروع میں دیا کرتے۔ مثلاً دسمبر ۶۸ء شمارہ ۲۰ جلد ۲ کے
صفحہ ۵ پر فہرست مضامین کے بالکل اوپر "آرزوئے تنعم"
کے عنوان سے مولوی شریف احمد مارہروی کا اقتباس
دیا ہے، اگر مناسب سمجھیں تو انہیں اقتباسات کو "مطالعہ
کی میز پر" کے مستقل عنوان کے تحت دیا کریں

امید ہے، مزاج بخیر ہوگا۔

معلوم نہیں، خطوط کے جواب دینے کی عادت آپکو
ہے یا نہیں۔ ویسے ایک رسالہ کے ایڈیٹر سے اسکے مضمون
نگاروں کو جواب کی توقع ضرور ہوتی ہے

والسلام

اشتیاق احمد ثانی لاری ایم اے

او سی ایم انٹر کالج
لار (دیوریا)

⁂

دیوبند
۸ر دسمبر ۶۸ء

کرمی سلام مسنون

"زکوٰۃ نمبر" کے سلسلے میں اپنے ایک خط میں اظہار
رائے کر چکا ہوں۔ امید ہے موصول ہو چکا ہوگا۔
"رنگ سنگ" کے لیے ایک مضمون جو عربی کے
ایک مشہور شاعر کی شخصیت اور فن پر مختصر جائزے پر مشتمل
ہے ارسال کر رہا ہوں۔ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا

والسلام

ندیم الواجدی

⁂

سہسرام
۹ر دسمبر ۶۸ء

برادرم ضیا صاحب!

تسلیم

میں ان دنوں گھر پر نہ تھا جب "رنگ سنگ" کا
زکوٰۃ نمبر موصول ہوا تھا۔ گھر آیا تو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔
اس طرف سردی پورے شباب پر ہے۔ اور شاید اسی لیے
میں سردی اور بخار میں گھرا خود کو آزاد کرنے کی کوشش
کر رہا ہوں کہتے ہیں جب انسان بیمار پڑتا ہے، تب اسے
احساس ہوتا ہے کہ کسی نے سچ کہا ہے کہ تندرستی ہزار نعمت
ہے: میرے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔

حالات کے تحت اپنی نئی کاوش آپ کے لیے حاضر ہے۔
"بنگال کا جادو" کہانی کے متعلق میں صرف اتنا کہنے کی اجازت رکھتا ہوں کہ یہ کہانی حقیقت کے بہت قریب ہے!

ان دنوں جو اردو رسالوں کی حالت ہے اس سے ہم سبھی واقف ہیں لیکن افسوس تو یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں بہت کچھ۔ لیکن کرتے بہت کم ہیں "رگ سنگ" کے لیے۔ مجھے بھی بہت کچھ کرنا تھا لیکن حالات کے ہاتھوں مجبور تھا اور آپ شاید اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجبوری ہی انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

آئندہ سے آپ ہر ماہ "رگ سنگ" کی پانچ کاپیاں مناسب ٹکٹ چسپاں کر کے میرے پتہ پر ارسال کر دیا کریں میں اسے احباب میں تقسیم کر کے اس کا پیسہ بذریعہ منی آرڈر ارسال کر دیا کروں گا۔ آپ میری طرف سے مطمئن رہیں "رگ سنگ" اپنا پرچہ ہے اور اسکے لئے جو کچھ ہی کرنا ہے بہت کم ہے!

عنقریب چند اچھے فنکاروں کی تخلیقات بھی بھیجنے کی کوشش کروں ـــــ اپکی گرانقدر رائے اور "رگ سنگ" کے تازہ شمارے کا انتظار رہے گا

اور کوئی خدمت؟
امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔
مخلص
شمیم قاسمی

•

جونپور
۵ر جنوری ۷۲ء

محترم تسلیم
ایک صاحب کے پاس "رگ سنگ" کا تازہ پرچہ دیکھنے میں آیا۔ افسوس کہ اب تک اتنا اچھا رسالہ میری نظر سے نہیں گذر رہا تھا۔ آئندہ اس سے محروم نہیں رہنا چاہتا۔ دس روپے بذریعہ منی آرڈر بھیجے جا رہے ہیں براہ کرم جنوری ۷۲ء سے خریداروں کی فہرست میں میرا نام شامل کر کے پرچہ بھیجنا شروع کر دیجئے لیکن اللہ ایسا کوئی انتظام ضرور ہو کہ کوئی پرچہ ضائع نہ ہونے پائے

مخلص
انوار الحق شیرازی

•

الٰہ آباد
۹ر جنوری ۷۲ء

عزیزم فیروز صاحب
السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ'

"رگ سنگ" کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا! بہت خوب جی خوش ہوگیا، بڑے سلیقہ کا پرچہ نکالا ہے آپ نے بہرحال معیاری ہیں' کتابت و طباعت بھی گوارہ ہے۔ البتہ اس طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے میں خود بھی رگ سنگ کے لئے لکھوں گا اور احباب کو متوجہ کروں گا ویسے آپ کے شہر میں بھی اچھے اچھے فنکار موجود ہیں جو نظم و نثر میں بہترین تخلیقات پیش کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں یقین ہے ان کا تعاون آپ کو حاصل ہوگا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے اپنے احباب اور اراکین ادارہ کو میرا سلام پہونچا دیجئے جلد ہی میں کوئی مضمون رگ سنگ کے لئے ارسال کروں گا

والسلام
احمد علی خاں بی اے

سوالات وجوابات

"لیجئے جواب حاضر ہے"

علامہ عیلوی کے قلم سے

ایک شخص بیک وقت تین سوالات ہی دریافت کرسکتا ہے سوال صاف اور خوشخط اور جواب کے لیے جگہ چھوڑ کر لکھیں صرف تعلیمی اصلاحی معاشرتی اور معلوماتی سوالات ہی کے جواب دئے جائیں گے اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرمائیں "لیجئے جواب حاضر ہے" ماہنامہ رنگ سنگ ۸۹/۴۲ کھنیا بازار کانپور

ابوالہاشم حیدرآباد

س۔ سوشلزم اور کمیونزم میں کیا فرق ہے؟

ج۔ سوشلزم (اشتراکیت) اور کمیونزم (اشتمالیت) میں بنیادی حیثیت سے تو کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ دونوں میں اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ دولت کی پیداوار کے تمام وسائل و ذرائع پر جماعت کا قبضہ و تسلط ہونا چاہئے۔ دونوں اس پر متفق ہیں کہ املاک و جائداد پر محض مٹھی بھر لوگوں کو قابض و متصرف ہونے کا حق نہیں ہے۔ دونوں نجی ملکیت کے خلاف ہیں پھر بھی طریق کار کے معاملہ میں دونوں کے درمیان اختلافات بھی بہت ہیں مثلاً اشتمالیوں (کمیونسٹوں) کا عقیدہ یہ ہے کہ ماحول اور معاشرہ میں تغیرو تبدیلی کے لئے خونیں اور جارحانہ اقدامات ناگزیر ہیں اس کا انداز فکر یہ ہے کہ محنت کشوں کو سیاسی اقتدار کے خلاف اعلان جنگ کر کے اپنی آمریت قائم کرنا چاہیئے جس کا رواج اور نفاذ کسی شخص کے بجائے پارٹی کے ذریعہ ہو۔ برعکس اس کے اشتراکی (سوشلسٹ) پرامن اور آئینی طریقہ سے پارلیمانی نظام اور جمہوری آزادی نافذ کرنے پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ گویا اشتراکیت ایک ارتقائی اور نظری فلسفہ ہے جبکہ اشتمالیت انقلابی اور تشدد آمیز تحریک، اشتراکیت کے نزدیک مملکت ایک مستقل ادارہ ہوتی ہے اسکے برخلاف اشتمالیت مملکت کو عارضی ادارہ تصور کر کے اس کی ضرورت محض عبوری دور کے لئے سمجھتی ہے۔

س۔ روسو کون تھا؟

ج۔ روسو کا پورا نام جین روسو تھا وہ فرانس کا مشہور فلسفی تھا۔۔ اس کی پیدائش ۱۷۱۲ء میں جنیوا میں ہوئی۔ جوانی میں وطن کو خیرباد کہہ کر آوارہ گردی اختیار کی۔ اتفاقاً ایک پادری سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے ترس کھا کر اسے اپنی نگرانی میں لے لیا اور بعد میں اسے کیتھولک مذہب اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا اور ایک حزورت مادام وارنس کی

نگرانی میں دے دیا جہاں اس نے موسیقی، فلسفہ اور سیاسیات کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آخر کار اس نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر کے اصول تعلیم اور طرز معاشرت کے بارے میں وہ بڑی اور قابل قدر کتابیں ایمیل اور معاہدۂ عمرانی پیش کیں جو اس کے علم و قلم کا شاہکار تصور کی جاتی ہیں ۶۶ سال کی عمر کو پہونچنے پر ۱۷۷۸ء میں اس نے انتقال کیا

اس کا نظریہ یہ ہے کہ فطرت ہمیشہ نیک ہوتی۔ انسان فطری طور پر نیک ہوتا ہے ہر بدی معاشرہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ ساری برائیوں کی بنیاد سماج ہے علوم و فنون کا انسانی اخلاق پر ہمیشہ برا اثر پڑتا ہے تہذیب نے ہر جگہ بنی نوع انسان کو بگاڑا ہے۔ جیسے ہی علم کی روشنی ابھرتی ہے نیکی رخصت ہو جاتی ہے اور یہ کہ علم و فن انسان کو بوالہوس اور بزدل بناتے ہیں۔

س۔ چاندگرہن کیا ہوتا ہے؟

ج۔ جب زمین چاند اور سورج کے عین درمیان میں آ جاتی ہے اس وقت چاند نظر نہیں آتا اسی کو چاندگرہن کہتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ زمین کے حائل ہو جانے کی وجہ سے سورج کی روشنی براہ راست چاند تک نہیں پہونچتی زمین کا سایہ پڑنے سے چاند چھپ جاتا ہے اور کلی چاندگرہن ہوتا ہے زمین کا کچھ سایہ پڑنے پر جزوی چاندگرہن ہوتا ہے۔ تقریباً ۱۸ سال ۱۰ دن کے عرصہ میں عموماً ۲۹ بار چاندگرہن لگتا ہے۔

نورالغزال ـــــــ سعدآباد

س۔ یہ تاریخی نام کیا ہوتے ہیں؟ کیا ہر نام تاریخی ہو سکتا ہے یا کسی خاص قسم کے نام تاریخی کہے جاتے ہیں۔ میں بھی اپنا نام تاریخی بنانا چاہتی ہوں۔

ج۔ محترمہ تاریخی نام وہ ہوتے ہیں جن سے کسی شخص کا سن پیدائش معلوم ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ کسی وقت بھی اپنی صحیح عمر بتا سکتا ہے۔ مگر ہر نام تاریخی نہیں ہو سکتا بلکہ ایک مقررہ قاعدہ کے مطابق یہ نام تیار کئے جاتے ہیں۔

قاعدہ بغدادی کے آخر میں ابجد کا ایک سبق بھی شامل ہوتا ہے۔ یقیناً نظر سے گذرا ہوگا۔ آٹھ الفاظ کا یہ سبق عربی زبان کے سب کے سب ۲۸ حروف پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان تمام حروف کے اعداد بھی مقرر ہیں وہ یوں کہ۔

ابجد ـــ	ا	ب	ج	د
	۱	۲	۳	۴
ہوز ـــ	ہ	و	ز	
	۵	۶	۷	
حطی ـــ	ح	ط	ی	
	۸	۹	۱۰	
کلمن ـــ	ک	ل	م	ن
	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
سعفص ـــ	س	ع	ف	ص
	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰
قرشت ـــ	ق	ر	ش	ت
	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰
ثخذ ـــ	ث	خ	ذ	
	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	
ضظغ	ض	ظ	غ	
	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰	

اب کوئی تاریخی نام جملہ یا مصرعہ تیار کرنا ہو تو ...

وہ بھی حروف سے بدلی جاتی ہے اور یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ نام یا جملہ تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ بامعنی عمدہ اوصاف بھی ہو۔ اس کے ذریعہ کسی بھی سن عیسوی یا ہجری سے متعلق نام اور جملے تیار کئے جاسکتے ہیں۔ یہ باقاعدہ فن ہے اور اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اعداد ۷۸۶ اور محمد کے اعداد ۹۲ اسی قاعدہ کی مدد سے ہوتے ہیں۔ آپ کے نام (نورالغزال) ن (۵۰) و (۶) ر (۲۰۰) ا (۱) ل (۳۰) غ (۱۰۰۰) ز (۷) ا (۱) ل (۳۰) کے کل اعداد کا مجموعہ ۱۳۲۵ ہوتا ہے۔ یعنی اگر آپ کی پیدائش ۱۳۲۵ھ میں ہوئی ہے تو یہ آپ کا تاریخی نام ہوسکتا ہے۔ ورنہ نہیں مثال کے طور پر ذیل میں ۱۳۹۲ھ کے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

ظفر محمد کیفی، انصار منیر، حیدر نیازی۔ سیدہ خدیجہ خانم، ذاکرہ سرور۔ خورشیدہ نذیں

محمد انور ——— سرائے عاقل

س۔ اس وقت ہندوستان کی آبادی کیا ہے

ج۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۵۴٬۶۹٬۵۵٬۹۴۵ ہے

س۔ آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک۔

ج۔ چین

س۔ سب سے زیادہ آبادی والا مسلمان ملک؟

ج۔ انڈونیشیا

نسیم الحق ——— بجھیڑی

س۔ ہندوستان پر انگریزوں نے کتنے دنوں حکومت کی

ج۔ انگریزوں کے ناپاک قدم تو ۲۰ مئی ۱۴۹۸ء کو ہندوستان آگئے تھے۔ تقریباً ۱۰۰ سال تک وہ تجارتی چالوں اور سیاسی ترکیبوں سے اپنا اثر ورسوخ بڑھاتے رہے۔ ۲ مارچ ۱۵۶۹ء میں انھوں نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کئے اور اس سلسلہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ ان کا پہلا ٹکراؤ ہوا۔ ۲۲ جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کی جنگ ہوئی اس کے بعد انگریزوں کی توسیع پسندی بڑھتی ہی گئی تقریباً ایک سو سال کی جدوجہد کے بعد ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو وہ دارالحکومت دہلی پر قابض ہونے میں کامیاب ہوگئے اور سارے ملک پر حکومت کرنے لگے مگر باشندگان ہند کی جدوجہد آزادی کے نتیجہ میں آخر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو انہیں یہاں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونا پڑا۔

س۔ مسلم یونیورسٹی کا قیام کب عمل میں آیا۔

ج۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اپنی موجودہ شکل میں ۱۹۲۰ء میں وجود میں آئی لیکن اس کی بنیاد ۱۸۷۵ء میں سرسید احمد خاں نے ڈالی تھی۔ اس وقت یہ ادارہ مدرسۃ العلوم یا محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج کے نام سے کام کرتا تھا۔

س۔ اردو کا سب سے بڑا شاعر کون ہے

ج۔ گذشتہ تین سو سال کے عرصہ میں جب سے اردو پیدا ہوئی ہے لاکھوں شاعر نام پیدا کر چکے ہیں ان میں سے سیکڑوں نے مختلف اصناف اور مختلف اسلوب شاعری میں مختلف ادوار کے تعلق سے شہرت اور ناموری حاصل کی ولی، میر، سودا، غالب، مومن، درد، آتش، ناسخ، انیس، دبیر، داغ، حالی، اقبال، اصغر، فانی، حسرت، جوش، جگر، فراق، فیض احمد

حفیظ وغیرہ سبھی نے فکر و فن کی خدمت مگر ان سب میں عام طور پر میر غالب اور اقبال کو عظیم سمجھا جاتا ہے اس سلسلہ میں کسی شاعر کا یہ قطعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

تین شاعر مختلف اوقات میں پیدا ہوئے

اک اثر میں بڑھ گیا، اک رفعت تخیل میں
تیسرے کی ذات میں دونوں کو حق نے بھر دیا
کائنات شاعری میں ہیں یہی دونوں کمال
تیسرے میں اس لئے دونوں کو یکجا کر دیا

عبدالعزیز ــــــــــ دہلی

س۔ عورتوں کے بارے میں مردوں نے تو خوب خوب خامہ فرسائی اور خیال آرائی کی ہے۔ کبھی کسی عورت نے بھی اپنی صنف کے بارے میں کچھ کہا ہے۔

ج۔ جی ہاں اٹھارہویں صدی کی ایک شہرت یافتہ ادیبہ میری ڈور تھی مانٹیگو نے عورت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے مجھے اپنے عورت ہونے پر صرف اس وجہ سے خوشی ہے کہ کسی عورت سے شادی نہیں کرنا پڑے گی

س۔ روپیہ دنیا کے کن ملکوں میں چلتا ہے

ج۔ دنیا کے مختلف ممالک کے سکوں کے اپنے اپنے نام ہیں روپیہ صرف ہندوستان پاکستان اور سیلون کے سکے کہلاتے ہیں۔ چند بڑے ممالک کے سکوں کے نام درج ذیل ہیں۔

امریکہ (ڈالر) فرانس (فرانک) انگلینڈ (پونڈ) (دینار) اٹلی (لیرا) سعودی عرب (ریال) عراق (دینار)

مگیتیشو (ٹاؤل) برما (آدھا) آسٹریلیا (خلنگ) ڈنمارک (کروں)

ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ممالک کے درمیان وقت میں کتنا فرق ہوتا ہے

جس وقت ہندوستان میں دن کے ۱۲ بجتے ہیں اس وقت دنیا کے مختلف ممالک کے اوقات درج ذیل ہوتے

برطانیہ اور فرانس میں صبح کے ساڑھے چھ، سویڈن میں صبح کے ساڑھے سات، جرمنی اور آسٹریلیا میں صبح کے ساڑھے سات لبنان اور مصر/روس میں صبح کے ساڑھے آٹھ، چین میں دن کے ڈھائی اور امریکہ میں رات کے ڈیڑھ اٹلی میں ... ایک دن قبل کا ساڑھے سات بجے صبح کا وقت ہوتا ہے ●●

مضمون نگار حضرات سے

● مضامین صفحہ کاغذ کے صرف ایک رخ پر صاف خوشخط اور روشنائی سے لکھئے کوشش کیجئے کہ مضمون مختصر سے مختصر اور جامع ہو اگر کسی دوسری زبان سے ترجمہ کیجئے تو اس کا حوالہ ضرور دیجئے۔

● صالح اور پاکیزہ، علمی، ادبی، تہذیبی، مذہبی اور اخلاقی مضامین کا ہم ہر وقت خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہیں سیاسی اور مخرب اخلاق مضامین کسی بھی صورت میں قابل قبول تصور نہیں کئے جائیں گے

● ناقابل قبول مضامین اسی صورت میں واپس کئے جا سکیں گے جب واپسی کے لئے لفافہ یا ٹکٹ ساتھ ہوں ورنہ ضائع کر دئے جائیں گے (اڈیٹر)

زندگی کے
حسین ترین
اور
یادگار لمحات
کی ساتھی
Family Tea
Family
Tea
CTC
Blue Label
فیملی چائے
سی۔ ٹی۔ سی بلیو لیبل
دارجلنگ کی خالص تازہ پتیوں سے تیار کردہ فرحت بخش چائے
اوریئنٹ کمپنی۔ توپ خانہ بازار، کانپور

زندگی کے
حسین ترین
اور
یادگار لمحات
کی ساتھی
Family
Family
Tea
CTC
Blue Label
فیملی چائے
سی۔ ٹی۔ سی بلیو لیبل
دارجلنگ کی خالص تازہ پتیوں سے تیار کردہ فرحت بخش چائے
فلاور ٹی کمپنی۔ توپ خانہ بازار، کانپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

...دکی رگ سخت ہے مانندِ رگِ سنگ

...م کی رگ نرم ہے مانندِ رگِ تاک

علامہ اقبال

...ایر : فیروز لوبیہ

...ن مدیر : ابوضیاء

...شعبۂ اشتہارات : ابن نعیم جامعی

...ورق : آرٹیکو

...ین : ابن یونس

...طاط : محمد نفیس

شرعی حدود کے اجتماعیت کا علمبردار

رگِ سنگ

سال - سوم

شمارہ - ۲۲

ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

عام شمارہ - ایک روپیہ

سالانہ - دس روپے

دفتر

مقام اشاعت

ترسیل زر کا پتہ

۸۹/۲۴ کھنیا بازار کانپور

فون نمبر

۳۸۸۲۰

طابع و ناشر

فیروز الدین لوبیہ

فون نمبر

۶۳۸۳-۶۰۳۴۲

مطبع

لیتھو برقی پریس نئی سڑک کانپور
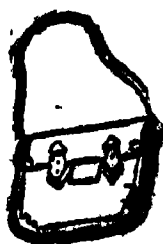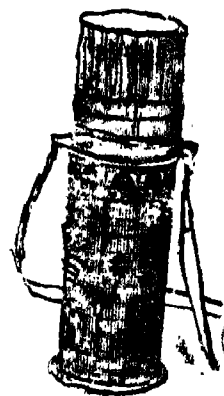
ایک مسلمان سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حق کا اعلان نہ کرے اور ظلم کو ظلم نہ کہے بالکل ویسی ہی بات ہے جیسے یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی زندگی سے دست بردار ہو جائے اگر تم کسی آدمی سے اس مطالبہ کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے تو یقیناً ایک مسلمان سے یہ مطالبہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ ظلم کو ظلم نہ کہے کیونکہ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ یہ تو اسلامی زندگی کا وہ عنصر ہے جس کے الگ کر دینے کے بعد اسکی سب سے بڑی مایہ الامتیاز خصوصیت معدوم ہو جاتی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ وہ دنیا میں سچائی اور حقیقت کے گواہ ہیں اور گواہ کا فرض ہوتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے بیان کرے ٹھیک اسی طرح ہر مسلمان کا بھی وظیفہ (ڈیوٹی) ہے کہ جس سچائی کا اسے علم و یقین دیا گیا ہے ہمیشہ اسکا اعلان کرتا رہے اور ادائے فرض کے راہ میں کسی آزمائش اور مصیبت سے نہ ڈرے علی الخصوص جب ایسا ہو کہ ظلم و جور کا دور دورہ ہو جائے اور جبر و تشدد سے اعلان حق کو روکا جائے تو پھر یہ فرض اور زیادہ لازمی اور ناگزیر ہو جاتا ہے کیونکہ اگر طاقت کے ڈر سے لوگوں کا چپ ہو نا گوارہ کر لیا جائے اور "دو اور دو" کو اسلئے چار نہ کہا جائے کہ ایسا کہنے سے انسانی جسم مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر سچائی اور حقیقت ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ جائے اور حق کے ابھرنے اور قائم رہنے کی راہ باقی نہ رہے۔ (ابوالکلام آزاد)

اس شمارے کے قلمکار

ادبیات

ادارہ

خدائے بزرگ و برتر کے فضل و انعام کے سوا اسے کوئی اور نام دیا ہی نہیں جا سکتا کہ ہماری کم مائگی اور بے بضاعتی کے باوجود "رگ سنگ" کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور اس کا ہر شمارہ اپنے قدر دانوں کی تعداد بڑھانے اور پھیلانے والا ہی ثابت ہوتا ہے۔

پچھلے شمارہ کے بارے میں فوری طور پر جو رائیں موصول ہوئی ہیں وہ بڑی حد تک ہمارے لئے ہمت افزا ہیں اور اسکے لئے ہم رب العزت کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے ان مخلصین اور کرم فرماؤں کی قدر دانی کو ذرہ نوازی تصور کرتے ہیں ورنہ ــ

هم کیا؟ ہماری سعیٔ عمل کی بساط کیا؟
یہ سب کرم ہے رحمت پروردگار کا!

"سفر ہے شرط" کی بانگِ جرس پر "کاروانِ رگ سنگ" کمر ہمت باندھ کر عازم شوق ہوا تو خدا کا شکر ہے کہ راہ میں "مسافر نواز" بھی بہتیرے نہ سہی اِکا دُکا ہی سہی ملنے لگے ہیں "شجر سایہ دار" ہزار ہا نہیں تو معدوم و مفقود بھی نہیں۔ اللہ کی رحمت یاوری کرتی رہی تو راستہ کی صعوبتوں اور دشواریوں کی پروا کئے بغیر سفر جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ ہم اپنے عزم و ارادہ کے مطابق ملک و ملت کی کسی خدمت کے لائق ہو جائیں اور اطمینان قلب کے ساتھ اپنے ہی خواہاں اور دردمندوں کو یہ مژدہ سنا سکیں کہ ــ

دوعِ مسرور ہے غم رخصت دم لیتا ہے
کارواں چشمۂ جاں بخش پہ دم لیتا ہے

بستی بستی

بنجارے کے قلم سے

تبلیغ کے انداز ہر دور میں بدلتے رہے ہیں مگر کامیاب تبلیغ کیلئے یہ ضروری ہے کہ مخالف سے اسی کی زبان میں اسکے رجحان کو مدنظر رکھ کر بات کی جائے۔ مولانا محمد علی جوہر میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ ان کی کٹر مذہب پرستی۔ مذہب پر انکا غیر متزلزل تیقن کسی بات کو اگر صحیح سمجھنا تو پھر اپنی ساری توانائیوں کے ساتھ اسکی کوشش کرنا مگر ان کا دل نشیں انداز تخاطب اور پر اثر، چبھتا ہوا طریقۂ تبلیغ، انکو اپنے معاصرین میں ممتاز رکھتا تھا۔

آنجہانی پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنی کتاب "میری کہانی" میں ایک جگہ مولانا کے بارے میں لکھا ہے کہ "ان میں ایک خصوصیت خاص تھی کہ انکی بات دل میں اتر جاتی تھی مولانا اکثر اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ میں بھی اسلام قبول کر لوں۔ اس سلسلہ میں وہ اکثر بہت پیارے اور پر اثر دلائل کے ساتھ قرآن و اسلام کی حقیقتوں اور سچائیوں کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے ایک دفعہ کہنے لگے 'دیکھو بھئی جواہر لعل! قرآن حکیم میں جتنی باتیں اور حقیقتیں لکھی ہیں ان میں سے تقریباً ساٹھ فیصدی تو ہمارے اور دنیا کے شاہدے میں آ چکی ہیں بقیہ چالیس فیصدی اگر ہمارے سامنے نہیں آئی ہیں تو اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یا تو ہماری فہم ان باتوں کا ادراک نہیں کر سکی ہے یا پھر ان باتوں کا ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ کیا اس بات سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ قرآن حکیم ایک الہامی کتاب ہے اور اسلام ایک سچا مذہب؟"

× × ×

کوئی مانے یا نہ مانے مگر ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ بد قسمتی سے ہماری قوم زمانے سے بہت پیچھے چل رہی ہے۔ کسی بھی نئے مسئلے یا معاملے پر ہم توجہ ہی نہیں دیتے اگر توجہ دیتے بھی ہیں تو اجتہاد سے جیسے دور بھاگتے ہوئے ہمیں یاد ہے کہ جب شروع شروع میں مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا مسئلہ درپیش ہوا تو بیشتر "دانشوروں" کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اس کا استعمال قطعاً خلاف شریعت ہے۔ پر آشوب احول میں دلائل دیئے جاتے تھے کہ امام کی آواز کے ہمراہ پرندوں و جانوروں کی آوازیں بھی شامل ہو جائیں گی۔ نتیجتاً نماز فاسد ہو جائے گی۔ خدا خدا کر کے وہ دور گذر گیا۔ لوگوں کو ان دلائل کی فرسودگی کا احساس ہوا آج یہ عالم ہے کہ شہروں کی بیشتر مساجد میں اس کا چلن عام ہو گیا۔

اسی طرح بینکوں اور فرموں میں مسلمانوں کی فاضل رقوبات پر سود کی رقم بڑھی تو ہم نے اسکو ہاتھ لگانے سے صاف انکار کر دیا۔ اور اس پر فخر کیا۔ مگر کافی مدت گذرنے کے بعد ہمارے "دانشوروں" کو اس کا احساس ہوا کہ وہی رقم چرچوں اور مشنوں میں دے دی جاتی ہے جس سے عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے یعنی ہماری بلی اور ہم ہی سے میاؤں۔ الحمد اللہ کر کے برف پگھلی۔ اور یہ کہا جانے لگا کہ اس پیسے سے کسی غریب کی مدد کی جا سکتی ہے۔ پیشاب خانے بنوائے جا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو بات آج کہی گئی ہے وہ کل کیوں نہ مان لی گئی؟ انفرادی طور پر جو کچھ نقصان ہوا ہوگا اس کو تو چھوڑیئے من حیث القوم اس عرصے کے نقصانات

سکا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے؟ سر کٹا کر ٹوپیوں کی باتیں کرنا کوئی سمجھداری کی بات تو نہیں ہے نہ۔

آجکل بھی مسلم پرسنل لاء پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور ان حملوں کا انداز یہ بتا رہا ہے کہ یہ جب علی قطعاً نہیں ہے بلکہ بغض معاویہ ہے۔ اور آثار یہ پکار رہے ہیں کوشش اگر اپنے کردہ مقصد میں کامیاب ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہ ہو گی۔ مگر ہمارے علمائے دین اس سلسلہ میں کو کیا ہے ہیں؟ یہ سب مانتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا میں دین کی اساس قائم رہتے ہوئے کسی قدر اصلاح کی ضرورت ہے مگر اس اجلاح پر کوئی تیار نہیں ہوتا۔ ہمارا بیشتر وقت دوسروں کی ٹوپیاں اچھالنے میں صرف ہو رہا ہے۔

زمانہ تو اپنی چالیں چلے گا ہی۔ تو کیا یہ سوال غیر مناسب ہے کہ جب ایسا ہونا ہی ہے تو ہم خود کیوں نہ پہل کریں؟ ہمارے نیچے ہر سے پہلے سے کیوں نہ تیار ہوں؟ ●●

فہرست چرم قربانی دہندگان

جس ترتیب سے ہمیں چرم قربانی دستیاب ہوئی ہیں اسی ترتیب سے ہم شائع کر رہے ہیں اسی طرح چند نام کئی جگہوں پر آئے ہیں۔ برائے کرم مکمل فہرست ملاحظہ کرکے ممنون فرمائیں۔ شکریہ!

۱۔ جناب حاجی فصیح الدین صاحب پانی والے چرم (۱)
۲۔ " " محمد نفیس " منیجر " (۲)
۳۔ " رئیس احمد " لیدر والے " (۱)
۴۔ " حاجی عبدالوحید " جوہری " (۱)
۵۔ " محمد وارث " جوتے والے " (۱)
۶۔ " حاجی سراج الہٰی " مرحوم " (۱)
۷۔ " ڈاکٹر احتشام الہٰی " جنرل مرچنٹ " (۱)
۸۔ " حاجی محمد مظفر " سولیجہ " (۳)
۹۔ " حاجی ماسٹر محمد عتیق " " (۱)
۱۰۔ " محمود الحسن " کلکتہ والے " (۱)
۱۱۔ " ارشاد محمد " بمبئی والے " (۱)
۱۲۔ " محمد حسین " بلیبیج والے " (۱)
۱۳۔ " حاجی معین الاسلام " پانی والے " (۱)
۱۴۔ " امین الاسلام " " " (۱)
۱۵۔ جناب حاجی محمد عثمان صاحب اسٹیشنری والے چرم (۱)
۱۶۔ " محمد اظہر " کھمنیا بازار " (۱)
۱۷۔ " حاجی عزیز الحق " داتی " (۱)
۱۸۔ " محمد سلطان " اسٹیشنری والے " (۱)
۱۹۔ " محمد سہیل " آلو لے والے " (۱)
۲۰۔ " حاجی محمد شفیق " جھاڑو والے " (۱)
۲۱۔ جنابہ اہلیہ حاجی محمد شفیق " " (۱)
۲۲۔ جناب محمد اقبال " " (۱)
۲۳۔ جنابہ اہلیہ محمد حنیف " مرحوم "
۲۴۔ جناب اکرام الہٰی " خراد والے "
۲۵۔ " شمس الدین " آئینہ والے "
۲۶۔ " عبدالصمد " کھمنیا بازار "
۲۷۔ " حاجی احمد الہٰی " تولیہ والے "
۲۸۔ " ڈاکٹر سراج الہٰی " جنرل مرچنٹ

۲۹۔ جناب حاجی احسان کریم صاحب چودھری چوم (۳)
۳۰۔ " محمد شکیل " کھنیا بازار " (۱)
۳۱۔ " محمد تسنیم " تولیہ والے " (۱)
۳۲۔ " محمد عرفان " بیلے والا گھر " (۱)
۳۳۔ " سرتاج الٰہی " کھنیا بازار " (۱)
۳۴۔ " حاجی محمد الٰہی " جنرل مرچنٹ " (۲)
۳۵۔ " حاجی رئیس الحق " سپیڈیو " (۱)
۳۶۔ " محمد رفیق " جنرل مرچنٹ " (۱)
۳۷۔ " محمد عالیشان " کراکری والے " (۱)
۳۸۔ " ڈاکٹر نورالحسن " پان والے " (۱)
۳۹۔ " توقیر احمد " پانی والے " (۱)
۴۰۔ " حاجی عبدالرشید " مرحوم پانی والے " (۱)
۴۱۔ " نفیس الاسلام " " " " (۱)
۴۲۔ " انیس احمد " ہدایت لیڈر اسٹور " (۱)
۴۳۔ " محمد نفیس " لکھنوی " (۱)
۴۴۔ " محمد حسین " " " (۱)
۴۵۔ " ماسٹر محمد رئیس " " " (۱)
۴۶۔ جنابہ بیگم محمد نہار " کینوس والے " (۱)
۴۷۔ جناب محمد رئیس " آئینہ والے " (۱)
۴۸ جنابہ محترمہ رشیدہ خاتون صاحبہ " (۱)
۴۹ جناب شمیم احمد صاحب باغیچے والے " (۱)
۵۰۔ " اسلام احمد " لکھنوی لیڈ والے " (۲)
۵۱۔ " سرور احمد " گھڑی کڑی والے " (۱)
۵۲۔ " محمد رئیس " چھاتہ والے " (۱)
۵۳۔ " محمد احمد " بھینسے والے (۲)
۵۴۔ " اقبال احمد " سولیجہ " (۱)
۵۵۔ " فضل الرحمٰن " بشلہ " (۱)
۵۶۔ " محمد یوسف " جلیبی والے " (۱)
۵۷۔ " محمد زاہد " ذفلی والے " (۱)
۵۸۔ " محمد ادریس " " " " (۱)

۵۹۔ جناب ظہیر الحسن صاحب جوتے والے چوم (۱)
۶۰۔ " حاجی اشتیاق حسین صاحب برتن والے " (۱)
۶۱۔ " محمد جلیل " جھولے والے " (۱)
۶۲۔ " محمد مشتاق " بخار " (۱)
۶۳۔ " ڈاکٹر امتیاز احمد " انتظام آباد " (۱)
۶۴۔ " رئیس احمد " لیڈ والے " (۱)
۶۵۔ " حافظ اخلاق الحسن " سگریٹ والے " (۲)
۶۶۔ " حاجی محمد عثمان " اسٹیشنری والے " (۱)
۶۷۔ " " محمد عادل " بنیائن والے " (۱)
۶۸۔ " " محمد عاقل " " " (۱)
۶۹۔ " " احسان الحق " (۱)
۷۰۔ " " اشتیاق الٰہی " جنرل مرچنٹ " (۱)
۷۱۔ " " نصیب الدین " تیل والے " (۱)
۷۲۔ " محمد احمد " کھنیا بازار " (۱)
۷۳۔ " شان الٰہی " جن والے " (۲)
۷۴۔ " محمد اشتیاق " بچھونے والے " (۲)
۷۵۔ " حاجی عبدالرشید " مرحوم پانی والے " (۱)
۷۶۔ " مظہر الاسلام " " " (۱)
۷۷۔ " حافظ تحسین الدین " " " (۱)
۷۸۔ " محمد تسنیم " تولیہ والے (۱)
۷۹۔ " اسلام احمد " لکھنوی " (۱)
۸۰۔ " اقبال احمد " کھنیا بازار (۱)
۸۱۔ " محمد نفیس " لیڈ والے (۱)
۸۲۔ " حاجی عزیز احمد " جھاڑو والے " (۱)
۸۳۔ " محمد حنیف " مرحوم لیڈ والے " (۱)
۸۴۔ " محمد یوسف " چپل والے " (۱)
۸۵۔ " محمد داؤد " " (۱)
۸۶۔ " انوار حسین " برتن والے " (۱)
۸۷۔ " محمد احمد " رنگ والے " (۱)
۸۸۔ " عبدالرشید " عرف رسیا " (۱)

۸۹۔ جناب محمد شفیق صاحب صاحب سولجہ چرم (۱)
۹۰۔ " حاجی محمد ادریس " دفتی والے " (۱)
۹۱۔ " محمد زاہد " " " (۱)
۹۲۔ جنابہ سیدہ فاطمہ صاحبہ " (۱)
۹۳۔ جناب فصیح الدین صاحب پانی والے " (۱)
۹۴۔ جناب محمد احسن " فرنیل " (۱)
۹۵۔ " عبدالرؤف " جنرل مرچنٹ " (۱)
۹۶۔ " رحمت الہٰی " چپل والے " (۱)
۹۷۔ " حاجی محمد نعیم " مرحوم ادبیلے والا " (۱)
۹۸۔ حاجی حبیب الہٰی " تولیہ والے " (۱)
۹۹۔ جنابہ اہلیہ عبدالرحیم " مرحوم بہار سں والے " (۱)
۱۰۰۔ جناب محمد اسلم شمیم " لیدر والے " (۱)
۱۰۱۔ " ابوبکر " بساطی بازار " (۱)
۱۰۲۔ " خالد مجید " جنرل مرچنٹ " (۱)
۱۰۳۔ جنابہ محمد النساء صاحبہ نئی سڑک " (۱)
۱۰۴۔ جناب محمد احسن صاحب کلکتہ والے " (۱)
۱۰۵۔ " ریاض احسن " جوتے والے " (۱)
۱۰۶۔ " محمد زکی " سولجہ فیض آباد والے " (۱)
۱۰۷۔ " (راجہ) سید عنایت لیدر والے " (۱)
۱۰۸۔ " . . " کھمنیا بازار " (۱)
۱۰۹۔ " ست نرائن ساحب " جمن والے
۱۱۰۔ " حافظ اسرار الہٰی " جنرل مرچنٹ " (۱)
۱۱۱۔ " حافظ احسان الہٰی " " " (۱)
۱۱۲۔ " ابرار حسین " گیاپرشاد لین " (۱)
۱۱۳۔ " محمد شفیق " جوہری " (۱)
۱۱۴۔ " امین الاسلام " پانی والے " (۱)
۱۱۵۔ جناب حکیم معین الاسلام " " " (۱)
۱۱۶۔ جناب عبدالرشید " مرحوم " " (۱)
۱۱۷۔ " انیس الحسن " سید لو " (۱)
۱۱۸۔ " حاجی محمد عثمان " اسٹیشنری والے " (۲)
۱۱۹۔ " حافظ اخلاق الحسن " سگریٹ والے " (۱)
۱۲۰۔ " حاجی محمد سلیمان " جنرل مرچنٹ " (۱)
۱۲۱۔ " سراج الدین " شکر والے " (۲)
۱۲۲۔ " محمد صابر " جمن والے " (۱)
۱۲۳۔ " محمد شفیق " مرحوم بوتل والے " (۱)
۱۲۴۔ " محمد کفیل " " " (۱)

۱۲۵۔ جناب احتشام احمد صاحب شمسی لیدر والے چرم (۲)
۱۲۶۔ " وحید الحسن " سگریٹ والے " (۱)
۱۲۷۔ " محمد عثمان " مرحوم لیدر والے " (۲)
۱۲۸۔ " محمد شمیم " اٹاوی " (۱)
۱۲۹۔ بیگم " فضل الہٰی " مرحوم بجلی والے " (۱)
۱۳۰۔ " محمد عثمان " " لیدر والے " (۱)
۱۳۱۔ " شمس الدین " بساطی بازار " (۱)
۱۳۲۔ " حاجی رئیس الدین " جوتے والے " (۱)
۱۳۳۔ " اقبال اختر " لیدر والے " (۱)
۱۳۴۔ " احمد دین " " " (۲)
۱۳۵۔ " عقیل احمد " کھمنیا بازار " (۲)
۱۳۶۔ " تعریف الہٰی " کمپٹ والے " (۱)
۱۳۷۔ " انوار حسین " برتن والے " (۱)
۱۳۸۔ " حاجی عبدالقدیر " اسٹیشنری والے " (۱)
۱۳۹۔ " محمد ظہیر ملیح آبادی " ٹرانسپورٹ نگر والے " (۱)
۱۴۰۔ " شوق الہٰی " آتش بازی والے " (۱)
۱۴۱۔ " حاجی عرفان الہٰی " اسٹیشنری والے " (۱)
۱۴۲۔ " نفیس الاسلام " پانی والے " (۱)
۱۴۳۔ " حبیب اللہ " سیدہ بازار " (۱)
۱۴۴۔ " فضل الرحمٰن " صندوق والے " (۱)
۱۴۵۔ " حاجی محمد الہٰی " جنرل مرچنٹ " (۳)
۱۴۶۔ " محمد خالد " بساطی بازار " (۱)
۱۴۷۔ " حاجی محمد الہٰی " " " (۲)
۱۴۸۔ " محمد عاشقین " بوتل والے " (۱)
۱۴۹۔ " محمد تسلیم " تولیہ والے " (۱)
۱۵۰۔ " جاوید اسلام " کھمنیا بازار " (۱)
۱۵۱۔ " محمد عالم " بساطی بازار " (۲)
۱۵۲۔ " محمد اشتیاق " پٹھے والے " (۱)
۱۵۳۔ بیگم " محمد یوسف " تبریزی " (۱)
۱۵۴۔ " حاجی محمد رئیس " ایڈوکیٹ " (۱)
۱۵۵۔ " رئیس احمد " مرحوم جھاڑو والے " (۱)
۱۵۶۔ " محمد رفیق " " " " (۱)
۱۵۷۔ " والدہ رئیس احمد " " " " (۱)
۱۵۸۔ والدہ حاجی محمد شفیق " " " " (۱)
۱۵۹۔ بیگم " محمد رئیس " ایڈوکیٹ " (۱)
۱۶۰۔ " حافظ محمد حنیف " مرحوم لیدر والے " (۱)

اسلامیات

دُعا۔ بندگی کا مظاہرہ

مولوی شریف حسین صاحب

مادہ پرستی، الحاد، کفر اور شرک کے اس دور میں جب کہ انسان اپنی جد و جہد اور کوشش کو زندگی کی معراج سمجھتے ہوئے خود کو اس مقام پر سمجھتا ہے جو دراصل اُسے حاصل نہیں ہے کسی بزرگ اور خدا ترس شخصیت کی پند و نصائح ہمارے لئے ایک نسخۂ کیمیا سے کم نہیں ہے دُعا سے انسان کی عاجزی اور بے چارگی اور مالک کائنات کی آقائیت اور حاکمیت کا اظہار ہوتا ہے اور ایک مذہبی جس کا انسان اپنی تمام تر کوششوں کو [illegible] کی مشیت اور رضا کے مطابق خیال کرنے پر ایمان کی تکمیل سمجھتا ہے" دعا بندگی کا مظاہرہ" سے مضمون میں مولوی صاحب موصوف نے، انہیں عقائد کی صحیح عکاسی کی ہے اِس مضمون کی آخری قسط ملاحظہ فرمایئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے آپ شام کو یہ دعا فرماتے تھے۔

امسینا وَامسی الملک للہ والحمد للہ
لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک
لہٗ لہٗ الملک ولہٗ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ
قدیر رب اسالک خیر ما فی ھذہ۔
اللیلۃ وخیر ما بعدھا و اعوذ بک
من شر ما فی ھذہ اللیلۃ وشر ما بعدھا رب اعوذ بک
من الکسل وسوء الکبر رب اعوذ بک من
عذاب فی النار وعذاب فی القبر

یہ شام اس حالت میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ۔ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہے سب تعریف اسی کی ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے میرے رب میں تجھ سے اِس رات اور اس کے بعد کی رات کی خیر طلب کرتا ہوں اور اِس رات اور اس کے بعد کی رات کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ رب تیری پناہ سستی سے اور کبر سنی کی بُرائی سے تیری پناہ جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے۔

اسی طرح صبح کو الفاظ کے تغیر کیا تھ فرماتے۔

اصبحنا و اصبح الملک للہ۔

ایک دوسری حدیث میں صبح کے وقت اِن الفاظ کی تعلیم دی گئی ہے۔

اصبحنا واصبح الملک للہ رب العالمین اللھم
انی اسالک خیر ھذا الیوم فتحہ ونصرہٗ
ونورہٗ وبرکتہٗ وھداہٗ واعوذ بک من شر
ما فیہ ومن شر ما بعدہٗ۔

صبح اِس حالت میں ہوئی کہ ہم اور سارا عالم اللہ کی سلطنت ہے اے اللہ میں تجھ سے اِس دن کی خیر، فتح نصرت، نور و برکت و ہدایت مانگتا ہوں اور اِس دن کے شر اور اس کے بعد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

لیکن رب سے ڈرنے اور پناہ مانگنے کی چیز اپنے نفس کا شر ہے اور اپنا شر ہے دنیا میں بڑی بڑی تباہیاں انسان ہی کے شر سے آتی ہیں اور دین و دنیا کا نقصان اسی شر نفس کا نتیجہ ہے آپؐ نے بار بار اس سے پناہ مانگی ہے جو کی دعا ؤں میں ہے۔

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ عَالِمَ
الغَیبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنتَ رَبُّ کُلِّ شَیٔ
وَالمَلٰائِکَۃُ یَشْھَدُونَ اَنَّکَ لَا اِلٰہَ
اِلَّا اَنتَ فَاِنَّا نَعُوذُ بِکَ مِن شَرِّ اَنفُسِنَا
وَمِن شَرِّ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ وَشِرکِہٖ
وَاَن نَقتَرِفَ سُوٓءً اَو نَجُرَّہٗ اِلٰی مُسلِمٍ (ترمذی، ابوداؤد)

اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے خالق غیب و شہود کے جاننے والے تو ہر چیز کا مالک ہے اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہم تجھ سے اپنے نفس کی برائی سے اور شیطان کی برائی سے اور شیطان رجیم کے شر سے اور شرکت سے پناہ چاہتے ہیں اور اس سے کہ ہم اپنے حق میں کسی شر کا ارتکاب کریں یا کسی مسلمان تک پہنچائیں۔

ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں

اَللّٰھُمَّ قِنِی شَرَّ نَفسِی وَاعزِم لِی عَلٰی
اَرشَدِ اَمرِی۔

اے اللہ مجھے میرے نفس کی برائی سے محفوظ رکھ اور مجھے میرے امور کے اصلاح کی ہمت دے

ایک دوسری دعا کے الفاظ

یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ بِرَحمَتِکَ اَستَغِیثُ اَصلِح
لِی شَانِی کُلَّہٗ وَلَا تَکِلنِی اِلٰی نَفسِی طَرفَۃَ
عَین

اے۔ حی۔ اے۔ قیوم میں تیری رحمت کے واسطے سے تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ میرے سارے حال کو درست کر دے اور مجھے ایک لمحہ کیلئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر

خشیت الٰہی

اس شر سے اور معصیت سے پناہ اور حفاظت کیلئے سب سے بڑا حصار خشیتِ الٰہی ہے۔ اسی طرح مصائب کے اثر کو کم کرنے والی چیز صرف یقین ہے چنانچہ فرمایا گیا

اَللّٰھُمَّ اَقسِم لَنَا مِن خَشیَتِکَ مَا تَحُولُ بِہٖ
بَینَنَا وَبَینَ مَعَاصِیکَ وَمِن طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا
بِہٖ جَنَّتَکَ، وَمِنَ الیَقِینِ مَا تُھَوِّنُ بِہٖ عَلَینَا
مَصَائِبَ الدُّنیَا۔

اے اللہ ہمیں اپنی خشیت سے حصہ دے کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی طاعت سے وہ حصہ کہ تو ہمیں اس کے ذریعہ جنت میں پہنچا دے اور یقین سے اتنا حصہ دے کہ اس سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے۔

حب دنیا

ان شرور و معاصی کا سرچشمہ اور انکا اہم اور قوی سبب دنیا کی محبت اور اس کا مقصود اعظم ہوتا ہے

حبُّ الدنیا رأسُ کلِّ خطیئۃ۔

مزاج و مذاق یہ ہے کہ۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیشَ اِلَّا عَیشُ الاٰخِرَۃ

اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے

وَاِنَّ الدَّارَ الاٰخِرَۃَ لَھِیَ الحَیَوَان

اسی دعا کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَجعَلِ الدُّنیَا اَکبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبلَغَ عِلمِنَا
وَلَا غَایَۃَ رَغبَتِنَا وَلَا تُسَلِّط عَلَینَا مَن
لَا یَرحَمُنَا۔

اور دنیا کو نہ ہمارا مقصود اعظم بنا اور نہ ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر نامہربان ہو

محبت الٰہی

دین کو جو چیز آسان۔ مرغوب اور محبوب بناتی ہے۔ معصیت سے طبعی نفرت پیدا کرتی ہے دنیا کی محبت کو ریشہ ریشہ سے نکالتی اور اس کی بڑی سے بڑی عظمت کو دل و نگاہ سے گراتی۔ بڑے بڑے امتحان میں قدم جماتی اور دل کو سنبھالتی ہے وہ حقیقی محبت الٰہی ہے جو

ل اس محبت کا لذت آشنا ہوگیا اس کے دل کو نہ کوئی جلال
مرعوب کر سکا، نہ کوئی جمال مسحور کر سکا

وہ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

ضابطہ کا تعلق یا قانونی اطاعت اس محبت کا قائم مقام
نہیں ہو سکتا کہ ضابطہ جور دروازے بھی پیدا کر لیتا ہے۔
تاویلیں اور قانونی موشگافیاں بھی جانتا ہے اکتا بھی
جاتا ہے تھک بھی جاتا ہے لیکن محبت تاویل سے ناآشنا اور تکان
اور اکتاہٹ سے بیگانہ ہے کہ وہ کہ وہ زخم بھی ہے اور
مرہم بھی راہ بھی ہے اور منزل بھی۔

عاشقاں را خستگی راہ نیست
عشق خود راہ است وہم خود منزل است

سید نا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے
اہتمام سے اس محبت الٰہی کی دعا فرمائی ہے۔ ایک دعا کے الفاظ ہیں

اللھم اجعل حبک احب الیّ من
نفسی واھلی ومن الماء البارد

اے اللہ اپنی محبت مجھے پیاری کر دے میری جان
سے اور میرے گھر والوں سے اور سرد پانی سے بھی بڑھ کر
ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں۔

اللھم اجعل حبک احب الاشیاء الی
واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی
واقطع عنی حاجات الدنیا بالشوق
الی لقائک واذا اقررت اعین اھل الدنیا
من دنیاھم فاقرر عینی من عبادتک
کنز الاعمال عن ابن مالک

اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے تمام چیزوں سے محبوب
اور اپنے ڈر کو میرے لئے تمام چیزوں سے خوفناک تر
کر دے۔ اور مجھے اپنی ملاقات کا شوق دے کر دنیا کی
حاجتیں مجھ سے قطع کر دے۔ اور جہاں تونے دنیا والوں کی
آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کر رکھی ہیں میری آنکھ اپنی
عبادت سے ٹھنڈی رکھ

ایک اور دعا کے الفاظ

اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ
عندک اللھم فما رزقتنی مما احب
فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب
اللھم وما زویت عنی مما احب فاجعلہ
فراغا لی فیما تحب

اے اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کرا اور اس شخص کی بھی محبت
جس کی محبت تیرے نزدیک میرے حق میں نافع ہو۔ یا اللہ
جس طرح تو نے مجھے وہ دیا جو مجھے پسند ہے اسے میرا معین
بھی اس کام میں بنا دے جو تجھے پسند ہے اے اللہ تو نے
جو روک رکھا ہے مجھ سے ان چیزوں میں سے جو مجھکو پسند ہیں
تو اسے میرے حق میں ان چیزوں کیلئے موجب فراغ بنا دے
جو تجھے پسند ہیں۔

توفیق ذکر و طاعت

لیکن یہ نسبت یہ اطاعت، یہ توفیق عبادت یہ ذکر و شکر
کی دولت سب اسی کی اعانت پر منحصر ہے اس لئے محبوب اللہ
نے اپنے ایک محبوب صحابی کو پُرمحبت الفاظ میں تاکید فرمائی

یا معاذ واللہ لاحبک میلک یا معاذ لا
تدعن فی کل صلاۃ ان تقول،
اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک
وحسن عبادتک

اے معاذ! واللہ مجھے تم سے محبت ہے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں
کہ یہ دعا کبھی نماز میں ترک نہ ہو۔ کہ اللہ میری اپنے ذکر اپنے
شکر اور اپنی اچھی عبادت پر مدد فرما

یہ ہیں حدیث کی وہ دعائیں جن میں نبوت کا نور و
یقین، انبیاء کا علم و حکمت اور اس معرفت و محبت کی
پوری تجلیات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت اور
سید الانبیاء علیہ السلام کا امتیاز خاص ہے جس طرح چہرۂ
نبوی پر نظر پڑتے ہی عبداللہ بن سلام کی طبع سلیم نے شہادت
دی تھی۔

وَاللّٰہ وہٰذا الیس یوجہ کذاب
بخدا یہ کسی دروغ گو کا چہرہ نہیں ہو سکتا

اِسی طرح اِن دعاؤں کو پڑھ کر قلبِ سلیم شہادت دیتا ہے کہ یہ نبی معصوم کے (۱) سوا کسی کا کلام نہیں ہو سکتا۔ عارف رومیؒ نے دونوں کے متعلق شہادت دی ہے۔

در دلِ ہر کس کہ دانش رامزہ است
بوئے آواز پیغمبر معجزہ است

کمالاتِ نبوت اور علومِ نبوت کی معرفت وشناخت کیلئے جس طرح سیرت کے ابواب اور اعمال واخلاق وعبادت ہیں اسی طرح ایک دلیلِ نبوت اور معجزہ ہے۔ کتنی خوش قسمت ہے وہ امت جسکو نبوت کی وراثت اور سیدنا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں دین ودنیا کا خزانہ اور غیب کی نعمتوں اور دولتوں کی یہ کنجیاں ملیں اور کتنی بدقسمتی اور پست ہمتی ہے اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

رگِ سنگ اور رگِ تاک

مفکر ملت، حکیم الامت حضرت علامہ اقبال مرحوم نے یہ نظم اب سے تقریباً ۳۵ سال قبل کہی تھی جو ان کے مجموعہ کلام "ارمغانِ حجاز" میں شامل ہے اس میں آزاد محکوم کا جو حکیمانہ موازنہ کیا گیا ہے وہ شاعرِ حقہ ہی کا تھا۔ ؎

آزاد کی رگ سخت ہے مانند رگِ تاک

کہہ کر ترجمان ملت نے گویا رگِ سنگ کے موقف اور مقصد حیات ہی واضح کر دیا ہے۔ اس مناسبت سے اس نظم کو پیش کرتے ہوئے ہم یک گونہ فخر محسوس کرتے ہیں۔

آزاد کی رگ سخت ہے مانندِ رگِ سنگ
محکوم کی رگ نرم ہے مانندِ رگِ تاک

محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طربناک

آزاد کی دولت دلِ روشن، نفسِ گرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک

محکوم ہے بیگانۂ اخلاص و مروّت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک

ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندۂ افلاک ہے، یہ خواجۂ افلاک

یونس قنوجی

جبرئیل کی عرضداشت

جناب یونس قنوجی نہ صرف قارئین رگ سنگ کے جانے پہچانے شاعر ہیں بلکہ ملک کے ایک بڑے اردو داں حلقے میں شہرت اور ناموری کے شرف سے مشرف ہیں۔ ان کی دوسری تخلیقات کی طرح زیر نظر نظم بھی ملت اور ابنائے ملت کے درد و سوز سے لبریز ہے اور یونس صاحب کے فکر و فن کی کما حقہٗ نمائندگی کرتی ہے۔

ع۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

سونی سونی ہے فضا تیرے جہاں کی یارب — کیوں نہ طوفان و تلاطم کو صدا دی جائے
دشمن فکر ہے خود ساختہ جنت کی فضا — ذہن مفلوج کو توفیق خطا دی جائے
مسندیں برف کے تودوں میں دبی ہیں کب سے — اب انہیں قہر کے شعلوں کی ہوا دی جائے
سخت مم خوردہ ہے سجادہ نشینوں کا مزاج — آگ تسبیح کے دانوں میں دبا دی جائے
کیف اعلیٰ سے ہے محروم تصوف کی شراب — اس میں کچھ تلخئ دوراں بھی ملا دی جائے
خواب تاثیر میں ترتیل ہو یا وعظ و خطاب — قیمت لحن دلآویز گھٹا دی جائے
خود فریبی کا مرقع ہیں کلاہ و دستار — ان ستونوں کو لرزنے کی دعا دی جائے
صرف گفتار کے غازی ہیں فقیہان حرم — اب انہیں حشر خرامی کی سزا دی جائے
جسکی لو زیست کے گوشوں کو منور نہ کرے — خانقاہوں کی وہ قندیل بجھا دی جائے
دل جو کعبہ تھے کبھی آج صنم خانے میں — ان صنم خانوں کی بنیاد ہی ڈھا دی جائے
مدرسوں میں ہے فقط چرب زبانی کا رواج — کیوں نہ اوراق میں تلوار چھپا دی جائے
دل کے تاروں کا نہ ہو ربط جن الفاظ کے — اب ان الفاظ کو زنجیر پنہا دی جائے
کارفرما ہے عبادت میں تجارت کا اصول — شہد و تیزاب کی تفریق مٹا دی جائے

شب گداز اور سحر تاب خیالات کی آگ
سینۂ شاعر ملت میں لگا دی جائے

تین غزلیں

شوق سہسرامی

جام منہ سے نہیں آنکھوں سے لگا رکھا ہے
چشم ساقی نے مجھے مست بنا رکھا ہے

اس کے جلووں کی تمنا میں بھٹکنے والو
اس نے دنیا کو بھی آئینہ بنا رکھا ہے

اٹھ گئی تھیں مری نظریں کبھی انکی جانب
بس اسی بات کا افسانہ بنا رکھا ہے

جس نے لوٹی ہے مرے آس کی پونجی یارو
اسکے ہر راز کو سینے میں چھپا رکھا ہے

دل کے ویران صنم خانہ میں آکر دیکھو
کس طرح درد کے شعلوں کو دبا رکھا ہے

آ سجا دوں میں تری مانگ میں گلہائے غزل
تو نے کیوں پھولوں سے زلفوں کو سجا رکھا ہے

اک جھلک اس نے دکھائی تھی سر طور مگر
دیکھنے والوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے

ڈھونڈھنے آئے ہو کیا دھندلے خیالوں کے سوا
دل کے ویران صنم خانہ میں کیا رکھا ہے

اشتیاق احمد لاری ثانی

غم سوز نہاں ہے اور میں ہوں
متاع دو جہاں ہے اور میں ہوں

بہا جاتا ہوں رنگ دلوزیں میں
کوئی جلوہ کناں ہے اور میں ہوں

حسینوں کی جفائیں ۔۔ یاد ماضی
وفائے دلبراں ہے اور میں ہوں

میں تنہا رہ کے بھی تنہا نہیں ہوں
کہ یاد رفتگاں ہے اور میں ہوں

چلا تھا میں اکیلا سوئے منزل
مگر اب کارواں ہے اور میں ہوں

کتاب عشق کی تکمیل مجھ سے
بہ رنگین داستاں ہے اور میں ہوں

عین تابش

وہ ساتھ تھا تو بڑے پیار سے زمانہ ملا
بچھڑ گیا تو کوئی اپنا آشنا نہ ملا

ٹھہر گئی اسی صحرا میں غم سے گھبرا کر
اکیلی زیست کو جب کوئی راستہ نہ ملا

کتاب زیست مری جس نے منتشر کر دی
وہ کون تھا مجھے اس شخص کا پتہ نہ ملا

اندھیری رات میں میں نے جدھر نظر ڈالی
ہر ایک سمت تری یاد کا فسانہ ملا

وہ کیا گیا کہ مجھے چھوڑ چھوڑ کر کے گیا
کہ اس کے بعد کوئی اس خلوص کا نہ ملا

تو زخم آج سے ناسور بن گیا تابش
کہ وہ ملا تو مگر مجھ سے دوستانہ ملا

اپنے بھی نہیں اپنے

منظر بھاگلپوری

آپ کے جور بدستور رہے ہیں کیا کیا
اور ہم غم سے سدا چور رہے ہیں کیا کیا

اپنی بربادی کا شکوہ بھی کریں تو کس سے
ہم اسی فکر میں رنجور رہے ہیں کیا کیا

جتنی تدبیریں تھیں تقدیر نے ناکام کیا
شومیٔ بختی سے مجبور رہے ہیں کیا کیا

کچھ نہیں کھلتا کہ اس زیست کا حاصل کیا ہے
دہر کے راز بھی مستور رہے ہیں کیا کیا

اس فسوں ساز کو جس دن سے ہے دیکھا ہم نے
اس کے ہر ناز سے مسحور رہے ہیں کیا کیا

غیر تو غیر ہی اپنے بھی نہیں ہیں اپنے
کس سے ہم کہتے کہ مہجور رہے ہیں کیا کیا

منظرِ خستہ کی بربادی پہ اس دنیا میں
دل ہمارا دل میں سبھی مسرور رہے ہیں کیا کیا

غزل

واحد فیاض جلالپوری

ظالم ہے ستمگر ہے غدار ہے . قاتل ہے
اس پر بھی جہاں بھر میں تحسین کے قابل ہے
کشتی ہی نہ ثابت ہے، پتوار نہ ساحل ہے
ایسے میں تو بچنے کی امید ہی باطل ہے
لوٹا ہے مجھے جس نے کیا نام لوں میں اسکا
وہ بھی اسی قبیلے کا اک رہزن و قاتل ہے
ہم ان کی جفاؤں کا انصاف کہاں چاہیں
قاتل ہے جو وہ جج ہے جو جج ہے وہ قاتل ہے
اس دہر کے سینوں میں کیا تم سے کہیں کیا ہے
شعلہ ہے شرارہ ہے، پتھر سے بنا دل ہے
الزام دیں ہم کس کو انصاف کی تو یہ ہے
خود میرا ہی احساسِ نازک مرا قاتل ہے
شعلہ بھی ہے شبنم بھی، نالہ بھی ترنم بھی
واحد تری خو بھی کیا اضداد کی حامل ہے

شاعرِ اسلام حضرت حسّان بن ثابت کی شاعری

انجم عثمانی

مکرم محترم سلام مسنون!

خدا کرے کہ "رنگ سنگ" مستقل ترقی پذیر رہے۔ "رنگ سنگ" جب سے دیکھا رگ جاں بن گیا۔ نتیجہ میں ایک عدد مضمون صفحۂ قرطاس پر پھیل گیا۔ امید کہ آپ میرے احساس کی قدر افزائی فرمائیں گے اور مرسلہ مضمون کو شائع فرماکر ممنون فرمائیں گے۔ مرسلہ مضمون کے سلسلہ میں مزید کچھ نہ کہتے ہوئے صرف اتنا کہوں گا کہ میں نے کوشش کی ہے کہ مضمون آپکے جریدے کی طرح ادبی اور مذہبی اقدار کا حامل ہو بہرحال آپ کی دوررس نگاہ اور قارئین کی گہری نظریں اس کا مقام خود متعین کر لیں گی۔ اپنی گراں قدر رائے سے نوازیں اور جس شمارے میں شائع کریں براہ کرم میرے پتہ پر ضرور روانہ فرمادیں۔ خدا کرے مزاج عالی بخیر ہوں۔

فقط والسلام
انجم عثمانی۔ دیوبند

ایک مرتبہ نطائل نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے بتایا کہ شعر آدمی کی عقل کا نچوڑ ہوتا ہے جسے وہ دنیا کے سامنے پیش کر کے اپنی دانشمندی یا کم عقلی کا ثبوت دیتا ہے تمہارا بہترین شعر وہ ہے جسکو سنکر سننے والا پکار اٹھے کہ تم نے سچ کہا حضرت حسان بن ثابت بھی ایسے ہی عرب شعرا میں سے تھے جنکے کلام کو سنکر سامع پکار اٹھتا تھا کہ تم نے سچ کہا ہے آپ کا کلام اس درجہ صداقت سے پر اور تصنع سے خالی ہے کہ بے اختیار سامع کے دل کی گہرائیوں میں سمو جاتا ہے آپکے دور کے مشہور ترین نقاد بھی آپکے صلاحیتوں اور آپکی شاعرانہ عظمتوں کے قائل و معترف ہیں۔ مشہور ناقد سخن امام ابوعبیدہ کا قول ہے حسان کی تین خصوصیات انکو دیگر شعراء سے ممتاز کرتی ہیں (۱) آپ --- دور جاہلیت میں انصار کے (۲) زمانہ نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (۳) زمانہ اشاعت اسلام میں تمام یمن کے بہترین شاعر تھے۔ ایک اور مقام پر امام ابوعبید فرماتے ہیں بالاتفاق تمام صحابیوں میں اہل مدینہ کے اور پھر قبیلہ عبدالقیس کے اور پھر ثقیف والوں کے اشعار عمدہ ہیں اور اہل مدینہ میں سب سے عمدہ شاعر حضرت حسان ہیں۔ عمرو ابن العلاء فرماتے ہیں کہ حسان قادر الکلام شعراء میں سے تھے۔ ابوالفرج اصفہانی کا قول ہے کہ حسان شاعر عظیم تھے غرض کہ متعدد ناقدانِ سخن اور ائمہ لغت کی شہادت پتہ دیتی ہے کہ عرب دنیا آپکی شاعرانہ عظمت کا لوہا مانتی تھی۔ حضرت حسان فطری اور طبعی طور پر شاعر تھے شاعری کا سلسلہ آپ کی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا آپکے والد دادا اور پردادا بھی شاعر تھے اور اسکے بعد آپکے بیٹے اور پوتے بھی شاعر ہوئے گویا آپکی حیثیت ان سب کے درمیان ایسی تھی جیسے خوبصورت موتیوں کے ہار کے درمیان ہیرا جڑا ہو۔

اصنافِ سخن کے اعتبار سے حضرت حسان کی شاعری مدح و ہجا فخر و تشبیب مرثیہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ آپ کا

اسلوب بیان جزالت کلام اور ضخامت الفاظ میں شعرائے جاہلیت کی طرح نہیں اور تعقید لفظی و معنوی سے بڑی حد تک پاک ہے۔ آپ میدان بدیہہ گوئی میں سب سے آگے ہیں اور اس معاملہ میں زہیر، حطیہ اور انکے مکتب خیال سے تعلق رکھنے والے قطعی علیحدہ جو شعر کو خوب سوچ سوچ کر کہنے کے عادی ہیں جن کا قول ہے کہ خیر الشعر الحولی المنقح المحکک۔ برخلاف اسکے حضرت حسان ارتجالاً شعر کہتے تھے۔ جسکی وجہ سے اصمعی آپکو عبید الشعر کا لقب دیا کرتے تھے چنانچہ جب وفد تمیم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ نے فی الفور دہ بہترین اشعار کہے جو دیوان حسان میں موجود ہیں۔

حضرت حسان مخضرم شاعر تھے کفر و اسلام کے دونوں ادوار میں آپ نے شاعرانہ جوہر پاشی کی ہے کچھ لوگ نہ جانے کیوں یہ اظہار خیال کرتے ہیں کہ حضرت حسان کی دور اسلام کی شاعری میں وہ بات نہ رہی جو دور جاہلیت میں تھی شاید یہ خیال ان حضرات کو اسلئے پیدا ہوا کہ ان حضرات نے دونوں ادوار کے مختلف ذہنی، سیاسی اور ادبی رجحانات میں فرق نہیں کیا اور دونوں زمانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا۔ یہ خیال پیدا نہ ہوتا اگر یہ لوگ محسوس کرتے کہ عرب جب تک عرب کے ریگستانوں میں اور اپنی بدویانہ زندگی میں محصور رہے عربی شاعری بھی ایک محدود دائرے میں ایک ہی مرکز پر گھومتی رہی جب اسلام آیا اور فتوحات کے ساتھ حضارت و تمدن بھی لایا تو شعراء کا گرد و پیش بدلا ٹیلوں پہاڑوں ریگستانوں بیابانوں خیموں کی جگہ سرسبز باغ گلزار نظروں کے سامنے رہنے لگے سادگی نے تکلف کی تنعم نے خشونت کی علم نے جہالت کی جگہ لے لی معلومات و مشاہدات کا دائرہ وسیع ہوا تو ان شعراء کے تخیلات میں بھی نمایاں تبدیلی ہوئی اور زمین شعر میں نئے نئے گل بوٹے نظر آنے لگے۔ نئے خیالات اور تشبیہات نے انکی شاعری کے انداز کو بدلنا شروع کیا لہٰذا یہ کس طرح بھی قرین انصاف نہیں کہ جاہلیت کے اور اسلامی دور کی شاعری کو ایک ہی ترازو میں تولا جائے۔

جزالت کلام اور ضخامت الفاظ کبھی عمدہ ترین شاعری کا معیار تھے مگر قرآن کریم نے الفاظ کے اس طلسم کو پاش پاش کر دیا اور شعراء و خطباء معنویت پر مخصوص نظر رکھنے لگے۔ نزول قرآن سے قبل الفاظ کی بھرمار اور معانی کی غیبوبت اور مطلب کا دور از فہم ہونا ہی شاعری کی عمدگی کا معیار تھا لیکن قرآن کریم کے نزول کے بعد بے معنی الفاظ کی بھرمار کا یہ رواج ختم ہو گیا لہٰذا اگر حضرت حسان کی شاعری جاہلیت کی غرابت اور عدم معنویت تکلف اور تصنع موجود نہیں تو یہ اسلامی ماحول کی تاثیر و خوبی ہے جس سے اثر پذیر نہ ہونا حسان کے بس کی بات نہ تھی۔ ظہور اسلام کے بعد عربی شاعری نے نئے بال و پر کھولے اب سے پہلے انکی شاعری جنگ و جدل کے جذبات کی آئینہ دار تھی افراد خاندان عصبیت نسلی انکا محبوب مشغلہ تھا اور محبوب ترین موضوع بھی لیکن جب اسلام نے جملہ اقوام کو اخوت کی واحد رسی میں جکڑ دیا اور پرانے بغض کو محبت تعلق پریم اور یگانگت سے بدل دیا تو عربی شاعری بھی اسی انداز سے متاثر ہوئی اور اب عربی شاعری میں وہ بے جا تکلف وہ دور جاہلیت کا تصنع نہ رہا بلکہ ان عوارض کی جگہ معنی و مطالب کی پختگی لہجے کی بے ساختگی اور سادگی نے لے لی اور اس کا زندہ ثبوت حضرت حسان کی شاعری ہے جو تمام جاہلیت کی بے جا بندشوں سے بالاتر ہے۔

حضرت حسان نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف میں ان کے قلم نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا اعتراف کرایا ہے۔ مدح و ہجا، فخر و تشبیب وغیرہ میں حضرت حسان سے کسی عرب شاعر نے اونچا مقام حاصل نہیں کیا۔ مگر دور اسلام میں انکی شاعری مدح رسول، ہجو کفار اور صحابہ کرام کی مرثیہ گوئی پر نظر آتی ہے۔ چنانچہ مرثیہ خوانی میں انکے رقت بھرے الفاظ کی تاثیر کا دور اس درجہ موثر ہے کہ قاری اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پاتا حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت حمزہؓ وغیرہ اور شہدائے بدر و احد کی یاد میں آپنے اتنے موثر اور درد بھرے اشعار لکھے کہ پڑھنے والا جگر تھام لیتا ہے

طرح آپکی شاعری کا خاص کارنامہ مدافعت دشمنان اسلام بھی ہے آپ نے ہمیشہ اپنے موثر ترین اشعار سے اسلام کی حمایت اور کفر کی ہجو کی ہے عبداللہ رض ابن رواحہ اور کعب رض بن مالک نے بھی یہی خدمات انجام دیں مگر حضرت حسان کی مساعی سب پر فوقیت لے گئیں۔ حکمیات... کے باب میں بھی حضرت حسان رض کا قلم اپنی جولانیاں دکھلاتا ہے انکے حکم ومواعظ میں دقیق حکیمانہ نکات اور فلسفیانہ نکتہ سنجیاں نہیں بلکہ وہ سیدھے سادھے الفاظ میں حکمت واخلاق کی باتیں بیان کرتے ہیں۔ جو انھوں نے زندگی کے طویل تجربات سے حاصل کی ہیں مدح رسول آپکی شاعری کا ایک نمایاں وصف ہے آپ طولی گزار ہوتے ہیں اور والہانہ انداز میں خان رسالت میں نغمے بکھیرنا نعت رسول میں چہچہانا انکا محبوب مشغلہ ہے انکے مدح وقصائد میں شاعرین کے سے بعید استعارات وتشبیہات نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ میں اپنے احساسات وجذبات کی ترجمانی ہے حسان سچے عاشق رسول تھے۔ اسی لئے حضرت حسان کا کلام گہرے جذبات اور صادق احساسات کی غمازی کرتا ہے غرض کہ انکی تاثیر میں ڈوبی ہوئی صداقت پر مبنی شاعری بے پناہ جاذبیت کی حامل ہے۔

جہاں بھر کے یزیدوں کو پیامِ مرگ آئے گا
حسین رض ابنِ علی رض کا خونِ ناحق رنگ لائے گا
بشارت دے رہے ہیں لو دبیرِ آتشیں آنسو
کہ مستقبل کا انسان اب ابد تک مسکرائے گا
(لونر بجنوری)

اک
بنگلہ
بنے
نیارا

اخلاقیات

حرفِ حق

ڈاکٹر منظر بھاگلپوری

محبی و رفیقی سلام رحمت

مزاج گرامی

"رگِ سنگ" کا زکوٰۃ نمبر نظر نواز ہوا۔ ذرہ نوازی کا شکریہ مضامین کی ترتیب اور آپ کی کاوش واقعی قابل صد ستائش ہے۔ مگر ایک چیز مجھے کھٹکتی ہے اور وہ ہے اسکی کتابت و طباعت۔ اگر کتابت و طباعت کی جانب ذرا توجہ دیں تو رگِ سنگ دیگر معیاری رسائل سے کبھی کم تر نظر نہ آئے گا۔ ویسے تو رسالہ کا معیار ماشاءاللہ خوب ہے۔ ... "حرفِ حق" روانہ کر رہا ہوں "رگِ سنگ" کی قریبی اشاعت میں شامل فرما لیجئے یہ حقیقت ہے کہ حق باتیں تلخ ہوتی ہیں۔ میں کس حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ اس کا فیصلہ بس "رگِ سنگ" کے قارئین ہی کریں گے

خلوص کیش
منظر بھاگلپوری

یہ حقیقت ہے کہ ہم مسلمانوں کی تہذیبی اخلاقی اور تعلیمی حالات اس قدر پست اور ناگفتہ بہ ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم دنیا میں علم کے علمبردار تصور کئے جاتے تھے۔ جدھر ہمارا قدم اٹھا ہم نے جہالت کی ظلمت کو علم کی روشنی سے وہاں کی فضا کو منور کر دیا۔ فلسفہ سائنس و منطق ہر چیز میں ہم یکتائے زمانہ تھے اور چہار دانگ عالم میں ہمارا طوطی بولتا تھا، ہم نے دوسرے کے علوم اخذ کرنے میں بھی دریغ نہ کیا اور ہمیشہ طلب علم فریضۃ علی کل مسلم ہمارا نصب العین رہا۔ قرطبہ اور بغداد میں ہم نے چشمۂ علم جاری کیا اور وہ مرغزار علم بن سکے جہاں دور دور کے تشنگان علم اپنی تشنگی بجھانے آیا کرتے تھے اور سیراب ہو کر جاتے تھے ہندوستان میں گو ہمارا کچھ پہلی سی وہ بات باقی تھی اور ہم نے ابتدا تو کچھ ایسی ہی کی تھی کہ جس علم سے مالا مال تھے اور جو کچھ گوہر تمدن ہمارے قبضہ میں ہے اس سے ہم دوسروں کو مستفیض کریں لیکن جوں جوں ہمارا قیام سرزمین ہند پر ہوتا گیا۔ یہاں کی تنگ اور تاریک فضا ہم پر اثر کرتی گئی اور رفتہ رفتہ اس بری طرح ہم پر مسلط ہو گئی کہ آزاد خیالی کی جگہ تنگ خیالی اعلیٰ ظرفی کی جگہ کم ظرفی انصاف کی جگہ ظلم و تعصب اور اخلاق کے عوض بد اخلاقی ہماری سرشت میں داخل ہو گئی اور ہم نے تمام ان رسوم قبیحہ کو جنہیں دور کرنے کے لیے اسلام آیا تھا صرف اپنے تمدن اور معاشرہ ہی کا نہیں بلکہ اپنے ایمان کا بھی جزو بنا لیا۔

تعلیمی اور اخلاقی پستی کے ساتھ ساتھ ہماری اقتصادی حالت اور بھی دلخراش ہے حالانکہ اسلام دنیا میں اسلیے آیا کہ تمام قبیح رسوم کی بیخ کنی کرے اور اوائل میں اس نے اس مقصد میں بہت کچھ کامیابی حاصل کی

لیکن ہندوستان میں آکر مسلمانوں نے وہ صورت اختیار کر نا شروع کردی اور دوسری قوموں کی رسوم کو اپنا جز و معاشرت بنالیا۔ چنانچہ آج موت، شادی بیاہ۔ ختنہ اور عقیقہ کے موقع پر ایسی ایسی رسوم ہوتی ہیں جو ہنود کی کسی نہ کسی رسم سے ماخوذ ہیں اور جن پر کثیر تعداد میں روپیہ صرف کیا جاتا ہے یہ رسوم ایسی ضروری سمجھی جاتی ہیں کہ اگر سرمایہ پاس نہ ہو تو قرض لے کر ان کو پورا کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت یہی چیز ہے جس نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت میں گھن لگا دیا ہے ان ہی کاموں کے لیے جائدادوں پر گرانبار سودی قرضے لئے جاتے ہیں اور جائدادیں تلف کر دی جاتی ہیں۔

ہم سود کے مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتے لیکن
ایک صاحب نے کیا خوب کہا ہے کہ
"اگر ہمارے مُلا صاحبان صرف اتنا اور سمجھ لیتے
کہ سود لینا اور دینا حرام ہی نہیں بلکہ سود لینے
اور دینے میں دو بڑے گناہ ہیں۔ وہ یہ کہ اپنی اور اپنی
قوم کی حالت کو سقیم کیا جاتا ہے اور دوسری قوم
کی حالت کو مستحکم بنایا جاتا ہے"

اگر یہ باتیں ان کے ذہن نشین کرا دی جاتیں تو شاید آج مسلمانوں کی حالت اس قدر خستہ اور زبوں نہ ہوتی غضب ہے کہ کلام اللہ اور احادیث نبویؐ پکار پکار کر اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ اسلام کو اسراف سے نفرت ہے حتیٰ کہ پانی کا بیجا اسراف بھی ممنوع ہے لیکن ہم ہیں کہ اسراف کا مجسمہ بنے ہوئے ہیں اور اپنی تباہی کی آگ کو اپنے دامن سے ہوا دے رہے ہیں پھر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔

اب تو شادی بیاہ میں لڑکے والے لڑکی والوں سے "تلک" کا مطالبہ کرنے لگے ہیں اور اس مطالبہ میں لڑکوں کے والدین پیش پیش رہتے ہیں "جہیز" اور "تلک" کا مطالبہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ مگر افسوس آج کل کے مسلمانوں پر کہ وہ خود کو تو مسلمان کہتے ہیں مگر قرآن اور رسول کی تعلیم کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں۔ احکام شریعت سے مطلق بے بہرہ اور ہنود کے رسم و رواج کے دلدادہ۔ اسلامی شریعت میں تو رخنے چند مسلم سرمایہ دار طبقہ ہی نے تو ڈالے ہیں جو آج کل ایک رسم بن کر رہ گئے ہیں کہ "بغیر جہیز اور تلک" کے شادی ممکن نہیں "تلک اور جہیز" کی مانگ کرنے والے کو ڈوب مرنا چاہیے صرف یہی نہیں ہم نے اپنی غیرت اور حمیت بھی کھو دی ہے اور اس قدر بے غیرت ہو گئے ہیں کہ لڑکی والوں سے سامان عیش و عشرت طلب کرتے ہوئے بھی نہیں شرماتے یہی وجہ ہے کہ آج ہماری آرام طلبی اور عیش پرستی نے ہمیں صنعت اور تجارت سے بالکل غافل کر دیا ہے ہماری طبیعت اس طرف مطلق راغب نہیں ہوتی ہم محنت و مشقت سے جی چراتے ہیں اور مفت کی دولت حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ صنعت و تجارت دوسری قوموں کا اجارہ ہوتی چلی جا رہی ہیں اور ہماری موجودہ حالت ہماری اسی آرام طلبی اور عیش پرستی کا نتیجہ ہے جو زوال سلطنت کے وقت سے ہے

اب ذرا ہماری اخلاقی حالت پر نظر کریں تو کس قدر شرم کی بات ہے کہ کہاں ہم صدیوں اخلاق کے معلم رہے اور کہاں آج اپنی اخلاقی پستی کے سبب ذلیل و خوار ہیں بلکہ رسوائے زمانہ ہیں ـــ اگر ہندوستان کے جرائم کے قوم وار اعداد کو ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم تمام قوموں سے گرے ہوئے ہیں۔ ہماری اخلاقی حالت انتہائی پست ہے گاندھی جی شراب نوشی بند کرتے کرتے سورگ کو سدھار گئے اور آج بھی نشہ بندی کی تحریک جاری ہے لیکن آج تیرہ سو برس گذرے شراب نوشی کے خلاف ہمارے مذہب نے جنگ کی جہاں جہاں مسلمان برسر اقتدار رہے انہوں نے بادہ خواری کو روکا۔ لیکن افسوس شراب کی بھٹیوں پر آج مسلمان زیادہ نظر آتے ہیں۔ گانجہ افیون، چرس اور تاڑی وغیرہ تو گویا ہمارے لئے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ غنڈے۔ بدمعاش چور اچکے تو ہم میں زیادہ ہیں ریس جوا اور معمہ ہماری زندگی کا جزو بن چکے ہیں کذب و دغا ہماری عادت ثانیہ بن چکی ہے ان ہی بداخلاقیوں کے سبب ہم میں کم ہمتی

اور بزدلی چھاگئی ہے اپنوں سے دست گریباں اور غیروں سے
نالہ ودرازیاں — اس کے ساتھ ہی ساتھ ہماری عمریں بھی کم ہوتی
جارہی ہیں آخر مسلمانوں کی عمریں کم ہونے کی وجہ کیا ہے —؟
دوسری قوموں سے ان کی عمریں کم کیوں ہوتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ
اس کی وجہ اقتصادی بدحالی، افلاس اور اخلاقی کمزوریاں ہیں۔
جو ان کو زندگی کے سچے اور سیدھے اصول پر عمل کرنے سے باز رکھتی
ہیں۔

یوں تو مسلمان مردم شماری کے اعداد پڑھ کر بڑے نازاں
ہیں کہ ان کی تعداد میں برابر کا اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بے شک
ہندوستان کی سیاسی کشمکش میں جو آبادی کا تعلق ہے اس کی
وجہ سے اس سے خوش ہونا چاہیئے اور خوش ہونا بے جا نہیں
لیکن مقتضائے وقت کے لحاظ سے زیادتی آبادی اقتصادی
کمزوری کی دلیل ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ معیار
معاشرت بہت ادنیٰ درجہ کا ہے اور اس کے نتائج خوفناک
سے خالی نہیں ہیں آبادی بڑھنا اچھا ہے مگر اس اضافہ کے
ساتھ ساتھ قوم پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ہم کو
سوچنا چاہیئے کہ کس طرح اس آبادی کو اس قابل بنا سکیں
کہ وہ معاش حاصل کرنے میں ناکام ثابت نہ ہو۔ اور نظام عالم
میں ایک ممتاز حیثیت رکھ سکیں اس لئے ہمیں سب سے
پہلے تعلیم کی طرف توجہ کرنا ہوگی۔ اور پھر اپنی تعلیم کو مفید بنانا
ہوگا۔ آج ہم میں سے جو تعلیم یافتہ ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اپنی
قوم کے لئے مفید ثابت نہیں کر سکتے اسلئے کہ ہم تعلیم کے ماحصل
کو نہیں سمجھتے۔ ہم میں سے ہر شخص کا نظریہ یا تو ملازمت
حاصل کرنا ہے یا ایسا پیشہ اختیار کرنا جس میں زیادہ کاوش
نہ کرنی پڑتی ہو۔

ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان بہت سے پیشوں سے
دور بھاگتے ہیں یا بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اسلئے تو "بیدری
ہولڈ" بنکر لڑکی والوں سے اپنے مطالبات منوانے میں
اپنی کامیابی سمجھتے ہیں یہی ان کے لیے نشانِ مردی ہے انہوں

تعلیم سے اتنا ہی تو سیکھا ہے کہ شادی کی بات چیت چلے تو
اپنے مطالبات دھڑلے سے پیش کردو۔ کوئی بڑی آسامی دیکھو
تاکہ سٹینڈرڈ سلامت رہے اور ساتھ ہی ساتھ سامان عیش
وعشرت بھی ہاتھ لگے پھر بھلا اس قوم کے نوجوانوں سے کیا
امید قائم کی جاسکتی ہے

اب بھی وقت ہے ہمارا دستور العمل جو تیرہ سو برس
پیشتر ہم کو سکھایا گیا تھا وہ نہایت صاف ستھرا ہے اگر ہم
آج بھی اس پر عمل کریں تو ہم یقینی طور پر نہایت کامیاب
زندگی بسر کرسکتے ہیں اور ہماری تمام تکالیف کا ازالہ بآسانی
ہوسکتا ہے۔

قربانی و ایثار کے سانچے میں ڈھلے ہیں
ہم لوگ چراغِ رہِ جاں بنکے جلے ہیں
(طلیق صدیقی)
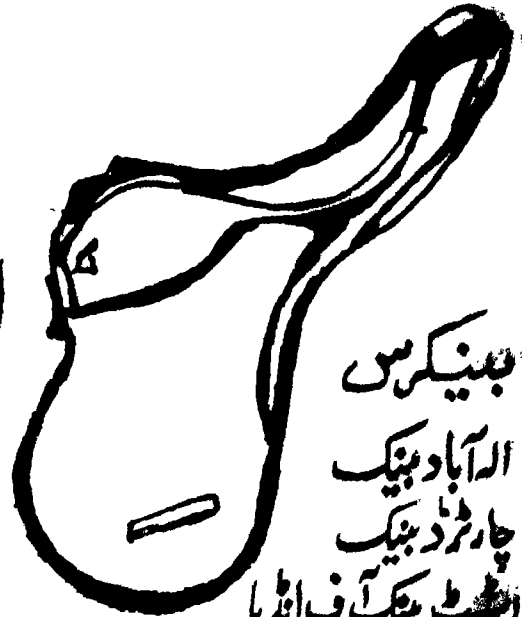
ادبیات

منی آرڈر

سلطان رفیع

"منشی جی" والے سلطان رفیع صاحب اب قارئین "رنگ ترنگ" کے لئے اجنبی اور محتاج تعارف نہیں رہے۔ خود ان کے زیر نظر افسانہ کی پہلی قسط ستمبر ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں کرتے ہوئے کر ان کے تعارف کی رسم ادا کر دی گئی تھی۔ افسانہ کی دوسری اور آخری قسط ملاحظہ ہو۔

(ادارہ)

وہ یہ خط تھیلے سے الگ اپنی کوٹ کی جیب میں سنبھال کر رکھ لیتا اور جلد جلد بقیہ کام نمٹانے کے بعد سیدھا سناروں کے محلہ میں پہنچتا اور اسی سیلن دار تنگ و تاریک کوٹھری کے دروازہ پر پہنچ کر بڑے مزے سے آواز لگاتا "خط لے جاؤ" بڑھیا اس کی آواز سنتے ہی لپکی لپکی آتی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتی اور بڑے ہی پیار سے اپنے پاس کھاٹ پر بٹھاتی اور پوچھتی اچھے تو ہو نا بیٹا؟ اپنے بھائی کا خط لائے ہو؟"

"ہاں اماں! یوسف بھائی کا خط آیا ہے۔

میں نہ کہتا تھا کہ آج ضرور ہی آئے گا" اور بڑھیا اتنا سن کر باغ باغ ہو جاتی اور جھولی پھیلا پھیلا کر دعائیں دینے لگ جاتی۔ پھر رمضان وہ خط پڑھ کر سناتا اور بڑھیا اور اس کی بیٹی رشیدہ بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ وہ خط سنتیں۔ خط ہمیشہ خلوص، محبت اور جذبات سے لبریز ہوتا جسے سن کر ان سب کی آنکھیں بھیگ جاتیں اور تو اور رمضان کی آواز بھی خط سناتے سناتے وفور جذبات سے بھاری پڑ جاتی یوسف کے خط میں ایک تسلسل تھا۔ وہ ہر خط میں اپنی ماں کو بتاتا کہ "اب میں نے اتنے روپے جمع کر لئے ہیں اور آج میں نے رشیدہ کے لئے بڑھیا پھولدار ساٹن کا سوٹ کا کپڑا خریدا ہے اور آج سنہری کام کے سینڈل لئے ہیں اور آج جرابیں رومال اور ریشمی بنیان لایا ہوں اور آج سیندوں والا چھلا مول لیا ہے۔ اب میں بہت جلد آؤنگا تم بالکل فکرمت کرنا۔ رشیدہ کے سسرال والوں سے کہو کہ تیاری کریں ہم اب زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتے پہلے سے ان کے کان میں آواز ڈال دی جائے گی تو وہ وقت کے وقت کوئی عذر اور بہانہ نہیں کر سکیں گے" سب کچھ سنکر بڑھیا نہال نہال ہو جاتی اور رشیدہ بھی ایک کونے میں پردہ کی اوٹ میں بیٹھی بیٹھی شرمانے لگتی اور بڑھیا ایکا ایکی چلاتی۔

"ارے او رشیدہ! اپنے بھائی کا منہ تو میٹھا کرا

اور رمضان کی بلائیں لے لیتی اور والہانہ انداز میں کہتی "اللہ تجھکو بھی جلد سہرے کا دن دکھائے — ارے بیٹا تو دل کیوں تھوڑا کرتا ہے؟ تیری ماں اس دنیا میں نہیں تو کیا ہوا۔ تیرے لئے بہو میں لاؤں گی — ایک یہ دیس میں جا بیٹھا، اللہ نے مجھے دوسرا پالا پلایا بیٹا دے دیا سچ جانیو بیٹا! تو مجھے اپنے یوسف سے کسی طرح بھی کم نہیں —"

اور رمضان ہنس کر کہتا۔

"اماں میں بھی تو تم کو بالکل اپنا ہی سمجھتا ہوں نہ معلوم کیا بات ہے کہ یہاں آکر ایسا لگتا ہے جیسے اپنے گھر میں بیٹھا ہوں۔"

جیتا رہ میرے چاند یہ تیرا ہی گھر تو ہے!

اور یہ مکالمے تھیٹر یا ٹونکی میں بولے جانے والے مکالمے نہیں تھے۔ بلکہ دلوں کی آواز تھی وہ آواز جو گہرائیوں سے ابھرتی ہے۔ اور بڑی اثر انگیز ہوتی ہے۔

سناروں کا محلہ کچھ بڑا محلہ نہ تھا اور وہاں کی ڈاک بھی روز روز نہ آتی تھی۔ رمضان اب روز وہاں جاتا تھا اسے اس بے آسرا خاندان سے، جس کی امیدوں کا چراغ گھر سے دور کہیں روشن تھا، دلی ہمدردی ہو گئی تھی اور اس خاندان کے حالات میں وہ پوری دلچسپی لینے لگ گیا تھا بڑھیا کی اسکی نئی امید بن گئی تھیں یوسف کی کامیابی اسکی اپنی کامیابی میں تبدیل ہو گئی تھی اور اسکی بہن رشیدہ کی فکر فردا اسکی اپنی فکر بن کر رہ گئی تھی۔ شاید اس کا سبب وہ لوث محبت اور ماں کا وہ پیار تھا جو اسے اس گھر میں یکا یک مل گیا تھا۔ اور یہ وہ چیزیں تھیں جسکے لئے اس کی روح پیاسی اور ترسی ہوئی تھی۔ ماں کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ گیا۔ باپ نے اسے پالا اور ہاتھوں چھاؤں پالا۔ مگر ماں پھر ماں ہوتی ہے، اسکی محبت سے وہ محروم رہا۔ یہ محرومی مستقل تھی اور ناگزیر۔ مگر قدرت نے اسے برسہا برس کے بعد اسے زندگی کے راستے پر چلتے چلتے ایک ایسی جگہ لا کھڑا کیا جہاں بالکل غیر متوقع طور پر نہ صرف اسے ماں کی ممتا ہی ملی بلکہ ایک بہن اور ایک بھائی بھی مل گیا۔ یہی کشش تھی جو اسے روز کشاں کشاں اس دروازے پر لے جاتی جہاں وہ بوڑھی عورت بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کرتے اسے ملتی — اسے صرف اپنے یوسف کے خط کا انتظار ہی نہ ہوتا بلکہ رمضان کا انتظار بھی ہوتا تھا جسے وہ بالکل اپنے بچوں کی طرح چاہنے لگی تھی۔

یوسف کا خط کوئی روز روز تو آتا نہ تھا اور نہ ہی آ سکتا تھا۔ البتہ جس روز آجاتا تو بڑھیا کی خوشی دوبالا ہو جاتی۔ خط سنتے وقت اس کے کان آواز پر ہوتے اور آنکھیں رمضان کے چہرہ پر۔ بول یوسف کے اور آواز رمضان کی۔ یہ اسکی خوشی کی انتہا تھی۔

یوسف کے خط برابر آتے رہے

وہ ہر خط میں یہی لکھ رہا تھا کہ "میں روپیہ اور سامان اکٹھا کر رہا ہوں —"

اس نے ایک خط میں لکھا "کہ جب بھی میرے پاس سامان کے علاوہ پانچ سو روپے نقد جمع ہو گئے میں فوراً گھر لوٹ آؤنگا۔" اس نے لکھا تھا کہ اب تک ۴۲۵ روپے جمع کر لئے ہیں، اب منزل زیادہ دور نہیں۔ اس نے اسی خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے کھانسی آنے لگی ہے۔ میں کپڑے کے کارخانہ میں روئی کے گودام میں کام کرتا ہوں جہاں ہردم فضا میں روئی کے ننھے ننھے ذرات اڑا کرتے ہیں اور سانس کے ساتھ حلق سے نیچے اترتے رہتے ہیں۔

ایک دوسرے خط میں اس نے یہ خوشخبری سنائی تھی کہ اب اس کے پاس ۴۶۲ روپے جمع ہوگئے ہیں۔ اسی خط میں اسنے اپنے سارے بدن میں سخت قسم کی خارش ہوجانے کی اطلاع بھی دی تھی اور اسکا سبب گندی نالیوں اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کے قریب راتیں گذارنا بتایا تھا۔

اسکے بعد دو ہفتے تک یوسف کا کوئی خط نہ آیا۔ یوسف کی ماں اور اسکی بہن سخت پریشان رہیں۔ اور رمضان بھی ـــــ وہ روز ڈاک کے تھیلے کو کھنگالتا اور مایوس ہوکر گردن ڈال دیتا مگر بوڑھی عورت کو روزانہ ہی تسلی دیتا کہ کام کاج اور انہماک کے باعث خط نہ لکھ سکا ہوگا۔ اور بالآخر سخت انتظار کے بعد چودھویں روز ایک لفافہ آہی گیا جسے وصول کرکے رمضان خوشی سے اچھل پڑا اور دوڑا دوڑا اسید ھا یوسف کے گھر پہنچا۔ بوڑھی عورت اور اسکی بیٹی بھی خط پاکر بہت خوش تھے۔ خط کھولا گیا۔ یہ یوسف کا ہی تھا اس نے لکھا تھا کہ میں خط کی روانگی میں تاخیر پر سخت متاسف ہوں میں پچھلے چودہ روز اسپتال میں رہا مجھے پیچش کی شکایت ہوگئی تھی کئی روز خون اور آؤں آتی رہی شاید خراب غذا اسکی وجہ ہو۔ مگر میں اب بہت بہتر ہوں اور اپنے کام پر واپس آگیا ہوں۔ کام سے غیر حاضری کے باعث میں اتنے دنوں کچھ بھی جمع نہ کرسکا۔ جس کا مجھے بہت زیادہ قلق ہے بلکہ اس دوران میں دوا دارو پر بھی کچھ پیسے خرچ ہوگئے۔ مگر میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اب میں زیادہ محنت کرکے اس نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس کے بعد اس نے اپنی پونجی میں بتدریج اضافہ کی اطلاعات دیں ان میں سے ہر خط میں اس نے اپنے جلد گھر واپس آنے کی خوش آئند امید کا اعادہ بھی کیا تھا۔ ساتھ ہی اپنے محنت اور کام سے جلد تھک جانے کی نئی پیدا شدہ شکایت پر تشویش کا اظہار بھی تھا۔ اس سے اگلے خط میں یوسف نے لکھا تھا کہ اب میرے مقرر کردہ TARGET یعنی ۵۰۰ روپئے جمع ہونے میں صرف ۲۰ روپے کی کسر رہ گئی ہے میں بہت تھک چکا ہوں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ یہ روپے اگر کسی سے قرض مل جائیں تو میں فوراً واپس گھر آجاؤں۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو کون جانے یہ روپے کس طرح جمع ہونگے؟!

اگلے خط میں درج تھا کہ ایک مزدور ساتھی نے کچھ روپئے قرض دینے کا وعدہ کیا ہے میں اگلے ہفتہ واپس آرہا ہوں اپنے دوسرے خط میں روانگی کی تاریخ سے مطلع کرونگا۔

محنت کش اور دھن کے پکے یوسف کا یہ خط اس کی اور بہن کے لیے مسرت اور امید کا پیغام تھا۔ خوشی کے مارے ان دونوں کی آنکھیں چھلک آئیں اور رمضان نے بھی یوں محسوس کیا کہ جیسے اس گھر کا چاند نیچے ہوتے ہوتے بالکل قریب آگیا ہے۔ اور وہ وقت کچھ دور نہیں جبکہ یہ اس کوٹھری کے اندھیاروں میں اتر آئے گا۔ اور یہ ایک دم جگمگا اٹھے گی ـــــ یوسف کی ماں خوشی سے دیوانی ہوگئی۔ وہ دوڑی دوڑی رشیدہ کی ہونے والی سسرال پہنچی اور انھیں بھی یہ خبر سنائی ساتھ ہی وداع کی تاریخیں ٹھہرانے کا مطالبہ بھی کردیا اور پھر وہ محلے کے ہر ہر گھر میں پہونچی اور انھیں اپنے بیٹے کی آمد کی نوید دی۔

رشیدہ کی سسرال والوں کے مشورہ سے شادی کی تاریخیں بھی ٹھہرادی گئیں رمضان یوں دوڑ دوڑ کر کام کرتا پھر رہا تھا جیسے اپنی سگی بہن کی خوشی میں شریک۔ اب صرف یوسف کے خط کا انتظار تھا یہ خط آئے تو پہنچنے کی اطلاع ملے۔ مگر یوسف کا خط نہ آیا دو دن۔ چار دن، چھ دن، آٹھ دن گذر گئے سب کو تشویش لاحق ہوگئی۔ آخر کیا بات ہے ـــــ خط کیوں نہیں آتا؟

وہ خود کب آئے گا؟ —

یوسف کی ماں اور اس کی بہن راتوں کو رو رو کر دعائیں مانگتی رہتیں — "یا اللہ تو میرے بیٹے، میرے بھائی کی حفاظت کر، اسے ساتھ خیر و خوبی کے اپنے گھر پہنچا" —

رمضان ہر وقت فکرمند نظر آتا خواہ وہ ڈیوٹی پر ہو یا اپنے گھر اپنے بستر پر — اسے ایک بھورے رنگ کا لفافہ کا انتظار رہتا، وہ لفافہ جو اس کی امیدوں کا مرکز اور تمناؤں کا ملجی و ماوی تھا۔

آخر ایک دن وہ لفافہ آ ہی گیا — وہی بھورا رنگ — وہی پتہ — وہی طرز تحریر — رمضان پوسٹ آفس میں لمبی میزوں پر ڈاک کی ڈھیر میں یہ لفافہ پاکر اچھل ہی تو پڑا۔ اس نے جھپٹ کر یہ لفافہ اپنی مٹھی میں دبوچ لیا گویا یہ کوئی ایسی چیز ہو جو ذرا بھی نظر چوک جانے پر ہاتھ سے نکل جائے گی یا ہوا میں تحلیل ہو جائے گی یا نگاہوں سے غائب ہو جائے گی۔ اور ایک دفعہ پہنچ سے باہر ہو جانے پر پھر کبھی ہاتھ نہ آسکے گی وہ لفافہ کو اپنی مٹھی کی گرفت میں دبائے تیزی سے باہر کی طرف لپکا ساتھی پوسٹ مین عبدالکریم جو اسکے ساتھ ملکر ڈاک کی چھنٹائی کا کام کر رہا تھا۔ رمضان کو یوں بے تحاشہ باہر کی جانب دوڑتا ہوا دیکھ کر ہکا بکا کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اور رمضان یہ جا وہ جا۔

رمضان کو جلدی میں اپنی سائیکل بھی ساتھ لینا یاد نہ رہا۔ اور پیدل ہی سناروں کے محلہ کی طرف روانہ ہو گیا — تیز تیز تقریباً دوڑتا ہوا — اسکا سانس بھی اپنے قابو میں نہ تھا۔ وہ سخت مضطرب اور بے چین تھا۔ اور بار بار لفافہ کو الٹ پلٹ باہر سے ہی اس کا مضمون بھانپ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یوسف بھلا کون سی گاڑی سے آرہا ہوگا؟ — صبح کی؟ — یا سہ پہر کی؟ — نہیں تو پھر رات کی؟ ابھی راستہ کافی باقی تھا جب اس سے صبر نہ ہو سکا تو اس نے لفافہ چاک کر ڈالا۔ اور ذرا ایک طرف درخت کے سائے میں سناٹے کی جگہ، دیکھکر اکڑوں بیٹھ گیا۔ یوسف کی دیکھی بھالی تحریر اس کے سامنے تھی :—

"میری پیاری اماں بعد سلام علیک کے معلوم ہو کہ میں یہ خط کافی دنوں کی تاخیر سے لکھ رہا ہوں جس کی وجہ سے آپ ضرور پریشان ہونگی۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ میں نے آپ کو اپنے پچھلے خط میں یہاں سے اپنی روانگی کے ارادہ کے بارے میں لکھا تھا اور صحیح تاریخ سے مطلع کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا یقیناً آپکی آنکھیں دروازے پر لگی ہوئی ہونگی اور آپ بے چینی سے میری راہ دیکھ رہی ہونگی لیکن میری عزیز از جان اماں میں کس منہ سے آپکو یہ بتاؤں کہ میرے اوپر کیا گذری؟ میں کس مصیبت سے دوچار ہوں اور کیسے شدید روحانی عذاب میں، مبتلا ہوں —

میری اماں! آج میرا کلیجہ شدت غم سے پھٹنے کو ہے اس خط میں اگر آپ کو کہیں کچھ نمی ملے تو سمجھ لیجئے گا کہ یہ اس سیل رواں کی چھینٹیں ہیں جو میری آنکھوں سے شب و روز جاری ہے۔ ہائے! میں آپ کو منہ دکھلانے کے قابل نہ رہا۔ آپ نے مجھ سے کیا کیا امیدیں وابستہ کی ہونگی اور رشیدہ بیچاری کیسے کیسے خوبصورت، تصورات میں گم ہو گی مگر نہ معلوم میرا یہ خط پاکر ان لوگوں کے دل پر کیا گذرے گی.؟ — میں آپکو کیسے بتاؤں میری اچھی اماں! کہ میں راتوں رات لٹ گیا — کنگال ہو گیا۔ میری خون پسینہ کی گاڑھی کمائی جو کہ میں نے اپنا تن کاٹ کر اور من مار کر بڑی مشقت سے جمع کی تھی۔ وہ سب کی سب جاتی رہی — ہائے کوئی سنگدل کوئی بدبخت، کوئی بے رحم مجھے لوٹ لے گیا — میری

اماں! مجھے جس صبح اپنے گھر کی طرف روانہ ہونا تھا اس سے پہلی رات کو ــــ ہاں اس رات کو میری تقدیر کی طرح ایک دم تاریک تھی۔ موٹروں کے عالیشان شو روم کے باہر، فٹ پاتھ پر پڑے ہوئے مجھ بدنصیب کی جیب کاٹ کر میری ساری نقدی اڑا لی گئی ــــ اور اس تمام رات کو بڑے اچھے اچھے خواب دیکھنے کے بعد کہ جس میں نے خود کو آپ کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں بند کئے لیٹے ہوئے اور رشیدہ کو سہرے کی لڑیوں کے پیچھے مسکراتے ہوئے بار بار دیکھا جب میری آنکھ کھلی تو میں کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ میں بہت رویا۔ بہت چلایا ـ اپنا سر ٹکراتا رہا۔ خاک میں لوٹتا رہا۔ مگر سب بے سود۔ جانے والی چیز کب واپس آتی ہے ــــ اور اماں! آج میں پھر اسی جگہ ہوں جہاں آج سے دو ڈھائی سال پہلے تھا۔ اسی طرح کنگال اور خالی ہاتھ اور ضرورت مند ــــ

اور اب وہ تمام امنگیں، میری وہ ہمت و قوت اور میرا وہ شوق و ولولہ بھی میرا ساتھ چھوڑ چکا ہے جو مجھے تمام مشکلات اور تکلیفوں سے نکالے چلا گیا اب تو میرا جسم طرح طرح کی بیماریوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔

اب کیا ہوگا اماں؟ اب رشیدہ کیسے دلہن بنے گی۔ اب تم کیسے مسکراؤ گی؟ ــــ اب میں تم سے کیسے اور کب ملوں گا؟ ــــ یہ دنیا کیسی بے رحم ہے اماں؟ ــــ اس کا دل کس قدر سیاہ ہے اماں؟...

اسکے ہاتھ کتنے سخت اور کھردرے ہیں: ماں؟ بس اور کیا لکھوں؟ اسلئے خط کو ختم کرتا ہوں ــــ

میں ہوں ــــ بدنصیب ــــ یوسف

اور رمضان کے ہاتھ سے وہ خط نیچے گر پڑا۔ اسکی آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ یوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا جیسے کوئی ننھا بچہ بلک رہا ہو۔

کئی دن یونہی گذر گئے۔ رمضان کی اپنی نوکری کے پورے زمانے میں پہلی غیر حاضری تھی ــــ وہ دو دن تک اپنے گھر سے باہر ہی نہ نکلا اسے ہلکا ہلکا بخار رہا، اسکی آنکھیں سلگ رہی تھیں اور تنفس تیز

تیسرے روز صبح اٹھ کر وہ خوب اچھی طرح نہایا دھویا۔ صاف دھلی ہوئی وردی زیب تن کی۔ اور پگڑی کا طرّہ اونچا کر کے باندھا تھیلا کمر سے لٹکایا اور سائیکل تھام کر سناروں کے محلّے کی جانب روانہ ہو گیا۔ اسکے قدم بھاری تھے اور کندھے جھکے ہوئے کوٹھری کے دروازے پر پہنچ کر وہ اپنی مخصوص لہریا دار آواز میں چلّایا ــــ "منی آرڈر لے جاؤ" ــــ اور ابھی اسکی آواز کی بازگشت ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ کوٹھری کے اندر ہلچل مچ گئی۔ بڑھیا اور اسکی بیٹی کی بوکھلائی ہوئی آوازیں بلند ہوئیں۔

"رمضان بیٹا آ گیا" ــــ "رمضان بھیا آ گئے"۔

"تو کہاں رہ گیا تھا بیٹے؟ دیکھ دو تین دن میں کیا حال ہو گیا ہے۔ قسم لے لے جو ذرا بھی دیر کو آنکھیں سے لگی ہوں جھڑی رکی ہو ــــ" بڑھیا کی ہچکی بندھ گئی۔

"ارے کا ہے کو روتی ہو اماں۔ کام اتنا تھا کہ ڈاک خانہ میں فرصت ہی نہ ملی۔ اور تمہارے یوسف کا یہ منی آرڈر بھی تو آیا ہے ــــ" رمضان نے بوڑھی عورت کے آگے منی آرڈر کا کاغذ رکھ دیا۔

"ارے! بڑھیا اچھل پڑی" کہاں سے بھیجا ہے اس نے؟ وہ خود کیوں نہیں آیا؟" بڑھیا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک ہی سانس میں کیا کیا کچھ نہ کہہ ڈالے۔

"منی آرڈر بھیجا ہے یوسف نے۔ پانچ سو روپے کا۔ اور لکھا ہے کہ کارخانہ میں مجھے ترقی مل گئی ہے نئی نئی جگہ ہے اسلئے اسوقت کسی طرح بھی نہیں آ سکتا روپے بھیج رہا ہوں رشیدہ بہن کے ہاتھ پیلے کر دو میری راہ دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ میری دعائیں سب کے

ساتھ ہیں۔ اللہ نے چاہا تو جلد قدمبوسی کو حاضر ہونگا۔
رمضان کی آواز میں تھرتھراہٹ اور بھاری پن تھا۔ بوڑھی عورت منہ پھاڑے یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ رشیدہ ایک کونے میں دبکی بیٹھی تھی۔ سن اور سہمی ہوئی!

"لو جلدی کرو اماں! یہاں انگوٹھا لگاؤ۔ اسطرح — بس ٹھیک ہے۔ لو یہ پانچ سو روپے سنبھالو۔ پورے ہیں نا؟ — مبارک ہو — اب جلدی جلدی تیاری کرو کیا کیا کام ہے سب مجھے بتادو۔ میں جھٹ پٹ سب کچھ کردونگا — وداع میں تین چار دن ہی تو رہ گئے ہیں۔ اب رہ گئے یوسف بھائی تو تم جانو، ملازمت کا معاملہ ہے نئی نئی ترقی ملی ہے۔ ان کا اسوقت آنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ تم اللہ کا نام لیکر یہ کام کرڈالو۔ نیک اور اچھے کام میں دیر نہیں کیا کرتے!"

اور مقررہ تاریخوں پر رشیدہ کی وداع ہوگئی رمضان نے تمام انتظامات کئے۔ ڈولے میں سوار کراتے وقت رشیدہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے والا گھر کا بڑا بھی وہی تھا۔ یہ کام بخیر و خوبی انجام پاگیا۔ بڑھیا رمضان کو دعائیں دیتی تھکتی نہ تھی اور رمضان خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا یہ دعاؤں کے بول نہیں بلکہ گلدستے ہیں جو وہ ہنس ہنس کر وصول کر رہا ہے۔

جب رمضان کے بوڑھے باپ نے اس سے پوچھا۔ بیٹیا! اتنا تو بتادے کہ اتنے روپے تو کہاں خرچ کر آیا ہے؟ یہ تو تو نے بڑی محنت سے ایک ایک پیسہ کرکے جوڑے تھے اپنے بیاہ کے لئے۔ تو ان روپوں کو اپنی جان کی طرح رکھتا تھا۔ پھر ایکا ایکی کیسے خرچ کرڈالے۔ اور اتنے بہت؟؟؟ تو رمضان بڑے زور سے ہنس دیا اور اپنے باپ کے گلے میں باہیں ڈال کر بولا۔
"ابا! میں نے بہت ہی اچھی جگہ ٹھکانے لگا دیئے ہیں"!

پھول مرجھا گئے

جاوید ادیب

عرفان الٰہی جاوید ایک ابھرتا ہوا ہونہار قلمکار ہے۔ رگ سنگ کے صفحات پر پہلی بار اپنی تخلیق بعنوان "پھول مرجھا گئے" کے ساتھ قارئین سے متعارف ہو۔ اس میں اس فنکار نے پھول کو بنیادی نکتہ قرار دے کر ایک بہت بڑے فلسفہ کو بڑے پیارے انداز میں پیش کیا ہے۔ عرفان جاوید ادیب شعبہ تعلیم بانڈہ کھیڈا بازار کانپور کے جاسوسیات کا ایک محنتی اور ذہین طالب علم ہیں

میرا تعلق نباتات سے ہے اور... لوگ مجھے۔ گلاب کہکر پکارتے ہیں... جب میں نے اس جہاں میں آنکھ کھولی تو میں نے اپنے آپ کو ایک خوب صورت باغ میں پایا... دن گزرتے رہے اور میں پروان چڑھتا رہا... مالی میری ہر طریقے سے حفاظت کرتا تھا نہ جانے کیوں مجھے حیرانی ہوتی تھی کہ آخر مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو یہ تمام پودوں سے زیادہ میری دیکھ بھال کرتا ہے! پھر مجھے اپنے آپ پر فخر ہونے لگا میں اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ سورج نکلنے سے پہلے جب نسیم سحر مجھے خوش آمدید کہتی تو میں خوشی سے سرشار ہو جایا کرتا... میرے آس پاس سدابہار اور گیندے کے پودے تھے۔ جن میں زرد، سرخ اور سفید پھول کھلے ہوئے تھے ان پر رنگ برنگی خوب صورت تتلیاں منڈلاتی رہتیں مگر کوئی تتلی اور بھنورا میرے پاس نہ آتا شاید اس لئے کہ... ابھی میں بہت چھوٹا تھا...

ایک نہایت ہی حسین صبح تھی چڑیاں ہر طرف چہچہا رہی تھیں بہار کی آمد آمد تھی مالی مجھے روز دیکھنے آتا تھا اس صبح بھی آیا۔ اور میرے قریب آکر ٹھہر گیا اور مجھے دیکھ کر اس نے کہا، کتنی خوبصورت کلی ہے، میں خوشی سے جھوم اٹھا... اب مجھے کلی سے پھول بننے کا انتظار تھا۔ دن گزرتے رہے اور آخر ایک دن جب نسیم سحر کے جھونکے نے مجھے بیدار کیا اور میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو میں پھول بن چکا تھا... مگر ابھی تک میں پوری طرح نہیں کھلا تھا۔ میں اتنا خوب صورت تھا کہ اپنے مقابلے میں مجھے کوئی اور پھول نظر ہی نہ آتا تھا......

مالی مجھے ہر ایک سے گلاب کہکر متعارف کراتا... مجھے پھولوں کا بادشاہ کہا گیا کیونکہ میری خوشبو اور خوبصورتی ہر ایک کو اپنی متوجہ کر لیتی تھی... اس دن بلبل دیر تک میرے ترانے گاتی رہی رنگ برنگی نازک تتلیاں میرے پاس آتی رہیں بھنورا ایک عجیب سا راگ منڈلا کر سناتا رہا۔ پورے چمن میں بہار آچکی تھی...

دوسرے دن جب سورج کی شعاعیں مجھ پر پڑیں تو میں کھل چکا تھا میرا سرخ رنگ ہرے ہرے پتوں کے درمیان عجیب بہار دکھا رہا تھا... یکایک میں نے ایک چھوٹی سی بچی کو اپنی آتے دیکھا... اس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اس نے اور توڑنے کے لئے اپنا ننھا سا ہاتھ میری طرف بڑھایا... دیکھ کر میں لرز اٹھا... خوف سے کانپ گیا... کیونکہ میں پودے سے الگ نہیں ہونا چاہتا تھا... مگر مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کا ہاتھ مجھ تک نہیں پہونچ سکا اور اسی جلدی میں اس کی انگلی میں ایک کانٹا چبھ گیا۔ وہ وہاں سے چلی گئی... اور میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن اب ایک انجانا خوف میرے نشتر بن کر چبھ رہا تھا کہ اگر مجھے یہاں سے کسی نے توڑ لیا تب کیا؟ میں اتنی جلدی فنا نہیں ہونا چاہتا تھا... میں تو ابھی بہار سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہیں ہوا تھا کیا اتنی جلدی میری دنیا خزاں آجائے گی؟ یہ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یکایک مجھے بلبل نغمہ کی گونج سنائی دی۔ بلبل میری شاخ پر آکر بیٹھ گئی اور میں اس نغمے سن کر اپنا غم غلط کرنے لگا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ مجھے مالی آتا ہوا دکھائی دیا بلبل مجھے اکیلا چھوڑ کر اڑ گئی مالی میرے پاس آرہا تھا نہ جانے کیوں میں پہلی مرتبہ اسے دیکھ کر اپنے دل میں ڈر محسوس کیا حالانکہ اس

بہت اچھی طرح میری پرورش کی تھی ۔۔۔ مگر اب مجھے اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ نہیں نہیں ۔۔۔ میرے قریب نہ آؤ ۔۔۔ لیکن وہ میرے پاس آگیا ۔۔۔ میری بات سنی ان سنی کر کے ۔۔۔۔ میں چیختا رہا مجھے نہ توڑنا ۔۔۔ لیکن آہ ۔۔۔ اس نے میری ایک نہ سنی اور ہاتھ بڑھا کر مجھے شاخ سے علیحدہ کر دیا ۔۔۔ اور پھر مختلف پھولوں کو میرے ارد گرد لگا کر ایک خوبصورت سا گلدستہ تیار کیا اور اس نے اپنے مالک کے گھر میں جا کر میز پر ایک شیشے کے گلدان میں سجا دیا میں نے بے دل سے کمرے میں نظر ڈالی ۔ کمرہ خوبصورت طریقے سے سجا ہوا تھا ۔۔۔ ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی تھی ۔ تھوڑی دیر بعد اس گھر کی مالکہ آئی اس نے مجھے دیکھا تو میری خوشبو .. اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر بے اختیار مجھے گلدستہ میں سے نکال لیا اور اپنے کمرے میں آئینہ کے سامنے جا کر اپنے لمبے لمبے سیاہ بالوں میں لگا لیا۔ اس طرح اس کے حسن میں اضافہ ہو گیا ۔۔۔ شام کو جب اس کا شوہر کہیں باہر جانے لگا تو اس نے اس کے کوٹ کے کالر میں مجھے لگا دیا وہ مجھے اپنے ساتھ ایک تقریب میں لے گیا۔ جب وہ وہاں سے واپس آیا تو اس وقت تک میں مرجھا گیا تھا۔ شاید بلبل اور باغ کی جدائی کے احساس سے ۔۔۔ پھر اس نے مجھے نکال کر میز پر پھینک دیا اور سوٹ الماری میں رکھ دیا ۔۔۔

دوسرے دن جب مالی نیا گلدستہ لگانے آیا تو ساتھ ہی مجھے بھی لیتا گیا اور باغ کے ایک کونے میں لے جا کر ڈال دیا ۔۔۔ میری پتیاں مرجھا گئی تھیں ۔۔۔ مجھے ابھی اور جینے کی تمنا تھی ۔۔۔۔ بلبل کے نغمے سننے کی آرزو تھی ۔ چند لمحوں پہلے میں حسین تھا۔ میری خوشبو بیش بہا تھی لیکن اب میں صرف ایک پژمردہ پھول ہوں جس میں کوئی دل کشی نہیں ۔۔۔ کوئی خوبصورتی نہیں ۔۔۔۔

مجھے کیا معلوم تھا کہ اس دنیا میں حسین چیزیں جتنی جلدی عروج پر پہونچتی ہیں اتنی ہی جلدی ان کا زوال بھی شروع ہو جاتا ہے ۔ نہ جانے حسین چیزیں اتنی جلدی فنا کیوں ہو جاتی ہیں ۔

انسان مجھے شاخ سے توڑ کر کبھی تو اپنے کوٹ کے کالر میں لگا لیتا ہے اور کبھی کسی کو تحفہ میں دیدیتا ہے کبھی میں کسی عورت کے بالوں کی زینت بن جاتا ہوں۔ کبھی مجھے شادی کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی کسی کے مزار پر چادر بنا کر چڑھا دیا جاتا ہے ۔۔۔ کبھی گلدستہ میں سجا کر کمرے کی خوبصورتی کو دوبالا کیا جاتا ہے ۔۔۔ لیکن جب میں مرجھا جاتا ہوں ۔۔۔ میری پتیاں بکھر جاتی ہیں ۔۔۔ میری خوشبو مجھ سے روٹھ جاتی ہے تو پھینک دیا جاتا ہوں ۔۔۔ یہ کیسا انصاف ہے؟ کوئی میرا دکھ نہیں جانتا ۔۔۔ کوئی میرا غم نہیں جانتا ۔۔۔ کاش کوئی میری ان مرجھائی پنکھڑیوں میں دیکھے ان میں کتنی حقیقتیں پوشیدہ ہیں ۔۔۔ میں یہاں باغ کے ایک گوشے میں تنہا پڑا ہوا ہوں کوئی میرا ہمدرد نہیں ۔۔۔ اب اس بلبل کو کیا ہو گیا ہے وہ پہلی جیسی محبت سے میرے پاس کیوں نہیں آتی ۔۔۔۔ اس کے وہ ترانے کہاں ہیں جنہوں نے مجھے ایک نئی زندگی بخشی ہے ۔۔۔ وہ رنگ برنگی معصوم تتلیاں کہاں ہیں جو ہر وقت پیار سے میرے چاروں طرف منڈلایا کرتی تھیں ۔۔۔۔۔ وہ راگ الاپنے والا بھونرا کہاں گیا جس کے آنے سے میں خوشی سے جھوم جھوم جاتا تھا !! ہاں اب انھیں مجھ میں دلچسپی ہی کیا ملے گی ۔۔۔ میری خوشبو نے بھی تو میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے ۔۔۔ مجھ میں اب پہلی جیسی دل کشی بھی نہیں رہی اب میں صرف ایک مرجھایا ہوا پھول ہوں ۔۔۔۔۔۔

لیکن پھر بھی میں خوش ہوں۔ مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں ۔۔۔ کوئی شکایت نہیں !! کچھ دنوں کے بعد میں زمین میں مل جاؤں گا۔ ایک دوسرا جنم لینے کے لیے ۔۔۔۔۔۔۔

قطعہ

لگائے ہیں یہ نعرے کچھ ادب کے ٹھیکیداروں نے
فروغ اُردو کو دینا ہے تو رسم الخط بدل ڈالو
ادب کے سرپھرو! اٹھو ہتھوڑا ہاتھ میں لے کر
یہ ابن الوقت ہیں ان کی زبانوں کو کچل ڈالو

نوابزادہ خان نو آب تیمور جی

مزاح و طنزیات

قوم کی نئی بیداری

تخلیق: ہری شنکر پرسائی
ترجمہ: راشد سلطان

چچا کہنے لگے۔" بھتیجے کچھ کرو۔ دیکھو یہ اخبار۔ اس میں پردھان منتری سے لے کر سارے وزیروں کے بیانات ہیں کہ کسی بھی سماج دشمن کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔ جاؤ کچھ منافع خوروں کو پولیس کے سپرد کرا آؤ۔ یہ لوگ روز عوام کا کوآپریشن مانگ رہے ہیں"۔

شرما ماسٹر ٹیوشن پڑھا کر لوٹتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہنے لگے۔ دو بیوپاریوں کو تو میں ہی جانتا ہوں۔ جنھوں نے اناج دبا رکھا ہے۔ ایک کے پاس تقریباً پانچ ہزار بورے ہیں اور دوسرے کے پاس پانچ سو۔

میں نے کہا تو چلو افسروں کے پاس۔ انہیں ابھی گرفتار کرا دیتے ہیں۔

شرما ماسٹر نے آدھے دن کی چھٹی لی اور میرے ساتھ روانہ ہو گئے۔

چوراہے پر آئے تو دیکھا کہ پولیس کی کافی تعداد ہے اور سواریوں کو کنٹرول کر رہی ہے۔ ہم چوراہا پار کرنے لگے تو ایک پولیس انسپکٹر چلایا: "اے شریمان جی، اندھے ہو گیا؟ دیکھتے نہیں کہ راستہ بند ہے!"

ہم رک گئے۔ میں نے ماسٹر سے پوچھا۔ آج یہ لوگ شریمان جی کہہ رہے ہیں؟ دیکھو سب سے شریمان جی کہہ رہے ہیں

ماسٹر نے کہا۔ پولیس کا "اخلاقی ہفتہ" چل رہا ہے۔ اس ہفتہ یہ لوگ شہریوں سے بڑا نرم برتاؤ کرتے ہیں انہیں سکھایا گیا ہے کہ ہر شخص کو شریمان جی کہنا چاہیئے

ایک راہ گیر کو ایک سپاہی نے روکا اور کہا۔ "کیوں بے شریمان جی کے بچے، دیکھتا نہیں ہے کہ تیرے باپ یہاں کھڑے ہیں؟"

ایک شخص سڑک کے بیچ میں چلنے لگا تو پولیس والا چلایا "ذرا کنارے سے چل سالے شریمان جی! پوری سڑک شریمان جی کے باپ کی نہیں ہے"

ہمارا راستہ کھلا اور ہم سیدھے کلکٹر کے پاس پہونچے۔

ہم نے کہا "حکومت نے عوام کا کوآپریشن مانگا ہے ہم اسی غرض سے آئے ہیں۔ یہ ماسٹر صاحب دو ایسے بیوپاریوں کو جانتے ہیں جنھوں نے اناج دبا رکھا ہے۔ انھیں فوراً گرفتار کیجیے اور اناج ضبط کیجیے"۔

کلکٹر ہمارا بڑا احسان مند ہوا کہنے لگا۔ "آپ لوگ بیدار شہری ہیں۔ تاریخ میں آپکا نام سنہرے حروف میں لکھا جائیگا"

میں نے کہا۔" اپنی تاریخ کا بھی خیال رکھئے اور سخت ترین کارروائی کیجیے"۔

صاحب نے کہا۔ "ضرور ضرور میں ابھی تحقیق کا حکم دیتا ہوں"

میں نے کہا اس میں تحقیق کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ابھی دیکھکر آرہے ہیں

صاحب نے کہا: "لیکن تحقیق تو کرنی ہی پڑے گی"

میں نے کہا: "سامنے گودام بھرا پڑا ہو تب بھی تحقیق کی جائے گی۔

وہ بولے۔ ہاں بغیر تحقیق کے کوئی قدم کیسے اٹھایا جا سکتا ہے آپ بے فکر رہئیے فوراً تحقیق ہوگی اور سخت کارروائی۔ آپکو اسکی اطلاع ہماری جانب سے ملتی رہے گی۔"

تیسرے دن ہمیں ایک خط کی نقل ملی جو ایڈمنسٹریشن نے ان بیوپاریوں کو لکھا تھا۔ مضمون یوں تھا۔

شری سیٹھ فلاں جی۔

حکومت کو کچھ لوگوں نے اطلاع دی ہے کہ آپ کے پاس اناج کا ذخیرہ دبا ہوا ہے جسے آپ کالا بازار میں بیچ رہے ہیں۔ وہ لوگ آپ پر کارروائی کرنے کے لئے حکومت پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ آپکو اطلاع دی جاتی ہے کہ ہم آئندہ ہفتہ تحقیق کرینگے۔ ان سات دنوں میں آپ اپنے دفاع کیلئے جو کرنا چاہیں کرلیں۔ بعد میں حکومت کو الزام نہ دیجئے گا کہ آپکو پہلے سے بتایا نہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد ہم اچانک چھاپا ماریں گے۔

میں صاحب کے پاس گیا: "یہ کیا ہو رہا ہے؟ انکو بچنے کا وقت کیوں دیا جارہا ہے؟"

صاحب کہنے لگے: "یہ حکومت کی پالیسی ہے حکومت بزدل نہیں ہے کہ دھوکہ سے کسی کو گرفتار کرلے۔ وہ بہادر ہے۔ وہ ہوشیار کرکے پکڑتی ہے۔ ہمارا پولیس مین بھی چور کو پکڑنے جاتا ہے تو سیٹی بجاتا ہوا جاتا ہے۔ وہ چور کو وارننگ ہوتی ہے کہ چوری کرلی ہو اور بزدل ہو تو بھاگ جاؤ۔ بہادر ہو تو سامنے آجاؤ۔

میں نے کہا: "حضور! آپ کی بہادری چاہے ثابت ہو جائے لیکن اسٹاک تو ادھر سے ادھر ہو جائے گا۔ پھر کیا خالی گودام کو گرفتار کریں گے"

صاحب بولے: "دیکھتے جائیے۔ یہ اچکوں کا کام نہیں ہے کہ جب چاہے۔ جہاں چاہے اچک کر پہونچ گئے ایک سنجیدہ اور مقبول حکومت کا کام ہے۔"

میں نے دریافت کیا: "تو اب میں کیا کروں"

صاحب نے یقین دلایا "آپکو کچھ نہیں کرنا ہے ابھی تو ہمیں بھی کچھ نہیں کرنا ہے۔ جو کچھ کرنا ہے وہ ان بیوپاریوں کو ہی کرنا ہے۔"

دو دن کے بعد ہمیں ان بیوپاریوں کے جواب کی نقل ملی۔

پانچ ہزار بورے والے نے لکھا تھا۔

ہماری فرم پر یہ الزام کچھ سماج مخالف عناصر نے لگایا ہے۔ یہ الزام کہ ہمارے پاس اناج کا اسٹاک دبا ہوا ہے اور ہم کالا بازاری کرتے ہیں، سراسر جھوٹ ہے ہمارے بیان کی حقیقت مندرجہ ذیل شہادتوں سے ثابت ہوتی

۱۔ میونسپلٹی میں اس وقت سات ممبران ہمارے اپنے ہیں اگر ہم ناراض ہو گئے تو ساتوں ممبران حکومت کے مخالف میں شامل ہو جائیں گے تب میونسپلٹی سرکاری گروپ کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

۲۔ ایم۔ ایل۔ اے بانکے بابو پہلے ہمارے خسر کی دوکان پر منیم تھے۔ آج کل حکومت میں انکی اچھی چل رہی ہے۔ بانکے بابو کے گروپ میں پندرہ ایم۔ ایل۔ اے ہیں، انہیں کی تائید سے سرکاری پارٹی کا گروپ منسٹری بنا سکا ہے۔ اگر بانکے بابو ناراض ہو گئے تو اس گروپ کی منسٹری ختم ہو جائے گی۔ اور پھر اتنا

الیکشن خرچ ہم دیتے ہیں اور ذات دبادری کے ووٹ بھی دلواتے ہیں۔ بنکے بابو نے فون پر دارالحکومت میں ہماری بات کہہ دی ہے

۳۔ ہم پارٹی فنڈ میں اور ہر چناؤ فنڈ میں بھرپور چندہ دیتے ہیں۔

۴۔ جب خوراک منسٹر آئے تھے تو ہم نے ان کے اعزاز میں دعوت دی تھی۔

ان سب چیزوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے پاس اناج کا ایک دانہ بھی نہیں دبا ہوا ہے اگر پھر بھی ہم پر شک ہو تو دارالحکومت سے دریافت کر لیا جائے۔

پانچ سو بورے والے نے کیفیت دی تھی۔

"ہم چھوٹے تاجر ہیں لیکن پھر بھی ہم قانون پر عمل کرتے ہیں۔ سرکار نے افسروں سے لیکر چپراسی تک سے جو پیٹ مقرر کئے ہیں وہ ہم برابر دیتے رہتے ہیں۔ چندہ بھی ہم حیثیت کے مطابق دیتے ہیں اور بھی جو حکم ہوگا ہم کرنے کو تیار ہیں۔ جب ہم قانون کا اس حد تک لحاظ کرتے ہیں تو ہمارے پاس اناج دبا ہوا ہو ہی نہیں سکتا یہ الزام بے بنیاد ہے۔"

آٹھویں دن میں پھر صاحب کے پاس پہونچا "صاحب تحقیق مکمل ہوگئی؟"

وہ بولے: "ہاں مکمل کر لی ہے معلوم ہوا ہے کہ دونوں کے پاس اسٹاک نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا "تحقیق کس نے کی؟"

انھوں نے کہا۔ "یہ بات ان کے جوابات سے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔"

صاحب یہ بات جھوٹ ہے پانچ سو والے نے تو اسٹاک یہاں، وہاں کر دیا ہے لیکن پانچ ہزار والے کا گودام بھرا ہوا ہے۔ آپ ابھی چل کر ضبط کر سکتے ہیں

صاحب نے کہا "جب کچھ ہے نہیں تو ضبط کیا کیا جائے گا؟ مجھے تو دارالحکومت سے خبر ملی ہے کہ اسکے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہاں کی خبر جب راجدھانی سے آتی ہے تو وہی سچ ہوتی ہے۔ ہماری ساری خبریں اس سے کٹ جاتی ہیں۔ دارالحکومت کی ایک آنکھ ہماری لاکھوں آنکھوں سے تیز ہوتی ہے جب وہ کھلتی ہے تو ہماری چوندھیا جاتی ہیں۔

میں مایوس ہو کر لوٹ آیا۔

دوسرے دن صاحب نے مجھے بلایا اور بڑی محبت سے سمجھایا۔ "دیکھو بھائی، رامت مالو۔ حکومت نے تمہاری خواہش پوری کر دی ہے۔ ہم نے دو نہیں بلکہ تین دوکانداروں کو گرفتار کر لیا ہے ایک پاس آدھا بورا چاول، دوسرے کے پاس بیس کلو اور تیسرے کے پاس سے پندرہ کلو برآمد ہوا ہے اب تو تمہیں اطمینان ہو گیا؟"

دو تین دن بعد ماسٹر دوست ملنے آئے اور کہنے لگے آپ نے مجھے پھنسا دیا، میری نوکری اب جانے ہی والی ہے۔

انھوں نے مجھے ایک کاغذ دکھایا جو اسکول کے ہیڈ کا تھا جس میں وارننگ دی گئی تھی کہ آجکل آپ اسکول کا کام چھوڑ کر سیاست میں حصہ لے رہے ہیں اگر آپ نے اپنے کو نہیں سدھارا تو نوکری سے نکال دئے جائیں گے۔

میرے پیچھے حکومت کے سی آئی ڈی ڈیپارٹمنٹ کا ایک آدمی لگ گیا تھا میں اسے پہچانتا تھا۔ "کیوں بھئی میرے پیچھے کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو؟"

اس نے کہا: "آپ پر نظر رکھنے کا حکم ہوا ہے۔"

لیکن میں نے ایسا کیا کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا "حکومت کو خبر ملی ہے کہ آپ قوم مخالف کام کر رہے ہیں"

میرے منہ سے نکلا "قوم کا مخالف؟ تو کیا وہی لوگ قوم ہیں؟

اس نے پوچھا۔ "کون لوگ؟"

میں خاموش ہو گیا۔ اسے کیا معلوم۔

نہایت ہی
آرام دہ اور
پائیدار
سینڈل
ایلورا پلاسٹکس کی پیشکش
دیکھنے میں دیدہ زیب ، مضبوط
تبریزی اینڈ کمپنی
بساطی بازار ۔ کانپور ۔ ۱
چیپ چپل کمپنی
حسرت موہانی روڈ ۔ کانپور ۔ ۱
سول
ڈسٹری
بیوٹرز
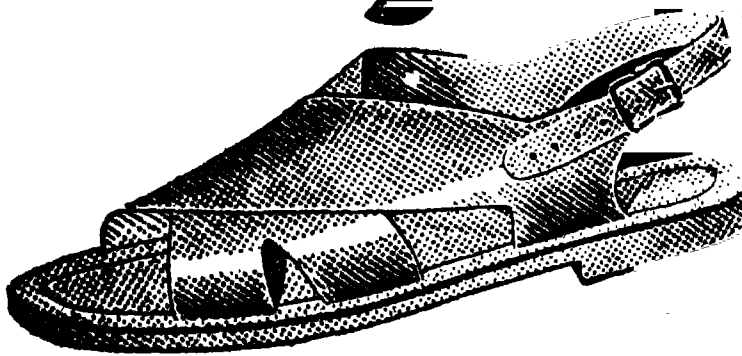
بزم مستورات

عمر کم بتانے کی عادت کیسے؟

صفیہ بیگم

مغربی سماج سے لے کر جہاں کہ عورتوں کو مردوں کے عین برابر آزادی حاصل ہے مشرقی سماج تک جہاں کی عورت پردے کی اوٹ سے باہر نکلنے کی منزل سے لے کے آزاد فضاؤں میں اپنے ہوش و حواس برقرار رکھتے ہوئے جدوجہد کرنے میں مصروف ہے عورتوں کی عادتوں اور کمزوریوں کے متعلق بہت کچھ مشہور ہے ان کے بارے میں قسم قسم کے قصے کہانیاں اور لطیفے مشہور ہیں لیکن یہ قصے کہانیاں اور لطیفے مشہور کرنے والے کون لوگ ہیں ظاہر ہے کہ مرد ہی ہیں۔ جبھی مغرب سے لے کر مشرق تک کے انسانی سماج کو مردوں کا سماج کہا جاتا ہے۔ حالانکہ مغرب کی عورت کسی بھی میدان میں کسی بھی لحاظ سے مرد سے پیچھے نہیں ہے

ہمارے سماج میں جہاں جالوٹوں میراثوں اور کچھ فرقوں سے متعلق گوناگوں لطیفے بچے بچے کی زبان پر ہیں وہاں عورتوں کے بارے میں بھی کچھ کم کہانیاں مشہور نہیں مثلاً یہ بات کس مرد نے اپنی زندگی میں کہی نہیں یا سنی نہیں کہ عورتیں اپنی عمر بہت کم ہی بتاتی ہیں۔

اس سلسلے میں ہمارے زندہ دل ساتھی نے ایک لطیفہ سنایا جسے انھوں نے اپنی زبان میں سچی آپ بیتی قرار دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ انہوں نے لطیفے میں اور زیادہ جان ڈالنے کی غرض سے لطیفے کو اپنی ذات سے منسوب کر دیا۔ ورنہ دل ہی دل میں وہ بھی جانتے ہیں کہ یہ لطیفہ ہی ہے۔ اصل واقعہ نہیں ہے۔

ہاں تو وہ لطیفہ آپ انہی کی زبان میں یعنی صیغۂ واحد میں ملاحظہ فرمائیے۔ انھوں نے کہا تھا۔

ایک مرتبہ میں ریل گاڑی میں دہلی سے لکھنؤ جا رہا تھا۔ رات بھر کا سفر تھا اور میرا اوپر والا سلیپنگ برتھ تھا۔ میرے برتھ کے نچلے والے برتھ پر تین عورتیں کے بیٹھنے کی سیٹ ریزرو تھی

گاڑی نے جب رفتار پکڑی تو ویسے ہی میرے کانوں میں نچلی برتھ سے کچھ آوازیں آنا شروع ہوئیں اور اس سے پہلے کہ میں ان کو ان تینوں کی بات چیت سناؤں پہلے ذرا ان کے متعلق اپنے تاثرات کیوں نہ بتا دوں۔

ان میں سے کوئی بھی عورت پینتیس ۳۵ برس سے کم کی نہ تھی عورتوں کے جسم ہی سے ان کی عمروں کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے اور خاص طور پر مجھ ایسا شخص تو بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے جس سے متعلق کسی اردو شاعر کا یہ مصرعہ حرف بہ حرف پورا اترتا ہے۔ ؎

مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے

میں نے اپنی برتھ پر چڑھتے ہوئے بس ایک ہی نظر انہیں دیکھ لیا تھا۔ اور یقین مانئے کہ پھر دوبارہ دیکھنے کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔ ہاں تو اب ان تینوں کی بات چیت ملاحظہ فرمائیے

ایک عورت نے دوسری سے پوچھا۔

بہن تمہاری عمر کیا ہو گی؟

جواب ملا۔" اس پھاگن کو ۲۵ پورے ہو جائیں گے۔

اور تمہاری عمر کیا ہے؟"

جواب ملا۔ "اٹھارہ پورے کر چکی ہوں"

اب دونوں نے تیسری سے پوچھا تو جواب ملا۔

"اگلے برس سولہویں میں لگ جاؤں گی"

میرا اتنا سننا تھا کہ میں اپنی برتھ سے لڑھک کر دھڑام سے ان کے سامنے جا گرا۔ وہ ایک دم میری مدد کے لئے اٹھیں اور ایک نے کہا۔

"آپ کیسے لڑھک گئے؟"

میں نے کہا "میری عمر صرف ایک سال ہے اس لئے ٹھیک سے اپنے بستر پر بیٹھا نہیں رہ سکا۔

اپنے دوست کی یہ بات سن کر ہنسی تو ہمیں خوب آئی لیکن اس کا کیا کیجئے کہ دوست کے اتنا کہنے پر ان تینوں عورتوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور ہمارے ان دوست کے کہنے کے مطابق جب وہ دوبارہ اپنی برتھ پر آ بیٹھے تو نیچے ریمارکس کسے جا رہے تھے دیکھا! مرد اپنی عمریں کتنی کم بتاتے ہیں!"

اب اسی بات سے ایک اور بات نکلتی ہے کہ عورتوں کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورتیں چھپ چھپ کر مردوں کی باتیں سنتی ہیں لیکن مندرجہ بالا واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ مرد بھی چپکے چپکے عورتوں کی باتیں بڑی دلچسپی سے سنتے ہیں۔ عورتوں کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے معاملے میں خواہ مخواہ کود پڑتی ہیں۔

یہ حضرت کودنے کی منزل سے بھی دو قدم آگے نکل گئے یعنی لڑھک پڑے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ اگر وہ اپنی عمریں کم بتا رہی تھیں تو آپ کو کیا تکلیف ہوئی جو بیچ میں دخل دینے کے لئے اوپر سے نیچے لڑھک گئے۔

اب رہی وہ مشہور بات کہ عورتیں اپنی عمریں کم بتاتی ہیں تو بھلا ہم اور آپ ان حضرت کے اندازے پر کیوں یقین لے آئیں کہ وہ سب کی سب ہی ۱۵ برس کی ہوں گی۔ ممکن ہے وہ اتنی عمر کی نہ بھی ہوں۔

مطلب کہنے کا یہ کہ بے چاری عورت کے ساتھ مرد بہت ہی زیادتی کرتے ہیں۔ یعنی ہر وہ شکایت جو عورت کی ذات سے منسوب کی جاتی ہے مرد کی ذات سے بھی وابستہ کی جا سکتی ہے۔

اب بناؤ سنگار کے معاملے ہی کو لے لیجئے۔ آپ بھی یہی کہیں گے کہ عورت بناؤ سنگار کرنے ہوئے۔ اس قدر وقت لیتی ہے کہ اگر صبح کی گاڑی پکڑنا مقصود ہو تو رات کی گاڑی پکڑنا پڑتی ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عورت اپنی اصل عمر کو چھپانے کے لئے بناؤ سنگار کرتی ہے

میرا مطلب یہ ہے کہ عورت آخر کس کے لئے ہی تو بناؤ سنگار کرتی ہے۔ یہی یہ بات کہ عورت کے بناؤ سنگار سے اس کی عمر کم لگنے لگتی ہے تو اس میں اس کا کیا قصور؟ مرد بھی تو عورت سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ نوجوان، چست اور دلکش نظر آئے نہ کہ ایسی کہ مڑ کر دیکھنے کو جی بھی نہ چاہے۔ اور اب رہی عورتوں کی سنگار کے بارے میں مردوں کی بات کہ صبح کی گاڑی پکڑنی ہو تو سنگار کے چکر میں رات کی گاڑی پکڑنا پڑتی ہے تو میرا یہ کہنا ہے کہ بات بنانے والوں کی زبان کون پکڑ سکتا ہے عورتوں کے بارے میں مرد کہتے تو یہی ہیں کہ عورت رائی کا پہاڑ بنا دیتی ہے لیکن کیا مرد بات کا بتنگڑ نہیں بنا دیتے؟

یعنی اگر عورتوں کے بناؤ سنگار کے متعلق مردوں کی بات مان لی جائے تو پھر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ مرد بھلا اس بناؤ سنگار کے چکر میں کیوں آن پھنسے ہیں؟

ابھی پچھلے دنوں اخبارات میں یہ خبر نمایاں طور پر چھپی تھی کہ ایک غیر ملکی کاسمیٹک ایجنسی نے مردوں کے بناؤ سنگار کے لئے پانچ قسم کی چیزیں تیار کی ہیں۔ اب اگر کوئی عورت بات کا بتنگڑ بنانے بیٹھے تو اس خبر سے بھلا مردوں کے خلاف کیا کچھ نہیں کہا

جاسکتا؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مرد اتنی قسم کی مصنوعات کیا کریں گے انھیں کہاں لگائیں گے اور پھر یہ کہ آخر ان پر ایسی کیا آفت آن پڑی ہے کہ وہ عورت کی قطار میں شامل ہونے نکل گیا ہے۔

اب میرے ساتھ ذرا آپ بھی سوچئے اور تصور کیجئے کیا ان پانچوں قسم کی مصنوعات کے استعمال سے پچاس سالہ مرد بھی ۲۵ سالہ نظر آنے کی کوشش میں مصروف نہیں ہے!

پچھلے بیس اکیس برسوں سے ہمارے سماج میں سالگرہ منانے کا رواج بھی چل نکلا ہے اور اب پچھلے عام طور پر اونچے متوسط طبقوں کے گھرانوں میں آپ اپنے بھائی یا شوہر کے سالگرہ کی پارٹی میں شریک ہوتی ہیں۔ اس پر کسی زیادہ ہی ذہین شخص کو یہ نہ سوجھ گیا کہ آخر سالگرہ مرد ہی کیوں مناتے ہیں؟ عورتیں کیوں نہیں مناتیں؟ اور اس سوال کا جواب بھی ان حضرت نے خود ہی دے دیا کہ عورتیں اپنی اصل عمر کو چھپانے کے لئے سالگرہ نہیں مناتیں۔

اچھا مان لیا کہ عورتیں اپنی صحیح عمر نہ بتانے کے خیال سے اپنی سالگرہ نہیں مناتیں۔ لیکن میرا سوال یہ ہے کہ آخر مردوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ عورتوں کی عمروں کی جانچ پڑتال کرتے پھریں؟ عورت پوچھ سکتی ہے کہ مرد جو اپنی سالگرہ مناتے ہیں تو کیا پاس پڑوس کی عورتوں کو اپنی جوانی کا احساس دلاتے ہیں۔

اب حال ہی میں عورتوں کے فیشن پر بھی پھبتیاں کسی جانے لگی ہیں چلئے ایک پل کے لئے ان بیباک تنگ اور رنگیلے قسم کے کپڑے پہن پہن کر کنواری لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں بازاروں میں گھومتی ہیں۔ لیکن کیا پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ سرخ نارنجی، شوخ زرد، بیل بوٹے دار ڈیزائن اور گلابی رنگ کی جرسیاں اور بوشرٹیں مرد کیوں پہنے پھرتے ہیں؟

نوجوانوں کی بات ہی جانے دیجئے۔ ڈھلتی عمر کے مرد بھی انہی شوخ رنگوں میں ڈوبے شام ہوتے ہی سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور پھر تفریح کے لئے شاپنگ کرتی ہوئی یا سنیما ہاؤس سے نکلتی ہوئی لڑکیوں کے پیچھے یوں گھومنے لگتے ہیں۔ جیسے "مناسب رشتے کا پیغام بھیجنے والے ہوں"! مناسب رشتوں کا ذکر چلا ہے تو مجھے خیال آیا کہ عورتوں کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ رشتہ طے کرتے وقت لڑکی کی عمر عام طور پر پانچ چھ سال کم ہی بتائی جاتی ہے مثلاً پچیس کی ہو تو بیس کی کہا جاتا ہے۔

اوّل تو اس میں لڑکی کا کیا قصور۔ کہنے والوں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ دوسرے یہ کہ رشتہ طے ہوتے وقت بھلا لڑکے کی عمر کب صحیح بتائی جاتی ہے بڑے ہی بھولے پن سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اب آپ دیکھئے نا کہ ایم اے پاس کرتے ہی نوکری مل گئی اور نوکری بھی تو پچھلے ہی سال ملی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ۲۵ برس کا ہوا۔

آیئے اب ذرا حساب لگائیں۔ بچہ پانچ سال کی عمر میں اسکول میں داخل ہوتا ہے اور اگر برخوردار کسی بھی جماعت میں فیل نہ ہو تو پندرہ برس کی عمر میں میٹرک پاس کرے گا اس کے بعد اگر اس کے والد اسے ایف ایس سی میں داخلہ دے دیں تو ظاہر ہے کہ ۵+۱۷ = ۲۲ سال کی عمر میں اس نے ایف اے کیا پھر لے دے کے مقررہ وقت میں ایم اے کیا تو دو سال یہ۔ اسے کے اور دو ایم اے ۲۲ جمع ۴ ہوتے ۲۶ برس ایم اے پاس کرتے ہی تو نوکری مل نہیں جاتی سال دو سال کم سے سڑکوں پر فرابز دار جوتیاں چٹخاتا پھرا ہوگا۔ یہ ہوئے ۲۸ برس اور خود والدین کے کہنے کے مطابق نوکری لگے ایک برس ہو چکا ہے۔ ۲۹ برس۔ ایک برس ادھر میٹرک کے سرٹیفکیٹ میں جو کم کیا گیا تھا اسے بھی گنے ہاتھوں جمع کر لیجئے تو یہ ہوئے ۳۰ برس غرضیکہ سعادت مند کا ڈبیٹا کم سے کم تیس برس کا ہوا۔ لیکن اس کے والدین نے رشتے کی بات کرتے وقت کتنی عمر بتائی تھی

"زیادہ سے زیادہ پچیس برس کا ہوا۔"

اب بتائیے کہ اگر ۳۲ برس کا ادھیڑ عمر کا آدھا بڈھا نیم جوان اپنے آپ کو ۲۵ سال بتانے میں شرم محسوس نہیں کرتا تو عورت کے سر پہ کم عمر بتانے کا الزام کیوں؟

ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ ایک صاحب اپنے کسی دوست کی شادی خانہ آبادی میں شرکت کر کے آئے تھے مجھ سے بات چیت کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "کہ دولہا میاں نے سسرال میں اپنی عمر ۲۸ برس بتائی اور جب کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں آٹھویں جماعت میں تھا تو حضرت بائے میں تھے اور میں ان سے سوال حل کرایا کرتا تھا۔ اب جو ۲۸ برس عمر سن کر میں نے ہوکا مارا تو مجھے ایک کونے میں لے جاکر کہنے "امان یار۔ میری سسرال والوں کے بڑے داماد نے جس کی شادی مجھ سے صرف ایک دن ہی پہلے ہوئی ہے اپنی عمر بیس سال بتائی ہے تو پھر میں نے اگر ۳۵ کے بجائے ۲۸ بتائی تو کون سا گناہ کر دیا؟

اب اس ساری بحث کے بعد آپ ہی انصاف کیجئے کہ اپنی عمر کم بتانے کی عادت عورت کو ہے یا مرد کو؟۔

• آپکی رائیں اور مشورے •

"رگ سنگ" پڑھنے کے بعد براہ کرم اپنی رائے سے ہمیں ضرور مطلع فرمائیے۔ آپ کو کیا کیا پسند آیا۔

آپ کس مضمون کو اچھا سمجھتے ہیں اپنے اس ماہنامہ میں اور کون سی تبدیلی آپ چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ لکھئے آپ کا ہر خط ہمارے لئے اہم ہوگا۔ آپکی رائیں اور مشورے رگ سنگ کے مستقبل کیلئے نئی راہ ثابت ہوں گے اسلئے خط لکھنا نہ بھولئے۔

(مینیجر)

اسراریات

بھوت پریت۔ آسیب

علی اختر

دُنیا کی سب سے مختصر کہانی کچھ اس طرح ہے" دو مسافر ایک ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دوران گفتگو ایک نے دوسرے سے پوچھا "کیا آپ بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں" دوسرے نے جواب دیا "نہیں" اور یہ کہہ کر جو اس نے پہلے کی طرف دیکھا تو جگہ خالی تھی اور وہ غائب ہو چکا تھا "بھوتوں، آسیبوں اور چڑیلوں کے قصے، چشم دید واقعات اور کہانیاں دنیا کی ہر تہذیب یافتہ قوم میں زبان زدِ خاص و عام ہیں" نہ صرف مشرق میں بلکہ مغرب میں بھی آسیب، آسیب زدہ مکانات اور فوق الفطرت واقعات سے لوگ اسی طرح خائف ہیں۔ یہ غیر مادی احساس ہر زمانے ہر سماج اور ہر ملک میں کسی نہ کسی انداز سے انسانی ذہن پر قابض رہا ہے۔۔۔ ۔۔۔ کچھ نیم جاہل اقوام نے تو اسے مذہبی رنگ دے کر اپنا لیا ہے۔ عجیب اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ہزارہا سال کی تاریخ، معاشرتی اور جغرافیائی تبدیلیاں ہو چکنے کے باوجود بھوت اور آسیب آج بھی اسی طرح ہر جگہ پائے اور دیکھے جاتے ہیں۔ تقریباً دو ہزار سال قبل یونان کے دارالحکومت کے اطراف میں ایک حویلی کے متعلق یہ مشہور ہو گیا کہ وہ آسیب زدہ ہے۔ اور اکثر و بیشتر رات کو کچھ غیر مادی ہیولے چلتے پھرتے دکھائی دیتے اور تیز و تند ہوائیں ایک ناقابل بیان جھنجھناہٹ کے ساتھ حویلی کی دیواروں سے ٹکراتی ہیں چنانچہ گاہ گاہ یہ خبر یونانی حکیم کے کانوں تک پہنچی۔ اس نے حکیم اتھینوڈورس کو تحقیق پر مامور کیا۔ حکیم نے بذاتِ خود آوازیں سنیں اور ہیولا دیکھا آخر کار اس نے وہ جگہ کھدائی جہاں وہ ہیولا دیکھا گیا تھا اس جگہ سے کسی مردے کی کھوپڑی اور کچھ ہڈیاں نکلیں جنھیں پھر پورے رسوم کے ساتھ دفن کرا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ آوازیں آنا بند ہو گئیں اور پھر وہ ہیولا بھی نظر نہیں آیا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا کی سب سے قدیم ترقی یافتہ تہذیب میں بھی ذی ہوش اور عقلمند اشخاص نے آسیبوں کے وجود کو تسلیم کیا ہے اگرچہ اس دور میں ان آسیبی خیالات کو توہمات سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کرۂ ارض پر مکمل طور پر یا سماوی کچھ ایسی چیزیں موجود ہیں جو بنی نوع انسان کے مادی ذہن کے لئے ابھی تک راز بنی ہوئی ہیں۔ ایسے واقعات اور حادثات جو ہم میں سے کچھ پر گزر چکے، اپنی جگہ ڈراؤنے بھی ہیں۔ اور تعجب خیز بھی آپ انھیں حتمی طور پر نہ تو واہمہ قرار دے سکتے ہیں نہ صرف طور پر اسے خیالی پیکر کہہ سکتے ہیں۔

دنیا کے بیشتر عالموں، فلسفیوں اور ماہرینِ علوم مخفیہ نے ان آسیبوں کو مختلف نام دیئے ہیں لیکن کسی نے بھی کوئی ایسا نظریہ پیش نہیں کیا جس سے اس کی اصلیت کا سراغ مل سکے۔ اصطلاحی طور پر اس کی تعریف میں یہ کہا جاتا ہے کہ آسیب اشراقی طور پر پیدا کردہ واہمہ ہے جو مُدرک کے سامنے ایک خارجی وجود قائم کر لیتا ہے اور

اکثر و بیشتر یہ وجود اتنا واضح اور مترشح ہوتا ہے کہ اسے مادیت سے تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے۔ اور ایک طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آسیب فلسفۂ ابدیت کی ایک کڑی ہیں۔ اور خسرو کے قول کے مطابق ابدیت کے عقیدے کو زندہ رکھنے میں ان ارواح کا ہاتھ بڑا ہے جو ہماری دنیا میں وقتاً فوقتاً واپس آتی رہتی ہیں۔ دنیا کے ہر اساطیری اور کلاسیکی ادب میں نہ صرف بھوتوں، آسیبوں اور روحوں کو بلکہ آنے والے واقعات کی پیش گوئیوں اور غیب دانیوں کو بھی بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اردو ادب میں بھی عربی اور فارسی ادب کی طرح حاتم طائی اور الف لیلوی کہانیوں کا بڑا رواج رہا ہے۔ قدیم یونان میں بھی اس کا رواج تھا قلوپطرہ کے دربار اور دیگر فراعنہ مصر کے درباروں سے ایسے کاہن متعلق ہوتے تھے جو حکمرانوں کو آنے والے واقعات کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ ہومر نے ان آسیبوں کے لئے کہا ہے کہ یہ وہ ہیولے ہیں جن کے "دل نہیں ہوتا" شکسپیئر کے مشہور آفاق ڈراموں میں آسیب اور غیر مادی سایوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ چڑیلوں کا ذکر بھی ملتا ہے مصریوں کا عقیدہ تھا کہ روحیں ہمیشہ اس سفلی عالم میں رہتی ہیں لیکن ان سے بالشافہ گفتگو کرنا ممکن نہیں۔ انجیل مقدس نے بھی روحانی دنیا کے وجود کا اقرار کیا ہے اور رومن کیتھولک عقیدے میں روح القدس کو تثلیث کی تیسری ذات مانا جاتا ہے قرآن کریم میں "جنات" کو مخلوق خدا قرار دیا گیا ہے اور عقیدہ ہے کہ مادی نظریں "الجنہ" کو نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ گفتگو کر سکتی ہیں۔

غرضیکہ ارواح، آسیبوں، بھوتوں اور ہیولوں کو کچھ کوئی نام دے دیں۔ لیکن ان کے وجود سے یکسر منکر ہونا ممکن نہیں۔ اور اکثر اوقات انسان بقائمی ہوش و حواس ایسے واقعوں سے دوچار ہوتا ہے جو عام طور پر اس کی سمجھ سے بالاتر اور ماورائے فطرت ہوتے ہیں۔

۱۹۴۴ء سے لگ بھگ ضلع لکھنؤ بمقام امیٹھی ایک خاصے تعلیم یافتہ زمیندار گھرانے میں عجیب واقعات ظاہر ہونے لگے۔ پہلے پہل تو صرف راتوں کو تیز آواز کے ساتھ گھر کے تمام بیرونی دروازے کھل جایا کرتے اور آواز تقریباً گھر کے تمام آدمیوں کو سنائی دیتی تھی۔ بزرگوں نے اسے بچوں کی شرارت سمجھ کر نظر انداز کر دیا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ تمام بیرونی دروازے بھیانک آواز میں ایک ساتھ کھلتے تھے۔ جب یہ آسیبی حرکت مسلسل کئی مرتبہ دہرائی گئی تو لوگوں نے عاملوں کو بلوا کر کچھ قرآنی آیات وغیرہ پڑھوائیں۔ کچھ عرصے کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اسی دوران میں صاحب مکان کو کسی اشد ضروری کام سے راولپنڈی کا سفر درپیش ہوا۔ انھوں نے محض حفاظت کے خیال سے گھر کے دیرینہ خادم سے کہا وہ بجائے شاگرد پیشہ کے بڑے بچے کے کمرے کے سامنے سویا کرے۔ دوسرے دن سے مقررہ وقت پر وہ خادم جو ایک کہار تھا اپنے مخصوص کپڑوں اور اپنی پوربی زبان میں ایک گیت گنگناتا ہوا باہر دالان میں پڑی کھاٹ پر سونے کے لئے آ گیا۔ وہ آتے ہی پہلے بچوں کو اپنے آنے کی اطلاع کے طور پر سلام کرتا اور لیٹ جاتا۔ یہ سلسلہ سترہ دن تک چلتا رہا۔ اٹھارہویں دن وہ صاحب واپس لکھنؤ آ گئے۔ انھوں نے اسی وقت اس کہار کو بلا بھیجا۔ معلوم ہوا کہ کہار گذشتہ اٹھارہ دن سے یعنی جس دن کہ صاحب مکان راولپنڈی روانہ ہوئے تھے بیمار پڑا تھا یہ سن کر سب سناٹے میں آ گئے۔ ایک نامعلوم خوف سا سب کے دل میں بیٹھ گیا۔ یہ تصدیق کر کے کہ رات سونے کے لئے آنے والا وہ کہار نہیں تھا سب کے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے۔ اس واقعہ کے بعد کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ دوسرا قابل ذکر واقعہ ریاست دھار کا ہے محلہ میمن واڑے کا ایک مکان آسیب زدہ مشہور تھا۔ ایک مقامی وکیل نے اسے خرید لیا وہ بھی محض یہ خیال کر کے

یہ آسیب وغیرہ محض واہمہ ہوتے ہیں اسکی رہت کرا کر اس میں رہنے لگا۔ وکیل موصوف نے اپنا بستر خاص اسی کمرے میں لگوایا جو آسیب کی اقامت گاہ مشہور تھا پہلے دو تین دن کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور ساری رات گھر کے تمام لوگ بڑے آرام سے سوتے رہتے۔ لیکن تیسری رات اچانک ایک چیخ کے ساتھ صاحب موصوف نیم ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے حال دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ آدھی رات کے قریب ان کو بستر کے قریب کوئی سایہ چلتا ہوا محسوس ہوا۔ انھوں نے اٹھ کر دیکھا تو ایک خوش پوش شخص کمرے میں ٹہل رہا ہے اسکے ہاتھوں میں پھولوں کا ایک گلدستہ ہے اور وہ کچھ اس قدر بے چینی سے چہل قدمی کر رہا ہے کہ جیسے کسی کا انتظار ہو۔ کچھ دیر تک تو صاحب موصوف دہشت زدہ ہو کر اس منظر کو دیکھتے رہے لیکن پھر خوف کی وجہ سے ان کی چیخ نکل گئی اور یہی وہ چیخ تھی جو دوسروں نے بھی سنی موصوف نے اس کے بعد بھی اسے تخیلی احساس کرتے ہوئے خیال ہی کوئی اہمیت اس سایہ کو نہیں دی۔ اتفاق سے دوسرے دن ہی ایک مہمان باہر سے آگئے محض یہ خیال کر کے کہ اگر وہ واقعی آسیب تھا، مہمان کو وہاں سلانے سے تصدیق ہو جائے گی۔ کیوں کہ ان کو اس مکان کی آسیبیت کے متعلق کچھ علم نہیں چنانچہ حسب پروگرام ان مہمان کو اسی کمرے میں سونے کو کہا گیا۔ رات کے درمیانی حصے میں پھر ایک چیخ سنائی دی۔ لوگ ان کے کمرے کی طرف دوڑے تو دیکھا کہ مہمان کی گھگھی بندھی ہوئی ہے۔ پانی کا گلاس فرش پر گر کر ٹوٹ چکا تھا اور لالٹین بھی زمین پر گر کر بجھ گئی تھی انھوں نے بھی کم و بیش اسی قسم کی کہانی سنائی۔ سوائے اس کے کہ انھوں نے ایک کے بجائے دو سائے دیکھے تھے اس واقعہ کے بعد سے یہ لوگ بہت خوفزدہ ہو گئے اور مکان چھوڑ کر چلے گئے

تیسرا واقعہ میرے اپنے لڑکپن کا ہے میرا خاندان جس مکان میں آباد تھا وہ کانپور کی ایک گھنی آبادی میں تھا گو کہ ہم لوگ وہاں کافی عرصے سے آباد تھے لیکن کوئی ایسا قابل ذکر واقعہ ظہور میں نہیں آیا گرمیوں کی ایک رات میں نصف شب کے قریب "چور چور" کی آواز سے گھر کے تمام لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں دریافت حال پر پتہ چلا کہ پڑوسیوں نے تین چوروں کو برابر کی چھت سے پھاند کر ہماری چھت میں چھپتے دیکھا ہے۔ چنانچہ ہم لوگ ٹارچ وغیرہ لے کر اور لاٹھیوں سے مسلح ہو کر چھت پر گئے لیکن وہاں ایسے کوئی نشان نظر نہ آئے جس سے یہ اندازہ ہو سکتا کہ کوئی پھاند کر آیا ہے لیکن محلے کے کئی افراد مصر تھے کہ انھوں نے تین آدمیوں کو بچشم خود ہماری چھت تک آتے دیکھا ہے۔ اسکے بعد پھر دو چار ماہ تک کوئی واقعہ نہ ہوا البتہ ایک دن پھر اسی طرح پڑوسیوں میں سے ایک نے ایک سایہ کو ہماری چھت پر ٹہلتے دیکھا اور ساتھ ہی لینا پکڑنا چور ہے" کی آواز کے ساتھ ہی غائب ہو گیا اس کے بعد پھر اسی طرح کا ایک واقعہ ہوا، اور ہمارے ہمسایے کے مکان میں سے کسی نے سایہ پر لکڑی کھینچ کر ماری۔ ایک چیخ کی آواز سنائی دی ہم نے اوپر آکر دیکھا تو ایک کالی بلی مری پڑی ملی۔ پڑوسی کی لاٹھی بھی ساتھ ہی پڑی تھی اسکے بعد پھر کسی نے کوئی سایہ نہیں دیکھا

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی کافی دلچسپ ہے۔
ممدک جس کی عمر سولہ سترہ سال کی ہوگی ایک دن مال روڈ کے راستے اپنے دال رسے ملنے آرڈیننس فیکٹری جا رہا تھا۔ آدھے راستے پر میموریل ویل کے قریب پہونچ کر اسے ایک دم ایسا محسوس ہوا کہ کوئی ہیولا اس کی پشت پر ہنستا ہوا آ رہا ہے انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سڑک صاف پڑی تھی اور دور تک کوئی آدمی نہیں تھا۔ یہ ڈر کر تیز تیز چلنے لگے مگر قہقہے کی آواز اور تیزی سے قریب آنے لگی۔ یہاں تک

کہ انھوں نے محسوس کیا کہ ایک ہیولا اپنے بڑے بڑے ہاتھ پھیلائے چلا آرہا ہے اور اس نے قہقہے لگاتے ہوئے وہ ہاتھ ان کے بازوؤں کے درمیان سے باہر نکال دیئے اور انھوں نے ایک گدگدی سی محسوس کی۔ خوف کی وجہ سے وہ اور تیز تیز چلنے لگے۔ غرض راستہ بھر اسی طرح محسوس ہوتا رہا۔ لیکن آبادی شروع ہوتے ہی پھر آواز آنا بند ہوگئی گھر آکر انھیں بڑا تیز بخار آگیا اور گھر کے لوگوں نے دیکھا کہ ایک مریل سا پر بھوا کوا آکر منڈیر پر بیٹھ گیا۔ اسے لاکھ اڑایا لیکن وہ کیں کیں کر کے پھر وہیں بیٹھ جاتا۔ کچھ دن بعد وہ کوا اچانک اڑ گیا اور اسی دن بخار اتر گیا اور طبیعت رو بصحت ہونے لگی۔

اس قسم کے آسیبی واقعات میں ایک واقعہ قنوج کا بھی قابل ذکر ہے۔ محلہ میراں لوٹے میں ایک بہت پرانی عمارت تھی جو استداد زمانہ سے ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ البتہ آثار قدیمہ کے طور پر اس کی ایک برجی اب بھی باقی تھی اور وہ کھنڈر بھی عوام میں میر بنگالی کی حویلی کے نام سے مشہور تھا۔ اکثر راتوں میں ایک عجیب ہیبت آواز اطراف و جوانب میں سنائی دیتی تھی اور غور کرنے سے پتہ چلتا تھا کہ جیسے کوئی بہت غمزدہ آواز میں "منّا منّا" پکار رہا ہو۔ منّا نام کا ایک آدمی پاس ہی رہتا تھا پہلے تو لوگوں نے اس آواز کو کوئی اہمیت نہ دی لیکن جب آواز متواتر آنے لگی تو لوگوں کو تشویش پیدا ہوئی۔ لیکن آس پاس یا برجی میں آواز کا کوئی مخرج نظر نہ آسکا اس آسیب کا سب سے ہیبت اور خون آشام رخ یہ تھا کہ چند روز کے بعد آواز آنے کے وقت منّا نے گلے میں رسی ڈال کر خود کشی کرلی اور وہ آوازیں آنا بند ہوگئیں۔

آسیب اور بھوتوں کے متعلق جہاں بہت سی محیر العقول باتیں مشہور ہیں وہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ننانوے فی صدی آسیب صرف تنہا اور اکیلے آدمی کو دکھائی دیتے ہیں لیکن اوپر بیان کئے ہوئے واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آسیبی ہیولے یا آسیبی آوازیں ایک سے زیادہ آدمیوں نے سنی یا دیکھی ہوں۔ لندن کی سوسائٹی آف فزیکل ریسرچ نے ۱۸۸۲ء میں تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ ۹ء۹ فیصدی لوگ اپنی ہوش مند زندگی میں ایسے عجیب اور مافوق الفطرت واقعات سے دو چار ہوتے ہیں جو عام مادّی زندگی سے بعید ہیں سائنس اور فلسفہ کی اتنی ترقی کے بعد بھی کوئی وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ آسیب بھوت اور پریت صرف واہمہ ہیں۔

انکشافات

موت کے دروازے پر

انور محمود خالد

اس مضمون میں فاضل صاحب قلم جناب انور محمود خالد نے سائنسی نقطۂ نظر سے موت کے بارے میں جو خیالات پیش کئے ہیں۔ ان کا مذہبی معتقدات سے کوئی تعلق اور ربط نہیں ہے۔ علمی حیثیت سے یہ کاوش بہرحال قابل قدر ہے۔ (ادارہ)

موت کا خیال آتے ہی انسان پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے اس کی بنیادی وجہ خوف ہے یہ احساس، کہ ہم اس پیاری دنیا کو ایک دن ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیں گے۔ ہمارے لئے انتہائی حوصلہ شکن اور دہشتناک ہے۔ کوئی شخص جیتے جی اپنے آپ کو موت کے حوالے نہیں کرنا چاہتا۔ موت ایک ایسا عجیب و غریب تجربہ ہے جسے انسان سمجھتا کم ہے اور اس سے خوف زیادہ کھاتا ہے۔ اسکے باوجود ہر ذی حیات کو اس کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے۔

فلسفی، مذہبی رہنما اور سائنس داں ہمیشہ اس امر پہ غور کرتے رہے ہیں کہ مرنے کے بعد انسانی جسم پر کیا گذرتی ہے؟ یہاں صرف ہمیں سائنس دانوں کے نقطۂ نگاہ سے دلچسپی ہے ان کے خیال میں قفس عنصری سے روح کے پرواز کرنے کے فوراً بعد جسم میں کیمیائی اور طبعی تغیرات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور یہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک جسم منقسم ہو کر ریزہ ریزہ نہیں ہو جاتا۔ جونہی روح بدن سے نکلتی ہے، سب سے پہلا اثر تو یہ ہوتا ہے کہ جسم کی حرارت میں کمی ہونے لگتی ہے۔ رگوں میں برقی لہر کی طرح دوڑنے والا خون منجمد ہونے لگتا ہے۔ پٹھے پہلے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں پھر اکڑتے ہیں اور پھر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں نسوں کے اندر اور خون میں کئی کیمیاوی تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں۔ اور بالآخر جسم بوسیدگی، خشکی اور تعفن کا شکار ہونے لگتا ہے ــــــ یہ ایک عام خیال ہے کہ مرتے وقت انسان کو بے پناہ اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ مرتے ہوئے انسان کے چہرے اور جسم پر کرب انگیز آثار صاف دیکھے جاتے ہیں۔ بیشتر حالتوں میں مریض پر تشنج کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے دیکھنے والے دہشت اور خوف محسوس کرتے ہیں سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ تشنج اس بات کا ثبوت نہیں کہ مریض بے پناہ اذیت میں مبتلا ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوئے ہوئے انسان کے چہرے سے تشنج کا سراغ لگانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سوتے ہوئے آدمی کے چہرے کے تاثرات اور جسم کی حرکات سے یہ محسوس ہوتا ہے وہ خواب میں کسی بہت ہی خوفناک حادثے سے دوچار ہوا ہے۔ لیکن جونہی اسے جگا کر اس سے پوچھا جائے تو اسے خوف کا پتہ تک نہیں ہوتا۔

دراصل مرتے وقت جونہی پٹھے سکڑتے ہیں جسم

پٹھوں کے کھنچاؤ سے تشنج کے آثار نمودار ہوتے ہیں، ورنہ یہ حقیقت ہے کہ مرنے والے کو اتنی زیادہ تکلیف نہیں ہوتی جتنی [illegible] سے غمزدہ لوگوں کو محسوس ہوتی ہے۔ یہ قدرت کا بہت بڑا احسان ہے۔ قدرت انسان کو اس دنیا سے اٹھاتے وقت اسے تمام دکھوں اور تکلیفوں سے آزاد کر کے پرسکون، گہری، میٹھی اور ابدی نیند سلا دیتی ہے

موت کیا ہے؟ ایک ایسا راز ہے جسے سمجھنے کی جتنی بھی کوشش کی جائے اتنی ہی زیادہ گرہیں پڑتی جاتی ہیں موت کے راز سے اسی وقت پردہ اٹھ سکتا ہے جب زندگی کا راز سمجھ میں آ جائے۔ وہی بنیادی کیمیاوی عوامل جو یک خلوی جانور "امیبا" کو زندگی کا آب حیواں بخشتے ہیں وہی انسان کی بقا کا باعث بھی ہیں۔ اگر ان عوامل کو اپنی گرفت میں لیا جا سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ سائنس موت کو بھی اپنا نخچیر بنا لے

اب سے کوئی نصف صدی پہلے ایک امریکی سائنس داں ڈاکٹر کیرل نے (جسے بعد میں نوبل انعام بھی ملا)، ایک محیر العقول تجربہ کر کے سائنسی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اس نے ایک نوزائیدہ زندہ نامکمل چوزے کے دھڑکتے ہوئے قلب سے ایک رگ نکالی اور اسے مادۂ حیات میں تیرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ وہ قلبی رگ بڑی تیزی سے بالیدگی کی منازل طے کرنے لگی۔ اس کا ہر خلیہ حجم میں بڑھتا گیا جو ایک خاص حد تک پہونچ کر پھٹ گیا اور دو نئے اجزا میں منقسم ہو گیا۔ پھر وہ دونوں اجزا علیحدہ علیحدہ نشو و نما پانے لگے اور اسی طرح ایک خاص مقام پر پہونچ کر پھر پھٹ کر دو مزید حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ کسی خرابی کی وجہ سے ان کی نشو و نما رک گئی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر وہ رگ اپنی عام طبعی رفتار سے بڑھتی رہتی تو ایک ماہ کے اندر اندر اس کا وزن چار پونڈ ہو جاتا اور تین ماہ کے قلیل عرصے میں .... ۶۵ پونڈ تک پہونچ جاتا۔ اس تجربے سے ۱۹۴۶ء تک فائدہ اٹھایا جاتا رہا۔ بعد میں اسے متروک قرار دے دیا گیا

سائنس دانوں کو ایک اور امر سے بھی دل چسپی ہے وہ یہ کہ کسی نہ کسی طرح یہ معلوم کیا جائے کہ کسی شخص کو مرے ہوئے کتنا عرصہ گذر چکا ہے۔ عام خیال ہے کہ اگر موت کا صحیح وقت معلوم کرنا ہے تو مردے کے پٹھوں کے کھچاؤ کا اندازہ کرایا جائے۔ حالانکہ یہ غلط ہے ضروری نہیں کہ ہر مرتا ہوا شخص تشنج کا شکار بھی ہو۔ اگر کھچاؤ ظاہر بھی ہو جائے تو روح کے بدن چھوڑ جانے کے بعد چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر پٹھے پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتے ہیں۔ ان حالات میں موت کا عرصہ معلوم کرنا بے حد مشکل ہے۔ موت کا وقفہ معلوم کرنے کے تا حال دو کامیاب طریقے ہیں۔

۱۔ تلازماتی طریقہ (ASSOCIATION METHOD)
۲۔ شماریاتی طریقہ (RATE METHOD)

تلازماتی طریقے کی مدد سے پہلے ان واقعات اور حالات کا سراغ لگایا جاتا ہے جو مریض کی موت کا باعث بنے ہیں۔ ان میں مریض کے معدے میں موجود غذا، تجزیے کے لئے سب سے زیادہ اہم مواد فراہم کرتی ہے۔ شماریاتی طریقے کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ مرنے کے بعد حرارت غریزی ایک خاص شرح سے کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ عام حالات میں زندہ انسان کا درجۂ حرارت ۹۸٫۵ فارن ہیٹ ہوتا ہے۔ مرتے ہوئے انسان کا درجۂ حرارت ایک گھنٹے میں ۱٫۵ فارن ہیٹ کم ہو جاتا ہے اور فی گھنٹہ اسی رفتار سے کم ہوتا چلا جاتا ہے چنانچہ ایک خاص وقت میں مردے کا درجۂ حرارت نوٹ کر کے اگر اسے ۹۸٫۶ فارن ہیٹ میں سے تفریق کیا جائے اور بقایا کو ۱٫۵ پر تقسیم کیا جائے تو یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص کو مرے ہوئے کتنا عرصہ گذر چکا ہے۔

مرگِ ناگہانی جس چیز کو ہم مرگ ناگہانی کہتے ہیں وہ بھی دراصل اچانک موت نہیں ہوتی چاہے وہ حرکت قلب بند ہونے ہی سے کیوں نہ ہوئی ہو۔ دل کی دھڑکن کا بند ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ انسان مر چکا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ابھی اس میں زندگی کے چند سانس باقی

ین. عام حالات میں دماغ موت کے بعد بھی پانچ چھ منٹ
تک زندہ رہتا ہے. اور خاص حالات میں یہ وقفہ اور
بھی طویل ہو جاتا ہے. دھڑکن بند ہوتے ہی دماغ کی طرف
خون کی ترسیل کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے اب دماغ
کو اپنا کام جاری رکھنے کے لئے مقررہ مقدار میں آکسیجن نہیں
ملتی (جو اسے پہلے خون میں حل شدہ مل جاتی تھی) جس کی مدد
سے وہ شکر کو جلا کر اپنے لئے قوت حاصل کر سکے. چنانچہ
آکسیجن کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے وہ بعض دوسرے
ذرائع اختیار کرتا ہے. ناگہانی ضرورت پوری کرنے کا یہ طریقہ
زیادہ سے زیادہ چھ منٹ تک کام کرتا ہے. اگر اس
عرصہ میں بدن موت کے پنجے سے رہائی حاصل کر لے اور دل
دھڑکن معمول پر آجائے تو دماغ نصف گھنٹے کے اندر اندر
ہی پہلی کمی کو پورا کر کے خون میں حل شدہ آکسیجن استعمال کرنے
پر قادر ہو جاتا ہے ورنہ وہ بھی روح کی طرح جسم کا ساتھ چھوڑ
جاتا ہے اور انسان مکمل طور پر داعی اجل کو لبیک کہہ دیتا ہے

حال ہی میں ایک نئی دوا ایجاد کی گئی ہے جو ان ..
اشخاص کے لئے خاص طور پر مفید ثابت ہوگی جن کا دل
آپریشن کی میز پر یک لخت دھڑکنا بند کر دیتا ہے. جس
انجکشن کا کامیاب تجربہ ایری زونا (امریکہ) کے دو نوجوان ڈاکٹر
ایک چھبیس سالہ مریض پر آزما چکے ہیں. ان کے پاس وہ
مریض اس حالت میں آیا کہ دوسرے ڈاکٹر چار منٹ پہلے اسے
مردہ قرار دے چکے تھے. جونہی انہوں نے اس دوا کو اس
مریض کے دل کے دائیں خانے میں داخل کیا، یہ دیکھ کر ان کی
خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس کے دل نے دوبارہ دھڑکنا شروع
کر دیا. ان سرجنوں کے لئے یہ بات اور بھی باعث تعجب تھی
چند ہی دنوں میں وہ مریض مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا
اور آپریشن کے دو ماہ بعد اس نے دوبارہ اپنا کام سرگرمی سے
شروع کر دیا تھا. اکثر ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ حرکت قلب بند
ہو جانے کے تین منٹ بعد دماغ بھی بے کار ہو جاتا ہے

لیکن مذکورہ بالا دوا نے حیرت انگیز کام سرانجام دیا ہے. ایسی
مثالیں بھی دیکھی گئی ہیں کہ اس دوا کے استعمال سے دس منٹ
پہلے مرتے ہوئے شخص کو دوبارہ سانس لینے کی قوت حاصل
ہو گئی ہے اور بعد میں مریض مکمل طور پر صحت یاب بھی ہو گیا
ہے.

موت اگرچہ ایک خوفناک چیز ہے لیکن دنیا میں ایسے
جرأت مند انسانوں کی کمی نہیں جنہوں نے موت کو ہنستے کھیلتے
قبول کیا. تاریخ میں اس بے خوفی کی ایک بڑی شاندار مثال
ملتی ہے. سر تھامس مور نے جسے ہنری ہشتم نے ذاتی اختلافات
کی بنا پر پھانسی دینے کا حکم دیا تھا، کمال جرأت سے کام لے
کر تختہ کھینچنے والے سے کہا تھا "میاں اچھی طرح دیکھ
بھال کر لو کہ میں پھانسی کے تختے پر سلامت پہنچ گیا ہوں یا
نہیں. رہی نیچے لٹک جانے کی بات تو اس کی فکر میں خود کر
لوں گا."

لیکن ایسی مثالیں خال خال ہیں. ایک عام انسان کے لئے
تو موت کا نام ہی لرزہ خیز ہے. حالانکہ تحقیق و شواہد سے
یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ موت اتنی اذیت بخش نہیں ہوتی
جتنی کہ سمجھی جاتی ہے. بوڑھے آدمیوں کے لئے تو اس کی آمد
ایک نعمت سے کم نہیں. اسی طرح درد کی شدت سے بے حال
انسان بھی اس کی نظر التفات سے ہمیشہ کے لئے سکون حاصل
کر لیتے ہیں. وہ لوگ بھی جو عموماً موت سے انتہائی خوف کھاتے
تھے، اپنی زندگی کی آخری ساعتوں میں خوشی خوشی اپنے آپ کو
فرشتہ اجل کے سپرد کرتے دیکھے گئے ہیں.

موت اپنے ہمراہ ابدی سکون کا پیغام لاتی ہے اسکے
نرم نرم ہاتھ اجل گرفتہ کو بڑے پیار سے اپنی آغوش میں سمیٹ
لیتے ہیں. مریض کتنا ہی تکلیف، اذیت اور عذاب میں
مبتلا ہو، مرنے سے چند لمحے پہلے اسے مکمل سکون نصیب
ہو جاتا ہے. موت اسکے تمام دکھوں کا مداوا بن جاتی ہے اور
اور اسکے سلگتے ہوئے زخموں پر مرہم رکھ دیتی ہے. موت کی

اذیت محض تصوراتی چیز ہے حقیقی نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مرتے ہوئے انسان کی نسیں بعض اوقات کھنچ جانے سے اس کا چہرہ مسخ ہو جاتا ہے اور یہ منظر ناقابل برداشت ہوتا ہے ــــــ لیکن یہ نظارہ محض دکھاوا ہے۔ حقیقتاً قدرت انسان کے اعصاب کو مکمل سکون پہونچا رہی ہوتی ہے۔ مرنے والا آنی تکلیف میں مبتلا نہیں ہوتا جتنی کہ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔

ایک ڈاکٹر مرتے ہوئے انسان کی جسمانی کیفیت کا حال مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

دل کی دھڑکن بند ہوتے ہی جسم نئے خون کی قوت سے محروم ہو جاتا ہے۔ شمع حیات کی لو تھرتھرانے لگتی ہے اذیت کی پرچھائیاں دور ہٹتے ہٹتے معدوم ہونے لگتی ہیں آکسیجن کی کمی دماغ پر حملہ آور ہوتی ہے اور پہلے ہی لمحے میں اسے مفلوج کر دیتی ہے۔ مریض اپنے ذہن میں نامعلوم گھنٹیوں کی آواز سننے لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے روشنیوں کا ایک سیلاب سا گذرنے لگتا ہے۔ وہ ہلکی سی بے چینی محسوس کرتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ تاریکی کے سمندر میں ڈوبنے لگتا ہے۔ کوئی خوشی، کوئی دکھ، کوئی احساس اس کا راستہ نہیں روکتا وہ اپنے آپ کو ایک اتھاہ اندھیرے میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ تاریکی اس کے حواس کو اپنے قابو میں کر لیتی ہے اور اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے نیند کی دیوی اسے تھپکیاں دے دے کر سلا رہی ہے

موت کے متعلق سائنس کے جدید انکشافات اٹھارویں صدی کے مشہور ماہر عضویات ولیم ہنٹر کے ان الفاظ کی تصدیق کرتے ہیں جو اس نے مرتے وقت اپنی زبان سے ادا کئے تھے،

"اگر اس وقت میرے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اپنا قلم پکڑ سکتا تو لکھتا کہ مرنا کس قدر آسان اور خوش گوار ہے۔

تعزیمات

فیسٹول کرکیٹ میچ

تماشائی کے قلم سے

بساط خانہ کانپور کی دو کرکیٹ ٹیموں سولیجہ الیون اور بویجہ الیون کے درمیان دوستانہ سالانہ میچ اتوار ۲۳ جنوری ۱۹۷۲ء کو کرائسٹ چرچ کالج گراؤنڈ پر دس بج کر ۱۲ منٹ پہ شروع ہوا. کرکیٹ اور دیگر اسپورٹس کے ایک پرانے رسیا حاجی معین الاسلام صاحب نے رسم افتتاح ادا کی. ٹاس سولیجہ الیون نے جیتا اور کھیلنا شروع کیا. کرکیٹ کے ایک پرانے کھلاڑی محمد منظفر سولیجہ الیون کے کیپٹن تھے اور اقبال اختر سولیجہ وائس کیپٹن۔ بویجہ الیون کے کیپٹن فیروزالدین بویجہ تھے اور نائب کپتان رشید احمد۔ حاجی معین الاسلام نے . . . کچھ دیر بٹینگ بھی کی۔ سولیجہ الیون کی طرف سے اقبال اسلام اور راشد عالم سب سے پہلے بیٹنگ کیلئے گئے. اقبال اسلام ۲ رن ہی بنا سکے تھے کہ ان کو بویجہ الیون کے کھلاڑی نفیس نے آؤٹ کردیا. اقبال اسلام کے بعد بویجہ الیون کی طرف سے محمد عابد بویجہ کھیلنے کے لئے آئے راشد عالم اور محمد عابد کی جوڑی بہت ہوشیاری اور ثبات قدمی کے ساتھ کھیل رہی تھی اور نہ صرف کھلاڑی بلکہ حاضرین بھی کھیل سے خاصے محظوظ ہو رہے تھے. محمد عابد صرف ۱۰ رن ہی بنا سکے ان کا وکیٹ شاہد عزیز نے لیا. عابد بویجہ کے آؤٹ ہونے پہ محمد منہاج سولیجہ الیون کی طرف سے بیٹنگ کے لئے آئے' منہاج دو مرتبہ کیچ ہوتے ہوتے بچے. یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ بال دونوں بار مس ہوگئی' منہاج کے ساتھ راشد عالم کی جوڑی تھی. راشد بہت مستقل مزاجی سے کھیل رہے تھے کہ ان کو ۱۶ رنوں پہ آؤٹ ہونا پڑا. اس وقت سولیجہ الیون کا اسکور ۳۰ تک ہی پہونچا تھا. راشد عالم کے بعد شاہ عالم بیٹنگ کے لئے آئے. منہاج نے بلے بازی میں خوب اپنے جوہر دکھلائے. ان کو دو باؤنڈریاں ملیں. نفیس نے منہاج کو کیچ کر لیا. اس وقت تک سولیجہ الیون کا اسکور ۴۳ رن ہی ہوا تھا. منہاج کے آؤٹ ہونے پر سولیجہ الیون کی طرف سے عزیز اسحق کھیلنے کے لئے آئے اس وقت بویجہ الیون کی طرف سے نوشاد محمد بھی والا بالنگ کر رہے تھے. انھوں نے عزیز اسحق کی بالنگ کی سولیجہ الیون نے اس وقت تک چار وکیٹ کھو کر ۵۴ رن بنا لئے تھے. نوشاد کے علاوہ بویجہ الیون کی طرف سے محمد شارق نے بھی بالنگ کی. الغرض نے ایک موقع پر اپنے ہونے والے سسر امین الاسلام صاحب کی بھی بالنگ کی. جو سولیجہ الیون کی طرف سے کھیلنے آئے تھے مسٹر محمد رشید ککلنوی نے جو امپائر کی ذمہ داری انجام دے رہے تھے اس موقع پر اعلان کیا تھا کہ جو کھلاڑی ۵۰ تک رن بنا لے گا اس کو انعام دیا جائے گا چونکہ رن بننے کی رفتار بہت سست تھی اور دوسرے کھلاڑیوں کو کھیلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا. اس لئے یہ اعلان کیا گیا تھا. بعد میں اس کو گھٹا کر ۳۰ رن کر دیا گیا تھا اس سے مقصود یہ تھا کہ اور کھلاڑیوں کو بھی کھیلنے کا موقع ملے اور کھیل میں بوریت نہ آنے پائے. شاہ عالم جب سولیجہ الیون کی طرف سے ۳۱ رن بنا چکے تو ان کو ریٹائر کر دیا گیا. اس وقت تک بویجہ الیون کا اسکور ۸۵ رنوں تک پہونچا تھا. عزیز اسحق بھی ۲۱ رنوں پر آؤٹ ہو گئے سولیجہ الیون کے کپتان محمد منظفر سولیجہ کھیلنے کے لئے آئے. ان کو فیض الہٰی نے ایک ہی رن پر آؤٹ کر دیا. فیض نے ۱۹ رن دے کر ۳ وکیٹ لئے تھے' وہ اس سے پہلے راشد اور منہاج کے وکیٹ بھی لے چکے تھے' محمد منظفر کے بعد اقبال

اختر سولیجہ کھیلنے کے لئے آئے ان کو فیروز الدین بوکیجہ نے بالنگ دی۔ اقبال اختر بھی ۴ رن ہی بنا پائے تھے کہ آؤٹ ہو گئے لنچ تک سولیجا لیون کا اسکور ۷۹ ہوا تھا۔ اور اس کے سات کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔

لنچ کے بعد سولیجا لیون کی طرف سے فضل الرحمن کھیلنے کے لئے آئے تھے ۵ رن بنا کر آؤٹ ہو گئے اس وقت تک اسکور ۱۰۱ ہوا تھا۔ سولیجا لیون کی طرف سے اب مصباح الاسلام کھیلنے کے لئے آئے انہوں نے بہت جلد ۵ رن بنا لئے اس میں ایک باؤنڈری بھی شامل تھی۔ بوکیجا لیون کی طرف سے بالنگ کرتے ہوئے فیض نے گیارہ اوور میں ۲۴ رن دے کر ۴ وکیٹ لئے تھے نفیس نے ۱۹ رن دے کر ایک وکیٹ لیا شاہد عزیز نے ۱۲ رن دے کر ایک وکٹ لیا۔ سولیجا لیون کے ۱۰۹ رنوں پر آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے۔ فیض الہی اب تک ۵ وکیٹ لے چکے تھے فضل الرحمن کو دو بار کھیلنے کا موقع دیا گیا تھا مصباح الاسلام کو شاہد عزیز نے ۱۴ رنوں پر کلین بولڈ کر دیا۔ سولیجا لیون کے خالد مجید کو فیض الہی نے رن آؤٹ کر کے ساتواں وکیٹ لے لیا تھا۔ امین الاسلام صرف ۲ رن بنا سکے۔ سولیجا لیون کے سب کھلاڑی ۱۳۱ رنوں پر آؤٹ ہو گئے تھے اور اننگز ختم ہو گئی

سولیجا لیون کے آؤٹ ہونے کے بعد بوکیجا لیون کی ٹیم کھیلنے آئی۔ رشید احمد اور شاہد عزیز نے بیٹنگ شروع کی۔ رشید احمد کو خالد مجید نے ایل بی ڈبلیو کر دیا رشید کے بعد بوکیجا لیون کی طرف سے نوشاد محمد کھیلنے کے لئے آئے سولیجا لیون کی طرف سے مصباح الاسلام نے بالنگ کی۔ ان کے علاوہ خالد مجید بھی گیند اندازی کر رہے تھے بوکیجا لیون کی ٹیم نے بہت مستعدی اور چابک دستی کے ساتھ کھیل کو آگے بڑھایا۔ کرکٹ بائی چانس تو مشہور ہی ہے۔ سولیجا لیون کی ٹیم میں کپتان محمد مظفر سولیجا اور فضل الرحمن اسکول اور کالج کے زمانے میں بہترین کھلاڑیوں میں شمار ہوتے تھے مگر اتفاق ہے کہ اس میچ میں ان کے ہاتھ نہ جم سکے۔ سولیجا لیون کی طرف سے مصباح الاسلام کی بالنگ قابل تعریف کہی جا سکتی ہے بوکیجا لیون کے کھلاڑیوں میں شاہد عزیز ۴۳ رنوں پر اور فیض الہی ۲۰ رن پر ریٹائر کر دیئے گئے تھے شاہد عزیز … کرائسٹ چرچ کالج(?) کے اسٹوڈنٹ بھی ہیں اپنی کالج ٹیم کی طرف سے … بھی اپنے کھیل کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ سولیجا لیون کے کھلاڑی احسان شعلہ نے ۱۰ رن اور سعید احمد نے ۵ رن بنائے تھے بوکیجا لیون کی ٹیم نے ۷ وکٹ کھو کر اپنا اسکور ۱۳۱ تک پہونچا دیا تھا۔ اس طرح ۴ وکیٹ سے سولیجا لیون کی ٹیم ہار گئی اور اس دوستانہ میچ کا خاتمہ ہوا۔ میچ بہت ہی دوستانہ فضا میں شروع ہوا اور خوشگوار ماحول میں ختم ہوا کھیل ختم ہونے کے بعد باقاعدہ کرکٹ کے کہنہ مشق کھلاڑی اور سرپرست حافظ تحسین الدین صاحب نے تقسیم انعامات کی رسم ادا کی۔

دونوں کو … اور … کو … تقسیم کئے گئے۔ فیض الہی نے بہترین بالنگ اور بیٹنگ کی انہوں نے بوکیجا لیون کی طرف سے ۷ وکٹ لئے تھے۔ فیض کی بالنگ کے ساتھ ہی ساتھ بیٹنگ بھی قابل تعریف رہی محمد رشید صاحب سپانسر کی طرف سے فیض الہی کو ۲۵ روپے کا نقد انعام دیا گیا بوکیجا لیون کے کپتان فیروز الدین کو ان کی ٹیم کے شاندار کھیل کے صلہ میں شیلڈ دی گئی اسپانسر محمد رشید صاحب کو ایک بہت بڑی … کا تحفہ بطور انعام دیا گیا۔ حافظ تحسین الدین صاحب کو ان کی کرکٹ کی گذشتہ خدمات کے صلہ میں ایک شال عطا کی گئی اسپانسر کی ذمہ داریاں محمد رشید صاحب نے بخوبی انجام دیں

میچ کی آنکھوں دیکھی(?) کمنٹری ماشد بوکیجہ ڈاکٹر محمد حسین مصباح الحق اور شاہد نفیس نے انجام دی۔ ماشد بوکیجہ نے کمنٹری انگریزی میں کی تھی جبکہ ڈاکٹر محمد نفیس کی ہندی کمنٹری نے کھیل کو اور زیادہ دلچسپ بنا دیا تھا۔ اس میچ کو دیکھنے کے لئے مختلف حضرات کرائسٹ چرچ گراؤنڈ پر آئے تھے۔ میچ کے انتظامات کی کوششوں کا سہرا شاہد نفیس۔ امین الاسلام۔ محمد اختر۔ فیض الہی اور فیروز الدین بوکیجہ کے سر رہا۔

تماشائی کو اجازت دیجئے۔ یار زندہ صحبت باقی

حسابِ آمد و خرچ

(دوستانہ کرکٹ میچ منعقدہ ۲۳ جنوری ۱۹۵۵ء)

آمدنی		مصارف	
۱. جناب احسان کریم صاحب	100/-	۱. دعوت نامہ	15/-
۲. جناب شاہد نفیس صاحب	100/-	۲. لاؤڈ اسپیکر	3/-
۳. جناب فیروز الدین بوبکیہ صاحب	104/-	۳. گیند وغیرہ	[illegible]0/-
۴. جنیئر کھلاڑیوں سے فی کس پندرہ روپے	300/-	۴. انعامات	5/-
۵. جناب شیخ الٰہی صاحب	25/-	۵. لنچ	[illegible]0/-
۶. جناب محمد شارق صاحب سولیجہ	25/-	۶. پوسٹر	5/-
۷. جناب رشید احمد صاحب	25/-	۷. کرایہ چاند کمپنی کرسی وغیرہ	5/-
میزان	679/-	میزان	[illegible]79

تفریحات

رومن اکھاڑہ

تحسین جمالی

رابندر ناتھ ٹیگور نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "انسان جب حیوان بنتا ہے تو حیوانوں سے بدتر ثابت ہوتا ہے۔" زیرنظر مضمون میں روبہ زوال بلکہ دم توڑتی ہوئی رومی تہذیب کے اسی دور کی عکاسی کی گئی ہے جب مطلق العنان شہنشاہیت اور بے لگام آمریت کے زیرسایہ انسانیت نے حیوانیت اور وحشت سے کہیں بڑھ کر شیطانیت اور طاغوتیت کا روپ دھار لیا تھا اور پھر اس کا حشر اسی قدر عبرتناک ہوا جو سنت الٰہیہ کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔

ع ـــــ الحفیظ، الحفیظ، الاماں، الاماں!　　(ادارہ)

روم میں اس وقت قحط کا دور دورہ تھا۔ لوگ بھوکوں مر رہے تھے۔ ہر روز بے شمار عورتیں بچے اور مرد بھوک سے دم توڑ دیتے ان کی لاشیں شہر کے گلی کوچوں میں پڑی سڑ رہی تھیں گدھ اور دوسرے مردار خور پرندے ان پر منڈلاتے اور گوشت کا ایک آدھ ٹکڑا لے کر اپنی منحوس آوازوں میں چیختے ہوئے اڑ جاتے عام طور پر یہ پرندے انسانی آنکھوں اور رخساروں کا نرم گوشت پسند کرتے تھے۔ اس لیے جونہی کوئی فاقہ زدہ شخص چکرا کر زمین پر گرتا، مردار خور اس پر جھپٹ پڑتے اور چشم زدن میں اس کا چہرہ نوچ کھاتے۔ عوام روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترس رہے تھے لیکن رومی شہنشاہ کے دربار میں بھنے ہوئے گوشت کے انبار لگے تھے۔ درباری فرش پر بیٹھے دعوت اڑا رہے تھے شہنشاہ مرقس اپنی سنہری کرسی پر بیٹھا تھا۔ چند مصری غلام اس کے دائیں بائیں کھڑے پنکھا کر رہے تھے اچانک وزیر دربار میں داخل ہوا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور سر سے پاؤں تک خاک میں اٹا ہوا تھا اسے اس حالت میں دیکھ کر مرقس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ دربار کے وسط میں پہنچ کر وزیر اپنے گھٹنوں پر جھکا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"حضور، فاقہ زدہ لوگ بغاوت پر مائل ہیں میں ابھی ابھی ان کے سردار سے مل کر آ رہا ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ حکومت جلد از جلد انہیں غذا مہیا کرے، ورنہ وہ شاہی غلہ خانوں پر حملہ کر دیں گے۔"

درباریوں کے قہقہے رک گئے اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ مرقس نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد وزیر سے مخاطب ہو کر بولا۔

"مصر میں اس وقت ہمارے کتنے جہاز ہیں؟"

"حضور غلے سے لدے ہوئے پچاس جہاز اس وقت مصر کے ساحل پر موجود ہیں۔ ایک ہفتہ بعد وہ روم کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔"

"جس قدر جلد ہو سکے ان تک پیغام پہنچا دو کہ غلہ اتار دیں اور جس قدر جنگلی جانور، درندے اور غلام ممکن ہو سکیں، جہازوں میں لاد کر جلد سے جلد یہاں پہنچ جائیں۔"

"لیکن جناب عالی۔ ۔ ۔ "

"جو کچھ میں کہتا ہوں، وہی کرو۔ بے وقوف، تم نہیں جانتے غلے سے بھرے ہوئے پچاس جہاز عوام کی بھوک دور نہیں کر سکتے اسلئے تو ہمیں ان کی توجہ بھوک سے ہٹا کر کسی اور چیز کی طرف مبذول کروانا پڑے گی جاؤ، شہر میں اعلان کر دو کہ آج سے ٹھیک پندرہ روز بعد سکیم تھیٹر میں کھیل شروع ہو جائیں گے یہ کھیل روم کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہوں گے جیلوں میں اس وقت جتنے قیدی موجود ہیں انہیں بتا دو کہ وہ صرف پندرہ روز اور زندہ رہ سکیں گے۔ باقی انتظامات تم خود کر لو۔

وزیر نے جھک کر سلام کیا اور دربار سے رخصت ہو گیا اس شام روم کے گلی کوچوں میں منادی ہو رہی تھی۔ ۱۵۰۰ قیدیوں کو آدم خور شیروں کے سامنے ڈالنے کی خبر نے عوام میں خوشی کی ایک لہر دوڑا دی۔ مرقس صحیح معنوں میں اپنی رعایا کی نبض پہچانتا تھا اسے معلوم تھا کہ رومی ان کھیلوں میں جان دیتے ہیں

مقررہ تاریخ سے ایک روز پہلے لوگوں نے تھیٹر کی طرف جانا شروع کر دیا تاکہ اچھی اچھی جگہوں پر قبضہ کر سکیں سکیم تھیٹر اصل میں انگریزی حرف کی شکل کا ایک بہت بڑا اکھاڑہ تھا جس کی لمبائی ڈیڑھ میل کے قریب تھی، اکھاڑے کے چاروں طرف تین چار میل تک عملے کے رہائشی مکانات وحشی درندوں کے باڑے اور سامان کے ذخائر تھے۔ عملے میں تیر انداز، شمشیر زن، رتھ چلانے والے وحشی درندوں کے نگران، نظم و نسق قائم رکھنے والے اور لاشیں اٹھانے والے شامل تھے ان کی مجموعی تعداد ۱۶ ہزار کے قریب تھی۔ اکھاڑے سے کچھ دور شمال کی طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ جن میں تین چار چشمے بہتے تھے ان چشموں کو آپس میں ملا کر سخت پتھریلی زمین کو کاٹتے ہوئے ایک ندی اکھاڑے تک لائی گئی تھی تاکہ بوقت ضرورت اکھاڑے کو پانی سے بھرا جا سکے چاروں طرف پندرہ فٹ اونچی دیوار تھی۔ اس دیوار کی چوڑائی ۱۲ فٹ کے قریب تھی اور اس پر تماشائیوں کے بیٹھنے کیلئے لکڑی کی بنچیں بنائی گئی تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس اکھاڑے میں ۳۸۵۰ آدمی بیٹھ سکتے تھے شائقین کی کثرت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ نیرو کے زمانہ میں ایک بار سالانہ کھیلوں کے موقع پر دیوار کا ایک حصہ گر گیا اور ۱۱۲۳ آدمی اسی وقت مر گئے میدان کے گرد جو دیوار تھی اس میں بے شمار چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں تھیں جن کا ایک دروازہ اکھاڑے کے اندر کھلتا تھا، تو دوسرا باہر کی طرف۔ ان کوٹھڑیوں میں وحشی جانور، قیدی، رتھیں اور کھیلوں کا دوسرا سامان رکھا جاتا تھا۔ اکھاڑے میں داخل ہونے کیلئے ۹۰ دروازے تھے جن میں سے ۶۶ عوام استعمال کرتے تھے اور باقی عملے اور بادشاہ کے لئے وقف تھے دونوں طرف دو نہایت بڑے بڑے پھاٹک تھے جنہیں ضرورت کے وقت کھولا جا سکتا تھا۔ ایک طرف کے پھاٹکوں کو "زندگی" اور دوسری طرف کے پھاٹکوں کو "موت" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ "زندگی" سے وحشی جانور اور قیدی لائے جاتے تو "موت" کے راستے سے ان کی لاشیں باہر نکال دی جاتیں کھیل کے دوران اکھاڑے کو صاف کرنے اور تازہ ریت بچھانے پر دو ہزار مزدور مقرر تھے۔ ایک کھیل ختم ہوتا تو وہ بجلی کی مانند اکھاڑے سے لاشیں اور گوشت کے چھوٹے بڑے ٹکڑے گاڑیوں میں لاد کر لے جاتے خون کے دھبوں کو مٹانے کے لئے تازہ ریت بچھا دی جاتی۔ یہ خاص قسم کی ریت مصر اور شام سے منگوائی جاتی تھی اور ہر سال ریت سے لدے ہوئے آٹھ سو کے قریب جہاز روم پہنچتے تھے۔ مختلف طبقوں کے تماشائیوں کیلئے نشستیں جدا جدا تھیں سب سے آگے بادشاہ کی نشست تھی۔ اسکے ساتھ خادمائیں، غلام، درباری اور حاشیہ نشین بیٹھتے۔ اس کے پیچھے محافظ دستے کے سپاہیوں کی نشستیں ہوتی تھیں آخر میں امراء اور فوج کے باقی سپاہی بیٹھتے سب سے پیچھے عوام بیٹھتے تھے۔

رات بھر لوگ اکھاڑے کی طرف جاتے رہے۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے تقریباً تمام شہر خالی ہو چکا تھا۔ رومی ان کھیلوں کے کتنے شائق تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سخت قحط میں بھی یہ لوگ گھر بار چھوڑ کر یہاں آ پہنچے تھے بعض لوگ تو بچا کھچا کھانا بھی یہیں اٹھا لائے تھے۔ ان میں

عورتیں بھی تھیں، مرد، بچے اور بوڑھے بھی ایسے لوگ بھی تھے جو خود نہیں چل سکتے، بلکہ اپنے جوان بیٹوں کے کندھوں پر سوار تھے۔ بے شمار حاملہ عورتیں تھیں۔ جو کھیل دیکھنے کے شوق میں یہاں چلی آئی تھیں۔ چنانچہ شہر سے اکھاڑے تک پہونچنے والی سڑک پر جابجا عورتیں پڑی تھیں۔ ساڑھے کے قریب بچے صرف ایک رات میں اسی سڑک پر پیدا ہوئے۔ غریب لوگ بھوک کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا ہو رہے تھے، پھر بھی کھیل دیکھنے کی دھن میں اپنی کمزور ٹانگوں پر گھسٹتے ہوئے اکھاڑے کی طرف چیونٹی کی رفتار سے حرکت کر رہے تھے۔ جابجا بھوک سے دم توڑنے والوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ان لاشوں کو روندتے ہوئے انسانی ہجوم اکھاڑے کی طرف بڑھ رہے تھے یہ ایک ایسا المیہ تھا جس پر غور کرکے انسانی دل بھر آتا ہے لیکن وہاں انسان تھے ہی کہاں۔ یہ لوگ صرف اس لئے اکھاڑے کی طرف جا رہے تھے کہ وہاں اپنے جیسے جیتے جاگتے انسانوں کو وحشی درندوں کے ہاتھوں ختم ہوتے دیکھ سکیں۔ انسانیت دم توڑ رہی تھی اور شیطان اپنی کامیابی پر جی کھول کر قہقہے لگا رہا تھا جو تہذیب کل آمدنی کا تیسرا حصہ ریچھ اور شیر پالنے پر صرف کر دے وہ زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ سکتی لیکن ان باتوں کا ہوش کسے تھا۔ آٹھ بجے تک اکھاڑہ پر ہو چکا تھا نشستوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، لیکن تماشائیوں کی آمد بدستور جاری تھی۔ آخر ۹ بجے کے قریب شہنشاہ مرقس کے حکم سے دروازے بند کر دئے گئے، کیونکہ مزید تماشائیوں کے اندر آجانے سے پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کا دم گھٹ کر مرجانے کا خدشہ تھا۔ اکھاڑے کے باہر لوگ کسی نہ کسی طرح اندر پہونچنے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ کسی نے شیروں اور جنگلی درندوں کی کوٹھریوں میں سے ہو کر اندر جانے کی تجویز پیش کی۔ کمزور دل لوگ جھجک گئے۔ لیکن چار پانچ سو کے قریب نوجوان ہاتھوں میں لکڑی کے ڈنڈے، کلہاڑے اور ڈنڈے سنبھالے جنگلی درندوں کے باڑے میں گھس گئے۔ اندر پہونچنے کی دھن میں وہ یہ بھول گئے کہ بھوکے جنگلی درندوں سے بچ نکلنا ممکن نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساڑھے چار سو نوجوانوں میں سے صرف ۱۳ بچ کر دوسری طرف نکل سکے، باقی سب بھوکے جنگلی درندوں کی نذر ہو گئے جو لوگ اندر پہونچنے میں کامیاب ہو گئے انھیں ناجائز طور پر اکھاڑے میں داخل ہونے کے جرم میں قید کر لیا گیا جو لوگ دروازوں کو توڑ رہے تھے انھیں بھی گرفتار کرکے مرقس کے سامنے پیش کیا گیا جس نے فوراً ہی ان کے قتل کا فیصلہ دیدیا۔ اس طرح تماشہ دیکھنے والے خود تماشہ ہو گئے انھیں بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ تنگ کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا تاکہ بوقت ضرورت درندوں کی خوراک بنایا جا سکے۔

دس بجے کے قریب مرقس نے کھیل شروع کرنے کا حکم دیا سب سے پہلے چمکدار فوجی وردیاں پہنے ہوئے ایک دستہ نے میدان میں پریڈ شروع کی دستے کے پیچھے شاہی بینڈ تھا سب سے آخر میں وحشی درندوں سے لڑنے والے شمشیر زن تیر انداز اور اکھاڑے کے عملے کے دوسرے ارکان چار چار کی قطاروں میں چل رہے تھے۔ ان کے خود، وزنی ڈھالیں اور زرہ بکتر کی زنجیریں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ سب سے آخر میں سدھائے ہوئے جنگلی درندوں کی پریڈ شروع ہوئی سب سے آگے شیر ببر تھے۔ ان کی تعداد ۵۰۰ سے متجاوز تھی دونوں طرف محافظ ایک دوسرے سے کندھے ملائے چل رہے تھے تاکہ مجمع کو دیکھ کر شیر بدحواس نہ ہو جائیں۔ شیروں کا دستہ گذر گیا، تو چیتوں کی باری آئی۔ سات سو چیتے سلیقے دار نوکروں کی طرح اپنے مالکوں کے ہمراہ خاموشی سے میدان عبور کر رہے تھے دیر تک یہ جلوس گذرتا رہا لوگ بڑی دلچسپی سے یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھ رہے تھے چیتوں کے بعد ریچھ، لومڑیاں، بھیڑیئے، بندر، کتے، بلیاں اور مرغ میدان میں اترے اور شہنشاہ مرقس کے سامنے پہونچ کر رک گئے مالکوں کے اشارے پر وہ سب کے سب زمین پر جھک گئے اور بیک آواز اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے۔ اتنے جانوروں کی ملی جلی آوازیں آسمان تک پہونچ رہی تھیں۔ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے لیکن لوگ بے حد خوش تھے۔ "جانوروں کی سلامی" اصل میں کھیل

شروع ہونے کا اعلان تھا۔ مرقس اپنے سنہری تخت پر بیٹھا جی کھول کر تبسم لٹا رہا تھا اور سامنے ہزاروں جانور زمین پر جھکے ہوئے اس کے حضور سلام پیش کر رہے تھے۔ اس نے تخت کی دائیں جانب رکھا ہوا ایک خنجر اٹھایا جو ہیرے میں بجھا ہوا تھا اور تاک کر ایک ریچھ کو مارا۔ تماشائیوں کی تالیاں پیٹنے کی آوازیں اور نعرے آسمان تک جا پہونچے۔ ریچھ اپنے پچھلے دونوں پیروں پر کھڑا ہو کر آگے کی طرف جھپٹا لیکن قریب کھڑے ہوئے ایک پہرے دار نے نیزے سے اس کا کام تمام کر ڈالا۔ "پہلا شکار" اٹھا کر مرقس کے سامنے لایا گیا جس نے اس کے گلے میں ہیرے جواہرات کا ایک ہار پہنا دیا۔ اب اس مردہ ریچھ کو ایک اونچے بانس پر لٹکا کر سارے اکھاڑے میں گھمایا گیا۔ وزیر نے بلند آواز سے کھیل شروع کرنے کا حکم دیا۔ آن کی آن میں اکھاڑہ خالی ہو گیا۔ جنگلی جانور دوبارہ کوٹھڑیوں میں پہونچا دئے گئے۔ پروگرام کے مطابق سب سے پہلے رتھوں کی دوڑ شروع ہوئی۔ ہلکی پھلکی رتھیں ایک کونے میں جمع ہونے لگیں۔ ان رتھوں میں دو دو گھوڑے جتے ہوئے تھے ہر رتھ پر تین تین زرہ پوش رتھ بان مستعدی سے کھڑے دوڑ شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے جس راستے پر رتھوں کو دوڑنا تھا، وہ آگے جا کر تنگ ہو جاتا تھا۔ ایک جگہ تو اس کی چوڑائی بمشکل دس فٹ کے قریب تھی۔ یہاں سے ایک وقت میں صرف ایک رتھ گزر سکتی تھی۔ اس طرح رتھوں کی یہ دوڑ اصل میں صریحاً خودکشی تھی۔ پچاس رتھ دوڑ کیلئے تیار تھے۔ ان میں سے صرف ایک تنگ راستے سے گزر سکتا تھا۔ باقی سب ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جایا کرتے تھے۔ ان رتھوں کو کھینچنے والے ایک گھوڑے کی قیمت سو غلاموں یا پچاس لونڈیوں کے برابر تھی۔ دوڑ شروع ہونے سے پہلے تماشائیوں نے ایک دوسرے سے شرطیں باندھیں۔ جن لوگوں کے پاس نقد روپیہ پیسہ نہیں تھا، انھوں نے ہارنے کی صورت میں اپنی بیویوں بچوں اور خود اپنے آپ کو مخالف کا غلام بنانے کی پیش کش کی۔ شروع میں اسی راستے پر دو یا تین رتھوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ لیکن

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عوام کا جوش و خروش بڑھتا چلا گیا۔ لوگ دوڑ سے زیادہ قتل و خون دیکھنے کے آرزومند تھے اس لئے رتھوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک وقت میں پچاس رتھوں تک پہونچ گئی۔ وزیر کے پہلے اشارے پر رتھ بانوں نے باگیں سنبھال لیں گھوڑوں نے اپنی اگلی ٹانگیں اوپر اٹھا لیں۔ دوسرے اشارے پر دوڑ شروع ہوئی۔ تماشائیوں نے سانس روک لئے اور انتہائی محویت سے اکھاڑے کی طرف جھک گئے، پلک جھپکنے میں پچاس رتھیں پہلو بہ پہلو دوڑتی ہوئی تنگ جگہ آ پہنچیں، اس کے بعد جو کچھ ہوا، اسکو وضاحت سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ رتھوں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی آوازیں دم توڑتے ہوئے گھوڑوں کا شور اور رتھ بانوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ دھول اور خون کے چھینٹوں سے فضا دھندلی ہو رہی تھی تھوڑی دیر میں گرد و غبار چھٹ گیا۔ زمین پر جا بجا لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ زخمی گھوڑے ہنہناتے ہوئے میدان میں چکر لگا رہے تھے رتھوں کی جگہ لکڑی کے شکستہ ڈھیر دکھائی دے رہے تھے ڈیڑھ سو آدمیوں میں سے صرف چار زندہ بچے تھے۔ ڈیوسال نامی رتھ بان اپنی رتھ نکال کر لے گیا تھا اور بڑی شان سے مرقس کے سامنے کھڑا انعام وصول کر رہا تھا۔ تماشائیوں نے خوشی سے نعرے لگائے تالیاں پیٹیں نوجوانوں نے کپڑے اتار پھینکے اور جوش جنوں میں رقص کرنے لگے۔ جو لوگ شرط ہار گئے تھے انھیں فوراً ہی غلام بنا لیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی خرید و فروخت ہونے لگی۔ اس کے بعد تین دوڑیں ہوئیں۔ آخری دوڑ میں تو صرف ایک شخص زندہ بچا صرف آدھ گھنٹے میں ۲۹۴ گھوڑے اور ۱۴۰ آدمی موت سے ہمکنار ہو چکے تھے۔

رتھوں کی آخری دوڑ ختم ہوتے ہی بے شمار غلام اکھاڑے میں اتر پڑے اور چٹکیوں میں میدان کو لاشوں اور ٹوٹی ہوئی رتھوں سے صاف کر دیا۔ تازہ ریت بچھا کر میدان پھر سے تیار کر دیا گیا۔ دوپہر کے بارہ بج چکے تھے۔ سخت گرمی تھی۔ تماشائیوں کے سروں پر تیز دھوپ چمک رہی تھی وہ سر سے پاؤں تک پسینے میں نہا چکے تھے، لیکن کسی کو گرمی کا احساس

احساس نہ تھا۔ یہاں تک کہ شہنشاہ مرقس کے تخت پر بھی کوئی
سائبان نہیں تھا وہ دھوپ میں بیٹھا بڑی دلچسپی سے کھیل کا
نظارہ کر رہا تھا۔ اسکے سامنے ہیرے جواہرات اور سونے
چاندی کے ٹکڑوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے ہر جیتنے والے
کھلاڑی کو وہ دل کھول کر انعام دیتا۔

اب عوام کا محبوب ترین کھیل شروع ہوا جسے تفصیل سے
بیان کرنا ایک تہذیب یافتہ آدمی کے لیے قطعی ناممکن ہے میدان
کے بیچوں بیچ گڑھے ہوئے کھمبوں سے پچاس کے قریب نوجوان
"لونڈیاں" باندھ دی گئیں۔ آنے والے لمحوں کے تصور سے ان
کے جسم کانپ رہے تھے۔ ان کی نظریں بار بار رومی شہنشاہ
کی طرف اٹھتیں جیسے وہ اس سے رحم کی بھیک مانگ رہی
ہوں، لیکن مرقس اتنا نرم دل نہیں تھا کہ رومیوں کے پسندیدہ
ترین کھیل میں دخل اندازی کرتا۔ رومی تہذیب تیزی سے پستی
کی گہرائیوں کی طرف جا رہی تھی۔ بچے بوڑھے، مرد اور عورتیں بھی
بڑے انہماک سے اس کھیل کی طرف دیکھ رہے تھے جوانوں
کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ تھا۔ بے حیائی کا یہ جیتا جاگتا
منظر پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ اب اس تہذیب کا خاتمہ قریب
ہے جب سمعلتے ہوتے دیکھے گئے، گیدڑ اور کتے میدان میں
چھوڑ دیے گئے۔ یہ نظارہ اس قدر خوفناک تھا کہ ہمارے
لئے اس کا تصور بھی محال ہے لیکن تماشائی تھے کہ خوشی سے
پاگل ہوئے جا رہے تھے بعض نوجوانوں نے جوش میں آکر
اپنے کپڑے اتار پھینکے تھے اور جانوروں کی طرح چیختے ہوئے
دیوانہ وار ناچ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد یہ سب کچھ ختم ہو گیا
فضا میں صرف دبی دبی چیخیں گونج رہی تھیں انسان نے اپنی ہی
عزت کو سربازار نیلام کر دیا تھا اور پھر اپنے اس قبیح ترین فعل
پر مسرور ہو کر قہقہے لگا رہا تھا۔ کچھ لڑکیاں مر چکی تھیں، باقی نیم
مردہ تھیں۔ انہیں کھمبوں سے کھول کر جنگلی درندوں کے باڑے
میں ڈال دیا گیا تاکہ وہ اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکیں شیر عام طور
پر مردہ گوشت نہیں کھاتے تھے اس لئے جو لاشیں بچ رہتیں
انہیں شاہی قصابوں کے حوالے کر دیا جاتا۔

سے انسانی لاشوں کا قیمہ بناتے اور پھر یہ قیمہ چھوٹے جنگلی جانوروں
کو کھلا دیا جاتا۔ اس وقت تک اکھاڑہ خون سے لت پت ہو چکا
تھا۔ سہ پہر ہو چکی تھی لاشیں دھوپ میں سڑ رہی تھیں۔ تماشائیوں
میں بھی لوگ بے تحاشا رہے تھے بھوک سے بے حال ہو کر
لوگ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو ڈھلک جاتے۔ ساتھ بیٹھے
ہوئے لوگ ان لاشوں کو اکھاڑے میں گرا دیتے تاکہ صفائی کرنے
والے انہیں اٹھا کر لے جائیں۔ سہ پہر تک بھوک سے مرنے
والوں کی تعداد سات سو سے تجاوز ہو چکی تھی۔ گندگی، بھوک سے
پریشان اور نڈھال، فاقہ زدہ لوگ بڑی بے چینی سے وحشی درندوں
کی لڑائی دیکھنے کے منتظر تھے اس لڑائی میں بے شمار جانور مر
جاتے تھے لوگوں کا خیال تھا کہ شاید ان کا گوشت انہیں مل سکے
آخر وہ وقت بھی آ پہنچا۔ وزیر کے اشارے پر اکھاڑے کے گرد
بنی ہوئی کوٹھڑیوں کے دروازے کھول دیے گئے اور بے شمار
جنگلی جانور باہر نکل پڑے۔ ذرا سی دیر میں اکھاڑہ بھر چکا تھا شیر
چیتے ہاتھی گینڈے، جنگلی ریچھ اور دوسرے بے شمار چھوٹے
بڑے وحشی درندے ہزاروں لاکھوں، لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر
گھبرا گئے تھے اور اسی گھبراہٹ میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔
ایک ہزار ببر شیروں سمیت سات ہزار کے قریب وحشی درندے
اس وقت میدان میں موجود تھے۔ ان کی آوازوں سے زمین تھرا
رہی تھی۔ اچانک "زندگی" کا دروازہ کھول دیا گیا اور اس میں سے
چیختے چلاتے قیدی اکھاڑے میں اترنے لگے۔ ان میں بیشتر
مصر کے باشندے تھے جنہیں رومیوں نے غلام بنا رکھا تھا۔ باقی
رومی مجرم اور باغی تھے جنہیں مختلف مواقع پر گرفتار کر کے قید
کی سزائیں دی گئی تھیں، لیکن فوری ضرورت کے پیش نظر ان سزاؤں
کو موت کی سزا میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ جیل کی صعوبتوں سے ان
کے جسم لاغر اور کمزور ہو گئے تھے۔ ان کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔
وہ موت کے خوف سے سہمے ہوئے آہستہ آہستہ اکھاڑے میں
اتر رہے تھے۔ پیچھے سے رومی سپاہی انہیں نیزوں کی انیوں سے
دھکیل رہے تھے ان میں عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی شامل تھے
ان کی تعداد تین ہزار سے کچھ اوپر تھی۔ (مسلسل)

حسن دوبالا کرنے والے زیورات
لی جیولری
کے دلکش زیورات پر سائینٹفک
طریقے سے سونے کا ورق چڑھایا
جاتا ہے جسکی چمک دمک برسوں
قائم رہتی ہے.
یہ قیمت میں گرانی سے سستے اور ہزاروں
نئے ڈیزائنوں میں ملتے ہیں.
خریدیئے.
یہ آپ کے حسن و خوبصورتی کو نکھاریں گے اور آپ کی
شخصیت کو دوبالا اور جاذب نظر بنائیں گے.
فیاض اینڈ کمپنی
حسرت موہانی روڈ کانپور

مکتوبات

کہ لوگ کہتے ہیں

آپ کے خطوط

قنوج

۱۸ دسمبر ۸۱ء

فیروز بھائی سلام مسنون

اس سے قبل ایک خط ارسال کر چکا ہوں ملا ہوگا۔

تازہ ترین نظم جیبوں کی رضداشت ارسال خدمت ہے

کاش اس نظم پر ملت کے سنجیدہ اذہان اختیار حلقے توجہ فرمائیں

امید کہ مع الخیر ہوں گے۔ اقبال صاحب کو سلام فقط

مخلص

یونس قنوجی

⁂

دیوبند

۱۹ جنوری ۸۲ء

مکرمی محترمی

جناب فیروز صاحب!

سلام نیاز!

گزشتہ دنوں آپ کی خدمت میں "رنگ سنگ" کیلئے ایک غزل ارسال کر چکا ہوں دسمبر کا شمارہ ملنے سے اندازہ لگا اگر غزل مل گئی ہوگی۔ میں نے گزارش کی تھی کہ اگر "دکوتہ نمبر" جیسی یہ میری غزل ہے اسے شامل فرمائیں تو آپ کی عین نوازش ہوگی

امید ہے خیال فرمائیں گے ـــــ اور "رنگ سنگ" کے آئندہ شمارے کے لئے ایک غزل اور ارسال خدمت ہے امید ہے پسند فرمائیں گے۔ مجھے آپ کی گرانقدر رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

والسلام

خلوص کیش

عبدالوحید واحد فیاضی جلالپوری

⁂

فتحپور

۱۹ جنوری ۸۲ء

محب کرم جناب فیروز بوبچہ صاحب

زاد لطفکم سلام مسنون

امید کہ جناب مع الخیر ہوں جناب سے ملنے کا دل میں بیحد اشتیاق ہے شومئی تقدیر سے جب جب میرا کانپور گیا آپ کے دفتر میں حاضری دی لیکن جناب سے نیاز نہ حاصل ہوا۔

میں اپنے حالات آپکو اس سے قبل باخبر کر چکا ہوں اس لئے اپنی تخلیقات وابستہ ضلع فتحپور کے کہنہ مشق بزرگ شاعر جناب ماحت صاحب کو ٹی کی تخلیق روانہ کر رہا ہوں امید ہے پسند فرمائیں گے اور انکو کسی قریبی اشاعت میں جگہ عطا فرمائیں گے

کا صفحہ عنایت فرمائیں گے اگر زندگی بخیر ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ میں
۲۰ر فروری ۱۹۶۳ء کو آؤں گا اور نماز مغرب مسجد کچلی بازار میں ادا
کروں گا لہٰذا براہ کرم جناب آفس میں ملنے کی زحمت گوارا فرمائیں

رقمہ الدعا
شمیم فتحپوری

⁂

دیوبند
۲۸ر جنوری ۱۹۶۳ء

مکرمی! جناب ایڈیٹر صاحب
اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ
حسب فرمائش اک تازہ ترین تخلیق "زیب النساء" کے عنوان
سے ارسال ہے امید ہے کہ آپ پسند فرمائیں گے۔ حسب رائے

اس کی زبان سلیس اور عام فہم ہے اس مضمون سے آپ کو اندازہ
ہوجائے گا کہ صنف مضمون کے لحاظ سے زبان میں فرق آجاتا ہے
اقبال اور خودی، چونکہ اک خالص ادبی مضمون تھا جبکہ ادب پلئے
ادب نہیں ادب برائے زندگی ہی کے پیش نظر لکھا تھا بایں ہمہ چونکہ
ادبی مضمون تھا اس لئے اسکی زبان زیادہ آسان نہیں تھی۔
رنگ سنگ آتا رہا تو ان شاء اللہ میرا عملی تعاون حاصل
رہے گا۔

والسلام
آپکا
شہباز الحسینی
۱۴۔ باغ دارالعلوم دیوبند

لیجیے جواب حاضر ہے

علامہ مسلوی کی قلم سے

ایک شخص بیک وقت تین سوالات ہی دریافت کر سکتا ہے سوال صاف اور خوشخط اور جواب کے لیے جگہ چھوڑ کر لکھیں صرف تعلیمی اصلاحی، معاشرتی اور معلوماتی سوالات ہی کے جواب دیئے جائیں گے اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرمائیں۔ "لیجیے جواب حاضر ہے" ماہنامہ "رنگ سنگ" ۸۹/۲۲م کھنیا بازار کانپور

کریم احمد خان ــــــــــ پونا

س۔ "رنگ سنگ" اچھا پرچہ ہے۔

ج۔ عزت افزائی کا شکریہ

س۔ آپ "ادب برائے زندگی" کے قائل ہیں

ج۔ جی ہاں اور "زندگی برائے بندگی" کے بھی

س۔ عمل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے

ج۔ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

کنیز فاطمہ ــــــــــ لکھنؤ

س۔ دنیا بھر میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں

ج۔ اس کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے انسانی علم و معلومات کی حد تک ایک محتاط اندازہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں (بعض متروک اور مستور زبانوں کو شامل کر کے) اس وقت کل ۲۷۹۶ زبانیں بولی لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔

س۔ کیا دنیا کی ساری زبانیں سیکھی جا سکتی ہیں

ج۔ ظاہر ہے کہ تمام زبانوں کا سیکھنا کسی ایک آدمی کی بس کی بات نہیں البتہ ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص دنیا کی چھ بڑی زبانیں سیکھ لے تو کسی مترجم کی مدد کے بغیر دنیا کے بڑے ملک کی سیر کر سکتا ہے۔ یہ زبانیں یہ ہیں۔

(۱) اردو (۲) عربی (۳) انگریزی (۴) فرانسیسی (۵) جرمن اور (۶) اسپینی۔

س۔ دنیا کی دوسری زبانوں میں اردو کا کیا مقام ہے۔

ج۔ اردو کا شمار دنیا کی چند بڑی زبانوں میں ہوتا ہے

احمد اللہ ــــــــــ لدھیانہ

س۔ حضرت اصغر گونڈوی کا کوئی اچھا سا شعر سنائیے۔

ج۔ ملاحظہ ہو ـــ

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے

اگر تم نیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

س۔ یہ شعر کس شاعر کا ہے ؂

ہم آ سکے نہ بے قسمت ہماری عمر دراز
تمہارا نام لیا تھا ابھی ابھی میں نے

ج۔ مولانا ماہر القادری کا۔

س۔ رنگ سنگ کے بارے میں اقبال کا بھی کوئی شعر ہے

ج۔ کیوں نہیں، شعر ہی کیا پوری نظم اس شمارہ میں ملاحظہ کیجئے

اسعد ـــــــــ کانپور

س۔ رنگ سنگ کا سالانہ چندہ۔؟

ج۔ صرف دس روپے!

س۔ آپ کوئی خاص نمبر نکالیے۔

ج۔ انشاء اللہ جلد ہی کا شمارہ "ستیہ نمبر" کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔

س۔ حالات حاضرہ پر کوئی تبصرہ جناب!

ج۔ سب دیکھتے ہیں، دیتے ہیں، بولتے نہیں
ہونٹوں پہ سب کے آج تالے لگے ہوئے

مصطفیٰ خالد ـــــــــ الہ آباد

س۔ کیا امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی کوئی کتاب

ج۔ جی ہاں، مولانا آزاد کے جنوری ۱۹۲۳ء میں کلکتہ کی انگریزی عدالت میں ایک طویل، تاریخی تحریری بیان داخل کیا تھا جس میں قرآن کریم، احادیث شریف اور مقدس اسلاف کے کردار کی روشنی میں یہ ثابت کیا تھا کہ مسلمان جدوجہد حیات و حریت میں شامل ہونے میں کیوں حق بجانب ہیں۔ بعد میں اس بیان نے کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہو کر علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا اس کا ایک اقتباس "رنگ سنگ" کے زیر نظر شمارہ میں پیش کیا جا رہا ہے

س۔ مولانا کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" کا جو حصہ محفوظ کر رکھا گیا ہے وہ کب تک شائع ہوگا؟

ج۔ ۱۹۸۱ء میں

س۔ الہ آباد میں "رنگ سنگ" کہاں سے مل سکتا ہے؟

ج۔ اپنے شہر کے بڑے اخباری ایجنٹ سے طلب فرمائیے!

مجتبیٰ طارق ـــــــــ اجمیر

س۔ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر کون ہے؟

ج۔ کلکتہ۔

س۔ دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت عمارت؟

ج۔ تاج محل

س۔ کیا سونا ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے؟

ج۔ کیوں نہیں، کولار (میسور) میں سونے کی کان ہے۔

معین الاسلام ـــــــــ رانچی

س۔ مجھے آپ کا رسالہ بہت پسند آیا

ج۔ عنایت، نوازش، کرم، مہربانی۔

س۔ اردو رسالہ نکالنا، سفید ہاتھی پالنا ہے؟

ج۔ دیکھیے پھر آپ نے شکریہ کا موقع دیا۔

س۔ آپ بھی کس جھگڑے میں پھنس گئے

ج۔ ہمارے شہر میں آپ کے ایک ہم نام ہیں الحمد ننے تو ہم سے کہیں زیادہ جھگڑے پال رکھے ہیں اور وہ بھی صرف اللہ واسطے۔

چھاتے
چھاتے جب بھی خریدیے
ہمارے ٹریڈ مارک کو بغور دیکھ کر ہی خریدیے

L. L. RAH-E-SANG KANPUR
REGISTERED No. L. 1797 FEBRUARY 1972 Phones : 68820, 60472, 63882
Registered with the Registrar of Newspapers R. N. 19397/70

Only Title Printed at Fine Art Press, Chamanganj, KANPUR.

اینڈ سیڈلری

حیف اللہ کا قیام اسلام اقتدار کا اہم ترین قدم ہے

ماھنامہ

رنگِ سنگ

کانپور

سال : سوم

شمارہ : ۳۶

جون ۱۹۷۲ء

ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ

عام شمارہ ۔ ایک روپیہ

سالانہ ۔ دس روپے

دفتر برائے اشاعت اور ترسیل زر کانپور

۸۹/۴۲ کھنیا بازار کانپور

فون نمبر

۶۸۸۴۰ — ۶۱۲۱ ۸۳ — ۶۰۴۶۲

طابع و ناشر

فیروز الدین لوہی

مطبع

لیتھو برقی پریس ... کانپور

دیا ہمیں نے چٹانوں کو حسنِ گلکاری
کیا ہمیں نے رگِ سنگ میں لہو جاری
ہمیں نے کی ہے محبت کی نازبرداری
ہماری ذات پہ نازاں ہے شانِ غمخواری
کرم کا نام نہ ہوتا اگر نہ ہم ہوتے
خیال و خواب بھی زندانیٔ ستم ہوتے

(طیش صدیقی)

مدیر : فیروز لوہیہ

معاون مدیر : ابوضیا

ناظم شعبۂ اشتہارات : ابن نعیم جامعی

سرورق : آرٹیکو
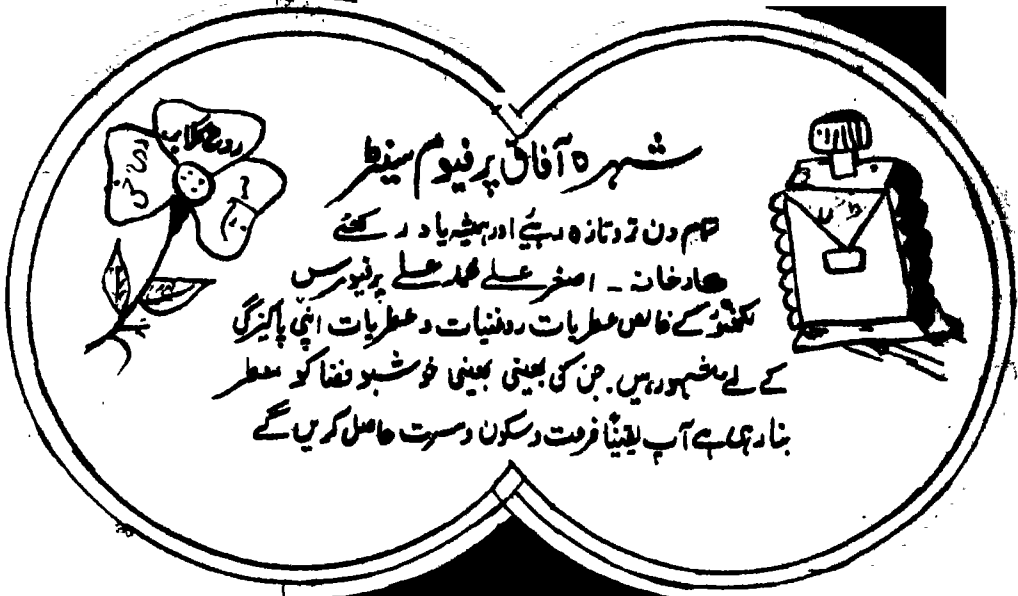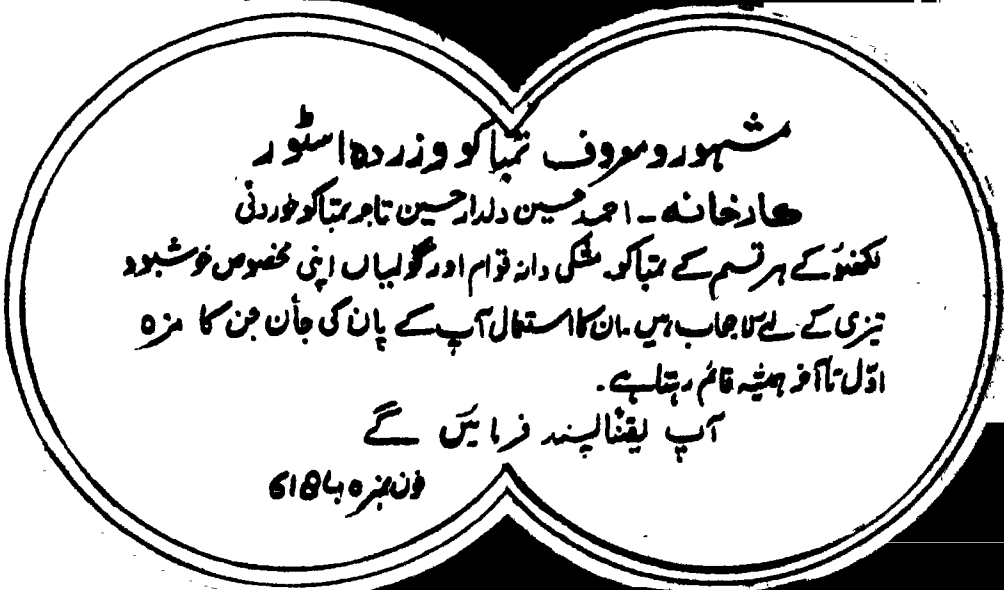
تزئین : ابن یونس

خطاط : محمد نفیس

شہرہ آفاق پرفیوم سینٹر
تمام دن تر و تازہ رہیئے اور ہمیشہ یاد رکھئے
عطارخانہ ۔ اصغر علی محمد علی پرفیومرس
لکھنؤ کے خالص عطریات روغنیات و عطریات اپنی پاکیزگی
کے لئے مشہور ہیں۔ جن کی بھینی بھینی خوشبو فضا کو معطر
بنا دیتا ہے آپ یقیناً فرحت و سکون و مسرت حاصل کریں گے

تبلیغ اسلام | تاریخ گواہ ہے کہ ہند میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد صرف چار پانچ لاکھ تھی مگر تقسیم ہند کے وقت ۱۰ کروڑ پچیس لاکھ مسلمان تھے۔ ہمارے بزرگ اسلاف اور اولیائے کرام نے تبلیغ دین کے لئے بہت ہی کوششیں کیں۔ ایک انگریز مستشرق لکھتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے دست مبارک پر ۹۰ لاکھ مسلمان ہوئے ان کے پاس کیا تھا؟ کوئی فوج تھی؟ فقط اللہ کی معرفت کا خزانہ تھا۔ ہر جگہ اللہ کے سچے بندے گذرے ہیں جنھوں نے دین کی تبلیغ کی میں نے تاتار تک میں دیکھا کہ ترک قوم کے تین لاکھ خاندان ایک دن میں مسلمان ہوئے۔ اللہ کا کرم کہ تبلیغ کی کوشش وہ پھل لائی کہ ایک زمانہ میں بعض حکام کو یہ تدبیر کرنی پڑی کہ وہ اپنی رعایا کو مسلمان ہونے سے روکیں۔ میرے بھائیو! ہمارے اسلاف کی کوششوں سے اہل اللہ، علماء کرام اور عام مسلمانوں کی کوششوں سے دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان ہوگئے۔ اگر غلط کاری نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً ہندوستان کا اکثر حصہ مسلمان ہوجاتا۔ بھائیو! تنگ دل نہ ہو، اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو، سب کو اللہ کی رضا و خوشنودی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف بلاؤ۔ خود بھی عمل کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بناؤ، سیرت اختیار کرو۔ (شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی)

اس شمارے کے قلمکار

باوقار، قابل دید اور لائق مطالعہ
سیرت نمبر
کے بعد
مسلم پرسنل لا نمبر
آپکے اپنے ترجمان ماہنامہ "رگ سنگ" کانپور کی ایک اور پیشکش
قانون شریعت (مسلم پرسنل لا) کی ضرورت اور افادیت کے بارے میں
مدلّل ومفصّل بحث۔ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی کوشش کیخلاف احتجاج۔
موضوع سے متعلق انتہائی کارآمد، مفید اور بیش بہا معلومات مضامین اور مقالات۔
اور
ہندوستان کے مختلف مقامات پر منعقد ہونیوالے اجتماعاتِ خواتین کی مکمل تفصیلات
کے ساتھ جولائی کے شروع میں منظر عام پر آرہا ہے اس تاریخی دستاویز کی ایک کاپی
آج ہی محفوظ کرا لیجیے ۳۰ جون تک خریدار بن جانیوالے اصحاب کو یہ شمارہ مفت پیش کیا جائیگا
قیمت:۔ سالانہ دس روپے، عام شمارہ ایک روپیہ، مسلم پرسنل لا نمبر تین روپے پچاس پیسے
خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ "رگ سنگ" ۸۹/۴۳ مکھنیا بازار کانپور

ادبیات

شہ رگ

ادارہ

آج ہندوستان ہی نہیں دنیا بھر کے مسلمان ابتلا و آزمائش کے جس ہمت شکن، صبر آزما اور روح فرسا دور سے گذر رہے ہیں۔ اس پر دردمندی اور دلسوزی کے پورے اور پرخلوص جذبات سے نگاہ ڈالنے والا کوئی بھی شخص بے ساختہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ۔

"ضرورت ہے ایک جمال الدین افغانی کی"

سید اسادات، علامہ جمال الدین افغانی (ولادت ۱۸۳۹ء وفات ۱۸۹۷ء) انیسویں صدی کے۔۔۔ عالم اسلام کی ایک عظیم، اہم اور گرد نمایہ شخصیت، جن کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کیلئے اقبال نے ان الفاظ کا انتخاب کیا ہے ؎

سید السادات مولانا جمال　　زندہ از گفتارِ او سنگ و سفال

ترک سالار آن حکیم درد مند　　فکرِ او مثلِ مقام او بلند

اور جن کو خراج محبت ابوالکلام کے قلم نے یوں ادا کیا۔

"مشرق جدید کے رجالِ تاریخ اور قائدین فکر کی صف
میں ان کی شخصیت اپنا سہیم و شریک نہیں رکھتی"

ماضی قریب کے ہندوستان کی تاریخ میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے وقت کی نمائندہ شخصیتوں میں۔ شامل ان ہستیوں (اقبال اور ابوالکلام) کی وزنی اور باوقار شہادتوں کے بعد شاید یہ بتانے کی ضرورت نہ ہو کہ عالم اسلام کے اس بطل جلیل اور فرزند عظیم نے انیسویں صدی عیسوی کی آخری چار دہائیوں کے قلیل عرصہ میں اپنی ذہنی، فکری، علمی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر مسلمانانِ عالم کو دین و آئینِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حقیقی تقاضوں اور مطالبوں سے روشناس کرانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

سید صاحب نے میدان کار میں آنے کے بعد زندگی کے آخری لمحہ تک اپنی خداداد تقریری اور تحریری استعداد سے کام لے کر اسلامی اتحاد و اخوت اور قوت و استحکام کے احساسات کو ہندوستان سے لے کر ترکی تک جس طرح عام کیا اور اس سارے علاقے کے مسلمانوں کو "وحدت ملی" کی لڑی میں پرو کر انہیں جس طرح ایک متحرک اور فعال "جسدِ واحد" کی شکل

میری وہ انہیں کا حصّہ تھا اور اس پر بے ساختہ ان کے لئے دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ ؎

متاعِ جاں لٹا دی جس نے ایثار و محبت پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں اس کی تربت پر (طیش صدیقی)

سید صاحب کا مطمحِ نظر یہ تھا اور اسی کے لئے وہ زندگی بھر سرگرم عمل رہے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر
(اقبال)

یہی مقصد تھا جس کو پورا کرنے کے لئے انھوں نے ۱۸۸۴ء میں پیرس کے مقام پر "الجمعیۃ العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے ایک تنظیم کی تشکیل کی اور مارچ ۱۸۸۴ء میں اس تنظیم کے ترجمان کی حیثیت سے ایک جریدہ بنام "العروۃ الوثقیٰ" جاری فرمایا جس نے عالم اسلام میں حرّیت ذہن و ضمیر کی وہ آتشیں فضا پیدا کر دی کہ اس کی آنچ سے انگریز حکمرانوں کو (جو اس وقت تقریباً سارے عالم اسلام پر قابض و متصرف تھے) اپنا وجود خاکستر میں تبدیل ہوتا نظر آیا۔

یہی نصب العین تھا جس کے حصول کے لئے انھوں نے مصر میں "محفل وطنی" قائم کی اور کون کہہ سکتا ہے کہ علامہ کو اپنے ان مقاصد میں ناکامی ہوئی۔ نہ صرف وہ کامیاب اور بہت کامیاب رہے بلکہ یقین ہے کہ اگر ان کے نقش قدم پہ چلکر آج بھی کوئی "مردِ حق" عالم اسلام کو بیدار، متحد اور منظم کرنے کی جدوجہد کرے تو وہ بھی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔
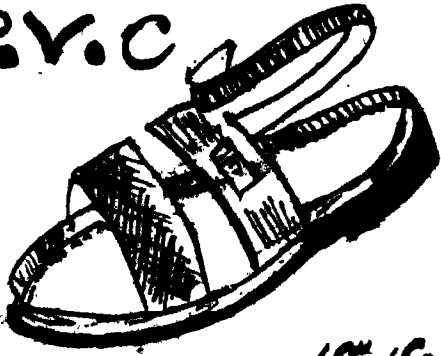
ادبیات

بستی بستی

بنجارے کے قلم سے

امسال ۱۲ ربیع الاوّل کے سہ پہری جلوس میں ہماری جمعیت کی نمائندگی نے ایک خوشگوار تاثر ذہنوں پر مرتب کیا ہے اور ہمیں کسی قدر اعتماد ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تاثر مزید قوی ہوتا جائے گا گو امسال کچھ کمیاں بھی تھیں مثلاً صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے بہت کم تھے۔ میاں شاہ عالم کو اللہ میاں جیتا رکھیں بس وہی ہمارا ساتھ دے رہے تھے۔ ایک آدھ صاحب نے نعت بھی پڑھی۔ مگر جلوس میں جب تک تکرار نہ ہو لطف دوبالا نہیں ہوتا ہے۔ ابھی کافی وقت ہے اگر ہمارے یہاں کے نوجوان ریاض شروع کر دیں تو خاصی پختگی آسکتی ہے

گو موسم شدت کا گرم تھا مگر قوم مسلم کی فطری فیاضی اور دریا دلی، کہ ہر ہر قدم پر ٹھنڈے پانی اور شربت وغیرہ کا اہتمام تھا۔ اسلئے گرمی کوئی خاص رکاوٹ ثابت نہیں ہوئی۔

گو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنجارے کی پکار صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی مگر اس کا حقیقی کریڈٹ اگر کسی کو جاتا ہے تو وہ یوتھ ایسوسی ایشن کے چند باعزم نوجوان ہیں۔ جنھوں نے اس پکار پر لبیک کہا۔

ہم کافی عرصے سے اس کے تمنائی تھے کہ اس جلوس میں بھی ہماری نمائندگی ہونی چاہیے اس کی چند وجوہات ہیں اوّل تو یہ کہ ہمارا [illegible] سے جدا رہنا کسی صورت سے بھی مناسب نہیں ہے۔ دوئم یہ کہ ہمارے کچھ بھائی اپنی لاعلمی یا سادہ لوحی کے سبب متذکرہ بالا جلوس میں کچھ غیر مناسب طرائق اپناتے ہیں ان کو درست راہ دکھائی جائے اس کیلئے ضروری ہے کہ ہم ان کے شانے سے شانہ ملاکر عملی نمونہ پیش کریں شامل ہوئے بغیر نکتہ چینی نہ تو مناسب ہے نہ ہی اس سے مثبت نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے ساحل پر بیٹھ کے دریا والوں کو مشورے دینا نہ تو دانائی ہے نہ ہی خوش ادائی

انشاء اللہ اس شمولیت کے خوشگوار نتائج برآمد ہوں گے بس شرط یہ ہے کہ ہم میں خاکساری اور انکساری رہے۔ عجب و تکبر، فخر و ناز ساری کاوشوں کو ملیا میٹ کر دیگا۔ سلیقہ ایک عطیہ ہے اور یہ مالک حقیقی کا کرم ہے کہ اس نے آپ کو ودیعت کیا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

اصلاح رسوم کا چرچہ دہلی سے شروع ہوکر اب پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہونچتا رہا ہے۔ دہلی میں آپکی جمعیت نے اسکی ابتدا کی تھی۔ تین شادیاں اسی نمونہ کی بہت سادگی سے انجام بھی پاگئیں۔ گو اس دوران چند حضرات سے جو اصلاحی پہلو سے متفق نہیں تھے خوب خان و شوکت و تزک احتشام سے چند تقریبات ادا کیں مگر ان سے ان [illegible]

پر کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ اسکی افادیت دوچند ہوگئی باعث کہ اندھیرا نہ ہو تو روشنی کی قدر کون کرتا ہے۔

اخبارات میں خبر آئی تھی کہ دہلی کی منصور برادری نے بھی یہی اسکیم شروع کردی۔ انعام الٰہی صاحب بکلی والوں نے ہم کو ایک کتابچہ الہ آباد کا دکھایا جس میں بھی اسی اصلاحی پہلو کی تلقین کی گئی ہے کا پتہ چلا کہ ایک برادریوں میں اس سلسلہ میں کام شروع بھی ہوگیا ہے۔ دیگر برادریاں جلد یا بدیر اس پر توجہ دینے جارہی ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ "اصلاح وقت کا تقاضہ ہے" زمانے کی پکار ہے۔ جو اس پکار پر لبیک نہیں کہے گا جو ان تقاضوں پر کان نہیں دھرے گا، پیچھے رہ جائے گا اور صاحب "زمانہ" اس معاملہ میں انتہا درجہ کا ظالم ہے کبھی پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ نہیں دیتا" وقت بہت سنگدل ہے، ساتھ نہ دینے والوں کے لئے کبھی نہیں ٹھہرتا۔ ایک لمحہ کے ہزارویں حصے کے لئے بھی نہیں۔

گو یہ حقیقت ہے کہ صدیوں سے چپکی ہوئی روایات سے آدمی ایک دم سے نجات نہیں حاصل کرسکتا۔ عام آدمیوں میں بیشتر تعداد نیک اور محتاط طبیعتوں کی ہوتی ہے کہ جو سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا آیا ہے بس وہی ٹھیک ہے باقی کچھ نہیں مگر اللہ کی سرزمین پر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ہر دور میں اپنا محاسبہ کرتے رہتے ہیں حالات پر نگاہ رکھتے ہیں وقت کی نبض پہچانتے ہیں۔ اسی لئے ہر گزرنے والے دن کے ساتھ متفقین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

ایک سرسری جائزے کے مطابق جتنی کتابیں، رسائل و جرائد صرف ہمارے علاقے میں خریدے جاتے ہیں ان کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کرجاتی ہے۔ اس میں کسے کلام ہوسکتا ہے کہ کتابیں پڑھنا ایک بہترین ذوق ہے۔ مگر متمول حضرات کیلئے تو پڑھنا اور خرید کر پڑھنا دراصل ایک فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے اردو اس وقت جس زبوں حالی کا شکار ہے۔ اس کا تقاضہ یہی ہے کہ متمول حضرات اسکی حقیقی سرپرستی کریں کم ہے۔ ادباء اور شعراء حضرات صرف داد کے سہارے تو زندہ رہ نہیں سکتے۔

ایک پہلو تو اس کا یہ ہوا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کتب کو دوسروں تک پہونچانا آخرالذکر پہلو ہم سمیت اکثر لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے فرائض میں داخل ہے کہ اچھی بات پڑھیں تو اسکو دوسروں تک پہنچائیں اس میں ایک جزاور شامل کرلیجئے۔ خرید کے بعد ان کتابوں کی حفاظت بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ جنکی اپنی لائبریری ہے اور اس بنا پر ان کتابوں کی حفاظت ہوجاتی ہے ان کی تعداد کتنی ہے؟ انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے بیشتر حضرات ایسے ہوں گے جو کتاب کو ایک بار پڑھنے کے بعد خبر بھی نہیں رکھتے ہوں گے کہ وہ کتاب گئی کہاں؟ کسی عطار کی مہربانیوں کا شکار ہوئی یا پرچوں کی دکان ہضم کرگئی؟

کتب کی حفاظت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کو کسی لائبریری میں محفوظ کردیا جائے۔ اس طرح سے ان کی حفاظت بھی ہوگی دوسرے اس سے مستفید بھی ہوسکیں گے ہماری اپنی لائبریری موجود ہی ہے کیوں نہ ہم اسکے ذخیرے کو زیادہ سے زیادہ وسعت دیں۔

گذشتہ دنوں ذمہ داران شمع لائبریری نے تجویز پاس کی ہے کہ غریب طلباء کے لئے نصابی کتب کا ذخیرہ کیا جائے گا۔ بہت مناسب اور پر از افادیت تجویز ہے۔ وہ نصابی کتب جو سال کے اختتام پر فاضل ہوجاتی ہیں یا اونے پونے داموں میں فروخت کردی جاتی ہیں کیوں نہ ہم لوگ انہیں لائبریریوں میں جمع کرادیا کریں؟ اس طرح ذمہ داران کو سہولت

ہو جاتے تھی کہ وہ اپنے بجٹ میں ان معیاری کتب کی خرید کی گنجائش پیدا کر سکیں جو عرف عام میں ہلکے پھلکے ادب میں نہیں شمار کی جاتی ہیں۔

"فروغ ادب" کی تشکیل نو کے بعد لائبریری کی حالت کافی بہتر ہوگئی ہے جسکے لئے ذمہ داران لائبریری بیشک تعریف کے مستحق ہیں مگر یہ ادارے مثل تاج محل تو نہیں ہوتے کہ جن کی صرف تعریف کر دی جائے اور بس؟ اس سلسلہ میں تو ہم لوگوں کو بڑھ چڑھ کر تعاون، عملی تعاون پیش کرنا ہوگا۔ اور پھر بات نصابی کتابوں ہی تک محدود کیوں رکھی جائے دوسری کتابیں بھی علمی، ادبی اور تاریخی کتب، شعری اور افسانوی مجموعے، ناول، رسالوں، اور اخبارات کے نادر و نایاب فائل آخر کیوں ضائع ہوں کیوں نہ انہیں لائبریری کے حوالے کر کے ان کے تحفظ کی ضمانت حاصل کر لی جائے اور دوسروں کو استفادہ کا موقع دیا جائے۔ کیا اسے "زبان و ادب کا صدقہ جاریہ" نہیں سمجھا جا سکتا

تو پھر آیئے آج ہی اس کار خیر کو انجام دے ڈالا جائے۔ ذرا اپنے گھروں کا جائزہ لے لیجئے۔ جو کتابیں آپ کے مطالعہ سے گذر چکی ہیں اور جنہیں آپ دوبارہ پڑھنے یا اپنے پاس رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے انہیں اپنے اس ذخیرۂ کتب کو سونپ دیجئے

معراجِ رسولؐ (خوشتر گرامی)

ان شمس و قمر اور ستاروں سے بہت دور
افکار و تخیل کے کناروں سے بہت دور
وہ ختم رسلؐ پیکر انوار گیا تھا
انسان کی ان راہ گزاروں سے بہت دور
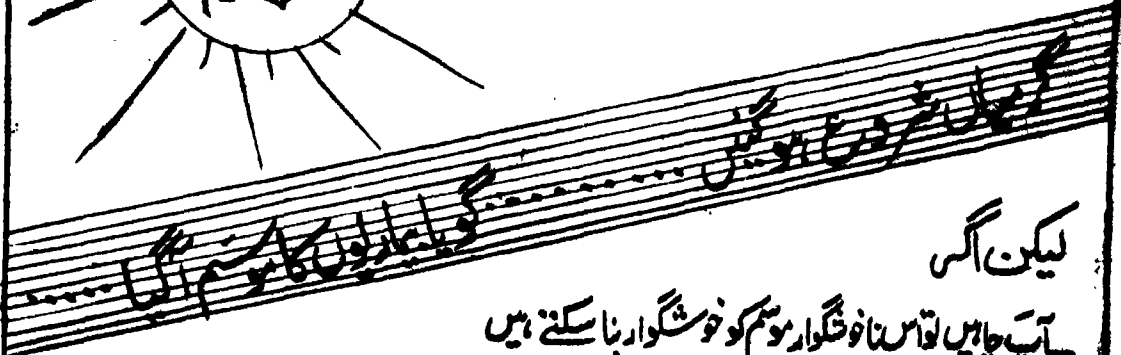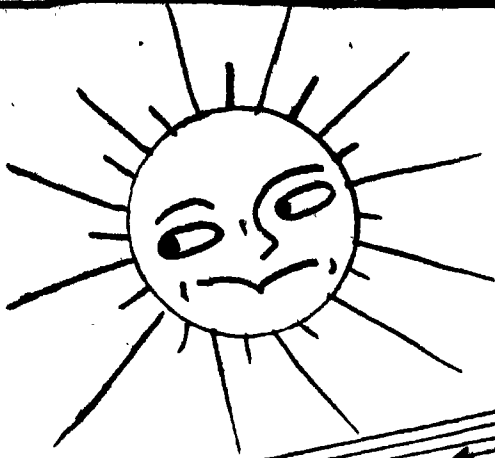
گرمیاں شروع ہو گئیں ...... گویا بیماریوں کا موسم آگیا ......
لیکن اگر
آپ چاہیں تو اس ناخوشگوار موسم کو خوشگوار بنا سکتے ہیں
اور بیماریوں کو رفع کر سکتے ہیں
بشرطیکہ
آپ اپنے کمرے، دالان، آنگن
اور نالیاں فنائل سے دھلوائیں
فنائل
خالص فنائل کیلئے
ہم سے رابطہ قائم کیجئے
کے، بی، انڈسٹریز
مکھنیا بازار کانپور

اداریات

روئداد بیت المال

ترجمان بیت المال

بیت المال کی عمومی ماہانہ نشست ۶ اپریل ۱۹۷۲ء کو حسب معمول ۹ بجے شب رفعت منزل میں انعقاد پذیر ہوئی آغاز نشست جناب حافظ محمد عقیل صاحب جوہر کے دعائیہ کلمات سے ہوا۔ اسکے بعد خوشگوار ماحول میں کارروائی کا آغاز ہوا اور آمدہ درخواستوں پر غور و خوض کے بعد جن درخواستوں پر مہر اثبات لگائی گئی ان کی تفصیل کچھ اسطرح تھی۔

- اعانت بسلسلہ شادی کی ۲ دو درخواستوں کو منظوری کے قابل سمجھا گیا۔
- ہنگامی طور پر سفر خرچ کیلئے دو درخواستوں کو لائق اعتنا قرار دیا گیا۔
- ماہانہ امداد کی ایک درخواست پر مہر اثبات لگائی گئی

اس تصدیقی کارروائی کے بعد نشست اختتامی دعا پر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔ اس دعا کا نذرانہ خلوص بعد سوز و گداز جناب حاجی اشتیاق حسین صاحب نے بارگاہ رب العالمین میں پیش کیا۔

---

۱۵ اپریل ۷۲ء کو بیت المال کی منعقدہ اگلی نشست میں یکم جنوری ۷۲ء سے ۱۵ اپریل ۷۲ء تک کا گوشوارہ آمد و خرچ پیش کیا گیا۔ یہ گوشوارہ جناب غلام خواجہ صاحب نے پیش کیا اور اس کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں

گوشوارہ آمد و خرچ بیت المال یکم جنوری ۷۲ء لغایتہ ۱۵ اپریل ۱۹۷۲ء

آمدنی

مد	رقم
باقی ردکڑ	۹۸۸۲ — ۱۷
آمد زکوٰۃ و چرم قربانی	۳۶۶۵۴ — ۰۰
واپسی قرض	۱۰۰۰ — ۰۰
آمد عطیات	۷۱۳ — ۰۰
میزان	۴۸۲۴۹ — ۱۷

اخراجات

مد	رقم
۱۔ بمد ماہانہ وظائف	۵۰۶۵ — ۱۷
۲۔ بمد شادی (۳)	۶۵۰ — ۰۰
۳۔ بمد مشین (۲)	۲۲۰ — ۰۰
۴۔ بمد کاروبار (۲)	۴۰۰ — ۰۰
۵۔ بمد تعلیم بالغان	۸۵۰ — ۰۰
۶۔ بمد ادائیگی قرض	۳۵۰ — ۰۰
۷۔ بمد علاج	۳۰۰ — ۰۰
۸۔ بمد ہنگامی امداد	۴۴۰ — ۰۰
۹۔ بمد شادی (خاص) ۲	۱۵۰۰ — ۰۰
۱۰۔ بمد عطیات (تجہیز و تکفین لاوارث میت) ۶	۳۹۰ — ۰۰
میزان	۱۰۱۶۵ — ۱۷
باقی ردکڑ	۳۸۰۸۴ — ۰۰

سی . ٹی . سی بلیو لیبل

دارجلنگ کی خالص تازہ پتیوں سے تیار کردہ فرحت بخش چائے

کمپنی . توپ خانہ بازار ،

اسلامیات

ڈاکٹر خیال کا عالمگیر مشورہ

مولوی شریف حسین

ڈاکٹر خیال ہمارا نہایت ہی نزدیکی طبی مشیر ہے
ڈاکٹر خیال نہ صرف ہمارا جسمانی طبیب اور معالج ہے بلکہ ہماری زندگی کے ہر فعل اور عمل پر فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر یکساں حکومت کرتا ہے۔ اور مختلف اشکال میں رہتا ہوا کبھی دائیں سے۔ کبھی بائیں سے اور کبھی سامنے۔ اور کبھی پیچھے سے کبھی اوپر اور کبھی نیچے سے یہ ہمارے اندر دانستہ نادانستہ داخل ہوتا رہتا ہے۔

کبھی یہ ہمیں دوستوں سے اور کبھی دشمنوں سے
کبھی یہ ہمیں اندر سے اور کبھی باہر سے ملتا ہے۔
ڈاکٹر خیال کی عالمگیر حکومت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا
یہ متضاد حالات میں ایسے ایسے یکساں نتائج پیدا کرتا ہے ہے کہ انسان کی عقل حیران رہتی ہے

جہاں طب یونانی ادویہ کے اندر اسکی زبردست حکومت ہے۔ جہاں آیورویدک کے نسخہ جات میں بھی یہ کام کر رہا ہے۔ ایلوپیتھی کی "قاطع حیات" اینٹی فائبرین" کیفین" کے اندر بھی موجود ہے۔ ایکٹرا ہومیوپیتھی کے سادہ پانی کے اندر بھی ڈاکٹر خیال کا طریقِ شعار رجسٹرڈ ہے مراقبوں اور سادھوؤں کو بھی ڈاکٹر خیال طاقت شفا دے رہا ہے۔

گنڈوں تعویذوں۔ منتروں۔ جنتروں کلاموں کی (روح ہے) مسجدوں، دریاؤں، پہاڑوں۔ ہڈیوں۔ درختوں۔ پتھروں کو لاعلاج امراض میں بھی پختہ خیال واعتقاد اور زبردست ارادہ کا لباس بدل کر ذریعہ صحت ہو رہا ہے
کبھی یہ دیوی ماتا کا نام پاکر چیچک کے اندر نمودار ہوتا ہے کبھی اختناق الرحم۔ اور ہسٹریا میں بدلتا ہے۔ کبھی یہ توہمات کی خیالی اور فرضی اشکال کو حقیقی اور اصلی لباس دیتا ہے۔
اسکی ہر شان نرالی اور ہر صورت جدا ہے۔ اس عارضی دنیا اور دوسری دنیا میں ہر رنگ اور ہر شکل میں پوشیدہ ہے اور ظاہر بھی ہے۔

عبادت کے اندر اسکی حکومت ہے مذہبی قوانین کی پابندیاں نے میں بھی یہ مددگار ہے۔ مسمریزم۔ ہپناٹزم کے حیرت انگیز کرشمات اور سفلی وعلوی کی کرامات میں بھی یہی خیال اور ارادہ ہی کام کر رہا ہے۔

الغرض مادی اور ذہنی طبقہ کے اندر جہاں جاؤ یہ موجود۔ دن کو یا رات کو جس وقت چاہو یہ کسی نہ کسی مادی شکل میں حکمراں پایا جاتا ہے۔
اسکے جائز استعمال سے ہمیں صحت۔ طاقت۔ دولت علمیت اور زندگی نصیب ہوتی ہے۔

اور اسکے ناجائز طریق استعمال سے ہیں بیماری۔ کمزوری مفلسی۔ جہالت۔ بداخلاقی۔ بد راہی اور موت تک ملتی ہے

ذیل میں ہم ڈاکٹر خیال کی چند مشہور طبی اور روحانی تعلیمات اور اشکال کا مختصر فوٹو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

عادت اور طبیعت۔ جس وقت چند مخصوص خیالات بار بار سوچے جاتے ہیں۔ تب وہ ہمارے جسم کا حصہ بن جاتے ہیں اور جسمانی افعال کو اپنے مطابق کرتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد وہی ابتدائی خیال جو انسان کو وراثت کے زیر اثر والدین سے ورثہ میں ملتا ہے۔ یا مختلف کتابوں سے بطور مطالعہ ذہن نشین کرتا یا مختلف مجلسوں اور سوسائیٹیوں میں جانے سے قانون ... صحبت کے زیر اثر آکر ویسا ہی بنتا ہے جب اس طرح حاصل شدہ خیالات افعال میں سرزد ہوتے ہیں تب ہم خیالات کی اس محسوس شکل کو عادات کے نام سے پکارتے ہیں۔

اور جب عادات مختلف وراثت سے ملتی اور دیرپا ہو جاتی ہیں۔ تب وہ طبیعت کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ جس وقت عادت اور طبیعت کی ابتدائی علت مادی یعنی خیالات کو بدل دیا جاتا ہے۔ تب عادات اور طبیعت خود بخود بدلنے لگتی ہے۔

اور جونہی کہ انسان کی عادت اور طبیعت بدلتی ہے وہ خود بھی بدلنا شروع ہو جاتا ہے اسکی آواز بدل جاتی ہے۔ اسکے حالات بدل جاتے ہیں اور وہ بہتر سے بہتر بن جاتا ہے ایک خیال دوسرے خیال سے بدلتا ہے۔ ایک عادت دوسری عادت سے بدلتی ہے۔ لہٰذا جو بات تم پیدا کرنا چاہتے ہو۔ اسکو بار بار علیحدگی میں مناسب اور دل پسند لہجہ میں اپنے آپ سے کہو۔ جو تکلیف اور عادت تم ہٹانی چاہتے ہو۔ اسکو خیال کے سامنے مت لاؤ۔ اور نہ بار بار دہراؤ۔

مثلاً تم اپنے اندر صدق یعنی سچ بولنے کی عادت پیدا کرنا چاہتے ہو تو بذریعہ کلمہ طیبہ کا لا الٰہ سے نفی کرو کہ مجھ میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں اور الا اللہ سے اثبات کرو کہ مجھ میں سچ بولنے کی عادت پختہ ہو رہی ہے وقس علیٰ ھذا۔

مریض اور کمزور جتنا کھول کھول کر اپنا مرض اور کمزوری کی وضاحت کرتا اور حالت سے اس پر مایوسانہ طریق سے آہ سرد لیکر سوچتا ہے اگر وہ جلدی جلدی اچھا ہو گیا تو بہتر ورنہ اپنا ہی بیان اسکو قابل علاج سے ناقابل بنا رہا ہے۔ لہٰذا ہرگز اپنے آپ کو یہ مت سوچنے دو کہ تم بیمار کمزور۔ بدنصیب اور ناکامیاب ہو اور تم ان حالات کو نہیں بدل سکتے ہو (انا لحق عبدی لی) کے تحت رہو تم قدرت کی سب سے عظیم طاقت کا ظہور ہو تم قدرت کا ایک برگزیدہ اقتباس ہو۔ تم تبدیلی کا ارادہ کرو۔ اور تبدیلی تمہارے اختیار میں ہے۔ کچھ پرواہ نہیں تم خواہ کیسی ہی بظاہر مایوسانہ حالت میں پا ناکامیابی و ناامیدی دکھلائی دے رہی ہو تمہارے اندر ان سارے حالات کو بدلنے کی زبردست اور شاندار طاقت یقیناً ہمیشہ موجود ہے۔

جو خود غرض لوگ تمہاری تکالیف کی سخت مبالغہ آمیز صورت اظہارات میں پیش کر کے تمہاری قوت (خیال) قوت ارادی کو پست کر رہے ہیں۔ یا جو تمہاری کمزوری اور نقص کو بالبداہ مبتلا کر اداس اور ناامید کر رہے ہیں۔ وہ تمہارے پوشیدہ دشمن ہیں۔ کامیابی کا ارادہ پیدا کرو اور صحت تمہارا قدرتی حق ہے۔

دولت اور عزت کا ارادہ پیدا کرو۔ دولت اور عزت تمہارا قدرتی حق ہے۔ زندگی کا ارادہ پیدا کرو۔ زندگی تمہارا قدرتی حق ہے۔

جس عادت یا طاقت کو پیدا کرنا چاہتے ہو ہر وقت اس کا خیالی نقشہ متواتر دل کے سامنے رکھو۔ اور اس کو سوچو اس کو دیکھو اور اسی کو کرو۔

رات کو سونے سے پیشتر صحت اور طاقت پر سوچو

اور صحت اور طاقت حاصل کرنے کی قابلیت اپنے اندر دیکھو پھر قادر ذی الجلال والاکرام۔ مہربان مالک حقیقی جو واجب الوجود ہے صفات کمالیہ سے موصوف ہے ہر نقص و زوال سے پاک منزہ ہے) کے وسیع خزانہ سے جو تم مانگو گے ان شاء اللہ تعالیٰ یقیناً میسر ہوگا۔ تم صرف (یقین محکم) و پختہ خیال وارادہ سے ابتدا کرو قدرت کامیابی سے انجام دے گی۔

کامیابی تمہارا قدرتی حق ہے۔ جس تکلیف سے رہائی پانا چاہتے ہو۔ خواہ وہ جسمانی ہو یا مالی یا علمی ہو اس کو پہلے دل سے خیال سے دماغ سے دور کرو۔ درخت کو بدلنے کے لئے تخم بدل ڈالو۔ مکان کو بدلنے کیلئے اس کا مصالحہ بدل دو۔ جسم کو بدلنے کے لئے خیال (اور سمجھ) کو بدل ڈالو۔

پلیگ کو دور کرنے کیلئے دل سے پلیگ کے زہر کو نکال ڈالو ہیضہ اور بدہضمی سے بچنے کے لئے دل کے دستوں اور کثیف بخاروں کو درست کرو۔ دل کی مرگی سے بچنے کیلئے دماغ کی مرگی کو ہٹاؤ۔ جسمانی نامردی کو دور کرنے کیلئے دل کو مرد بنالو۔ مفلسی سے نجات پانے کے لئے دل و دماغ کو امیر بناؤ۔ اہل علم اور عالی دماغ بننے کے لئے دل سے جہالت کو دور کرو

رنگ رنگ کی مدد آپ کس طرح کر سکتے ہیں؟

۱۔ ناظرین اپنے عزیزوں اور حلقہ احباب دائرہ کی کوشش کرکے ہر ماہ کم از کم مستقل خریدار ضرور فراہم کریں۔

۲۔ مقامی بک سیلروں اور نیوز پیپر ایجنٹوں کے پتے ہمیں بھیجیں اور خود بھی ان سے مل کر تی ایجنسی قائم کرانے کی کوشش کریں۔ ہم بے حد ممنون ہوں گے (ادارہ)

کینوس اور چمڑے کا مختلف النوع سامان
کینوس چمڑا
سپر ایجنسیز
کینوس اور چمڑے کے تھوک بیوپاری
مکھنیا بازار۔ کانپور۔۱

اسلامیات

تنظیم واتحاد کا پیغام

محمد یسین مونگیری

میں آپ سے بے تکلف کہتا ہوں کہ میں تنظیم واتحاد کا بڑا سرگرم داعی اور پیامی ہوں کیوں کہ تاریخ بتاتی ہے کہ اسی قوم وملک کو عروج نصیب ہوا ہے جو تنظیم اتحاد سے ہم کنار تھے۔ ایران و روما کے عروج کا راز یہی تھا کہ وہ تنظیم واتحاد سے ہمکنار تھے۔

ماضی میں مسلمانوں کے عروج واقبال کا راز کیا تھا وہ یہی تھا کہ وہ دامنِ تنظیم واتحاد سے وابستہ تھے۔

اس سے پہلے جب وہ افتراق وانتشار کے شکار رہتے تو نہ کوئی خطۂ ارض ان کے زیر نگیں تھا، نہ اقوام عالم کی نگاہوں میں ان کا کوئی عز ووقار تھا مگر یہ تنظیم واتحاد ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ دنیا والوں کی نگاہوں میں باوقار اور آدھی دنیا کی سلطنت و حکومت پر قابض ہو گئے۔

مگر افسوس کہ جب انھوں نے اپنے ہاتھوں سے تنظیم واتحاد کا دامن چھوڑا تو نہ صرف یہ کہ ان کے عزّو وقار کی مٹی پلید ہوئی بلکہ باگ حکومت بھی ان کے ہاتھوں سے چھن گئی۔

یہی وہ ہندوستان ہے جس کے حاکم وفرمانروا آج سے کچھ دنوں پہلے مسلمان ہی تھے۔

مگر اب وہ فقدانِ اتحاد کے سبب دوسروں کے محکوم وزیر نگیں ہیں۔

یہ ہے مسلمانوں کے عروج وزوال کی تاریخ جس کو ایک مورخ کا قلم مختصر لفظوں میں سمیٹ سکتا ہے؟

تاریخ اور عقلی رو سے یہ کوئی مستبعد نہیں کہ اگر مسلمان آج بھی تنظیم واتحاد سے ہمکنار ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ وہ عزت و عظمت کی زندگی گذارنے لگیں، بلکہ تاج وتخت کے مالک بھی بن جائیں کیوں کہ جب تنظیم واتحاد کی بدولت اجتماعی قوت حاصل ہو جائے گی تو وہ جہاں اور جس طرف بھی یلغار کریں گے فتحیاب ہوں گے۔

اسکی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ الجزائر ولیبیا جو ایک عرصہ سے غیر ملکوں ... ... کے زیر فرمان تھے، جب وہاں کے باشندوں نے متحد ہو کر بانگ آزادی بلند کی تو بالآخر یہ دونوں مذکورہ ممالک آزاد ہو گئے۔

انگریز جنھوں نے اکثر خطۂ ارض کو فتح کر کے اس پر حکومت کی ہے، ان کی فتوحات کا راز تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فتوحات اسی تنظیم واتحاد کا نتیجہ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان آج سے پچیس سال قبل غیر ملکی حکمرانوں کے زیر اثر تھا مگر میں یہ سوچے کہوں گا کہ یہ ہندوستانیوں کی تنظیم و اتحاد کا نتیجہ تھا کہ انگریز جیسے طاقت ور حکمرانوں کے پنجے سے اپنے ملک و وطن کو چھڑا لیا اگر ہندوستانی متحدہ مسلم متحد ہو کر

جنگ آزادی بلند نہ کرتے تو شاید یہ ملک آزاد نہ ہوتا۔ آج
چین، امریکہ اور روس کی ساری دنیا دست نگر اور محتاج ہے
اور ان کی یلغاروں سے ڈرتی ہے کیوں کہ انکے ملکی باشندوں
کی ابھری ہوئی طاقت ایک مرکز یعنی حکومت پر ختم ہے جس کی
بنا پر ان کی طاقت غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہے۔

یہی وجہ ہے جب کبھی یہ مذکورہ ممالک کسی سے ارادۂ
جنگ کرتے ہیں تو ارباب حکومت گھبرا جاتے ہیں اور ملکی
سیاست میں بھونچال آ جاتا ہے۔ پایۂ تخت ہلنے لگتے ہیں اور
ان کی ایٹمی عسکری اور اجتماعی قوت کے رعب و دبدبہ سے
پبلک کے چہروں پر چھائیں پڑنے لگتی ہے کوئی مانے یا نہ
مانے مگر یہ واقعہ ہے کہ اسلام اسی قسم کے اتحاد و یکجہتی کا داعی
اور سب کو بروئے کار لانے کیلئے ساعی ہے، کیوں کہ ارشاد
ربانی ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً

قرآن ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ ہم تنظیم و اتحاد سے ہم کنار
ہو جائیں کہ اسی میں عروج و اقبال کے راز پنہاں ہیں۔

قدرت کے جلوؤں کی کرن پہنے ہوئے آ ہی گیا
دونوں جہاں کے واسطے دونقطہ ہا کا تاجدار

تصویرِ اوّل

سرورش پہلی تہری

کرنوں میں اک شمعِ ازل اور شمع میں کرنیں ہزار
کثرت سے وحدت رونما. وحدت سے کثرت آشکار

کھینچے ہوئے دونوں جہاں. قائم کئے اپنا وقار
حسنِ حقیقت آئینہ عشقِ مجازآ ئینہ دار

شام و سحر چلتا ہوا دستِ مصوّر کا قلم
پردے پہ ہستی کے نئے بنتے ہوئے نقش و نگار

طوفان بھی پہلو میں لئے ساحل پہ بھی قابو کئے
بہتا ہوا چاروں طرف اک بحرِ ناپیدا کنار

ویرانیاں بھی کامرانِ آبادیوں کی گود میں
یعنی بہار اندر خزاں یعنی خزاں اندر بہار

دو حرف کی ترتیب میں کون و مکاں کا سلسلہ
اک کن میں دنیا بن گئی اللہ رے زور اختصار

بزم سکوں آراستہ لیکن عجب ہلچل کے ساتھ
جلوہ نگر کے شوق میں جلوہ نما خود بیقرار

اللہ تھا بندہ نہ تھا واحد تو تھا شاہد نہ تھا
ذاتِ حقیقت راز تھی کوئی نہیں تھا رازدار

تسبیح تھی. تہلیل تھی تحمید تھی تکبیر تھی.
پھیلی ہوئی لو شمع کی کوئی نہ تھا پروانہ وار

محمود تھا حامد نہ تھا معبود تھا عابد نہ تھا
کیا کچھ نہ تھا لیکن نہ تھا اک زاہدِ شب زندہ دار

کب سے مرتب ہر طرح درسِ کلامِ معتبر
لیکن کہیں ممکن نہ تھا اک لائقِ صد اعتبار

آخر مصوّر نے وہی تصویرِ اوّل کھینچ دی

قرآن کے الفاظ میں تقریرِ دیں کرتا ہوا
اللہ کے پیغام کی ہوتی ہوئی ہر سو پکار

مخلوق کی تقدیر میں خلاق کی صورت کشی
اک آدمی کی شان میں سو جلوۂ پروردگار

وہ پھول جسکی گود میں سارا چمن سمٹا ہوا
پیکر مجازی ہی مگر حسنِ حقیقت در کنار

آغازِ عالم کا سبب انجامِ عالم کا فروغ
سب سے بڑے صناع کی صنعت کا لندو شاہکار

پیغمبرِ باطل شکن اسلام کا استادِ فن
حق کے اصولوں میں اٹل کارِ خدا میں پختہ کار

رازِ خدا کا رازداں یعنی جنابِ مصطفٰے
اللہ کے لہرائے سرورش آخر میاں اوّل تاجدار

مجنونیات

یونس قنوجی

"بچپن"

بے نیازِ نتیجۂ فردا
پالنے میں ہے خواب آسودہ
چمچماتی حسین فائل میں
جیسے کوئی طویل منصوبہ

"کشمکش"

آرزوؤں میں اضطراب کا رنگ
یاس کی دھوپ آس کے سائے
جس طرح عام انتخاب کے بعد
کوئی کابینہ زیرِ غور آئے

"جوانی (مفلسی کیا کھٹم)"

مرمریں جسم، آتشیں رخسار
دل میں ہلچل اٹھے اڑے گیسو
ریشمی خواب چیتھڑوں میں گذر
اک ترقی پذیر ملک ہے تو

"تسلی"

کتنی دلکش ہے میرے شہر کی شام
احمریں، سرمگیں، خنک، مخمور
جس طرح حکمراں جماعت کا
خواب آور الیکشنی منشور

"بڑھاپا"

یادِ ماضی، خیالِ مستقبل
ہاتھ مفلوج پاؤں بوجھل سے
سانس یوں چل رہی ہے رک رک کر
سرخ فیتے میں فائلیں جیسے

"تغافل"

یوں مرے عرضِ حال پر یونس
ان کے ہونٹوں پہ برق سی چمکی
جیسے پرشور احتجاج کے بعد
مسکراہٹ وزیرِ اعظم کی

صحیفۂ ارتقاء

علی عباس امید

کفر سے بولا یہ ایمان کہ سمجھو مجھ کو
تم کھلے ذہن سے اک بار تو سوچو مجھ کو
عین ممکن ہے چمک جائے صداقت کی کرن
چہرۂ حق ہوں ذرا غور سے دیکھو مجھ کو
گتھیاں زیست کی سلجھا نہ سکے تم لیکن
اب حقیقت کی گرہ جان کے کھولو مجھ کو
قعرِ ظلمت سے نکل آؤ گے بس شرط یہ ہے
ڈوب کر دل کے سمندر میں پکارو مجھ کو
خیبر و بدر ہوں یا معرکۂ کرب و بلا
تم جہاں چاہو اسی موڑ پہ ڈھونڈو مجھ کو
تپتے صحرا میں ملا ہوں تو غنیمت جانو
اس کڑی دھوپ میں سایہ ہوں نہ چھوڑو مجھ کو
جہل بجھ جائے گا اور علم فروزاں ہوگا
قدرتِ حق کا صحیفہ ہوں پڑھو تو مجھ کو
میری باتوں کا یقیں گر نہیں کرتے نہ کرو
خالقِ ارض کی میزان پہ تولو مجھ کو
مجھ سے ہر راہ پہ بکھری ہے شعاعِ امید
سوئے منزل تمہیں بڑھنا ہو تو روکو مجھ کو

غزل

مظفر حنفی

ستادہ ہے نیزہ سنبھالے ہوئے
اندھیرے زبانیں نکالے ہوئے
ادھر ریگزاروں پہ شبنم گری
یہاں میرے سینے پہ چھالے ہوئے
مکینوں کا دم گھونٹ کر رکھ دیا
مکانات مکڑی کے جالے ہوئے
کھلی چھت پہ کل چاند ٹہلا کیا
مرے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے
ہزاروں بنے اہرمن کا ہدف
بقیہ خدا کے حوالے ہوئے
مرے لے کے تنقید چٹ کر گئی
مرے شعر بھی تر نوالے ہوئے
مظفر ہماری نظر جل بجھی
بیک وقت اتنے اجالے ہوئے

قومی نقطۂ نگاہ سے بھوکے اور مدقوق بچے
اس بہت بڑے گلستان میں مرجھائے ہوئے
کانٹے بنتے جا رہے ہیں
انہیں مناسب تربیت و نگہداشت
سے بہار آفرین پھولوں میں
بدل دینے کا کام بھی ایک
قومی فریضہ ہے اور ہم
سب کیلئے اس سے
عہدہ برآ ہونا بھی
ضروری ہے
منظور شدہ ڈیلرس
گلڈنگ ٹوائیز اینڈ سوئیٹس ہاؤس
بساطی بازار
حانپور
فون نمبر ۶۱۳۶۳
آپ کے ننھے منے بچے کو صحت بخش اور زود ہضم
دوا کے ساتھ ساتھ غباروں کھلونوں اور بسکٹوں
کی بھی ضرورت ہے آج ہی خرید لیجیے
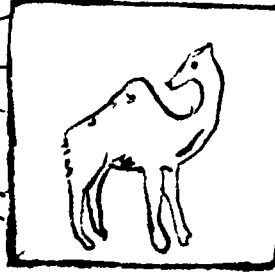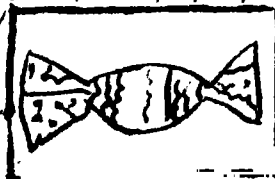
نفسیات

خوشی اور غم کا چکر

پروفیسر اکرم طاہر

معاشیات کی ایک اصطلاح ہے ٹریڈ سائیکل اس سے مراد وہ تجارتی دائرہ ہے جو بحران اور انتہائی معاشی سرگرمی کے مختلف عناصر سے تشکیل پاتا ہے۔ جب کاروبار کی رفتار مدھم ہوتی ہے تو بالآخر وہ نقطۂ انجماد پر پہونچ جاتا ہے اس موقعے پر کسی وجہ سے کاروبار کے تنِ مردہ میں نئی روح حلول کرتی ہے اور وہ دوبارہ تیز رفتار ہو جاتا اور آخر سرپٹ دوڑنے لگتا ہے گویا بحران اور انتہائی معاشی سرگرمی کے بے شمار درمیانی مرحلے اور فاصلے ایک تجارتی دائرے کی صورت میں برابر حرکت پذیر رہتے ہیں۔

یہی حال غم اور خوشی کا ہے۔ غم اور خوشی کے الٹ پلٹ نے انسانی زندگی کا احاطہ کر رکھا ہے لوگ امید کے نشے کی سرشاری میں ایک کے بعد دوسرے کام میں مصروف رہتے ہیں یہی امیدان کی سرگرمیوں کی محرک ہوتی ہے۔ پھر کام کے دوران ناکامی کا ہلکا سا خدشہ بیدار ہوتا ہے۔ تو دل میں امید کی روشنی پر ناامیدی کی پرچھائیاں پڑنے لگتی ہیں لیکن روشنی سائے پر غالب رہتی ہے۔ جوں جوں کام آگے بڑھتا جاتا ہے اور اسکی تکمیل کا سرا دکھائی دینے لگتا ہے۔ آدمی کے دل میں خوشی کی گدگدی ہونے لگتی ہے اب تکمیل تک غم اور خوشی کا یہ کھیل جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بقول غالبؔ ؎

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

قومی معیشت کی جملہ خامیوں بالخصوص پیداواری خرابیوں کا حل یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ ٹریڈ سائیکل کے اتار چڑھاؤ کو سرے ہی سے ختم کر دیا جائے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ہم سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ اس چیز کا اطلاق انسانی زندگی پر بھی ہوتا ہے۔ اگر ہم غم اور خوشی کے چکر کو ختم کر دیں تو ہماری زندگی میں ہمواری آجائے گی اور توازن پیدا ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ خاص فنکاروں کے لیے یہ صورتِ حال قابلِ قبول نہ ہو لیکن عام لوگوں کے لیے ہموار اور متوازن زندگی بے اندازہ کشش رکھتی ہے

زندگی بسر کرتے ہوئے ہم بیسیوں مرحلوں، الجھنوں اور مسئلوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کو حل کرتے ہوئے ہمیں بیسیوں چھوٹی بڑی ناکامیوں اور کامیابیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے غور طلب بات ہے کہ اگر ہم ذرا ذرا سی کامیابیوں پر خوشی سے پھولے نہ سمائیں اور چھوٹی چھوٹی ناکامیاں پر ششدر ہو کر بیٹھ جائیں تو گویا زندگی ہمارے اختیار میں نہ رہی بلکہ غم اور خوشی کے حوالے ہو گئی۔ کوئی کام خواہش کے مطابق ہو گیا تو باچھیں کھل گئیں اور خلاف توقع ہو گیا تو چہرہ اتر گیا۔ یہ کوئی زندگی نہیں کہ ہم بیڈ منٹن کی چڑیا کی طرح ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ناچتے پھریں۔

ہم مسرت کو زندگی کا مدعا اور مقصود نہیں سمجھتے لیکن یہ ضرور ہے کہ مسرت انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے اس کے بغیر زندگی، زندگی نہیں رہتی۔ کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ ہمیں

یہ کوشش مقدور بھر کرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے روز و شب پُرمسرت ہوں لیکن ظاہر ہے کہ ایسے لمحے ہماری زندگی میں خال خال نظر آتے ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ جو لمحے کسی وجہ سے مسرت سے خالی تھے وہ رائیگاں گئے؟ نہیں یہ طریق فکر ہماری رہی سہی مسرت کو بھی بدمزہ کر دے گا۔

دوسرا سوال غم سے متعلق ہے۔ زندگی میں نجی، خانگی کاروباری اور سماجی کئی قسم کے غم اور اندیشے پیدا ہوتے رہتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مسرت ایک ایسا نقطۂ نور ہے جس کے آگے پیچھے دائیں بائیں غم کی گہری لکیریں پھیلی ہوئی ہیں کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ غم ہمارا مقدّر ہے اور ہم اس کے آگے بے دست و پا ہیں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ غم اور مسرت دو داخلی کیفیتیں ہیں جو خارج کی دنیا سے پیدا ہوتی ہیں۔ خارجی ماحول اور مادی احوال ہمارے قلب و ذہن کو خوش گوار انداز سے متاثر کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہم کبھی شادکامی کی کیفیت کے زیر اثر ہوتے ہیں اور کبھی ناکامی و نامرادی کے جذبے کے تحت۔ یہ چکر الوٹ ہے اور ہمارے ذہنی و فکری ہی نہیں عملی رویے کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔

آخر راہِ نجات کون سی ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ہمیں پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ غم اور خوشی کی نوعیت کیا ہے؟ ان کے محرکات کیا ہیں؟ اور ان کا اثر انسانی طبائع پر کیا ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان نے اپنے ماحول اور معاشرت کے زیر اثر غم اور خوشی کے پیمانے بنا رکھے ہیں۔ مثلاً کچھ روپیہ کسی عزیز کے مرنے پر ہاتھ آ گیا تو یہ مسرت کا مقام ہے اور کسی نے برسرِ عام ہمیں ہماری غلطی پر ٹوک دیا تو یہ برا ماننے کی بات ہے، یا کسی نے ہماری تعریف کر دی تو ہم خوش ہو گئے۔ کسی نے اب ان صورتوں کا جائزہ بے تعصبی، غیر جانبداری اور غیر ذاتی رنگ میں لیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ سب پیمانے

مصنوعی اور ہمارے وضع کردہ ہیں، اور اس لئے بے کار ہیں۔ ان کے ذریعے ہمیں جو مجموعی مسرت حاصل ہوتی ہے، وہ اس مجموعی غم کے مقابلے میں ہیچ ہے، جو ہمیں ناکام و نامراد بنائے رکھتا ہے۔

جب ہم ذرا ذرا سی باتوں کو غم اور خوشی کے پیمانے سے ناپتے ہیں تو ہماری طبیعت حساس اور نازک ہو جاتی ہے غم کی دھوپ ہمیں جلاتی ہے اور خوشی کا سایہ ہمیں ٹھنڈک پہنچاتا ہے، اور ہم جس خوشی کے حصول کی خاطر اپنے اوقات قوتوں اور ذرائع کو ضائع کر دیتے ہیں وہ اکثر اوقات یونہی سی خوشی ہوتی ہے۔ یہی نہیں وہ بالعموم زیادہ دیرپا بھی تو نہیں ہوتی ہے۔

مسرت بھی ایک عارضی چیز ہے، میں یہ سوچ کر مضمحل ہو گیا۔ ایک اور بات۔ اگر ہم مسرت کے لئے اپنی آغوش کو کھلا رکھتے ہیں تو ہمیں غم کی دستک پر اپنے دل کا دروازہ بھی بند نہیں رہنے دینا چاہیئے

زندگی میں غم اور خوشی دونوں کا وجود ایک حد تک حقیقی ہے لیکن ان میں شدت، وسعت اور گہرائی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہم آپ ہیں، حالانکہ ہم چاہیں تو ان کو محدود کر سکتے ہیں۔ آخر غم اور خوشی کو محدود کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

گوتم بدھ کا قول ہے کہ "دماغ ہی سب کچھ ہے جو آپ سوچتے ہیں وہی آپ بن جاتے ہیں۔" بدھ کی اپنی زندگی اس مقولے کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ شاہی جھولے میں کھیلا ہوا اور محلوں میں پلا ہوا یہ نوجوان دنیا کی ہر آسائش اور تعیش پر دسترس رکھتا تھا۔ لیکن اس کی زندگی میں ایک خلش، ایک کمی تھی وہ ذہنی آسودگی اور قلبی اطمینان کی دولت سے محروم تھا۔ آخر اس نے دنیاوی عیش و عشرت کو خیرباد کہہ کر جنگل میں روحانی رہائی اور بالآخر نروان (نجات) حاصل کر لیا۔ کہاں شاہی عیش کوشی، کہاں خرقہ پوشی؟ اگر بدھ کی قوت ارادی مضبوط نہ ہوتی تو وہ ایک دن کے لئے بھی جنگل کے مصائب اور

نجوری سے شدائد برداشت نہ کر سکتا لیکن اسکے دل اور دماغ اور اعصاب بڑے توانا تھے۔ اس نے نئی زندگی کی دہلیز پر سوچ سمجھ کر اور اس کے لیے پوری طرح تیار ہو کر قدم رکھا تھا یہی وجہ ہے کہ جو چیز اسے شاہی محل میں نہ مل سکی وہ ۔۔ درولیشی میں مل گئی

عام لوگوں میں بدھ والی بات پیدا ہو سکتی ہے نہ ہونی چاہیئے لیکن وہ اس کے مقابلے پر بتدریج شعوری عمل کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ ایک ایسی زندگی جس میں مسرت اور غم دونوں ہوں گے لیکن مسرت آپ کو پاگل نہیں بنائے گی اور غم ناکارہ نہیں کرے گا بلکہ آپ دونوں کا ہلکا ہلکا ارتعاش اپنے ساز دل کے تاروں پر محسوس کریں گے یہ ایک ایسی زندگی ہوگی جس میں غم آپ کی تہذیب کرے گا اور خوشی آپ کے اندر تشکر اور اطمینان کا جادو جگائے گی

اردو کے مشہور شاعروں ۔۔۔ فانی اور میر ۔۔۔ کا موازنہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ فانی غم کو سینے سے لگائے پھرتے تھے وہ اس کی سختیوں کا رونا روتے نہیں تھکتے تھے ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے خوشی کا منہ تک نہیں دیکھا ؎

فانی ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

اس کے برعکس میر نے غم کو اپنی شخصیت کا ایک اہم عنصر قرار دیا ہے وہ غم کو اس طرح عزیز رکھتے ہیں جیسے خوشی کو۔ یہی وجہ ہے کہ نہ وہ خوشی کے پیچھے مارے مارے پھرتے تھے نہ غم سے دامن چھڑاتے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایک عجیب استغنا اور اطمینان پایا جاتا تھا۔ وہ ذہن بیدار اور دل زندہ رکھتے تھے۔ زمانہ اور اہل زمانہ کے مصائب اور شدائد پر کڑھتے تھے لیکن اپنی ذات کی حد تک بے حد مطمئن اور آسودہ خاطر رہتے تھے یہی خصوصیت ان کی شاعری کو ہنسی کی طرح عظمت سے ہم کنار کرتی ہے۔

اگر آپ غم اور خوشی کے چکر سے نکل کر ایک مطمئن اور آسودہ خاطر زندگی گزارنے کے خواہاں ہیں تو اپنی زندگی کو کسی ٹھوس اور واضح مقصد سے آشنا کیجیے۔ زندگی میں کسی نہ کسی اچھے اور شریفانہ نصب العین کا ہونا ضروری ہے کوئی آدرش، کوئی سطح نظر پیدا کیجیے اس کا تعلق خارجی اور مادی چیزوں سے زیادہ داخلی اور روحانی چیزوں سے ہونا چاہیئے۔ پھر اسکو سامنے رکھ کر اطمینان سے زندگی کے سفر کا نیا آغاز کیجیے۔ چھوٹی چھوٹی شکستوں اور کامیابیوں سے اثر پذیر ہونے کی بجائے دل وسیع جبیں کشادہ کے ساتھ زندہ رہیے

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

دنیا کے اندر جو لوگ مطمئن زندگی بسر کرتے ہیں وہ خود غرضی اور نفس کی پیروی کی بجائے انسانیت کی خدمت میں سرگرم رہتے ہیں اچھا استاد اچھا کاریگر۔ اچھا فن کار اور اچھا ملازم اپنے اپنے حلقہ کے اندر اپنی بساط کے مطابق خدمت خلق میں مصروف رہتا ہے یہ نہیں کہ وہ اپنے مفاد کو پس پشت ڈال کر ایسا کرتا ہے یہ بالکل ممکن ہے کہ آپ اپنے مفاد کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھی انسانوں کے مفاد کے لیے بھی سرگرم عمل رہیں۔

ایڈلر کے نزدیک لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو زندگی کے بارے میں اس انداز سے سوچتے ہیں کہ ہم اس سے کیا کچھ حاصل کر سکتے ہیں؟ دوسرے وہ جو یہ سوچتے ہیں کہ ہم زندگی کو کیا کچھ دے سکتے ہیں؟ ایڈلر کا کہنا ہے کہ اول الذکر لوگ گردن زدنی ہیں۔ جبکہ ثانی الذکر لوگ ہی دراصل انسانیت کے علم بردار ہیں۔ ان کے اجداد اور اسلاف ان کے لئے بہت کچھ دنیا میں چھوڑ گئے ہیں اب اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ان کو بھی آنے والی نسلوں کے لئے کچھ چھوڑ کر جانا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ اول الذکر لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں لیکن جہاں

یہ لوگ اوّل الذکر لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں لیکن جہاں تک کھو کر جانے یا چھوڑ جانے کا تعلق ہے۔ دونوں میں کوئی لمبا چوڑا فرق نہیں ہے۔ فرق دراصل دونوں کے نقطۂ نظر اور رویے کا ہے۔ اول الذکر اپنی ذات اور اپنے کنبے کے محور کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کی ذات کل کائنات کے مقابلے میں زیادہ ترجیحی اور امتیازی حیثیت رکھتی ہے ان کا طریق کار کچھ اس قسم کا ہوتا ہے کہ "میں یہ چاہتا ہوں" اور "میں وہ چاہتا ہوں" چنانچہ اس قسم کے شخص کو ایک خواہش لیکن پذیر ہو کر اس کو رنجیدہ بھی کر دیتی ہے۔ اس کی ساری زندگی محور کے گرد گھومتی رہتی ہے ظاہر ہے کہ ایسے شخص خود مطمئن ہوتے ہیں نہ دوسروں کو خوش رکھ سکتے ہیں۔

اس کے برعکس ثانی الذکر لوگ اپنے کنبہ، ماحول اور معاشرے کی سرگرمیوں، خوشیوں اور ناخوشیوں سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں میں دلچسپی لیتے، اپنے ہاتھوں کے کام اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ اپنے مفاد اور اپنی سہولت کے علاوہ کرتے ہیں دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے یہ مقولہ کہ "خدمت کو اپنی ذات پر ترجیح دو" یا انجیل کا یہ ارشاد کہ "ہر شخص کو اپنی چیزوں کا نہیں بلکہ دوسروں کی چیزوں کا خیال کرنا چاہیئے۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے کچھ زیادہ وسیع نہیں ہے۔ کیوں کہ انسان فطرتاً خود غرض واقع ہوا ہے۔ ایک عام انسان سے زیادہ سے زیادہ یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کا بھی خیال رکھے۔
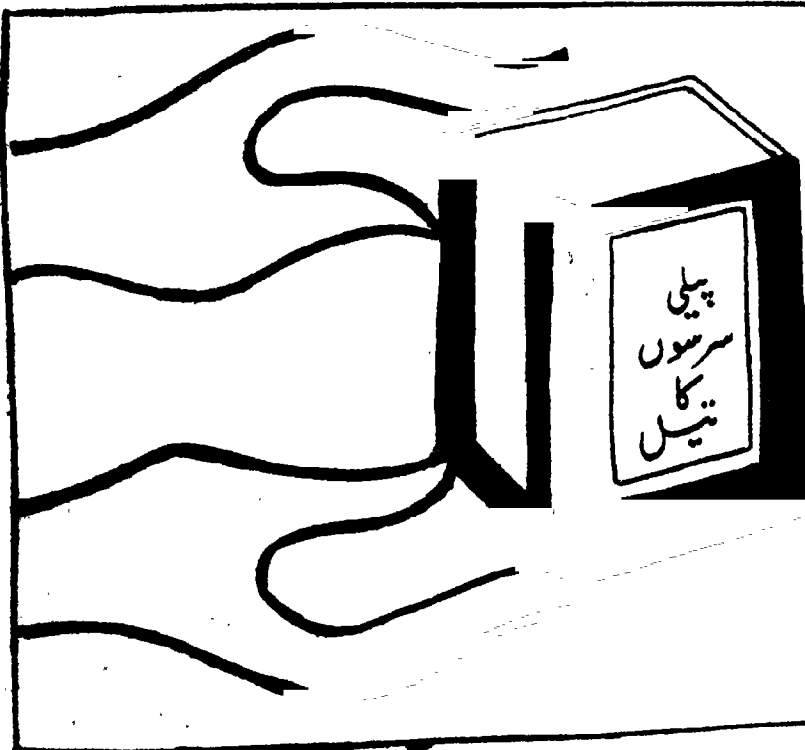
شخصیات

اقبال اور خودی

شہباز الحسینی

اقبال کے فلسفۂ خودی کے بارے میں گذشتہ نصف صدی کے اندر متعدد نقاد صاحبانِ علم وقلم اس شرح وبسط سے اظہار خیال کر چکے ہیں کہ اب اس میں اضافہ شاید ہی ہو سکے، پھر بھی ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے جناب شہباز الحسینی نے اس موضوع پر جو کاوشِ قلم پیش کی ہے وہ بہرحال قابل داد ہے

(ادارہ)

اس زندگی کے بقا و تسلسل کیلئے جس طرح غذا و لباس اور مادی ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اس زندگی کے فروغ و وقار کیلئے ضروری ہے کہ انسان خودشناس و خودنگر ہو جائے، کیونکہ یہ ایسا اخلاقی وصف ہے جو ہر مخلوق کے علم و عمل کو ایک مخصوص دائرے میں نمایاں کرتا ہے اس کی صفات و صفات کی بود و نمود کے مظاہر متعین کرتا ہے۔ وہ اسکی نشو و نما اور بالیدگی کے سامان فراہم کرتا ہے، خودی ایک حقیقی زندگی ہے اور زندگی کی تمام لذتیں اس کے استحکام کی توسیع، اور اسکے اثبات سے وابستہ ہیں

جس میں یہ صفت موجود ہوتا ہے وہ تہذیب و اخلاق گہوارہ، اور علم و عمل کا نمونہ ہوتا ہے اور اسکی زندگی تعمیری رنگ و صفات کا مظہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی زندگی کے ہر ایک ورق میں تعمیری کاموں اور خودی و خود اعتمادی کے نقوش جھلکتے ہیں کیونکہ وہ عرفان ذات کی وجہ سے ہم جو نادرہ کار، اور خارہ شگاف ہو جاتا ہے اور اپنی طبعی نادرہ کاری کے سبب سے ایسی نادر چیزوں کا اظہار کرتا ہے کہ دنیا دیکھ کر حیران ہو جاتی ہے اور اسی بناء پر دنیا ایجادات و اکتشافات کے بازاروں اور منڈیوں میں اسکی قیمت بڑھ جاتی ہے اور علیٰ العکس اس کا مقام و مرتبہ ثریا سے بلند و بالا اور ارض و سما سے اعلیٰ ہو جاتا ہے کیونکہ خودشناسی کی بدولت نہ صرف ایجاد و اکتشاف کا مالک بلکہ کل کائنات کا حاکم بن جاتا ہے۔

گویا خودشناس شخص ایک ایسا مختارکل بادشاہ ہے کہ اس کائنات کی ساری چیزیں اسکے زیرتصرف ہیں وہ جب چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے اسی مضمون کو اقبال نے اپنی ایک نظم میں نہایت پرجوش انداز میں یوں بیان کیا ہے ؎

کھول آنکھ زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

اس سلسلہ کا اک شعر یہ بھی ہے ؎

؎ زمین و آسمان و عرش و کرسی
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

ساری کائنات زیرِ تصرف ہو جانے ہی کی وجہ سے اسکے افکار و خیالات میں اتنی وسعت و بیکرانی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ آفاق اس میں گم ہو جاتا ہے مگر وہ آفاق میں گم نہیں ہوتا کیوں کہ اسکی شخصیت اس آفاق سے بلند ہو جاتی ہے۔

؎ کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

گویا مردِ خوددار اپنی خودی کے زور سے اس عالمِ رنگ و بو پر چھا جاتا ہے اور ساری کائنات اسکے زیرِ فرمان ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا فرمان عالم پر نافذ ہوتا ہے مگر عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں ہوتا کیوں کہ وہ عرفانِ ذات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ایسا پیارا بندہ ہو جاتا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں اسکے لئے مسخر کر دی جاتی ہیں اور اسی تسخیرِ کائنات کے سبب سے کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس پر حکومت کرے

؎

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقامِ رنگ و بو کا راز پا جا

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرمان دہِ عالم شود

"دراصل اقبال اس نہایت بلند آہنگی سے خودی و خود شناسی کا پیغام اس لئے دیرہے ہیں کہ وہ انسان جو خودشناسی و خود فراموشی کے سبب سے دوسروں کو مطیع و فرمانبردار ہیں وہ خودی کے زور سے خود صاحبِ فرمان بن جائیں کہ غلامانہ زندگی نہ زندگی ہے . . . . نہ زندگی میں سوز و گداز ہے نہ آرام و راحت اس سلسلہ میں اقبال کا یہ ترانہ سنیئے جس میں انھوں نے غیور اور خوددار افغانوں کو مخاطب کرتے ہوئے تمام انسانوں کو خودی و خودشناسی کا پیغام دیا ہے۔"

؎ روزی بدلے، شان بدلے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزندِ کہستان اپنی خودی پہچان"

اپنی خودی پہچان ـــــــ او غافل افغان
موسم اچھا پانی وافر مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان
اپنی خودی پہچان ـــــــ او غافل افغان
اونچی جسکی لہر نہیں ہے وہ ہے کیسا دریا
جسکی ہوائیں تند نہیں ہیں وہ کیسا طوفان
اپنی خودی پہچان ـــــــ او غافل افغان
ڈھونڈھ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اس بندے کی دہقانی پر سلطانی قربان
اپنی خودی پہچان ـــــــ او غافل افغان
تیری بے علمی نے رکھ لی لاعلموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان ـــــــ او غافل افغان

اقبال جب تک زندہ رہے آدم زادوں کا احتساب نفس احتساب کائنات اور خودی و خودشناسی کا پیغام دیتے رہے تاکہ تمام انسان محتسب نفس محتسب کائنات اور خودشناس و خودنگر ہو جائیں کہ اس کے بغیر زندگی موت کے مترادف ہے وہ عرفان خودی کا پیغام دیتے ہوئے کہتے ہیں

؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھکو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

اور اس میں کوئی شک نہیں جو خوددار و خودنگر ہو جاتا ہے اسکے دلوں میں فرمانروائی اور حکمرانی کی خواہش پیدا ہو جاتی ہیں اور جھونپڑیوں اور کھنڈروں میں وہ کے عالی شہنشاہی کا خواب دیکھنے لگتا ہے اور اسکو شرمندۂ تعبیر کرنے کیلئے سعی و کوشش کرتا ہے بالآخر اسکی کوشش رنگ لاتی ہے اور آج یا کل وہ حاکم و فرمانروا بن کر رہتا ہے گویا خودی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ محکوم حاکم غلام، آقا، فقیر امیر اور رائی سے پربت بن جاتا ہے۔ ؎

رائی خودی سے پربت
پربت خودی سے رائی

اسی خودی و خودشناسی کا نتیجہ تھا کہ ماضی میں مسلمانوں کو قدرت نے فرمانروائی کے منصب پر سرفراز کیا اور انکو ان دولتوں سے نوازا جس سے دنیا کا دامن یکسر خالی تھا۔ اللہ تعالیٰ آج بھی ان انسانوں کو تخت سلطنت پر بٹھا سکتے ہیں جن کی حکومتیں ظالموں اور جابروں نے چھین لی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ پہلے چاہنے والوں کے دل صحیح خودداری سے معمور ہو جائیں۔ جس طرح صحابہؓ کے دل اس خودی سے بھرپور رہتے جسکی بدولت وہ آندھی پانی کی طرح صحرا عرب سے اٹھے اور آدھی دنیا کی حکومت و سلطنت پر چھا گئے اس لئے اقبال ذیل کے اشعار میں عرفان خودی کا پیغام دیتے ہیں کہ اس میں

بخت خفتہ کی بیداری اور حکومت کی بازیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

؎ مانند صبا خیز و وزیدن دگر آموز
دامان گل و لالہ کشیدن دگر آموز
اندر دل غنچہ خزیدن دگر آموز
موئینہ بہ بر کردی و بے ذوق تپیدی
آن گونہ تپیدی کہ بجائے نرسیدی
در انجمن شوق تپیدن دگر آموز
کافر دل آوارہ دگر بارہ بہ او بند
بر خویش کشا دیدہ و از غیر فرو بند
دیدن دگر آموز ندیدن دگر آموز
در ہست پیام است شنیدی؟ نشنیدی
در خاک تو یک جلوۂ عام است ندیدی
دیدن دگر آموز شنیدن دگر آموز

ڈاکٹر صاحب کی شاعری کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس عالم میں ایک ایسا انقلاب برپا ہو جائے کہ محکوم و مغلوب قومیں حاکم و غالب ہو جائیں اسی لیے انھوں نے اس خودی کا پیغام دیا کہ اس سے اس قسم کی آرزوؤں کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ اشعار سنیے جن کا اک اک حرف آرزوؤں اور تمناؤں سے بھرپور ہے اور اس سے اقبال کا منشا یہ ہے کہ تمام انسان حکومت و سلطنت کے آرزومند اور تمنائی ہو جاتے ہیں کہ زندگی اسی جستجو اور آرزو میں پوشیدہ ہے

؎ زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو ہنگامہ آرائے خودی
موج بیتابے ز دریائے خودی
آرزو صید مقاصد را کمند
دفتر افعال را شیرازہ بند
زندہ را نفی تمنا مردہ کرد
شعلہ را نقصان سوز افسردہ کرد
نے گرفت از نیستان آئین خویش
نغمہ زو از لذت تعیین خویش
اے ز رازِ زندگی بیگانہ خیز
از شراب مقصدے مستانہ خیز
مقصدے مثل سحر تابندۂ
ماسوا را آتش سوزندۂ
مقصدے از آسمان بالاترے
دلربائے دلستانے دلبرے
باطل دیرینہ را غارتگرے
فتنہ در جیبے سراپا محشرے
ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم
از شعاع آرزو تابندہ ایم
آرزوئے در دلِ خود زندہ دار
تا نگردد مشت خاکِ تو مزار

اسی آرزومندانہ پیغام دینے کی وجہ سے انھوں نے کہا

؎ باد صبا کی موج سے نشو و نمائے خار و خس
میرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو
خون دل و جگر سے ہے مری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

آخر میں اقبال اپنی آشفتہ سری اور آرزومندانہ پیغام دینے کا صلہ طلب کرتے ہوئے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں

؎ کہہ جاتا ہوں میں زور جنوں میں ترے اسرار
مجھکو بھی صلہ دے مری آشفتہ سری کا

ادبیات

بھول

جاوید یاد دیب

صبح کے ستارے اپنی مسافت طے کر کے جا چکے تھے، پہاڑوں کے پیچھے چھپا ہوا سورج اپنی سنہری کرنوں سے آہستہ آہستہ جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ ناصر کی جھونپڑی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ اب بھی جل رہا تھا۔

ایک طرف ٹوٹی ہوئی چٹائی پر ثریا پڑی کراہ رہی تھی، اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ ناصر نے اسکے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور کانپ گیا۔ "آج تو بہت تیز بخار ہے ثریا کو!"

ثریا نے آنکھیں کھولیں اور کراہتے ہوئے کہا "بھیا اٹھ گئے لاؤ میں چائے بنا دوں" چائے!

ناصر نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "ثریا چائے کس چیز کی بناؤ گی!"

"ہیں بھیا ہاں میں تو بھول ہی گئی، پتی بھی تو نہیں ہے اور ہاں گڑ اور دودھ؟" ناصر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو بھیا آج بھی قسمت آزمائی کیلئے جاؤ۔ دیکھو دن نکل رہا ہے شاید خدا ہماری سن لے۔ تمہیں نوکری مل جائے۔"

"نوکری قسمت میں کہاں، قسمت تو دھکوں اور ٹھوکروں سے بھری ہوئی ہے۔ سائنس میں کچھ پڑھا لکھا ہوتا اف! کتنا منحوس ہوں کہ تمہاری بیماری کیلئے دوا بھی نہیں لا سکتا باپ کی صورت بھی نہ دیکھ سکا اور نہ ہی ماں کی دعائیں لے سکا۔ بس ٹھوکریں کھانے کو اس دنیا میں تنہا رہ گیا۔"

"بھیا! قسمت کو برا نہ کہو، جاؤ اور تلاش کرو شاید ہماری ناکامیوں میں امید کی کرن داخل ہو سکے شاید ہماری قسمت کا ستارہ جگمگا جائے۔"

ثریا نوکری تو بڑوں کو ملتی ہے مجھے کوئی بھی نہیں پوچھتا سب مجھے چھوٹا سمجھ کر نکال دیتے ہیں اور جواب دیدیتے ہیں۔ خیر تم کہتی ہو تو جاتا ہوں۔ آج دیکھو قسمت کا تماشہ، تم دعا کرتی رہنا.....

ناصر نے منھ دھویا اور شہر کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ آج وہ سب سے پہلے ایک کمپنی میں پہونچا بمشکل اجازت لے کر اندر داخل ہوا، لوگ اس کے لباس کو دیکھ کر ذرا ہنس رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ منیجر ابھی سے نہیں۔ ناچار بیچارے کو وہاں انتظار کرنا پڑا۔ دوپہر کو لنچ کے بعد منیجر اپنی کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ کے کش لگانے لگا۔ ناصر نے چق اٹھائی اور اندر داخل ہو گیا۔

"کون ہے بے تو؟" منیجر نے گرج کر کہا۔

"جی م۔۔۔۔ م۔۔ میرا نام ناصر ہے"

"میں پوچھتا ہوں آیا کیوں ہے؟"

"سرکار نوکری چاہیئے۔"

"نوکری کیا کھیل ہے تیری کیا عمر ہے؟"

"جی گیارہ سال" ناصر نے بڑے بھولے انداز سے کہا

"گیارہ سال کی عمر اور کمپنی کی نوکری۔ کس نے آنے دیا تجھے۔"

"جی کسی نے نہیں۔"

اور یہ کہہ کر ناصر خود باہر نکل آیا۔ اسے یہاں امید کا کوئی جواب نہ ملا۔ اتنی دیر انتظار کرنے کے باوجود اسے مایوس ہی لوٹنا پڑا۔

اب وہ ایک موٹر کمپنی کے سامنے کھڑا حالتِ تذبذب میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک طرف دل کہہ رہا تھا کہ واپس چلا جا۔ یہاں سے بھی دھکے کھانے کو ملیں گے۔ لیکن دوسری طرف دل کہہ رہا تھا کہ پھر کوشش کر شاید امید بر آ جائے۔ آخر ڈرتے ڈرتے آہستہ آہستہ اندر داخل ہو گیا یہاں اسے کسی نے نہیں روکا۔ اس نے خیال کیا کہ شاید یہاں کے لوگ بہت شریف ہیں۔

اچانک ایک بوڑھے نے پوچھا "کہاں جائے گا۔ کس سے ملنا ہے؟"

"مجھے منیجر صاحب سے ملا دو بڑی مہربانی ہوگی۔" ناصر نے بوڑھے سے کہا۔

"جا وہ سامنے کمرہ ہے" یہ کہہ کر بوڑھا باہر کی جانب چلا گیا اور ناصر اسی کے بتائے ہوئے کمرہ میں داخل ہو گیا کمرے میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کرسی پر بیٹھا کام میں ہمہ تن مصروف تھا۔

"سلام بابو جی" ناصر نے قریب جا کر ڈرتے ڈرتے کہا

"کون؟"

"جی میں نوکری چاہتا ہوں آپکی بڑی مہربانی ہوگی اگر کچھ کام دیدیں۔"

"ابھی اتنی سی عمر میں تو کیا کام کر سکتا ہے۔"

"جی۔۔۔ جو کچھ آپ دیں گے کروں گا۔"

"اچھا" منیجر نے کچھ سوچ کر کہا۔۔۔ "موٹر کی صفائی کر سکتا ہے۔"

"جی۔۔ جی۔۔ ناصر نے فرطِ مسرت سے جواب دیا۔ جی ہاں میں کر سکتا ہوں آپ کی بڑی مہربانی۔۔۔"

اسکے بعد منیجر نے گھنٹی بجائی کوئی نوعمر شخص اندر داخل ہوا۔ "ارے ساجد تم! میں تمہیں بلانا ہی چاہتا تھا اچھا ہاں وہ موٹر کلینرز کیلئے جو آسامیاں خالی ہیں نا ان میں سے ایک جگہ اس بچے کو دے دو۔"

"یہ کام کر سکے گا؟" ساجد نے ناصر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم دیکھو اگر کام ٹھیک کرے تو رکھ لینا ورنہ جواب دیدینا۔ بہت غریب معلوم ہوتا ہے۔"

بہت اچھا۔ یہ کہہ کر ساجد ناصر کو لیکر کارخانہ میں چلا گیا

ناصر نے خدا کا شکر ادا کیا اور بڑی جگر کاوی سے کام کرنے لگا۔ وقت سے پہلے آجاتا اور ٹھیک ٹھیک موٹر کی صفائی کرتا۔ کسی کو اس نے شکایت کا موقع نہ دیا۔ باوجود کام سخت ہونے کے اس نے ہمت نہ ہاری اور پندرہ روپیہ ماہوار پر ہی اکتفا کر کے خوش ہو گیا۔

اب وہ پہلی تاریخ کا منتظر تھا۔ وہ اپنی پندرہ روپیہ کی تنخواہ کا کچھ اس طرح بجٹ روز بناتا۔ دس روپیہ گھر کے کام کاج میں صرف کر دوں گا اور پانچ روپیہ اپنی پیاری بہن ثریا کی بیماری میں لگا دوں گا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگر

انجکشن نہ لگے گا تو بیماری زور پکڑ جائے گی اور اسی خیال میں ڈوبا ہوا وہ موڑھے سے ٹیک لگا کر سو گیا۔

لیکن پہلی تاریخ آنے سے پیشتر ہی ثریّا کی طبیعت بگڑنے لگی۔ دوا کی ۔۔۔ ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی۔ مگر پیسوں کا سوال سامنے آتے ہی دونوں بھائی بہن یکلخت ہی افسردہ ہو گئے۔ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

پرسوں کیا عید ہے بھیّا؟ ثریا نے سانس پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"عید! ہاں پرسوں عید ہے۔"

"مگر غریبوں کی عید کہاں افسوس عید کیلئے کچھ بھی تو نہیں، تنخواہ کیلئے چار پانچ روز رہ گئے ہیں"

"مگر بھیّا! اگر تم اپنے مالک سے کہو تو شاید وہ پہلے دیدے تنخواہ"۔!

"ہاں کوشش کروں گا۔ اچھا تو ثریا تم اب سو جاؤ بخار تیز ہو رہا ہے"۔

اور دوسرے دن واقعی تمام ملازموں کو تنخواہ ملنے لگی، ناصر بھی پندرہ روپیہ لیکر باغ باغ ہو گیا، وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ کپڑے، دوائی، جوتا، تمام چیزیں اسکے ذہن میں گردش کرنے لگیں لیکن اس نے بہن کی دوا کو تمام چیزوں پر ترجیح دیدی۔

پیسے لیکر وہ سیدھا بازار کی طرف بھاگا۔ بھیڑ سے بچتا بچاتا وہ انگریزی دوا فروش کی دکان کے سامنے ٹھہر گیا، نسخہ نکال کر کاؤنٹر پہ دیا اور جب دوا کی قیمت ادا کرنے کیلئے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے تمام جسم کا خون نکال لیا ہو۔ اس کی جیب کٹ گئی تھی۔

افسوس! جیب کٹ گئی! ظالم تجھے کیا معلوم تھا کہ میری پیاری بہن بیمار ہے اور وہ دوا کے بغیر مر جائیگی۔۔ اگر انجکشن نہ لگایا گیا، اف سر چکرا رہا ہے۔

اور اسکے بعد وہ دواؤں اور انجکشن کا پیکٹ وہیں کاؤنٹر پر چھوڑ کر الٹے پاؤں گھر کی طرف بھاگا اپنی بہن کو۔۔ بیمار بہن کو اپنے اس حادثہ کی داستاں سنانے۔۔ یہ سمجھانے کہ وہ لٹ چکا ہے اس کی ایک ماہ کی محنت پر پانی پھر گیا ہے۔۔ اس کی ساری آرزوئیں خاک میں مل گئی ہیں۔ اور وہ اب اپنی بیمار بہن کو موت کے خوفناک غار میں گرنے سے بچانے کے قابل نہیں رہا ہے۔ کسی طرح بھی نہیں۔

وہ بے تکان چوڑی سڑکوں اور پتلی گلیوں سے ہوتا بھاگا جا رہا تھا۔ ناگاہ ایک موڑ پر اسکے کانوں میں ایک صدا پہونچی۔۔ ایک پیغام اسنے سنا۔۔ اللہ اکبر۔۔ وہ دوڑتے دوڑتے اچانک رک گیا۔ ذہن کے دریچے اچانک کھل گئے۔۔ اس صدا میں۔۔ اس پیغام میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ اسکی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔۔ وہ سوتے سوتے جیسے اچانک جاگ گیا ہو

اذان کے الفاظ اسکے کانوں میں گھومتے رہے اور وہ سوچتا رہا کہ افسوس میں اب تک کس بھول میں تھا بے طلب اس سے لیتا ہے وہ اب تک نہ جانے کتنے دروں کی خاک روٹی کے چند ٹکڑوں اور دوا کے چند قطروں کی تلاش میں چھان چکا تھا۔ ہائے۔ یہی وجہ تھی اسکی ناکامی و نامرادی کی۔

وہ اضطرابی طور پر سارے سوتے سمجھ کر جانب گیا اور ان دو جہاں کو لفظ پیدا کرنیوالے کے حضور میں سر بسجود ہو گیا۔ حالانکہ اس کا سب کچھ لٹ چکا تھا اس کی ایک ماہ کی محنت ضائع چلی گئی تھی لیکن اسکے باوجود بھی جب اس نے سجدے سے سر اٹھا کر خالق کائنات کے سامنے طلب دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے تو اسکے بے چین روح کو سکون مل گیا۔

ادبیات

شاہ جی

ڈاکٹر منظر بھاگلپوری

موضوع نیا اور اچھوتا تو نہیں۔ مگر منظر صاحب نے اسے جس دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے اس نے اس افسانہ میں جان ڈال دی ہے۔ اگر منظر صاحب نے خلوص نیت کے ساتھ اصلاح معاشرہ کے جذبہ سے یہ تلکاری کی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اجر و ثواب کے بھی مستحق ہونگے امید ہے کہ قارئین رنگ ترنگ اسے پسند فرمائیں گے۔ (ادارہ)

"بدنام کنندہ خاندان۔ !کل کا لونڈا چلا ہے مجھے شرع سمجھانے" اونہہ! میں تو روز اول سے ہی کہتا تھا کہ خاندانی عظمت و روایت کے خلاف بچوں کو فرنگیوں کی سی تعلیم دلانا اپنے کو رسوا اور ذلیل کرنا ہے۔ غضب خدا کا! مجھے فلسفہ سائنس تلقین کرتا ہے۔ جس بات کا خدشہ تھا آج وہ ہو کر رہا خدا کی مار۔ !اس مردود ازلی پر، خدا کی قسم !اس راندۂ درگاہ کے ساتھ آمنہ کی شادی ہرگز نہیں ہو سکتی، میں کہتا ہوں کبھی نہیں ہو سکتی۔" یہ وہ الفاظ تھے جن کو شاہ جی نے کانپتے اور لرزتے ہوئے ہونٹوں سے ادا کیا۔

اپنے قرب و جوار بلکہ دور، دور شاہ فریدالدین کا باعتبار تمول بہت کافی اثر و اقتدار تھا شاہ جی کے متصل غلامان معتقد تمندوں کا ہمہ وقت ایک ہجوم رہتا تھا۔ جو ان کی ہر بات کو آمنّا و صدقنا کہنے کے عادی تھے۔ ان معتقد تمندوں میں ایک صاحب اور تھے جو شاہ جی کے بہت گہرے دوست تھے۔ !حمید خاں صاحب انجینئر، مگر متین، سنجیدہ اور معاملہ کے ہر پہلو پر غائرانہ نظر ڈالنے والے تھے۔ شاہ جی کو غضبناک دیکھ کر وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد شاہ جی، خاں صاحب سے مخاطب ہوئے

"خاں صاحب! آج میں نے ایک خاص ضرورت کے تحت آپ کو تکلیف دی ہے"

"فرمائیے! میں آپ کی ہر خدمت کو ہمہ تن تیار ہوں" خاں صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"لڑکی کا معاملہ ہے۔ جیسی میری لڑکی ویسی آپ کی"۔ شاہ جی بولے۔" اس نازک اور اہم مسئلہ میں جو گتھیاں پڑ گئی ہیں، خدارا اپنے ناخن تدبیر سے ان کو سلجھایئے مجھکو کوئی صحیح اور صائب مشورہ عنایت فرمایئے۔"

"میں سمجھا نہیں۔ ذرا صاف صاف بتایئے۔" خاں صاحب نے وضاحت چاہی۔

بھئی، بتانا کیا ہے۔ آپ کو بدبخت دنا ہنجار کلیم کے خیالات کا علم تو بخوبی ہو گیا ہوگا۔ جب وہ علیگڑھ سے

بی۔ اے پڑھ کر آیا ہے ناک میں دم کر دیا ہے۔ خاندانی بزرگوں کے دستور و روایات سے بالکل منحرف ہو گیا ہے وہ روسیاہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ مزار اقدس پر کوئی شخص نہ جائے اور نہ اس پر پھولوں سے مرصع عطر بیز چادریں چڑھائی جائیں۔ اس خاندان کے بزرگ کو کوئی نذرانہ یا تحفہ نہ دے۔ اب بتائیے کیا میں اس عمر میں دوسروں کی غلامی کر کے اپنے اہل و عیال کی پرورش کروں، در در مارا پھروں اور اپنے بزرگوں کی گدی کو خیر باد کہدوں؟ اب آپ ہی فرمائیے خانصاحب! ایسی نازک حالت میں اگر میں اپنی نور نظر آمنہ کو غیر کفو میں بیاہ دوں تو میں لائق الزام و ملامت تو نہیں! شاہ جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ کلیم کہاں ہے ذرا اسے تو بلوائیے"۔ خان صاحب نے کہا۔

اچھی بات ہے۔ ابھی بلواتا ہوں۔ یہ کہکر شاہ جی نے ایک ملازم کو آواز سے پکارتے ہوئے کہا۔

"کلیم کو باہر بھیج دو"۔

تھوڑی دیر بعد کلیم زیر لب مسکراتا ہوا مردانہ میں داخل ہوا۔ اور بلا کسی تصنع کے اپنے بزرگ چچا شاہ جی اور خاں صاحب کو مودبانہ سلام عرض کیا اور مسند کے ایک طرف باادب بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی شاہ جی کا جلال پھر عود کر آیا

"کیا خاندانی روایات پر عمل درآمد جہل و نادانی کے مترادف ہے۔؟ اپنے خاندان کے خلاف کیا کیا ہے۔؟ جو اس کل کے چھوکرے کو مجھ سے دلی عداوت ہو گئی ہے توکل علی اللہ کی تلقین اگر کوئی جرم و گناہ ہے تو واقعی میں مجرم ہوں بلکہ لائق سزا ہوں۔! میں نے کلیم سے یہی تو کہا تھا۔ بیٹا! اپنے بزرگوں کا طریقہ اختیار کرو۔ دہریت چھوڑ دو۔ بی اے کر لینے سے کیا ہوتا ہے۔ اپنے بزرگوں کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو۔ ان کے اصول پر عمل کرو خانقاہ کی آمدنی پر توکل اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ابھی شاہ جی بات پوری کرنے نہ پائے تھے کہ خان صاحب نے قطع کلام کرتے ہوئے کلیم کو مخاطب کیا۔

"کیوں میاں کلیم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی خاندانی روایات کو ٹھوکروں کی زینت بنائے ہوئے ہو۔؟"

معاف فرمائیں! میرے خیالات تو ایسے نہیں۔ کلیم قدرے سنجیدگی سے بولا واللہ عالم چچا صاحب نے یہ کیسے رائے قائم کر لی۔؟"

"لو اور سنو! چھوکرے اس سفید ریش والے متقی انسان کو جھوٹا قرار دیتا ہے میں تیرے چکموں میں ہرگز نہ آؤں گا۔ ہاں تو ہی ہے جس نے مجھ غریب کو بھیک مانگنے والے فقیر سے بدتر کہا تھا۔ تو نے مجھے میرے مجمع میں عام خوشامدی کہا۔ نابکار کہیں کا۔ خدا تجھے غارت کرے"! کہتے کہتے شاہ جی کی آواز شدت غیظ و غضب سے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔!

مجھے افسوس ہے۔! کلیم نے کہا۔ آپ کے گندے اور رکیک خیالات کا ہرگز جواب نہیں دوں گا۔

"یاد رکھ چھوکرے میں کسی قیمت پر بھی اپنی لڑکی تیرے عقد میں دینے کو تیار نہیں۔" شاہ جی کرخت لہجہ میں بولے

"قبلہ محترم! میں اس وقت آپ سے لڑکی طلب کرنے نہیں آیا ہوں۔ آپ اس قدر خشمگیں اور غضب آلود کیوں ہو رہے ہیں؟ کلیم نے سنجیدگی سے کہا آپ کی یہ حکایات قطعی میرے ارادہ اور خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتی میرے اصلاحی خیالات و ارادے ہمالیہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہیں۔ میں ان مزار پرستی کی کورانہ رسم کو ختم کر کے رہوں گا اور ان دنیا ساز پیروں کا قلع قمع کر کے

ہوں گا۔ جو جا بجا خانقاہوں کی صورت میں قائم کر رکھے ہیں۔ یقین مانئیے کلیم ان گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والا یا متاثر ہونے والا نہیں۔! میرا ایمان محض خدا کی رضا جوئی ہے۔ ان مزاروں اور قبروں پر نہیں۔ اور نہ ان دنیا ساز پیروں پر۔! جو عوام کو بارگاہ صمدیت سے ہٹا کر اپنے قدموں پر سر جھکانے کی تلقین کرتے ہیں۔ جو پیشانی خدائے واحد کے آگے جھکنی چاہیئے تھی وہی اب ان دنیا ساز پیروں کے پائے نجس پر جھکتی ہے۔ یہ گرگے عوام کی سادگی اور لاعلمی بلکہ جہالت سے استفادہ کرنے والے رنگیلے سیار، دریدہ بزرگی، ملت کی بہو بیٹیوں کی عصمتوں سے کھیلتے ہوئے خوف خدا نہیں کرتے! میرے مضبوط اور پہاڑ کی طرح مضبوط اعتقاد ہیں۔ جنس لطیف کی اسکے نزدیک کوئی وقعت نہیں۔!

آپ کیا سمجھتے ہیں۔؟ آمنہ درحقیقت میری نصف زندگی ہے، پھر بھی اسکے لیے میں اپنے ایمان اور مقصد سے منحرف نہیں ہو سکتا ہے۔ آہ! مجھے بہت پہلے سے علم تھا کہ آپ آمنہ کی دھمکی ایک نہ ایک دن ضرور دیں گے!"

"بدبخت چھوکرے! شاہ جی گرج اٹھے۔" جا دور ہو جا میرے سامنے سے۔ اپنا منہ کالا کر۔! میں صابر و شاکر ہوں۔ خدا تجھ سے بدلہ لیگا۔ اور ضرور لیگا۔"

"بدلہ کیسا۔؟ میں نے کوئی دل آزار پہلو آپ کی زندگی پر تنقید کیلئے وقف نہیں کیا ہے۔ بلکہ اظہر من الشمس واقعات کو منظر عام پر لایا ہوں۔ اور یہ حقیقت ہے۔ میرا اعتقاد و عقیدہ ہے کہ میں ملت کی اصلاح کر کے دوسرے عالم میں غازی کہلانے کا مستحق ہوں گا۔ ناسمجھ اور کم عقل عورتوں کو مزار پرستی کی لعنت اور دنیا ساز پیروں کی ہولناک ہتھکنڈوں سے محفوظ رہنے کی ہدایت کروں گا۔ مجھے کسی فرد واحد سے بغض و عناد نہیں اصلاح رسوم میں اپنا شریفانہ فرض سمجھتا ہوں۔ تاکہ جو کچھ خرابیاں ہماری قوم میں ہوں ان کو جلد از جلد دور کر دیا جائے۔ اور ہماری آئندہ نسلوں میں اس قسم کے جراثیم نہ پیدا ہو سکیں اس راہ میں جس قدر ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑے گا ان سب کو اپنی کامیابی سمجھوں گا۔ کسی مقصد کے حصول میں عزیز ترین شے کی قربانی بھی جائز ہے آپکا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ مجھے آمنہ سے بے حد انس ہے لیکن رب العزت کو میرا امتحان منظور ہے تو آپ یاد رکھئے کہ میں اس راہ میں بھی کامیاب و سرخرو ہوں گا۔"

محترم! چچا! کلیم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، کسی چیز کی طلب انسان کو اندھا اور بہرا کر دیا کرتی ہے میرے لئے تو یہ راہ بہت ہی خاردار ہے۔ بقول حافظ ؎

در رہ منزل لیلےٰ کہ خطراست بجاں
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

"سنیئے! اور سنئے! میری باعصمت اور پاکباز لڑکی آمنہ کی آبرو کا خواہاں ہے، آمنہ اور اس ملحد چھوکرے سے انس۔ آہ! مرجانے کی بات ہے۔ ایسی بے حیائی اور بے شرمی کی حرکتیں۔! اے خدا یہ آسمان کیوں قائم ہے۔ آہ! یہ زمین کیوں نہیں شق ہو جاتی۔ تو بہ میرے اللہ۔! کیا قیامت ہے۔!" یہ کہتے کہتے شاہ جی کی آواز بھرا گئی۔!

خانصاحب تو بظاہر اپنے کندہ ناتراش دوست شاہ جی کے طرفدار تھے، مگر دل سے کلیم کے خیالات و جرأت کے مداح تھے۔ وہ اس منظر کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے

"میرے نزدیک کلیم کی یہ باتیں لائق اعتبار نہیں ابھی شباب اور جوانی کا عالم ہے۔ اس سن کی گفتگو کبھی لائق التفات نہیں ہوتی۔" خان صاحب ناصحانہ انداز میں بولے اس عالم میں انسان کی رائے غیر مستقل ہوتی ہے۔ بہرحال کلیم پھر بھی آپ کا بھتیجا ہے وہ کبھی خاندانی روایات کے خلاف

کوئی عمل نہیں کرے گا۔ آپ کو کلیم کی جانب سے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ابھی اس کی جوانی ہے اس عالم میں قوائے جسمانی کمال پر ہوتے ہیں۔ طبیعت کے جوش اور قلت سے عقل دب رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ آدمی اس زمانہ میں شورش پسند اور سرکش ہوتا ہے۔ جوانی کے رخصت ہوتے ہی شورش پسندی اور بے استقلالی بھی جاتی رہتی ہے۔ کلیم پھر بھی آپ کا خون ہے آپ کے مرحوم بھائی کی اولاد گویا آپ کی اولاد ہے۔ وہ آپ کے سایہ کا ہر طرح مستحق ہے۔"

"جو کچھ آپ نے فرمایا۔ بجا اور درست ہے۔ مگر کیا میں اپنی جگر گوشہ کو ایسے انسان نما حیوان کے سپرد کردوں جو اخلاق و مروت اور تہذیب شائستگی سے کوسوں دور ہے۔ شاہ جی چیں بچیں ہو کر بولے

"بالکل سچ ہے۔! مگر میں فیصلہ کردوں۔ اس معاملہ میں خود آمنہ کا منشا کس طرح معلوم کر لینا چاہیئے اگر واقعی وہ راضی ہے تو پھر مصلحتوں کو خیرباد کہیئے اور بسم اللہ کر کے نکاح کر دیجیئے بس!" خانصاحب نے مشورہ دیا۔

"توبہ توبہ! استغفر اللہ۔ لاحول ولاقوۃ۔!" شاہ جی بولے "ہمارے یہاں شریفوں میں یہ آئین و دستور نہیں، خانصاحب نا۔ یہ نیا کام ہرگز نہیں ہوگا۔!"

"رسم و رواج دکھلانے کی چیزیں ہیں۔ آپ اس معاملہ کو خفیہ طے کیجیے۔" خانصاحب نے صلاح دی۔

"نہیں صاحب یہ نہیں ہو سکتا۔ لاحول ولا۔! ہمارے اسلاف کی ناک کٹ جائے گی۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آمنہ کو کلیم کے نام سے انتہائی نفرت ہے۔ بلکہ اس کے نام سے بیزار ہے۔ میں صاف کہدیتا ہوں کہ آمنہ کی شادی جلد از جلد کرنے والا ہوں"۔ شاہ جی قدرے توقف سے بولے "میرے خاندان میں ایک خوبصورت نوجوان ہے جو شیدائے اسلام اور روایات خاندانی کا انتہائی پابند ہے۔ بفضلہ تعالیٰ عالم دین ہے۔ میں اس کو پسند کر چکا ہوں، اس میں وہ تمام جوہر موجود ہے جو صحیح معنوں میں میرا حقیقی جانشیں ہو سکتا ہے وہ بہت ہی ہونہار اور سعید لڑکا ہے۔ گذشتہ عرس میں کلکتہ کے سیٹھ غلام علی اسکے اخلاق، تواضع اور ملنساری سے بہت خوش ہوئے اور اسکو بہت سے تحائف دیئے خانصاحب بتلائیے۔ بتلائیے اس لڑکے کے اس عمل سے میرا جی خوش ہوا نہیں۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں آمنہ کی شادی کروں گا تو اسی سے کروں گا مگر اس محمد کلیم سے ہرگز نہیں!"

"کلیم! تم یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمہارے چچا کے خیالات کی تائید کی ہے۔ بلکہ مصلحت وقت یہی تھی خدا نے تم کو بہت عجیب و غریب خیالات عطا کئے ہیں۔ یقیناً تم ملت اسلامیہ کی اصلاح کر سکو گے اور تم ہی وہ فرد ہو گے جس کا نام آئندہ تاریخ میں یادگار رہے گا۔!"

"مرحبا! تم وہ کام کرنے جا رہے ہو۔ جو ہر شخص نہیں کر سکتا۔ سوسائٹی اور رسم و رواج کی جکڑ بندیاں ایسی ہیں جن سے اپنا پیچھا چھڑانا ممکن نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اور میں ان دقتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ جو تمہاری راہ میں حائل ہوں گی۔ لیکن تم کو اپنے ارادوں سے ہٹنا نہیں چاہیے سمجھ لو، جو آج تم کو برا کہتے ہیں کل وہی سب کے سب تمہارے مطیع اور فرماں بردار ہوں گے۔ ہر شخص تمہارا شیدا و گرویدہ ہو جائے گا۔ ہاں! کلیم ان غلط رسموں کا قلع قمع کرنا انتہائی ضروری ہے اور خاص کر تلک اور جہیز کی لعنت جو آج تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے ان بد عادات و اطوار سے جاہلانہ اور مہلک رسومات کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا کر ڈالو۔ اپنی جماعت کے نوجوانوں کو اپنا ہم خیال بناؤ۔! میں تمہارے خیالات معلوم کر کے

"بخدا بہت خوش ہوں گے!" خاں صاحب کلیم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولے

شاہ فریدالدین جس نوجوان سے آمنہ کا دامن زینت الجھانا چاہتے تھے وہ انتہائی کندہ ناتراش، اوباش طبع سوسائٹی کا بدترین مجرم اور ہر فعل قبیح کا ماہر بلکہ کھلے فزانے مردِ میدان تھا۔ ہاں البتہ تصوف اور توکل علی اللہ کی اعلیٰ منازل طے کرنے کے لئے جس زینے کی ضرورت ہوتی ہے اس کی ظاہری خصوصیات اس نوجوان میں پوری طرح موجود تھیں ابھی عنفوان شباب تھا۔ آغاز سبزہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔

نوجوان سلیمان کو یوں تو تمام کھیلوں اور تماشوں سے دل چسپی تھی مگر اس کا مرغوب الطبع تفریح ترپ کا پتا تھا جس میں علاوہ درگاہ کی آمدنی کے روزانہ دو پیہ دو روپیہ بلکہ دس پانچ جیتنا رہتا تھا۔ وہ اس کھیل میں بہت ماہر تھا لیکن جب وہ شاہ جی کے حضور میں حاضر ہوتا تو یہ گریہ مسکین بنا رہتا تھا اور ہماری دستکاری سے شاہ جی کے دل و دماغ پر چھاتا جا رہا تھا کیوں کہ اس کو کلیم اور شاہ جی کے مابین جو اختلاف کی خلیج حائل ہو گئی تھی اس سے فائدہ اٹھانے کا غنیمت موقع مل گیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ اسے شاہ جی کے خیالات کا علم ہو چکا تھا، اسلئے وہ اپنا زیادہ تر وقت خانقاہ ہی میں گذارتا تھا۔

ایک روز ــــــ!

شاہ جی اپنے عقیدت مندوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ دو برقعہ پوش عورتیں سامنے سے آتی ہوئی نظر آئیں شاہ جی نے اپنے عقیدت مندوں کو ایک طرف ہو جانے کا اشارہ کیا اور خود اٹھ کر اپنے حجرہ میں جا بیٹھے۔ چند ساعت کے بعد ملازم نے آکر باادب کہا۔

"حضور! پردہ نشین آئی ہیں"۔

"بھیج دو ــ!" شاہ جی نے باندازِ تحکمانہ کہا

ملازم کے جاتے ہی دو برقعہ پوش خواتین شاہ جی کے حجرہ میں داخل ہوئیں۔ ان میں سے ایک نے برقعہ کی نقاب اٹھا رکھی تھی۔ قدرے شکل و صورت میں بھی اچھی تھی بھرا بدن گورا رنگ اور تقریباً پچیس[25] چھبیس[26] کا سن تھا۔ جھٹ آگے بڑھ کر شاہ جی کے قدموں پر سجدہ کیا۔ شاہ جی نے دعائیں دیں۔ لیکن دوسری بدستور کھڑی رہی شاہ جی نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"زلیخا یہ کون ہے؟"

"حضور! یہ میرے دور کے رشتہ کی بہن ہے"۔ زلیخا نے کہا۔

"ہوں ــ! بیٹھ جاؤ زلیخا اور تم بھی بیٹھ جاؤ" شاہ جی اپنی دو بالشتی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے ہاں! تو کیسے آنا ہوا زلیخا؟

"یہ بے چاری بہت پریشان ہے"۔ زلیخا بولی۔ شادی کو چار برس ہو گئے۔ مگر غریب کی گود ابھی تک ہری نہیں ہوئی۔ اور آج آپ کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئی ہوں۔ حضور کوئی ایسی ترکیب کیجئے کہ"

"ہاں۔ ہاں! ضرور ــ اللہ نے چاہا تو مراد ضرور پوری ہوگی" شاہ جی بولے "مجھے تخلیہ چاہیئے۔ تاکہ میں کچھ اس نیک دل خاتون کی نسبت معلوم کر سکوں۔ تم تھوڑی دیر کیلئے حویلی میں چلی جاؤ"۔

شاہ جی کا حکم سنتے ہی زلیخا زیرِ لب مسکرائی اور اٹھ کر اندر حویلی میں جانے لگی تو اسکے ساتھ والی بھی اٹھ کے کھڑی ہوئی۔

(باقی آئندہ)

بزم مستورات

سادگی کی تعلیم

انجم سعید

"ارے بہن نسرین۔ خیریت تو ہے مزاج کیسے ہیں آج ہفتوں کے بعد نظر آ رہی ہو۔"

"کیا بتاؤں نرگس۔ خدا کا شکر ہے میں تو بالکل ٹھیک ہوں تمہارے بہنوئی صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ہے۔ انہیں کی طرف سے ہر وقت فکر رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھر سے باہر نکلنا نہیں ہوتا۔ آجکل ذمہ داریاں بڑھی ہوئی ہیں۔"

نرگس: "ارے بہن یہ تو بتاؤ کہ بھائی صاحب کو کیا شکایت ہے اور کب سے ہے؟"

نسرین: "ڈاکٹروں نے دل کی کمزوری تجویز کی ہے آرام کرنے کو بتایا ہے ایک سال ہونے کو آیا۔"

نرگس: "ارے بھئی تو انکو گھر میں آرام کرنے دو خدا پر بھروسہ رکھو انشاءاللہ صحت ہو جائے گی تم تو باہر نکلا کرو یا پھر ڈاکٹر نے تمہیں بھی گھر سے باہر نکلنے کو منع کر دیا نہ تم راحت میاں کی شادی میں نظر آئیں اور نہ انجم کی شادی میں نظر آئیں یہ بھی کیا؟"

نسرین: "ڈاکٹر نے تو مجھے منع نہیں کیا ہے مگر..."

نرگس: "ہاں مگر کیا؟ بات کو صاف کرتی چلو مگر کہہ کے خاموش ہو گئیں مجھے تو الجھن ہو گئی۔"

نسرین: "بات کچھ بھی نہیں ہے رہ گیا تقریبات میں شرکت نہ کرنا تو میرے ایک شریک نہ ہونے سے کسی کی محفل کی رونق کم نہیں ہوتی بلکہ میری شرکت سے اس کی بے رونقی ہوتی ہے"

نرگس: "آج یہ تم کچھ عجیب معموں میں باتیں کر رہی ہو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بات ہے؟ اور ہاں یہ بات تو میں نے سنا تھا کہ تمہاری نند کی خالہ زاد بہن کی شادی میں شاید تم سے اور کسی سے کچھ ان بن ہو گئی تھی۔"

نسرین: "ان بن تو نہیں ہوئی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ میں نے رسالہ "رنگ منگ" میں ایک یونیفارم کی تجویز پڑھی تھی اور اسی پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک ہلکے بلو رنگ کی قمیض پوری آستین کی اور سفید لٹھے کی شلوار اور سفید دوپٹہ اور کانوں میں موتیوں کے خوبصورت بندے ہاتھوں میں ایک کڑے موتیوں والے پہنے ہوئے چلی گئی۔ بس غضب ہو گیا۔ سب سے پہلے ہماری خلیہ ساس نے طرح کی۔ بولیں لو انھیں دیکھو یہ کیا ہو گیا؟ کیا خدانخواستہ میرے بچے کو کچھ ہو گیا ہے جو تم اس لباس میں آئی ہو کیا میری ناک کٹواؤ گی یا میری بہن کی عزت اتروانے آئی ہو۔ اللہ رکھے کیا تمہارے پاس زیور نہیں رہا اور کیا تمہارے پاس موجودہ فیشن کے

"مطابق کپڑے نہیں ہیں ساڑیاں نہیں ہیں کہ کیا نہیں ہے؟ چنانچہ میں نے خالہ جان کی ساری ڈانٹ کو خاموشی سے سنا اور پھر نہایت نرم لہجہ میں کہا۔" خالہ جان! اللہ کا دیا جو کچھ بھی ہے وہ آپ لوگوں کے سامنے ہے اور یہ لباس جو میں پہن کر آئی ہوں اس سے کسی قسم کی عریانیت نظر آرہی ہے یا پھر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی ہوتی ہوتی ہے تو کیک میں نے برا کیا اور اگر میرے اس لباس سے اور میری اس سادگی سے اللہ و رسولؐ کے حکم کی پابندی ہوتی ہو تو میں اپنی دوسری بہنوں کیلئے ایک مثال قائم کرنا چاہتی ہوں۔ بس بہن میرا اتنا جواب دینا تھا کہ ہر طرف۔۔ ایک شور برپا ہوگیا کہ ایک ملانی صاحبہ آئی ہیں آپ لوگ ان کا وعظ سن لیجئے اب تو میں جس طرف گئی مجھے ملانی کہہ کر مخاطب کیا گیا۔ اور ہر بات پر یہی الفاظ سننے کو ملے دیکھو بھئی کہیں یہ کام اللہ و رسولؐ کی حکم عدولی میں شامل نہ ہو جائے شام تک یہی سلسلہ جاری رہا اور میں شام کو بغیر کھانا کھائے اپنے گھر آگئی دل بہت زیادہ رنجیدہ تھا تمہارے بھائی صاحب آئے تو انھوں نے بھی مجھ سے پوچھا کہ آج خالہ کے یہاں کون ملانی آئی تھیں۔ ان کے پوچھتے ہی بس لو رو دی تمہاری بھائی نے حیران ہو کر میرے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے ان سے ساری داستان کہہ دی میری سرگذشت سننے کے بعد میرے اس اقدام سے بہت خوش ہوئے اور پھر مجھے منع کر دیا کہ اب وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس دن سے میں نے بھی یہ طے کر لیا ہے کہ جب تک میں اپنی جیسی بیس لڑکیاں اور نہیں بنالوں گی اس وقت تک کسی عزیز کی شادی میں شرکت نہیں کروں گی۔

نرگس۔ تو آؤ ہاتھ ملاؤ آج سے میں بھی تمہاری ہم خیال ہوں اور دیکھو انشاء اللہ بہت جلد کسی بھی ایک تقریب میں ہم بیس پچیس ہمجولیاں بالکل ہی سادہ پوشاک اور پھولوں کے دیئے ہوئے میک اپ کے ساتھ نظر آئیں گی۔ پھر یہی چیز فیشن کے نام سے مروج ہو جائے گی اور سب کے لئے ہر تقریب میں جانا اتنا ہی آسان ہو جائے گا جس طرح مردوں کو اذان سن کر مسجد میں جانا آسان ہے کہ ہر شاہ و گدا بہترین لباس والا اور معمولی لباس والا برابر برابر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی کسی کو منہ لگاتا ہے اور نہ کوئی کسی کا مذاق اڑاتا ہے۔ یہی اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

شمیم قاسمی کو صدمہ

احباب و مخلصین کو یہ معلوم کر کے یقینا قلق ہوگا کہ رنگ سنگ کے پرانے کرم فرما اور معاون جناب شمیم قاسمی کی چھوٹی بہن عزیزہ فاطمہ کا جبکہ ۲۴ اپریل کو انتقال ہوگیا۔ ادارہ قاسمی صاحب کے اس غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ وہ مرحومہ کو اپنی رحمت سے نوازے اور سوگوار والدین و اعزا کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے (آمین)

بزم مستورات

خوشگوار تعلقات

اختر بانو

محترمہ اختر بانو کے اس مفید مضمون کی پہلی قسط رنگ ترنگ کے پچھلے شمارہ میں شائع کی گئی تو حسب توقع اسے پسند کیا گیا۔ دوسری اور آخری قسط اب حاضر کرتے ہوئے ہم اپنی اس دعا کا اعادہ کرتے ہیں کہ خدا ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو ان مشوروں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ادارہ)

شادی کے بعد زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے نیا ماحول نئے لوگ۔ مختلف مزاجوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ان مزاجوں کو سمجھنے اور اپنانے کیلئے بڑی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے نو عمری میں سب کی مزاج شناسی بہت مشکل نظر آتی ہے۔ کم لڑکیاں میکے و سسرال کے ماحول کے فرق سے گھبرا جاتی ہیں اور ان کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ جذبات سرد ہو جاتے ہیں خوشگوار تعلقات قائم رکھنا ان کے لئے بہت دشوار ہو جاتا ہے مایوسی کی اس حالت میں پھر وہ غلط رویہ اختیار کر لیتی ہیں۔

اب دوسری طرف ساس کے جذبات کو سمجھئے۔ وہ بھی بڑے ارمانوں کے ساتھ بہو کو لاتی ہے اس کی وجہ سے اسکے گھر کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔ وہ اس خوشی میں اپنے دکھ درد سب بھول جاتی ہے۔ وہ بہو کو اپنے بڑھاپے کا سہارا سمجھتی ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا محسوس کرتی ہے چونکہ وہ بھی کبھی بہو رہ چکی ہے اسلئے بہو کے جذبات سے بخوبی واقف ہوتی ہے۔ اسکی اتنی عمر کے مشاہدات و تجربات اس میں بردباری و قوت ارادی کو مضبوط کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی اولاد سے زیادہ اس کا خیال رکھتی ہے اسکی ہر غلطی کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ یہ سمجھ کر کہ میری بیٹی سے بھی غلطی ہو جاتی ہے اور سب ہی سے غلطیاں ہوتی ہیں لیکن اسکے ساتھ وہ اپنا وقار قائم رکھنا چاہتی ہے اپنا مقام سمجھتی ہے اپنی حکومت اپنا نظام چاہتی ہے۔ اپنی نگرانی و مشورے کو ضروری سمجھتی ہے۔

آیئے اب نا خوشگوار اختلافات کی وجوہات پر غور کریں

۱۔ آپ جانتی ہیں کہ شادی کے ابتدائی زمانہ میں جو جذبات ایک دوسرے کیلئے ہوتے ہیں عام طور سے کچھ عرصہ بعد اس میں کمی آجاتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں ہر شخص اپنی خامیاں چھپا کر خوبیوں ہی کو روشن کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہر شخص میں خامیاں و خوبیاں دونوں ہی چیزیں ہوتی ہیں کچھ ہی دن ساتھ رہنے کے بعد ان کے

مزاج کی تلخی بھی سامنے آجاتی ہے اور دوسری خامیاں بھی نظر آتی ہیں۔

۲۔ ماحول کا فرق۔ ایک لڑکی نے ایسے ماحول میں پرورش پائی ہے جہاں اسکی ہر بات پوری کی جاتی رہی۔ اس کی ہر غلطی ہر ضد۔ ہر الجھن دکھاوٹ کو نظر انداز کیا جاتا رہا اور کبھی تنبیہہ نہیں کی گئی۔ ہر وقت خوشامدانہ لہجہ اختیار کیا گیا۔ ناراض ہونا تو درکنار کبھی کسی سے زور سے بولنا بھی گوارا نہ کیا گھر کا ہر فرد اسکو سر آنکھوں پر بٹھاتا رہا دن و رات اسکی ناز برداریاں ہوتی رہیں۔ کسی قسم کی برداشت کی عادت نہیں ڈالی گئی وہ ہمیشہ اپنی مرضی کا کام کرتی رہی دوسروں کا حکم ماننا اس نے سیکھا ہی نہیں۔ وہ لڑکی اپنی سسرال جا کر کس طرح خوش رہ سکتی ہے۔

اگر ساس کا مزاج اسکی ماں کے مزاج سے بالکل مختلف ہے اس کا لہجہ حاکمانہ ہے وہ چاہتی ہے کہ میری بہو ہر بات میں میرا کہنا مانے میری مرضی پر چلے جو بات میں ایک دفعہ کہہ دوں اسی کے مطابق کام ہو۔ اس کا ظاہر و باطن ایک ہو وہ منہ پر تعریف اور پیٹھ پیچھے برائی نہ کرتی ہو بلکہ ایک حد کے اندر جائز تعریف کی قائل ہو اس ماحول میں وہ بہو خوش نہیں رہے گی۔ وہ تو وہی ناز برداریاں تلاش کرے گی اپنی بات بالا رکھنے کی کوشش کرے گی دوسروں کو اپنے حکم کا غلام بنانا چاہے گی! ادھر منہ سے بات نکلے اور ادھر پوری ہو جائے اگر اسکی خواہشات پوری نہ ہوں گی تو وہ سمجھے گی کہ اس گھر میں میری کوئی عزت نہیں۔ مجھ سے کسی کو ہمدردی نہیں سوائے شوہر کے میرا کوئی رفیق نہیں پھر وہ ذرا ذرا سی بات پر منہ بنائے گی۔ ناراض رہے گی۔ خوش نہ رہ کر وہ دوسروں کو بھی مغموم رکھے گی۔ اور اپنی صحت برباد کرے گی۔

۳۔ تیسری اور سب سے بڑی وجہ اختلاف کی ساس کی شکایت اس کے بیٹے سے کر کے آپس میں نفاق پیدا کرنا۔ جسکی وجہ سے سارے گھر کا سکون برباد ہوتا ہے اور گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اگر بیٹا عقلمند ہے مضبوط ارادہ اور اعلیٰ شخصیت کا مالک ہے ہر ایک کے مقام کو سمجھتا اور اسکے مطابق ذمہ داریوں کو ادا کرتا ہے تو وہ بیوی کیلئے قوام اور ماں کیلئے خادم ثابت ہوگا اور کبھی بیوی کو جرات ہی نہیں ہوگی کہ وہ اسکی ماں کی برائی اسکے سامنے کر سکے۔ ماں کی عظمت کو پہچاننے والا اور اسکے حقوق ادا کرنے والا بیٹا کبھی اپنی بیوی سے خوش نہیں رہ سکتا جو اسکی ماں سے رنجیدہ اور بیزار رہے۔ وہ ماں کے جذبات کو سمجھتا ہے اور اسکی قدر کرتا ہے کہ کس طرح میری ماں نے میری خاطر رات کی نیند اور دن کا چین حرام کیا میری گھڑی بھر کی جدائی اس کو ناگوار ہے وہ جانتا ہے کہ اولاد ماں کیلئے سب سے بڑی متاع ہے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز جسکی خاطر وہ سب کچھ برداشت کر سکتی ہے اسکی بے رخی سے اسکی دنیا اندھیری ہو جاتی ہے جذبات مجروح ہو جاتے اس کرب و بے چینی سے دماغ ماؤف اور سکون برباد ہو جاتا ہے وہ خوددار ماں اپنے دل کا حال کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی وہ گھٹتی ہے اور گھٹ کر رہ جاتی ہے۔

آئیے اب اس مشکل مسئلہ کا حل تلاش کریں۔

دراصل اگر ہر شخص اپنے مقام کو پہچانے۔ دوسروں کے جذبات کا خیال رکھے خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزارے تو وہ اپنے اعلیٰ کردار کی بنا پر دنیا کی نظروں میں اور خدا کی نظر میں سرخرو بن سکتا ہے۔ یہ اعلیٰ کردار کیا ہیں؟ اسکے لئے ہم کو بڑے صبر و ضبط و قوت برداشت کی ضرورت ہے۔ جہاں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور ہمارے دشمن شیطان نے اپنا وار کیا۔

چونکہ بچپن کی عادتیں پختہ ہوجاتی ہیں اور ان کا چھوٹنا بہت مشکل ہوتا ہے اسلئے لڑکی کی تربیت شروع ہی سے اس طرح کرنا چاہیئے کہ اسکی آئندہ زندگی خوشگوار گذرے اسکو حقوق اللہ و حقوق العباد کے ساتھ آداب زندگی بھی بتاتے جائیں۔ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا۔ پہننا اوڑھنا ملنا جلنا ۔دستکاری۔ کھانا پکانا اور دیگر ضروری امور خانہ داری کا سلیقہ۔ گفتگو کا ڈھنگ۔ ظاہر و باطن کا فرق خوشگوار تعلقات کے طریقے ہروقت خوش رہ کر دوسروں کو خوش رکھنا اور خدا کا شکر گذار بندہ بننا ان صفات سے متصف لڑکی جب اپنی سسرال آتی ہے اور اپنے شوہر کو بھی اپنا ہم خیال پاتی ہے تو بہت خوش ہوتی ہے وہ شوہر کو اپنے ماں و باپ کا فرمانبردار۔ بہن بھائی کا غمگسار دیکھتی ہے اور سمجھتی ہے کہ جو میرے والدین کے حقوق اللہ تعالیٰ نے متعین کئے ہیں وہی شوہر کے والدین کے حقوق ہیں۔ اگر کوئی میری ماں کی برائی میرے سامنے کر رہا ہے تو میں برداشت نہیں کر سکوں گی اسی طرح میرا شوہر بھی اپنی ماں کی برائی سنکر رنجیدہ ہوگا اور خدا بھی ناراض ہوگا کیونکہ یہ غیبت ہوگی شوہر کی محبت اس کو ہر قربانی پر آمادہ کرتی ہے وہ کڑوے گھونٹ شہد سمجھ کر پی جاتی ہے اور خدمت سے عظمت حاصل کرتی ہے ساس کے دل میں اس کا ایک مقام پیدا ہوجاتا ہے۔ ساس کو اس سے بڑی قربانی دینا ہوگی اپنے موقف میں تبدیلی کرنا ہوگی اپنے غم و غصہ پر قابو حاصل کرنا اپنے لہجہ کو بدلنا۔ محبت و شفقت و دل سوزی سے غلطی کو سمجھا کر اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دینا ہوگا۔ بہو کی بہت سی غلطیاں نظر انداز کرنا اور ہر معاملہ میں دخل انداز ہونا ساس کیلئے بہتری کا باعث ہوگا۔ اس جگہ ساس کا بھی امتحان ہوتا ہے اگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئی تو اس کی دنیا و آخرت دونوں بن گئیں ورنہ دونوں جگہ رسوائی۔ ایک باعزت سنجیدہ اور غیور ساس کیلئے یہ رسوائی ناقابل برداشت ہوگی۔ خوش اخلاق اور ہردلعزیز ساس بھی بہو سے بدسلوکی کرنے پر سب کی نظروں میں ذلیل ہوجاتی ہے اور خدا کی بھی نافرمان بن جاتی ہے۔

ساس کے اچھے رویّہ سے بہو پر اچھا ہی پڑے گا وہ سوچیگی ذرا سی بات میں برداشت کرلوں گی تو دونوں جہان میں خوشیاں نصیب ہوں گی بڑوں کے کچھ کہنے سے میری عزت کم نہیں ہوجائے گی بلکہ دنیا تعریف ہی کرے گی اس طرح مثالی بہو بننے کا شوق اس کو ہروقت خوش رہنے اور دوسروں کو۔ خوش رکھنے پر آمادہ کرے گا گھر میں پھر سے بہار لوٹ آئے گی۔ جب دل ایک ہوں گے تو پھر ایک کو دوسرے کی تکلیف کا احساس۔ ہمدردی۔ غمخواری غرض سب ہی کچھ ہوگا۔

اصلاحات

شادی خانہ آبادی یا اپنی اور قوم کی بربادی

منظور احمد مظاہری

شادی بیاہ میں بے جا لوازمات اور رسومات کی پابندی سے ایک بڑا نقصان تو یہ ہوا کہ شریعت نے جس سادگی اور بے تکلفی کی تعلیم دی تھی وہ غیروں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی اور اسلام کے بارے میں لوگ چند در چند غلط فہمیوں کا شکار ہوگئے، دوسری طرف خود مسلمان جو عام طور پر معاشی اعتبار سے پہلے ہی پریشان تھے ان رسومات نے انہیں اور بھی کہیں کا نہ رکھا ان رسموں میں جو خرابیاں ہیں وہ اتنی باریک اور پوشیدہ بھی نہیں ہیں کہ دلائل سے ان کی قباحت ثابت کی جائے بلکہ ہر شخص ان کو لغو اور غلط سمجھتا ہے اور ہر شخص ان رسموں سے تنگ اور پریشان ہے قوم و ملت کے ہر بہی خواہ کی دلی تمنا ہے کہ اگر یہ رسمیں ختم ہو جائیں تو اچھا ہے لیکن رواج پڑ جانے کی وجہ سے... سب خوشی خوشی کرتے ہیں گویا ایک طرح کا نشہ ہے جس کا بھیانک انجام معلوم ہونے کے باوجود چار و ناچار کرنا ہی پڑتا ہے۔ ذہنوں میں شادی بیاہ کی اہمیت بیٹھ چکی ہے کہ گویا تمام سنتوں میں مسلمانوں کو بس نکاح اور ولیمہ کی سنت یاد رہ گئی فرائض اور واجبات سے بڑھ کر اس کا اہتمام ہونے لگا نکاح کا ارادہ کیا ہوا گویا ہنگامی حالات کا اعلان ہوگیا اور بقول ایک بزرگ کے منگنی کا دن تو قیامت صغریٰ ہے اور نکاح کا دن قیامت کبریٰ گھر کا ایک ایک فرد حرکت میں آجاتا ہے دوست احباب اعزا و اقربا کو بڑھ چڑھ کر کارگزاری دکھانی پڑتی ہے جو اس موقع پر چوکا وہ زندگی بھر کے لئے چوکا۔ گویا اس سے اہم نہ کوئی موقع آسکتا ہے نہ اس سے بڑا زندگی کا کوئی کارنامہ ہو سکتا ہے اس لئے تمام تر توانائی اور صلاحیت اس پر لگا دی جاتی ہے اور دولت کا تو شاید اس سے بڑا کوئی مصرف سمجھا ہی نہیں جاتا اسلئے خوب حوصلے نکالے جاتے ہیں

نکاح کی اصل حیثیت

زندگی کی دوسری ضروریات کی طرح نکاح بھی ایک ضرورت کی چیز ہے جو سکون قلب اور افزائش نسل کے لئے عمل میں لائی جاتی ہے ذریعہ عصمت و عفت ہونے کی بنا پر شریعت نے اسے کار ثواب بنایا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنی سنت قرار دیا ہے پھر بھی دین کے اہم اور ضروری احکام کے مقابلے میں اس کی وہ حیثیت نہیں ہے جو ہم نے سمجھ رکھی ہے یہی وجہ ہے کہ دور اول میں زندگی کے دوسرے کاروبار کی طرح نکاح میں بھی نہ تو نام و نمود کا مظاہرہ تھا نہ رسوم کی پابندی نہ اسراف تھا نہ شور و ہنگامہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح شادی بھی نہایت سادگی کے ساتھ انجام پاتی تھی اس طرح دینی مزاج اور اسلامی تہذیب کی پابندی

رعایت کی جاتی تھی سادگی اور بے تکلفی صرف غریب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک محدود نہ تھی بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمان غنیؓ جیسے مالدار صحابہ بھی اسی خصوصیت کے حامل نظر آتے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہونچے وہاں تجارتی کاروبار شروع کردیا اور کچھ دنوں کے بعد ایک انصاری خاتون سے نکاح کرلیا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انتہائی محبت اور تعلق کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ کوئی تذکرہ کیا اور نہ نکاح میں آپ کو شرکت کی زحمت دی بعد میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ان کے کپڑوں پر زردی کا نشان دیکھا تو خود ہی دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ پانچ درہم سونے کے عوض میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مبارک کرے تو ولیمہ کھلا وٗ اگرچہ ایک بکری کا ہو (بخاری ومسلم شکواۃ ص۲۷۱) صحابہؓ کی نگاہوں میں اگر نکاح کی خاص اہمیت ہوتی تو یہ ناممکن تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع کئے بغیر نکاح کر لیتے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کا واقعہ اس بھی اہم ہے حضرت جابرؓ کے والد غزوہ احد میں شہید ہوگئے ان کے والد نے نو بیٹیاں اور کافی قرض چھوڑا تھا حضرت جابرؓ نو عمر صحابی تھے ایک طرف والد کی جدائی کا صدمہ دوسری طرف اچانک گھر کی تمام ذمہ داریاں ان کے سر آ پڑیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہر طرح دلجوئی اور اعانت فرماتے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت فرماتے تھے لیکن ان سب کے باوجود حضرت جابرؓ نے بغیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطلاع اور مشورہ کے ایک عمر رسیدہ عورت سے نکاح کرلیا۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ کنواری سے نکاح کیا ہوتا۔ (شکواۃ ص۲۶۷)

تمام صحابہؓ کا یہی مزاج تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کو اگر سنت قرار دیا تو عمل کرکے سنت کا طریقہ بھی بتلا دیا۔ گیارہ نکاح تو خود آپکے ہوئے اور آپؐ کی چار صاحبزادیوں کے نکاح ہوئے لیکن وہی سادگی اور بے تکلفی ہر جگہ نظر آئے گی لیکن آج سنت میں طریقۂ سنت کا لحاظ نہ رہا اور طریقہ سنت کیا چھوٹا کہ اب زندگی کا سراہی نہیں ملتا نمائش اور فضول خرچی سے نہ جانے کتنے خاندان اجڑ گئے کتنوں کے کاروبار ٹھپ ہوگئے جھوٹی شان کے لئے مکان دوکان، عزت آبرو سب نیلام پر چڑھ گئی غریب گھرانوں کی کتنی لڑکیاں نکاح کے لئے ترس رہی ہیں اور اپنی زندگی اور برادری کے ٹھیکے داروں کو کوس رہی ہیں ڈر ہے کہ ان بچیوں کی سرد آہوں سے عشرت کدوں میں آگ نہ لگ جائے اور پورا معاشرہ اسکی لپیٹ میں آکر برباد نہ ہو جائے اس لئے اہل دولت کو جلد حرکت میں آجانا چاہئے ورنہ خدانخواستہ اگر وقت گذر گیا تو اس طوفان کو روکنا مشکل ہو جائے گا

نکاح کی سہولت

نکاح کا حاصل تو بس اتنا ہی ہے کہ گواہو کے سامنے ایجاب قبول ہو جائے اور بس نکاح میں خرچ کا کوئی سوال ہی نہیں شریعت نے نکاح کو اتنا ارزاں کردیا ہے کہ غریب سے غریب آدمی بھی بہ آسانی کرسکتا ہے اہل دولت کو بھی نکاح میں کم خرچ کرنیکی ترغیب دی گئی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بار اور خرچ کم سے کم ہو۔ (شکواۃ ص۲۶۸)

لڑکی والوں کے اخراجات

نکاح میں لڑکی والوں کی طرف سے کوئی خرچ ہے ہی نہیں لڑکی کی طرف سے ولیمہ نہ واجب ہے نہ مسنون بلکہ زیادہ

سے زیادہ مباح ہے اور مباح کا حکم یہ ہے کہ اگر اس پر اصرار اور التزام ہونے لگے اور اس میں مفاسد شامل ہو جائیں تو وہ پھر کراہت میں داخل ہو جاتا ہے

جہیز کے بارے میں غلط فہمی

لڑکیوں کو جہیز دینا بہت اہم سمجھا جاتا ہے اور حضرت فاطمہؓ کے جہیز سے اسکو سنت قرار دیا جاتا ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی پرورش حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور حضرت علیؓ کے پاس گھر گرہستی کا کوئی سامان نہ تھا لہذا عقد کے بعد عائلی زندگی گذارنے کے لئے جن چیزوں کی فوری ضرورت تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمادی تاکہ اسی روز سے گھریلو زندگی شروع کر سکیں حاصل یہ ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کو جو جہیز دیا تھا وہ ضرورت کی بنا پر تھا نہ یہ ہے کہ جہیز دینا مسنون ہے اگر جہیز دینا مسنون ہوتا تو آپکی اور صاحبزادیاں تھیں جن میں سے یکے بعد دیگرے دو کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا لیکن ان میں سے کسی کو جہیز دینا ثابت نہیں معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؓ کو جہیز دینا ضرورت کی بنا پر تھا اور حضرت عثمانؓ کو چونکہ ضرورت نہ تھی اسلئے کچھ نہ دیا ازواج مطہرات کو جہیز ملنا ثابت نہیں اگر مسنون ہوتا تو کم از کم حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ اس سنت پر ضرور عمل کرتے اور اپنی صاحبزادیوں کو زیادہ سے زیادہ جہیز دیتے۔ جہیز کی حیثیت ہے تو یہی کہ نہ واجب ہے نہ سنت پھر بھی اگر کوئی دینا چاہتا ہے تو اس کے گنجائش ہے کہ ضرورت مند لڑکی کو ضرورت کی چیز دیدے اور اس میں ایک تو اختصار ہو کہ گنجائش سے زیادہ تردد نہ کرے دوسرے یہ کہ ضرورت کا لحاظ ہو کہ سردست جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ دیدے تیسرے یہ کہ اعلان و اظہار نہ ہو یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک ہے دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے جو ضروری سامان دینا ہو شادی کے چند دن پہلے یا بعد میں لڑکی کے گھر پہونچا دے اس سے دکھاوے کی بات بھی ختم ہو جائے گی اور برادری کے غریب لوگ جو جھوٹی عزت کی خاطر مقابلے کی دوڑ لگاتے ہیں اور ناک اونچی کرنیکے خیال میں اپنی ناک کٹوا لیتے ہیں ان کو بھی تمام مصیبتوں سے نجات مل جائے گی

لڑکے والوں کے اخراجات

شادی میں مرد کا سب سے بڑا خرچ مہر ہے لیکن شریعت نے ادھار کی اجازت دیکر بہت سہولت پیدا کر دی ہے اگر نکاح ہوتے ہی مہر کی نقد ادائیگی لازم ہوتی تو یقیناً ایک طرح کی دشواری ہوتی لیکن ادھار مقرر ہونیکی صورت میں حسب سہولت تھوڑا تھوڑا ادا کر دینا کوئی دشوار نہیں ہے دوسرے یہ کہ زیادہ اونچا اور گراں مہر ناپسندیدہ قرار دیا گیا حضرت فاطمہؓ کا مہر تقریباً ڈیڑھ سو تولہ چاندی مقرر ہوا اکثر ازواج مطہرات کا مہر بھی اسی کے قریب تھا حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں فرمایا کہ خبردار۔ مہر زیادہ گراں نہ مقرر کرو اگر بھاری مہر باندھنا بزرگی اور عظمت کی بات ہوتی اور اللہ کے نزدیک پرہیزگاری کا موجب ہوتی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسکے زیادہ مستحق تھے مجھ کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ (تقریباً سو تولہ چاندی) سے زیادہ مقرر نہ کیا (ترمذی و ابوداؤد)

ولیمہ

لڑکے والوں کے نزدیک ولیمہ کو بہت اہمیت حاصل ہے اور اسکی وجہ سے کتنے گھر اجڑ جاتے ہیں رواج کی بنا پر استطاعت نہ ہونے کے باوجود ولیمہ کو ضروری سمجھا جاتا ہے خواہ اس کے لئے قرض لینا پڑے یا مکان گروی رکھنا

جیسے قرآن تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی طاقت سے زیادہ اس پر بار نہیں رکھتا لیکن جو خود ہی اپنی اور قوم کی بربادی کا طالب ہو اسے کون روک سکتا ہے ولیمہ بیشک مسنون ہے اور اس کا طریقہ مسنونہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد شوہر حسب سہولت بلا تکلف و بلا تفاخر اختصار کے ساتھ جس قدر میسر ہو اپنے خاص لوگوں کو کھلا دے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے نکاح کا ولیمہ جو کا کھانا تھا ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح ہوئی تھی اور گوشت روٹی لوگوں کو کھلایا گیا ام المومنین حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کی یہ شکل ہوئی اس وقت جو کچھ صحابہ کے پاس موجود تھا سب کو جمع کر لیا گیا اور حاضرین نے کھا لیا بس یہی ولیمہ تھا حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے ولیمے کے بارے میں خود فرماتی ہیں کہ نہ اونٹ ذبح ہوا نہ بکری سعد بن عبادہؓ کے گھر سے ایک پیالہ دودھ کا آیا تھا وہ پلا دیا گیا تھا بس یہی ولیمہ تھا حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ولیمہ میں چند صاع جو کی روٹی کچھ کھجور کچھ مالیدہ کھلایا بس یہ ہے ولیمہ کی نوعیت جسکو آجکل لوگوں نے پہاڑ بنا دیا ہے نام تو سنت کا لیا جاتا ہے لیکن طریقہ اپنا رائج کیا جاتا ہے سادگی اور بے تکلفی رخصت ہو گئی تو خیر و برکت کہاں سے آئے نام و نمود کیلئے خوب فضول خرچی کی جاتی ہے لیکن بجز بدنامی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور آخرت کا وبال الگ رہا خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بننا پڑتا ہے نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے آجکل ولیمہ میں زیادہ تر مالداروں کو بلایا جاتا ہے اور غرباء کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بدترین کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں اغنیاء بلائے جائیں اور فقراء چھوڑ دیئے جائیں (بخاری و مسلم) مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۸) اور دوسری خرابی یہ پیدا ہوگی کہ زیادہ تر مقابلے میں بڑھ چڑھ کر کھلانے کی کوشش کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں تاکہ دوسرے کی حیثیت گر جائے بس چاروں طرف ہماری ہی واہ واہ ہو جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک دوسرے کے مقابلے پر فخر کے طور پر بڑھ چڑھ کر کھلانے والوں کی نہ دعوت قبول کی جائے اور نہ ایسا کھانا کھایا جائے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۹) آج مسلمان طریقہ سنت کو چھوڑ کر خدا جانے کس کس وادی میں بھٹک رہا ہے اور دنیا و آخرت کا وبال سر پہ لے رہا ہے۔

حضورؐ کا فقر اختیاری تھا

آج یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ اور جہیز میں جو سادگی اور بے تکلفی اختیار کی وہ بدرجۂ مجبوری تھی کیوں کہ آپکے پاس زیادہ تھا ہی نہیں اس قسم کی باتیں بنا کر لوگ اپنی فضول خرچیوں کیلئے جواز کی راہ نکالنا چاہتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو آجکل کے دولتمندوں سے زیادہ خرچ کر سکتے تھے حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے میرے سامنے پیش کیا کہ مکہ کے سنگریزوں کو سونا بنا دیا جائے تو میں نے عرض کیا کہ نہیں اے میرے رب میں تو چاہتا ہوں کہ ایک روز آسودہ رہوں اور ایک روز بھوکا رہوں تاکہ بھوک میں آپکی طرف تضرع کروں اور آپ کی یاد کروں اور آسودگی کی حالت میں آپ کا شکر کروں اور آپکی تعریف کروں (ترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۲) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا فقر اضطراری نہ تھا بلکہ امت کے سہولت کے خیال سے آپ نے فقر کو اختیار کیا تھا اگر آپ پسند فرماتے تو آپؐ کے ادنیٰ اشارے پر صحابہ کرامؓ حضرت فاطمہؓ کے جہیز کیلئے اتنا سامان کر دیتے کہ آجکل کے دولتمند بھی مقابلہ نہ کر سکتے لیکن آپ کو سادگی کا ایک نمونہ قائم کرنا تھا تاکہ غریبوں کو یہ افسوس نہ رہے کہ اگر ہمارے پاس بھی دولت ہوتی تو ہم بھی خوب خوب حوصلے نکال لیتے

انتقادیات

قدر و قیمت

صیرفی کے قلم سے

(اس عنوان کے تحت صرف ان مطبوعات پر تبصرہ کیا جاتا ہے جن کے دو نسخے موصول ہوں)

تجلّی مسلم پرسنل لاء نمبر

مرتب۔ جناب عامر عثمانی۔ ضخامت ۲۰×۳۰/۸ تقطیع کے ۱۲۸ صفحات۔ قیمت دو روپیے

ماہنامہ "تجلّی" دیوبند پچھلے تقریباً ۳۴ سال سے جناب مولانا عامر عثمانی کے زیر ادارت دین وادب کی جو عظیم اور اہم خدمات انجام دے رہا ہے وہ ارباب علم و دانش کے ایک وسیع حلقہ کی نگاہوں سے مخفی نہیں زیر نظارہ شمارہ (مارچ اور اپریل ۱۹۷۳ء) "مسلم پرسنل لاء نمبر" کے عنوان سے خصوصی اشاعت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جو اسکے مخصوص اور مستقل عنوانات آغاز سخن، تفہیم القرآن، تفہیم الحدیث تجلّی کی ڈاک اور مسجد سے میخانے تک وغیرہ کے ساتھ ساتھ کئی دوسرے مفید مضامین و مقالات پر مشتمل ہے جن میں مدیر تجلّی کا ایک طویل مضمون "مسلم پرسنل لاء" کے زیر عنوان بھی ہے

عامر صاحب کے قلم سے نکلا ہوا یہ مضمون (مسلم پرسنل لاء) دراصل پروفیسر آصف فیضی کے اس کتابچہ کے مدلل جواب اور مفصل تبصرہ کی حیثیت رکھتا ہے جو "مسلم پرسنل لاء" کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے اور جس پر متعدد صاحب فہم و بصیرت علمائے کرام اظہار رائے کر کے احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ ادا کر چکے ہیں۔ آغاز سخن (اداریہ) میں بھی عامر صاحب نے اس موضوع پر خاصی روشنی ڈالی ہے اس طرح ۱۲۸ صفحات پر پھیلے ہوئے اس نمبر میں ۴۰ سے کچھ زیادہ صفحات اس موضوع (مسلم پرسنل لاء) کے لئے وقف کئے گئے ہیں بس اسی مناسبت سے اسے "مسلم پرسنل لاء نمبر" کا نام دیدیا گیا ہے۔ اس کی تصریح خود عامر صاحب نے احوال واقعی کے عنوان سے اپنے مختصر مضمون میں ان الفاظ کے ساتھ کر دی ہے کہ

"اچانک ہمیں پچھلے ماہ ڈاک سے پروفیسر آصف فیضی صاحب کا کتابچہ مسلم پرسنل لاء موصول ہوا اور اس کے مطالعہ نے ہمیں اس نتیجہ پر پہونچایا کہ تجلّی میں تفصیلاً گفتگو کی جائے وقت کی تنگی کے باعث یہ گفتگو اگرچہ بہت مبسوط اور سیر حاصل نہیں ہو سکی لیکن پھر بھی تجلّی کے اتنے صفحات اس نے ضرور گھیر لئے ہیں کہ ان کے تعلق سے نمبر کا

عنوان لگانا غیر موزوں نہیں رہا۔"

"مسجد سے میکدے تک" کے قلمکار کی حیثیت سے شہرت رکھنے والے "ملا ابن العرب مکی" نے بھی "انہیں پہچانئے" کے عنوان سے مسلم پرسنل لا کے خلاف ہونے والی کچھ کانفرنسوں کا "آرٹسٹک بیک گراؤنڈ" پیش کرنے میں اپنے دلچسپ اسلوب نگارش کا مظاہرہ کیا ہے۔ بہرحال کئی حیثیتوں سے یہ نمبر قابل مطالعہ ہے اور پھر تجلی کا کون سا شمارہ پڑھنے کے لائق نہیں ہوتا؟

سیرت طیبہ

مرتب ۔ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
ضخامت ۔ ۲۰×۳۰/۱۶ تقطیع کے ۴۴۸ صفحات
قیمت ۔ پانچ روپئے
ملنے کا پتہ ۔ مکتبۂ علمیہ قاضی واڑہ میرٹھ۔

بیان اللسان (مکمل و مستند عربی اردو ڈکشنری) اور قاموس القرآن (قرآن کریم کی مختصر انسائیکلوپیڈیا) جیسی اہم کتابوں اور بہت سی دوسری چھوٹی بڑی کتابوں اور رسالوں کے فاضل مصنف و مؤلف اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایک عرصے سے اسلامیات اور تاریخ اسلام کا درس دینے والے کامیاب استاد قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی سے شاید ہی کوئی دینی ذوق رکھنے والا اردو داں ناواقف ہو زیر نظر کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی "سیرت طیبہ" اور اسوۂ حسنہ کے ذکر و تذکرہ سے وابستہ ہے۔ سرورق پر کتاب کا تعارف درج ذیل الفاظ میں کرایا گیا ہے۔ اور کہنا چاہیئے کہ ان چند الفاظ میں کتاب کے مندرجات کو پوری طرح عیاں کر دیا گیا ہے۔

طلبۂ جامعات اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے ایک جدید و مفید کتاب جس میں سیرت نبوی کے تمام واقعات قرآن کریم اور حدیث و سیرت کی مستند قدیم کتابوں کی بنیاد پر شیریں زبان میں جدید انداز، تعبیر و تفہیم کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

قاضی صاحب کے انداز تحریر کے بارے میں کیا عرض کیا جائے ماشاءاللہ خوب بہت خوب ہے پیش لفظ ہی کی چند ابتدائی سطور سے اندازہ کیجئے اور اسے "مشتے نمونہ از خروارے" سمجھئے۔

لیجئے گلشن سیرۃ نبوی میں ایک اور غنچہ کھلا سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کا ذکر زبان سے ہو یا قلم سے۔ میں عبادت سمجھتا ہوں۔ اس لئے میرے نزدیک کسی سیرۃ نگار کے لئے یہ بتانا بیکار ہے کہ اسے اس مقدس موضوع پر قلم اٹھانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ کیا کسی امتی کے لئے یہ سعادت کم ہے کہ اس کی زندگی کے کچھ لمحے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و کمال کے تصور میں صرف ہوں اور اس کا قلم صفحۂ قرطاس پر ان حسین تصورات کی تصویر کشی کرے اور قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں خالی ہاتھ حاضر ہو تو کیا یہ خدمت اسکے لئے سامان نجات بن جائے!

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ
من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل
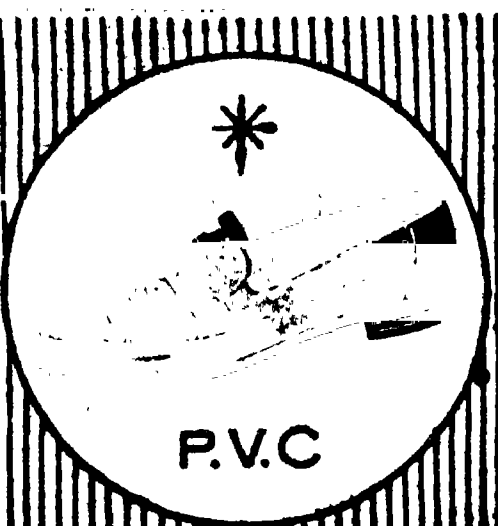
ملاحظہ فرمایا آپ نے "اسلام سے پہلے کی دنیا" سے لیکر "آفتاب نبوت" کا غروب۔ "آخری آرام گاہ میں" اور "خاندان نبوت" تک ۱۷ ابواب اور تقریباً چار سو عنوانات پر مشتمل اس پوری کتاب میں انہیں عقیدتمندانہ اور بصیرت افروز الفاظ و افکار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ تو رہے کتاب کے معنوی محاسن، ظاہری محاسن کتابت، طباعت، کاغذ، جلد اور گردپوش کے لحاظ سے بھی کتاب پرکشش اور جاذب توجہ ہے۔

اسلام اور عصر جدید

ڈاکٹر سید عابد حسین (مدیر) اور مولوی محمد حفیظ الدین۔ (نائب مدیر) کے زیر ادارت اور تقریباً ڈیڑھ درجن دوسرے ممتاز اور مشاہیر علم و قلم پر مشتمل مجلس ادارت کے زیر نگرانی یہ سہ ماہی رسالہ تین، چار سال سے جامعہ نگر دہلی سے شائع ہو رہا ہے۔ بہت ہی عمدہ اور اعلےٰ درجہ کے سفید چکنے اور نگاہوں کو پھسلا دینے والے کاغذ پر شاندار کتابت اور آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق بہت ہی مفید اور کار آمد پر از معلومات مضامین پیش کرنے والا یہ رسالہ بے ریب و شک اس قابل ہے کہ زیادہ سے زیادہ اہل علم و دانش کی نظر سے گذرے خاص طور پر اونچے طبقہ کے دین پسند حلقوں کو اس کی سرپرستی کرنا چاہیئے اور پھر

سالانہ قیمت ۱۵ پندرہ روپئے

اور

ایک پرچہ کی قیمت ۴ چار روپئے

ہونے کی وجہ سے اسکی خریداری عام لوگوں کے بس کی بھی تو نہیں بہر رسالہ کی خوبیوں کے مقابلہ

مکتوبات

کہ لوگ کہتے ہیں

آپ کے خطوط

مرزاپور
۴؍اپریل ۷۲ء
کرمی

سلام مسنون، عنایت نامہ اواخر مارچ میں ملا تھا مگر افسوس ہے کہ میں متواتر اور شدید علالت کی بنا پر تعمیل ارشاد نہ کر سکا۔ امید ہے کہ "رنگ رنگ" آپ کی ادارت میں ترقی و کامرانی کے مراحل بہ آسانی طے کر سکے گا۔ مسرت کی بات ہے کہ جریدہ کے مقاصد میں دینی احیاء نیز اتحاد اساسی اہمیت رکھتے ہیں۔

ہفتہ عشرہ سے قدرے بہتر ہوں۔ دعا کرتے رہئے۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔

مخلص
عصمت اللہ اکرام

⁂

الہ آباد
۴؍اپریل ۷۲ء
مکرمی

تسلیم۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ کانپور کی سرزمین ویسے تو ادبی رسالوں کے لئے سازگار نہیں ہوتی خدا کرے کہ آپ کے پرچے کے لئے سازگار ہو۔ ہم سب لوگ مزدور کچھ نہ کچھ روانہ کریں گے۔
امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

خیر طلب
سید محمد عقیل

⁂

سیہور (بھوپال)
۶؍اپریل ۷۲ء

برادرم خلوص

خط ملا۔ حسب فرمائش ایک غزل حاضر ہے۔ آپ کو پسند آنا چاہیئے۔ خواہ شائع نہ ہو۔ رسید سے نوازیئے گا۔

آپ کا
مظفر حنفی

⁂

بھوپال
۱۰؍اپریل ۷۲ء

کرتا ہو معراج کمال تک پہونچ کر عمر دوام پائے۔ آمین
نیازمند۔ فراق فتحپوری

∴

فتح پور
۲۴ مارچ ۱۹۶۲ء

مخلصی، خلوص و نیاز

امید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔
ماہنامہ "سنگ سنگ" ایک مفید جریدہ ہے ہر مسلمان اور صاحب ذوق کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ترویج و ترقی میں نمایاں حصہ لے۔ "سنگ سنگ" کو نمایاں کامیابی حاصل ہونا چاہیئے۔ اور انشاء اللہ حاصل ہوگی۔

نیازمند۔ بدر قریشی

∴

سہسرام (آرہ)
۵ اپریل ۱۹۶۲ء

محترمی تسلیمات
امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔
ایک غیر مطبوعہ غزل آپکے خوبصورت اور معیاری رسالے "سنگ سنگ" کیلئے حاضر ہے۔ اگر پسند آئے تو خیال اشاعت فرماکر میری ہمت افزائی ضرور کریں۔ محمد رمضان ساحل

∴

کرانہ (راجستھان)
۳ اپریل ۱۹۶۲ء

محترم المقام۔ سلام مسنون
ایک قطعہ پیش ہے قبول کیجئے۔ جریدہ کا نام بہت خوب ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔
آپکی دعا کا طالب ـــ خوشتر کرانوی

مجبی! تسلیم
چند دن ہوئے رسالہ کارڈ موصول ہوا تھا۔ یاد آوری کے لئے ممنون ہوں ادھر ایک ہفتہ سے سخت بخار اور نزلہ میں مبتلا ہوں۔ اس وجہ سے فوری جواب نہ دے سکا۔ ایک نظم ارسال کر رہا ہوں۔ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے بڑی مشکلوں سے لکھ سکا ہوں۔
خدا کرے آپ حضرات بعافیت ہوں۔ رسید سے مطلع کیجیے گا۔ آپ کا ـ علی عباس امید

∴

علی گڑھ
۱۹ اپریل ۱۹۶۲ء

مکرمی، سلام مسنون
خط ملا، جواب میں تاخیر کے کئی اسباب ہیں۔ میں ان دنوں علی گڑھ میں ہوں۔ یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ نے مجھے یاد رکھا خدا کرے "سنگ سنگ" کے لئے کانپور کی سرزمین راس آئے اور یہ دوسرے پرچوں کی طرح چھلاوہ نہ ثابت ہو بلکہ نقاد جیسی شہرت پائے (آمین)
امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

نیازمند
ساحل مانکپوری

∴

فتح پور
۵ مارچ ۱۹۶۲ء

مخلصی سلام و رحمت

"سنگ سنگ" ایک اچھا ادبی پرچہ ہے۔ آج اس طرح کے جرائد کی سخت ضرورت ہے۔ خدا کرے ترقی کی منزلیں طے

علامہ لات دجوابات

لیجئے جواب حاضر ہے

علامہ معلولی کے قلم سے

ایک شخص بیک وقت تین سوالات ہی دریافت کرسکتا ہے۔ سوال صاف و خوشخط اور جواب کے لئے جگہ چھوڑ کر لکھیں صرف تعلیمی، اصلاحی، معاشرتی اور معلوماتی سوالات ہی کے جواب دئے جائیں گے اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرمائیں "لیجئے جواب حاضر ہے" ماہنامہ رنگ سنگ ۸۹/۴۲ سکھنیا بازار کانپور

آمنہ خاتون ــــــــــ جلال پور

س۔ سیرت نمبر بہت پسند آیا خاص طور پر "دختران ملت کا اجتماع" بہت اچھا مضمون ہے واقعی اس اجتماع کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ میں اس پر شہر یار کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

ج ۔ ذرہ نوازی کا شکریہ، مبارکباد کی اصل مستحق ملک و ملت کی وہ بیٹیاں ہیں جو قانون شریعت کے تحفظ کا عزم لے کر اس قسم کے اجتماعات کا انعقاد و اہتمام کرتی ہیں اور اپنی احتجاجی آواز ارباب حکومت کے کانوں تک پہونچاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہمت و توفیق کو توانائی عطا فرمائے اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

س۔ بھائی صاحب، ایک بھائی کو اپنی بہن سے زیادہ محبت ہوتی ہے یا بہن کو بھائی سے؟ فیصلہ آپ کا ہے

ج۔ عزیزہ، یہ تو اپنی اپنی طبیعت اور مزاج کی بات ہے کہ کون کس سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ لیکن عموماً بہن، بھائیوں کو زیادہ چاہتی ہیں۔

س۔ دنیا میں سب سے زیادہ آسان زبان کون ہے

ج۔ اردو

اویس احمد ــــــــــ الہ آباد

س۔ زندگی اور موت کے اعلیٰ مقاصد اسلامی نقطۂ نظر سے؟

ج ۔ طیش صدیقی صاحب کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو ؎

ہے مجھ کو زندگی کی تمنا تو اس لئے
کہلاؤں خاکِ پائے غلامانِ مصطفیٰ
ہے آرزوئے مرگ تو بس اسلئے کہ میں
دیکھوں لحد میں روئے درخشانِ مصطفیٰ

س۔ مرحوم مخدوم محی الدین صاحب کا کوئی اچھا سا شعر سنائیے۔

ج۔ ملاحظہ فرمائیے

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لیکے چلو

س۔ یہ شعر کس شاعر کا ہے ؎
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

ج۔ غالب کا۔

محمد حسین ______ بھٹکل

س۔ رنگ سنگ کو آفسٹ پر چھپوانے کا انتظام کیجیے تو اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

ج۔ مشورہ کا شکریہ، انتظامات کئے جا رہے ہیں خدا سے دعا کیجیے کہ وہ کامیاب فرمائے۔

س۔ میں کانپور آؤں تو کیا آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے؟

ج۔ ضرور تشریف لائیے، مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔

س۔ دنیا میں ترقی کا راز بتائیے؟

ج۔ پرخلوص جد و جہد اور خدا پر بھروسہ۔

س۔

سعید انجم ______ کٹک

س۔ خدا کے وجود کے بارے میں سائنس کا کیا خیال ہے؟

ج۔ کوئی علم خدا کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔ یہ تو جہل ہے جو آدمی کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے اور وہ مسلمہ حقائق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے

س۔ اسلام دنیا میں کب سے شروع ہوا؟

ج۔ اسلام دینِ فطرت ہے، انسانیت کا ازلی اور ابدی مذہب ہے، اقبال کے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ؎

ازل اس کے پیچھے، ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے، نہ حد سامنے

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل اسلام ہی کی دعوت دیتے رہے جس کی تکمیل حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ پر ہوئی۔

س۔ تقدیر و تدبیر کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

ج۔ وہی جو اقبال کی ؎

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

محمد انور ______ نظام آباد

س۔ اس وقت ہندوستان بھر میں کتنے ڈاک خانے ہیں؟

ج۔ محکمہ ڈاک و تار کی تازہ سالانہ رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں ڈاک خانوں کی تعداد ایک لاکھ نو ہزار آٹھ سو تئیس (۱۰۹۸۲۳) ہے۔ اس طرح ہر ڈاکخانہ اوسطاً ۲۹ مربع کلو میٹر کے رقبہ میں خدمات انجام دیتا ہے۔

س۔ آزادی سے پہلے ڈاکخانوں کی تعداد کتنی تھی۔؟

ج۔ اس وقت پورے ملک میں صرف بائیس ہزار ایک سو سولہ (۲۲۱۱۶) ڈاکخانے تھے۔ آزادی کے بعد محکمہ نے ترقی کی۔ خاص طور پر ۱۹۶۷ء تک اوسطاً ڈاک خانے یومیہ کے حساب سے کھولے گئے۔

س ۔ ہندوستان میں ٹیلی ویژن کب عام ہوں گے ؟
ج ۔ اس وقت دہلی میں ۳۷ ہزار ٹیلی ویژن سیٹ ہیں دہلی کے گرد و نواح میں ۸۰ ٹیلی کلب قائم ہیں. جن شہروں میں ٹیلی ویژن اسٹیشنوں کے قیام کا منصوبہ ہے ان میں کانپور بھی شامل ہے توقع ہے کہ سرینگر اور بمبئی کے اسٹیشن اس سال کے آخر تک کام شروع کر دیں گے۔ اسکے بعد مدراس کلکتہ اور کانپور کا نمبر آئے گا۔

اظہار احمد ـــــــــــــــ ہردوئی

س ۔ ہندوستان کے قومی ترانوں کی مختصر تاریخ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا اس سلسلہ میں آپ میری مدد کرسکتے ہیں۔
ج ۔ جی ہاں ' ہمارا کام ہی آپ کی خدمت کرنا ہے۔ آزادی ہند سے قبل عام طور پر حضرت علامہ اقبال کا مشہور زمانہ اردو ترانہ " سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" مقبول تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے بڑے بڑے جلسوں میں بھی یہی ترانہ گایا جاتا تھا۔ یہ ترانہ اب سے ۷۰ ' ۷۲ سال قبل اس صدی کے شروع ہی میں اقبال نے کہا تھا اور ان کے پہلے مجموعہ نظم بانگِ درا کے ابتدائی حصہ میں شامل ہے۔

بعد میں غالباً جنوری ۱۹۱۲ء میں ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے "جن من گن" نظم کیا جو خود انہیں کے زیر ادارت شائع ہونے والے جریدے "تتو بودھنی پتر کا" میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔ ۱۹۱۹ء میں ٹیگور جی نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو "دی مارننگ سانگ آف انڈیا" کے عنوان سے شائع ہوا۔ پورا ترانہ پانچ بندوں پر مشتمل ہے۔ قومی ترانہ کے طور پر پہلا بند گایا جاتا ہے۔

ٹیگور کے بعد بنگالی زبان کے ممتاز ناول نگار مسٹر بنکم چندر چٹرجی کے ترانہ "بندے ماترم" کو اہمیت حاصل ہے حالانکہ یہ ترانہ ٹیگور کے ترانہ سے پرانا ہے مسٹر چٹرجی نے اسے ۱۸۸۲ء میں نظم کیا تھا اور اپنے ایک ناول "آنند مٹھ میں" شامل کیا تھا۔ پہلی بار اسے ۱۸۹۶ء کے اجلاس کانگریس میں گایا گیا۔ مسٹر اربندو گھوش نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا تھا۔ ۲۴ر جنوری ۱۹۵۰ء کے بعد ہی دونوں مذکورہ ترانے "قومی ترانے" کی حیثیت سے تسلیم کئے گئے۔ حالانکہ اقبال کا قومی ترانہ آج بھی خاصی مقبولیت رکھتا ہے اور سلیس و عام فہم ہونے کی وجہ سے زبان زد خاص و عام ہے

س ۔ حضرت ابوالاثر حفیظ جالندھری کا کوئی شعر عطا ہو۔
ج ۔ ایک نہیں دو حاضر ہیں ؎

اے میرے مجروح تبسم خشک لبوں پر آتا جا
پھول کی ہمت دیکھ رہی ہے کھلتا جا مرجھاتا جا
میرے چپ رہنے کی عادت جس کارن بدنام ہوئی
اب وہ حکایت عام ہوئی ہے سنتا جا شرماتا جا

س ۔ لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟
ج ۔ بہت اچھی رائے ہے ' اللہ جس قدر توفیق دے تعلیم دلائیے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم۔ لیکن خوب یاد رکھئے کہ ان کی اصل خوبی اعلیٰ درجات کی ڈگریوں کا حصول نہیں بلکہ دین و دیانت کی خدمت اور اللہ و رسول ؐ کے احکام کی فرمانبرداری ہے اور اس کے لئے ایسی تربیت ضروری ہے کہ وہ بڑا سے بڑا رتبہ حاصل کرنے کے بعد بھی "چراغ خانہ" ہی رہیں "شمع محفل" نہ بنیں۔

گذارش ۔ مضمون نگار حضرات اپنا مضمون صاف اور خوشخط اور کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔ (مدیر)

خراب عینک
آنکھوں کو نقصان پہونچاتی ہے
اور چہرے کو بد نما بنا دیتی ہے
اس لئے
صرف قابل اعتماد
اور ماہر عینک ساز
سے ہی اپنی عینک
بنوائیں
ایس ایم حنیف آپٹیشین
حسرت موہانی روڈ، کانپور میں
ماہرین کی نگرانی میں عینکیں تیار کی جاتی ہیں
نظر اور دھوپ کے چشمے
پتھر کی آنکھیں دوربین وغیرہ
کے لئے ہماری خدمات سے
فائدہ اٹھایئے
ایس۔ ایم حنیف آپٹیشین
حسرت موہانی روڈ کانپور
فون نمبر ۷۴۴۳۸
۶

شہریات

گردوپیش

ترجمان کے قلم سے

"ہم مسلمان ہیں" یہ دعویٰ کرنے والا کوئی بھی شخص اس بات سے ناواقف نہیں ہوتا کہ اس جملہ کو زبان سے نکال کر دراصل وہ ایک ایسی دنیا کا باشندہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے جو عام لوگوں کی دنیا سے مختلف اور بالکل الگ تھلگ ہے۔ ایسی دنیا جہاں ایثار ہے، قربانی ہے، محبت ہے، اخوت ہے، ہمدردی ہے، دلسوزی ہے، اعتماد ہے اتفاق ہے یک جہتی ہے، اجتماعیت ہے اور یہ سب کچھ اللہ تبارک تعالیٰ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے احکام کی تعمیل کے پورے اور پرخلوص جذبہ اور اطاعت شعاری و فرمانبرداری کے والہانہ احساس کے عین مطابق ہے اس راہ میں فدائیت اور جاں نثاری کا عزم ہے

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا
(اقبال)

کی حد تک نہ سہی تو ہے

مسلماں ہوں، مسلماں یعنی تقدیر الٰہی ہوں
محمدؐ مصطفیٰ کی فوج کا ادنیٰ سپاہی ہوں
(رئیس صدیقی)

کی حد تک تو لازمی ہے اس سے کم قابل قبول اور درخورِ اعتنا نہیں۔

محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، جان، مال، اولاد سے پیارا
(حفیظ جالندھری)

کی لافانی سچائی سے انکار کی مجال کون کر سکتا ہے؟ یہ محض شاعر کا حسنِ بیان اور رفعت تخیل نہیں خود آقائے کائنات کا ارشاد ہے کہ لایؤمن احدکم .... اجمعین اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان افروز واقعہ اس کی روشن مثال ہے

نبی رحمتؐ نے دریافت فرمایا۔
"عمرؓ کیا تم مجھے اپنے مال سے زیادہ چاہتے ہو؟"
فاروق اعظمؓ نے جواب دیا۔
"آقا، آپؐ کی ذات والا صفات کے آگے مال حیثیت ہی کیا رکھتا ہے، میں اپنا تمام اثاث البیت آپ پر نچھاور کر سکتا ہوں۔!
حضورؐ نے پھر پوچھا۔
"کیا اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتے ہو؟"
جواب ملا۔" سرکار میرے والدین آپ پر قربان

اولاد بھی آپ کی حرمت و ناموس پر نثار۔

"اور ـــ کیا اپنی جان سے بھی زیادہ مجھے چاہتے ہو ـــ؟" آقائے دو عالمؐ نے تیسری بار استفسار فرمایا۔

ایک سچے، ایماندار اور دیانتدار شخص کی حیثیت سے فاروقِ اعظمؓ نے جواب دیا "حضورؐ جان زیادہ پیاری ہے!"

مقا جانِ رحمت کی زبان مبارک پر آگیا ـــ

"عمر! ایمان؟" اور عمرؓ کا ایمان گویا اس پیار بھری وضاحت طلبی کا منتظر ہی تھا بے توقف اور بے تکلف زبانِ حال ہی نہیں زبانِ قال پر بھی آگیا۔

"جانِ عالم! آپؐ جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں"

اور زبانِ رسالت نے یہ جاں نواز سند عطا فرمادی کہ۔

"اب تمہارا ایمان مکمل ہوگیا"۔

آقائے دو عالمؐ نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے روز مبارک سے زیادہ بابرکت اور پرمسرت دن تاریخ انسانی میں اور ہو ہی کون سکتا ہے۔ عید میلاد مصطفےٰؐ پر ہزاروں عیدیں قربان، یہی عید ہے جس کے صدقے میں تمام عیدیں ملیں یہی صبح جانفزا ہے جس کیلئے لیل و نہار کا وجود عمل میں آیا۔ اور یہی یوم سعید ہے جس کے طفیل میں تمام سعادتوں کی تخلیق ہوئی اس دن کو اگر سبز گنبد کے زیر سایہ سنہری جالیوں کے اندر نور کی چادر اوڑھے آرام فرمانے والے شہنشاہ رسالت پناہ کے غلام فدائی، امتی اور جاں نثار مسرت شادمانی کے اظہار و اعلان کا دن نہ بنائیں تو کوئی دن نہیں ہوگا جس کو وہ "یوم مسرت" قرار دے سکیں اور کوئی ساعت نہ ہوگی جسے وہ "ساعت سعید" کہنے میں حق بجانب ہوں"

اللہ کا شکر ہے کہ امسال بھی گذشتہ کی طرح امسال بھی مسلمانانِ کانپور نے اپنی بساط و حیثیت کے مطابق عید میلاد کے خیر و برکت، رحمتوں، برکتوں اور سعادتوں سے بیش از بیش مالامال ہونے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ جا بجا بلکہ کہنا چاہیئے کہ قدم قدم پر ذکر میلاد اور تذکرۂ سیرت کی محفلیں بھی آراستہ کیں میلاد شریف کی بزم سجی ہوئی ہے تو کہیں قرآن خوانی کا اہتمام ہے، کہیں نعتیہ مشاعرہ ہو رہا ہے تو کہیں سیرتِ مقدسہ اور اسوۂ حسنہ کا بیان اور ساتھ ہی ساتھ کہیں لنگر تقسیم ہو رہا ہے، کہیں پانی اور شربت کی سبیلیں لگی ہوئی ہیں ان عظیم الشان جلسوں کا دور تقریباً دو بجے رات تک چلتا رہا اس کے بعد سبز جھنڈے جھنڈیوں سے آراستہ و پیراستہ اور برقی قمقموں کی نور افشانی سے منور تابناک محلہ محلہ اور بستی بستی باوقار جلوسوں کا اہتمام کیا گیا۔ جنھوں نے۔ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت اور درود و سلام کی پرکیف اور وجد آور صداؤں سے فضاؤں کو نور و سرور سے معمور کر دیا اور اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیا کہ سارے فرش زمیں سے عرش بریں تک ہوتا ہے ذکر مبارک

اللہ اکبر اللہ اکبر الحمدللہ الحمدللہ

(رئیس صدیقی)

ادمان "سرگشتیوں" کی تکمیل مکہ کی ساجد پر ہوتی جہاں پہونچ کر رسول عربیؐ (فداہ امی وابی) کے ان شیدائیوں نے صلوٰۃ الظہر کا فریضہ ادا کیا کہ ملک

اس رحمت سراپا ذات قدسی صفات ؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مومنوں کیلئے معراج ہے نماز سے دستبردار ہوکر نماز لانے والے انسان کامل کی محبت کا حق ادا ہی کہاں ہو سکتا ہے ؟

رات تمام ہوئی، سپیدۂ سحری نمودار ہوا۔ یہی وہ خوشگوار اور پربہار وقت ہے جب گلستانِ کائنات کو بہاروں کا امین بنانے والی بہار آفریں ہستی نے خاکدانِ عالم کو اپنے جمالِ جہاں آرا سے منور و مشرف فرمایا۔ لیجئے اس صبحِ حق زرو ذیالعلی سوز کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے ساجد سے صدائیں بلند ہو رہی ہیں دیوانگانِ مصطفیٰ عبدالحمید والنثار جھوم جھوم کر کہہ رہے ہیں ؎

حلوۂ نو بہارِ نازِ رنگِ رخِ سحر سلام
لالۂ شاخسار نور، اے گلِ تازہ تر سلام
صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدؐ — صلِّ علیٰ رسولنا صلِّ علیٰ محمدؐ
صلِّ علیٰ حبیبنا صلِّ علیٰ محمدؐ — صلِّ علیٰ شفیعنا صلِّ علیٰ محمدؐ
یا نبیؐ سلام علیک — یا رسولؐ سلام علیک
یا حبیبؐ سلام علیک — صلوٰۃ اللہ علیک

سہ پہر کے وقت نکلنے والا عظیم الشان اور باوقار جلوس تو اپنی مثال ہی نہیں رکھتا، امسال اس کی شان و شوکت تو بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ سیلوں لمبے اس جلوس نے حسبِ معمول انتہائی ادب و احترام کے ساتھ نعتوں منقبتوں درودوں، سلاموں اور نعروں کے ایمان افروز اور روح پرور ماحول میں سارے شہر کا گشت کیا۔ اسلامی آئینِ مساوات اور ملی اجتماعیت کا یہ شاندار مظاہرہ قابل دید تھا۔ اقبالؔ نے "جوابِ شکوہ" میں خالقِ کائنات کی طرف سے اس شکایت کا اظہار کیا ہے کہ ؎

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملّتِ بیضا غربا کے دم سے

خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر ایسی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی جسے امراء کا "نشۂ دولت" قرار دیا جا سکے۔ باطا خانہ کے معززین اور سربرآوردہ حضرات کی ایک بڑی تعداد نے انتہائی ذوق و شوق سے جلوس میں شریک ہو کر ان صاحبِ تمول لوگوں کیلئے مشعلِ راہ کا کام کیا جو عموماً ایسی تقریبات سے بے تعلق رہ کر اپنی علیحدگی پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں (اقبال)

لکھنؤ لکھنؤ میں انجمن فردوسِ ادب کے زیرِ اہتمام امین آباد پارک میں ایک شاندار جلسۂ سیرت و مشاعرۂ نعت کا انعقاد ہوا۔ سالہا سال سے تقریبِ عید میلاد کا ایک جزوِ خاص بن گیا ہے۔ امسال یہاں بھی کانپور کی طرح (بلکہ کہنا چاہیے کہ بعض حیثیتوں سے کانپور سے بھی بڑھ چڑھ کر) جا بجا ذکر و تذکرۂ سیرتِ رسولؐ اور مدح و منقبتِ صحابہ کرامؓ کی محفلیں آراستہ کی گئیں اور دیدہ و دل نور و سرور سے مالا مال کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اور کھل کر اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ؎

جہانِ عشق و وفا کے امام ہیں ہم لوگ
محمدؐ عربی کے غلام ہیں ہم لوگ

اک
بنگلہ
بنے
نیارا

شہر بات

جشنِ عید میلاد النبیؐ

جاوید ادیب

ابنائے انسانیتؐ، خاتم النبیینؐ، رحمۃ اللعالمینؐ، ختم الرسلینؐ فخر موجوداتؐ احمد مجتبیٰؐ، محمد مصطفیٰؐ، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی مبارک و پرنور تقریب کے موقع پر شب میں ہمارا تجارتی شہر فرش سے عرش تک نورٌ علیٰ نور ہو اٹھا۔ شہر کے مسلمان علاقوں کے گلی کوچے عروس البلاد کے مناظر پیش کر رہے تھے۔

جگہ بہ جگہ نہایت پر وقار و پر احترام طور پر جلسوں اور عام لنگرخانوں و نعتیہ مشاعروں کا اہتمام و انتظام تھا۔

حسب دستور قدیم امسال بھی عید میلاد النبیؐ کے سلسلہ میں مسجد پھلی بازار میں بعد نماز مغرب درود خوانی اور بعد نماز عشار مختصر نعت خوانی کے بعد الحاج قاری محمد سالم صاحب دیوبند نے حضور پرنورؐ کی حیات طیبہ پر ایک وجد آفریں تقریر فرمائی اور حضور رسالتمآبؐ اور آپکے فدائی و جاں نثار اصحاب کرام کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کی پر زور تلقین کی۔

مسجد پھلی بازار میں ہی رات ۱۲ بجے سے ایک نعتیہ مشاعرہ شروع ہوا جس میں کہ مقامی و بیرونی شعراء کرام نے بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔

اس نعتیہ مشاعرے کے نظامت کے فرائض نوجوان اور پرخلوص شاعر جناب شمیم عثمانی صاحب نے انجام دیئے نعت خوانوں میں اختر صاحب آبادی یوسفی، راقم کانپوری، عادل کانپوری، اشک نیازی، ناہید الہ آبادی، شمیم عثمانی، قمر رشید لکھنوی اور ظہیر کانپوری پیش پیش تھے۔ یہ نعتیہ مشاعرہ ظہیر کانپوری کے کلام کے ساتھ شب میں ۲½ بجے ختم ہوا۔

نعتیہ مشاعرہ کے ختم ہوتے ہی اپنی دیرینہ و قدیم روایت کو قائم و دائم رکھنے کے لئے مسجد کے باہر سڑک پر جلوس عید میلاد النبیؐ بالکل تیار کھڑا تھا۔

یہ پر وقار پرجلال جلوسِ عید میلاد النبیؐ مسجد پھلی بازار سے شروع ہوا جس میں کہ ابتداء میں فیروز الدین بوکیہ نے بارگاہِ رسالت میں اپنی پرسوز و مخصوص آواز میں درود و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اسکے بعد لوبا طاقتہ درود و سلام کی آواز ولت سے منور ہو اٹھا۔ اس جلوس میں فیروز صاحب کے بعد شریف الحسن صاحب پھل والے، اختر صاحب، راقم کانپوری وغیرہ نے درود و سلام پڑھا۔ جلوس کے اختتام پر اشک نیازی صاحب نے بارگاہ رسالت میں سلام پیش کیا۔

جلوس سٹین روڈ، پیڈ ہنی سڑک اور مولگنج سے ہوتا ہوا صبح ۴½ بجے واپس مسجد پر آکر ہی ختم ہوا۔ راستے میں دیگر علاقوں کے جلوس نکل کر ایک دوسرے میں ضم ہوتے رہے اور ہر سمت سے درود و سلام کی صدائیں جاری رہیں۔

برادری کے چند نوجوانوں نے ایک دینی نمائش کا سابقہ سال کی طرح کمال بھی انتظام کیا جس میں کہ اردو اور ہندی زبانوں میں حضور کی ذات طیبہ پر جامع الفاظ میں اس انداز سے روشنی ڈالی گئی تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی استفادہ کر سکیں۔ اس دینی نمائش میں روشنی کا انتظام کم تھا اگر اس معاملے میں برادری کے لوگ دلچسپی لے لیں تو یہ کمی بھی دور ہو جاتے۔

فجر کی نماز کے واسطے وضو کرنے کا مسجد پھلی بازار میں کافی انتظام تھا۔ علاوہ ازیں یوتھ ایسوسی ایشن کے نوجوانوں نے کمال عزم و ہمت سے سڑک پر وضو کا اہتمام کیا تھا۔ مسجد اوپر سے لیکر نیچے تک پوری بھری ہوئی تھی تل رکھنے کو جگہ نہ تھی اسلئے نماز کیواسطے باہر سڑک پر انتظام تھا۔ قبل نماز فجر خطیب مسجد قاری محمد الٰہی صاحب نے سرکار دو عالم کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی۔ بعدہٗ نماز فجر درود و سلام اسکے بعد قرآن خوانی ۸ بجے تک تقسیم پارہ بعد واپسی پارہ فاتحہ اور دعا پر تقریب اجتماع عید میلاد النبیؐ ختم ہوئی خاتمہ پر شیرینی تقسیم کی گئی۔

سالہائے گذشتہ کی طرح امسال بھی جمعیۃ العلماء کے زیر انتظام جلوس عید میلاد النبیؐ اپنی روایتی شان و شوکت کے ساتھ دوپہر ۱ بجے پریڈ گراؤنڈ سے اٹھا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق اس میں شہر کی تقریباً ۰۰ تنظیموں انجمنوں نے سبز ہلالی پرچموں کیساتھ شمولیت کی۔ کہا جاتا ہے کہ جلوس اتنا وسیع و عریض تھا کہ تقریباً ۳ میل تک بس ہجوم ہی ہجوم نظر آ رہا تھا۔ اسکا پہلا سرا طلاق محل، بیکن گنج، کنگھی محال، نالہ روڈ، شفیع آباد، محمد علی پارک چمن گنج سے ہوتا ہوا حلیم کالج کے ابتدائی چوراہے پر پہونچ گیا تھا۔ جب بھی اس کا آخری سرا پریڈ گراؤنڈ میں ہی موجود تھا۔ اس تاریخی جلوس کی قیادت جمعیۃ العلماء کی ایک جیپ گاڑی کر رہی تھی۔ جس میں کہ قاضی احمد حسین، حکیم محمد زبیر، حافظ حبیب، محمد نسیم صدیقی اور دوسرے صاحبان بیٹھے ہوئے تھے جلوس کے آخر میں باطلی بازار یوتھ ایسوسی ایشن کے لوگوں کا دستہ تھا جنکی رہنمائی ایک جیپ گاڑی کر رہی تھی۔ یوتھ ایسوسی ایشن کے پیچھے باوردی خاکسار ہاتھ میں بلچہ لئے ہوئے اسلامی شان کیساتھ رواں دواں تھے یوتھ ایسوسی ایشن کی جیپ پر ایک لاؤڈ اسپیکر نصب تھا جس سے برابر نعت سلام و درود کا آخر تک سلسلہ جاری رہا اسکی رہنمائی جناب فیروز الدین لوہیہ کر رہے تھے۔

شربت پلانے گلاب کی پتیاں برسانے اور گلاب کیوڑہ کے چھڑکنے کا سلسلہ طلاق محل، بیکن گنج، محمد علی پارک چمن گنج، بانسمنڈی، مشن روڈ، افتخار آباد اور ٹپکا پور میں جاری و ساری رہا۔ کئی جگہوں پر شربت کے لنگر جاری کئے گئے تھے۔

مسلم پنجابی کانگریس کی جانب سے مدرسہ فیض عام میں ایک عام لنگر ہوا اس کام کو باطلی بازار کے نوجوانوں نے بڑے عزم و ہمت یکسوئی اور فراخ دلی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہونچایا۔ شریف الحسن صاحب چپل والوں نے برادری کی طرف سے لنگر کیا جسے انھوں نے نہایت ادب و احترام اور خاموشی کیساتھ گھروں میں تقسیم کر دیا تاکہ جو اسکے صحیح اور حقیقی مستحق ہیں ان کو پہونچ جائے۔

یوتھ ایسوسی ایشن کی طرف سے مشن روڈ میں ایک عظیم الشان سبیل کا انتظام کیا تھا ایک سبیل ہمکو گنج میں لگی جس میں کہ سلطان احمد لوہے والے اور ارشاد حسین پاپا وغیرہ پیش پیش تھے دوسری سبیل موکو گنج میں لگی تھی جس میں کہ برادران نفیس صاحب آتش بازی والے اور تیسری سبیل مشن روڈ پر لگی تھی اس میں امین الاسلام صاحب پانی والے اور دیگر حضرات وغیرہ پیش پیش تھے

رام نرائن بازار ٹپکا پور میں اس تاریخی جلوس کا خیر مقدم ہندوؤں اور مسلمانوں نے مشترکہ طور پر کیا۔ رام نرائن بازار سے لیکر پھول باغ کے چوراہے تک مشترکہ طور پر شربت وغیرہ پلانے کا بندوبست و انتظام کیا یہ تاریخی جلوس شام کے ۷ بجے پھول باغ پہونچا جہاں شہر قاضی کی امامت میں نماز مغرب ادا کی گئی۔ بعدہٗ مال روڈ سے ہوتا ہوا یہ جلوس عید میلاد النبیؐ ۸ بجے شب پریڈ پہونچکر ختم ہو گیا۔

احتجاجات

کلکتہ کی خواتین کا احتجاج

ثریا چودھری

۱۳ مئی ۱۹۷۲ء کو انجمن خواتین محبان شریعت کلکتہ کے زیر اہتمام مسلم خواتین کا ایک جلسہ عام زیر صدارت محترمہ بیگم نورجہاں پیل صاحبہ (ملیگ) بمقام مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال ویلسلی اسکوائر منعقد ہوا۔

جلسہ کے لئے ساڑھے تین بجے کا وقت مقرر کیا گیا تھا مگر شدت کی دھوپ، گرمی اور لو کے باوجود تقریباً تین ہزار خواتین جلسہ گاہ تک پہونچ کر یہ ثابت کر دیا کہ موسم کی اذیت ناک سختی بھی شریعت سے محبت رکھنے والی خواتین کے پیروں کی زنجیر نہیں بن سکتی اور یہ کہ خواتین مسلم پرسنل لا کی اہمیت اور اپنے فرض کو خوب سمجھتی ہیں۔ دو بجے سے ہی خواتین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان خواتین میں بیشتر ان خواتین کی تھی جو الحمدللہ تعلیم یافتہ بھی ہیں اور روشن خیال بھی۔

جلسہ گاہ میں کارکنان نے ہر امکانی کوشش کی تھی کہ خواتین کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، چنانچہ ٹھنڈے پانی اور بجلی کے پنکھوں کے علاوہ ہاتھ کے بکثرت پنکھوں کا انتظام تھا۔ یہ خوبصورت پنکھے کلکتہ میں دوائیں بنانے والی مشہور فرم مسیسرز الیس۔ اے۔ بی۔ بمغنی کمپنی کی پیش کش تھے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

ٹھیک چار بجے ڈاکٹر شاہدہ محمود نے اپنی انتہائی دلکش اور شیریں آواز میں تلاوت کلام پاک کر کے جلسہ کا آغاز کیا۔ اناؤنسر کے فرائض محترمہ انوری بیگم صاحبہ ادا کر رہی تھیں۔ بطور مہمان خصوصی محترمہ قیصر بیگم نیازی کانپور سے تشریف لائی تھیں۔

محترمہ سعیدہ بانو بیگم صاحبہ ایم۔ اے نے اپنی استقبالیہ تقریر میں فرمایا کہ "آج مسلمانوں کی حالت پست نظر آتی ہے۔ یہ پستی اور تنزلی اسلئے نہیں ہے کہ ہمارا مذہب پرانا ہے یا ہماری شریعت ۱۳ سو سال پرانی ہو چکی ہے بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کی تعلیم اور اس کی روح پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

مہمان خصوصی قیصر بیگم نیازی صاحبہ نے اپنے جوشیلے انداز میں فرمایا کہ حکومت ہمارے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔ جو لوگ شریعت سے واقف نہیں ہیں ان کی رائے بھی کوئی وزن نہیں رکھتی۔ مزید آپ نے کہا کہ یکساں سول کوڈ بھارت کے لئے کسی طرح موزوں نہیں اور نہ ہم مسلم لا کو یکساں سول کوڈ کا لقمۂ اجل بننے دے سکتے ہیں۔"

ممتاز بیگم بی۔ اے نے بنگلہ میں تقریر کرتے ہوئے اس پر زور دیا کہ "آج اسلام کی عمارت کو مضبوط سے مضبوط

…کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ عمارت احکام شرعیہ کے ستونوں پر کھڑی ہے۔ بے شک ان ستونوں پر ضرب لگانے کی کوشش مذموم اور قابل نفرت ہے"

انجمن خواتین تحفظ شریعت کی سکریٹری محترمہ بیگم ثریا چودھری صاحبہ نے اسلام کی تعلیم عدل و مساوات پر روشنی ڈالی اور کہا کہ "مسلم پرسنل لا میں ترمیم چن چن کر ایسے مسائل میں کی گئی ہے جو عورتوں کے جذبات کو اپیل کریں اور مسلمان عورتوں کو اسلامی قوانین میں ترمیم کی طرف مائل کیا جا سکے یہ مسلم عورت کو مذہب کی طرف سے ورغلانے کی کوشش ہے۔"

خطبۂ صدارت دیتے ہوئے محترمہ بیگم نور جہاں شکیل صاحبہ (مسلم لیگ) نے فرمایا کہ گذشتہ کئی سالوں سے رہ رہ کر حکومت کے سامنے یہ مسئلہ سر اٹھا رہا ہے کہ مسلمانوں کی شریعت ایکٹ یا مسلم پرسنل لا میں ترمیم کر دی جائے۔ کچھ نام نہاد مسلمانوں نے اسی ترمیم کی حمایت کر کے حکومت کی حوصلہ افزائی کی ہے آپ نے پر جوش انداز میں کہا کہ ہم حکومت سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر حکومت ان چند نام نہاد دین سے برگشتہ مسلمانوں کی آواز پر لبیک کہہ کر مسلم پرسنل لا میں ترمیم کر سکتی ہے تو ان مسلمانوں کی آوازیں آخر کیوں قابل شنوائی نہیں جو ان سے کہیں بڑی تعداد میں چیخ چیخ کر حکومت سے کہہ رہے ہیں کہ مسلم پرسنل لا اللہ کے احکام کا ایک حصہ ہے اس میں کسی طرح ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ آپ نے اپنی زوردار آواز میں کہا کہ ہمارے جمہوری ملک کے دستور میں اقلیتوں کو مذہبی آزادی اور مذہبی تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے ہم اپنے جمہوری نظام سے اپنے اس حق کا تحفظ چاہتے ہیں۔" آپ نے کہا کہ یکساں سول کوڈ ہماری مذہبی انفرادیت کو ختم کر دینے کے مترادف ہے۔ "جب ہماری مذہبی انفرادیت ہی نہ رہے گی تو ہم کہاں رہیں گے کہاں رہیں گے"؟ آخر میں آپ نے کہا کہ یکساں سول کوڈ یا مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا تصور ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے لئے انتہائی دلخراش ہے ہم حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہمارے جذبات کو سمجھے اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے کوئی واضح بیان دے کہ ہماری بے چینیوں کا ازالہ کرے۔ یہ حکومت کا فرض ہے اور ہمارا حق۔"

خطبۂ صدارت کے بعد محترمہ جہاں آرا صاحبہ نے بنگلہ زبان میں ایک مختصر سی تقریر کی۔ آپ کے بعد ایڈوکیٹ الوری قریشی صاحبہ ایم اے ایل ایل بی نے انگلش میں اسلام کے بنیادی مسائل پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اسلام کے قوانین عدل اور مساوات کی بنیادوں پر ہیں۔ مسلم پرسنل لا دین و شریعت کا ایک حصہ ہے جس میں ترمیم نہیں کی جا سکتی۔

طاہرہ تبسم صاحبہ نے اپنی بصیرت افروز تقریر میں اسلام کے تینوں بنیادی مسائل جو مسلم پرسنل لا کے اہم موضوع ہیں یعنی تعدد ازدواج، حق وراثت اور طلاق و خلع پر روشنی ڈالی نیز اسلام کے قوانین میں بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے جو گہری حکمتیں پنہاں ہیں ان کی مدلل وضاحت کی

آخر میں محترمہ ذکیہ یوسف صاحبہ نے سردار اسلام صاحب کی ایک طبع شدہ تقریر پڑھ کر سنائی۔ جو مورخہ ۲۱ اپریل کو فوٹو کانپور کے خواتین کے جلسہ میں کی گئی تھی۔

گذارش

از راہ کرم ان امور کا برابر خیال رکھیں۔

۱۔ آپ کا پتہ اگر بدل گیا ہے تو اپنے نئے پتے سے ہمارے دفتر کو فوراً مطلع کر دیجئے۔ ۲۔ خریداری نمبر حوالہ دینا نہ بھولئے تاکہ پتہ تلاش کرنے میں دفتر کو دشواری نہ پیش آئے۔

REGISTERED No. L. 1797 JUNE 1972 Phones: 68820, 68172, 63
Registered with the Registrar of Newspapers R. N. 19397/70

Printers, Kanpur.

سنکارا

(جنرل ٹانک)

وٹامنوں اور قدرتی جڑی بوٹیوں کا ایک
بہترین مرکّب

نئے پیکنگ میں

دہلی — کانپور — پٹنہ

بیت المال کا قیام مسلم اقتصادیات کا اہم ترین قدم ہے

ماہنامہ

رگِ سنگ

کانپور

مسلم پرسنل لاء نمبر

سال : سوم

شمارہ ۲۷/۲۸

جولائی ۔ اگست ۱۹۷۲ء

جمادی الاوّل، جمادی الآخر ۱۳۹۲ھ

عام شمارہ ۔ ایک روپیہ

سالانہ ۔ دس روپیہ

قیمت مسلم پرسنل لاء نمبر ۳ روپے ۵۰ پیسے

دفتر مقام اشاعت اور ترسیل زر کا پتہ

۸۹/۲ مکھنیا بازار ۔ کانپور

فون نمبر

۶۰۳۷۲ ۔ ۶۳۸۸۳ ۔ ۶۸۸۲

طابع و ناشر

فیروزالدین بوبیجہ

مطبع

لیتھو برقی پریس ۔ نئی سڑک کانپور

وہ ہنگامۂ نکہت و رنگ ہے
رگِ گل سے دلکش رگِ سنگ ہے

(طپش صدیقی)

مدیر : فیروز بوبیجہ

معاون مدیر : ابوضیا

ناظم شعبہ جات اشاعت و اشتہارات : رشید الظفر خان

سرورق : آرٹیکو

تزئین : ابن یونس

خطاط : محمد نفیس

" : حافظ حفظ الرحمان خان

" : مشتاق احمد

"مسلم پرسنل لا اُن قوانین اسلامی کا ایک حصّہ ہے جن کی ترتیب فقہائے اسلام کے ہاتھوں ہوئی تھی اور جن کی بنیاد قرآن و حدیث ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ یہ ایک خالص شرعی معاملہ ہے' پھر آپ خود غور کریں کہ اس کا کتنا اور کہاں تک امکان ہے کہ موجودہ دور کے علماء اس میں تبدیلی کریں۔ اور اسے بدل کر کوئی ایسا پرسنل لاء مرتب کریں" جو جدید روشن خیال' طبقہ کے مزاج کے مطابق ہو۔ اس طرح کی تبدیلی حکومت کی خواہش کے مطابق ہوسکتی ہے اسلام کے دستور کے مطابق نہیں ہوسکتی۔

(مولانا سید منت اللہ شاہ رحمانی)

اس شمارے کے قلمکار

اداریات

اسلامیات

منظومات و غزلیات

ادبیات

ادارتیات

شہ رگ

ادارہ

کسی مسلمان کی اس سے بڑی سعادت مندی اور خوش بختی اور کیا ہوسکتی ہے کہ دین و دیانت اور دانش و حکمت کی خدمت کا کوئی موقع سامنے آئے تو اسے ہاتھ سے نہ جانے دے اور خدائے بخشندہ کی بخشی ہوئی ہمت اور توفیق کے مطابق اس سے بیش از بیش سرفراز ہونے کی کوشش کرے بس اسی تصور کا حاصل ہے یہ۔

مسلم پرسنل لا نمبر

قانون شریعت (مسلم پرسنل لاء) میں تبدیلی، تحریف، ترمیم اور تنسیخ کا جو فتنہ وقتاً فوقتاً دکھایا جاتا ہے وہ اس سال کے شروع میں ایک بار پھر نسبتاً زیادہ شدت کے ساتھ سامنے لایا گیا، فطری طور پر اس کا ردعمل بھی اتنا ہی شدید ہوا اور ملک کے طول و عرض میں اعتراض، اضطراب اور احتجاج کا طوفان سا آگیا۔

بمبئی، حیدرآباد، احمدآباد، لکھنؤ، الہ آباد، کانپور، اناؤ وغیرہ درجنوں چھوٹے بڑے مقامات پر مسلم خواتین کے شاندار اور باوقار احتجاجی اجتماعات ہوئے ان میں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر مدلل اور مفصل بحث کی گئی، زوردار صدائے احتجاج بلند کی گئی اور قراردادوں کے ذریعہ پوری طرح واضح کردیا گیا کہ کوئی بھی مسلمان مرد یا عورت قانون شریعت میں کسی قسم کی بھی تبدیلی، تحریف، ترمیم یا تنسیخ کسی قیمت پر بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور اس قسم کی کسی بھی کوشش کو "مداخلت فی الدین" تصور کرکے اس کا اسی حیثیت سے مقابلہ کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں کانپور میں منعقدہ احتجاجی جلسہ کی رپورٹ "دختران ملت کا اجتماع" کے زیر عنوان رنگ سنگ کے ایک گذشتہ شمارہ (سیرت نمبر) میں پیش کی گئی تو خدا کا شکر ہے کہ اسے توقع سے زیادہ پسند کیا گیا۔ اور مسئلہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر بعض مخلصین نے یہ مشورہ دیا کہ نہ صرف کانپور کے اس اجتماع کی مکمل کارروائی شائع کی جائے بلکہ جن دوسرے مقامات کے اجتماعات کی رپورٹیں دستیاب ہوسکیں انہیں بھی یکجا کردیا جائے تاکہ اس موضوع پر ایک دستاویزی چیز سامنے آسکے۔

کرم فرماؤں کے اسی مخلصانہ مشورہ کے مطابق اس نمبر کی ترتیب و تدوین عمل میں آئی۔ یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ "رنگ سنگ" کا یہ شمارہ (مسلم پرسنل لا نمبر) اپنے موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ کوشش ضرور کی گئی ہے کہ صورت حال کے تمام پہلو پوری طرح اجاگر ہو سکیں اور ہمارا حکمراں طبقہ اچھی طرح محسوس کرے کہ اس معاملہ میں ملت اسلامیہ ہند کے جذبات کس قدر شدید ہیں اور یہ کہ مسلم پرسنل لا سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کس درجہ غیر دانشمندانہ، کس قدر نامعقول اور کتنے افسوسناک نتائج کا موجب ہو سکتی ہے۔

ضد اور ہٹ دھرمی کی او رات ہے ورنہ عوامی اور جمہوری نمائندوں کی حیثیت سے ہمارے حکمراں اگر خلوص اور نیک نیتی سے کام لیں تو مسلم پرسنل لا کو برقرار رکھنے کے لئے اب تک جو آوازیں بلند کی جا چکی ہیں انہیں کسی بھی حیثیت سے نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم خواہ مخواہ اس بدگمانی کو راہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ کچھ نام نہاد مسلمانوں کو نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کا قائد تصور کر کے حکومت آنکھ بند کر کے محض انکی رائے، مشورہ پر عمل کرے گی اور اس طرح نہ صرف اپنے لئے ایک پریشانی کو دعوت دے گی بلکہ دنیا میں غیر مذہبی جمہوریت کی ذلت و رسوائی کا بھی سامان کرے گی۔

حکومت پر یہ پوری طرح عیاں کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی قیادت اور خاص طور پر مذہبی معاملات میں رہنمائی کا حق کن لوگوں کو ہے، کن کی باتیں وزن اور وقار رکھتی ہیں اور کن کو ان معاملات میں مداخلت اور لب کشائی کا ذرا بھی حق نہیں ہے۔ آج جو لوگ اپنی نام نہاد ترقی پسندی اور دانشوری کے زعم میں مسلم پرسنل لا میں ردو بدل کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا خود مسلمان ہونا بھی مشکوک ہے۔ انہیں مسلمانوں کا قائد و رہنما تسلیم کر لینا بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے جھینگوں اور چمگادڑوں کو شہباز و شاہیں کی نمائندگی، و ترجمانی کا حق دیدیا جائے بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب و حیرت انگیز بات ہوگی بقول طیش صدیقی ؎

ممکن ہے کہ دنیا کو نہ ہو کوئی تعجب
شاہیں کی قیادت پہ جو مامور ہو چغد
لیکن یہ ستم دیکھ سکے گا نہ فلک بھی
ہوں قائدِ اربابِ وفا صادق و جعفر

● اسلام نے زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خواہ اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہو یا انفرادی زندگی سے اصول بتلائے ہیں جن پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور بعد میں بھی عمل ہوتا رہا ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایتوں اور صحابہ کرامؓ کی تشریحات کی روشنی میں فقہاء اسلام نے زندگی کے تمام گوشوں کے لئے قوانین مرتب کئے ہیں جنہیں اصطلاح میں ہم "فقہ" کہتے ہیں۔ یہ پوری "فقہ" قرآن و حدیث کی بنیادوں پر مرتب ہوئی اور اس کا ہر حصہ ہمارے لئے لائق عمل ہے اور جس طرح انفرادی زندگی کے قانون پر عمل کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ اسی طرح یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اجتماعی زندگی کے قوانین پر بھی عمل کریں۔

ادارہات

بستی بستی

ہجارے کے قلم سے

احمد حسین باروی، مرحوم ہو گئے۔ اسّی سال کی عمر۔ لُو لگی، ایسی غضب کی کہ درجہ حرارت تقریباً میٹر کی بلندیوں کو بھی پار کر گیا۔ طبی امداد بھی کچھ نہ کر سکی۔ تین گھنٹے میں چٹ پٹ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷۳ سال، متواتر ۷۳ سال تک قوم کی جس عزم و ہمت، خلوص اور مستقل مزاجی سے خدمت کی ہے اس کی مثال خال خال ملے گی۔ آزادی سے پہلے مسلم لیگ کی حمایت کی پاداش میں جتنی سخت اور مسلسل سزا مرحوم کو ملی، شاید ہی کسی کو ملی ہوگی۔ سب نے سمجھایا۔ اپنوں نے بھی، غیروں نے بھی۔ سیاسی لوگوں نے بھی۔ غیر سیاسی لوگوں نے بھی۔ مگر یہ تنہا دیا سخت ترین آندھیوں میں جلتا رہا قوم کو روشنی دیتا رہا۔ اچھے اچھے بدل گئے مگر ایک چٹان کی طرح، اصولوں کی جنگ میں اپنے موقف پر آخر دم تک ڈٹے رہنا ان ہی کا دم تھا۔

عشرت نے آخیر آخیر تک اپنا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور یہ بھی اس کا پیچھا چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں آزاد ہندوستان کے اولین عام انتخابات سے چند ماہ پہلے انھوں نے اپنے ہفتہ وار اخبار "ہماری آواز" کو روزنامہ بنانے کی ضرورت اور خواہش قوم کے سامنے پیش کی۔ چار ہزار روپیوں کیلئے اپیل کی۔ تقریباً دو ہزار روپے کی بازیافت ہوئی۔ مجبوراً اسکیم کو سرد خانے میں ڈالنا پڑا۔ ایک کانگریسی سرمایہ دار مسلمان نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ سارا روپیہ دینے کے لئے تیار ہیں مگر الیکشن تک ان کی پالیسی کانگریس کی حمایت ہوگی۔ اسکے بعد وہ آزاد ہیں جو پالیسی چاہیں اختیار کریں۔ مگر اس خلوص کا سوال مجاہد نے صاف جواب دیدیا کہ۔ خواہ "ہماری آواز" ہفتہ وار سے ماہنامہ ہو جائے یا بند ہی ہو جائے۔ مگر وہ غیر حق بات ہرگز نہیں کہیں گے۔ اپنی پالیسی کسی کے پاس گروی نہیں رکھینگے۔

خریداروں کی بے اعتنائی کا اکثر و بیشتر شکار رہے۔ ہمدردوں نے اکثر سمجھایا کہ خسارے سے بچنے کیلئے اخبار کی اشاعت کم کر دیجئے، نادہندگان کو اخبار جاری رکھنے سے آخر فائدہ بھی کیا۔ ہنس کر کہتے "میاں، ہم تو مولانا حسرت موہانی کے شاگردوں میں سے ہیں۔" "اردوئے معلیٰ" کی تدوین میں ہم بھی شامل تھے اکثر جب مولانا مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے تو جھلا کر مجھ سے کہتے۔ "احمد ذرا خریداروں کا رجسٹرا اٹھالاؤ۔" جتنے نادہندگان ہوتے سب کے نام کاٹ دیتے مگر جب اخبار چھپ کر آجاتا تو ہنس کر کہتے: "بھیجو احمد، سب کو بھیجو۔ کم از کم میری بات ان کے کانوں میں پہونچ تو جاتی ہے۔" اب بتاؤ میں نے بھی تو مولانا ہی سے سیکھا ہے۔ میں کیونکر اس کے خلاف کر سکتا ہوں۔

"اودھ پنچ" کے دور ثانی میں حکیم ممتاز حسین عثمانی کے

ساتھ معاون مدیر کی حیثیت سے شریک تھے۔ لکھنؤ سے ہی ان کی صحافیانہ زندگی کا آغاز ہوا۔ وسیع معلومات، منفرد اسلوب نگارش، چبھتا ہوا طنز، کھری اور حق بات، مرحوم کی یہ خصوصیات تھیں جنکو آخر دم تک سینے سے لگائے رکھا۔ جسکی جھلک آخری شمارے تک میں دیکھی جا سکتی ہے۔

گذشتہ پارلیمانی الیکشن میں جب بیشتر زعمائے ملت اندرا لہر میں بہہ رہے تھے۔ باقاعدہ ل کر کہتے یہ قوم کو کیا ہو گیا ہے۔ گھبرا گھبرا اپنے مشہور عام شذرات کے ذریعے اپنے قوم کو متنبہ کرتے کہ "ذرا ماضی تو کانگریس کا دیکھ لو۔ وہی سب کچھ کانگریس نے کیا ہے۔ جو جن سنگھ چاہتی بس طریقہ کار میں فرق ہے۔" مگر کون سنتا ہے فغانِ درویش۔

قوم مسلم کی بے حسی دیکھتے ہوئے تو خیر قبرستان میں خاصے آدمی تھے اگر یہ حدیث صحیح ہے کہ بوند سوت اگر جسم سے خون نکلے تو شہادت کا درجہ ملتا ہے تو ہمیں کہنے دیجئے کہ باردی مرحوم یقیناً شہید ہیں۔ ویسے بھی جو شخص زندگی بھر جہاد مسلسل کرتا رہا ہو شہید نہیں کہلائے گا۔؟ اللہ میاں ان کی مغفرت کریں۔ اور انکے درجات بلند فرمائیں آمین ؂

متاعِ جاں لٹا دی جس نے ایثار و محبت پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں اسکی تربت پر

اعتذار

"رگِ سنگ" کا مسلم پرسنل لا نمبر اپنے پورے اہتمام کے ساتھ ترتیب پا رہا تھا۔ دفتر سے ناظم شعبہ ہائے اشاعت و اشتہارات جناب رشید الظفر خاں صاحب دورے پر جا چکے تھے شعبہ ادارت کے دوسرے دو افراد بھی ناگزیر درجہ پر طویل چھٹیوں پر گئے ہوتے تھے اور نائب مدیر الوصیا صاحب یکہ و تنہا نمبر کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھے۔ بدقسمتی سے اچانک ہی ان کے والدِ محترم کا لو لگنے سے انتقال ہو گیا۔ اِنا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس حادثہ فاجعہ کے سبب رسالہ کی ترتیب کا کام اچانک رک گیا۔ اور یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ خدانخواستہ یہ خصوصی شمارہ اپنے مقررہ وقت پر نہ نکل سکے گا۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم آپ کی خدمت میں کوشش کر کے اسے وقت معینہ پر پیش کر رہے ہیں۔ البتہ ہمیں خود اس بات کا شدت کے ساتھ احساس ہے کہ ہم اس خاص شمارہ کو اتنی حسن ترتیب کے ساتھ نہ پیش کر سکے۔ جتنا کہ ہم نے سوچ رکھا تھا۔ اور ہمیں امید ہے کہ اگر قارئین اس شمارہ میں کسی قسم کا سقم پائیں گے تو اسے ہماری مجبوریوں کے پیش نظر نظرانداز کر دیں گے،

(ادارہ)

اداریات

رودادِ بیت المال

ترجمانِ بیت المال

بیت المال کی عمومی ماہانہ نشست ۲۷رجون سنہ ۱۹۷۲ء کو شب میں ۹½ بجے علی منزل مکھنیا بازار کانپور میں منعقد ہوئی۔ شرکائے نشست تھے جناب حاجی اشتیاق حسین صاحب ۔۲۔جناب حاجی محمد الٰہی صاحب ۳۔ جناب قاری محمد الٰہی الٰہی صاحب ۴۔ جناب امین الاسلام صاحب ۵۔ جناب غلام خواجہ صاحب ۶۔ جناب حافظ محمد عقیل صاحب ۷۔ جناب فیروزالدین بدیکہ صاحب ۔ افتتاحی دعا جناب قاری محمد الٰہی صاحب نے فرمائی۔

یہ نشست اس لحاظ سے زیادہ اہمیت کی مستحق سمجھی جاسکتی ہے کہ اس میں بیت المال کے نظم کو زیادہ فعال اور سرگرم بنانے نیز اس کی کارکردگی کو زیادہ موثر بنانے کے سلسلے میں چند مفید تجاویز سامنے آئیں۔ ان تجاویز پر اراکین نشست نے بڑے ہی سلجھے ہوئے انداز میں غور وفکر کیا اور انہیں منظوری دی۔

سب سے اہم تجویز یہ تھی کہ بیت المال کی ترقی کے لئے عام ڈگر سے ہٹ کر اس کے طریقۂ کار میں تبدیلی کی جائے۔ تجویز کا روشن پہلو یہ تھا کہ مقررہ رقوم کے علاوہ جو بیت المال کو اس کے معاونین اور ہمدردوں کی جانب سے سال کے دوران حاصل ہو جاتی ہیں۔ مزید آمدنی کی سبیل فراہم کی جائے۔ اور کم از کم یہ آمدنی ایسی ہو جو زکوٰۃ، صدقہ فطرہ، خیرات وغیرہ کی مدوں سے بالاتر ہو۔ اس کے لئے تجویز پیش کی گئی کہ اس رقم کو کیوں نہ ممبر سازی کے ذریعہ فراہم کیا جائے۔ ممبرسازی کی رسیدیں چھپوائی جائیں۔ اور ان کے ذریعہ ممبر بنا کر بجٹ کی رقم میں اضافہ کیا جائے۔

اس سلسلہ میں ایک ذیلی تجویز سامنے آئی کہ اس سلسلہ میں خود بیت المال حیدرآباد سے رجوع کیا جائے۔ اور وہاں سے بیت المال سے متعلق لٹریچر منگوایا جائے۔ اور پھر اس کی روشنی میں مزید ترقیاتی اقدامات کئے جائیں شرکائے نشست میں سے ایک صاحب نے اس سلسلہ میں میٹنگ کو یہ یاد دلایا کہ اس سلسلہ میں خود بیت المال سے رجوع کیا جاچکا ہے لیکن ابھی تک ان کا کوئی جواب ہمیں موصول نہیں ہوا ہے۔ اور انہیں۔ اس مسئلہ پر یاددہانی کا خط تحریر کیا جائے گا۔

ایک شرعی مسئلہ جو اراکین بیت المال کے لئے الجھن کا باعث بنا ہوا ہے۔ جناب حافظ محمد عقیل صاحب جوہری کو مجاز کیا گیا کہ وہ اس مسئلہ کو دریافت کر کے اس کی رپورٹ بیت المال کمیٹی کے سامنے پیش کریں۔

درخواست کنندگان مریضوں کو مزید سہولیت فراہم کرنے کے سلسلے میں مناسب سمجھا گیا کہ محمدیہ اسپتال سے تعاون کی درخواست کی جائے۔

انگریزی زبان میں دینی کتب کی اشاعت کے سلسلہ میں دیوبند سے ۵ صد روپیہ کی اعانت کا جو مزید مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں جناب حافظ محمد طفیل صاحب جوہری کو مجاز کیا گیا کہ وہ معلومات فراہم کریں۔

زاد راہ امداد کے بطور ۹ مسافروں کو دی گئی مبلغ تین سو ایک روپیہ کی رقم کی تفصیلات اراکین نے ملاحظہ کیں اور اس رقم کو بیت المال سے ادا کئے جانے کی منظوری دی۔

اسکے علاوہ امداد و اعانت کی کچھ درخواستوں پر غور کیا گیا اور .. .. ..

برائے کاروبار	دو درخواستوں پر	مہر تصدیق لگائی گئی
برائے شادی دختر	ایک درخواست پر	ہمدردانہ رویہ اختیار کیا گیا۔
برائے علاج و امداد ماہانہ	ایک درخواست پر	اثباتی رویہ اپنایا گیا
برائے ادائیگی قرض	ایک درخواست پر	منظوری دی گئی
برائے تعلیم	ایک درخواست پر	اتفاق کا اظہار کیا گیا
برائے سلائی مشین	ایک درخواست پر	مثبت رویہ مناسب سمجھا گیا۔

چند درخواستوں کو مزید تحقیق کیلئے مناسب سمجھتے ہوئے روک لیا گیا

دو درخواستیں چند در چند وجوہ کی بنا پر مسترد کی گئیں۔

ان تمام کارروائیوں کے بعد اختتامی دعا جناب حافظ محمد طفیل جوہری صاحب نے پرسوز اور درد آفریں انداز میں کی اور اس کے بعد یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔

جیسے جیسے زمانہ گذرا، اور مسلم حکومتوں میں شخصی رجحان اور خدا کے حکم کے بجائے بادشاہ کی خواہش کے احترام کا جذبہ آتا گیا، اجتماعی قوانین جن کی روشنی میں حکومت چلائی جاتی تھی عملاً ختم ہوتے رہے اور آہستہ آہستہ اسلام کے اجتماعی قوانین کتابوں میں محفوظ ہوتے چلے گئے، اور عملی زندگی سے اس کا واسطہ کم ہوتا گیا۔ ہندوستان میں جب انگریزوں کا غلبہ ہوا تو انھوں نے حکومت چلانے کے لئے اپنا قانون نافذ کیا، جس کے نتیجہ میں اسلام کا "اجتماعی قانون زندگی" غیر متحرک ہو کر پورے طور پر محض کتابوں میں رہ گیا اور صرف "انفرادی زندگی" کے قوانین کو باقی رکھنا انگریزوں نے مناسب سمجھا۔ اور اس کے نفاذ کے لئے قاضی مقرر کئے۔ بعد میں یہ قضا کا نظام بھی ختم ہو گیا۔ اور انفرادی زندگی کے اسلامی قوانین کے نفاذ کا اختیار عام سرکاری عدالتوں کے حوالے کر دیا گیا۔ انفرادی زندگی کے ان اسلامی قوانین کو جنہیں برطانوی حکومت نے اپنے قانون میں جگہ دی "مسلم پرسنل لا" کا نام دیا گیا، اور جن کا دائرہ صرف وراثت، نکاح، خلع و طلاق، فسخ، مہر اور اوقاف وغیرہ تک محدود رکھا گیا۔ گویا مسلم پرسنل لا کی موجودہ اصطلاح انگریزوں کا عطیہ ہے، اور انفرادی زندگی کے لئے جو اسلامی قوانین ہیں، ان کا کٹا پٹا حصہ ہے، یہی مسلم پرسنل لا اب تک چلا آرہا ہے۔

اسلامیات

خیال اور اسکی طاقت

مولوی شریف حسین

"فکر خیال کا عالمگیر مشورہ" کے عنوان سے جناب مولوی شریف حسین صاحب کا نوشتہ مقولہ آپ گزشتہ شمارے میں لاحظہ کر چکے ہیں۔ اسی موضوع پر ایک دوسرے انداز میں مولوی صاحب موصوف کا تحریر کردہ مضمون لاحظہ فرمائیے (مدیر)

خیال ایک زبردست طاقت ہے اس کا پورا علم ابھی تک انسان کو نہیں ہوا۔

انسان کے خیالات سے اس کا کلام بنتا ہے اور جیسے کسی کے خیالات ہوتے ہیں۔ ویسے ہی اسکے فعل بھی ہوتے ہیں

بعض اوقات انسان دیدہ و دانستہ بعض باتیں سوچتا ہے۔ بعض اوقات اسکے دل میں چند خیالات خود بخود گذر جاتے ہیں۔ اگرچہ ان خیالات کو وہ جان بوجھ کر پیدا نہیں کرتا نہ ہی ان کے پیدا ہوتے وقت اسکو اس امر کا علم ہوتا ہے کہ انکا انجام اسکے حق میں کیا ہوگا۔ اور اسکے چلن اور طبیعت کے بنانے میں وہ کیا اور کیسا اثر رکھیں گے۔

یہ خیالات عموماً اسی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں جو رنگ اسکے عموماً جذبات یا احساس کا ہوتا ہے۔ مثلاً جوقت کوئی شخص بڑے غصہ کی حالت میں ہے جبکہ وہ اپنے رقیب سے لڑکر آیا ہے اسوقت اسکے دل سے طرح طرح کی ترنگیں اٹھ رہی ہیں۔ بعض اوقات وہ اپنے رقیب کا زیادتی۔ تشدد بے انصافی اور دیگر اسی قسم کی حرکات اور افعال پر سوچتا ہے۔ بعض اوقات کسی آئندہ موقع پر اس کا مقابلہ کرنے کا خیال دل میں دوڑاتا ہے۔ بعض دفعہ اسکو اپنے دشمن کے وسائل اور ذرائع کا خیال دل میں گذرتا ہے۔ اور اسکے مقابل اسکو اپنے ذرائع اور وسائل ہیچ معلوم ہوتے ہیں الغرض جس قسم کے اسکے جذبات ہوتے ہیں ٹھیک اسی قسم کے خیالات اسکے دل میں پیدا ہو کر متواتر نکلتے رہتے ہیں۔

بعض اوقات انسان ایک دم ٹھہر جاتا ہے اور اپنے کو مخاطب کرتا ہے

"کیا تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟ کیسے فضول اور بیہودہ خیالات دل میں لاکر اپنی طبیعت کو پریشان کر رہا ہے"

اس وقت انسان کو علم ہوتا ہے کہ پچھلے آدھ گھنٹہ یا ایک گھنٹہ میں جس قدر خیالات کا تانتا اسکے دل سے نکلا ہے اس کا وہ خود مصنف نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ان خیالات کے مصنف اسکے وہ رنج و غم اور غصہ کے جذبات تھے۔ جوکہ

اس وقت سے اسکے دل میں موجود تھے۔ جبکہ لڑائی اور جھگڑے کے بعد وہ اپنے رقیب سے جدا ہوا تھا. یہ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ کوئی آدمی بجائے عقل سلیم کی تابعداری کرنے کے اپنے جذبات کا غلام بن جاتا ہے (یا علم باطل کے تحت نظریات قائم کر چکا ہے)

جن آدمیوں کو ان جذبات کو روکنے کی طاقت نہیں ہوتی وہ اسی قسم کے خیالات کی رَو کو بالکل ہی نہیں روک سکتے۔ آخر ایک وقت آتا ہے جبکہ ان خیالات کی لہر ان کے دل میں سے اس زور سے نکلنے لگتی ہے جس طرح پہاڑی چشمے سے پانی نکلتا ہے بعض آدمیوں کی یہ حالت ان کی دیوانگی کا آغاز ہوتی ہے۔

جن آدمیوں کو اپنی طبیعت پر پورا قابو نہیں ہوتا۔ یا جو وقت وہ کسی دکھ سکھ کے صدمے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس وقت ان پر یہ حالت طاری ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو اپنے بیٹے سے بہت ہی محبت ہو۔ اسکو اس نے نہایت کوشش محنت اور زر کثیر جمع کر کے تعلیم دلوائی ہو۔ اور جب وہ برسر روزگار ہوا ہو تو اسی وقت وہ کسی ناگہانی مرض کا شکار ہو کر گذر جائے

یا کسی شخص کی پچھلی بیس اور پچیس سالہ کوشش کا کمایا ہوا روپیہ چور لوٹ کر لے جاویں۔ جس سے اس کی آئندہ امیدیں خاک میں مل جاتیں۔ ایسے وقت میں اس آدمی کا پاگل ہو جانا معمولی سی بات ہوتی ہے. کیوں کہ اب اسکو اپنے جذبات پر قابو نہیں ہوتا جیسا کہ ایک کمزور آدمی کے سر پر لاٹھی مار دینے سے وہ بیہوش ہو جاتا ہے۔ یا مر جاتا ہے. کیوں کہ اس میں اس قدر طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اس لاٹھی کی ضرب کو برداشت کر سکے۔ اسی طرح جو شخص گہرے غم یا نقصان کو ضرب کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتے وہ ہی دماغی لحاظ سے بالکل نکمے یا پاگل ہو جاتے ہیں۔

جس طرح دو آدمیوں کے جسموں میں فرق ہوتا ہے۔ ایک کا جسم مضبوط اور دوسرے کا کمزور ہوتا ہے۔ اسی طرح دو آدمیوں کے دلوں میں بھی فرق ہوتا ہے. زبردست دل کا آدمی سخت سے سخت صدمے کو بھی برداشت کر سکتا ہے۔ جسم کی مضبوطی کا دارومدار اچھی غذا۔ اچھی آب و ہوا۔ تندرستی اور ورزش پر ہوتا ہے دل کی پرورش (تعلق مع اللہ، ذکر اللہ، پاک و نیک صحبت) پاکیزہ خیالات اور صحت بخش اور پُر محبت خیالات سے ہوتی ہے اسلئے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے خیالات کو درستی کی حالت میں رکھے

بہر حال جو کچھ آدمی خیال کرتا ہے۔ وہ وہی ہو جاتا ہے وہ نیک انسان جو نیک خیالات سوچتا ہے نیک بن جاتا ہے۔ اور جو بُرے خیالات سوچتا ہے بُرا بن جاتا ہے۔

یعنی انسان اپنے خیالات کی پیدائش ہے چونکہ خیالات سے ہی آدمی کا کلام اور افعال بنتے ہیں۔ اسلئے درحقیقت خیال ہی اسکی کامیابی یا ناکامیابی کا سبب ہوتا ہے ؎

اے برادر تو ہمین اندیشۂ
مابقی تو استخوان و ریشۂ
گر گلست اندیشۂ تو گلشنی
ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی

مسلم پرسنل لا نمبر

خریدار اصحاب کو بلا قیمت پیش کیا گیا ہے اگر آپ کے حلقہ احباب میں کسی کو مسلم پرسنل لا نمبر درکار ہو تو سالانہ قیمت مبلغ دس روپیہ ذریعہ منی آرڈر بھجوایئے۔ مسلم پرسنل لا انہیں بلا قیمت روانہ کیا جائے گا

(مینیجر شعبہ اشاعت)

اسلامیات

رحمت حق بہانہ جوید

تسکین الدین فاروقی

حجاج بن یوسف بنی امیہ کا ایک سخت گیر، ظالم اور جابر گورنر ہوا ہے۔ جس کے جبر و تشدد نے ہر شخص کو پریشان اور سراسیمہ کر دیا تھا۔ جب اسکو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو اس نے جامع مسجد کوفہ کے منبر پر بیٹھ کر نمازیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ کوفہ کے باشندو! میں عثمان غنیؓ کی طرح غافل اور علیؓ کی طرح بھولا نہیں ہوں میں تم سے بہت سے سروں میں نفت دیکھ رہا ہوں اور بہت سی داڑھیاں خون سے رنگین دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم نے میرے ساتھ مکر و فریب، بے وفائی اور دغا بازی کا رویہ اختیار کیا تو اس کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔"

اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل کوفہ نے جب خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قدم قدم پر بے وفائی اور بدعہدی کا مظاہرہ کیا تھا تو جناب علیؓ انتہائی پریشان ہو کر اپنے ان نام نہاد نام لیواؤں کے لئے بارگاہ رب العزت میں بددعائیں کرتے تھے اور فرماتے تھے اے اللہ! ان لوگوں پر ایسے ظالم حاکموں کو مسلط کر جو ان کی بدعہدی اور بے وفائی کی پوری پوری سزا دیں۔

ایک اور موقع پر حجاج بن یوسف نے کوفہ میں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے حکم دیا تھا کہ ایک جنگ ہو رہی ہے اس میں ہر شخص کو شرکت کرنا ہوگی۔ اس اعلان کے بعد ایک شخص حجاج کے پاس آیا اور کہنے لگا "میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ جنگ میں شرکت سے معذور ہوں، اپنی جگہ اپنے بیٹے کو جنگ پر بھیج دوں گا" جب وہ مڑ کر واپس جانے لگا تو ایک اور آدمی نے حجاج کے کان میں کہا "آپ جانتے ہیں۔ یہ بڈھا کون ہے؟ اس نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد گرز سے ان کی پسلیاں توڑی تھیں"۔ یہ سنتے ہی حجاج کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا، اس نے اس بوڑھے کو للکارا: "او بڈھے ادھر آ خلیفہ مظلوم کی پسلیاں توڑنے کے لئے اپنے بیٹے کو نہیں روانہ کر دیا تھا اب جنگ سے بھاگتا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے اپنی تلوار میان سے نکالی اور اس کا کام تمام کر دیا۔

حجاج بن یوسف کے ہاتھوں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے صحابی رسولؐ خانہ کعبہ کے اندر مصلوب کئے گئے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ جن کا شمار اصحاب بدرؓ میں ہوتا ہے جاں بحق تسلیم ہوتے تھے۔ اور بھی کئی صحابہؓ اور تابعینؒ کے خون سے اس کے اپنے ہاتھ رنگین کئے تھے۔ مشہور تابعی خواجہ حسن بصریؒ اس کو "اُس امت کا فرعون" قرار دیتے تھے۔ حجاج کی سخت گیری سے ہر کس و ناکس پریشان تھا۔ شر پسند عناصر اور خلافت اسلامیہ کے مخالفوں کے علاوہ امن پسند اور صلح کل قسم کے افراد کو بھی

حجاج کے سلوک سے سخت شکایتیں پیدا ہوئی تھیں اس زمانہ کے بزرگ حجاج کو قہر خداوندی سے تعبیر کرتے تھے اور مسلمانوں کو تلقین کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں کہ حجاج کی صورت میں جو عذاب ہم پر نازل کیا گیا ہے اسے ہٹا دے۔

حجاج کا آخر وقت جیسے جیسے قریب آتا جاتا تھا اسے اپنے گذشتہ کارناموں پر ندامت اور افسوس محسوس ہوتا تھا۔ وہ اپنی خطاؤں کے لئے اللہ کی بارگاہ میں اظہار شرمندگی کرتا تھا۔ حجاج بذات خود اپنے وقت کا جیّد عالم، فقیہہ وقت اور حافظ قرآن بھی تھا وہ بہت خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کلام پاک بھی کرتا تھا۔ وہ جیسے جیسے موت کے لمحات کو قریب محسوس کرتا تھا آخر اس کی زبان پر یہ کلمات ہوتے تھے اے اللہ! میں نے بڑے بڑے صحابہؓ اور تابعینؒ کو اپنے ہاتھوں قتل کیا ہے۔ نہ جانے کتنے بندگان خدا میرے۔۔ چشم وابرو کے اشارے سے موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔ اب میں اپنی موت کو خود سے بغلگیر ہونے کو لئے بغور دیکھ رہا ہوں۔ اے میرے مالک! میں نے دشمنان اسلام کو ہلاک کرنے کے علاوہ انتظامی امور سے مجبور ہو کر کئی جلیل القدر ہستیوں کو بھی موت سے ہمکنار کیا ہے۔ بے شک میں بڑا گنہگار رہوں اس لحاظ سے ہوا کہ یہ سرزمین میرے ہاتھوں تیرے بندوں کے خون سے لالہ زار ہوئی ہے۔ بغاوت اور سرکشی کچلنے کیلئے کئی بے گناہ بھی میرے جور وستم کا شکار ہوئے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بھی مجھے امید ہے میرے پروردگار! تیری رحمت یقیناً مجھ کو اپنی آغوش میں لے لیگی۔ تیری رحمت کسی بدلے کی طالب نہیں ہوتی بلکہ تو اپنی رحمت کاملہ کا مظاہرہ کرنے کیلئے بہانہ ڈھونڈھتا ہے۔ میری یہ گذارش ہی میرے لئے تیری رحمت کے دروازے وا کر دے گی۔

جب حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا تو کئی لوگوں نے اس زمانہ کے متعدد خاصان خدا سے دریافت کیا کہ کیا حجاج اس قدر ظلم و تشدد کے باوجود بھی رحمت حق کا مستحق گردانا جائے گا۔ ان بزرگوں نے جواب دیا کہ اس نے اللہ کی رحمت کا سہارا پکڑا ہے تو اللہ تعالیٰ ہرگز اسے مایوس نہ کرے گا۔ آج دنیا چنگیز، ہلاکو، ہٹلر اور مسولینی کو سخت گیر اور ظالم و جابر کے روپ میں پیش کرتی ہے۔ ان لوگوں نے جو ایمان سے محروم تھے اپنی ملک گیری کی ہوس میں لاکھوں عوام پر بے پناہ زیادتیاں کیں، خلافت راشدہ کے بہت قریب ہی کے زمانہ میں ہمیں اسلامی تاریخ میں حجاج بن یوسف کی سخت گیریوں اور جبروتشدد کی مثال ملتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حجاج ان تمام باتوں کے لئے مجبور تھا اس نے حالات کے تقاضے کے پیش نظر ایسا کیا۔ لیکن وہ چونکہ بحمداللہ مسلمان تھا اس لئے اپنی کارگذاریوں پر اللہ سے بخشش کا مستحق ہو گیا۔ لیکن جو حاکم ایمان واسلام سے محروم ہوتے ہوئے محض ملک گیری کی ہوس میں مخلوق خدا کو عذاب میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہلاکو، چنگیز، ہٹلر اور مسولینی کی طرح میدان قیامت میں اللہ تعالیٰ سے کسی طرح کی بخشش اور کرم کے مستحق نہیں ہو سکیں گے۔

آپ کی رائیں اور مشورے

رنگ ترنگ کے پڑھنے کے بعد براہ کرم اپنی رائے سے ہمیں ضرور مطلع فرمایئے۔ آپ کو کیا کیا پسند آیا۔ کس مضمون کو اچھا سمجھتے ہیں اپنے اس ماہنامہ میں اور کون سی تبدیلی چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ لکھئے۔

آپ کا ہر خط ہمارے لئے اہم ہوگا آپ کی رائیں اور مشورے "رنگ ترنگ" کے مستقبل کے لئے نشان منزل ثابت ہوں گے اسلئے خط لکھنا نہ بھولئے۔ (مدیر)

اسلامیات

حق وصداقت کا علمبردار اور ہم

شفیع عقیل

آج سے تقریباً چودہ سو سال پیشتر وہ امن کا پیامبر صلعم دآشتی کا داعی، اور حق وصداقت کا علمبردار ہمارے لئے اپنی ہدایات چھوڑ گیا جو ساری انسانیت کے لئے رہتی دنیا تک مشعل ہدایت کا کام دیں گی ہم نے اس کو دیکھا، پرکھا جانچا، اور اس کو سچا جان کر اس کی صداقت پر ایمان لائے اس کو اپنا ہادی مانا اور اس کی غلامی کا دم بھرنے لگے اور اب تک بھرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ امریکہ یا کسی اور ملک میں اس ہادی برحق کی تصویریں (نعوذ باللہ) شائع ہو جائیں تو ہماری جبینوں پہ شکن تو کیا ہماری مسکراہٹوں میں کمی نہیں ہوتی اور اگر کسی کی غیرت سنبھالتی ہے تو ہم اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں کیوں کہ زمانہ بدل چکا ہے۔ ہم بزعم خود اپنے پرانے تمدن فرسودہ تہذیب، اور گھٹن کھلے معاشرے کو بہت پیچھے دفن کر آئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس ہادیِ برحق کی غلامی کا دم بھرتے ہوئے ہماری سانسیں پھول جاتی ہیں۔

—— اس نے کہا تھا تم چلتے وقت اپنی نظریں نیچی رکھو، اپنی بہو بیٹیوں کو پردے میں رکھو۔ دوسروں کی بہو بیٹیوں کو مت دیکھو عورتوں کو کھلے بندوں نہ پھرنے دو تاکہ وہ حیا ایسے جوہر سے محروم نہ ہو جائیں اور وہ خود اپنی بیٹی کے گھر میں اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوتا تھا۔

—— ہم نے اپنے ہادیِ برحق کی ہدایات پر عمل کیا اور اپنی بہو بیٹیوں کے سروں سے خود اپنے ہاتھوں پردہ اتار پھینکا کیوں کہ وہ غلامی کی نشانی تھی اور ہم غلامی کے طوق کاٹ چکے ہیں۔ ہم آزاد ہیں۔ ہم نے اپنی بہو بیٹیوں کو نہ صرف کھلے بندوں پھرنے دیا بلکہ انہیں خود اپنے ساتھ لے جاکر ہزاروں آدمیوں کے سامنے اسٹیج پر نچایا اور داد حاصل کی۔

—— اس نے کہا تھا مرد عورت کا محافظ ہے

—— ہم نے عورتوں کی حفاظت کی اکثر حالات میں رشوت کے طور پر استعمال کرنے سے بھی نہ چوکے۔ ہم نے ان کو باقاعدہ لائسنس دیکر شہروں میں عصمتوں کی منڈیاں قائم کیں تاکہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے ہاتھوں سے اپنی عزت وعصمت کا جنازہ نکال سکیں۔

—— اس نے عورتوں سے کہا غیر مردوں کی نگاہوں سے چھپی رہو۔ اپنی حیا وعصمت کی نگہبانی کرو۔

—— اور عورتوں نے اس کے حکم پر عمل کیا وہ حیا کی فصیل کو پھلانگ کر باہر کود آئیں اور مردوں کے دوش بدوش چلنے لگیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے نکل گئیں۔ انھوں نے اپنی عزت وعصمت کی نگہبانی یوں کی کہ وہ کلبوں کی زینت بنیں۔ ہوٹلوں کے ٹیبلوں کے گرد گھومیں، سنیماؤں کی سیٹوں پر پھیلیں، اور بازاروں گلیوں اور باغوں کی رونق میں اضافہ کرنے لگیں۔

—— اس نے عورتوں سے کہا اپنے بدن کو غیروں کی نگاہوں سے چھپاؤ

—— عورتوں نے اس حکم . . . کی تعمیل اس طرح کی، پہلے پردہ اتار کر پھینکا، پھر دوپٹہ کے پلو پھاڑے اور اس کے بعد لباس کو اس قدر مختصر کیا کہ وہ عورت کی بجائے محض گوشت پوست کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی ۔

—— اس نے کہا یتیموں کی خبر گیری کرو ۔

—— اور ہم نے یتیموں کی خبر لی، یتیم خانے کھولے اور ان سے اپنا کاروبار چلایا۔ ہمیں ان یتیم خانوں سے اس قدر فائدہ ہوا کہ شاید تجارت میں بھی اتنا نہ ہوتا۔ ہم خود کاروں میں گھومتے رہے اور یتیموں کو دن بھر مانگنے کے لئے بھیجتے رہے تاکہ ان کے مانگے تانگے سے عیش کر سکیں اور ان کی خبر گیری کرتے رہیں۔

—— اس نے کہا جابر حکمران کے آگے کلمۂ حق کہنا جہاد ہے

—— اور ہم نے وقتی مصلحتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حق وصداقت کے منہ پر تھوک دیا۔ ہم کلمۂ حق کہنے کی بجائے ان جابر حکمرانوں کی چاپلوسی کرنے لگے، ان کی خوشامدوں میں لگ گئے، ان کی جوتے چاٹے، ان کی خدمت میں اپنی عزت پیش کی۔ اپنا ضمیر فروخت کیا۔ اپنا ایمان بیچا، خدا بیچا، اور یہ سب کچھ ہم نے اس لئے کیا کہ ہم جابر حکمران کے آگے کلمۂ حق نہ کہہ سکیں۔

—— اس نے کہا تم اپنی رعایا کی دیکھ بھال کرو، وہ تمہاری اولاد ہیں، ان کے ہر دکھ کا مداوا کرو۔

—— ہم نے اس کا مداوا ڈھونڈھا اپنی رعایا کے ہر دکھ کو نظر انداز کر دیا۔ اور اگر انھوں نے فریاد کی تو ہم نے ان کو گلا دبا دیا۔ ان کی آواز تک نہ نکلنے دی۔ ان کے سوکھے اور پپڑیاں جمے ہوئے ہونٹوں پر مہر لگا دیں تاکہ وہ بول نہ سکیں اپنی فریاد سنا نہ سکیں۔ ہم نے ان کی آنکھوں کا نور اور ان کے دل کا چین چھین لیا۔

—— اس نے کہا سب انسان ایک سے ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں

—— ہم نے اس کی بات کو مانا خود کوٹھیوں میں رہے اور غریبوں کی جھونپڑیاں بھی گرا دیں۔ خود نرم وگرم گدیوں میں سوئے اور لاکھوں انسان فٹ پاتھ کی ٹھنڈی سلوں پر دم توڑتے رہے ہم نے گرمیاں پہاڑوں پر گذاریں اور ہزاروں لوگ دوپہر کی شدید گرمی میں جھلستے رہے، ان کے پاؤں میں جوتا تک نہیں ۔

—— اس نے کہا حق بات پر لبیک کہو۔

—— ہم نے اس کی بات مان لی اور جس نے حق بات کہی اسے پکڑ کر تنگ وتاریک کوٹھریوں میں بند کر دیا جہاں سے ان کی سسکیاں تک سنائی نہ دے سکیں۔ ہم نے حق وصداقت کی تجارت کی۔ خدا اور مذہب کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا اور اگر کسی نے ہمیں اس بات پر ٹوکا تو ہم نے اسے کافر قرار دے دیا۔

—— اس نے کہا تھا، دغا، فریب، زنا، مکاری، دھوکہ اور جھوٹ سے بچو۔

—— ہم نے ان عیوب سے بچنے کے بجائے ان کو اپنے سینے میں جگہ دی۔ ہم نے جھوٹ کو اپنا شعار بنایا اور عریانی کا دم بھرا۔ ہم دوسروں کو نصیحت کرتے رہے اور خود ان عیوب کا سراپا بنتے گئے اور اس کے باوجود ہم نے اپنی عزت وعفت کا پرچار کیا

—— اس نے کہا بھوکے کو روٹی دو، ننگے کو کپڑا دو اور روتے کے آنسو پونچھو۔

—— اور ہم نے بھوکے سے اس کی باقی روٹی بھی چھین لی۔ ننگے کو اور ننگا کرنے کی کوشش کی اور روتے کے آنسو پونچھنے کی بجائے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا کہ

چمکتے رہے، ننگے ٹھٹھرتے رہے رونے والے روتے رہے مگر ہمارے بدن پر ہر روز نیا سوٹ دکھائی دیتا رہا ہمارے کتوں کا جی دودھ سے بھر گیا لیکن ہم بھوکوں کا پیٹ نہ بھر سکے

— اور اس نے کہا کسی انسان کو دکھ مت پہونچاؤ۔

— اور ہم نے انسان اور انسانیت دونوں کی تجارت کی ان کو سر بازار بیچا۔ اور نفع حاصل کیا ہم نے انسان کا لہو پیا اور ہمارے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

— اس نے کہا تلاوت قرآن پاک سے برکت ہوتی ہے قرآن کو اپنی بہترین آوازوں سے زینت دو۔

— اور ہم نے قرآن کو طاقوں میں سجادیا۔ اور اپنی بہترین آوازیں راگ سیکھنے میں صرف کرتے رہے۔

— اس نے کہا مسجدیں آباد کرو

— اور ہم نے کلب، شراب خانے، اور ہوٹلوں کو آباد کیا

— اس نے کہا خدا کے سوا کسی پر بھروسہ مت رکھو

— اور ہم نے خدا کے سوا ہر ایک پر بھروسہ کیا۔

مگر

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ہم اس امن کے پیامبر، صلح و آشتی کے داعی اور حق و صداقت کے علمبردار کی غلامی کا دم بھرتے ہیں۔

ہم نے اپنے اندر دوسری قوموں کے تمام عیوب داخل کر رکھے ہیں۔ جھوٹ۔ دغا۔ مکر و فریب ہمارا شیوہ ہے اور جعل بہتان کذب و افترا ہماری حصہ صیات میں شامل ہیں ہم نے اسلامی روایات کی پاسداری ترک کر رکھی ہے اور اپنے آپ کو بالکل دوسری قوموں کے افراد کے مشابہ بنا رکھا ہے اور اس کے بعد بھی ہم اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوئے خدا سے رحم کے طلبگار ہیں۔

اسلامیات

ان سے دینی معلومات حاصل نہ کرو

قاضی اطہر مبارکپوری

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "چار قسم کے لوگوں سے دین کا علم حاصل نہ کیا جائے۔ (۱) بدعتی سے (۲) بے وقوف سے (۳) ایسے شخص سے جو لوگوں کی باتوں میں جھوٹ بولتا ہو۔ اگرچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سچا ہو۔ اور (۴) اس شخص سے جو دینی علم کے حقوق و آداب کو نہ جانتا ہو۔"

دین کا علم ارباب دین و دیانت ہی سے حاصل کرنا چاہیئے اور ہر کس و ناکس اور بے عمل و بد عمل آدمی سے دینی امور و مسائل میں استفادہ کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ علم بہت ہی اشرف و اعلیٰ ہے اسلئے اس کا حصول بھی اشرف و اعلیٰ اور ذمہ دار حضرات سے ہونا چاہیئے خاص طور سے چار قسم کے لوگوں سے بہت بچنا چاہیئے۔ اور ان کا زبانی علم کتنا ہی زیادہ ہو ان سے دینی علم حاصل نہیں کرنا چاہیئے۔ اوّل بدعتی سے جو کہ دین میں اعتقادی اور عملی غلطیاں کرتا کراتا ہے۔ خود غلط کار ہے اور دوسروں کو غلطی میں مبتلا کرتا ہے ایسے شخص کے علم میں رونق و برکت نہیں ہوتی اور نہ اس میں افادیت ہوتی ہے وہ خود گمراہ ہے دوسرے کی رہبری کیا کرے گا؟ دوسرے ناسمجھ اور بیوقوف شخص سے دینی علوم کو حاصل نہیں کرنا چاہیئے۔ معلوم نہیں کیا الٹی سیدھی بات بتادے اور اپنی نادانی سے دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے اگر وہ نادان ہوتے ہوئے نیک ہے تو اس کی نیکی کا احترام کرنا چاہیئے۔ عقلمندی اور بے وقوفی دوسری بات ہے اور دین کا علم دوسری بات ہے، کسی کے پاس دین کا علم اچھا خاصا ہے مگر وہ بیچارا کم عقل ہے تو اسکی دینداری اور اسکے علم کا احترام کرنے کے باوجود اس سے دینی معلومات نہیں حاصل کرنا چاہیئے تیسرے جھوٹے آدمی سے دینی باتیں نہیں معلوم کرنی چاہیئے۔ جھوٹ بہت بری بہت بڑی برائی ہے کم عقلی برائی نہیں ہے جو شخص لوگوں کے ساتھ جھوٹ اور فساد کا معاملہ کرتا ہے وہ چاہے اپنے علم میں کتنا ہی سچا ہو اس سے دور ہی رہنا چاہیئے ایسا آدمی نہایت غیر ثقہ اور غیر معتمد ہے اور اسکی بات کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ چوتھے ایسے آدمی سے بھی علم دین نہیں سیکھنا چاہیئے جو عالم و فاضل ہے مگر اس میں عالمانہ وقار سنجیدگی اور متانت نہیں ہے وہ اپنے علم کا خود احترام نہیں کرتا۔ اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں میں ملوث رہتا ہے۔ اسکی سوسائٹی غلط کار لوگوں کی ہے اور اپنی علمی شان کا خیال نہیں کرتا، اپنی علمی حیثیت و نسبت کا لحاظ پاس اور بات ہے اور غرور و تکبر اور بات ہے۔ علم دین کے حصول میں تعلیم حاصل کرنا، مسائل معلوم کرنا، وعظ سننا سب کچھ آگیا، حضرت امام مالک کے اس قول کی روشنی میں تم دیکھو کہ تمہارے واعظ، عالم، مولوی کس قسم کے ہوتے ہیں اور ان میں علمی و دینی وقار اور لحاظ و پاس کس قدر ہوتا ہے ●●

اسلامیات

نور کے پھول

محمد شعیب

• حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کریم کی رسم باقی رہ جائے گی اور مساجد ویران ہو جائیں گی۔ اس وقت علم ختم ہو جائے گا اور آسمان کے نیچے بُرے علماء پیدا ہوں گے۔

• حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں ۱۔ جب ملے تو سلام کرے ۲۔ جب دعوت دے اسے قبول کرے ۳۔ چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہے ۴۔ بیمار پڑنے پر عیادت کرے ۵۔ مر جائے تو نماز جنازہ پڑھے اور ۶۔ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے وہی دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی پسند کرے۔

• حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ انسان ایسے ہیں جن پر لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ بھی ان پر لعنت بھیجتا ہے۔

۱۔ اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا۔

۲۔ اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔

۳۔ جبر و طاقت سے مسلط ہونے والا تاکہ وہ ذلیلوں کو عزت والا اور عزت والوں کو ذلیل بنا دے

۴۔ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے والا اور اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنے والا اور (۵) میری سنت سے اعراض کرنے والا۔

• حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو وہاں جو لوگ موجود ہوں ان کو سلام کرو اس سے خیر و برکت نازل ہوتی ہے

• حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور وہ صرف پاکیزہ مال ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کا حکم دیا ہے، چنانچہ اس نے فرمایا۔ پاکیزہ روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

• حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی بندہ حرام کمائے پھر اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں صدقہ کرے تو یہ صدقہ اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر اپنی ذات اور گھر والوں پر خرچ کرے گا، تو برکت سے خالی ہوگا۔ اگر وہ اس کو چھوڑ کر مرا، تو وہ اس کے جہنم کے سفر میں زاد راہ بنے گا۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتا ہے بلکہ بُرے عمل کو اچھے عمل سے مٹاتا ہے۔ خبیث کو خبیث سے نہیں مٹاتا ہے۔

• حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سچائی کے ساتھ معاملہ کرنے والا امانت دار

تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا

● حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے مال کو بیچنے کیلئے کثرت سے قسمیں کھانے سے بچو، یہ چیز وقتی طور پر تو تجارت کو فروغ دیتی ہے لیکن آخرکار برکت کو ختم کر دیتی ہے۔

● حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک کسی کاروبار کے دو ساجھی باہم خیانت نہ کریں، میں ان کے ساتھ رہتا ہوں، لیکن جب ایک شریک دوسرے شریک سے خیانت کرتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل آتا ہوں، اور شیطان آ جاتا ہے۔

● حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جس نے خدا کی راہ میں جان دی ہے، اس کا ہر گناہ معاف ہو جائے گا سوائے قرض کے

● حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگوں کا مال (بطور قرض) لے اور وہ اس کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور جس شخص نے مال بطور قرض لیا اور ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی وجہ سے تباہ کر دے گا۔

● حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی لعنت ہو رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر۔

● حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اس آدمی کی طرف دیکھو جو تم سے کم حیثیت رکھتا ہے اس کی طرف مت دیکھو جو تم سے زیادہ صاحب حیثیت ہے اس طرح تم کسی کی حقارت اور خدا کی ناشکری کے وبال سے بچ جاؤ گے

● نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی نہ مناؤ ورنہ اللہ اسے اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے گا اور تم کو مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔
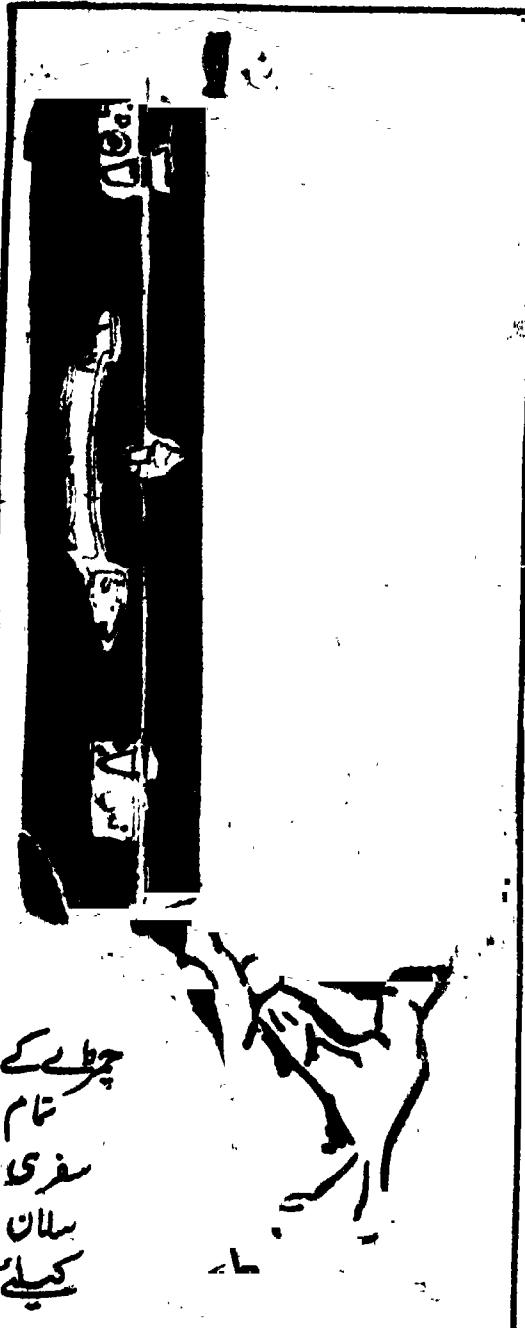
سلام اے سرورِ عالمؐ سلام اے رہبرِ اعظمؐ

وارث ریاضی

سلام اس نور پہ جو باعثِ تخلیقِ عالم ہے
سلام اس جانِ عالم پر کہ جو سب سے مقدم ہے

سلام اس پر جو آیا ہادیٔ کون و مکاں بن کر
سلام اس پر جو آیا خاتمِ پیغمبراں، بن کر

سلام اس پر کہ جس نے گمرہوں کی رہنمائی کی
یتیموں کی مدد کی، بے کسوں کی ہمنوائی کی

سلام اس ذات پر جس نے اخوت کی بنا ڈالی
جہاں سے باہمی تفریقِ انسانی مٹا ڈالی

سلام اس پر جہاں کو ناز ہے جس کی قناعت پر
صداقت پر، عدالت پر، امامت پر، سخاوت پر

سلام اس پر دیا جس نے جہاں کو درسِ آزادی
سلام اس پر حقیقت حریت کی جس نے سمجھا دی

بدل کر رکھ دیا جس نے نظامِ زنگ آلودہ
وہ جس نے پھونک ڈالا دفترِ آئینِ فرسودہ

وہ بخشی اجڑے گلشن کو بہارِ زندگی جس نے
عطا کی بے نواؤں کو شکوہِ قیصری جس نے

منور کر دیا جس نے جہاں کو نورِ ایماں سے
لیا جس نے خراجِ دوستی ہر دشمنِ جاں سے

سلام اے سرورِ عالمؐ سلام اے رہبرِ اعظمؐ
سلام اے ہادیٔ دینِ متین اے محسنِ عالمؐ

ماہِ تمام آگیا

پیام سیہالوی

آفتابِ رسالت کی پھوٹی کرن شور اٹھا وہ ماہِ تمام آگیا
محرمِ رازِ حق رحمتِ دوجہاں لیکے دنیا میں حق کا پیام آگیا

چار سو رحمتوں کی گھٹا چھا گئی آمنہ کے چمن میں بہار آگئی
ہر کلی اک نئی زندگی پا گئی کون یہ واجب الاحترام آگیا

جس نے پایا لقب خاتم المرسلیں اسکا ثانی ہو کوئی یہ ممکن نہیں
لوگ سمجھا کئے اپنا جیسا بشر وہ بشر ساری دنیا کے کام آگیا

حور و غلماں و جنت نہیں چاہیئے میرے سرکار دولت نہیں چاہیئے
روزِ محشر تمنا ہے پیارے نبی آپ کہدیں وہ میرا غلام آگیا

کشتیٔ دین کے ناخدا ہیں یہی یعنی صدیق فاروق و عثمان علی
مشکلیں اے پیام اپنی حل ہوگئیں لب سے ان میں جسکا بھی نام آگیا

نگاہِ کرم چاہیئے

عادل گونڈوی

مال و دولت نہ جاہ و حشم چاہیئے تاج شاہی نہ باغِ ارم چاہیئے
یا حبیبِ خدا سرورِ انبیاء آپ کی بس نگاہِ کرم چاہیئے

اپنی آنکھوں کا مرکز ہے وہ سرزمیں ضوفشاں ہے جہاں ایک ماہِ مبیں
تجھ کو رضوان مبارک ہو خلدِ بریں مجھکو دیدارِ بابِ حرم چاہیئے

عرش پر جب گئے سرورِ انبیاء روئے انور پہ قرباں ہوئی کہکشاں
حوریں بولیں کہ اے رحمتِ دوجہاں آپکا ہمکو نقشِ قدم چاہیئے

سب جفاکار ہیں کوئی اپنا نہیں رنگ دنیا کا سرکار اچھا نہیں
عہدِ حاضر کے تاریک ماحول میں آپکی چشم لطف و کرم چاہیئے

دل میں جینے کی حسرت ہے عادل اگر سبز گنبد ہے میرے پیشِ نظر
موت آئے تو طیبہ میں دو گز زمیں زیرِ دامانِ شاہِ امم چاہیئے

نعت شریف

انوار الحق حافظ رائے بریلوی

حرا سے بدر تک جو روشنی ہے
اسی کے دم سے قائم زندگی ہے
خدا رکھے متاعِ زندگی ہے
شہ بطحٰی کے غم میں جو خوشی ہے

نبوت کے شرف کا منتہی ہے
تیرا ممنونِ احسان ہر نبی ہے
نقابِ رخ اٹھاؤ تو خدارا
نگاہِ واپسیں میں دم ابھی ہے

بہر عالم مہکتا جا رہا ہوں
فضائے دل میں خوشبو آ بسی ہے
تجلی آپ کے دامن کی مولیٰ
زمیں سے آسماں تک آج بھی ہے

ازل سے آج تک تیری گلی میں
پھر دو جہاں نجات آدمی ہے
کھنچے کیونکر نہ دل طیبہ کی جانب
مدینہ بھی تو جنت کی گلی ہے

وہی ہے غیرتِ اسلام حافظ
نفس میں جس کے سوزِ ہاشمی ہے

نعت شریف

اقبال ماہر

السلام اے فخرِ گیتی سربراہِ زندگی
شہریارِ دو جہاں اے بادشاہِ زندگی
جلوہ گاہِ مصطفےٰ ہے جلوہ گاہِ زندگی
ذرہ ذرہ ہے یہاں خورشیدِ راہِ زندگی
غیر ممکن ہے کہ کوئی ہو تباہِ زندگی
دولتِ ایماں اگر ہو زادِ راہِ زندگی
خالقِ کل نے ظہورِ نورِ احمد کے لئے
نغمۂ کن سے نکالی ایک راہِ زندگی
گنبدِ خضرا کا منظر اک طرف بیت الحرام
ایک فردوسِ نظر اک سجدہ گاہِ زندگی
فکرِ منزل ہے نہ کچھ اندیشۂ طولِ سفر
ہادیٔ اسلام ہیں جب خضرِ راہِ زندگی
نامِ احمد کے سہارے راستہ طے ہو گیا
سامنے تھا دشتِ بے آب و گیاہِ زندگی
اس جہانِ ہاؤ ہو میں جب نہیں ملتا سکوں
دامنِ ایماں میں ملتی ہے پناہِ زندگی
بھٹکا دے ماہر کوئی گمراہ کر سکتا نہیں
نورِ احمد سے ہے روشن شاہراہِ زندگی

نعتؐ

طفیل احمد مدنی

ہر نفس ہے جادۂ اسلام تیرےؐ شہر میں
ذرّہ ذرّہ مہبط الہام تیرےؐ شہر میں

اے کہ تیری ذات سے روشن ہے بزمِ کائنات
کیوں نہ ہوں پُرنور صبح و شام تیرےؐ شہر میں

یہ نگاہِ اہلِ باطن سے کبھی مخفی نہ تھا
رحمتوں کا ہے نزولِ عام تیرےؐ شہر میں

جس کو پی کر ہو گئے کتنے جنیدؒ و بایزیدؒ
آج بھی گردش میں ہے وہ جام تیرےؐ شہر میں

اس جگہ تفریقِ رنگ و نسل و ملت کچھ نہیں
بیکسوں کو ہے صلائے عام تیرےؐ شہر میں

بادۂ عرفانِ حق، امن و اماں، لطف و کرم
ملتے ہیں انعام پر انعام تیرےؐ شہر میں

پھر نہ پیدا کر سکی دنیا کوئی اس کا جواب
سانحہ تیرے جو ہوا اک شام تیرےؐ شہر میں

ہے یقیناً یہ تیرے کردار و عظمت کا ثبوت
آج تک ناپید ہیں اصنام تیرےؐ شہر میں

درّۂ فاروقؓ کی ہیبت ہے طاری آج تک
آج بھی ابلیس ہے ناکام تیرےؐ شہر میں

اے کہ تیریؐ ذاتِ اقدس حاملِ کون و مکاں
میں بھی ہوں منجملۂ خدام تیرےؐ شہر میں

دیکھئے ہوتی ہے کب مقبول میری یہ دعا
پھر سے گذریں میری صبح و شام تیرےؐ شہر میں

منتظر کب سے ہے پھر اذنِ حضوری کا طفیل
کاش کہدے کوئی یہ پیغام تیرےؐ شہر میں

اے صلِّ علیٰ......

کوثر اعظمی

تاروں کی ضیا گل کی ہنسی آپؐ کے صدقے
ہونٹوں کی دعا دل کی خوشی آپؐ کے صدقے
یہ انجمنِ دہر سبھی آپؐ کے صدقے
اے توؐ کہ جہاں رابہ دہی عظمتِ آدم
اے صلِّ علیٰ شاہِؐ امم، سرورِ عالمؐ

فیضانِ نظر آپؐ کا عرفانِ ہدایت
توفیق طلب ہم سے غلامانِ رسالت
تسلیم دل و جان، بہ پیمانِ اطاعت
کردیم بصد ولولۂ شوق، ہمہ دم
اے صلِّ علیٰ شاہِ اممؐ سرورِ عالمؐ

تسکینِ نظر، راحتِ جاں آپؐ کا اسوہ
تسکینِ دلِ زارِ جہاں آپؐ کا اسوہ
تکمیل تمنائے اماں آپؐ کا اسوہ
کیں اسوۂ حسنہ کہ قرار یست بہر غم
اے صلِّ علیٰ شاہِؐ امم، سرورِ عالم

جز تو کہے نسبتِ یاری نمی دارم
آنم بہ رہے گام نداری بگذارم
گفتی بگہے جانسپاری، بسپارم
نازم بسے کوثر بخدا اینکہ غلامم
اے صلِّ علیٰ شاہِ اممؐ سرورِ عالمؐ

سر سید کی قبر پر

سلیمان سالک

شکستہ ہے، حبابِ حیاتِ انسانی ندیم! اپنی حقیقت بھی تو نے پہچانی

حباب سطح پر ابھرے کر مذاقِ زیست اٹھا حیاتِ چند نفس کو سمجھ کے طولانی،
مچل رہی تھی خوشی بلبلے کے سینے میں کروں گا وسعتِ دریا پہ جلوہ ارزانی

ابھی ہوئی تھی سرا پردۂ عدم سے نمود ابھی شروع ہوئی ہی تھی اسکی من مانی
ابھی یہ دیکھا ۔ وہ کاخِ حیات قصرِ اُمید صبا کی ایک ہی ٹھوکر سے ہوگیا پانی

ازل سے زندگیوں کا شکستنی ہے مآل رواں ہے سوئے فنا ۔ کاروانِ انسانی
یہ خار و خس، یہ گل و لالہ ۔ یہ چمن یہ بہار ستارے، شمس، قمر، فرش، چرخ سب فانی

حبابِ خاک! تو ٹوٹے تو اسطرح ٹوٹے
بپا ہو جس سے سمندر میں حشرِ طغیانی

دین کی حفاظت

نعمان دانش

بتاؤ ریشمی تحریک وہ کس نے چلائی تھی
بتاؤ سلطنت انگریز کی کس نے مٹائی تھی
ذرا پنجاب کی دھرتی سے یہ تو پوچھ لو جاکر
کہ زنجیر غلامی کس لہو نے کیوں گلائی تھی
وہ محمود الحسن تھے حریت میں جو کہ کوشاں تھے
وہ جو ہر تھے جو لندن میں بھی آزادی کے خواہاں تھے

ہوا ہے برق کی زد میں ہمارا آشیاں یارو
بہت بدلی سی لگتی ہے نگاہ باغباں یارو
یہ دشمن ہیں شریعت کے یقیں کرلو خرد والو
اٹھو اٹھ کے بچاؤ ان سے اپنا گلستاں یارو
یہ سمجھے ہیں کہ خوابیدہ مسلماں اب نہ چونکے گا
ہم اب جو چاہے کر گزریں نہ کوئی ہمکو ٹوکے گا

نئے انداز سے ہم پر یہ بجلی تم گراتے ہو
ہمارے "پرسنل لاء" میں بھی اب ترمیم لاتے ہو
فسادوں سے نہ ہو پایا ہمارا خاتمہ تو اب
ہمارے دین و مذہب کے در و دیوار ڈھاتے ہو
ذرا تاریخ اسلامی کے کچھ اوراق دہراؤ
ہمارے کل سے عبرت لو خدارا یوں نہ بھڑکاؤ

ہمیں نے جن کو عظمت دی وہی اب ہم سے لڑتے ہیں
ہمارے مذہبی قانون کو ــــ یکسر بدلتے ہیں
ہزاروں ہی مسلماں تھے سپہ سالار آزادی
یہ بتلا دو انھیں جو آج بھی ہم سے الجھتے ہیں
ہمارے خون سے کشمیر کے پھولوں میں رنگ آیا
مگر افسوس ہے تم کو پرکھنے کا نہ ڈھنگ آیا

یہ بیجا قوم مسلم پر ستم ہونے نہیں دیں گے
تمھارے عزم کی تکمیل ہم ہونے نہیں دیں گے
سیاست اور محبت کو بخوبی ہم سمجھتے ہیں
بباطن جو ستم ہو، وہ کرم ہونے نہیں دیں گے
یہ سچ ہے دشمن اسلام کو جڑ سے مٹا دیں گے
ہم اپنے دین کی خاطر لہو اپنا بہادیں گے

بیگم وارڈ، پرتاپگڈھ

برادرِ مکرم! سلام مسنون

آپ کے متعدد خطوط مل چکے ہیں اور سیرت نمبر بھی پہونچ چکا ہے یاد فرمائی کے لئے بے حد شکر گذار ہوں۔

میری طویل خاموشی کی بنا پر آپ نے میرے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچ لیا ہوگا کم از کم مجھے بداخلاق تو ضرور ہی قرار دیدیا ہوگا مگر اب آپ سے کیا بتاؤں کہ ان دنوں میں ذہنی اور جسمانی دونوں ہی طور سے کس قدر پریشان ہوں، ہجوم افکار و مصائب نے دل اور دماغ دونوں ہی کو ماؤف کر رکھا ہے۔ ایسے میں میرے لئے زندہ رہنا بھی دشوار ہو رہا ہے میں ادب اور اخلاق کی باتیں کس طرح سوچ سکتا ہوں مگر وہ جو کہا گیا ہے کہ "شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک" اب یہ بھی تو میرے لئے ناممکن ہے۔ کہ میں اپنے دیرینہ کرم فرماؤں سے یک لخت بیگانہ ہو جاؤں۔ چنانچہ محض تعلقِ خاطر کا پاس کرتے ہوئے ایک نظم حاضر کر رہا ہوں اگر کسی لائق ہو تو شائع کر دیجئے گا۔ ورنہ چاک کر دیجئے۔ امید کہ آپ بخیر ہوں گے

آپ کا۔ نازش پرتاپ گڈھی

مجھ سے ملئے

آپ باذوق و سخن فہم ہیں، تسلیم مگر
مجھ سے ملئے مرے اشعار میں رکھا کیا ہے
وہی الفاظ، جنھیں آپ بھی لکھتے ہوں گے
آپ ہی کہئے کہ الفاظ میں ہوتا کیا ہے

ذہن و ادراک میں وہ آگ کے بھڑکتی ہے جو آگ
الفاظ سے ہاتھ لگائے بھی تو جل کر رہ جائے
الاماں سینۂ شاعر میں ابلتا ہوا سوز
لفظ سوچے بھی جو اسکو تو پگھل کر بہہ جائے

آپ کیا جانیں کہ اک مصرعۂ تر کی خاطر
زندگی خون اگلتی ہے۔ بشر جلتا ہے
لوگ کہتے ہیں ہوئی شمع فروزاں لیکن
موم کے جسم میں دھاگے کا جگر جلتا ہے

لفظ کے پاس روانی ہے نہ سختی ہے نہ کاٹ
کیسے سمجھاؤں کہ احساس کا خنجر کیا ہے
حادثے دل پہ گذرتے ہیں جو لفظوں میں کہاں
قطرہ کس طرح بتائے کہ سمندر کیا ہے

انہیں الفاظ کی میزان میں رکھ کر مجھ کو
آپ کہتے ہیں ترے دردِ کی دولت کیا ہے
کیا یہی ہے مرے اظہارِ تفکر کا صلہ
کیا مری شدتِ احساس کی قیمت ہے یہی

ہو جو فرصت تو مرے لفظ و بیاں سے ہٹکر
مجھ سے ملئے مرے اشعار میں کیا رکھا ہے
میں بتاؤں گا کہ الفاظ کے اس پردے میں
کس جگہ، کون سا ناسور چھپا رکھا ہے

لفظِ بے مایہ کے اک شیش محل کو لے کر
معجزہ آپ دکھاتے ہیں سخن فہمی کا
ناقدِ فن تو بہت، ناقدِ غم کوئی نہیں
میں گلہ کس سے کروں آپ کی بیرحمی کا

یا پسند آتا ہے مصرعہ کوئی بندش کے طفیل
یا خوش آتی ہے کسی شعر میں ترکیب کہیں
ہو اجازت تو میں یہ تلخ حقیقت کہہ دوں
آپ تصویر سے ملتے ہیں مصوّر سے نہیں

ہر نفس روشنیٔ طبع بڑھانے کے لئے
میری نس نس کو جلاتا ہے تصوّر میرا
پیکرِ لفظ میں بھرنے کیلئے روحِ سخن
مجھ کو رہ رہ کے گلاتا ہے تفکر میرا

کھنڈر

حرمت الاکرام

میں کہ پامالِ حوادث ہوں بہا سا پامال
خوش مذاقانِ تمنا کی امانت بن کر
کروٹیں لی ہیں شب و روز کے افسانوں نے
مری نبضوں میں تڑپ، دل میں حرارت بن کر

کس سے پوچھوں کہ نہیں کوئی بتانے والا
کیوں خفا مجھ سے ہوئی راگنی پازیبوں کی؟
عشرتِ دیدہ و دل کے تھے خزانے معمور
اور یہی بات تھی ان خاک بھری جیبوں کی

تیرگی ساتھ لئے آتی ہے کتنے آسیب
کوئی موسم ہو، نہ پھاگن ہے نہ ساون میرا
چھن اٹھاتے ہوئے بڑھتی ہیں بلائیں کتنی
شام آئی کہ لرز اٹھتا ہے تن من میرا

سرمئی اینٹوں کے نوحہ کناں انبار تلے
کون جانے کہ سلگتی ہیں چتائیں کتنی!
ٹوٹ کر برسے ہیں دل پر مرے کتنے بادل
میری آغوش سے اٹھی ہیں گھٹائیں کتنی

رنگ برساتے ہوئے لہرائے ہیں کتنے آنچل
پیار کی قوسِ قزح بننے کا ارمان لئے
کتنی آنکھوں نے لٹائی ہے تبسم کی بہار
اپنے خاموش پیامات کا طوفان لئے

تھپکیاں دینے کو آتی ہے نسیمِ سحری
جگ راتوں کی اذیت کا صلہ دیتی ہے
دل یہ کہتا ہے، سوا نیزے پہ سورج آیا
دوپہر جون کی دیوانہ بنا دیتی ہے

خستہ و سوختہ محرابوں کی بے نور جبیں
آسماں زادوں کو مہمان بناتی تھی کبھی
میرے پیکروں میں دامانِ طلب پھیلائے
چاندنی کسبِ ضیا کیلئے آتی تھی کبھی

انگلیاں جاگتی راتوں کی، رقم کرتی تھیں
لوحِ ایام پہ روداد شبستانوں کی
قہقہے لے کے ابھرتے تھے ربابوں کی کھنک
کہکشاں مانگ سے ابھرا کرتی تھی ارمانوں کی

ایک میت کی طرح جس کو کفن مل نہ سکے
خفتہ انفاس کے مرقد میں پڑا سوتا ہوں
وقت نے آنکھ میں آنسو بھی نہ چھوڑے لیکن
جبرِ غم یہ ہے کہ ماضی کیلئے روتا ہوں

نسترن پوش در و بام میں پلتے سپنے
دامنِ جاں میں ستارے لئے اٹھلاتے تھے
میری شاداب جوانی کے انوکھے تیور
کبھی آنکھوں کبھی سینوں میں اتر جاتے تھے

ریت کے شعلے

خوشتر گرانوی

یہاں تضحیکیت کے محفلوں میں جام چلتے ہیں
یہاں بیباکیوں کے نام پر ادہام چلتے ہیں
سمجھ میں ہی نہیں آتی یہ خودنیت کی فطرت
یہاں پر ایک ہی صورت میں صبح و شام چلتے ہیں

حقیقت سے یہاں ناآشنا انسان رہتے ہیں
یہاں افسانوی چہرے بلا عنوان رہتے ہیں
تمیز خویش و مونس ہو نہیں سکتی کبھی خوشتر
کئی بے جان لوگوں کے یہاں سلطان رہتے ہیں

یہاں ملتے ہیں ہر اک گام پر مونس شکن انسان
کہ ریگستان کے سینے سے ہوتا ہے بپا طوفان
یہاں ملا و پنڈت اور لیڈر سب نکمے ہیں
انہیں آتا نہیں کرنا کسی کے درد کا درماں

کسی کو راز داں اپنا بنا لینا گناہ ہی ہے
کسی کم ظرف کو ساتھی بنا لینا تباہی ہے
نگاہیں کر نہیں سکتیں کسی چہرے کی عکاسی
جلے گا کیا وہاں دیپک جہاں اندھی سیاہی ہے

کہیں دھنوان قصر زندگی اپنا بناتا ہے
مری ناکام امیدوں کی اینٹیں کام آتی ہیں
مری خاطر اٹھا کرتے ہیں خوشتر ریت کے شعلے
محبت چشم ستی پلکوں تلک آنسو بہاتی ہیں

یہاں قتل سادات و محبت روز ہوتا ہے
بشر اس طرز میں اپنے نہاں داغوں کو دھوتا ہے
کوئی مظلومیت کا نام لے کر جی نہیں سکتا
بشر پلکوں کا سایہ جان کر کانٹوں پہ سوتا ہے

ابھی معصوم لگتی ہیں ہمیں غمازیاں ان کی
سجالوں میں رہیں گی کب تلک ہمرازیاں ان کی
کہ جس تدبیر سے زندہ ہیں انکے عیش کے ڈھانچے
سمجھتی ہے طبع حساس سودا بازیاں ان کی

زیست کا محصول

تابش صدیقی پرتاپگڈھی

عجب نظامِ چمن ہے عجب یہاں کے اصول
بہار آئی ہے لیکن اداس ہیں پھول
بہ ایں تباہی و بربادی اب بھی زندہ ہوں
چکا رہا ہوں کسی طرح زیست کا محصول
میرے مزاج پہ کوئی بھی غم نہ بار ہوا
ملے ہیں خار تو ہنس کر کیا ہے میں نے قبول
وہ چند لوگ کہ باتوں کے تھے جو سوداگر
تمہاری بزم میں وہ لوگ ہو گئے مقبول
کئی راہ حق سے ہٹا دینے پر مصر دنیا
مگر بدل نہ سکا آج تک مرا معمول
رہِ جنوں سے جو گذرے انہیں ملی منزل
خرد اڑاتے ہے صحرائے آرزو میں دھول
کھڑے ہوئے تھے جو لاشوں پہ کل تلک تابش
بنے ہیں آج وہی امن و آشتی کے رسول

مسلم پرسنل لاء

کفیل الرحمٰن نشاطؔ بی۔اے (علیگ)

یہ موضوعِ سخن ہے آج کل روشن خیالوں میں
شریعت کی قدامت ہے تجدد کے اجالوں میں
شریعت کے نئے موزوں ہے اس کو موڈرن کریں
بنام ارتقا تبدیل آئین کہن کریں
اگر محسوس ہوتی ہو کہیں تنگی کہیں خامی
روا ہے ہم بدل ڈالیں ذرا سا طرزِ اسلامی

تکلف برطرف یہ ہوشمندوں کی سفاہت ہے
کہ مسلم پرسنل لا میں تغیر کی ضرورت ہے
قوانینِ شریعت میں نہ تنگی ہے نہ دشواری
نہ فرقِ رومی و شامی نہ فرقِ ترک و تاتاری
خلافِ فطرتِ انساں نہیں احکامِ ربانی
امینِ تنگیٔ داماں نہیں احکامِ ربانی

غلط افکار کی تقلید ہرگز ہو نہیں سکتی
خدا کے حکم کی تردید ہرگز ہو نہیں سکتی

غزلیات

یونس قنوجی

عشق کا عجز، خطا ہو جیسے
حسن کی شان، خدا ہو جیسے

ان کے جاتے ہی یہ عالم ہے کہ اب
زندگی مجھ سے خفا ہو جیسے

دھڑکنیں دل کی سوا اور سوا
آپ نے یاد کیا ہو جیسے

اب تو فریاد بھی آ دا ہے
تیرے ملنے کی دعا ہو جیسے

یوں ہیں بگڑے ہوئے رسوائی پر
آپ نے یاد کیا ہو جیسے

دل کا وہ حال کہ گرنے ہی نقاب
آسمان ٹوٹ پڑا ہو جیسے

یاس و امید کے مابین حیات
کسی مفلس کا دیا ہو جیسے

شہر کا شہر لئے ہے پتھر
گھر سے دیوانہ چلا ہو جیسے

چاندنی رات تری فرقت کی
کسی بیوہ کی ردا ہو جیسے

میری دنیا مرے ارمان، مرا تن
کوئی گل پوش چتا ہو جیسے

مجھ پہ یاروں کی نوازش توبہ
خواب میں بھیک عطا ہو جیسے

پارسائی کے وہ دعوے ہیں کہ شیخ
آدمی ہی نہ رہا ہو جیسے

تیری یادوں کی ہوا میں یونس
ایک آوارہ صدا ہو جیسے

شمیم فتحپوری

سرِ مقتل یہ دیتی تھی، صدا شمشیر قاتل کی
عدم کے جانے والو اس طرف ہے راہ منزل کی

وہ خود ہی اسکے دل کا عکس تھا اور روشنی دل کی
مگر مجنوں سمجھتا تھا، تجلّی ہے یہ محمل کی

حقیقت کیا بتائیں اس نگاہ و ناز قاتل کی
نظر اس نے اٹھائی تھی کہ دنیا لٹ گئی دل کی

چلا جاتا ہوں سینہ چیرتا امواج طوفان کا
مرے کانوں تک آ سکتی نہیں آواز ساحل کی

مرے شکوے پہ برہم کوئی ہوتا ہے تو ہو جائے
میں اس کو کس طرح روکوں کہ یہ آواز ہے دل کی

سفینے غرقِ دریا ہو کے بھی تہہ سے نکلتے ہیں
بدل دیتی ہیں تقدیریں، نگاہیں مردِ کامل کی

جنہیں اہلِ خرد دیوانہ کہکر یاد کرتے ہیں
وہی اکثر جلا دیتے ہیں بڑھ کر شمع منزل کی

نظر جس وقت اٹھتی ہے محبت آشنا ہو کر
عیاں ہوتی ہے ذرّوں سے تجلی ماہِ کامل کی

نظر میں انکے جلوے روح و دل میں کیف ہے پایاں
ہم اپنے ساتھ ساری دلکشی لے آئے محفل کی

فروغِ نورِ حق سے روحِ انساں جگمگاتی ہے
پلاتی ہیں مئے عرفاں نگاہیں پیر کامل کی

شمیم اس کو کہا جائے گا کیونکر باغباں جس نے
کراہوں میں بدل ڈالی ہیں آوازیں عنادل کی

غزلیات

عروج زیدی

انقلابات شب و روز کے حامل ہم ہیں،
ہم ہیں ان کی نگہ ناز کے قابل ہم ہیں
ذرہ ذرہ تری دنیا کا فسردہ ہوتا
باعث گرمیٔ ہنگامۂ محفل ہم ہیں
سعی پیہم پہ بھی جس کو نہ فرشتے سمجھے
روزِ اوّل ہی سے وہ عقدۂ مشکل ہم ہیں،
جو حقیقت میں ہیں گردِ رہِ منزل اب تک
وہ سمجھتے ہیں چراغِ سرِ منزل ہم ہیں
وقت پڑنے پہ کبھی ہم سے کوئی کام تو لے،
شورشِ سیل و سکوتِ لبِ ساحل ہم ہیں
اہل حقیقت کی حقیقت سے خبردار ہیں ہم
کوئی حق میں ہو مگر عارفِ باطل ہم ہیں،
چاہے ہر خواب رہے تشنۂ تعبیر عروج،
جو کبھی ہاتھ نہ پھیلائیں وہ سائل ہم ہیں

شفق چشتی شاہانی

ہوتے ہیں محبت میں کہیں اتنے خفا بھی
آتی نہیں اب تو ترے دامن کی ہوا بھی
جب پہلے پہل نام محبت کا لیا تھا
لازم تھا جبھی دیتے محبت کی سزا بھی
اب بھی مجھے منزل نہ ملے تو مری قسمت
جاناں لیا تجھکو محبت کا خدا بھی
پینا تو بہت دور رہا صحبت ہی نہیں ہے
آتی نہیں اب جام کھنکنے کی صدا بھی،
اک جھوٹی ہنسی ہنس کے ہمیں جھینپ گئے ہیں
انکوں نے ہمارے کوئی شکوہ جو کیا بھی
برجستہ و بیساختہ مانگا ہے تمھیں کو
مانگی ہے اگر عالم وحشت میں دعا بھی
جب دل کا یہ عالم ہے تو سنبھلوگے شفق کیا
توبہ کا ارادہ بھی ہے اور شوقِ خطا بھی

عاصم بریلوی

فسردہ غنچہ و گل کو شگفتگی دے دو
مزا تو جب ہے کہ شبنم کو بھی ہنسی دے دو
رہیں یہ پھول مبارک تمھیں چمن والو!
ہمیں تو صرف محبت سے خار ہی دے دو
تم اپنے ہوش میں اہل جنوں جو آجاؤ
تو گمرہی کو بھی اندازِ آگہی دے دو
ہجومِ یاس میں جو زندگی سے ہیں بیزار
مری طرف سے انھیں عزمِ زندگی دے دو
تم اہلِ حق ہو تمھاری یہ ذمہ داری ہے
کہ ذرّہ ذرّہ کو اوجِ سکندری دے دو
گرا دیا ہے نظر سے جنھیں زمانے نے
انھیں بھی پیار سے بڑھ کر برابری دے دو
کہاں ہو تم؟ ادھر آؤ، وفا کے دیوانو!
ذرا ہوس کے اندھیروں کو روشنی دے دو
تم اہل ظرف ہو عاصم تمھارا فرض ہے یہ
کہ دشمنوں کو بھی پیغام دوستی دے دو

غزلیں

واصل شفائی

پامال وفا ہو جاتی ہے قسمت کے درخشاں ہونے تک
خوشیاں بھی الم بن جاتی ہیں گردش کے ہراساں ہونے تک

آنکھوں میں اگر آنسو آئے تو ہین مذاقِ غم ہوگی
احساس کی عزت باقی ہے اشکوں کے نمایاں ہونے تک

راہوں میں ملے تھے درد و الم منزل پہ ملے ہیں دار و رسن
مت پوچھ کہ کیا کیا گذری ہے اِس عشق میں قرباں ہونے تک

روداد بہت ہی لمبی ہے فرصت میں سناؤں گا یارو
رہبر کی بغاوت سے لیکر رہزن کے نگہباں ہونے تک

یہ سچ ہے وہ آئیں گے ایک دن اظہارِ ندامت کی خاطر
پر جسم مرا مٹ جائے گا ظالم کے پشیماں ہونے تک

چہرے پہ اداسی کیا مطلب ہونٹوں پہ خموشی کیا معنی
خوشیوں کے ترانے گائے جا زخموں کے غزلخواں ہونے تک

احساسِ خطا کے بعد کبھی جب ان کا کرم یاد آتا ہے
ایک اور خطا ہو جاتی ہے شرمندۂ عصیاں ہونے تک

اس درد سے کیسے گھبرائیں جو شام و سحر کا ساتھی ہے
یہ درد جگر اک مونس ہے اس بت کے رگِ جاں ہونے تک

ممکن ہے ہمارا خوابِ حسیں ایک روز حقیقت بن جائے
پر وقت لگے گا اے یارو انسان کے انساں ہونے تک

سنتے ہیں خلافِ ظلمتِ غم کچھ دیپ جلائے جائیں گے
دہشت کے اندھیرے ڈس لیں گے اس جشنِ چراغاں ہونے تک

چند روزہ ہے فصلِ گل یہ پھر غنچوں پہ اداسی چھائے گی
اک رسمِ محبت ہو جائے گلشن کے بیاباں ہونے تک

ستّو سال بتوں کو پوجے گا ضدّی نے قسم کھائی دیکھو
کیا خاک جئیں گے دنیا میں واصل کے مسلماں ہونے تک

بدر الدین بدر قریشی

دل دادۂ طوفاں نے اس راز کو سمجھا ہے
پہونچا وہ سرِ ساحل جو ڈوب کے ابھرا ہے

کیا کیا نہ ستم توڑے کیا کیا نہ ستایا ہے
شاید غمِ دوراں نے تنہا مجھے سمجھا ہے

جلوہ کبھی پردہ ہے پردہ کبھی جلوا ہے
یہ جلوہ گہہ عالم نیرنگِ تماشا ہے

ہر نقش مٹا ڈالا ناکامیٔ الفت نے
دھندلی سی فقط باقی تصویرِ تمنّا ہے

نورِ مہہ و انجم ہو یا حسنِ گل و لالہ
اے بدر ہر اک شے میں عکسِ رخِ زیبا ہے

غزلیات

ثاقب لکھنوی

آن واحد میں مصیبت سے نکل سکتا ہوں میں
آپ کے ادنیٰ سہارے سے سنبھل سکتا ہوں میں

وقت پڑ جائے تو کانٹوں پر بھی چل سکتا ہوں میں
خون سے رنگ گلستاں کو بدل سکتا ہوں میں

گردش دوراں تری صورت بدل سکتا ہوں میں
اپنے مستحکم ارادوں سے سنبھل سکتا ہوں میں

میرے غم خانے میں آجائے جو وہ رشک قمر
تیرگی شام فرقت سے نکل سکتا ہوں میں

اپنے دل سے کہتا ہے بیمار غم یہ بار بار
دیکھ کر صورت کسی کی پھر سنبھل سکتا ہوں میں

ہے مکمل اپنی ہمت پر بھروسہ آج بھی
دیکھ کے دار و رسن کو پھر مچل سکتا ہوں میں

باغباں ناواقف آداب گلشن میں نہیں
پاؤں سے اپنے گلوں کو کب مسل سکتا ہوں میں

اے ستم پیشہ زمانے اپنی قوت پر نہ بھول
آج بھی ظلم و ستم کا سر کچل سکتا ہوں میں

آپکو آئے جو ثاقب کے جلانے میں مزہ
زندگی بھر آپکی الفت میں جل سکتا ہوں میں

آکاش کمار پریتم لکھنوی

سو سو الم سمو دیئے اک اک خوشی کیساتھ
توبہ ہے یہ سلوک مری زندگی کیساتھ

وہ کیا سمجھ سکیں گے جو ظاہر پرست ہیں
کتنے غموں کی بھیڑ ہے اک آدمی کیساتھ

اے ساز وقت دیکھ کہیں یہ نہ بھولنا
غم کی صدا بھی میں نے سنی ہے خوشی کیساتھ

پھولے پھلے نہیں ہیں ابھی زخم حادثات
کھیلو ابھی کچھ اور مری زندگی کیساتھ

پتھراؤ ہو رہا ہے تمھیں کچھ خبر نہیں
پریتم یہ کیا مذاق ہے دیوانگی کیساتھ

اخلاق حسین واصف عابدی

وہ تپش ہے حادثوں کی کہ بشر پگھل رہا ہے
کہیں روح جل رہی ہے کہیں جسم جل رہا ہے

وہ جہاں بچھڑ گئے تھے اسی موڑ پر ملیں گے
یہی سوچ کر تو دل بھی مرے ساتھ چل رہا ہے

کہاں آشیاں بنائیں، کہ شرار گل کے ہاتھوں
جو چمن دھواں دھواں ہے تو قفس بھی جل رہا ہے

کبھی بوئے گل سے الجھا کبھی کہکشاں سے گزرا
تری جستجو میں اکثر یہ مرا عمل رہا ہے

انھیں بدگماں نہ کر دے یہ لطیف سا تصادم
وہ نظر ملا رہے ہیں مرا دل مچل رہا ہے

یہ مقام حیرتوں کا یہ کشاں کشاں نظارے
مجھے آئینہ دکھا کر کوئی رخ بدل رہا ہے

مری داستاں کا واصف جسے ماحصل سمجھئے
وہی ایک حرف مطلب ہے ان کو کھل رہا ہے

[illegible]

لگتا نہیں وجود مرا آشنا مجھے
آئینۂ حیات یہ کیا ہو گیا مجھے

ٹوٹے سبھی عقیدے ہوئی بے یقیں حیات
گمراہ آگہی نے مری کر دیا مجھے

سایہ بنا کے چھوڑ نہ اے وقت راہ میں
کرنا ہے طے ابھی تو بہت فاصلہ مجھے

نغمہ تھا، بوئے گل تھا تری بزم سے الگ
تو نے بنا دیا ہے چراغ وفا مجھے

ہو راہ کوئے دوست کہ ہو راہ زندگی
مقتل کے سمت لے گیا ہر راستہ مجھے

نکلا ہوں خواب لے کے حقیقت کی کھوج میں
دنیا سمجھ رہی ہے زوال آشنا مجھے

سینے پہ داغ آنکھ میں آنسو جبیں پہ گرد
ملنا تھا اور شہر تمنا سے کیا مجھے

غزلیات

احمد ترمذی

ہم کر خواہشِ بیجا ساقیا نہیں کرتے
جو ملے حقارت سے وہ پیا نہیں کرتے
جب ہوا ہو دل سے کوشش رفو کیوں ہے
یہ وہ چاک ہے یارو. جو سیا نہیں کرتے
ہر نفس نئی الجھن لمحہ لمحہ تازہ غم
زندگی کے شیدائی یوں جیا نہیں کرتے
کوئی مرحلہ آئے ظلم و جبر کے آگے
سربلند سر اپنا، خم کیا نہیں کرتے
اپنے دست و بازو پر اعتماد ہے جن کو
ناخداؤں کے احسان وہ لیا نہیں کرتے
جن میں حسنِ فکر و فن کچھ اگر نہ ہو واحد
داد ایسے شعروں کی ہم دیا نہیں کرتے

اسر کمند پوری

دود میں ڈوبا ہوا ہے شہر کا منظر ابھی
کون پھر ایسے میں چمکانے لگا خنجر ابھی
کس کے گھر میں آج در آئی گیلا پن بلا
جھیل میں ابھرا ہے اک ڈوبتا ہوا پیکر ابھی
چاٹ لیگی دھوپ تیرے اجلے پیکر کی چمک
بند کمرے سے نکل آیا ہے کیوں باہر ابھی
کیوں بنائے جا رہے ہیں لوگ شیشے کا محل
چند لمحوں میں یہاں برسیں گے پھر پتھر ابھی
چل رہا ہے کون گھنگھرو باندھ کر فرش پر دوش
آرزوئیں سو رہی ہیں پاؤں پھیلا کر ابھی
چھا گئی ہیں گنگناتی مورتیں احساس پر
کھو گیا ہے پتھر کے شہروں میں آذر ابھی

رشید قریشی

تمام عمر یقیناً وہی سنبھل نہ سکے
جو لوگ اپنے مقدر کو خود بدل نہ سکے
مرے خیال میں ان کو نہ مل سکی منزل
وفا کی راہ میں دو گام بھی جو چل نہ سکے
کسی کو موردِ الزام کیسے ٹھہرائیں؟
نظامِ گردشِ دوراں ہمیں بدل نہ سکے
یہ کس مقام پہ پہونچا دیا جنوں نے ہمیں
ہم انکی زلف کے سائے سے بچ کے چل نہ سکے
ہمارے دم سے تھا رونقِ جہانِ عشق رشید
پھر اسکے بعد ہو کے چراغ جل نہ سکے

ساجد صدیقی دربھنگوی

ہم نے ان کا جو کبھی چہرۂ خنداں دیکھا
دل کو مسرور مگر چشم کو حیراں دیکھا
میرے یاروں نے اڑایا میری الفت کا مذاق
جب کبھی مجھ کو مرے حال پہ گریاں دیکھا
زخمِ دل ہنس پڑے اور درد نے انگڑائی لی
ہم نے ان کا جو کبھی خنجرِ مژگاں دیکھا
آئینیں سر پہ ہوں اور صبر کا عالم ساجد
واقعی تم نے زمانہ اس دور میں انساں دیکھا

غزلیات

شاہد جمیل

اب منزلِ حیات کا ممکن سفر کہاں
رہزن ہی چارسو ہیں کوئی راہبر کہاں
چاروں طرف ہے دھوکہ، فریب اور رہزنی
منجدھار میں پھنسا کے گیا راہبر کہاں
رہبر کی جستجو ہے سرِ منزلِ حیات
ہر سو گھنا ہے تیرگی، ڈھونڈوں کدھر کہاں
اب مشکلات راہ نہ پیہم مصیبتیں
منزل سے ہے غرض نہیں شوقِ سفر کیا
جس دن سے میں نے اپنا جلایا ہے آشیاں
گم ہوگئی ہیں بجلیاں جانے کدھر کہاں
دل کی فضا اداس ہے ہم بھی اداس ہیں
قسمت میں شامِ غم ہے، طلوعِ سحر کہاں
چھٹکارہ تو میں چاہتا ہوں غم سے جمیل
ترکیب کوئی ہوتی ہے پرکارگر کہاں

عشرت سہرانی

اہلِ نظر بھی اپنی نظر دیکھتے نہیں
آئینہ دیکھتے ہیں مگر دیکھتے نہیں
کیوں چل کے دو قدم رہِ الفت میں رک گئے
پردے میں شام کے سحر دیکھتے نہیں
دیکھو چلے ہیں شیخ ادھر سوئے میکدہ
کیا کہہ رہے ہیں لوگ ادھر دیکھتے نہیں
یہ بدنصیبی اپنی نہیں ہے تو کیا کہیں
ہر سو وہ دیکھتے ہیں ادھر دیکھتے نہیں
عشرت رواں ہے اشک کا دریا شبِ فراق
انجام اس کا دیدۂ تر دیکھتے نہیں

محمد رمضان ساحل سہرانی

تمنائے دل کو مٹاؤں تو کیسے!
تری یاد دل سے بھلاؤں تو کیسے
مرا دل ہے تپتا ہوا ایک صحرا
گلِ آرزو کو کھلاؤں تو کیسے
مسافر سرِ رہ بھٹک کر یہ بولا
"میں اب اپنی منزل کو جاؤں تو کیسے"
نہ خاروں سے رغبت، نہ پھولوں سے الفت
بہارِ چمن کو بلاؤں تو کیسے!
مجھے کوئی ترکیب آتی نہیں ہے
حسینوں سے آنکھیں ملاؤں تو کیسے
اسی سوچ میں حال ابتر ہے میرا
مقدر کو اپنے بناؤں تو کیسے
شبِ غم سے گھبرا گیا ہوں میں اتنا
چراغِ محبت جلاؤں تو کیسے
مجھے بھا گیا ہے یہ ویران صحرا
گلستان کو ساحل میں جاؤں تو کیسے

نعمان دانش

سامنے رہبر نہیں دل پریشان ہے پھر بھی چلنے کا مجھکو تو ارمان ہے
اِک طرف بت پرستی کی خواہش بھی ہے اک طرف کچھ تقاضائے ایمان ہے
آج کے دور میں جسکو دیکھو یہاں بہہ رہا ہے وہ فیشن کے سیلاب میں
محو حیرت ہے چشم فلک دوستو کتنا بدلا ہوا اب یہ انسان ہے
لے رہا ہے سکوں جو سانسیں یہاں یہ نہ سمجھو کہ وہ غم سے بچ ہی گیا
دور ہے اسکے گھر سے غموں کی گھٹا روشنی تیرہ شب ہی کا عنوان ہے
راہِ الفت بہت ہی کٹھن ہے مگر پیچھے ہٹ جانا میری تو فطرت نہیں
حادثاتِ زمانہ تو آتے ہی ہیں ہر قدم پر میرا عزم نگہبان ہے
راہ چلتے نہ چھیڑو مجھے آج تم مت کریدو مرے دل کے زخموں کو یوں
میری آنکھوں سے دریا نہ بہنے لگے رنج و غم کا میرے دل میں طوفان ہے
زندگی غم کے سانچے میں ڈھلنے لگی خونِ دل اشک بن کر ٹپکنے لگا
پھر بھی مایوس ہوتا نہیں دل میرا رات آنا سحر ہی کی پہچان ہے
بعد مدت کے تونے پکارا ہے کیوں مجھکو اب اور جینے کی حسرت نہیں
چشم نم بخشدی زخم دل دیدیے زندگی تیرا مجھ پر یہ احسان ہے
مت یہ سمجھو میرے دوستو آج میں آندھیوں کی سیاست سے محفوظ ہوں
مل گیا ہے کنارہ تو سچ ہے مگر میرا ساحل تو در پہ وہ طوفان ہے
اہلِ دل پر ہمیشہ وہ ہنستے رہے جنکے دل دردِ الفت سے محروم تھے
خندہ لب ہو اگر کوئی مجھ پہ صنم عزم نہ کرو ابھی غم سے انجان ہے
آج صورت پہ کیوں تیری مردنی چھا گئی دفعتاً کسکی یہ مجھکو یاد آ گئی
کیا ہوا آج دانش تجھے کیا ہوا کیوں طبیعت میں تیری یہ ہیجان ہے

محمد ہارون صابر سہارنپوری

میخانۂ گلشن میں کیوں تشنہ دہانی ہے
"پھولوں کے کٹوروں میں شبنم ہے نہ پانی ہے"
یہ تیرا سراپا ہے آئینۂ فطرت میں
یا چاند کہ "ڈل" میں فردوس کی رانی ہے
ماضی کے فسانوں سے چھیڑو نہ مرے دلکو
ماضی کے فسانوں میں اک تلخ کہانی ہے
یہ سوچ کے ہر غم کو سینے سے لگایا ہے
یہ ان کی امانت ہے، یہ ان کی نشانی ہے
وہ صبح انوکھی ہے ستی میں جو کٹ جائے
شیشوں میں جو ڈھل جائے وہ شام سہانی ہے
مصروفِ تکلم ہیں وہ ہم سے خیالوں میں
کیا شوخ کمال ہے؟ کیا جادو بیانی ہے
ہر دور میں کی ہمنے تجدید وفا صابر
دنیا یہ سمجھتی ہے یہ رسم پرانی ہے

غزلیات

اقبال ماہر

ہر چشم شوق دیدۂ بیدار بھی نہیں
دانائے راز و محرمِ اسرار بھی نہیں

اب پر فسانۂ رسن و دار بھی نہیں
منصور کی بلندیٔ کردار بھی نہیں

رعنائیٔ افق وہ شفق زار بھی نہیں
ہنگامِ صبح، صبح کے آثار بھی نہیں

اچھا ہوا کہ چھوٹ گیا کارواں کا ساتھ
اب ہر قدم پہ بندشِ رفتار بھی نہیں

سوچا کریں تو لاکھ نشیب و فراز ہیں،
چلتے رہیں تو راستہ دشوار بھی نہیں

اہلِ سفر کو روک سکے جو دمِ سفر
ایسی تو کوئی راہ میں دیوار بھی نہیں

کرنے لگے ہیں وہ بھی اداکاریٔ جنوں
احساسِ غم سے جن کو سروکار بھی نہیں

تسلیم مجھکو وعدۂ ترکِ تعلقات،
لیکن وہ خود بلائے تو انکار بھی نہیں

ماہر چمن میں اہلِ چمن کی تلاش ہے
سرو و سمن کہاں کہ یہاں خار بھی نہیں

۴۰

علوی سیہوری

جب لاش تمناؤں کی شانے پہ رکھو گے
وہ بوجھ پڑے گا کہ نہ آپے میں رہو گے

مجبور نہ کیجے پئے انگشت نمائی،
مجھ پہ جو ہنسو گے تو مصیبت میں پھنسو گے

وہ حرف غلط ہوں کہ مٹائے نہ مٹوں گا
ہر ذرے کے منہ سے مرا افسانہ سنو گے

سرسبز تھی ہر شاخ مگر آج نہیں ہے
اس جرم کو کس نام سے منسوب کرو گے

بہتان تراشی سے مقدر نہیں بنتا،
شرماؤ گے جب نامۂ اعمال پڑھو گے

حالانکہ بہت خوب ہے تصویر تمہاری
باطن نظر آئے گا تو خود چونک پڑو گے

ماتھے پہ چمکتا ہے ہر اک ظلم تمہارا
اب تو مرے اشعار کو الزام نہ دو گے

طوفان بھی ٹکرا کے چلا جائے گا علوی
مخدوش علاقے میں جو لہرا کے چلو گے

عین تابش

ہر طرف ہے کہر سا، ہر فرد ہے سہما ہوا
اب تو اپنے شہر کا بھی کچھ عجب نقشہ ہوا

ذہن کی سرحد پہ ٹوٹا یادِ ماضی کا سکوت
اسکو دیکھا تھا کہ پھر وہ بیتا غم تازہ ہوا

تم ہی سوچو اسکو بھولا کیسے کہہ سکتے ہو تم
شام کو آئے کوئی گر صبح کا بھولا ہوا

گردشِ شام و سحر، حالات کی انگڑائیاں
کل تلک میں گلستاں تھا آج میں صحرا ہوا

زندگی کی مانگ کیوں سونی پڑی ہے دوستو
اس کے ہاتھوں میں جو تھا رنگِ حنا دیکھا کیا

اب تو تابش لمحہ لمحہ ٹوٹتا جاتا ہے وہ،
کل تلک جو شخص ملتا تھا مجھے ہنستا ہوا،

ادبیات

شیخ صاحب

تحریر : محمد تیمور
ترجمہ : ندیم الواجدی

"شیخ صاحب" کے عنوان سے جناب ندیم الواجدی صاحب نے ایک ایسی عربی کہانی کا ترجمہ ہمیں برائے اشاعت بھیجا ہے۔ شیخ صاحب کے کردار کی اس کہانی میں بہت خوبی کے ساتھ عکاسی کی گئی ہے۔ قارئین کو یہ کہانی بہت پسند آئے گی۔ (مدیر)

شیخ ابوالبرکات محلّہ کی پرانی سی مسجد کے امام تھے۔ ان کی عمر کے پچاس برس شدید افلاس کی حالت میں گذرے تھے پھر بھی وہ خوش اور مطمئن تھے، انہیں اپنی مفلسی کا احساس تک نہ تھا۔ وہ اس بات پر مکمل یقین رکھتے تھے کہ دنیا کی ایک نیکی کا بدلہ آخرت میں دس گنا ملتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خوش مطمئن اور بڑے حوصلے کے مالک تھے۔ فقیروں اور بھولے بھٹکے مسافروں کے کام آنا وہ اپنا فرض سمجھتے۔ گھر میں جو کچھ روکھی سوکھی موجود ہوتی مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے تھے۔

دنیاوی نعمتوں سے انہیں کوئی مطلب نہ تھا۔ ہر وقت وہ اپنی آخرت سنوارنے میں مگن رہتے تھے، ان کی نظروں میں آخرت ہی حقیقت تھی اور دنیا بے حقیقت۔ انہیں چھوٹے طبقے کے لوگوں کے افلاس اور غریبی پر رونا آتا تھا۔ ہر نماز کے بعد وہ خدا سے دعا کرتے کہ اگر کہیں سے کوئی دولت مل جائے تو فوراً غریبوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیں گے اور پھر یوں ہوا کہ خدا نے ان کی سن لی اور وہ بے حد مالدار ہو گئے۔ یہ دولت انہیں لاٹری سے ملی تھی، لاٹری کا ٹکٹ انھوں نے کچھ سوچ کر نہیں خریدا تھا، تو صرف ٹکٹ فروخت کرنے والے غریب آدمی کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ شیخ صاحب کو جب اچانک مالدار بننے کی اطلاع ملی تو متحیر رہ گئے تھوڑی دیر کے لئے ان پر بے ہوشی سی چھا گئی۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے ایک آواز ابھری "یہ مال تیرا نہیں ہے، اسے اپنے اوپر ہرگز خرچ مت کرنا، یہ فقیروں اور غریبوں کا حق ہے خدا نے تجھے اس دولت کا محافظ مقرر کیا ہے تاکہ تو پوری پوری ایمانداری کے ساتھ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے۔"

انھوں نے اس نعمت کے لئے خدا کا شکر ادا کیا، خوشی اور شکر کے ملے جلے جذبات کی وجہ سے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ انھوں نے قسم کھائی کہ خدا کی سونپی ہوئی اس امانت کی دیانت داری کے ساتھ حفاظت کریں گے۔ وہ اپنے منصوبے کو عملی روپ دینے میں مصروف ہو گئے۔ اور حاجت مندوں پر بخشش کی بارش کر دی۔ ان کی اس بے حساب بخشش

کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی۔ لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے اور دولت سمیٹنے لگے۔ اور دعائیں دینے لگے۔ دن بھر خیرات کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہا اور شیخ صاحب کے چہرے پر ایک نورانی مسکراہٹ کھیلتی رہی۔

شام ہوئی وہ خوشی، مسرت اور اطمینان کی دولت لئے گھر پہونچے اور بیوی بچوں کے ساتھ روکھی سوکھی کھا کر روز کی طرح خدا کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ صحیح معنوں میں جائے نماز ہی ان کی پناہ گاہ تھی اس رات انھوں نے خدا سے بڑی عاجزی کے ساتھ اپنے استقلال و ہمت کے لئے دعا کی دن گزرتے چلے گئے۔ شیخ صاحب کی بخشش اور خیرات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ جو بھی ان کے سامنے ہاتھ پھیلاتا اپنی مراد پالیتا ان کے دروازے پر دور دور سے آتے ہوئے ضرورت مندوں کا ہجوم رہتا شیخ صاحب کے گھر سے نکلتے ہی لوگ ان کی ٹکٹکی باندھ دیتے ان کی طرف لپکتے۔ کوئی کپڑا مانگتا کوئی اپنے کسی عزیز رشتہ دار کی دوا کے لئے پیسے۔ اور کوئی بچوں کی فیس چکانے کیلئے تھوڑی بہت رقم۔ شیخ صاحب ہر ایک کے ساتھ پیار سے پیش آتے اور ان کی ضرورت پوری کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔

آہستہ آہستہ انھیں احساس ہونے لگا کہ ضرورت مندوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا ہے کئی ضرورت مند بڑی ذلت اور بڑی عاجزی کے ساتھ درخواست کرتے اور بعض بڑے اکڑ اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے مطالبے منوانے کی کوشش کرتے۔ کئی بار تو شیخ صاحب پریشان ہو جاتے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کریں۔

ایک روز ان کے ایک دوست نے انہیں سمجھایا "شیخ صاحب بخشش اور خیرات کا جو طریقہ آپ نے اختیار کر رکھا ہے ٹھیک نہیں ہے۔ آپ ایسے لوگوں کو خیرات دی ہے جو ہرگز اس کے مستحق نہیں ہیں۔ اور کئی ایسے ضرورت مند ایسے جنہیں آپ سے کچھ نہیں ملا۔ آپ کو سوچ سمجھ کر ایک ایسا منصوبہ تیار کرنا چاہیئے جس سے مستحق لوگ فائدہ اٹھا سکیں اور آپ کی دولت صحیح طریقے سے خرچ ہو۔"

شیخ نے اپنے دوست کی بات بہت دھیان سے سنی اور یہ ارادہ کر لیا کہ وہ صرف ان ہی لوگوں کو خیرات دیں گے جن کے بارے وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ اس دن سے انھوں نے اجنبیوں کو خیرات دینا بند کر دیا سوچا، کون جانے وہ ضرورت مند ہے بھی یا یوں ہی بن رہا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے دماغ میں منصوبوں اور اسکیموں کا ایک طوفان تھا وہ ان پر ایک ایک کر کے غور و فکر کر رہے تھے۔ مگر ہر اسکیم میں کوئی نہ کوئی دقت سامنے آجاتی ان کے سمجھ میں نہ آتا کہ کون سا طریقہ کار اپنائیں۔

ایک روز تو وہ اس بکھیڑے سے کافی تنگ آ گئے دل میں آیا کہ تمام دولت کسی سماجی سدھار کمیٹی کے حوالے کر کے سارے جھنجھٹوں سے چھٹکارا پا جائیں۔ مگر فوراً ہی انکے ضمیر نے ملامت کی کہ کیا یہ اپنے فرض سے منہ موڑنا نہیں ہے؟ خدا نے تمہیں غریبوں کی مدد کا کام سونپا ہے تم اسے کیسے بھلا سکتے ہو؟ پھر انہیں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں وہ کمیٹی ہی خدا کے دیئے ہوئے اس مال کو برباد نہ کر دے وہ جانتے تھے کہ لالچ اور ہیرا پھیری دو ایسی عادتیں ہیں۔ جو آدمی کی گھٹی میں شامل ہیں۔ اسی لئے انھوں نے طے کیا کہ خدا نے انہیں جس کام پر مقرر کیا ہے اس سے پیچھے نہیں ہٹینگے غریبوں کی ضرورت پوری کرنے کے بعد ایک دن شیخ صاحب گھر لوٹے تو ان کی بیوی نے جھجکتے ہوئے کہا "کیا خدا کے عنایت کئے ہوئے اس مال میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے؟ آخر ہمارا

کب آئے گا؟ ہمارے بھی چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ہیں۔ ہمارے پاس ان کے جسم چھپانے تک کے لئے کپڑے نہیں ہیں آپ ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں لیکن اپنے بچوں کو بھلا دیتے ہیں حالانکہ یہ بچے آپ کی خیرات کے زیادہ محتاج ہیں۔"

شیخ صاحب بیوی پر ایک غصہ بھری نظر ڈالتے ہوئے بولے یہ دولت میری نہیں ہے۔ اسے اپنے یا اپنے عزیزوں پر صرف کرنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے یہ تو پریشان اور غریب لوگوں کی امانت ہے۔"

بیوی نے ایک بار پھر ہمت کرکے کہا۔ "تو کیا ہم مفلس اور غریب نہیں ہیں؟"

"ہمارے پاس اپنی ضرورت کا سب کچھ موجود ہے اس دنیا میں ہم سے بھی زیادہ افلاس زدہ لوگ ہیں میں انہیں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"لگتا ہے آپ کو اپنے بچوں سے محبت نہیں ہے۔"

"چلی جاؤ یہاں سے! کہتا ہوں، دور ہو جاؤ میری نظروں سے تم چاہتی ہو کہ میں اپنے راستے سے بھٹک جاؤں؟" شیخ صاحب بیوی کی بات کاٹتے ہوئے گرج اٹھے۔

بیوی بیچاری روتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی اور اس کے پیچھے سسکاریاں بھرتے ہوئے بچے بھی۔ شیخ کی نظر اپنے بچوں کے پھٹے ہوئے کپڑوں پر پڑی تو وہ کانپ اٹھے اور فوراً جائے نماز پر کھڑے ہو کر خدا سے اپنے فرض کو پورا کرنے کی دعائیں مانگنے لگے

اگلی صبح ایک آدمی نے ان کے دروازے پر دستک دی اور اپنے افلاس کا رونا روتے ہوئے درخواست کی کہ اسے اپنے بچوں کے جسم ڈھانکنے کے لئے کپڑے چاہئیں۔ شیخ کچھ دیر تک اس آدمی کو دیکھتے رہے۔ اگلے ہی پل ان کی نظروں کے سامنے اپنے ننگ دھڑنگ بچے آ گئے۔ انہوں نے خود پر قابو پاتے ہوئے جیب سے کچھ سکے نکال کر ضرورت مند کے ہاتھ پر رکھ دئے۔ ضرورت مند کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "شیخ صاحب! ان سکوں میں تو ایک کرتا بھی نہیں خریدا جا سکتا۔ میرے بچے تو خاصے بڑے ہیں اور ان کی تعداد بھی خاصی ہے۔"

شیخ صاحب بولے: "بس بس میں اتنا ہی دے سکتا ہوں، میرے کندھوں پر ایک بڑے خیراتی منصوبے کو پورا کرنے کی ذمہ داری آ پڑی ہے۔ مجھے اس منصوبے کے لئے بہت سا مال چاہئے۔ جو کچھ دیا ہے اسی پر توکل کرو۔" وہ آدمی بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد ان کے پاس ایک ایسا ضرورت مند آیا جو پہلے بھی کئی بار آ چکا تھا اور ان کی خیرات حاصل کر چکا تھا وہ کمزور مریض دکھائی پڑ رہا تھا اس نے ان کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ میں کئی دنوں سے فاقہ کر رہا ہوں، اور پھر لڑکھڑاتا ہوا کمزوری کی وجہ سے گر پڑا۔ شیخ صاحب نے اسے سہارا دیکر اٹھایا اور اس کی جیبیں بھرنے لگے۔ ضرورت مند کا سر شکر کے احساس سے جھک گیا، اور انہیں دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد شیخ صاحب نے اس ضرورت مند کو کھانے کے ایک ہوٹل میں بھوک مٹاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے آگے ایک بڑی سی تھالی رکھی ہوئی تھی جس میں سے بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو اڑ رہی تھی شیخ صاحب کی آنتیں بھوک سے بے چین ہو رہی تھیں، انہوں نے اسی وقت سر جھکا لیا اور تیز قدموں سے گھر کی طرف چل دئے۔

گھر پہنچ کر جب وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ کھانے بیٹھے تو ان کے سامنے ایک چھوٹی سی پلیٹ میں باسی پنیر اور سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے رکھ دیئے گئے۔ اگلے ہی لمحہ

کی ہاتھ پلیٹ کی طرف بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے پلیٹ خالی ہوگئی۔ شیخ صاحب نے دکھی ہوکر جا نماز بچھائی۔

اگلے دن وہ بھوکا ضرورت مند آدمی پھر آیا۔ اور گڑگڑا کر شیخ صاحب سے مدد مانگنے لگا۔ اس بار شیخ صاحب نے اس کی ہتھیلی پر چند معمولی سکے رکھ دیئے۔ وہ غصے میں اول فول بکتا ہوا چلا گیا۔ دس پندرہ منٹ بعد شیخ صاحب کا گذر بازار میں ہوا۔ ان کی نظر اسی بھوکے ضرورت مند پر پڑی جو راستے کے ایک طرف بیٹھا سوکھی روٹی پانی میں نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

ایک دن شام کے وقت شیخ صاحب گھر پہنچے ہی تھے کہ ایک دکاندار نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ایک بل شیخ صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ پتہ چلا کہ بل کسی طرف سے خریدے ہوئے کپڑے کا ہے۔ بل پر نظر ڈالتے ہی وہ آگ بگولا ہوگئے۔ دکاندار سے انھوں نے ایک دن کی مہلت مانگی اور بیوی کے پاس آکر بولے۔ "یہ دکاندار کیسے کپڑوں کی قیمت مجھ سے طلب کر رہا ہے؟"

"مجھے اور بچوں کو کپڑوں کی ضرورت تھی، اس لئے یہ کپڑے میں نے خریدے ہیں۔"

"میں پوچھتا ہوں تمہیں اتنی ہمت کیسے ہوئی۔ تم جانتی ہو میں ایک غریب آدمی ہوں، ان فضول خرچیوں کے لئے پیسے کہاں سے لاؤں گا۔"

"مہنے بھی دیکھئے آپ کے پاس اتنا مال ہے کہ آپ ایسے سینکڑوں بل چکا سکتے ہیں۔ یہ کہکر وہ کپڑوں کی گٹھری اٹھا لائی اور مسکراتے ہوئے بولی۔" دیکھئے تو سہی کتنے شاندار کپڑے ہیں، سچ بتائیے یہ کپڑے آپ کی بیوی بچے پہنیں گے تو کیا آپ کو خوشی نہ ہوگی۔ شیخ صاحب نے کپڑوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا اور پھر دفعتاً ایک دم سے چیخ پڑے۔ میری اجازت کے بغیر تم یہ کپڑے کیسے لائی ہو۔ میں کسی حال میں ان کی قیمت نہیں چکاؤں گا۔ آخر تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ فوراً یہ کپڑے واپس کر دو۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"میں کپڑے واپس نہیں کروں گی۔" بیوی بولی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں، آپ کا یہ رویہ میری برداشت سے باہر ہے آپ دنیا پر بخششوں کی بارش کر رہے ہیں، مگر میرے اور میرے بچوں کے پاس بدن ڈھانکنے کے لئے کپڑے تک نہیں، آخر یہ کہاں کا اصول ہے۔"

"چپ رہو۔" شیخ صاحب چیخے

میں اب چپ نہیں رہوں گی میرے دل میں جو آئے گا کہوں گی میں نے بہت دنوں تک صبر کیا ہے یہ کہکر اس نے گٹھری اٹھائی اور جلدی، شیخ صاحب اس کے پیچھے لپکے اور گٹھری چھیننے کی کوشش کرنے لگے۔ کچھ دیر کھینچا تانی ہوتی رہی۔ آخر شیخ صاحب کو غصہ آگیا اور وہ پوری طاقت سے گٹھری پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک کرکے کپڑوں کو پھاڑنے لگے۔

"یہ کیا کر رہے ہیں؟"

"تم بھی اس کا استعمال نہیں کر سکوگی۔ میں ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" شیخ صاحب ہانپتے ہوئے بولے بیوی بیچاری تنگ آکر فرش پر بیٹھ کر رونے لگی۔

تھوڑی دیر بعد جب کچھ سکون ہوا تو شیخ صاحب جائے نماز کی طرف بڑھے مگر پھر گھر سے نکل پڑے تاکہ تازہ ہوا میں سانس لے سکیں۔ شیخ صاحب دنیا سے بے خبر چلے جا رہے تھے۔ ان کے ذہن میں خیالات کا طوفان امڈ رہا تھا بار بار وہ اپنے آپ سے پوچھتے۔ "مجھے کیا کرنا چاہیئے؟" کبھی وہ یہ سوچتے کہ وہ اپنے آپ پر اپنی بیوی، بچوں پر دنیا تو

نہیں کر رہے ہیں وہ دن بھر وہ اسی قسم کے خیالات میں ڈوبے رہے۔ کھانے کے بعد جب وہ بستر پر لیٹے تو طرح طرح کے خیالات انہیں پریشان کرنے لگے اور نیند آجانے پر انھوں نے دیکھا ان کی بیوی بچے وہی کپڑے پہنے کھڑے ہیں جنہیں دن میں وہ پھاڑ چکے تھے وہ سب کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر زندگی کی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

اگلے دن صبح شیخ صاحب بازار گئے تھوڑی دیر بعد جب وہ گھر لوٹے تو ان کے بغل میں ایک گٹھری تھی جسے وہ لوگوں کی نظروں سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے کمرے میں پہونچ کر بیوی کے سامنے انھوں نے گٹھری رکھدی اور خود ہی گرہ کھولنے لگے وہ۔ بیوی بچوں کے لئے بہت اچھے قیمتی کپڑے خرید کر لائے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک شاندار کرتا پہنے گھر سے باہر نکلے، بھوکے ضرورت مندوں کو آج انھوں نے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ ضرورت مندوں کے ہجوم سے وہ گردن اکڑائے آگے بڑھ گئے۔
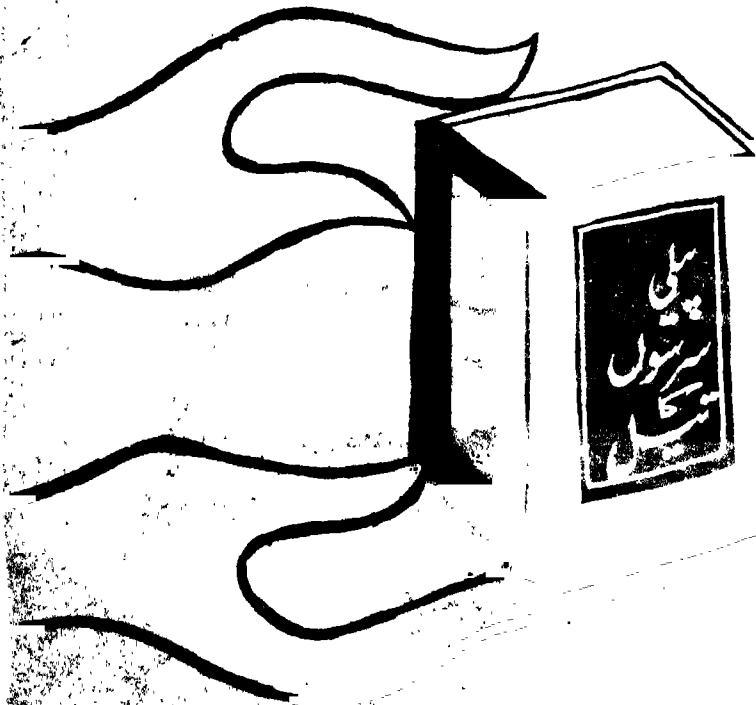
دوپہر کو کھانے کے لئے جب وہ بیوی کے ساتھ بیٹھے تو ان کے سامنے بہت عمدہ کھانے رکھے تھے سب نئے نئے کپڑے پہنے تھے، ان کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اس دن کے بعد جب کوئی خدا کے مال کے بارے میں سوال کرتا تو وہ کچھ دیر کے لئے گہری سوچ میں ڈوب جاتے اور پھر سر اٹھا کر اپنے مخصوص انداز میں کہتے دراصل میں ایک ایسا عظیم منصوبہ تیار کر رہا ہوں جو سارے سماج کا سدھار کرے گی۔ اس کے لئے وقت کی ضرورت ہے' دیر آید درست آید۔ جلد بازی کبھی نہ کرنی چاہیئے۔ جلد بازی شیطان کا کام ہے بس دیکھتے رہیئے میں کیا کرتا ہوں۔"

ایک پیغام
مسلم پرسنل لاء کی حفاظت ہمارا مقدس فریضہ ہے
جاجموڈائینگ اینڈ پروفنگ کمپنی
جاجمو کانپور
فون نمبر ۶۲۶۲۸
۶۱۴۴۴

ادبیات

عورت

مصباح الاسلام نقوی

جناب سید مصباح الاسلام صاحب نقوی کی تخلیق عورت اچھوتے انداز میں دلچسپ ادبی کاوش ہے ابتدائے آفرینش سے اب تک نئے انداز میں عورت کا روپ پیش کرنے کی کامیاب کوشش پر جناب مصباح الاسلام نقوی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ بجا طور پر مجموعی حیثیت سے عورت ایک کامیاب اور اچھوتی ادبی تخلیق ہے۔

(مدیر)

رات کے بارہ بج چکے تھے، لاجونتی اور قدسیہ ایک دوسرے کو سہارا دیئے ہوئے کلب کے باہر گاڑی تک آئیں دونوں نشہ میں چور تھیں لاجونتی کار کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر دراز ہوگئی اور قدسیہ اگلی سیٹ پر بیٹھ کر کار ڈرائیو کرنے لگی نشہ کی وجہ سے قدسیہ بہک جاتی تھی اور گاڑی سڑک پر آڑی ترچھی دوڑنے لگتی تھی۔ رات کا وقت تھا آدھی رات گذر چکی تھی سڑکیں سنسان تھیں اسلئے کسی حادثہ کا خطرہ نہیں تھا۔ لاجونتی نے پچھلی سیٹ پر لیٹے لیٹے نشہ میں پوچھا قدسیہ تم کون ہو ؟؟؟

"عورت" قدسیہ نے جواب دیا۔

"اول ہوں — نہیں ہم لوگ مرد ہیں۔ دو سو مردوں کے برابر!!!

قدسیہ سوچنے لگی کیا — میں۔ عورت ہوں سچ میں ایک عورت؟؟

نشہ تیز ہوتا جا رہا تھا قدسیہ گاڑی چلاتی رہی خیالات میں الجھی ہوئی، دل ہی دل میں سوال و جواب کرتی رہی — یکایک ونڈ اسکرین پر گاڑی کے سامنے ایک سایہ ابھرا — قدسیہ نے سمجھا شاید کوئی گاڑی کے سامنے آگیا ہے پہلے ہارن دیا پھر گاڑی روک دی — دروازہ کے باہر جھانکا کوئی نہ تھا۔ اسلئے پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی ذرا دیر بعد پھر وہی سایہ ونڈ اسکرین پر ابھرا، دھندلا سایہ قدسیہ نے غور سے دیکھا سایہ گاڑی کے ساتھ چل رہا تھا۔ لیکن بغیر کسی حرکت کے سایہ گاڑی کے قریب آتا گیا جب ونڈ اسکرین کے سامنے آگیا تو قدسیہ نے دیکھا یہ ایک عورت کا سایہ ہے جسکے بہت سے سر ہیں کسی سر کے ماتھے پر سیندور لگا ہے، گلے میں مالا پڑی ہے۔ کوئی بوڑھا ہے تو کوئی جوان، کسی سر کے بال کالے ہیں تو کسی کے سفید اور کسی کے پٹے کٹے ہیں — سایہ نے سرگوشی کی قدسیہ — قدسیہ — تم عورت ہو — ہم عورت ہیں — ہماری کہانی ہماری

داستان بہت پرانی ہے ،اور کبھی نہ ختم ہونے والی"۔!!

قدسیہ کے دل میں ایک دم سوال اٹھا کیسی کہانی کیسی داستان"؟ ؟

"بہت دلچسپ۔ بہت لمبی اور افسردہ داستان"۔

سایہ نے جواب دیا "سنو گی"۔ ؟

"ہاں سنوں گی"۔ قدسیہ نے جواب دیا۔

"تو سنو"۔ سایہ نے سرگوشی کی ۔

"عورت! ہاں میں عورت ہوں ایک عام عقیدہ کے مطابق مرد کے بائیں پہلو سے پیدا ہوئی۔ اسی لئے روز ازل سے میرے دل میں مرد کی محبت ہے اور ابد تک رہے گی۔

قدیم تاریخ اور عام عقیدہ کے مطابق :

میں ہی حوا تھی ،

اور تاریخ بتاتی ہے میرا ہی نام مریم تھا ،

اور میں ہی سیتا تھی !

میں نے ہابیل کو پیدا کیا (ہابیل حضرت آدم کی پہلی اولاد تھی)

یوسف جیسے صابر و شاکر کو پیدا کیا۔

مریم ہی عیسیٰ کی پیدائش کا ذریعہ تھی ۔ ہاجرہ بن کر اپنے بیٹے کے پانی کیلئے عرب کے تپتے ہوئے میدان میں صفا و مروہ کے بیچ دوڑی اور آج لاکھوں لوگ میرے نقش قدم پر دوڑتے ہیں ۔ اور دوڑتے رہیں گے ۔ تاکہ گناہوں میں کمی ہو جائے۔

میری کوکھ سے رام و لچھمن جیسے سپوتوں نے جنم لیا

میں نے ہابیل و قابیل کو جنم دیا تاکہ دنیا میں قتل و غارت گری شروع ہو۔ (ہابیل و قابیل حضرت آدمؑ کی اولادیں تھیں اور سب سے پہلے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا۔) میرے فرزندوں نے سچائی ، ایمانداری ، بہادری ، وفاداری کے لئے اپنی گردنوں پر خنجر چلوائے سینوں پر گولیاں کھائیں ، سولی پر لٹک گئے ، کسی کو شہید کسی کو غازی کہا گیا ۔۔ اور میرے ہی بیٹوں نے چاندی کے چند سکوں کے لئے خود کو بیچ ڈالا اور اپنا ضمیر رہن کر دیا ۔

میں نے مرد کو جنم دیا ۔ اسلئے کہ

بیٹی بنوں ،

ماں بنوں ،

بہو بنوں ،

بیوی بنوں ،

محبوبہ بنوں ۔

میں شاعر کا خواب اور فن کار کی تخلیق ہوں ۔ میں نے ہی شاعر کو شاعری کرنے کا فن سکھایا ، ہاتھ میں جام دیکر ندیمانہ بنایا ۔

ادیب کو سحرالبیان بنایا ، ادب سکھایا بے ادبے با ادب بنایا

فلسفی کو فلسفہ کے رموز و نکات سمجھائے علم کے قریب لائی۔

سوچنے سمجھنے کی طاقت بخشی ۔

انسان کو انسانیت کا جام پلایا ، بادشاہ بنایا ، فقیر بنایا ، پاگل و دیوانہ بنایا ،

سرفرازی و سربلندی کی مسند پر بٹھایا ۔

بے عزتی اور بدنامی کے فرش پر کھینچ لائی ،

شہنشاہیت کا تاج سر پر رکھا ۔

بھیک مانگنے کا کاسہ ہاتھ میں دیا ۔

کسی کو عرش پر بٹھایا تو کسی کو فرش پر ۔

جنگ و جدل کا ساماں بنی ۔

جنت سے نکالی گئی ، مرد کے یاد میں آنسو بہائے اپنی بیٹیوں کو اس کا درس دیا

آدم کو گندم کھانے پر اکسایا خدا سے کیا ہوا عہد توڑوایا ۔

زلیخا بنی یوسفؑ سے عشق کیا اور محبت کی ایک آفاقی
داستان کو جنم دیا۔
شیریں بنی فرہاد سے دودھ کی نہر کھدوائی اور
پھر بھی اس کے ہاتھ نہ آئی۔
فاطمہؑ بن کر پیدا ہوئی، اپنے بیٹوں کو راہ خدا میں
شہادت کے لئے بھیج دیا۔
سکندر کو پیدا کیا فاتح اعظم بنایا۔
لیلیٰ کا روپ دھارا مجنوں کو دیوانہ بنایا۔
سوہنی بنی مہیوال کو دریا میں ڈوبایا۔
ایک معمولی عورت کے یہاں پیدا ہوئی، انارکلی کا
خطاب پایا بیٹے کو باپ کے خلاف لڑایا۔ دیوار میں زندہ
چنی گئی لاہور میں سپرد خاک کی گئی۔
میں سلیمہ محل بھی بنی اور قیس کی لیلیٰ بھی۔
"میں وہ ہوں جس کے آگے شہنشاہ اپنا تاج، سپاہی
اپنی تلوار اور انسان اپنا دل رکھ دیتا ہے"
سورج سے گرمی۔ چاند سے خنکی۔
کلیوں سے معصومیت۔
پھولوں کی شادابی
شبنم کی ٹھنڈک
شفق کی سرخی لی۔
کالی گھٹاؤں سے مانگ کر کاجل آنکھوں میں لگایا
رات کی سیاہی میں بال ڈوبائے
باد نسیم کے جھونکوں سے چلنے کا راز سیکھا۔
ساون کے موسم میں انگڑائی لی
ہرن سے تیزی سیکھی۔ بلبل سے ترنم سیکھا۔
کوئل سے کوکنے کا طریقہ پوچھا۔
لومڑی سے چالاکی، کوے سے مکاری، طوطے
سے طوطا چشمی سیکھی۔
اور ہنس کے ساتھ رہنا سیکھا۔
اور پھر عورت بن گئی۔
رضیہ سلطانہ اور ملکہ وکٹوریہ بن کے حکومت کی، ناظم بنی
نورجہاں بن کے جہانگیر کو انصاف کرنا بتایا۔
مہرالنساء سے ممتاز محل بنی اور تاج محل بنوایا۔
واجد علی شاہ کے دربار میں پہونچی تین سو چونسٹھ (۳۶۴) کا کورم
پورا کیا۔
رانی جھانسی بن کر میدان میں اتری اور شجاعت کے جھنڈے
گاڑ دیئے۔
بیگم حضرت محل بن کر اودھ کی مورچہ بندی کی بعد میں نیپال
میں پناہ لی۔
پہلے ملکہ نواب زادی۔ گھر کی بہو تھی۔ لیکن اب.... !
ماڈرن گرل،
سوسائٹی گرل،
ٹیڈی گرل۔
گرل فرینڈ — سب کچھ بن گئی۔
پہلے گھر کی چہار دیواری میری کل کائنات تھی اور مدفن
تھی اور گھر کے اندر کس کے ہاتھ ہلانا جرم تھا۔ اندیشہ تھا کہیں
چوڑیوں کی آوازیں باہر مردوں کے کانوں میں نہ چلی جائیں
اب میں نے چوڑیاں ہی پہننا چھوڑ دیں۔
پہلے — ڈھیلے کپڑے پہنتا اور ہر عضو کو چھپانا ضروری تھا۔ اب
اس طریقے کو میں نے ترک کر دیا۔ آخر اس پہناوے سے کیا
فائدہ تھا جس سے خدا کا دیا ہوا حسین جسم چھپا رہے۔ اب
میں وہ کپڑے پہنتی ہوں جس میں کفایت شعاری شامل ہو۔ اسلئے
کم کپڑے، تنگ اور چست لباس پہننا شروع کر دیئے جس سے
بدن کی ہر عضو کی نمائش بھی ہو جاتی ہے ایک نتیجہ دو کاج یعنی

کپڑا ابھی کم خرچ ہوا اور جسم کی نمائش بھی ہو گئی۔
اگر میں خوبصورت نہ ہوئی تو کیا ہوا۔ میرا جسم تو مردوں کی نگاہوں کا مرکز رہے گا ہے ؟

پہلے غزل وغیرہ میں ساقی اور پیمانے کا ذکر ہوتا تھا، لہذا میں کیا جانوں یہ حقیقت میں کیسی ہوتی ہے۔ لیکن اب غزل کا مزاج بدلا شاعری کا دامن وسیع ہوا شاعروں کے خیالات بدلے میں نے سوچا میں بھی بدل جاؤں۔ اسلئے میں نے بھی میخانے کا رخ کیا۔

تمام فرسودہ خیالات، برقعہ، پردہ شرم حیا غرضکہ تمام قیود سے آزاد ہو گئی۔

اب ــــ اب ایک ہاتھ سے سگریٹ پیتی ہوں، دوسرے سے کار ڈرائیو کرتی ہوں۔ اب نہ صرف سیکڑوں مردوں کی شکلیں دیکھتی ہوں بلکہ ان کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہوں۔ خطور جسمانی کی داد لیتی ہوں۔ راتیں نائٹ کلبوں میں آرکسٹرا کی دھنوں پر ناچتے ہوئے فلش اور گن کھیلتے ہوئے۔ تھری ایکس رم اور ایپل جوس پی کر گذارتی ہوں شادی سے پہلے ٹریننگ حاصل کر لیتی ہوں۔ کیونکہ اگر ان ٹرینڈ شوہر سے سابقہ پڑ جائے تو اسے ٹرینڈ کر سکوں۔

پہلے مشرق کی دیوی تھی،
اب مغرب کی بیوی ہوں۔
پہلے چراغ خانہ تھی ــــ اب شمع محفل ہوں۔
مغرب کی تقلید میرا اولین فریضہ ہے۔

پہلے بھی عورت تھی آج بھی عورت ہوں اور کل بھی عورت ہی رہوں گی۔

میں نے زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر دور میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔
جب میں نے سوتیلی ماں کا کردار ادا کیا۔ تو قدیم داستانوں میں فرعون اور نمرود کی حکایتیں پھیکی پڑ گئیں۔ حال کی تاریخ، میں ہٹلر اور مسولینی کو لوگ بھول گئے۔

حسن میری ذات سے وابستہ ہے۔ میں عورت بنی شادی کے لئے اور شاعری کے لئے۔

مجھے حسن کی دیوی کا خطاب دیا گیا۔ جمالیات اور رومانیت کا خمیر میری ہی ہستی سے گوندھا گیا۔

میں کبھی عبادت کے لئے مندر میں بٹھائی گئی کبھی چند سکوں کے لئے فروخت کی گئی۔

کوٹھوں پر، بازاروں میں۔

میں عورت ہوں، وہ عورت جو زندگی میں اکثر عورت تو بن جاتی ہے۔ لیکن۔ بیوی نہیں بن پاتی۔ میں ندیوں کے کنارے۔ سمندر کے ساحلوں پر۔ پہاڑوں اور مرغزاروں میں سیر کرتی رہتی ہوں۔ وادی، وادی۔ صحرا صحرا جنگل جنگل گھوما کرتی ہوں۔ اور پھر قبروں میں سو جاتی ہوں شمشانوں میں جل جاتی ہوں۔

زرق برق کپڑے۔ اونچی اونچی کوٹھیاں محل دیوان خانے۔ موٹر۔ کار۔ بنگلہ۔ دولت اور کھوکھلی شان و شوکت میری بہت بڑی کمزوری ہے۔

میں عورت ہوں ان عورتوں میں جو آزادی کے گیت گا رہی ہیں۔ لیکن لاکھوں عورتیں آج بھی۔ ہندوستان کے دیہاتوں میں۔ قصبوں میں۔ میدانوں میں اور پہاڑ کے ویرانوں میں تنگی ظلم، پریشانی اور مفلسی کی زندگی گذار رہی ہیں۔

جاؤ ان سے کہہ دو کہ آج عورت کو برابر کے حقوق مل گئے ہیں اور زندگی کی شاہراہ پر مردوں کے قدم سے قدم ملا کر بلکہ۔ دو قدم۔ چار قدم۔ آٹھ قدم آگے ہی چلیں۔

آؤ آفسوں کے ٹائپ رائیٹر تمہارا انتظار کر رہے ہیں پرائیویٹ سکریٹریوں کی جگہیں۔ ریسٹورنٹ۔ ریس کے میدان

ہوٹل اور بار تمھارے منتظر ہیں آؤ اور ان جگہوں کو پورا کرو ــ آج تمھارا آنچل زبردستی کسی "ائیس" کے ساتھ نہیں باندھا جاسکتا ــ تم اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی جلیس کا انتخاب کرسکتی ہو۔ لیکن !!

ٹھہرو رک جاؤ ــ ان سے کچھ مت کہنا۔ ان کو چراغ خانہ رہنے دو ــ شمع محفل مت بناؤ ــ ان کے لب و عارض کی مٹھاس کا مستحق جو وا ہا ہے ــ دہقان ہے، مزدور ہے ــ مزدور جو فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرتا ہے۔

وہ ایک مرد کے لئے ہیں ۔

ایک شوہر کے لئے ــــ کئی جلیسوں کے لئے نہیں، آفس کے صاحبوں کے لئے نہیں، جہازوں کے کپتانوں کے لئے نہیں فرم کے مالکوں کے لئے نہیں، ان کو ایک شوہر کی ایک ہی ہی رہنے دو ۔

ورنہ !!!

کلب کی چکاچوند کر دینے والی روشنیاں ان کی بینائی چھین لیں گی ۔

ان کا دماغ سن ہو جائے گا ۔

وہ گیتا کو بھول جائیں گی ۔

ان کو قرآن کے الفاظ دکھائی نہیں دیں گے ہندوستان کی صدیوں کی تہذیب کا شیرازہ بکھر جائے گا ــ انکو بلند بالا مندر نہیں دکھائی دیں گے ۔ مسجد کے اونچے اونچے مینار نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے ۔

وہ عورت کے اس مقام کو فراموش کر دیں گی جو ان کی عزت و عظمت کا مظہر ہے ۔

عورت جو زندگی کے ہر شعبے میں قدم بہ قدم چلی کبھی لڑکھڑائی کبھی ڈگمگائی ــ کبھی گری ــ اٹھی ۔ سنبھلی پھر چلی ۔ زندگی کی شاہراہ پر ــ پر رونق اور جگمگاتی شاہراہ پر، ایڈیٹر، ڈاکٹر، انجینیر، پائیلٹ، پولیس آفیسر، وکیل، پروفیسر جج گورنر، لیڈر، منسٹر ــــ بندر نچانے والی، رقاصہ کیبرے ڈانسر، کال گرل یہ سب میری زندگی کے مختلف پہلو ہیں۔ مختلف روپ ہیں، مختلف دور ہیں !!

تعلیم کے میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہی ــ اپنی بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی ــ لیکن ان کی شادیاں نہیں کیں۔ کیوں ؟ ــــ میں امیر گھر کا لڑکا ڈھونڈھتی تھی ــ پھر ؟ ــــ نہیں ملا ــــ شادی نہیں کی ۔

اور میری بیٹیوں نے اپنی راہ اپنے لئے خود نکال لی میں تے زندگی کی تمام ارتقائی منزلیں طے کرلیں ۔

لیکن اب وہ عورت نہیں ہوں ۔ وہ عورت جو ۔ مریم سیتا اور فاطمہ تھی۔ روح مرچکی ۔ جسم زندہ ہے ۔ بکا ہوا۔ گردئی تشنہ ۔ نام نہاد ترقی پذیر جسم ۔

پہلے میں غزل کے معنیٰ اسکا مفہوم اور عنوان تھی ۔ اور اب،

آزاد نظم FREE VERSE ہو کر رہ گئی تمام قیود سے آزاد ۔ ماضی کی روائتوں ۔ فیشن اور بگڑے ہوئے ماحول کا جیتا جاگتا مگر بے روح مجسمہ ہوں جسے فیشن کی کوئی بھی آندھی گرا کر پاش پاش کرسکتی ہے ۔

اور پتہ نہیں کتنے مجسمے اب تک گر کے چکنا چور ہو چکے ہیں کرچی کرچی، ریزہ ریزہ ۔

عورت کی یہ داستان کبھی ختم نہیں ہوسکتی ۔ غالب کی "شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک "

عورت بھی ہر رنگ میں، ہر روپ میں، زندہ رہتی ہے۔ اس وقت تک جب تک موت نہیں آتی !

میں عورت ہوں مظلوم، مجبور، مدہوش !!!

مجبور، مجبور۔ مدہوش، مدہوش۔ اور ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ گاڑی رک گئی قدسیہ کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ عورت کا سایہ بھی غائب ہو چکا تھا۔ دسمبر کے مہینے کی کہر آلود رات تھی، سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ قدسیہ کار کا دروازہ کھول نیچے اتری اس کے سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ قدسیہ نے کار کی پچھلی سیٹ پر لیٹی ہوئی۔ نشہ میں چور لاجونتی کو اٹھایا۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے لاجونتی گاڑی کے باہر اتری پہلے تو اس کی سمجھ میں بھی کچھ نہیں آیا۔ ہوا کے سرد جھونکوں نے جب نشہ کم کیا۔ تو قدسیہ نے ٹارچ جلا کے دیکھا تو وہ ایک پرانے اور ویران قبرستان میں کھڑی تھی۔ گاڑی بیری کے ایک پیڑ سے ٹکرا کر بند ہو گئی تھی۔ لیکن گاڑی کو کوئی نقصان نہیں پہونچا تھا۔ گاڑی کے اگلے دونوں پہئے ایک پرانی قبر پر چڑھ گئے تھے۔

قدسیہ نے ٹارچ کی روشنی قبر پر ڈالی اس پر ایک گرد آلود پتھر نصب تھا جس پر انگریزی میں لکھا تھا۔

مس لوریٹا

وفات ۱۴ اپریل ۱۹۴۳ء

عمر ۲۲ سال ــــ خدا اسکو جنت میں جگہ عطا فرمائے

لاجونتی اور قدسیہ دوبارہ گاڑی میں آبیٹھیں نشہ کم ہو چکا تھا گاڑی بیک کی اور سڑک آنے پر گاڑی روک کر سمت کا اندازہ کرنے لگیں۔ ان کو معلوم ہوا شراب کے نشہ میں چور اور خیالات میں غرق کلب سے گھر جانے کے بجائے راستہ بھول کر شہر کی رونق سے دور اس ویرانے میں آگئی تھیں اور اس دوراہے پر کھڑی تھیں جسکا ایک راستہ قبرستان اور دوسرا شمسان گھاٹ کو جاتا ہے۔

— —

ادبیات

شاہ جی

ڈاکٹر منظر عباس بھاگلپوری

جناب ڈاکٹر منظر عباس بھاگلپوری صاحب کے افسانہ "شاہ جی" کی پہلی قسط آپ رنگ سنگ کے جون ۷۲ء کے شمارہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس ماہ دوسری قسط حاضر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (مدیر)

زلیخا نے اس کے کان میں کچھ کہا اور وہ پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ زلیخا کے جانے کے بعد شاہ جی کچھ دیر تک اس برقعہ پوش کو بھوکی نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر گویا ہوئے

"ہاں! ذرا قریب آجاؤ۔ تم سے کچھ دریافت کرنا ہے میرے حضور میں برقعہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسے اتار کر ایک طرف رکھ دو۔ تاکہ میں تمہارے متعلق صحیح رائے قائم کر سکوں یہاں پردہ کی کیا ضرورت ہے۔؟

شاہ جی کے حکم کے مطابق خاتون نے برقعہ اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ شاہ جی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کالے بادلوں میں سے چودھویں کا چاند نکل آیا ہے۔ خاتون حسین و خوبصورت تھی۔ بلکہ پیکرِ حسن و جمال تھی۔ شاہ جی سر تا پا اس پیکرِ حسن و جمال کا بغور جائزہ لیتے رہنے کے بعد بولے۔

"بیٹھ جاؤ۔!

خاتون مسند کے ایک کنارے بیٹھنے لگی تو شاہ جی نے کہا۔ "ادھر نہیں ادھر۔ بالکل میرے قریب ہو کر۔ تاکہ میں تمہارا بغور معائنہ کر سکوں۔

شاہ جی کی ہدایت کے مطابق خاتون بالکل شاہ جی کے مقابل سمٹی سمٹائی شرمائی لجائی سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ شاہ جی اپنی داڑھی پر انگلیاں چلاتے رہے۔ آنکھوں کی پتلیاں رقص کرتی رہیں۔ اور چہرے پر سرخیاں جمتی گئیں۔ کچھ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد شاہ جی نے پوچھا

"کیا نام ہے تمہارا۔؟

"سلطانہ۔!

"ہوں! تمہاری شادی کو کتنا عرصہ ہوا۔؟

"چار سال کے لگ بھگ۔!

"تمہارے شوہر میں کسی قسم کا نقص تو نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ تندرست تو ہے؟

شاہ جی کے اس بے ڈھنگے سوال پر خاتون نے شرما کر اپنی گردن اور نیچی کر لی۔ کوئی جواب نہ پا کر شاہ جی نے کہا

"ہوں! تو یہ بات ہے۔! نا امید مت ہو۔ اس دربار سے کوئی خالی نہیں گیا۔ تمہاری مراد پوری ہوگی۔ ہاں

ذرا اور قریب آجاؤ تاکہ تمہیں دم کر سکوں۔" یہ کہتے ہوئے شاہ جی نے خاتون کی مرمریں کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور پھر اپنے قریب کرتے ہوئے اپنی ہوس آلود اور بھوکی نگاہیں اس کے حسین چہرہ پر مرکوز کر دیں خاتون سر جھکائے خاموش شاہ جی کے پہلو میں بیٹھی رہی۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد شاہ جی بولے۔

"ذرا اپنا سر اٹھاؤ۔ میری طرف دیکھو"۔!

خاتون نے آہستہ سے اپنی گردن اوپر اٹھائی۔ ڈری اور سہمی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھیں تو وہ سارے بدن سے کانپ کر رہ گئی۔ شاہ جی کی آنکھوں سے ہوس کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ چہرہ پر چند ساعت قبل بزرگی کے آثار تھے اب شیطنت نمایاں تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی یہ دلی نما انسان مجسم شیطان نظر آ رہا تھا اس نے شاہ جی کے پہلو سے کھسکنا چاہا لیکن شاہ جی اس پر بھوکے بھیڑیئے کی طرح ٹوٹ پڑے۔ ان کی گرفت سخت ہوتی گئی۔! اور آخر کار خاتون کا آبگینہ عصمت شاہ جی کی شیطانی حرکتوں سے چور چور ہو گیا۔!!!

آمنہ! واقعی محبت میں انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے مگر محبت تلخیوں اندوہناکیوں اور ان تی مقدرت کی دلآزگوں نصیبوں کی سرمایہ دار ہے۔ مگر میرے دل دیں کیلئے یہ سب سے بڑا اعزاز ہے۔ آمنہ! عورت کی زندگی بھی بغیر محبت کے مصیبت ہے۔ کیا اب آمنہ جس کو میں اپنی آمنہ کہا کرتا تھا میری نہیں۔ آہ اے خدا! یہ کیا ہوا؟ میں کچھ بھول گیا ہوں۔ میں اگر شاعر ہوتا تو کہتا۔

"میرے پہلو سے دل کھو گیا ہے"۔

آہ! دل ہی نہیں، بلکہ امیدیں و آرزو بھی۔!

آمنہ! مجبور و مظلوم آمنہ! واقعی تو بے بس ہے۔ اور سخت چالوں کے پنجۂ ظلم میں۔! دفعتاً کمرہ میں شاہدہ زیر لب مسکراتی داخل ہوئی۔ کلیم سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"بھائی جان ایک بات پوچھوں"۔ شاہدہ نے کہا

"پوچھو۔ کیا پوچھتی ہو"۔؟

"اگر آمنہ آپا۔ آپ کو پسند کریں تو آپ کیا کرینگے"۔؟

شاہدہ نے زیر لب مسکرا کر پوچھا۔

"کیا۔ کیا۔؟" کلیم حیرت و مسرت کے ملے جلے لہجہ میں بولا۔ "آمنہ اور مجھے۔ باوجود والدین کی مخالفت کے پسند کرے گی۔ کیا واقعی وہ میرے ساتھ مناکحت پر رضامند ہے"؟

"مجھے یہ سب کچھ نہیں معلوم"۔! شاہدہ قدرے بھولے پن سے بولی۔ "میں تو دریافت کرتی تھی کہ اگر ایسا ہو تو آپ کیا کرینگے"

"ایسی صورت میں وہ صرف مجھ سے ہی شادی کر سکتی ہے۔ مگر وہ بالکل بے بس ہے"۔!

"تو پھر میں امی جان اور چچی جان کو بتا دوں"؟

"کیا"۔؟

"یہی کہ آپ بالکل تیار ہیں"۔! شاہدہ قدرے شوخی سے بولی۔

"شاہدہ"۔! کلیم چیخا۔

"بس تو میں چلی"۔! یہ کہتی ہوئی وہ تیزی سے باہر ہو گئی

تاریک رات۔ قبر کی طرح تاریک اور خاموش ہے۔! ہر شخص خواب بیکراں میں مسرور اور مدہوش ہے۔ رات کے بارہ کا عمل ہے آمنہ اور اس کی امی مکان کے اس حصہ کی طرف چلیں جہاں شاہدہ اور اس کی ماں رہتی ہیں۔ اور پھر چاروں عورتیں درگاہ کی سمت چلی جا رہی ہیں۔ اس وقت کلیم معہ اپنے

مسلم پرسنل لاء [illegible]

چند مخصوص احباب کے خوشی و رنج کے توام جذبات و خیالات
سے کھیل رہے تھے۔ عیدگاہ کے اندرونی احاطہ کے ایک تاریک
گوشہ میں پہونچ کر رک گئیں۔ کلیم نے شاہدہ کو بلا کر پوچھا۔
"شاہدہ! سب ٹھیک ہے نا۔؟"
"ہاں! بھائی جان سب ٹھیک ہے، یہ دیکھئے آمنہ
آپا کھڑی ہیں" آمنہ کی حالت اس وقت غیر تھی۔ وہ کپکپا رہی
تھی۔ دہشت و خوف کا عالم اس پر طاری تھا۔ روشنی لائی گئی۔ اب
کلیم کے دوست جمال الدین، مولانا قسیم الدین اور منشی قدرت
سعید، سب کے سب دیوار کی آڑ میں ہمہ تن گوش ہو گئے۔
کلیم۔ جو دارالعلوم عربیہ کا فارغ التحصیل روشن خیال عالم تھا
اس نے کہنا شروع کیا۔
"آمنہ! رب العزت کے احکام کے مطابق اور اس
کے رسول برحق ﷺ کی ادا کے مطابق تمہارا نکاح میں اپنے ساتھ
بوعدہ ادائی ہر سکہ رائج الوقت۔۔۔ کرتا ہوں تم اس کو
اپنے سچے دل سے قبول کرتی ہو۔؟"
"جی ہاں! میں نے قبول کیا۔"
گواہ موجود ہی تھے۔ نکاح مذہبًا درست ہوا۔ دونوں
دل خوشی و مسرت سے بے قرار تھے۔ یہ چھوٹی سی رسم کس
سادگی سے ادا ہو گئی۔ جس کے لئے دنیا والے ہزار روپیوں کو
تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔!

کلیم اور آمنہ کا عقد تو چپ چپاتے ہو چکا تھا۔ شاہ
جی کو اس داستان کی مطلق خبر نہ تھی۔ اور ادھر سلیمان کے
ساتھ آمنہ کے عقد کا دن مقرر ہو چکا تھا۔ کلیم عقد کے دن سلیمان
کے گھر پہونچا۔ کلیم کو دیکھتے ہی وہ آگ بگولہ ہو گیا، اور ہوئے
آتشدیدہ کی طرح بل کھا کر پیچ پڑا۔
"کیوں آیا ہے یہاں۔؟ جا نکل جا یہاں سے نامراد۔!"
"جھنجھومت! میں ایک اہم اطلاع تمہارے گوش
گذار کرنے آیا ہوں۔ سن لوگے تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔" کلیم
نے کہا۔
"میں کہتا ہوں نکل جا یہاں سے میں کچھ سننا نہیں
چاہتا۔ تجھ جیسے ملحد سے مجھے نفرت ہے۔ انتہائی نفرت"
سلیمان غصہ میں بولا۔
"سلیمان! ہوش میں آجاؤ اس قدر آپے سے باہر ہونے کی
کوشش نہ کرو۔ کلیم قدرے تیز لہجہ میں بولا۔ "میں تم کو جو سنانے
آیا ہوں وہ سنا کر جاؤں گا۔ سلیمان تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ
آمنہ کا عقد ہو چکا ہے۔"
"کب۔؟ اور کس کے ساتھ۔؟"
"میرے ساتھ" کلیم نے کہا۔
"جھوٹا فریبی نکل جا یہاں سے مجھے دھوکا دینے آیا
ہے۔" سلیمان گرجا،
کلیم زیر لب مسکراتا ہوا چلا گیا

"للہ! لوگو! مجھ پر ظلم مت کرو۔ میں قسمت کی ستائی
ہوئی ہوں۔!"
"تمہارا نکاح محمد سلیمان ولد عبدالرحمٰن کے ساتھ بعوض دس
ہزار روپیہ و دس اشرفی کے کیا۔ کیا تم کو قبول ہے۔؟"
لیکن آمنہ کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا، کیونکہ وہ
تو مذکورہ بالا جملہ کہہ کر بے ہوش ہو چکی تھی۔ زنان خانہ میں
ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ چند ساعت کے بعد ہوش آیا تو
قاضی صاحب نے وہی فقرہ دہرایا مگر کوئی جواب نہ ملا۔
آمنہ کے اس طرز عمل سے سارے براتیوں پر عالم یاس
طاری ہو گیا۔ دفعتًا کلیم مردانہ وار زنان خانہ میں گھس آیا۔
تماشبین کے پسے کائی کی طرح اس کو دیکھکر پھٹ گئے۔ وہ

وہاں پہونچتا ہے جہاں اسکے چچا شاہ فریدالدین کھڑے ہیں اور ان سے مخاطب ہوا۔

"آپ کو معذور سمجھ کر اطلاع دیتا ہوں کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کو اسلام نے اپنے فعل و عمل کرنے کی کلی آزادی دے رکھی ہے اس بنا پر آمنہ گذشتہ شب جبکہ میرے عقد میں آچکی ہے اور اس وقت قانوناً اس کو یہاں سے لے جاؤں گا۔ میری گستاخی معاف فرمائیں۔"!

شاہ جی یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گئے وہ چاہتے تھے کہ کلیم پر ایک ہی حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیں، مگر کلیم نے ان آنے والے خطرات سے اپنے بچاؤ کی پہلے ہی سے تدابیر کر لی تھیں۔ یعنی کلیم کے ایک سب انسپکٹر دوست مسٹر علیمی افسر معہ دس مسلح سپاہیوں کے عقب سے کلیم کی مدد کو پہونچے تھے۔ وہ دراتا مکان میں داخل ہو گئے۔ شاہ جی کی عقل پولیس کو دیکھ کر ٹھکانے آ گئی۔ چنانچہ کلیم اپنی ماں، بہنیں اور اپنی متنازعہ رفیق حیات آمنہ کو، لیکر رخصت ہو گیا۔

آمنہ کی حالت ناگفتہ ہو رہی تھی۔ اس کو برابر غشی کے دورے پڑ رہے تھے، ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھلایا گیا شہر کے مشہور طبیب حکیم مسیح الزماں کی تشخیص اور نسخہ نے کچھ اثر دکھلایا۔ مگر چند روز بعد پھر وہی عالم۔

آمنہ کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی تھی اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔! کلیم اس کی حالت سے انتہائی حیران و پریشان تھا۔

ایک روز ایک عورت آئی اور کلیم کی ماں سے کہا "بی بی جی! درگاہ پر ایک درویش کہیں باہر سے آئے ہیں لڑکی کو ان کا دم کیا ہوا پانی پلانا چاہیئے وہ ہر مرض کیلئے پڑھا ہوا پانی دیتے ہیں۔ درویش جی کی پورے شہر میں دھوم مچی ہوئی ہے۔"!

کلیم کی ماں اس خیال کی عورت نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی انسان مصیبت اور پریشانی میں ہوتا ہے تو اس کی عقل سلب ہو جاتی ہے اور وہ تنکے کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کلیم شہر سے حکیم کو لانے گیا تھا۔ پاس پڑوس کی عورتوں کے کہنے اور آمنہ کی ماں کے اصرار سے مجبور ہو کر درویش کو بلایا گیا۔

درویش نے آکر آمنہ کو دیکھا، پڑھا ہوا پانی دیا۔ اور ہدایت کی کہ جس وقت غشی کا دورہ ہو تو مریضہ کو پانی پلانا اور اسی پانی کے چہرے پر چھینٹے دینا۔ غرضیکہ درویش پانی دیکر چلا گیا۔!

آمنہ پر غشی کا دورہ پڑا تو دم کیا ہوا پانی کے چھینٹے چہرے پر مارے گئے۔ اور جب قدرے ہوش آیا تو پانی پینے کو دیا جانے لگا تو اسی وقت کلیم تیزی سے اندر آیا اور بولا۔

"حکیم صاحب آ گئے ہیں۔ جب تک معائنہ نہ کر لیں اس وقت تک کچھ کھانے یا پینے کو نہ دیں"

پردہ کرایا گیا۔ حکیم صاحب زنان خانہ میں تشریف لائے۔ آمنہ کو پھر غشی کا دورہ ہوا۔ حکیم صاحب نے آمنہ کی نبض دیکھی۔ اچانک ان کی نگاہ گلاس پر پڑ گئی انھوں نے پوچھا "اس گلاس میں کیا ہے۔؟"

"درویش صاحب کا دم کیا ہوا پانی۔" آمنہ کی ماں نے پردہ سے کہا۔ "انھوں نے غشی کے وقت اس پانی کے چھینٹے چہرہ پر دینے اور پلانے کو کہا ہے۔"!

حکیم صاحب نے جھٹ گلاس کو تپائی پر سے اٹھا لیا پانی کی رنگت کا بغور معائنہ کیا۔ گلاس کو کئی بار جھٹکا دیا۔ پانی میں سمیت کا مادہ تھا۔ زور سے جھٹکا دینے سے پانی میں جھین پیدا ہو جاتا تھا۔ حکیم صاحب نے گلاس تپائی پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے اس پانی کو پلایا تو نہیں ابھی۔؟
"جی نہیں۔ پلانے جا رہی تھی کہ کلیم نے آکر منع کر دیا۔"
آمنہ کی ماں نے کہا
"خدا کا شکر ہے۔!
"کیوں کیا بات ہے۔ حکیم صاحب؟" کلیم نے عجلت پوچھا۔
"اس پانی میں زہریلا مادہ حلول کیا گیا ہے"! حکیم صاحب نے کہا۔
"زہر"؟ سبھوں کے منہ سے بیاختہ نکل پڑا۔
کلیم نے لپک کر اپنی ماں سے درویش کا پتہ پوچھا اور دوسرے لمحہ وہ گھر سے باہر ہوگیا۔ بتلائے ہوئے مقام پر درویش کو نہ پاکر کلیم نے ادھر ادھر تلاش کرنا شروع کیا اس درویش کی تلاش میں آدمی دوڑائے گئے مگر اس کا کہیں بھی پتہ نہ چلا۔!

رفتہ رفتہ حکیم صاحب کے علاج سے آمنہ صحت ہوگئی۔ اور ادھر درویش جی بختیار پور میں پکڑے گئے تلاشی پر کچھ زہر اور چند خطوط سلیمان کے جن میں چند نوٹ بھی برآمد ہوئے۔ ایک مفصل خط سلیمان کا ملا۔ جس میں آمنہ کو جلد سے جلد زہر دینے کی تاکید تھی۔!
چونکہ سلیمان بھی شریک جرم تھا۔ لہٰذا درویش جی کے ساتھ وہ بھی کیفر کردار کو پہونچا۔!!

گذارش۔ مضمون نگار حضرات اپنا مضمون صاف اور خوشخط اور کاغذ کی ایک طرف لکھیں (مدیر)

شہرۂ آفاق پرفیوم سینٹر
روح گلاب
شگفتہ پھولوں کی طرح
تمام دن تر و تازہ رہیئے اور ہمیشہ یاد رکھئے۔
کارخانہ۔ اصغر علی محمد علی پرفیومرس
لکھنؤ کے خالص عطریات روغنیات وعطریات
اپنی پاکیزگی کیلئے مشہور جن کی بھینی بھینی خوشبو فضا کو معطر بنا رہی ہے
آپ یقینا فرحت وسکون دمسرت حاصل کریں گے۔
ہول سیل ایجنٹ برائے کانپور
حاجی احسان الہی محمد آفاق پرفیومرس و جنرل مرچنٹ حسرت موہانی روڈ کانپور
فون نمبر 61840
مشہور و معروف تمباکو و زردہ اسٹور ہے
کارخانہ: احمد حسین دلدار حسین تاجر تمباکو خوردنی لکھنؤ کے
ہر قسم کے تمباکو۔ مشکی دانہ قوام اور گولیاں
اپنی مخصوص خوشبو اور تیزی کے لئے لاجواب ہیں
ان کا استعمال آپ کے پان کی جان جن کا مزہ اوّل تا آخر ہمیشہ قائم رہتا ہے
آپ یقیناً پسند فرمائیں گے۔
آپ کی تشریف آوری کے متمنی

ادبیات

انتقام

محمد اسلام

انسان اگر انسان بن جائے تو وہ فرشتوں سے بھی اعلیٰ صفات کا مالک بن جاتا ہے۔ لیکن انسان جب شیطان بن جاتا ہے تو دنیا کی تمام خبیث طاقتیں اس کے شر سے پناہ مانگنے لگتی ہیں۔ جناب محمد اسلام صاحب نے اپنے افسانہ "انتقام" میں انسان کے اسی ذلیل ترین روپ کو پیش کیا ہے (مدیر)

برسات کی انتہائی سیاہ اور ڈراؤنی رات تھی ایسا لگتا تھا کہ جیسے شب دیجور کی بھیانک دیوی نے اپنی سیاہ زلفوں کا جال ساری کائنات پر ڈال دیا ہو۔ لیکن جب بجلی چمکتی تو کالی زلفوں کا جال لمحہ بھر کے لئے منتشر ہو جاتا اور کائنات کی ہر چیز عریاں ہو جاتی۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک سے ماحول بڑا بھیانک ہو رہا تھا۔

اس بار بہت تیز کڑک کے ساتھ بجلی چمکی۔ اور ابھی اس کی خوفناک گونج فضا میں تحلیل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ایک چیخ اس پراسرار سناٹے کا سینہ زخمی کرتی ہوئی ابھری اور گم ہو گئی

یہ چیخ اقبال منزل سے آئی تھی جو اندھیرے کے کہر میں لپٹی ہوئی بدروحوں کا مسکن لگ رہی تھی

شکور کے علاوہ درد و کرب میں ڈوبی ہوئی اس چیخ کو کوئی نہ سن سکا۔ کیونکہ جس کمرے سے یہ چیخ آئی تھی اسکے باہر وہ دم سادھے بیٹھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پھر ایک گھٹی گھٹی سی نسوانی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی اور اب اسے ایک عجیب سی لذت کا احساس ہوا۔ اور پھر اس کی یہ کیفیت کافی دیر قائم رہی کیوں کہ اب اندر سے متواتر چیخیں آرہی تھیں۔

بچاؤ۔۔ ۔۔ ۔۔ بچاؤ۔۔ ۔۔ ۔۔ بابا۔۔ ۔۔ ۔۔ بچاؤ۔۔ ۔۔

لیکن شکور کسی بے جان مجسمے کی مانند ساکت بیٹھا ہوا تھا اسکے بوڑھے چہرے پر سوچوں کی سلوٹیں گہری ہوتی گئیں اور ماضی کی کرب ناک پرچھائیاں ذہن پر رقص کرنے لگیں

آج سے دس سال پہلے ایک ایسی ہی بھیانک و سیاہ رات تھی جب اس نے درد میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ سنی تھی ۔۔۔ ایک چیخ ۔۔۔ جو کہ آج تک اسکے ذہن میں ہتھوڑے مار رہی تھی۔ اور جس نے اس کی زندگی کی ساری خوشیاں ایک دم سے چھین لی ہیں۔ اسے تباہ و برباد کر دیا ہے۔

وہ ایک جج کے یہاں ملازم تھا اور اسی کی کوٹھی کے ایک حصہ میں رہتا تھا۔ اس کی بیوی مر چکی تھی صرف

ایک لڑکی شبنم تھی۔ جو اس کی اداس زندگی کا ایک چمکتا ہوا ستارہ تھی۔

شبنم کی پیدائش تو ایک غریب گھرانے میں ہوئی تھی لیکن شکل و صورت آداب و سلیقہ سے وہ کسی اچھے گھرانے کی لڑکی معلوم ہوتی تھی شکور نے شبنم کے بچپن کو بڑے لاڈ و پیار سے جوانی کے طلوتی سانچے میں ڈھالا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں اس کی تمام جوانی کھلے ہوئے پھول کی مانند مسکرا اٹھی تھی۔ شکور کو اس کی شادی کی فکر ہوئی خوش قسمتی سے اسے جلد ہی ایک اچھا لڑکا مل گیا شادی کے صرف تین ماہ رہ گئے تھے وہ مسرت سے سرشار شادی کے انتظامات میں لگا ہوا تھا لیکن اس خیال سے اکثر اس کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو لرزنے لگتے کہ تین ماہ کے مختصر وقفہ کے بعد میرے جگر کا ٹکڑا مجھ سے جدا ہو جائے گا۔ لیکن یہ ایک فرض تھا جس کی ادائیگی میں کوتاہی بھی ممکن نہیں تھی۔

جج صاحب کے والد عامر پرانے جاگیردار تھے اور شکور ان کا نمک خوار پرانا ملازم تھا۔ ان کا لڑکا جج ہوا تو عامر صاحب نے شکور کو اپنے بیٹے کے پاس چھوڑ دیا عامر صاحب نے شبنم کی شادی کے لئے شکور کو کافی پیسہ دیا تھا عامر کا مستقل قیام دیہات کی حویلی میں رہتا تھا۔ لیکن اکثر وہ اپنے بیٹے کے پاس شہر بھی آ جاتے تھے۔ ادھر کافی دنوں سے وہ اپنے بیٹے کے پاس ہی تھے اور اب دیہات واپس جانا چاہتے تھے۔ لیکن شکور نے یہ کہہ کر انہیں روک لیا تھا کہ آقا شبنم میری ایک ہی اولاد ہے اور آپ اس کی شادی میں شریک نہ ہونگے تو مجھے دکھ ہوگا۔" شکور کی آنکھوں میں جب انھوں نے خلوص کے آنسو چھلکتے دیکھے تو انھوں نے شادی تک دیہات جانا ملتوی کر دیا۔

شادی کو بیس دن رہ گئے تھے کہ اچانک عامر صاحب کو بہت ہی ضروری کام سے دیہات جانا پڑا وہ جاتے وقت شکور سے وعدہ کر گئے کہ میں شادی سے پہلے واپس آ جاؤنگا۔

جج صاحب کی بیگم اپنے میکے میں تھیں۔ صرف ان کی بڑی لڑکی جو پانچ سال کی تھی وہ ان کے ساتھ نہ گئی تھی کیونکہ وہ جج صاحب سے کافی مانوس تھی۔ کورٹ سے واپس نہ آنے تک لڑکی کی دیکھ بھال شکور کو کرنی پڑتی۔ بڑے مالک کے چلے جانے اور چھوٹی بیگم کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ کافی اداس تھا۔ شادی میں صرف دس دن رہ گئے تھے اور بڑے مالک ابھی تک نہ آئے تو اس نے سوچا کہ شادی کی تاریخ بڑھا دی جائے یہ سوچ کر اس نے ایک خط عامر صاحب کو لکھا کہ مالک اگر آپ وقت پر نہ آ سکتے ہوں تو میں تاریخ بڑھا دوں؟ لیکن چوتھے دن ان کا جواب آ گیا تاریخ مت بڑھاؤ میں شادی سے ایک دن قبل ضرور آ جاؤں گا۔ وہ بے فکر ہو کر انتظام میں مصروف ہو گیا۔

اب شادی کے صرف پانچ دن باقی رہ گئے تھے ۔۔۔ ایک دن وہ شادی کے ہی انتظام کے سلسلے میں کافی رات کو لوٹا۔ اور جب اس نے کوٹھی میں قدم رکھا تو گھڑیال نے گیارہ بجے کا اعلان کیا وہ ابھی اپنی کوٹھری کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک چیخ کی آواز نے اسکے بوڑھے جسم میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ پھر وہ ایک ساعت کے لئے رک سا گیا۔ اور پھر تیزی کے ساتھ کوٹھری کی طرف دوڑنے لگا۔ دوسری چیخ بڑی دل خراش تھی۔ اور جب وہ وہاں پہونچا تو بالکل خاموشی تھی۔ جیسے طوفان گذر گیا ہو۔ یہ اس کی آخری چیخ تھی۔ شکور کافی تاخیر سے آیا تھا شبنم کی آبرو لٹ چکی تھی۔ آسمان چیخ اٹھا تھا ـــــ اور زمین تھرا رہی تھی۔ ایک دوشیزہ کی دوشیزگی ختم ہو چکی تھی ایک غریب کی عزت لٹ چکی تھی۔ یہ سب کسی حیوان نے نہیں کیا تھا بلکہ وہ انسان تھا ایک

بھائی تھا، اور ایک باپ!

بھائی نے بہن کی عصمت لوٹ لی۔ باپ نے بیٹی کی عصمت پر ڈاکہ ڈالا، بہن بھائی کا واسطہ دیتی رہی، روتی رہی، سسکتی رہی اور یہ کہتی رہی کہ میں تو تمہاری بہن ہوں، ایک بیٹی ہوں، دوسرے کی امانت ہوں۔ مجھے مت لوٹو۔ مجھ سے میرا گوہر نایاب نہ چھینو۔ اس کو داغدار نہ کرو۔ لیکن امانت لٹ گئی، فریاد رائیگاں گئی۔ غریب جو تھی نا!

یہ گھناؤنا کھیل کھیلنے والا کوئی چور ڈاکو نہ تھا بلکہ وہ انصاف کا پجاری تھا ایک جج تھا۔ لیکن ... ... اس نے ٹھیک ہی تو انصاف کیا تھا۔ بھلا غریب کی عزت بھی کوئی عزت ہوتی ہے یہ غریب تو ایک حسین کھلونا ہوتے ہیں۔ بڑے لوگوں کا دل بہلانے کے لیے۔ اور جب ٹوٹ جاتا ہے تو گندگی میں پھینک دیا جاتا ہے۔ سڑنے اور گلنے کے لیے! جب تک ہمارے سماج کے اندر ایسے زہریلے کیڑے رینگتے رہیں گے۔ ایک بہن اور ایک بیٹی کی عزت اسی طرح لٹتی رہے گی۔ جج شکور کو سو روپے کا ایک نوٹ دیکر یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ بات کسی کو معلوم نہ ہونی چاہیئے۔

نوٹ اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس نے کرب کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھا اس کی نظر تاب نہ لاکر وسیع آسمان گھورتا رہا۔ شکور کے آنسو اس سے دیکھے نہ گئے وہ ایک خوفناک آواز کے ساتھ گرجا اور پھر ... ... رو پڑا۔

خوب رویا شاید وہ اپنے آنسوؤں سے شبنم کی دوشیزگی کو پھر سے پاکیزہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن شبنم! وہ تو دور بہت دور جا چکی تھی جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں لوٹا۔

شبنم کی خودکشی سے شکور پاگل سا ہو گیا۔ اسی رات وہ جج صاحب کی حویلی سے چلا گیا اور کسی دور دراز شہر میں گمنام سی زندگی بسر کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت اور معصوم سی بچی بھی تھی۔ وہ اب اسی کے لئے زندہ تھا۔ ایک وکیل کے ہاں اس نے ملازمت کر لی تھی اور کسی طرح زندگی کے یہ اذیت ناک دن وہ گذار رہا تھا۔

وقت تیزی کے ساتھ بیت رہا تھا۔ شکور بوڑھا ہو جا رہا تھا اور لڑکی جوان۔

دس سال کی طویل مدت کے بعد پھر شکور کے چمن میں گلاب کی کلی مسکرانے لگی۔ اور اب بچی ایک خوش رنگ پھول کی طرح حسین و خوبصورت تھی۔

اور دس سال کی طویل کے بعد شکور پھر اپنے اسی اجڑے دیار کی طرف واپس لوٹ پڑا۔ جہاں اس کی معصوم بچی کی سسکیاں دفن تھیں۔ اس نے اس بچی کو ایک دوست کے گھر ٹھہرایا اور خود اس کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ کوٹھی حسب سابق ویران تھی۔ یہاں جج صاحب اپنی مکروہ صورت لئے ہوئے کوٹھی کے سبزہ زار میں ایزی چیئر پر بیٹھے تھے۔ سگار ہونٹوں میں دبا سلگ رہا تھا جس کا دھواں ان کے منہ سے نکل نکل کر فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

صورت پر جوانی رخصت ہوتی ہوئی اور بڑھاپا دبے پاؤں آتا ہوا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ شکور ان کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ جج صاحب اپنے سامنے ایک اجنبی کو دیکھ کر چونک پڑے۔ وہ اسے پہچان نہ سکے۔ پہچانتے بھی کیسے؟ زمانے کی تیز رفتاری نے شکور کے چہرے پر لاتعداد شکنیں جو ڈال دی تھیں۔

شکور نے سلام کیا اور ان کے پاس بچھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر سکوت چھایا رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ طویل خاموشی کے بعد آخر اس سکوت کے طلسم کو شکور نے توڑا۔

"میں معلوم ہے آیا ہوں، اور میرے پاس بہت

نایاب چیز ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایسی چیزوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور منہ مانگی قیمت ادا کرتے ہیں۔" شکور خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

جج صاحب حیرت و استعجاب میں ڈوبے ہوئے شکور کی بات سنتے رہے اور جب وہ چپ ہوا تو انھوں نے کہا۔" میں سمجھا نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" "حیرت ہے آپ میری بات نہ سمجھے حالانکہ آپ کنواری حسیناؤں کے رسیا ہیں۔" کنواری کا لفظ سنتے ہی ان کے بوڑھے چہرے پر جوانی آگئی تازگی بکھر گئی۔ شکور کے خاموش ہوتے ہی انھوں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔" اوہ۔۔۔۔ اب میں سمجھا آپ تو پہیلیاں سی بجھا رہے تھے۔ کہاں ہے بھائی ساتھ کیوں نہیں لاتے؟ تمہیں اپنے ساتھ لانا چاہیئے تھا۔ جو تم کہتے میں نذر کرتا!" وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئے۔ ایک ہزار میں بات طے ہوگئی شکور رات کو لڑکی لانے کا وعدہ کرکے چلا آیا وہ وعدہ کے مطابق ٹھیک دس بجے لڑکی کے ہمراہ حویلی پہونچ گیا۔ لڑکی کو دیکھ کر جج صاحب کی باچھیں کھل گئیں انھوں نے فوراً سو سو کے دس نوٹ اس کے حوالے کئے۔ شکور نے لڑکی سے کہا۔ یہ اپنا ہی گھر ہے تم اندر چلو میں آتا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد جج صاحب تنہا کمرے میں داخل ہوئے لڑکی انہیں اکیلا دیکھ کر سہم کر کھڑی ہوگئی۔ جج صاحب دروازے کی چٹخنی چڑھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھے اور لڑکی کے منھ سے بے اختیار چیخیں بلند ہونے لگیں۔

دروازے کے باہر کھڑے شکور کے کانوں میں یہ دردبھری چیخیں جب پہونچیں تو وہ بے چینی سے اپنا پہلو بدلنے لگا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور اس کا ضمیر اسے اندر سے کچوکے دے رہا تھا۔ پھر وہ فوراً ہی جیسے طویل خواب سے بیدار ہوگیا۔ اور بے ساختہ بند دروازے پر ٹکریں مارنے لگا۔ دروازے کی چٹخنی شاید ٹھیک سے بنی لگی تھی۔۔ دروازہ کھل گیا اور دوسرے ہی لمحے شکور کمرے کے اندر کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ننھا پرندہ مردار کھانے والے گدھ کے پنجوں میں دبا ہوا ہے۔ پھڑک رہا ہے سسک رہا ہے اور گدھ اپنے عواقب سے بے نیاز اسے اپنے بھنبھوڑنے میں معروف ہے

جج صاحب نے اسے کمرے کے اندر موجود دیکھ کر چلاتے ہوئے کہا۔" تم نے اندر آنے کی کیسے جرأت کی۔"

شکور سے اب برداشت نہ ہوسکا اس نے جج صاحب کا گریباں پکڑ کر کہا۔" جج صاحب آج سے دس سال پہلے کی بات یاد کرو۔ تمہارا ایک ملازم شکور تھا۔ جس کی لڑکی شبنم تھی اس کی شادی کے پانچ دن قبل ایک رات کو تم نے اس کی عصمت کو داغدار کیا تھا۔ اور اس نے اسی وقت خودکشی کرلی تھی"

شکور ابھی اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ جج صاحب بیچ میں بول اٹھے۔" تم کون ہو؟"

"میں اسی بدنصیب شبنم کا باپ شکور ہوں۔" شکور نے جواب دیا

"اور یہ لڑکی"؟ وہ گرج کر بولے

"بتا رہا ہوں۔" شکور نے اپنے بوڑھے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔" شبنم کے خودکشی کرنے کے بعد میں پاگل ہوگیا تھا اور میں آپ سے اپنی بیٹی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ پہلے میں نے سوچا کہ آپ ہی کو قتل کردوں! لیکن اس سے میرے انتقام کی پیاس نہ بجھتی میں آپکی پانچ سالہ بچی کو لے کر فرار ہوگیا کہ جب یہ جوان ہوجائیگی تو اسے آپ ہی کی ہوس کا شکار بناؤں گا لیکن میرے غریب ضمیر نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ایک باپ کے ہاتھوں اسکی بچی کی عصمت لٹ جائے۔ جج صاحب اسی لئے میں اندر آگیا تھا اب آپ شوق سے اپنا منہ کالا کریں۔" وہ حقارت سے انکے چہرے پر نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا!

ادبیات

زنجیر

جاوید ادیب

زنجیر ٹوٹ چکی تھی۔

اب وہ آزاد تھا اسے کوئی غم نہیں تھا اس نے ایک بار پھر پلیٹ فارم پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور گاڑی کے لنظار میں ایک خالی بنچ پر بیٹھ گیا۔

امجد اس وقت بہت چھوٹا سا تھا جب اس کی ماں کا انتقال ہوا تھا۔ اتنا چھوٹا کہ اسے اپنی ماں کی شکل و صورت بھی اچھی طرح سے یاد نہیں تھی۔ بس ایک دھندلا سا خاکہ تھا جو اسے آج بھی نظر آرہا تھا اور وہ یہ کہ اس کی ماں اسے بے حد چاہتی تھیں

اور پھر اس کے ابا نے دوسری شادی کر لی امجد کی نئی امی بھی اسے بہت چاہتی تھیں وہ کبھی امجد کو اس بات کا احساس نہ ہونے دیتیں کہ وہ اسکی سوتیلی ماں ہیں۔

جب وہ امجد کو اپنی گود میں بٹھا کر کھانا کھلاتیں تو اُنکے چہرے پر ممتا کا سارا نور سمٹ کر آجاتا اور وہ امجد کو اپنی چھاتی سے لپٹا کر اس زور سے بھینچتیں کہ وہ رو دیتا۔

دن گزرتے گئے اب امجد ماشاءاللہ ۱۳ ۱۴ سال کا ہو گیا تھا چونکہ اس کی نئی امی اولاد سے محروم تھیں اس لئے وہ امجد کو اپنی ہی اولاد تصوّر کرتی تھیں۔ امجد کے ابا بھی گھر کے اس ماحول سے بہت خوش تھے۔ کیونکہ وہ سوتیلی ماں کے مظالم جانتے تھے لیکن یہاں تو نقشہ ہی الٹا تھا انھوں نے کبھی امجد کے چہرے پر افسردگی کی جھلکیاں نہیں دیکھیں امجد ہمیشہ اچھے اچھے کپڑے پہنتا اس کی ماں نے اُسے بالکل شہزادہ بنا دیا تھا۔

لیکن اُن کی خوشی چند روزہ ثابت ہوئی امجد کے ابا کچھ روز بیمار رہ کر اس دنیا سے اٹھ گئے۔

یہ حادثہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ ماں بیٹے کچھ سمجھ ہی نہ سکے امجد کی امی کو اس وقت ہوش آیا جب امجد کے ماموں امجد کو اپنے ساتھ لے گئے وہ اپنے بھانجے کو کسی کے ساتھ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

امجد اپنی امی کو تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا لیکن اس کے ماموں اسے زبردستی لے گئے اور اس کی امی اتنے بڑے گھر میں تنہا رہ گئیں۔

شروع شروع میں تو امجد کی بڑی خاطر مدارات ہوئی اس کے ماموں زاد بھائی اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے لیکن دھیرے دھیرے یہ دکھاوا ختم ہوتا گیا اور پھر ایک دن جب اس کی ممانی نے اسے باورچی خانے میں ڈھیر سارے برتن صاف کرنے کا حکم دیا تو وہ چونک پڑا۔

ممانی! اُس نے ڈرتے ہوئے کہا اس وقت تو میں اسکول جا رہا ہوں۔

اسکول ......! اسکی ممانی بھر گئیں کوئی ضرورت نہیں اب اسکول جانے کی اگر تم پڑھ لکھ لوگے تو کونسا ہمارے کام آئیگا اور پھر ہم تمہیں پڑھانے کیلئے تو لائے نہیں ہیں۔

امجد خاموش ہو گیا وہ سوچنے لگا ممانی ٹھیک ہی تو کہتی ہیں میں پڑھنے کیلئے تو یہاں آیا نہیں میں تو ایک نوکر کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں وہ برتن صاف کرنے لگا اس نے ماموں کے متعلق سوچا کتنا پیار جتاتے تھے بیچارے اور اب کبھی پوچھتے بھی نہیں اور پھر اچانک امجد کو اپنی امی کا خیال ستانے لگا وہ تڑپ گیا۔ نہ جانے کس حال میں ہونگی میری امی؟ ایک سال میں تو وہ کافی بدل گئیں ہونگی کاش میں اپنی پیاری امی کے پاس پہنچ جاتا میں ان کیلئے محنت مزدوری کرتا لیکن انھیں تکلیف نہ اٹھانے دیتا مگر میں کیا کرسکتا ہوں امجد سوچنے لگا میں تو یہاں قید ہو گیا ہوں میری امی مجھے کتنا چاہتی تھیں میرے بغیر نہ جانے اُن کا کیا حال ہو گیا ہو مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیئے امجد نے ایک نئے عزم کے ساتھ سوچا مگر میں یہاں چند روز اور رہا تو پاگل ہو جاؤنگا۔ امجد یہی سب کچھ سوچ رہا اور چونکا اُس وقت جب اُس کے گال پر ایک زوردار چانٹا پڑا اس کی ممانی اُسے گھور رہی تھی۔ کیوں! انھوں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ایک گھنٹہ ہو گیا ہے اور ابھی صرف اتنے سے برتن صاف کئے ہیں حرام کی کھا کھا کے موٹا ہو گیا لیکن اتنا سا کام نہیں ہوتا ہے۔

امجد نے گردن گھماکر دیکھا باورچی خانے کے دروازے پر اس کے ماموں بھی کھڑے تھے لیکن وہ اُس سے بے تعلق نظر آ رہے تھے۔ ممانی! امجد برتن چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا میں جا رہا ہوں ماموں مجھے صرف یہاں پڑھانے لائے تھے انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ اُن کی بہن کی نشانی کہیں پامال نہ ہو جائے لیکن میں سمجھ گیا انھیں کسی نوکر کی ضرورت ہو گی اور مجھ سے بہتر ان کی نظر میں کوئی اور نہ ہوگا اسی لئے وہ مجھے یہاں لائے ہیں میں جا رہا ہوں اپنی امی کے پاس جو میری سوتیلی ماں ہیں لیکن میں نے انہیں کبھی اپنی سوتیلی ماں نہیں سمجھا وہ تو میری حقیقی سے بھی بڑھکر ہیں۔ امجد بڑبڑاتا ہوا گھر سے باہر آ گیا وہ سوچ رہا تھا ماموں نے مجھے غلامی کی زنجیر میں باندھنا چاہا لیکن اچھا ہوا کہ میں وقت سے بہت پہلے بیدار ہو گیا ورنہ یہ زنجیر مضبوطی سے میرے گرد باندھ دی جاتی تو اُسے توڑنا بہت مشکل ہو جاتا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر آ گئی تھی امجد بنچ سے اٹھکر آہستہ آہستہ چلتا ہوا تیسرے درجہ کے ایک خالی کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا وہ بہت خوش تھا کیونکہ اب وہ اپنے گھر جا رہا تھا اس گھر میں جہاں آج بھی کوئی اس کا منتظر تھا ....

ادبیات

راہ و منزل

سیف سہسرامی

حضرت سیف سہسرامی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔! آپکے جانے پہچانے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ آپ کی غزلوں میں جہاں یاس و فسردگی کی جھلک پائی جاتی ہے وہاں ادھ کھلی کلیوں کا تبسم اور مہکتے پھولوں کا شوخ رنگ بھی گلنار رہتا ہے۔ مہندی بھرے ہاتھوں کی چمک بھی پائی جاتی ہے۔ یوں تو نظموں غزلوں کے شہنشاہ ہیں لیکن کبھی کبھی کہانیاں بھی لکھ لیتے ہیں "بیسوی صدی" (اپریل 1983ء) میں ایک کہانی "کو بھی آپ کے کہانی کار" ہونے کی پوری پوری۔۔ ترجمانی کرتی ہے۔" اس مرتبہ ہم رنگ رنگ" میں آپکی تازہ تخلیق "راہ و منزل" پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں۔

ہمیں امید ہے وہ آئندہ بھی اپنی تخلیقات سے رنگ رنگ کو نوازتے رہیں گے (ادارہ)۔

وہ آج سات سال کے بعد اپنے گھر واپس آرہا تھا۔

بستی بس اپنی پوری رفتار سے بھاگی جا رہی تھی اور انور ماضی کے دھندلکوں میں کھویا ہوا تھا اسے نگار یاد آئی۔ نگار جو اس کی منزل تھی اسکے خوابوں کی تعبیر تھی۔ نگار اسکے ماموں کی لڑکی تھی ان باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ اور انورکی امی نے یتیم بھتیجی کی پرورش بھی اپنے بچوں کی طرح کی تھی۔ مگر قدرت کو یہ بھی منظور نہ تھا اور نگار کی عمر ۱۲ سال تھی کہ انورکی امی بھی چل بسیں۔ نگار کی ذمہداری سرور پر آپڑی۔ سرور نگار کو سگی بہن سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اور جب سے سرور کی شادی صہبا سے ہوئی تھی نگار کو بھابھی مل گیا تھا نگار بھی دونوں بھائیوں کی ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھتی تھی۔ سرور کے لئے اسکے دل میں بھائی کا پیار اور احترام کا جذبہ تھا تو انور اسکے ارمانوں کی منزل تھا۔ بچپن ہی میں انور اور نگار کی نسبت طے تھی۔ وہ دونوں شروع ہی سے ایک دوسرے کو اسی طرح چاہتے تھے جیسے وہ ایک دوسرے ہی کے لئے پیدا ہوں انور نے سوچا اب تو نگار کی شادی بھی ہو چکی ہوگی نگار کی شادی کا خیال آتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اس کا جی چاہا بس سے اتر کر بستی واپس چلا جائے اسی لمحہ بھابی کا اداس چہرہ سامنے آگیا۔ نگار کا چہرہ آنسوؤں میں ڈوبتا چلا گیا۔ انور بھابی کی یاد میں گم ہو چکا تھا۔

آپ اتنی سویٹ ہیں بھابی کہ بس۔۔۔ بس کیا۔۔؟

بھابی مسکرائیں۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کی گود میں سر رکھ کر ایک نیند لے لوں۔ ایسی نیند جو قیامت کو ٹوٹتی ہے۔

"کیا کہتے ہو" بھابی کے لہجہ میں پیار چھلک پڑا۔

"ہاں بھابی۔ مگر ڈر لگتا ہے۔ کیوں؟ کہیں آپ ناراض ہو گئیں تو۔"

"نہیں انور میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتی۔"

"کیا باتیں ہو رہی ہیں بھابی۔" نگار کمرے میں ہنستی ہوئی داخل ہوئی۔

"تمہارا ہی ذکر ہو رہا ہے نگار۔ انور تو بس ہر وقت تمہاری ہی باتیں کرتے رہتے ہیں۔" بھابی نے مسکرا کر انور کو چھیڑا

"جھوٹ۔" نگار ہنس پڑی۔

"ہاں نگار تم ٹھیک کہتی ہو۔ بھابی تم سے جھوٹ بول رہی ہیں میں تو کہہ رہا تھا کہ ۔۔۔۔۔۔" انور نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نگار نے سوالیہ انداز سے بھابی کو دیکھا۔

"میں کیا جانوں انور ہی سے پوچھ لونا۔" بھابی نے نگار کو اشارہ کیا۔ نگار انور کو کچھ عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی چہرے کا رنگ بتا رہا تھا کہ دل میں لطیف سے جذبات مچل رہے ہیں انور نے نگار کی حالت کا اندازہ لگا لیا اور بے اختیار مسکرا دیا۔ نگار مجسم سوال بن گئی۔

"اب کہہ دو نا" بھابی نے باری باری سے دونوں کو دیکھتے ہوئے انور سے کہا۔

"سچ بھابی آپ اتنی سوئٹ لگتی ہیں کہ ۔۔۔۔۔ بے اختیار چومنے کو جی چاہتا ہے۔ نگار نے انور کا جملہ پورا کر دیا۔ بھابی ۔۔۔ شرما گئیں۔ "ہاں نگار" انور کے لہجہ میں بے پناہ خلوص تھا۔ کیا۔؟ بھابی کے تیور بدل گئے مگر ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی جیسے مندر کے چراغ جل اٹھے ہوں۔ وہ مسکراہٹ تھی جو حضرت مسیح کو دیکھ کر مریم کے مقدس ہونٹوں پر آ جایا کرتی ہے۔ ہاں بھابی چونکئے نہیں۔ کیا سنگ اسود کو بوسہ دینا گناہ ہے۔ کیا بچہ ماں کے مقدس چہرے کو چوم لے تو اسے پاپ کہا جاوے گا۔ انور جذباتی ہو گیا۔

نگار کی آنکھیں فرط عقیدت سے جھک گئیں چہرے پر اطمینان کا نور تھا۔

"نہیں انور بھیا میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔" بھابی نے انور کو اپنی گود میں لٹا لیا۔ انور کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ "پگلے اس میں رونے کی کیا بات ہے" بھابی انور کے آنسوؤں کو آنچل سے پونچھتی ہوئی بولیں۔

"یہ آنسو نہیں ہیں بھابی عقیدت کے پھول ہیں"۔ انور نے بھابی کی گود میں منہ چھپا لیا۔

"جانتے ہو انور ایک بار تمہارے بھیا نے کہا کہ "صبا میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ مجھے تمہاری جیسی شریک حیات ملی" بھابی انور کے بال پیشانی سے ہٹاتی ہوئی کہنے لگیں۔ اور میں نے کہا کہ "میں آپ سے زیادہ خوش نصیب ہوں کہ مجھے انور جیسا دیور ملا ہے۔ نگار جیسی بہن ملی ہے اور ۔۔۔۔۔ اور بھیا نے آپ کو چوم لیا" انور نے بھابی کے آنچل کی آڑ لے لی۔ "شریر"۔ بھابی نے انور کے کان کھینچے۔

شام کے پانچ بجے ہوں گے انور بھابی کی گود میں سر رکھے آنگن میں لیٹا تھا۔ نگار اس کے لئے چائے بنانے گئی تھی اتنے میں نصیبن بوا اپنا پھٹا سا برقعہ سنبھالتی ہوئی گھر میں داخل ہوئیں۔ "کون سرور میاں" انھوں نے کھانستے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بوا میں ہوں انور" بھابی کی گود سے اٹھتا ہوا بولا۔

"اے تم انور میاں اور بٹیا کی گود میں سر رکھے ہوئے لیٹے ہو"۔ نصیبن بوا نے تعجب کا اظہار کیا۔

"نصیبن بوا بچے جوان ہو کر بھی اپنے بزرگوں کی نظر میں بچے ہی رہتے ہیں"۔ بھابی پاندان کھولتی ہوئی بولیں۔

"ہاں بٹیا اس زمانہ میں جو نہ ہو جائے تھوڑا ہے غضب خدا کا ابھی سرور میاں کو گھر چھوڑے چھ مہینے بھی نہیں ہوئے اور بہو کا یہ رنگ ڈھنگ" نصیبن بوا دیدے نچا کر بولیں۔

"بوا" انور کھول اٹھا۔ "چلی جاؤ اور پھر اپنی منحوس صورت لے کر یہاں نہ آنا۔

"انور" بھابی نے ڈانٹا۔ "بری بات بڑوں سے اس طرح نہیں بولتے"

"ہاں ہاں میاں تم ٹھیک کہتے ہو میں تم لوگوں کے رنگ میں بھنگ ڈالنے نہیں آؤں گی" نعیمن بوا برقعہ سنبھالتی چلی گئیں اور بھابی پکارتی ہی رہ گئیں۔

سرور آیا ساری باتیں سنیں اور مسکرا دیا۔ مگر کب تک نعیمن بوا کی لگائی ہوئی آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔

"سرور میاں ذرا ۔ ۔ ۔ سننا بیٹے" منشی جی کی بیوی نے گلی سے گذرتے ہوئے سرور کو آواز دی۔

"کیا ہے چچی" سرور دروازے کے قریب پہونچ گیا۔

"سنا ہے تمہاری دلہن اور انور میاں میں کچھ ۔۔ ۔۔ ۔۔

"چچی" سرور چیخ پڑا۔ "یہ سب غلط ہے۔ جھوٹ ہے"

"جھوٹ مت سرور میاں سچائی تلخ ہوتی ہے" چچی کے لہجہ میں زہر گھلا ہوا تھا۔

انور کالج سے سویرے ہی واپس آگیا تھا۔ آتے ہی باورچی خانہ کی طرف لپکا زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ بھابی وہاں نہیں تھیں۔ بنگار بھی شاید اوپر ہی تھی۔ وہ بھابی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ "لیکن دنیا کی زبان کیسے روکی جاسکتی ہے۔ صہبا" بھیا کی آواز سنائی دی انور کے پاؤں سیڑھی ہی پر رک گئے

"یہ آپ کہہ رہے ہیں" بھابی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"سمجھنے کی کوشش کرو صہبا" بھیا کہہ رہے تھے۔ "مجھے انور پر بھروسہ ہے۔ تمہاری محبت کا اعتبار ہے۔ مجھے یقین ہے صہبا کہ یہ ساری باتیں جھوٹ ہیں۔ مگر دنیا کو کیسے سمجھاؤں۔ میری بات مانو صہبا کچھ دنوں کے لئے میرے ساتھ چل کر رہو۔"

"اور انور کا کیا ہوگا۔؟" بھابی کے دل کا درد زبان پر آگیا۔

"انور کو پھوپھی کے یہاں رکھ دیں گے۔ بنگار ہمارے ساتھ جائے گی" سرور نے سمجھایا۔

"ذرا سوچئے تو انور کیا سوچے گا" بھابی کا گلا بھر آیا "میں انور کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں وہ میرا بھائی ہے"

"اور میرا کوئی نہیں" بھابی نے سرور کی بات کاٹتے ہوئے کہا انور بھابی کی معصومیت پر تڑپ اٹھا۔ "تم سمجھتی کیوں نہیں صہبا۔" بھیا کی آواز میں کچھ تلخی آگئی تھی۔

"خدا کے لئے مجھے کچھ نہ سمجھایئے میں انور کو دوسروں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتی" بھابی سسکتے ہوئے بولیں۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ دنیا کو یہ سمجھنے کا موقع دیدیا جائے کہ یہ ساری باتیں سچ ہیں" بھیا کی آواز انور کے دل کو چھید گئی وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسے اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ کیا یہ ساری باتیں سچ ہیں ۔ ۔ ۔ دیواریں، کمرے کی چھت، ٹیبل، کرسی ساری چیزیں جیسے اس کا مذاق اڑا رہی تھیں۔ انور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا تھا۔ "کالج سے کب آئے انور! بھابی کی آواز پر وہ چونک پڑا۔ اور ان کی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔

"بس ابھی آرہا ہوں بھابی" انور نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی

اچھا تم منہ ہاتھ دھولو میں چائے لاتی ہوں۔

"جی" انور اٹھ گیا۔

رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے بھابی کی آنکھ صبح کے ۷ بجے کھلی وہ ہڑبڑا کر اٹھیں غسل خانے سے ہوکر حسب معمول انور کو جگانے اس کے کمرے میں پہونچیں تو دھک سے رہ گئیں انور کا بستر خالی پڑا تھا۔ چادر کی حالت بتارہی تھی کہ رات اس پر کوئی سویا نہیں تکیہ پر ایک لفافہ پڑا تھا۔ بھابی نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ کھولا اور پڑھنے لگیں۔

بھابی!

میں نے آپ لوگوں کی باتیں سن لی تھیں۔ بھیا ٹھیک

ہی کہتے ہیں آپ کو ان کے ساتھ چلا جانا چاہیئے۔ میں جانتا ہوں آپ مجھے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتیں۔ اسی لئے گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ میرے لئے اپنا جی نہ دکھایئے گا۔

انور

انور۔۔۔۔ بھابی کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔ خط آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔ اور وہ تھکے قدموں سے سرور کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ سرور ان کو اس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا بھابی نے خاموشی سے انور کا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا کیا انور میرے بھائی" سرور جیسے رو پڑا۔ اور پھر سرور نے انور کو ڈھونڈھنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر انور کا کہیں کوئی پتہ نہ چل سکا۔

"بابو جی قلی" انور قلی کی آواز پر چونک پڑا۔ سامان قلی کے حوالے کیا۔ اور ایک تانگہ کر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ دروازے پر ایک گڑیا سی بچی جس کی عمر مشکل سے چھ سال ہوگی کھیل رہی تھی۔ انور کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ بچی اس کی بھابی کی آنکھوں کا نور ہے۔ بالکل وہی نقشہ وہی رنگ اس نے جھپٹ کر بچی کو گود میں اٹھا لیا۔ بچی گھبرا کر رونے لگی۔ بھابی نے بچی کو روتے سنا تو دروازے پر آگئیں۔ "کون انور؟" بھابی نے انور کو لپٹا لیا۔

"بابو جی سامان" تانگے والے کی آواز آئی۔

بھابی اندر چلی گئیں وہ نگار کو خوشخبری سنانے باورچی خانہ کی طرف بھاگیں۔ انور نے سامان اتارا۔ مارے خوشی کے اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ اور بھابی تو بس ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

"بھیا کہاں ہیں؟" انور کا گلا بھر آیا۔

"پرسوں ہی تو دہلی گئے ہیں۔"

اور نگار؟ دل کی بات زبان پر آگئی۔

بھابی مسکرا دیں۔ "اب نگار کا خیال آیا ہے" مگر بھابی اپنے لہجے کے کرب کو نہ چھپا سکیں۔

"مجھے معاف کر دیجئے بھابی" انور بھابی کے قدموں کی طرف جھکا اور بھابی نے ایک بار پھر اسے لپٹا لیا۔ اسی وقت باورچی خانے سے کسی برتن کے گر کر ٹوٹنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک معصوم سی آواز ابھری۔ "امی دیکھئے نگار باجی نے طشتری توڑ دی۔ انور نے چونک کر بھابی کو دیکھا۔ بھابی اسے ساتھ لئے باورچی خانہ کی طرف چل پڑیں نگار انور کو آتا دیکھ کر گھبرا سی گئی ادھر انور خوشی اور شک کی عجیب کشمکش میں پڑا تھا۔ کیا نگار اب تک اس کی راہ دیکھتی رہی ہے ۔ سال کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔ ادھر نگار کی حالت بھی اس سے جدا نہیں تھی۔ بھابی نے دونوں کی حالت کا اندازہ لگا لیا۔ اور بولیں۔ "گھبراؤ نہیں انور نگار نے تم سے بے وفائی نہیں کی ہے۔ جانتے تم۔۔۔۔۔

"بس بھابی بس" انور نے بھابی کے کندھے پر سر رکھ دیا اور وہ اسے بچوں کی طرح تھپکنے لگیں۔

ایک ہفتہ بعد۔۔۔ انور دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے مسہری پر نگار سرخ جوڑوں میں لپٹی کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے آگے بڑھ کر گھونگھٹ الٹ دیا رات کی خاموش فضا جیسے گنگنا اٹھی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ جھوم اٹھا

"ہٹئے! میں آپ سے نہیں بولتی" نگار نے بڑی ادا سے آنچل کھینچتے ہوئے کہا

"یہ کس جرم کی سزا ہیں سرکار" انور نے نگار کو گدگدایا۔ "اتنے دنوں میں کبھی آپ کو نگار یاد آئی تھی" "ہاں نگار تمہاری یاد ہی کے سہارے تو اب تک جیتا رہا۔" "اور مجھ سے ملے بغیر کیوں چلے گئے تھے۔" "یہ کرتا نگار میں جانتا تھا کہ تم سے مل کر نہیں جا سکوں گا یقین جانو نگار زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہاری یاد میں گذرا ہے اور یہ تمہاری محبت ہی ہے کہ انور اب تک زندہ ہے ورنہ۔۔۔ نگار نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا "توبہ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ

ادبیات

بہاروں کی رات

محمد نسیم صدیقی ادیب ماہر

محمد نسیم صدیقی ادیب ماہر ایک ہونہار فنکار ہیں۔ ان کا افسانہ "بہاروں کی رات" ہمارے لئے ایک پیغام کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ افسانہ ہمارے قارئین کرام ضرور پسند فرمائیں گے۔

(مدیر)

"خداوند کریم یا تو مجھے زر دے! یا پھر میری زندگی کو درگذر کر دے؟ اب یہ مصیبت جان پر بنتی جا رہی ہے۔ تو مجھے آزمائشی شکنجے میں مت جکڑ، ہم تیرے امتحان کے قابل نہیں ہیں تیرا گنہگار بندہ ہوں اور تیرے کرم کا محتاج ہوں" یہ دعا مانگتے ہی عارف کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ ماضی کی یادوں میں کھو گیا۔

عارف ایک شریف اور رئیس گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ ماں کا سایہ پانچ سال کی عمر میں ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ اور جب عارف نے زندگی کے بائیس سال پورے کئے تو باپ کی شفقت نے داغ مفارقت دیکر اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ عارف اب تنہا تھا اس نے اپنی علمی صلاحیت کو بروئے کار لاکر سارے کاروبار کو سنبھالا پھر ایک دن عارف نے دوستوں و عزیزوں کے جمگھٹ میں ایک یتیم لڑکی نجمہ کو اپنا شریکِ حیات منتخب کیا۔ اس شب جشن کا نام عارف نے "بہاروں کی رات" رکھا ہر سال یہ شب اپنے ساتھ بہاریں لاتی۔

عزیزوں اور دوستوں کے علاوہ یتیم، مسکین، بیوہ و فقرا خاص طور سے مدعو کئے جاتے عارف اپنی جائداد کا ایک بہت بڑا حصہ یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کی نذر کرتا جس کا تعلق دوست و احباب اس کو اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے اور ایک بھیانک تباہی سے دو چار ہونے کا ذکر کرتے تو عارف مسکرا کر کہتا مجھے اس کا غم ہرگز نہیں۔ یہ جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کا ہے۔ لوگ اس کے اس جواب پر خاموش ہو جاتے یہاں تک کہ لوگ اسے دیوانہ اور وحشی کہنے لگے۔

عارف کی سخاوت عروج پر تھی کہ .... ایک شب جب عارف دوکان سے گھر آیا تو اس نے نجمہ کو بخار میں بے سدھ پایا فوراً ڈاکٹر کو رجوع کیا۔ ڈاکٹر نے ایک مہلک مرض قرار دیا ...... عارف کا دل ہل گیا کچھ دیر بعد نجمہ کو ہوش آیا۔ اس کی نظر سب سے پہلے اپنے محبوب شوہر پر پڑی۔ دونوں کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں۔ عارف نے لپک کر نجمہ کا کمھلایا ہوا چہرہ اپنے ہاتھوں سے تھام لیا۔ اور پوچھا اب کیسی طبیعت ہے

نجمی .... اللہ کا شکر ہے کہ آپ میرے پاس ہیں....

نجمہ کی صحت روز بروز گرتی جاری تھی اور عارف کا زیادہ تر وقت نجمہ کی دیکھ بھال میں گزر رہا تھا وقت کروٹیں بدلتا رہا۔ زندگی مصائب و آلام میں گھرتی رہی، کاروباری سلسلہ ناکارہ ہو گیا۔

عارف صاحب میری زندگی کی کشتی ایسے منجدھار میں پھنسی ہے جہاں سے نکلنا ناممکن ہو چکا ہے، اب تو ہمیں ایسے طوفان کا انتظار ہے جو زندگی کی کشتی کے نظام کو کسی وقت بھی درہم برہم کر سکتا ہے ..... آپ اپنا خیال رکھیں ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو نجمی! دنیا کی کوئی طاقت تم کو ہم سے جدا نہیں کر سکتی۔ میں نے تم کو خدا سے مانگا ہے میری اس شمع کو زمانے کے حوادث نہ گل کر سکیں گے .... نجمہ ہنس پڑی اور کہنے لگی میرے مالک قضا ازل سے ہی زیست کی دشمن رہی ہے۔ وہ موقع پاتے ہی کسی نہ کسی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے .... تم سچ کہہ رہی ہو نجمی ..... مگر زمانے کا داتا اسقدر سنگدل تو نہیں کہ بہار آنے سے پہلے چمن کو اجاڑ دے اور وہاں خزاں کا راج ہو ..... ابھی عارف کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر کی آمد نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا ....

ہلو مسٹر عارف ..... آئیے ڈاکٹر صاحب ..... ڈاکٹر نے کافی دیر تک نجمہ کا معائنہ کیا ... اور ایک قیمتی انجکشن لانے کے لئے کہا ... عارف گھبرا سا گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے ..... کچھ دیر تک ڈاکٹر خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھکر چلا گیا .... نجمہ جو یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ اب تڑپ کر بولی۔ میرے سرتاج میں کتنی منحوس ہوں کہ آپکو میری وجہ سے کسقدر تکلیف ہوتی ہے۔ آپ میرے لئے سب کچھ قربان کر چکے ہیں میں آپ کی محبت کو اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اپنے دل سے نہ نکال سکوں گی .... اب آپ سے میری آخری التجا ہے کہ اس نافرمان خادمہ کی خطاؤں کو معاف کر دیجئے .... عارف نے نجمہ کو سینے لگا کر کہا نجمی یہ تمہارا حسن ظن ہے ورنہ تم نے آج تک مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا .... پھر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور دل سے اک آہ نکلی یا خدا تجھ سے میری آرزو ہے کہ اگر نجمی کی زندگی اختتام منزل پر ہے تو میری زندگی کا باقی حصہ جو بچا ہے تو اسے آدھا آدھا دو حصوں میں تقسیم کر دے ... اور ... میری نجمی کو زندگی بخش دے .... تجھ سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے آج میں اس منزل پر ہوں کہ اپنی نجمی کی زندگی کو موت کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ انجکشن لا سکوں .... اس نے آہستہ سے نجمہ کو اپنے سینے سے الگ کیا اور اسے بستر پر لٹا دیا ... پورے بدن پر چادر ڈال دی اور خود روتا ہوا بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہو گیا ..... کچھ گھنٹے بعد جب ڈاکٹر دوبارہ، واپس آیا تو کمرے میں عجیب سی خموشی طاری تھی ... ڈاکٹر گھبرا گیا ... اس نے لپک کر نجمہ کے اوپر سے چادر کھینچ لی .... اور فوراً نبض دیکھنے لگا .... چند منٹ بعد نجمہ کو انجکشن دیا اور پھر نبض دیکھنے لگا .... کچھ دیر بعد ڈاکٹر کے ہونٹوں پہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ لپک کر عارف کے قریب گیا ..... عارف دنیا و مافیہا سے بے خبر بارگاہ رب العزت میں سربسجود تھا .... اور اپنے ماضی کی دنیا میں گم تھا۔ چند لمحہ تک ڈاکٹر کھڑا خاموشی سے کچھ سوچتا رہا .... ایک بار پلٹ کر پھر اس نے نجمہ پر نگاہ ڈالی .... جو ابھی تک غشی کے عالم میں جوں کی توں پڑی تھی ..... شاید وہ بارگاہ الٰہی میں عارف کی دعائیں کی رسائی ہو چکی تھی ..... ڈاکٹر نے عارف کو جھنجھوڑ ڈالا۔ تب کہیں عارف کے خیالوں کا طلسم ٹوٹا ڈاکٹر آ...پ

آپ! ہاں عارف .... اور تمہیں مبارک ہو کہ میں نے خدا کے حکم سے زندگی پر فتح پائی ہے .... اب تمہاری نجمہ قضا کی گرفت سے آزاد ہے ... عارف نے ڈاکٹر کو دیوانہ وار گلے سے لگا لیا۔

اب رفتہ رفتہ نجمہ کی حالت سنبھلنے لگی ... اچانک ایک دن عارف کو ایک کاروباری پارٹی کی جانب سے دو لاکھ روپیہ کا چیک وصول ہوا۔ جسے اس پارٹی نے بقایا کی ادائیگی کی صورت میں روانہ کیا تھا ..... آج عارف مسرت سے لبریز تھا۔ یتیموں، مسکینوں، بیواؤں اور فقراؤں کی جھولیاں بھری جا رہی تھیں .... سارے عزیز و اقارب عارف کو مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ برقی قمقموں کی جگمگاہٹ سے آسمان کے ستارے شرما رہے تھے یتیموں، مسکینوں وغیرہ کے لبوں پہ یہی دعائیں تھیں کہ خدایا بہاروں کی رات سدا قائم و دائم رہے ■■
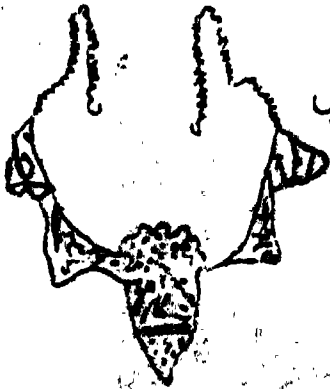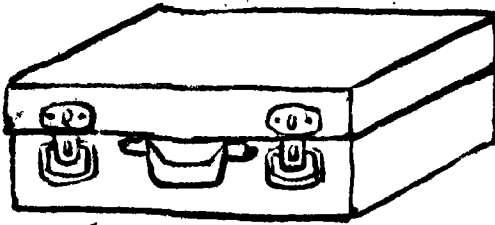
آرام دہ سفر
اسی وقت ممکن ہے .... جبکہ
مناسب اسباب سفر آپکے ساتھ ہوں
اس کے لئے آپ
ہماری خدمات حاصل کر کے ہی اپنا سفر آرام سے کر سکتے ہیں
سوٹ کیس۔ ہولڈال۔ ایربیگ۔ ڈاکومنٹ کیس۔ پرس وغیرہ
طلب کرنے کیلئے ہماری دکان پر تشریف لائیے
مناسب قیمت
دیرپا اعلیٰ معیار
عمدہ کاریگری
ہندوستان لیدر ورکس
نظیرآباد لکھنؤ

ادبیات

دیوتا کی قربانی

عین تابش

دیوتا کی قربانی کے عنوان سے عین تابش صاحب کا ایک مختصر افسانہ پیش خدمت ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ قارئین ضرور پسند کریں گے (مدیر)

اور پھر یوں ہوا کہ وہ گاؤں کا بدمعاش مشہور ہو گیا۔۔ لوگ اسے بری نظروں سے دیکھنے لگے .. ..

ہر طرف اس کے بارے میں کانا پھوسی ہونے لگی اور وہ رکمنی کی نظروں سے گر گیا۔ ہے ہے رام، اس کا نام نہ لو رے بیٹی .. .. .. بھگوان اس کے سائے سے بچائے۔ جہاں کہیں لڑکیوں میں اس کا ذکر چھڑتا تو گاؤں کی بڑی بوڑھیاں انہیں ڈانٹ دیتیں۔

بھگوان ایسی اولاد سے بے اولاد رکھیو۔ گاؤں میں جب کبھی کوئی شادی بیاہ ہوتی، بڑی بوڑھیاں جمع ہوتیں تو باتوں کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے وہیں تک پہونچ جاتا۔

رکمنی کڑھتی رہتی۔ اس نے رامو کو اپنا سب کچھ سمجھا تھا اور ایسا نہیں، آج وہ بھی رامو کو اپنا سب کچھ سمجھتی تھی اپنی زندگی کی پونجی، اپنی آنکھوں کا سرور، اپنے گزرتے ہوئے لمحوں کا ایک۔۔۔ اسے آج بھی وہ دن یاد تھے جب سمندر کے کنارے ایک دوسرے سے ملے تھے۔

تم بہت دکھی ہو رامو، آخر ایسا کیوں؟ تمہاری آنکھوں کی چمک میں پھیکا پن ہے، تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں، تم اداس ہو؟

"تم تو مجھے اپنا سب کچھ سمجھ چکے ہو، پھر مجھے بتاتے کیوں نہیں؟ ایک دن اسی سمندر کی لہروں سے کھیلتے ہوئے وہ رامو سے پوچھنے لگی تھی اور پھر رامو نے جواب میں کچھ کہا تھا وہ بھی یاد ہے۔ اسکے الفاظ یہی تھے نا؟ اس نے اپنے دل سے سوال کیا اور دل کا آتش فشاں پھٹ پڑا۔ سمندر کے کنارے ریت کے گھروندے بناتے ہوئے رامو نے کہا تھا۔

"میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم بھی مجھے اسی طرح سمندر کی لہروں کے حوالے کر کے بھاگ نہ جاؤ۔"

تم بھگوان ہو رامو! تمہیں لوگوں نے غلط سمجھ رکھا ہے، لوگوں کی نگاہیں اندھی ہیں۔ راج! لیکن تم تو شاید یہی سوچ رہے ہو گے کہ رکمنی تمہیں بھلا چکی ہے۔ لیکن نہیں میرے دیوتا! جسم کے رشتے نا مختص کئے جا سکتے ہیں لیکن روح کے رشتے نہیں۔ میں سماج سے مجبور ہوں اگر سماج کا ڈر نہ ہوتا تو میں کبھی کی تمہاری ہو گئی ہوتی، لیکن میں کسی طرح بھی تم سے ملوں گی۔

اف بھگوان، انتظار کے لمحے کتنے تلخ ہوتے ہیں۔ نہ جانے کتنی دیر سے میں رامو کا انتظار کر رہی ہوں۔ لیکن آج بھی وہ نہ آئے گاؤں کی سونی پگڈنڈی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے آنسو پونچھے گرڈوبتے سورج کو ایک نظر دیکھا اور نیگھمٹ کو الوداعی نظر سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی

کہاں گئی تھی ری۔ تیرے قدم بھی بہت بہک گئے ہیں۔ دیکھتی ہے گاؤں میں کیسے کیسے آوارہ پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ جیسے ہی گھر پہونچی ماں۔ ،، کی چیخ سنائی دی اور پھر بات کا سلسلہ اسکے رامو تک پہونچ گیا۔ اس کا جی چاہا وہ ماں سے کہدے۔ ماں وہ آوارہ نہیں ہے ماں۔ وہ دیوتا ہے۔ دیوتا ایک روز سارا گاؤں یہ جان جائے گا کہ وہ دیوتا ہے

آگ کے شعلے لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتے جا رہے تھے اور رکمنی کا گھر ہی نہیں اس سے لگے کئی گھر شعلوں کی بارش میں بہتے جا رہے تھے۔ بچوں کی دلدوز چیخیں اور ساتھ ساتھ رکمنی کی چیخ۔ یہ سب لوگ نکل نہیں سکتے تھے

سب کچھ ہو رہا تھا لوگ کھڑے رو رہے تھے، چیخ رہے تھے لیکن کسی میں اپنی طاقت اور اتنا عزم نہیں تھا کہ اندر گھس سکتے۔ رامو نے یہ سب کچھ دیکھا اور آگ کی اس باڑھ میں شعلوں کے اس سیلاب میں کود گیا، لوگوں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں وہ لوگوں کو آگ کی زد سے نکال رہا تھا سبکو ایک نئی زندگی دے رہا تھا، بڑھتا گیا۔ اور جب مسلسل دو گھنٹوں کے بعد آگ اور شعلوں کا یہ طوفان ختم ہوا تو لوگوں نے دیکھا رامو ایک دوسری دنیا کو سیر کر رہا تھا۔

میرے دیوتا! سماج کی ہر قید سے بے نیاز رکمنی اس کی لاش سے لپٹ گئی۔ اب نہ اسکے سامنے سماج تھا نہ سماج کی بندشیں اس نے اپنے محبوب کو پا لیا تھا۔ اور گاؤں کے وہ لوگ جو ہمیشہ ہی اسکو آوارہ بدمعاش کہتے تھے اس انداز میں اسکی لاش کے گرد سر جھکائے کھڑے تھے گویا وہ انکا نجات دہندہ دیوتا ہو۔ وہ اپنے دیوتا کی قربانی پر اشک ریز تھے ●●

معاشیات

ہماری معاشی بدحالی کا علاج

پروفیسر ایم ایم۔ زبیری

مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا خاص سبب ان میں صحیح اور صحت مند احساس کی کمی ہے بدقسمتی سے علی گڑھ تحریک کے رہنماؤں کو چھوڑ کر مسلمان لیڈر شپ دوسرے درجہ کی لیڈر شپ رہی ان لیڈروں میں سے زیادہ تر نے مسلمانوں میں جوش تو پیدا کیا لیکن انکے ذہن کی صحت مندانہ تعمیر نہیں کی، اب جب کہ پانی سر سے اوپر چڑھ چکا ہے۔ کچھ دردمند لوگوں میں احساس پیدا ہوا ہے کہ مسلمانوں کی بدحالی کو دور کیا جائے حکومت کے لئے بھی یہ بدحالی باعث تشویش ہونی چاہیئے۔ پوری قوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ترقی بھی ضروری ہے کیوں کہ یہ ہندوستانی آبادی کا قابل لحاظ حصہ ہیں۔ کوئی بھی ملک چھ سات کروڑ بدحال اور غریب آبادی کے بوجھ کو لے کر ترقی نہیں کر سکتا۔ معاشی ترقی کرنا خود مسلمانوں کا بھی فرض ہے۔ اس لئے ملک کی معاشی ترقی میں ان کو اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ اپنی بدحالی کی ذمہ داری حکومت پر ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ان کو خود احساس ہونا چاہیئے کہ معاشی کمزوری ایک سماجی اور قومی گناہ ہے۔ جس کو زمانہ کبھی معاف نہیں کر سکتا۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ علی گڑھ تحریک کے انداز پر ایک تحریک چلائی جائے جو سیاست سے الگ رہ کر صرف معاشی اصلاح کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ اس تحریک کی رہنمائی ایسے افراد کریں جو نہ تنگ نظر ہوں اور نہ جوشیلے بلکہ ان کو معاشی میدان میں کام کرنے کا تجربہ ہو۔ رام کرشن، آریہ سماج، اور عیسائی مشنریوں نے اپنے اپنے دائرہ میں معاشی اصلاح کے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں عیسائیوں کی تعداد تو مسلمانوں سے بہت کم ہے۔ ان میں بڑے بڑے صنعت کار اور سرمایہ دار بھی کم ہیں۔ لیکن انھوں نے فارم، باغات اسکول، کالج اور اسپتالوں کے ایسے جال بچھا رکھے ہیں جن میں عیسائیوں کو کثیر تعداد میں ملازمت کے مواقع فراہم ہوتے اسی طرح سکھوں کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ لیکن وہ بہت بڑے جفاکش ہیں جس میدان میں جاتے ہیں کامیابیاں ان کے قدم چومتی تقسیم ہند کی بربادی کے بعد بھی ان کی خوش حالی میں فرق نہیں آیا

آخر کیا وجہ ہے۔ کہ غربت مسلمانوں ہی کا ورثہ بن کر رہ گئی ہے اس کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ تحریک آزادی سے لے کر آج تک مسلمانوں کی کوئی ایسی تنظیم وجود میں نہ آسکی جو ان کی معاشی اور تعمیری اصلاح کا کام کرتی، اس دوران میں علی گڑھ تحریک نے کچھ کام کیا۔ علمائے کرام اس سلسلہ میں کوئی تعمیری رول ادا نہ کر سکے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر ان میں تخریبی جوش پیدا کرتے رہے۔ حالات بدل گئے ہیں۔ زمین داری ختم ہو گئی۔ ملازمت کے دروازے دن بدن سخت مقابلہ کے باعث مسدود ہوتے جارہے

ہیں۔ اسلئے اگر ہمیں باعزت زندگی بسر کرنی ہے تو دوسرے راستے تلاش کریں ورنہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہم زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔

روزگار کے راستے

چونکہ مسلمانوں میں دولت کی کمی ہے۔ اس لئے ان کو چھوٹے چھوٹے گھریلو کارخانے کھولنے کی طرف دھیان دینا چاہیئے۔ جیسے کہ فرنیچر بنانے کا کارخانہ بیڑی بنانے کا کارخانہ، دیاسلائی بنانے کا کارخانہ، زراعت سے متعلق سامان بنانے کا کارخانہ، مرغیاں بٹیریں، بھیڑیں بکریاں پالنے کے فارم وغیرہ وغیرہ۔ اسکے علاوہ کار، ٹرک، موٹر، سائیکل، ریڈیو اور گھڑیوں کی مرمت وغیرہ کرنے کا کام رنگائی اور ویلڈنگ کا کام اب کوئی کام کسی ذات سے وابستہ نہیں رہ گیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ پاور لوم لگائیں کپڑے سینے کے کارخانے قائم کریں۔ بیکری کھولیں اور لانڈری قائم کریں۔ جو اچھے کاریگر ہیں وہ قائم کریں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اسکول، کالج اور اسپتال قائم کریں۔ ان کاموں کے لئے سرکاری قرضے اور امداد بھی مل سکتی ہے

مختصر یہ کہ حکومت کی جانب سے معاشی ترقی کے جو مواقع فراہم کئے گئے ہیں ان سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اس طرح دولت کما کر دوسرے صنعتی کاروبار اور تجارت میں لگانا چاہیئے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان بے کار اور غریب نہ رہے گا۔ البتہ جو ہونہار طالب علم ہیں ان کو مقابلے کے امتحان میں بیٹھنا چاہیئے۔ ڈاکٹر اور انجینئر بننا چاہیئے وکالت کا پیشہ اختیار کرنا چاہیئے بہرحال ہر کام کو باعزت سمجھنا چاہیئے۔ اگر مسلمان محنت اور ایمانداری سے کام کرنے کو اپنا طرۂ امتیاز بنالے تو روزی کمانے کے ساتھ میں بہت سے مواقع حاصل ہوسکتے ہیں۔

مسلمانوں میں جو دولت مند ہیں ان کو اپنا سرمایہ کاروبار اسکول کالج اور اسپتالوں کے قائم کرنے میں لگانا چاہیئے کیونکہ اسکے ذریعہ بہت سے خاندانوں کی پرورش ہوسکتی ہے۔ صرف سرکاری نوکری کو زندگی کا نصب العین بنانا بڑی بھول ہے ان نقائص کو دور کرنے کے لئے ایک صحت مند تحریک کی ضرورت ہے۔ اگر یہ تحریک خالص معاشی ہوگی تو سرکاری امداد حاصل کرتے ہیں کوئی دقت نہ ہوگی۔ کیونکہ ہمیں حکومت کا نصب العین بے کاری اور غریبی ہٹانا ہے۔ اس لئے ہر وقت وہ ہر تحریک جو غریبی اور بیکاری دور کرنے کے لئے ہوگی سرکاری ہمدردیاں اسکے ساتھ ہوں گی۔

فضول خرچی

لیکن تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے مسلمان جو دولت کماتا ہے۔ اس کو اچھے اور منفعت بخش کاموں میں لگانے کے بجائے غلط کاموں میں خرچ کر دیتا ہے۔ اگر غیر مسلم شادی بیاہ اور میلوں ٹھیلوں میں دل کھول کر روپیہ خرچ کرتے ہیں وہ ان کی آمدنی کا بہت تھوڑا حصہ ہوتا ہے جسکے وہ متحمل ہوسکتے ہیں۔ لیکن مسلمان جو غربت کا شکار ہیں اگر شادی بیاہ اور دوسری تقریبات میں روپے کو پانی کی طرح بہاتے ہیں تو وہ ان کی معاشی بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ بات دولت مند مسلمانوں کو زیب نہیں دیتی۔ اگر وہ اس سرمایہ کو صنعت کاری، اسکول اور اسپتال قائم کرنے میں لگادیں تو اس کی سرمایہ سے سینکڑوں خاندانوں کی پرورش کا سامان مہیا کرسکتے ہیں۔ اسلئے معاشی اصلاح کی تحریک کو تصویر کے دونوں رخ پر نظر رکھنی ہوگی

سود کا مسئلہ

اس سلسلہ میں تیسرا مسئلہ سود کا آئے گا۔ اس پر خود علماء میں اختلاف ملتا ہے۔ آج تک اس مسئلہ کے طے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان قوم کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ انگریزوں کے دور حکومت میں کچھ بڑے بڑے مسلمانوں نے بینک کا سود لینے سے انکار کردیا۔ چنانچہ یہ رقم مشنریز کو دے دی گئی۔ اگر اسی روپے کو کسی کار خیر میں لگا دیا جاتا تو نہ معلوم مسلمانوں کے کتنے اسکول کالج اور اسپتال قائم ہوگئے

ہوتے اسلام نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے۔ وہ ضرورت مندوں اور غریبوں کو روپیہ ادھار دے کر ان کا بیجا استعمال کرنا ہے۔ لیکن بینکوں میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس کو سرکار کسی پیداوار میں لگا دیتی ہے اور اس سے سرکار کو جو فائدہ ہوتا ہے اس کا ایک حصہ روپیہ جمع کرنے والوں کو دے دیتی ہے سرکاری کاروبار میں نقصان کا اندازہ یا اندیشہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ انفرادی کاروبار میں ہونے کے امکانات ہوتے ہیں اسلئے اگر سود کی بجائے اسے منافع کہا جائے تو صحیح ہوگا۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بینک کے ذریعہ کاروبار کرنے اور بینک سے روپیہ ادھار لینے میں بھی آسانی ہوگی۔ بڑے بڑے تاجر اور کاروباری بینکوں سے لین دین کرکے اپنے بیوپار کو فروغ دیتے رہتے ہیں معاشی ترقی کے لئے ہی بینک قائم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ جو آج کل کے معاشی نظام میں بہت ضروری ہے۔

معاشی ترقی کے لئے...... بازار میں اپنی ساکھ قائم کرنا ضروری ہے۔ اس کاروباری ساکھ کیلئے ضروری ہے کہ ہم اعلیٰ کاروباری لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنائیں اور ان کی ہمدردیاں حاصل کریں۔

انکے دل میں ہماری جانب سے جو بدگمانیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کو دور کریں۔ عیسائی یا سکھ یا پارسی اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے تو مسلمان کیوں نہیں کامیاب ہو سکتا؟ اس کی وجہ خود مسلمانوں کے خود پسندی کے جذبات ہیں موجودہ معاشرے میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس پالیسی سے مسلمانوں کو سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر ہم بدگمانیاں دور کرنے اور کاروباری طبقے کی اعانت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم کو اپنی ساکھ پر بغیر سرمایہ لگائے ادھار سامان بھی مل جائے گا اور ایجنسیاں بھی حاصل ہو جائیں گی۔ اس سے کاروبار میں بڑی مدد ملے گی۔

اک
بنگلہ
بنے
نیارا

تعلیمات

مدارس اسلامیہ
تصویر کا پہلا رخ

واحد فیاضی جلالپوری

جناب عبدالوحید واحد فیاضی جلالپوری صاحب کی نوشتہ مدارس اسلامیہ کی پہلی قسط آپ سیرت نمبر میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مدارس اسلامیہ کے موضوع پر موصوف نے جس انداز میں خامہ فرسائی فرمائی ہے اس کو ہمارے قارئین نے بے حد پسند کیا اس مضمون کی دوسری قسط حاضر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے　　　(مدیر)

نئے حالات سے متاثر ہوکر آج اکثر لوگوں میں، خصوصاً جدید طبقہ افراد میں یہ ذہن تیزی سے پھیل رہا ہے کہ مدارس اسلامیہ میں پڑھنے پڑھانے والوں کی حیثیت ہی نہیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ بھی کیا جاتا ہے۔ کسی عربی طالب علم کے لئے کوئی امیر نرم لہجے کا استعمال جائز ہی نہیں سمجھتا اگر وہ چارپائی پر بیٹھا ہے تو کیا مجال ہے کہ وہ طالب علم سے چارپائی پر بیٹھنے کے لئے کہہ دے اگر صبح سویرے کسی مدرسے کے سفیر سے سامنا پڑ جائے تو اس سے زیادہ منحوس چہرہ کوئی نہیں وہ چاہے کتنا ہی بڑا اپنے وقت کا بزرگ و علامہ ہی کیوں نہ ہو اور اگر بدقسمتی سے چندہ کی غرض سے دوکان پر پہونچ جائے تو ماتھے کے ساتھ دیواروں پر بھی شکن پڑ جائے سر تو اوپر اٹھ نہیں سکتا اگر ہاتھ سے بات کرنا ہو تو کیجئے، اور اگر کچھ لینا بھی ہو تو ذرا ختم کر فرصت کے وقت آ جیئے۔ رنجش روئی کیوجہ سے اس وقت پیشانی پر جو پسینہ آتا ہے اسکو اگر کسی دریا میں ڈال دیا جائے تو بلا مبالغہ وہ بھی تلخ ہو جائے۔ اخلاق مروت کا تو ذکر ہی کیا سلام کلام سب غائب!

ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک سوال ہے! اگر اس طرح کی تمام بیزاریوں کا پوسٹ مارٹم کیا جائے اور اس حادثے کا سراغ لگانے نکلا جائے تو اس کے پیچھے یقیناً کوئی نہ کوئی واقعہ اور کوئی نہ کوئی غلط فہمی ضرور ہوگی۔ جس کی وجہ سے عوام مدارس کے علماء و طلباء کو ان کے مقام پر رکھنے کے لئے تیار نہیں۔

—— آیئے! ہم اس حقیقت کی نقاب کشائی کریں۔

اس بیزاری کی دو ہی بڑی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

پہلی یہ کہ کئے دن یہ لوگ بستر بیگ لئے آپ کے یہاں چندہ کیلئے پہونچ جاتے ہیں جسکی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کی

عظمت آپ کے دلوں سے نکلتی جاتی ہے۔ اسلئے کہ روپے پیسے کا لین دین (خواہ وہ کسی انداز میں ہو) سب سے پہلے عقیدت و محبت پر تیشہ چلاتا ہے جس کا نتیجہ بیزاری کی شکل میں ظاہر ہونا لازمی ہے

دوسری یہ کہ ان کا انداز طور طریق عوام سے بالکل جداگانہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے آپ کو ان کے لباس وضع قطع سے ایک غیر محسوس اندرونی وحشت ہوتی ہے اور آپ ان کو اپنے معاشرے سے ایک الگ تھلگ انسان تصور کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ ذہنی طبقاتی تقسیم کی شکل میں ظاہر ہونا لازمی ہے۔ اس دوسری وجہ کے متعلق تو مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اسلئے کہ وہ تو ہماری ذہنی فکری کجی کی بات ہے جسے ہمیں خود دور کرنا چاہیئے۔ ہاں پہلی وجہ کو آپ سامنے رکھ کر یہ فیصلہ فرمائیے کہ یہ عیب کس کا ہے اور ایسی صورت حال کیوں پیدا ہوئی ـــ اگر تھوڑی دیر آپ سر کو تفکر کے گریبان میں لے جا کر سوچیں تو آپ قطعی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ صورت حال خود ہماری پیدا کردہ ہے اس لئے کہ کالج اور یونیورسٹیوں کی طرح سے مدارس اسلامیہ پر حکومت وغیرہ کا ہاتھ تو ہوتا نہیں۔ ان کی لغت بناہی صرف عوام کے چندے ہی کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی جملہ ضروریات کا خیال کرتے اور از خود چندے عطیات وغیرہ بھیجنے کی زحمت گوارہ فرماتے تو خواہ مخواہ آپ کے دروازوں تک پہونچنے کی کیا ضرورت ہے انہیں در بدر ٹھوکریں کھانے کا کوئی شوق تو نہیں! یہ سب آپ ہی کے تغافل وعدم توجہی یا قلت التفات کا نتیجہ ہے کہ آج آپ ہی کے بچوں کو تعلیم دینے والے علماء و مدرسین در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ قوم کو اس پر بھی صبر نہیں انہیں پھر بھی ہر طرح سے ذلت و حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے ان کی یہی سب خدمتیں کیا کم تھیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اسلئے انہیں طنز و تشنیع کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔ آج کے علماء کیا ہو گئے۔ بھانڈوں کے ہاتھی بن گئے۔ قوم نے ان کے ساتھ بالکل وہی معاملہ کر رکھا ہے۔ جو بھانڈوں نے شاہی ہاتھی کے ساتھ کیا تھا۔

مشہور ہے کہ اکبر بادشاہ نے بھانڈوں کو ایک بار انعام میں ہاتھی دیا۔ دو تین دن تک تو انھوں نے اس کو خوب کھلایا پلایا۔ آخر کب تک کھلاتے پلاتے ان کو تو اپنا ہی پیٹ پالنا مشکل تھا۔ انھوں نے ایک ترکیب نکالی ہاتھی کے گلے میں ڈھول باندھ کر شہر میں چھوڑ دیا۔ ہاتھی نے بڑا ہنگامہ مچایا دو ایک خون بھی کر ڈالے رفتہ رفتہ یہ خبر دربار میں پہونچی۔ بادشاہ نے بھانڈوں کو بلوایا اور پھٹکارنا شروع کیا کہ تم لوگوں نے یہ کیا بدتمیزی کی۔؟ بھانڈوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

”سرکار! ہم سنگتوں کی قوم، ہم کو تو اپنا ہی پیٹ پالنا مشکل ہے۔ ہم نے اس کو بھی ایک ڈھول دیکر کہہ دیا کہ جانو بھی ہماری طرح مانگ کھا۔

ہمیں اس بات سے بحث نہیں کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ کہاں تک نہیں۔ لیکن قوم نے تو بالکل علماء کو بھانڈوں کا ہاتھی ہی سمجھ رکھا ہے کہ وہی سب کچھ کریں۔ وہی مدرسہ بھی قائم کریں۔ وہی بچوں کو بھی ڈھونڈھ کر لائیں۔ وہی چندہ

آج آپ ہی کے بچوں کو تعلیم دینے والے علماء و مدرسین در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ لیکن قوم پھر بھی ان کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے جس سے بڑا کوئی اور ستم ہو ہی نہیں سکتا۔

بھی فراہم کریں۔ وہی درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دیں اور قوم تو طنز و تشنیع کا نشانہ بنانے کے لئے موجود ہی ہے۔

یہ آج کے دور کا ایک انتہائی ناگوار ترین واقعہ ہے کہ علماء کو ان کی کاوش و جانفشانی کا صلہ تو کیا ملتا صحیح داد بھی نہیں ملی یہ ایک ناشائستہ سلوک ہے جو ابتک اس آسمان کے نیچے ایک قوم نے اپنے رہبروں کے حق میں جائز رکھی ہے۔

> یہ آج کے دور کا ایک ناگوار ترین واقعہ ہے کہ علماء کو ان کی کاوش و جانفشانی کا صلہ تو کیا ملتا صحیح داد بھی نہیں ملی یہ وہ ناانصافی ہے جو ایک قوم نے اپنے حق میں جائز رکھی ہے

یاد رکھئے! آج پہلے بھی آپ کے نزدیک ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو لیکن اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔

تحقیقات

ایک تقابلی مطالعہ

نذر الاسلام اقبال اور رابندر ناتھ ٹیگور

انجم عثمانی

جناب انجم عثمانی صاحب قارئین رگِ سنگ کے لئے نئے نہیں ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں جناب انجم عثمانی نے قاضی نذر الاسلام۔ اقبال۔ اور رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری کا موازنہ کیا ہے ادبی دنیا میں آپ کی اس ادبی و تاریخی کاوش کی قدر کی جائے گی (ادارہ)

کسی بھی ملک کی آزادی کا حصول کوئی فوری حادثہ نہیں ہوتا، آزادی کسی اچانک واقعہ کے تحت حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک طویل عمل اور مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہوتی ہے اور عمل بھی کوئی آسان عمل نہیں بلکہ ایسا عمل کہ جسکے نتائج کے ظہور کا برسوں انتظار کرنا پڑتا ہے، کتنے ہی افراد کو اپنا سب کچھ تیاگنا پڑتا ہے برسوں تک اس لاوے کو پکانا اور پکا کر مناسب وقت کے انتظار میں دبانا پڑتا ہے اور ان مراحل سے گذرنے کے دوران آزادی کی خاطر قوم کو ان گنت قربانیاں دینی ہوتی ہیں تب جاکر کہیں غلامی کی تیرگی کو پامال کرتا ہوا آزادی کا سورج طلوع ہوتا ہے۔

ہمارے حصول آزادی کی بھی یہی روداد ہے۔ یہ ہی تاریخ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے بیشمار قربانیاں دیں، قسم قسم کی صعوبات و مشکلات کو برداشت کیا اور آزادی کے درخت کو پھولنے پھلنے تک اسے اپنے خون سے سینچا۔

ہمارے ملک کی آزادی کے لئے قوم کو بیدار کرنے میں تنہا کسی ایک شاعر یا ادیب کا حصّہ نہیں بلکہ مختلف ادوار میں مختلف اشخاص عوام کی ذہنی نشوونما میں حسب استطاعت و صلاحیت حصّہ لیتے رہے، مختلف زمانوں میں مختلف شعراء نے قوم کو ذہنی طور پر بیدار کرنے میں اہم رول انجام دیا ہے یکایک قومی بیداری رونما نہیں ہوئی بیداری کے کارآمد جذبے کو تحت الشعور سے شعور تک لانے میں مختلف شعراء مناسب محرکات کو جنم دیتے رہے غرضیکہ مختلف ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی ہماری قوم موجودہ درجہ تک پہونچی ہے۔

شعراء میں سب سے پہلے حالی مرحوم نے قومی شعور کے مقفل دروازہ کو کھٹکھٹایا اور اپنی نظموں سے قومی بیداری کا بیڑا اٹھایا۔ اسکے بعد اکبر اور اقبال نے قومی شاعری کے میدان میں قدم رکھا انھوں نے حالی کے متعین کردہ راہوں اور حالی کے کشیدہ خطوط پر گامزن ہو کر قوم (خصوصاً مسلمانوں) میں

مذہبی جوش اور جذبہ کی روح پھونکنی شروع کی۔ اکبر نے
مسلمانوں کو اپنی ثقافت، معاشرت، تہذیب و تمدن اور روایات
کو مغربی تہذیب کے چکتے دمکتے زہریلے حربوں سے بچانے
کی تلقین کی۔ علامہ اقبالؒ نے "خضر راہ" "بنکر" اپنے من میں
ڈوب کر پا جا سراغ زندگی" کی ہدایت کی۔ اسکے علاوہ ظفر
علی خاں کی حیات افروز اور ۔۔ زبان و بیان میں پہاڑوں
کی سنگینی کا اثر لئے ہوئے نظمیں۔ جوش، ساغر، سیماب، احسان
دانش اور سینکڑوں شاعروں کے قومی ترانے ہماری آزادی کی
روشن تاریخ کے انمٹ حصے ہیں۔

سرزمین بنگال نے حالی اور اقبال کی شاعری سے خاطر
خواہ اثر نہ لیا۔ اسلئے کہ یہ دونوں غیر بنگالی زبانوں (اردو،
فارسی) کے شاعر تھے ان لوگوں نے اردو زبان میں قوم کو پیغام
دیا۔ بنگال میں چونکہ اردو کی شاعری تقریباً نہ ہونے کے برابر
تھی۔ اسلئے یہاں کے لوگ حالی اور اقبال کے کلام سے
استفادہ نہ کرسکے۔ اس مقصد کو بنگال میں نذرالاسلام اور
سر رابندر ناتھ ٹیگور کے کلام نے پورا کیا۔ جو فائدہ حالی اور اقبال
کی قومی شاعری نے اردو داں علاقوں کو پہونچایا وہی فائدہ
بنگال میں ٹیگور اور نذرالاسلام کی شاعری سے ہوا۔

نذرالاسلام اور ٹیگور دونوں ہمعصر ہیں۔ دونوں ایک
ہی علاقے اور ایک ہی زبان کے شاعر ہیں ایک ہی منزل کے
راہی ہیں۔ نذرالاسلام نے میدان شاعری میں اسوقت قدم
رکھا جب ٹیگور کی شاعری بام عروج پر تھی اور اس زمانے
کے تمام ادباء و شعراء کم و بیش انہیں کے چشمۂ فیض سے
استفادہ کر رہے تھے شروع شروع میں نذرالاسلام
بھی حصول فیض کی اس فہرست سے مستثنیٰ نہ تھے مگر وہ ایک
غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے چنانچہ ان کی طبع رفعت سے
زیادہ دنوں تک کسی کی تقلید گوارہ نہ کی تھوڑے ہی عرصہ
میں انھوں نے اپنا راستہ الگ نکال لیا اور ایک وقت وہ
آیا کہ ٹیگور کے زمانے میں ہی انھوں نے اپنی جہاں آفرینی کا
کا ثبوت دیا۔ ایک تو فطری طور پر نذرالاسلام کی طبیعت میں
جودت تھی مزید برآں زمانے کے تقاضوں اور حالات کے رخ
نے سونے پہ سہاگے کا کام کیا۔ مظلوم انسانیت کی پکار نے ان
کی شاعری میں طوفانی اور جذباتی کیفیت پیدا کردی اور شاید
یہی چیز ان کے اعلیٰ درجہ کے خلاق ہونے میں رکاوٹ بنی

نذرالاسلام کی نگارشات میں جو تندہی، تیزی
اور بے ربط کیلاپن ملتا ہے وہ نہ ٹیگور میں ملتا ہے نہ اقبال میں
... . ان کے کلام میں کچھ اپنے ہی
رنگ کی گہری اور منفرد خصوصیات ہیں جو ان دونوں میں
نہیں پائی جاتیں۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری ایک اتھاہ سمندر ہے
جس میں گہرائی تو ہے۔ مگر تلاطم نہیں، نذرالاسلام کی شاعری
جو ایک جوئبار ہے جو گہرا تو نہیں مگر پرہیجان ضرور ہے
جو اچھلتے، پھیلتے ہوتے تیزی سے آگے نکل جاتا ہے ٹیگور
اور نذرالاسلام دونوں کی شاعری میں ظلم و استبداد کے خلاف
گہرے احساسات ہیں مگر فرق یہ ہے کہ نذرالاسلام کے یہاں
یہ احتجاجی احساس جذبہ و جنگ کی صورت اختیار کرلیتا ہے
(لیکن دونوں میں اقبال کی سی "من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی"
والی کیفیت کہاں)۔

نذرالاسلام ٹیگور اور اقبال تینوں کو انسانیت سے
والہانہ محبت تھی، تینوں ہی نے انسانیت کے گیت گائے
فرق ہے تو یہ کہ اقبال اور ٹیگور نے عوام سے دور رہ کر
محبت و اخوت کا پیغام سنایا مگر نذرالاسلام نے دلدل میں
پھنسے ہوتے انسانوں کو ان کے قریب جاکر نکالنے کی کوشش کی
ٹیگور کی خلوص کا جو نشہ تھا اقبال اور نذرالاسلام کا بھی

وہ ہی تھا، ٹیگور نے جو باتیں نیازمندانہ انداز میں کہی ہیں وہی اقبال اور نذرالاسلام کے ہاں جیتی جاگتی انقلابی شکل و صورت میں نمایاں ہوئیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیگور کی شاعری میں عالمی محبت کی پائدار تلقین ہے جو سرزمین بنگال کے کسی اور شاعری میں نہیں نظر آتی۔ روحانی تجزیہ، خیالات کی وسعت، زبان کی حلاوت، مضامین کا سوزوگداز اور فنکارانہ کمالات میں کوئی بنگال شاعران کا ہمسر نہیں۔

نذرالاسلام اور ٹیگور صرف بنگلہ شاعر ہیں لیکن اقبال فارسی اور اردو دونوں کے اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں۔ یہ تینوں ہی نادرالکلام ہیں جس میں نذرالاسلام اتنے بڑے خلاق نہیں جتنے کہ اقبال اور ٹیگور ہیں۔

ٹیگور اور نذرالاسلام دونوں نے نظم و نثر کے اہم شعبوں میں قابل ذکر اور لائق ستائش کارنامے چھوڑے ہیں نذرالاسلام شاعر، موسیقی داں، افسانہ نگار، صحافی اور مترجم ہیں۔ ٹیگور بیک وقت شاعر، موسیقی داں، افسانہ و ناول و ناٹک نگار، نقاش، نقاد اور صحافی ہیں۔

نذرالاسلام، ٹیگور، اور اقبال تینوں کو ہی جمالیاتی قدروں کا مکمل احساس۔ حسن و عشق سے دل چسپی تھی۔ (یہ بات اور ہے کہ اقبال کا عشق پاکیزہ احساسات کی روشنی کی وجہ سے ان دونوں سے زیادہ لطیف ہے)

غلامی، نا انصافی، افلاس، جہالت اور ظلم و ستم کے خلاف تینوں کے ہاں پرزور احتجاج ملتا ہے مگر فرق نوعیت اور کیفیت کا ہے۔ اقبال مظلوم انسانیت کی غم خواری میں کلک اسرار کے ذریعہ دیدار جہانگیر کا پیغام دیتے ہیں "بانگ درا" اور "ضرب کلیم" سے گمراہ قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نذرالاسلام نقارہ بجا کر لوگوں کو جور و استبداد کے خلاف میدان جنگ میں لاکھڑا کرتے ہیں۔ ٹیگور عالمگیر محبت و اخوت کی دعوت و دیگر مفاہمت میں مرض کا علاج تلاش کرتے ہیں۔ منزل تینوں کی ایک ہی ہے تینوں حرکت و عمل کے شاعر ہیں، ترکِ آب و گل سے کسی کا واسطہ نہیں، کسی کے بیاں انجمادی اور زاری کیفیت نہیں بلکہ کام کرنے کا جذبہ اور آگے بڑھنے کا ولولہ و جوش سے تینوں کی شاعری مزین و لبریز ہے اور تینوں ہی کی شاعری قولی شعور کی بیداری اور احساس کی جاگ کا سبب بنی ہے۔

عفت و عصمت

عفّت اور عصمت عورت کے اصل جوہر ہیں اگر یہ نہیں ہے تو پھر قابل سے قابل اور لائق سے لائق عورت کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

اسلام نے نہ صرف اسے ضروری اور اہم قرار دیا ہے بلکہ اس کی عصمت اور اسکی عزت کے لئے ایسے ایسے قانون نافذ فرمائے کہ جو آج تک ضرب المثال ہیں چنانچہ ایک مشہور فلسفی عورت کا قول ہے کہ صنف نازک کی عزت اور عصمت کے لئے حقیقی محافظ اور سچا پاسبان اگر کوئی مذہب ہے تو وہ دنیا میں صرف ایک اسلام اور صرف اسلام ہے۔

ہمارے پاک اور سچے مذہب نے اگر ایک طرف عورت کو پردے میں رہنے کی شدت کے ساتھ ہدایت کی ہے تو دوسری طرف مردوں کو [illegible] کی عزت اور عصمت کا لحاظ رکھتے ہوئے حکم دیا کہ وہ اجنبی عورتوں کی طرف نظر اٹھا کے نہ دیکھیں
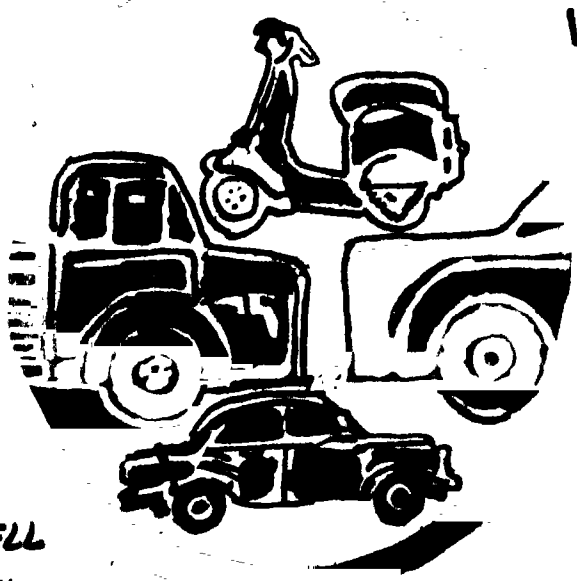
شخصیات

دبستانِ سیماب کے چند ممتاز شعراء

ساحل مانکپوری

استادی اور شاگردی کی رسم تو خیر اب دنیائے شعر و سخن سے تقریباً اٹھ چکی ہے سائنس و صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ شاعری کی دنیا بھی ایک انقلاب سے آشنا ہوئی ہے اور قریب قریب ہر بڑے شہر اور قصبہ میں اساتذہ" کی جگہ "غزل ساز فیکٹریوں" کا قیام عمل میں آگیا ہے جن کے وجود سے ایک ایسے رواج کی بنیاد پڑی کہ اب کسی کو سخن کی مشق" اور فکر کی خفت" کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہے۔
اگر آپ "حسن صوت" اور "خوش الحانی" سے نوازا ہے تو "کسی بھی فیکٹری" کی خدمات حاصل کیجئے اور دیکھتے ہی دیکھتے شاعر کی حیثیت سے ملک گیر شہرت حاصل کر لیجئے۔ دوستوں پر اپنی فنی صلاحیت" کا سکہ جمائیے مشاعروں میں جائیے، جی بھر کے داد اور منہ مانگے پیسے دونوں کمائیے اور ساتھ ہی تعصب و تنگ نظری کی کند چھری سے ذبح کی جانے والی اردو پر فاتحہ پڑھ آئیے۔

لیکن یہ صورت حال ہمیشہ تو نہیں رہی تھی اب سے صرف چوتھائی صدی پہلے تقسیم ہند کے وقت تک جب اردو کا دور شباب تھا۔ کسی شاعر کے لئے اپنی ساری فکری استعداد اور فنی صلاحیتوں کے باوجود خود کو شاعر کی حیثیت سے تسلیم کرالینا کوئی آسان نہیں ہوتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اقبال جیسے فلسفی اور حکیم شاعر کے لئے بھی ضروری ہوا کہ میدان میں آنے سے پہلے وقت کے ایک بڑے استاد شاعر حضرت داغ دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرے۔

اس میں شک نہیں کہ "استادی اور شاگردی" کے چکر میں کچھ خرابیاں بھی تھیں مگر خرابیوں کے مقابلہ میں خوبیاں اتنی زیادہ تھیں کہ ان کا اعتراف نہ کرنا حق ناشناسی نہیں ہوگی۔ دور آخر کے جن استاد شاعروں نے زبان و بیان اور فکر و فن کی خدمت کا حق ادا کیا ان میں بیشتر تعداد تلامذۂ داغ کی تھی، مثلاً نوح، ساحل، بیخود، احسن، بیتاب اور سیماب وغیرہ۔ ان سب میں حضرت سیماب اکبرآبادی (مرحوم) کی ذات بہ خصوصی طور پر قابل ذکر اور لائق تحسین رکھتی ہے کہ وہ نہ صرف بذات خود علم و فن کا ایک پیکر تھے بلکہ انہوں نے اپنے جدید طریقۂ اصلاح کے ذریعہ ایک نئے مدرسہ فکر کی طرح ڈالی اور تلامذہ کی ایک کثیر تعداد تیار کی جو آج بھی ہندوستان اور پاکستان کے

گوشہ گوشہ میں اپنے اپنے طور پر شعر و ادب کا چراغ روشن کئے ہوتے ہیں۔

سیماب صاحب نے اردو کو کلیم عجم، "سدرۃ المنتہیٰ" اور دستور الاصلاح" جیسے قابل قدر شعری و اصلاحی مجموعے، اعجاز صدیقی جیسا لائق و فائق بیٹا اور شاعر جیسا علمی و ادبی مجلہ ہی نہیں دیا بلکہ مولانا آلم مظفر نگری (مرحوم) ساغر نظامی، شفا گوالیاری، نازش پرتاب گڈھی اور طرفہ قریشی جیسے نغز گو اور خوش گفتار شاگرد بھی دے جن پر آج دنیائے شاعری بجا طور پر ناز کرتی ہے۔

جواں سال شاعر اور جواں خیال قلمکار جناب ساحل ٹانکپوری نے اپنے اس مضمون میں "دبستان سیماب کے چند ممتاز شعراء کا تعارف کرایا ہے امید ہے کہ قارئین رنگ سنگ اسے دلچسپی سے پڑھیں گے اور پسند فرمائیں گے اور اس طرح ساحل صاحب کو مجبور کر دیں گے کہ وہ اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں اور مرحوم سیماب صاحب کے دوسرے صاحب فکر و فن تلامذہ کو بھی متعارف کرانے کی سعادت حاصل کریں۔ (ادارہ)

عہد حاضر کے استاد شعراء میں علامہ سیماب کی ذات ہمہ گیر حیثیت کی حامل ہے۔ موصوف نے ۱۹۲۳ء میں آگرہ میں قصر الادب کی بنیاد ڈالی اور دبستان اکبر آباد کو از سر نو زندہ کیا۔ اسے تابناکی اور جلا بخشی۔ میر۔ غالب اور نظیر جس خاک سے پیدا ہوتے اور جن کے اجتہادات نے اردو شعر و ادب میں نمایاں تبدیلی پیدا کی اسی سرزمین پہ سیماب جیسے استاد فن نے اپنی علمی و فنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر وہ نمایاں کام سرانجام دیے جن کی مثال نہیں ملتی وہ اپنی ذات سے تنہا انجمن تھے۔ ان کے شاگردوں میں بہتیرے آج اردو شاعری میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ سیماب ایک ایسے استادِ فن تھے کہ جن کی زندگی میں ان کے بعض شاگردوں نے اپنا جائز مقام حاصل کر لیا تھا۔ مولانا ضیاء احمد برنی نے صحیح لکھا تھا کہ

> "موجودہ دور میں جتنے شاگرد حضرت سیماب کو نصیب ہوتے ہیں اتنے شاید کسی اور استاد کو میسر نہیں آتے ہوں گے۔ ان کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ ہے وہ سب اپنے آپ کو سیمابی کہتے ہیں۔"

مرحوم کے فن و شخصیت پر کبھی اور بحث کی جائے گی فی الحال میں ان کے بعض ممتاز شاگردوں کے فن اور شخصیت پر روشنی ڈالتا ہوں جنھوں نے مولانا کے ادبی نظریے کی روشنی میں اپنے فن کو جلا بخشی ہے۔

نازش پرتاپگڈھی

محمد احمد نازش پرتاپگڈھی (اودھ) کے خانوادہ شیخ کے ایک ہونہار فرد ہیں۔ نازش حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی کے جدید تلامذہ کی فہرست میں آتے ہیں جو تھوڑے ہی عرصہ میں فارغ الاصلاح قرار دے دئے گئے۔ انھوں نے اپنی ذہانت اور فطانت کے بل پر بہت جلد شاعری کی دنیا میں شہرت حاصل کر لی۔

موصوف تقریباً ۳۰ــ۳۲ سال سے شاعری کر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری غزل سے شروع کی لیکن بعد میں نظموں میں بھی قابل قدر اضافے کئے وہ ایک اچھے نظم نگار ہیں۔ ان کی نظموں کا ذخیرہ سیکڑوں تک پہونچتا ہے۔ جن میں کافی تعداد ایسی نظموں کی مل جاتی ہیں۔ جو اردو کی نمائندہ نظموں میں شامل کی جا سکتی ہیں۔

نازش نے انقلابی نظمیں زیادہ لکھی ہیں ترقی پسند شاعر ہونے کی حیثیت سے ان کی نظموں میں ادب برائے

زندگی کا تصور پوری طرح چھایا ہوا ہے۔ انھوں نے نظموں کے علاوہ افسانے اور مضامین بھی لکھے ہیں۔ ایک افسانوی مجموعہ "پروسے" بھی ترتیب دیا تھا۔

نازش نے ۱۹۴۲ء سے کثرت سے نظمیں لکھنی شروع کیں جن میں اشتراکی، قومی اور اسلامی نظمیں شامل ہیں۔ اسلامی نظموں کا ایک مجموعہ "دل کی صدائیں" مرتب کیا۔ لکیریں ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔

لکیریں کے بعد ان کا دوسرا شعری صحیفہ "زندگی سے زندگی کی طرف" شائع ہوا۔ یہ طویل نظم ہے جس میں نازش نے ۱۹۴۲ء کی تحریک آزادی کا ایک تخیلی خاکہ پیش کیا ہے۔ یہ نظم موصوف نے ۱۹۵۱ء میں ہی مکمل کر لی تھی جس کے بعض حصے "نیا دور" لکھنؤ میں شائع بھی ہوئے۔

نظم میں پیش کردہ دو اہم کردار بوڑھا دادا اور شاعر خصوصی طور پر قاری کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ یہ طویل نظم تحریک آزادی پر لکھی جانے والی نظموں میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔

نازش کی غزلوں کا اگر ارتقائی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے فن کو وقت اور ماحول کا آئینہ بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کی قدیم غزلوں میں تغزل کی شان پائی جاتی ہے۔ لیکن نئی غزلوں میں زندگی کے دکھ درد اور کرب و اضطراب کی پرچھائیاں کچھ اور زیادہ نکھر کر سامنے آتی ہیں بعض بعض موقعوں پر ان کی فکر جدید شعراء کی فکر کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ بقول غلام ربانی تاباں۔

"نازش نے غزل کے امکانات میں وسعت
پیدا کی ہے اور اسے روایتی انداز سے بچا لیا
ہے ان کی غزلوں میں ہلکا پھلکا غم گھلا ہوا ہے
اور لہجہ کا دھیما پن جاں گزیں ہو کر رہ جاتا ہے
ان کے اشعار بوجھل نہیں ہوتے ایسا لگتا ہے
کہ دل پر چوٹ سہہ سہہ کر تہذیب نفس کر لی گئی
ہے ان کے یہاں ضبط غم ہے گریۂ غم نہیں"

تاباں صاحب کے اس قول پر یقین لانا ہی پڑتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نازش نے جس ماحول و معاشرے میں رہ کر شعر کی آبیاری کی ہے اگر اس میں قنوطیت اور قدامت پسندی کی جھلکیاں پیدا ہو جائیں تو اس میں نازش کا قصور نہ ہوتا بلکہ اس ماحول سے بخشے ہوئے درد و کرب اور آزمائشوں کا ہاتھ ہوتا جن حالات میں رہ کر اپنی بقا اور شعر کی بقا کا احترام ملحوظ رکھا ہے۔ وہ انہیں کے دل گردے کا کام تھا۔ حالات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ خاموش ہو کر بیٹھ جاتے اور اپنی زندگی صرف نالہ و شیون میں گزار دیتے۔ مگر آفریں ہے۔ ان کی شخصیت جو جبر مسلسل کے باوجود اپنی جگہ اٹل اور پائندہ رہی۔ ذرا بھی پائے استقلال کی جنبش نہیں ہوئی۔ نازش کا فن جس نے صرف روایات میں رہ کر اپنے آپ کو نہ ڈھال کر نئے تقاضوں اور آدرشوں کو نمونۂ فن بنا کر پیش کیا لائق صد آفریں ہے۔ پروفیسر احتشام صاحب لکھتے ہیں۔

"نازش پرتاب گڑھی ان باشعور فنکاروں میں ... ہیں جنھوں نے فکر و فن کا احترام ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ہر قدم ترقی کی نئی منزلوں کی طرف اٹھتا رہا ہے جیسے واقعی شعر کہنا آتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے لئے کتنی ریاضت اور جہد مسلسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ نازش نے اس سے گریز نہیں کیا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ان کے انداز اور خیال دونوں میں پختگی اور رعنائی کے خوبصورت نقش و نگار دکھائی دیتے ہیں

نمونۂ کلام

ابتداء سے ۱۹۴۶ء تک کا رنگ کلام

میں ہمیشہ رہا ناکامِ محبت ہمدم
پریت کے گیت مرے ساز پہ گاتے نہ گئے

کیا سناتے انہیں رودادِ محبت آخر
یہ بڑے درد بھرے گیت تھے گاتے نہ گئے

کیوں بھروسہ دہر میں نازش کسی کا کیجیے
راہ اپنی، اپنی منزل آپ پیدا کیجیے
آنکھ کہتی ہے کہ بس کر اب نہیں ہے تاب دید
دل یہ کہتا ہے کہ اس جلوے کو دیکھا کیجیے

جذبِ کمالِ عشق میں اتنا اثر ہے آج
ہر ہر نظر میں جیسے کوئی جلوہ گر ہے آج

۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء تک کا رنگِ کلام

یارو اٹھو کہ تیشۂ عزم حیات سے
غنچے تراش لیں انہیں برق و شرر سے ہم

ترا جمال، مری جستجو کا حسنِ شعور
ترا خیال، مری آرزو کا نکہت و نور
کبھی کبھی تو ضروری ہے روٹھ جانا بھی
فقط وفا ہی نہیں اہل شوق کا دستور

عجیب چیز ہے نازش غم محبت بھی
تمام درد و اذیت تمام لطف و سرور

۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک کا رنگِ کلام

پھول بن جاتے گا کچھ رات ڈھلے
درد ابھی صرف کلی ہے یارو
عشق افسانہ گر بین سطور
حسن عنوان جلی ہے یارو

محرومیوں نے حرفِ طلب بھی بھلا دیا
اکثر اٹھا کے دستِ دعا سوچنا پڑا
دستِ خزاں سے خیمۂ گل دور تو نہیں
کیوں دیر کر رہی ہے صبا سوچنا پڑا

اک ہمارے ہی زمانہ میں ہوا قحط رجال
ورنہ ہر دور کو منصور ملا ہے یارو
زندگی کے یہ کڑے کوس حقائق کی یہ دھوپ
شاعری سایۂ دیوار نما ہے یارو

لفظ دشمنی کی یہ توہین کہ نازش ہم نے
دشمنوں کو بھی لکھا اور کہا ہے "یارو"

سامانِ تجارت ہے نہ ارمانِ تجارت
ہستی مری بازار میں حیران کھڑی ہے

چیختا ہوں اپنی ہی ویرانیٔ دل دیکھ کر
ورنہ میرے شہر میں اتنا بھی سناٹا نہیں

حامی مانکپوری

حکیم شاہ سردار عالم حامی ۱۹۰۳ء میں مانک پور (اودھ) میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام مولانا شاہ عالم ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۱۴ ویں پشت سے ہوتا ہوا حضرت شاہ مخدوم حسام الحق رحمۃ صاحب حامی مانکپوری تک پہونچتا ہے۔ آپ کا خاندان مذہبی اعتبار سے نہایت اعلیٰ و ارفع ہے بزرگوں کے اس سلسلے میں حامی مانکپوری وہ تنہا شاعر ہیں جو علوم دنیوی کے ساتھ ذوقِ شعر وسخن کے جلو میں زندگی کی ۷۶ ویں بہار دیکھ چکے ہیں۔ آپ کے بھائیوں میں مولوی شاہ مسعود عالم صاحب بہار بھی اچھا شعری ذوق رکھتے ہیں۔ آپ کے قبلہ والد صاحب فانی دہر ایک جید عالم تھے۔ موصوف نے صرف و نحو کے متعلق کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

مولوی فطرتاً انتہائی ذہین واقع ہوئے ہیں۔ مطالعات مشاہدات پر گہری نظر ہے۔ فن اور زبان میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ ابتداً غزل کہتے رہے ہیں۔ لیکن بعد میں سیاسی اور مذہبی ماحول کے زیر اثر متعدد کامیاب نظمیں لکھی ہیں۔ جن میں "خطاب بہ مسلم" اپنی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ غزلوں میں روایتی اسلوب کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن اس میں گہرائی و گیرائی، وسعتِ فکر عمیق مطالعہ و مشاہدہ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ آپ نے سیماب کے نظریۂ ادب کو فروغ دینے میں جو شعوری مدبرانہ کوشش کی ہیں وہ قابل قدر ہیں۔

ان کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ بہت کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اشعار میں زبان و بیان کی نزاکت و رنگینی، سادگی و روانی کی مترنم کیفیتیں جلوہ پاشی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے مترنم بحروں کے انتخاب میں اپنی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ ان بحروں میں لکھی گئی غزلوں میں موسیقیت اور نغمگیت کی خصوصیت مانگریں ہوگئی ہے جو قاری کے دل میں ہلچل پیدا کر دیتی ہیں۔ الفاظ اسلوب کے پہلو بہ پہلو فکر انگیز، لطیف اور الفاظ کے تکرار سے بھی قاری اور سامع کے سامان نشاط کی تخلیق آسان ہوگئی ہے اس کے علاوہ موصوف کی غزلوں میں اقبال کا تخیل، غالب کی فکر اور سیماب کے اسلوب کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔ ان عظیم شاعروں کے فکر و تخیل کے حسنِ امتزاج سے اپنا ایک منفرد لہجہ بھی متعین کیا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں واردات قلب کی گدازی کے ساتھ ساتھ سائنسی اور عرفانی فکر کو سمو کر ایک منفرد لب و لہجہ کی تشکیل کی ہے یہی وہ خصوصیت ہے جو انہیں ایک خاص انفرادیت ودیعت کرتی ہے۔

موصوف نے غزلوں کے علاوہ نظم، رباعی، قطعہ، مسدس، نعت اور مراثی بھی لکھے ہیں۔ جن میں شاعر کی دل گداختگی اور جذبے کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔

موصوف ایک خاموش طبع شاعر ہیں۔ عرصہ دراز تک ہندوستان کے مشہور رسالوں میں کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ جن میں شاعر، پرچم العارف، زمانہ، پیمانہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت حامی ایک زمانہ تک مانک پور کی ادبی محفلوں میں ادب کی روح بنکر شامل ہوتے رہے ہیں۔

نمونۂ کلام

اس قدر گیسو تیرے رہتے نہ تھے برہم کبھی
اس طرح بکھرا نہ تھا شیرازۂ عالم کبھی
اپنے ہاتھوں میں نہ دیکھی جب عنان اختیار
ہم نے کی پروا نہ راحت اور نہ فکر غم کبھی

چھپ کر نگاہِ شوق سے وہ دل میں آگئے
پھر دردبن کے ہر رگ و پے میں سما گئے
آئی بھی نیند اگر تو پھر آئی کہاں عزیب
آنکھیں جو بند کیں تو وہ آنکھوں میں آگئے

پر ٹوٹ گئے، ٹوٹ گئے، دل نہیں ٹوٹا
پانڈو نہ سہی، حسنِ پرواز مگر ہے

شامِ فراقِ دوست بھی کتنی حسین شام ہے
گویا نظر کے سامنے گیسوئے مشکفام ہے
دیدۂ وہم رگِ گلو، لاکھوں حجاب رنگ و بو
دعوتِ شوقِ جستجو پردے کا اہتمام ہے
آج ہے اسکی کافری مائلِ رند پروری
جس کی نگاہ مست میں مے ہے سبو ہے جام ہے

ہم دعوتِ بہار کے ارماں ہیں رہ گئے
ہاتھ اٹھے اور الجھ کے گریباں میں رہ گئے

یہ دلِ دردآشنا میرا قیامت ڈھائے ہے
خود بھی تڑپے ہے ستمگر مجھ کو بھی تڑپائے ہے
رفتہ رفتہ بڑھتی جاتی ہیں تصور کی حدیں
خود بخود آنکھوں سے اک پردہ اٹھتا جائے ہے

آنے والے عہد کا غافل تجھے کچھ ہوش ہے
فکرِ فردا کر عبث مجو خیالِ دوش ہے
کیا بتاؤں میں کہ کیا شے بادۂ پرجوش ہے
کاشفِ اسرار ہے پردہ کا یہ ہوش ہے

ڈاکٹر زیب بریلوی

ڈاکٹر ماتا پرشاد زیب بریلوی ۱۱ نومبر ۱۹۰۹ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام بابو مکھن لال تھا۔ جو بریلی میں کائستھ اسمانی خاندان کے متمول زمیندار تھے۔

زیب صاحب نے اردو اور فارسی کی تعلیم مولوی قاسم علی صاحب خواہاں اور مفتی حبیب الحسن صاحب احسن سے حاصل کی۔ انگریزی میں میٹرک پاس کرنے کے بعد ایل۔ ایم پی کی ڈاکٹری سند حاصل کی۔ کئی سال پریکٹس کرنے کے بعد آپ آر شوگر فیکٹری بریلی میں ملازمت کی۔ وہاں سے بھی استعفیٰ دیکر ان دنوں۔ آر۔ آر۔ انجینیئرنگ ورکس کلکٹر گنج میں ملازم ہیں۔

۱۹۲۶ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ ابتدائی غزلوں پر مولوی احسن صاحب نے اصلاح دی آپ کے شعری ذوق کو جلا بخشنے میں مولوی احسن خواہاں۔ معجز، عیشِ اور محو صاحب جیسے ذی علم اساتذۂ بریلی کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ انہیں اساتذہ کی صحبت میں رہ کر زیب صاحب کی شاعرانہ صلاحیتیں روز بروز نکھرتی گئیں۔

۱۹۳۱ء میں سیماب اکبرآبادی کے شاگرد ہوئے علامہ موصوف کی نگرانی میں زیب صاحب نے ذہن و فکر پر فن شاعری کے جملہ رموز و افکار مرتسم ہوئے۔ زیب صاحب کو خود بھی علامہ کے اس فیضِ تربیت کا احساس ہے لکھتے ہیں۔ رو

میں بہ فیضِ فطرتِ سیماب اے اہلِ نظر
شاعرِ امروز بھی ہوں شاعرِ فردا بھی ہوں

یہ سیماب صاحب کا ہی اثر ہے کہ زیب صاحب نے محدود نظری کو وصفِ شاعری کبھی نہیں سمجھا۔ ان کا کلام ہند و پاک کے تمام موقر رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوتا رہتا ہے

ان کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری کو امید

داغ کے تغزل کا لطف آنے لگتا ہے۔ تغزل کے لئے جن شاعرانہ صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ زیب صاحب میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ الفاظ وتراکیب کے دروبست، تشبیہات واستعارات کے برمحل استعمال اور جس سادگی بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے زیب صاحب کے فنکارانہ احساسِ فکر نے مکمل کردیا ہے۔ زبان کی نغمگی یا موسیقیت نے سلیقۂ اظہار کو اور زیادہ رنگین اور مرصع بنایا ہے۔ جو شاعری کی جان کہی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں غنائیت کی فراوانی اور بلا کی قوت شفا ہے۔ معنی ومفہوم کے اعتبار سے زیب صاحب کے اشعار صاف اور سادہ ہیں۔ بیان میں کہیں اہمال یا اکھڑپن نہیں ہے اور نہ زبان وبیان کی غلطیاں ہی نظر آتی ہیں۔ ردیف وقافیہ کے التزام واہتمام میں سلیقہ نظر آتا ہے۔ ان جملہ خصوصیات نے ان کے اشعار کی قدر وقیمت میں اضافے کئے ہیں۔

زیب صاحب کی غزلیں پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انھوں نے علامہ سیماب سے زبان وفن سیکھنے میں پوری توجہ اور انہماک کو ملحوظ نظر رکھا ہے۔ ماہر قریشی بریلوی لکھتے ہیں۔

"زیب صاحب کی شاعری کا سراغ ان کی بچپن طبیعت میں بھی ملتا ہے۔ موصوف اپنی غزل میں خیال آفرینی سے بھی کام لیتے ہیں دراصل زیب صاحب کے اشعار میں سوزوگداز کا آہنگ بھی دلنواز ہے اور ندرت ادا وسعت نظر کی سکا ت ہے"

زیب صاحب نے غزلوں کے علاوہ نظم، گیت، قطعات اور باعیات پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی نظمیں حقیقت پسندی اور واردات قلبی کا بہترین نمونہ کہی جا سکتی ہیں، جن میں عزم واحساس، آئینہ وفا، خلوص نظر، انسانیت اور ۲۶ر جنوری کامیاب نظمیں ہیں۔

زیب صاحب نے اس ۴۳ سال کے عرصہ میں سیکڑوں غزلیں اور نظمیں کہی ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان کا سرمایۂ شاعری بہت زیادہ ہے ۱۹۶۷ء میں ایک مختصر مجموعہ کلام "نگارخانے" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

نمونۂ کلام

تشنۂ جلوہ ابھی عرضِ ذوقِ دید ہے
اور کر حیران فروغِ آئینہ خانہ مجھے

افسانۂ حیات کا عنوان کسے ہے یاد
انجام یاد ہے دلِ خانہ خراب کا
ہر نقشِ آرزو کو تماشا بنا دیا
گلشن کھلا ہوا ہے مرے اضطراب کا

کچھ آدابِ محبت کے سلیقے اور ہوتے ہیں
نگاہوں سے بھی ہو جاتے ہیں محفل میں سلام اکثر

اشکوں میں دیکھتا ہوں ترا حسنِ آرزو
آئینہ سامنے ہے مرے شاہکار کا
امید التفات نے برباد کر دیا
دل اعتراف کر نہ سکا اعتبار کا

کچھ تبسم زیرِ لب آنکھوں میں کچھ رنگ حیا
اس طرح ہوتی ہے دیوانوں کی دیوانوں سے بات

میں چمن ساز ہوں پھولوں کی قسم جانِ بہار
غنچے غنچے کو تماشہ بنا آیا ہوں
شمع احساس بہ عرفانِ عقیدت مندی
تیری تصویر کے آگے بھی جلا آیا ہوں

جوڑتا ہوں تو وہ جھنکار دیا کرتے ہیں
ٹوٹے تاروں کو ملاؤں تو ملاؤں کیسے

طرفہ قریشی

عبدالوحید طرفہ ۳ مارچ ۱۹۱۳ء کو بھنڈارہ (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے وطن بھنڈارہ میں حاصل کی۔ درس و تدریس کے ساتھ ہی ساتھ شعر گوئی سے فطری لگاؤ رہا۔ ابتدائی غزلیں حضرت مولینا انور کا مٹوی کو دکھائیں اسکے بعد علامہ سیماب اکبرآبادی سے اصلاحیں لیں۔ ۱۹۳۲ء سے شعر کہہ رہے ہیں اور اصلاح کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

ان کے کلام کا مطالعہ کریں تو ایک کیف آگیں تجربہ کا گمان گذرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اشعار اس دھرتی پر بسنے والے کروڑوں مظلوم انسانوں کی آوازیں ہیں۔ اشعار سے اٹھتی ہوئی دھیمی دھیمی آنچ اور تپش ہر قاری کو محسوس ہوتی ہے۔ بے پناہ غم اور سلگتے ارمانوں کے مابین ہر دل میں اک آگ سی لگتی دکھائی دیتی ہے۔

طرفہ نے سماج کی دکھتی ہوئی رگ پر بڑے ماہرانہ انداز سے انگلی رکھی ہے۔ ان کے اس شاہدے میں جذبات و احساسات شعر کی صورت میں رقص کرتے نظر آتے ہیں۔ اشعار میں غم و درد کی جھلک جا بجا ملتی ہے اور غم کی ایسی تیکھی اور کسیلی تصویریں بنتی دکھائی دیتی ہیں کہ خود بخود ہمدردی کے جذبات ابھر کر دیتی ہیں اور ہر قاری کا دل خود بخود ان کی غزلیہ شاعری کی طرح دھیمے دھیمے سلگنے لگتا ہے وہ غم سے مایوس نہیں ہوتے بلکہ اسے گلے لگانے کے لئے خود آغوش وا کر دیتے ہیں۔

طرفہ ایک غم پرست شاعر ہی نہیں بلکہ اپنے سینے میں ایک حسن پرست دل بھی رکھتے ہیں۔ اسی جذبۂ حسن نے ان کے شعروں میں شبنمی ٹھنڈک بلبل کی چہکار، سبزے کی مہک اور پھولوں کی مہک پیدا کر دی ہے اور ایک ایسا دلپذیر بہت تماشا ہے کہ ہر خیال زندہ جاوید بن گیا ہے

دبستانِ سیماب میں طرفہ قریشی کی ایک خاص اہمیت ہے انھوں نے علامہ کے نظریۂ فن کو فروغ دینے میں دوسروں کے دوش بدوش حصّہ لیا ہے۔ کرامت صاحب ان کے متعلق رقم طراز ہیں۔

"طرفہ قریشی کا ذکر اس دور کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ موصوف کا تعلق سیماب اسکول سے ہے جو کلام کی فنی پاکیزگی و معنوی طہارت کے لئے مشہور ہے۔"

ان کے فن کے متعلق ابراہیم ادیب لکھتے ہیں

"طرفہ غزلیں زیادہ لکھتے ہیں اور ایک عرصہ کی مشق کی وجہ سے کلام میں پختگی اور شائستگی نمایاں ہے۔ اشعار میں اکثر موجودہ ماحول کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔"

ابھی حال ہی میں ان کے سلام و مراثی کا مختصر مجموعہ کل ہند اردو ہندی سنگم لکھنؤ نے شائع کیا ہے

نمونۂ کلام

ڈھلتے ڈھلتے نور کے سانچے میں فطرت ڈھل گئی

آتے آتے درد دل انساں کے کام آہی گیا

تو اپنی قوتِ بازو سے خود فروکش پیدا کر
ستارے آسمان سے پھول برسایا نہیں کرتے

کرم سمجھ کے تمہارا ستم قبول کیا
وفا سرشت محبت نے غم قبول کیا

نہ کیوں ہو مظہرِ حسن و جمال دل میرا
یہ آئینہ بڑے آئینہ گر سے کھیل چکا
یہ ایک عشرت موہوم کے لئے ترفہ
اسباب غم معتبر سے کھیل چکا

بت نے اتنا تو ہم کو نوازا
نے حسن کا آئینہ ہو گئے ہم

دگل یہ آب و ہوا یہ چاند ستارے نور و ضیا
تری محبت کے صدقے کیا کیا نہیں انعام ملا

وں کا کیوں نہ مرکز ہو تیرا حسن فتح کافر
شوخی نظر میں جادو لئے ہوئے ہے شباب تیرا

نے سیاہی بکھیری تیرے گالوں نے اندھیرے بنائے
پھر تیرے سر پہ آتے تیرے سر کی دنیا ختم کھا رہی ہے

اپنی نظروں سے گرا دیا آپ نے
دل، دل نہ تھا یا پیار کے قابل نہ تھا

ظلمتوں کو چند ساعت کی مٹانے کے لئے
کچھ پتنگوں کو سر محفل جلانا ہی پڑا

آرہی ہے وہ دو کر یادِ عہدِ رفتہ کی
پھر رہا ہے نظروں میں دورِ پر اماں اپنا

ختم ہوتی ہے کہاں راہِ درازِ زندگی
پہنچ ہیں گے یہ بھی اک دن بڑھ کے مستقبل ہم

الجھا ہوا رہتا نہیں ماحول ہمیشہ
سلجھانے اگر کوئی سلجھ جاتے ہیں حالات

نیک ہدایات

ن۔ ی۔ خان

۱۔ نیکی چاہے کم ہو یا زیادہ بہر حال نیکی ہے۔ تم کو جس قدر ہو سکے نیکی کرو۔

۲۔ دنیا میں دو ہی راستے ہیں ایک نیکی کا اور ایک بدی کا نیکی کا راستہ انسان کے لئے بنایا گیا ہے اور بدی کا شیطان کے لئے۔

۳۔ اچھے اعمال کبھی ضائع نہیں ہوتے دنیا سے لے کر آخرت تک ساتھ دیتے ہیں۔

۴۔ ہم نے دیکھا کہ برائی کرنے والے ہمیشہ دنیا میں ذلیل و خوار ہے

۵۔ تم دیکھو گے کہ بدی کرنے والے لوگ آخرت میں بھی بدنام اور رسوا ہوں گے۔

۶۔ جو کام کرو نیک نیتی کے ساتھ کرو۔

شخصیات

پروفیسر غلام احمد فرقت ـــ ایک جائزہ

محی الدین حسن سہیل کاکوروی

پروفیسر غلام احمد فرقت کاکوروی پر سہیل کاکوروی کے زیرِ نظر مضمون میں فرقت صاحب کے چھپے ہوئے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ سہیل صاحب اس ادبی کاوش کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ بقول شخصے ـــ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ (مدیر)

اردو کا تقریباً ہر رسالہ اور اردو جاننے والا ہر شخص پروفیسر غلام احمد فرقت کے نام کا آشنا ہے۔ ان کے طنزیہ اور مزاحیہ مضامین برسوں سے رسائل اور جرائد کی زینت بن رہے ہیں نہ جانے کتنے خشک لب ان کے جملوں کے احسان مند ہیں جنکو انھوں نے تبسموں سے گلفشاں کیا ہے۔ نہ جانے کتنے اداس اور پریشان دل صحرائے یاس سے ان کی صدائے پرتکلف سن سن کر مسکراہٹوں کے چمنستان میں آ گئے، جہاں ان کی میٹھی باتوں نے حسرت و ناکامی، نارسائی و ناآسودگی کے تلخ احساس کو سرے سے ہی مٹا دیا۔ جس نے ان کو پڑھا بیساختہ ہنسی اس کے لبوں سے چھوٹ گئی۔ لیکن کسی شخص نے ان کے ان شگفتہ مضامین میں ان کی شخصیت میں چھپے ہوئے ان پہلوؤں کو کبھی نہ ٹٹولا جو دراصل ان مضامین کی روح اور ان کے فن کے ارتقا کی بنیاد ہیں دنیا نے مصور کی بنائی ہوئی تصویر کی دلفریبی پر نظریں ڈالیں لیکن اس جذبۂ شوق کی لطافت جاننے کی ضرورت ہی نہ سمجھی جس نے اس تصویر کے مختلف پہلوؤں کو سنوارا ہے۔

ایک مصور جب کوئی تصویر بناتا ہے۔ اس کو کوئی ایسا شخص دیکھے جو فنِ مصوری میں خود مہارت رکھتا ہو تو اس کو تصویر کی ایک ایک ادا میں چھپا ہوا فن اور مصور کے اپنے تصورات کا عکس نظر آئے گا۔ وہ تصویر میں کم اور مصور میں زیادہ دلچسپی لے گا۔ اور اگر اس کو اندازہ نہیں ہوتا ہے تو جاننے کی کوشش کریگا۔ ورنہ فن کو ستائشی نظروں سے دیکھنے کے باوجود اس کے دل میں ایک خلش باقی رہ جائے گی جو تجسس بن کر اس کو مجبور کرے گی کہ وہ مصور کے قریبی حالات جتنے بھی جان سکے جان لے اور اس کی زندگی کی اسکے فن سے مماثلت کر کے کوئی نتیجہ اخذ کر سکے۔ میر کی زندگی کا ہر پہلو اگر کھلا ہوا نہ ہوتا تو ؎

یاں کے سپید و سیاہ پہ ہمکو دخل جو ہے صرف اتنا ہے
شام کو رو رو صبح کیا اور صبح کو رو رو شام کیا

میں اتنی ٹیس اور درد کا احساس نہ ہوتا۔ جتنا ان کے حالات جان لینے کے بعد ہوتا ہے ورنہ یاس کے اشعار بہت سے شعراء کے کلام میں ہوتے ہیں۔ لیکن سب قنوطی شاعر نہیں کہلاتے۔

بات پھر اصل موضوع پر آتی ہے کہ جس کے لئے فرقت صاحب کی مزاحیہ کتاب " ناروا " میں لکھا ہوا ان کا دیباچہ ان کی سوانح حیات سے دیکھنا پڑے گا ۔ یہ دیباچہ ان کی زندگی کے کچھ پہلوؤں کی نقاب کشائی کرتا ہے لیکن ان کی فکر کے ہر گوشہ پر روشنی نہیں پڑتی ۔ اس میں انھوں نے اس تنگ دستی کا ذکر کیا ہے جو والد کے انتقال کے بعد مکمل خاندانی کفالت کے نتیجہ میں ان کا مقدر بنی تھی ۔ یہ بھی ذکر ہے کہ کس طرح عزیز اور اقارب نے دامن بچا گئے تھے جس کی وجہ سے لکھنؤ کی گلیوں میں انھوں نے انتہائی کم عمری میں جبکہ بقول شخصے کھیلنے اور کھانے کے دن تے ہیں انھوں نے اخبار بیچ کر بھی خاندان والوں کو اپنی عظمت کا اس وقت احساس دلایا جب وہ خود عظمت کے معنی سے قطعی ناآشنا تھے ۔ یہ حالات ہم کو فرقت صاحب کی اس بلند ہمتی اور عزم کا یقین دلاتے ہیں جو اس کم عمری میں ان کی فطرت کا ایک اہم حصہ بن گئی تھی ۔ ادیب اور شاعر عزم و ہمت کا سبق دیتا ہے اور یہ سبق اس وقت تک پر اثر اور قابلِ قبول نہیں جب تک وہ خود باہمت اور پُر عزم نہیں ۔ انھوں نے رشتہ داروں کے ہم عمر لڑکوں کے طنزیہ فقرے بھی برداشت کئے جو خوش حالی غربت پر اس طرح پھینکتی ہے جس طرح سڑک پر چلنے والی تیز رفتار کار راہگیر پر کیچڑ پھینکتی ہوئی نکل جاتی ہے ۔ انھوں نے سب کچھ سہا لیکن وہ کسی کے دست نگر نہیں رہے ۔ آخر علم و عمل کی روشنی نے ان کی زندگی کی تاریک راہوں کو جگمگا دیا۔ ان کو تقدیر کے مذاق پر نہ صرف ہنسنا آگیا۔ بلکہ انھوں نے ہنسانا بھی سکھایا۔ غموں کی پرورش اور حد سے زیادتی نے ان کی طبیعت کو منفی اندازِ فکر بخشا ۔ اور بجائے میر کی طرح قنوطی شاعر یا علامہ راشد الخیری کی طرح مصورِ غم ہونے کے انھوں نے اپنی فکر کو نئے سانچے میں ڈھالا اور اپنی طبیعت میں چھپی غمگینی اور رنج سے قدم قدم پر جہاد کیا ۔ خود کو ایک طنزیہ اور مزاحیہ

ادیب کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا تاکہ ان کا غم تلخیِ ادب کے ناظرین کے لئے باعث تکلیف نہ بنے اور پڑھنے والا ہنستا ہوا اٹھے ۔ بجائے بوجھل فضا کے شگفتگی کا احساس ہو۔ زندگی کے سانحات اور ادب کے اس تضاد کو ہی ہم ان کا حق کہہ سکتے ہیں ۔ جو طنز و مزاح کی صورت میں جلوہ گر ہے ۔

فرقت صاحب کے ادیب ہونے کا اعتراف تو ہندوستان کا تمام اردو داں طبقہ کرتا ہے ۔ لیکن ان کی شخصی بذلہ سنجی کا لطف اٹھانے کا موقع ہر شخص کو حاصل نہیں ہوا ہے ۔ مجھے یہ شرف اس لئے حاصل ہوا کہ میرے والد سے بے پناہ اور بے تکلفی کی حد تک دوستی ہونے کے ساتھ ساتھ قریبی رشتہ داری بھی ہے مجھ اپنی کم عمری سے ہی ان کی شخصیت میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی جب وہ میرے مکان پر آکر اپنی پرلطف باتوں سے ہر طرف ہنسی کے پھول بکھیر دیتے تھے ۔ گرمیوں میں ان کا دہلی سے لکھنؤ آنا ہوتا ہے اور یقین جانئے گرمیوں کی تپتی ہوئی دوپہروں میں ان کی پُر مذاق و پرلطف باتوں میں اس تپش کا احساس خدا جانے کہاں جا کر گم ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ساون کی گرم دوپہر کو یکایک بادلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی ہو ۔ ان باتیں اتنی بے ساختگی لئے ہوتی ہیں کہ ہنسی اختیار کی ساری حدیں پار کر جاتی ہے اس میں اتنا مزاح پوشیدہ ہوتا ہے جو کلفتوں کو دل سے بالکل بھلا دیتا ہے وہ اگر کسی پر براہ راست بھی طنز کرتے ہیں تو وہ مسکراتا رہتا ہے ۔ انکے چہرے پر شکن تک نہیں آتی ۔ گرمیوں میں ہمیشہ لو اور دھوپ سے بے نیاز رہتے ہیں ۔ نہ جسم سے زیادہ مطلب اور نہ لباس کے معاملہ میں زیادہ دھیان ۔ جب دیکھئے اپنے خیالات میں گھرے ہوئے ۔ ایک بار اسی طرح دوپہر میں آئے ۔ کالی شیروانی ، کالا پتلون ، کالا جوتا ، کالی ٹوپی ۔ آتے ہی کہنے لگے راستے میں رکشہ والا

اندوز ہوتا ہوں۔

عرفان ۔ کبھی سیاست سے بھی لگاؤ رہا ہے ؟

کیف ۔ ۱۹۴۵ء تک کانگریسی تھا۔ جیل بھی گیا لیکن اب کیمونزم سے متاثر ہوں۔

عرفان ۔ آپ کے کتنے دیوان منظر عام پر آچکے ہیں ؟

کیف ۔ مجموعہ کلام "شعلہ حرف" اور "کوستے بتاں" منظر عام پر آچکے ہیں۔ دو چھپنے کے لئے تیار ہیں۔

عرفان ۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ بھوپالی کس لئے لکھتے ہیں ؟

کیف ۔ دراصل میرا تعلق کشمیر سے ہے میرا خاندان کشمیر سے لکھنؤ آکر آباد ہوگیا تھا مگر حالات نے لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اور ہم لوگ بھوپال آکر آباد ہوگئے۔ میرے والد کا نام خواجہ محمد ابراہیم تھا۔ اور والدہ کا نام صالحہ خانم تھا عاجز تخلص کرتی تھیں۔ شیعہ خاندان سے تعلق تھا۔ والد بزرگوار پولیس میں ملازم تھے۔ ۵ر جنوری ۱۹۶۸ء کو جس وقت ان کا انتقال ہوا میں اجمیر شریف کے مشاعرے میں تھا مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ صبح کو جب اصلی رنگ میں آیا اور اخبارات میں خبر پڑھی تب پتہ چلا آج میں یتیم بھی ہوگیا۔

گھڑی پر میری نظر پڑی۔ میں نے دیکھا وقت بہت زیادہ ہوچکا ہے۔ سوالات کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا اور کیف صاحب کے پرستار انہیں اپنے ساتھ لیجانے کے لئے بےچین ہیں۔ لہٰذا ان سے چند اشعار جو انہیں بھی پسند ہیں سنانے کی فرمائش کر کے یہ سلسلہ دوسری ملاقات کے لئے بند کر دیا۔ فرماتے ہیں ؎

جب کہا ہے دوئی کو چاند سے حسیں میں نے
قہقہے لگائے ہیں مسخرے ادیبوں نے

اور کچھ نہ تھا لیکن آبرو کی دولت تھی
چھین لی حسینوں نے لوٹ لی رقیبوں نے

شاید ان کے دامن نے پونچھ دیں میری آنکھیں
آج میرے اشکوں کا رنگ زعفرانی ہے

گھاس کے گھروندے سے زور آزمائی کیا
آندھیاں بھی پگلی ہیں برق بھی دِوانی ہے

اس نے یہ کہہ کر پھینک دیا خط
خون سے کیوں تحریر نہیں ہے

ہم نہ پہنیں گے بھیک کی ساقی
لے یہ ۔ ترا پیمانہ پڑا ہے

یوں دل میں گھٹ رہی ہیں محبت کی حسرتیں
جیسے کسی مکان میں چنچل کنواریاں

اوری گھٹا تو واپس ہو جا
آج کوئی تدبیر نہیں ہے
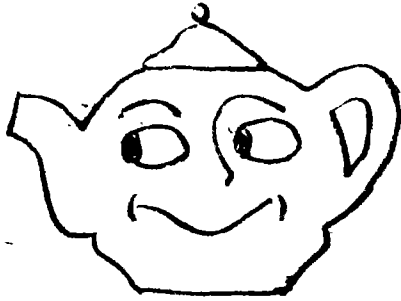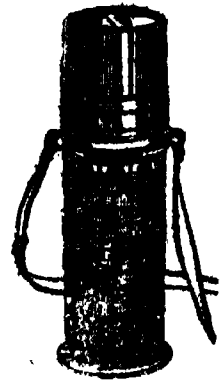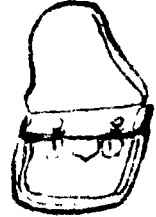
اخلاقیات

ڈاکٹر سیموئیل جانسن کا ایک خط جیمس باسول کے نام

عبدالرشید ۔ ایم ۔ اے

" لائف آف ڈاکٹر جانسن " کو انگریزی زبان کے سوانحی ادب میں جو اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے، کم ہی انگریزی داں ہونگے جو اس سے ناواقف ہوں ۔ اس کتاب کو دیکھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر سیموئیل جانسن کے حالات حیات کی ترتیب کا یہ انداز اختیار کرکے خود جیمس باسول نے اپنی توقیر و عظمت کا سامان کر لیا ۔ خط ملاحظہ فرمائیے اور جناب عبدالرشید کو داد دیجیے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ ترجمہ کے لئے ایک اچھی چیز کا انتخاب کیا بلکہ شستہ اور شگفتہ ترجمہ کا حق بھی ادا کر دیا امید ہے کہ ہماری طرح آپ بھی اسے پسند فرمائیں گے ۔

(ادارہ)

ڈاکٹر جانسن اٹھارہویں صدی کے انگلستان کے بہترین مفکر، نقاد، ادیب اور عالم تھے ۔ ان کے حلقۂ احباب میں سوانح نگار کی حیثیت سے جیمس باسول سب سے ممتاز ہیں، باسول کی لکھی ہوئی ڈاکٹر جانسن کی سوانح عمری (لائف آف ڈاکٹر جانسن) انگریزی زبان میں بہترین سوانح عمری تسلیم کی گئی ہے ۔

ذیل میں ڈاکٹر جانسن کے ایک خط کا جو باسول کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے ۔

عزیز من

میں یہ خیال کر کے شرمندہ ہوں کہ آپ کا محبت نامہ وصول ہونے کے بعد میں نے اتنے دن اس کا جواب دیئے بغیر گذار دیئے ۔

میرا خیال ہے کہ آپ کے شبہات بہ آسانی رفع کئے جا سکتے ہیں ۔ جن دلائل کی بنا پر آپ لندن آنے کے لئے آمادہ ہیں ۔ وہ معترض کی جواب دہی کے لئے کافی قوی نہیں ہیں ۔ یہ بات کہ دوران سال میں ایک بار آپ اس سرچشمۂ عیش و آگہی (لندن) تک آنے کی مسرت حاصل کریں بالکل فطری ہے ۔ لیکن عیش و آگہی دونوں کو معقولیت کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہئے جو لطف و تفریح بے موقع یا نامناسب اخراجات کے عوض میں حاصل کی جاتی ہے ۔ اس کا انجام ہمیشہ رنج و الم ہوتا ہے اور جو راحت دوسرے کی تکلیف کو نظر انداز کر کے طلب کی جاتی ہے کبھی اس لائق نہیں ہوتی کہ ایک معقول آدمی اس سے اچھی طرح لطف اندوز ہو ۔

جو فائدہ آپ لندن آکر حاصل کر سکتے ہیں وہ آپ اپنے وطن ہی میں کسی خاص علمی مطالعے میں مشغول رہ کر حاصل کر سکتے ہیں یا اپنی معلومات میں اضافہ کے لیے کوئی دوسری سبیل نکال کر اس کی تلافی کر سکتے ہیں۔ اڈن برا ابھی اہل علم سے خالی نہیں ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو یہاں (لندن) کوئی ایسی تفریح دستیاب نہ ہوگی جو اس قابل ہو کہ آپ اپنی آئندہ دولت و خوشحالی کا کوئی حصہ قبل از وقت صرف کر ڈالیں یا یہ کہ خود کو یا اپنی بیگم کو بقیہ سال کے لیے تنگدستی کی کفایت شعاری میں مبتلا کر دیں۔

مجھے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مسز باسول کی خواہشوں کی پاسداری آپ کی کہانتک ذمہ داری ہے یا یہ کہ آپ کو اس ہستی کی خوشی کی رعایت کس حد تک کرنی چاہئے جو آپکے اسباب راحت کی نگہداشت اس دل سوزی کے ساتھ کرتی رہی ہے اور جس کی مہربانی کی بدولت آپ اسقدر سامان عیش و مسرت سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔

انسانی معاشرے میں زندگی بغیر باہمی مراعات کے قائم نہیں رہ سکتی پار سال مسز باسول نے آپ کو سیر و تفریح کی اجازت دی تھی اس سال آپ ان کو اجازت دیجئے کہ وہ آپ کو گھر کا پابند رکھیں۔

آپ کا آخری استدلال اسقدر اہم ہے کہ میں اس کی مخالفت کے لئے تیار نہیں ہوں۔ دوران سال میں آپ کا کسی خاص مقام میں عبادت کا تصور یہودیوں کی نقل و تقلید ہے۔ ہر سال بیت المقدس کی جانب رجوع کرنا یہودیوں کے لئے فرض تھا مگر آپ کے لئے ایسا کوئی حکم خداوندی نہیں ہے لہذا آپ پر فرض بھی نہیں ایسے خیالات و عقائد کو جو صرف مکانی تقدس و عظمت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور جن سے شاید کوئی دیندار شخص خالی نہیں ہے بلا تامل اور بطیب خاطر قبول کر لینا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ان عقاید و خیالات نے دنیائے عیسائیت کے ایک بڑے حصے پر کیسے عجیب اثرات ڈالے ہیں میں یہ خط لکھ رہا ہوں اور آپ جب اسے پڑھیں گے تو خدائے حاضر و ناظر کی نظر میں پڑھ رہے ہونگے۔

وہم و گمان کو مذہبی امور میں کہاں تک دخل دینے کی اجازت دینی چاہئے یہ بات بحث طلب ہے۔ وہم و گمان بھی خدا کی دی ہوئی ایک دماغی صلاحیت ہے اور یہ بہت مناسب ہے کہ اس کی دی ہوئی تمام قوتیں اس کی شان کبریائی کی حمد و ثنا میں صرف کیجائیں اور ساری استعدادیں اس کی پرستش میں بروئے کار لائی جائیں لیکن ان صلاحیتوں کا اشتراک عمل اسی حکیم و دانا کی رضا کے مطابق ہونا چاہئے جس نے ان کو عطا کیا ہے اور اس قانون کے تحت ہونی چاہئے جو اس نے وضع کر دیا ہے۔

جس طرح مستحبات و نوافل خواہ وہ احتیاطی ہوں یا افادی فرائض کے مقابلے میں کمتر درجہ رکھتی ہیں اور جسطرح جسمانی ریاضت و عبادت ایمان و عرفان الٰہی کی صرف ایک علامت ہے۔ اور اس کی تابع ہے اسی طرح ہماری قوت واہمہ کو عقل و شعور کی متابعت میں عمل کرنا چاہئے۔ وہم و عقیدہ کو اپنا رفیق تو ہم بنا سکتے ہیں۔ لیکن ایک قائد و رہبر کی حیثیت سے ہمکو عقل ہی کی پیروی کرنی چاہئے۔

وہم ہمارے دماغ میں مخصوص مقامات میں کچھ مخصوص مکانی تاثرات پیدا کر دیتا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب عقل ہمکو بتائے کہ ان خاص مقامات اور ان عقیدتمندانہ خیالات کے درمیان کوئی فطری یا لازمی تعلق نہیں ہے تو ہمکو ہمیشہ عقل کی بات مان لینی چاہئے۔ جب ہم کسی گرجا میں داخل ہوتے ہیں تو عادتاً ہمارے ذہن میں عبادت کا تصور

پیدا ہوتا ہے لیکن کسی جگہ گرجا نہ ہونے کی صورت میں ہم کو عبادت ترک نہ کردینی چاہئے۔ کیونکہ ہمارا معبود حقیقی ہر جگہ موجود ہے اسلئے آپ کا عبادت کے لئے سنٹ پال گرجا آنا یا بیت المقدس جانا مفید تو ہوسکتا ہے مگر ضروری نہیں ہے۔

میں نے آپ کا خط کا جواب بے اتفاقی سے نہیں دیا ہے مجھے آپ کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے کہ میں آپ کے ساتھ بے پروائی کا برتاؤ کروں۔ جبکہ آپ سنجیدہ ہوں۔

میں ہوں آپ کا نہایت ....

سیموئل جانسن

مہر کی ادنیٰ مقدار

جابر رضہ کہتے ہیں نبی صلعم نے فرمایا ہے جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں دونوں ہاتھوں کو بھر کر ستو یا کھجوریں دے دیں اس نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حلال کرلیا (یعنی مہر معجل میں اس قدر بھی ادا کر دیا تو کافی ہے۔ (ابوداؤد)

عامر بن ربیعہ رضہ کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی فزارہ کی ایک عورت نے ایک جوڑہ جوتی پر ایک شخص سے نکاح کیا۔ نبی صلعم نے اس سے فرمایا کیا تونے اپنے آپ کو صرف دو جوتیوں کے حوالے کر دیا اور اسی پر راضی ہوگئی۔ اس نے کہا ہاں آپ نے اس نکاح کو باقی رکھنے کی اجازت دے دی۔ (ترمذی)

ستاروں
سے
آگے
جہاں
اور
بھی
ہیں
لیکن
انہیں دیکھنے
کے لئے
ضرورت
پڑتی ہے
چشم بینا کی
دنیا کی رنگینیوں کا نظارہ کرنے لطف اندوز ہونے کیلئے
صرف قابل اعتماد اور ماہر عینک ساز سے ہی اپنی عینکیں بنوائیں
اسلئے
خراب عینک آنکھوں کو نقصان پہونچاتی ہے
اور چہرے کو بدنما بنا دیتی ہے
ایس۔ ایم۔ حنیف آپٹیشین۔ حسرت موہانی روڈ کانپور فون نمبر 67635
یں۔ ماہرین کی نگرانی میں
عینکیں تیار کی جاتی ہیں
نظر اور دھوپ کے چشمے۔ پتھر کی آنکھیں۔ دوربین وغیرہ
کے لئے، ہماری خدمات سے فائدہ اٹھایئے۔

بزمِ مستورات

زیب النساء

شہباز الحسینی

شہنشاہ اورنگ زیب رح کی سب سے پہلی دختر زیب النساء کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ۔ شہباز الحسینی صاحب نے زیب النساء کی ادبی خدمات پر محققانہ انداز میں بحث کی ہے ۔ نیز زیب النساء کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کے بارے میں سیر حاصل تبصرہ کیا ہے ۔ حسینی صاحب کہاں تک اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں آپ مضمون کا مطالعہ کرکے خود ہی اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں ۔ (مدیر)

زیب النساء اورنگ زیب رح کی سب سے پہلی اولاد ہے جو دلرس بانو بیگم کے بطن سے ماہ شوال ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئی اور ۱۱۱۳ھ میں اس دنیا سے کوچ کر گئی ۔

زیب النساء کے متعلق غلط فہمیاں

اس کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دربار میں ایک ایسی اکاڈمی قائم کی تھی کہ جس میں ہر فن کے علماء اور فضلاء موجود تھے ۔ جو ہمیشہ تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہتے تھے ۔ جو کتابیں لکھی جاتی تھیں وہ زیب النساء کے نام سے موسوم ہوتی تھیں یعنی اس کتاب کے نام کا پہلا جزو زیب ہوتا تھا ۔ اسی وجہ سے اکثر تذکرہ نویسوں کو دھوکہ ہوا ہے کہ زیب التفاسیر جو تفسیر کبیر کا فارسی ترجمہ ہے ۔ زیب النساء کی مستقل تصنیف ہے ۔ حالانکہ یہ ملا صفی الدین کی تصنیف ہے جس کو انھوں نے شہزادی کے حکم سے لکھا تھا ۔ چنانچہ علامہ شبلی رح لکھتے ہیں ۔

" زیب النساء نے جو کتابیں تصنیف کرائیں ان میں زیادہ قابل ذکر تفسیر کبیر کا ترجمہ ہے ۔ یہ مسلم ہے کہ تفسیروں میں امام رازی کی تفسیر سے زیادہ جامع کوئی تفسیر نہیں ۔ اس لئے زیب النساء نے ملا صفی الدین اردبیلی کو جو کشمیر میں مقیم تھے حکم دیا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ کریں ۔ چنانچہ اسکا نام زیب التفاسیر رکھا گیا ۔

(مقالات شبلی تاریخی حصہ اول جلد پنجم ص ۱۰۱)

اس وجہ سے کسی تذکرہ نویس کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ زیب التفاسیر زیب النساء کی مستقل تصنیف ہے ۔

زیب النساء کے متعلق دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ وہ مخفی تخلص کرتی تھی اور دیوان مخفی جو چھپ چکا ہے اسی کا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس دور میں جو تاریخیں اور تذکرے لکھے گئے ہیں اس میں اس کے تخلص یا دیوان کا ذکر نہیں ہے ۔ ید بیضا جو اسی دور کی تصنیف ہے اس کے مصنف جناب غلام علی آزاد نے لکھا ہے کہ :-

"ایں دو بیت از نام او مسموع شدہ"۔ پھر یہ دو شعر نقل کئے ہیں ؎

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد
کور بہ چشمے کہ لذت گیرد۔ دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت
غنچۂ باغ دل ما زیب دستارے نشد

سوال یہ ہے کہ اگر اس کا دیوان ہوتا تو آزاد صاحب دو ہی شعر کا ذکر کیوں کرتے ؟

نیز ملا سعید اشرف کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام ضائع ہو گیا ہے۔ کیونکہ مخزن الغرائب کے مصنف احمد علی سندیلوی نے اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زیب النساء کی بیاض خاص جسکا نام "ارادت فہم" تھا ایک خواص کے ہاتھ سے حوض میں گر پڑی۔ اس پر انھوں نے معافی طلب کرتے ہوئے یہ قطعہ کہا ہے ؎

آں بیاض خاصۂ شاہی کہ در اطراف آں
جانے افشاں نقطہائے انتخاب افتادہ است
آں مرصع خواں گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر
ندا نا ظش سی آب و تاب افتادہ است

دوش از دست ارادت فہم خاکم در دہن
چوں بیاض سینۂ ماہی در آب افتادہ است
نے ہمیں از معدن رفت لعل آب دار
گوہر غلطاں ہم از چشم سحاب افتادہ است
بحر شعر آبدارش تازہ طوفاں کردہ است
کشتیش در چار موج اضطراب افتادہ است
گوئیا از سر بدر رفت است آیہ جد وکش
کایں چنیں گلزار اشعارش خراب افتادہ است

آہ ازیں غم در دل پیر و جواں پیچیدہ است
لرزہ زیں ہیبت بجان شیخ و شباب افتادہ است
من چہ گویم کاں مژگاں شد دش بر گشتہ بخت
در تپ ایں غم جہاں از خورد و خواب افتادہ است
ناں زماں بازار پریشاں حالی و آشفتگی
ہمچو زلف خویشتن در پیچ و تاب افتادہ است

زیب النساء کے متعلق جھوٹے قصے

یوں تو یورپین مصنفوں نے بکثرت ایسے واقعات گڑھے ہیں کہ جن مسلمان عورتوں کی عفت و عصمت کو صدمہ پہونچتا ہے اور ان کے ناموس کا خون ہوتا ہے مگر سردست ان تمام واقعات کو چھیڑنا نہیں کیونکہ عنوان اس کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس واقعہ سے تعرض کرنا ہے جو شہزادی زیب النساء کے متعلق مشہور ہے جس کو یورپین مصنفوں نے خوب شہرت دی ہے۔ واقعہ اس طرح گڑھا گیا ہے :-

"زیب النساء اور عاقل خاں دونوں عاشق و معشوق تھے اور وہ عاقل کو خفیہ طور پر اپنے محل میں بلایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ اورنگ زیب کو معلوم ہوا کہ عاقل خاں حمام کی دیگ میں چھپا دیا گیا ہے۔ اورنگ زیب نے انجان بن کر حکم دیا کہ حمام کی اسی دیگ میں پانی گرم کیا جائے۔ چنانچہ آگ دہکائی گئی اور عاقل خاں جل بھن کر رہ گیا مگر اخفائے راز کے لئے اُف نہ کیا۔ مرتے دم یہ مطلع کہا ؎

بعد مردن زجفائے تو اگر یاد کنم
از کفن دست بروں آرم و فریاد کنم

پوچھ رہا تھا " میاں آپ کہاں سے شروع ہوئے ہیں اور کہاں پر ختم " مزاح کے ایسے جملے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ ان کے کسی مضمون یا کتاب میں نہیں ملیں گے۔ بلکہ مخصوص مواقع پر بیساختہ ان کی زبان سے نکل گئے ہیں۔ اپنے مزاح پر خود ان کا تبصرہ یہ ہے سے۔

روتے روتے مرے ہنسنے پہ تعجب کرو
ہے وہی ذکر مگر دوسرے انداز سے ہے۔

فرقت صاحب کے اس آرٹ پر جتنی بھی تنقیدیں لکھی جائیں کم ہیں۔ اقبال نے ایک جگہ آرٹ پر اظہار خیال کرتے ہوئے بڑی ہی پر مغز بات کہی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے:۔

" جو آرٹسٹ زندگی کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ انسانیت کے لئے باعث برکت ہے۔ وہ تخلیق میں خدا کا ہمسر ہے اور اس کی روح میں زمانہ اور احدیت کا پرتو منعکس ہوتا ہے "

فرقت صاحب کا ادب اور آرٹ اخلاقی مقاصد کیلئے ہے۔ وہ سطحی تخلیقات کے قائل نہیں جو کچھ بھی پیش کرتے ہیں کسی مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے ہر جملے میں زندگی کے ہزاروں شعلے بھڑکتے ہیں۔ وہ ہر نفس بزم آب و گل میں تازہ شمعیں جلاتے رہتے ہیں جس کی روشنی دلکش بھی ہوتی ہے اور راہنما بھی۔ یہ بات ناخدائے سخن پر غالب اور ان کے پہلے اور ان کے بعد کے تمام عظیم ادیبوں اور شاعروں پر نیز دوسرے اصناف کے فن کاروں پر صادق آتی ہے۔ ان کے فقروں میں طنز کی ایسی چاشنی ہوتی ہے جس کی لطافت صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔ ایک مرتبہ کچھ دن پہلے لکھنؤ میں ایک مشاعرے کا انعقاد ہوا۔ میرے والد محترم نے فرقت صاحب کو خط لکھا کہ وہ شرکت کریں۔ جواب میں جو خط آیا وہ مکمل تو یاد نہیں صرف ایک جملہ یاد رہ گیا جو طنز و مزاح کی اچھی مثال کہا جاسکتا ہے کہ:۔

" شاعر کھانا گھر سے کھا کر آئیں گے یا یو۔پی کے قحط زدوں کی گھاس سے ان کو نوازا جائے گا "

یہ جملہ جس میں یو۔پی کے اس قحط کا ذکر تھا جو سرمایہ داروں اور ذخیرہ اندوزوں کی مہربانی سے یو۔پی میں پڑ رہا تھا اس پر گویا بھرپور طنز تھا۔ جس وقت پیغامات کے ساتھ پڑھا گیا مشاعرہ میں شریک بہت سے مجرم چہروں کے اتر گئے۔

اسی طرح کا ایک اور خط انھوں نے والد کو لکھا جس میں اپنے ایک مضمون کے نقل کرنے کی فرمائش کی تھی۔ مضمون نقل کرنے کا کام میرے سپرد تھا۔ خط والد صاحب کے نام تھا۔ لکھا تھا:۔

" اگر میرا یہ کام ہوگیا تو میں تمہارا تم سے لے کر اس چارپائی تک کا ممنون ہونگا۔ جو تمہارے صحن میں جنگلہ پڑی تم سے اور تمہاری بیگم سے اپنا دودھ بخشواتی رہتی ہے "

مزاح نگاری کا یہ انداز اور ادب میں صرف فرقت صاحب کو ملا ہے۔ جس میں بعض بعض جگہ پر گھریلو بول چال کا اس عمدہ استعمال ہوتا ہے کہ جس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فرقت صاحب نے کس خوبصورت انداز سے گھریلو محاورات کو استعمال کیا۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا جب انھوں نے سنجیدہ شاعری بھی کی ہے۔ یہ دور ان کی زندگی کا بہترین دور ہے۔ اس زمانہ میں وہ رات کی تاریکیوں میں محبت کے ٹوٹے ہوئے تعلقات

کو یاد کیا کرتے ۔ اور مزرعِ شب کے خوشہ چینوں سے کہا کرتے کہ جس طرح تم رات کے مسافر ہو، میں بھی ایک بھٹکتا ہوا ایک راہی ہوں ۔ نہ تم کو منزل ملتی ہے نہ مجھکو ۔ میں اپنے مذاقِ طرب آگیں کا شکار ہوں اور تم اپنی ضوفشانی اور روشنی کے اسیر شبنم اس دور میں روز بلا بن کر آتی تھی ۔ لیکن دن کے اجالوں کے ساتھ پھر وہی ہنسنا اور ہنسانا ۔ کوئی نہیں جان پاتا کہ یہ شخص رسمی اصطلاح میں نہیں بلکہ حقیقتاً جبر شب گزار رہا ہے ۔ اور اسنے رات کس طرح گذاری ہے ۔ ان کی مسکراہٹیں زبانِ حال سے کہتیں ہیں ؂ ۔

یہ عشق جو بخشی ہوئی دولت ہے خدا کی
سب کہتے ہیں آزار ہے معلوم نہیں کیوں

دن کے ہنگامے اکثر ان سے کہتے کہ تم رات کیسے گزاروگے ۔ لیکن پھر اسی عزم کے ساتھ رات کا مقابلہ کرتے اور طلوعِ سحر کی پہلی کرن کا روز استقبال مسکرا کر ہی کرتے ۔ آج تک یہ سمجھ میں نہ آیا کہ رات کے اس جاگنے کے بعد وہ اتنے تازہ دم کیسے رہتے ہیں ۔ نیند انھیں اب بھی نہیں آتی لیکن اب تو عادت سی پڑ گئی ہے ۔ شروع میں اتنا ظرف ہونا واقعی کمال ہے ۔ ان کی سنجیدہ شاعری جو کہ بہت مختصر ہے اس کے دو اشعار یاد رہ گئے ہیں جو پیش ہیں ؂ ۔

ہچکیاں آئیں تو ہے عالم کہ فرصت یاد نہ کر
خود تو وہ یاد کرے ہم سے کہیں یاد نہ کر

جہاں کو بخش دے خوشیاں میرے مقدر کی
میرے لئے ستم روزگار رہنے دے

پہلے شعر میں محبوب کی جفا پسند طبیعت کا بیان اس طرح کیا کہ جبر و اختیار کے مسئلہ پر بھی روشنی پڑ گئی ۔ اس شعر میں بتائے گئے حال کو اس وقت محسوس کیا جا سکتا ہے جب اصلیت میں ہچکیاں آئیں ۔ اور ہچکیاں آنے میں کسی کو یاد کرنے کا روایتی عقیدہ مدنظر ہو ۔ اس لئے ان ہچکیوں کو محبوب سے وابستہ کر دینے نے اس شعر کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے ۔ دوسرے شعر میں عزم و ہمت کا بیان ہے ۔ کاتبِ تقدیر سے کہہ دیا کہ میرے مقدر کی ساری خوشیاں دنیا کو دیدی جائیں تاکہ دنیا میں کوئی غمزدہ نہ رہے ۔ مجھے اپنے غموں سے محبت ہے مجھے اسی میں لطف ہے ۔ سوزِ عشق کی تپش، دردِ محبت کی تڑپ جو عرصے سے میرے غمگسار رہے نہ اب میرا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں نہ میں ان کا ۔ ستم روزگار میں رہتے رہتے اب احساس ہونے لگا ہے کہ یہیں کرم یار بھی ہے اور نشاطِ روح بھی ۔ یہ شعر فرحت صاحب کی زندگی کا آئینہ دار ہے ۔ بقول جگر ؂

دوست دشمن ہو شریکِ درد و غم میرا
سلامت میری گردن پر رہے بارِ الم میرا

"سلامت میری گردن پر رہے بارِ الم میرا" اور ۔ "میرے لئے ستم روزگار رہنے دے" میں اچھی خاصی مطابقت ہے ۔ جذبات کی روح ایک ہے ۔ تمنا کی نوعیت میں تھوڑا سا فرق ہے ۔ جہاں کو اپنے مقدر کی سب بخشنے کے لئے تو ہر وقت انسان تیار رہتا ہے لیکن خوشی کسی کو بخشنا مشکل ہی نہیں ناممکن کام ہے ۔ اس کے لئے اعلیٰ ظرف کی ضرورت ہے ۔ فرحت صاحب کا ظرف صرف ذکر کر دینے کے قابل نہیں ۔ واقعی قابلِ مثال اور ان کی شخصیت کا ایک بہت ہی اہم حصہ ہے ۔

فرحت صاحب کی شخصیت کا بہترین وصف ان کا جذبۂ حوصلہ افزائی ہے ۔ جسکے ذریعے وہ بہت سے باصلاحیت

لکھنے والوں کو گوشۂ گمنامی سے باہر نکال کر سب کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کے لئے وہ اپنے خاص رسوخ استعمال کرنے میں کبھی پس وپیش نہیں کرتے۔ ان میں ادب کی نمایاں لعنت رشک وحسد نام کو نہیں ہے۔ اس رشک وحسد کا شکار تقریباً اردو کا ہر شاعر اور ادیب ہے آج بھی ہے اور ہمیشہ رہا۔ یہی جذبہ بنیاد ہے اس باہمی نا اتفاقی کی جسکو ہم ادبی یا شاعرانہ چشمک کا نام دیتے ہیں۔ اسی جذبہ نے نہ جانے کتنے مفید دیوان دیمک کی نذر کرا دیئے جو قلمی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی زبردست ادبی اضافہ بھی تھے۔ اسی نے ہزاروں ادبی کاوشوں کو اندھیروں میں گم کر دیا۔ فرقت صاحب میں جہاں دوسری خوبیاں ہیں وہاں ادب کی پرکھ اور تنقیدی نظر بھی بڑی عمیق ہے۔ وہ جس ابھرتے ہوئے ادیب میں صلاحیت پاتے ہیں اس کو ادبی دنیا سے متعارف کرنے کی ہر ممکن کوشش بڑی ہی خاموشی سے کرتے ہیں۔ ان کو کسی بات کی لالچ نہیں ہوتی اور ان کا یہ امر قطعی بے لوث جذبات پر مبنی ہوتا ہے وہ دوسروں کے لئے کام کر دینے میں پس وپیش نہیں کرتے اور اپنا کام لینے میں مشکل ہی سے کسی سے مدد طلب کرتے وہ مانگے ہوئے چراغوں میں روشنی نہیں چاہتے بلکہ اپنے عزم سے خود اجالے پیدا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات اس بات کے شاہد ہیں۔

فرقت صاحب کی نثر اور ان کے طنز و مزاح میں اصلاحی پہلو بھی ملتے ہیں۔ اگر اکبر الہ آبادی اور ظریف لکھنوی کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کو سلیس نثر میں تبدیل کر دیا جائے تو یقیناً وہ نثر فرقت صاحب کی نثر ہوگی اور اس کا دخل کو ہم بنیاد کہہ سکیں گے۔ اس جذبہ ستش کی جو ان [illegible] شعراء کے دلوں کی گہرائیوں میں پنہاں تھی در حقیقت نام اصلاح ہے۔ یہ اصلاح ہر زمانے میں مختلف طریقے سے کی گئی ہے۔ اور کی جاتی رہے گی۔ اکبر نہ رہیں، نذیر احمد روپوش ہوں لیکن روح کہاں مر سکتی ہے۔ وہ زندہ ہے اور ابد تک زندہ رہے گی فرقت صاحب اصلاح سوسائٹی بذریعہ طنز کرتے ہیں۔ کچھ لوگ لمبی لمبی تقریروں کو اس کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن وہ اتنے کامیاب نہیں ہوتے جتنے وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کی بات سوچنے کے زاویئے بدلنے میں اتنی تیز اثر نہیں ہوتی جتنی طنز نگاری میں مضمر تاثیر۔ یہ جتنا بھی طنز ہے یہ ایک کوشش ہے جسکے ذریعہ وہ سماج کی سیاست کے تاریک پہلوؤں کو روشنی میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔ جیسے ان کا ایک شعر ہے ؎

سرکار کے لڑکے کبھی ہندی نہیں پڑھتے
ہندی کی پرستار ہے سرکار ہماری۔

اس شعر میں ان نعروں کے کھوکھلے پن کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعہ بڑے بڑے نیتا ہندی کی حمایت میں تقریریں کرتے ہیں اور عملی دنیا میں ان کے لڑکے انگریزی اسکولوں میں پڑھ کر اور اعلیٰ تعلیم کیلئے بجائے ہندوستان میں رہ کر یہاں کی ترقیوں میں حصہ لینے کے لندن اور امریکہ چلے جاتے ہیں۔ ایسے لڑکے جب لوٹ کر آتے ہیں اور کسی قابل بنتے ہیں تو صرف پیسہ کماتے ہیں۔ ان کو ملک کی سماجی حالت کا قطعی علم نہیں ہوتا۔ وہ ہندوستان میں رہ کر یورپ کا لباس پہنتے، وہیں کی بولی بولا کرتے ہیں۔ اور ہندوستان کی غریبی ویسے ہی قائم رہتی ہے۔ اور ان نیتاؤں سے فریاد کرتی ہے کہ یہاں کا خون چوسنے کے بجائے اس طرح بچوں کو تعلیم دو کہ وہ یہاں کی مشکلات کو سمجھ کر ان کا حل کریں نہ کہ اس طرح کہ بچپن سے امارت کے ماحول میں انگریزی اسکولوں میں پڑھے اور [illegible] یورپ کی چمک دمک میں کھو گئے۔ ایسے لوگ اس دیش کے کیا [illegible] گے۔

ان کی فیملی پلاننگ والی نظم ناعاقبت اندیشی اور نااہلی کے

خلاف طنز و مزاح میں چھپی ہوئی ایک بڑی بامعنی اور بلیغ آواز ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ بچوں کو کھلانے اور پلانے کی ذمہ داری سرکار کی ہے۔ انسان ایک ساتھ دو کام نہیں کر سکتا کہ وہ بچے بھی پیدا کرے اور بیٹھ کر سوچا کرے کہ یہ سب کہاں سے کھائیں گے۔ اور کپڑے کیسے پہنیں گے۔ یہ نظم بیک وقت ہندوستان کے پست سماج کی تصویر کشی بھی کرتی ہے اور ایک اصلاح بھی ہے جسکو اگر زیادتی محض سمجھا جائے۔ اس نظم میں مزاح بھی ہے اور طنز بھی۔ مزاح ایسا بھرپور کہ ہنستے ہی رہیے اور طنز اتنا پراثر کہ سمجھنے والا برسوں اس کی چبھن محسوس کرے۔ فرقت صاحب علامہ آرزو لکھنوی کے شاگرد رشید ہیں۔ ان کی ادبی تصنیف مدارا، ناروا، صید و ہدف، کف گلفروش، غالب خستہ کے بغیر، قند مکرر، اردو شاعری میں طنز و مزاح، مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں مشہور ہیں۔

شخصیات

کیف بھوپالی سے ایک ملاقات

عرفان زیدی

حضرت عروج زیدی بدایونی ملک کے علمی و ادبی حلقوں کے لئے محتاج تعارف نہیں ہیں۔ عزیزی عرفان زیدی انہیں کے صاحبزادے اور رنگ سنگ کے خصوصی کرم فرما ہیں۔ وہ نہ صرف وقتاً فوقتاً اپنے محترم اور قابل احترام پدر بزرگوار کے کلام بلاغت نظام سے رنگ سنگ کو نوازتے رہتے ہیں بلکہ رنگ سنگ کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے اور بڑھانے میں دلچسپی رکھتے ہیں، ماشاء اللہ وہ خود صاحب علم و قلم ہیں امید ہے کہ جناب کیف بھوپالی کی شخصیت و شاعری کے متعلق ان کا یہ مضمون دلچسپی سے پڑھا جائے گا (ادارہ)

حضرت کیف بھوپالی کا شمار اردو کے ترقی پسند شعراء میں ہوتا ہے وہ ہمعصر شعراء میں منفرد حیثیت کے مالک ہیں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اتنا سلیس اور عام فہم ہے کہ ہر شخص غزل سننے کے بعد ان کا مداح ہو جاتا ہے ان کی شاعری موجودہ غزل کے خلاء میں گونج پیدا کر چکی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ غزل کے فن پر کیف صاحب کی گرفت مضبوط ہے ان کے خیالات میں گہرائی ہے۔ اردو کے انتھک خدمت گذار اور نام و نمود سے دور بھاگنے والے شاعر کی مخلصانہ کوششوں کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ کیف صاحب جتنے اچھے شاعر ہیں اتنے ہی اچھے انسان بھی ہیں بیک وقت ایک شخص میں دونوں خوبیاں بہت کم پائی جاتی ہیں۔

کیف صاحب کی آواز اور کلام نے نہ صرف ملک بلکہ احباب کے ایک بڑے حلقہ کو متاثر کر رکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ انتہائی دلکش اور دل آویز شخصیت کے مالک ہیں۔ مجھے اکثر ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور گھنٹوں بات چیت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ رام پور تشریف لاتے ہیں تو عموماً غریب خانہ ہی کو زینت بخشتے ہیں۔ اکثر ان سے گفتگو کرتے وقت جی چاہا کہ الفاظ کے ذریعہ ان کی پرکشش شخصیت کی تصویر صفحۂ قرطاس پر اتاروں اور جس طرح میں ان سے متاثر ہوں اس طرح دوسروں کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کروں۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ خواہش و کوشش کے باوجود عرصہ تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ کبھی وہ مصروف رہتے کبھی میں لیکن آخر کب تک؟

ایک دن نماز ظہر اور تلاوت، قرآن پاک سے فارغ ہو کر میں نے

انہیں "انٹرویو" کے لئے راضی کر ہی لیا میں "خامہ بدست" حاضر ہو گیا انہوں نے بھی تکلف آمیز "گفتار" پر آمادہ ہونے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ اور ہمارے درمیان سوال وجواب کا سلسلہ چل پڑا۔

عرفان۔ حضرت آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

کیف۔ کیا یہ بھی بتانا پڑے گا کہ کیوں پیدا ہوا؟ اصل نام کیا ہے؟

عرفان۔ قبلہ آپ تو خود بہت زیادہ سمجھدار انسان ہیں میرے سوال کرنے کا مقصد ہی یہی ہے

کیف۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کوئی ڈھنگ کا سوال کیا ہوتا۔

خیر۔ اسکے بعد کیف صاحب حافظہ پر زور دیکر بولے "پورے وثوق کے ساتھ نہیں البتہ یادداشت کے سہارے بتاتا ہوں۔ میں سنہ ۱۹۲۰ء میں جھوائی ٹولہ لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ پھر بھوپال آگیا اب یہی میرا وطن ہے۔"

عرفان۔ کیف صاحب آپکا اصلی نام کیا ہے؟ کچھ اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں بھی بتانے کی زحمت کیجئے۔

کیف۔ میرا نام خواجہ محمد ادریس ہے۔ جہاں تک آباؤ اجداد کا سوال ہے تو میں کہوں گا کہ کسی فنکار سے اس قسم کا سوال نہیں پوچھنا چاہئے اوّل تو اس دور کا فنکار اس سلسلہ میں بہت کم جانتا ہے اور وہ جاننا بھی نہیں چاہتا فرض کیجیے کسی کے بزرگ موچی تھے تانگہ چلاتے تھے مزدوری کرتے تھے تو وہ اس سلسلے میں کیا روشنی ڈالے گا اس طرح اگر کیف بھی کسی دھوبی۔ بھشتی یا موچی کا بیٹا ہو تو اس سے کیا اثر پڑتا ہے لہٰذا اس سوال کو چھوڑ دیں تو بہتر ہے۔ البتہ اتنا سن لیجیے کہ ہم سب انیس بہن بھائی تھے جس میں صرف ایک بہن تھی اور اٹھارہ بھائی تھے لیکن اس وقت چار بھائی ہیں ایک مجھ سے بڑے دو چھوٹے ہیں۔

عرفان۔ کیف صاحب آپکا گھریلو ماحول شاعرانہ ہے؟ آپ نے شاعری کب شروع کی؟ آپ بتا سکتے ہیں کہ پہلا شعر کب اور کیوں کہا تھا۔ ؟

کیف۔ میری والدہ شاعرہ تھیں ان کے زیر سایہ پروان چڑھنے کے ساتھ ایک تحفہ بھی ملا اور وہ تحفہ تھا شاعری میں نے ان کی صحبت میں رہ کر شعر کہنا شروع کر دیا۔ غالباً پہلا شعر یہ تھا۔

کھلتی نہیں ہیں اسلئے کلیاں گلاب کی
گردش میں آگئی ہے تپش آفتاب کی

عرفان۔ آپ نے تعلیم کہاں کہاں پائی اور کس حد تک حاصل کی؟ آپ کی ادبی زندگی پر تعلیم کا کیا اثر پڑا۔؟

کیف۔ اردو۔ عربی۔ فارسی۔ گھر پر پڑھی۔ باقاعدہ کوئی سند حاصل نہیں کی۔ انگریزی سمجھ سکتا ہوں اور بول بھی لیتا ہوں۔ یہی نہیں اگر ضرورت پڑے۔ تو بڑی روانی کے ساتھ لکھ بھی سکتا ہوں انگریزی کی تعلیم اپنے طور پر خود حاصل کی ہے۔ ہندی زبان پر بھی قدرت رکھتا ہوں۔ غزلوں میں ہندی کے الفاظ روانی کے ساتھ نظم کر لیتا ہوں۔

عرفان۔ کیف صاحب آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے۔؟

کیف۔ میں نے سرکاری ملازمت بھی کی ہے اور نوابزادوں کا اتالیق بھی رہا۔ میرا اپنا ذاتی کوئی مکان نہیں البتہ میری بیوی کے نام ایک مکان ہے وہی کل کائنات ہے اسکے علاوہ کچھ زمین بھی ہے جس پر کاشت ہوتی ہے

عرفان۔ آپ کا زیادہ تر وقت باہر گزرتا ہے بچوں کی نگرانی کون کرتا ہے ؟

کیف۔ عرفان میاں! یہ حقیقت ہے کہ مجھے اپنا ہوش نہیں رہتا ہے جس جگہ چلا گیا وہاں ایک دو ماہ تک رکنا پڑ جاتا ہے۔ یہ میرے مشرب میں داخل نہیں ہے کہ کسی کو ناراض کروں

جس نے خلوص سے رکھنے کی دعوت دی قبول کرلی اتنا ضرور کرتا ہوں کہ مشاعروں سے جو رقم ملتی ہے اس میں سے اپنے خرچ کے لئے روک کر بقیہ رقم فوراً کسی سے منی آرڈر کرادیتا ہوں جیسا کہ آپ نے خود دام پور سے کیا ہے۔

میری شریک حیات انتہائی باوقار اور پڑھی لکھی عورت ہے وہ ایک اچھی گھر والی ہے اس وقت میرے چار بچے ہیں ایک لڑکی بعمر تین سال، لڑکا بعمر چھ سال، دو لڑکیاں دس اور بارہ سال کی ہیں۔ تین بچے زیر تعلیم ہیں۔ بڑی بچی ہائی اسکول کی طالبہ ہے۔ بڑی لڑکی کا نام پروین کیف اور چھوٹی کا نام شاہین کیف ہے۔ پروین کیف نے شعر و شاعری کے ساتھ افسانہ نگاری میں بھی دلچسپی لینا شروع کردی ہے۔ ترقی پسند ادب سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ کہانیاں خوب لکھتی ہے جو ملک کے بیشتر ادبی رسائل میں شائع ہوچکی ہیں۔ ترنم سے پڑھنے میں مجھ سے بھی بہت آگے ہے۔

عرفان۔ کیف صاحب! کیا پروین کیف کو آپ مشاعروں میں شرکت کرنے کی اجازت دیں گے؟

کیف۔ جب تک وہ میرے گھر میں صرف میری بیٹی کی حیثیت سے ہے اس وقت تک اسے مشاعروں میں شرکت کی اجازت نہیں مل سکتی۔ شریف گھرانے کی بچیوں کے لئے مشاعروں میں شرکت کرنا انتہائی توہین کی بات ہے۔

عرفان۔ آپ کو شرف تلمذ کس سے حاصل ہے؟

کیف۔ میں نے اپنا کلام کسی کو نہیں دکھایا۔ اس میدان میں میری رہنما صرف میری والدہ ہیں۔ اگر ان کے بعد کسی نے مشورہ دیا ہے تو وہ ذات میرے ماموں جناب ذکی وارثی صاحب کی ہے۔

عرفان۔ کیف صاحب آپ کے شاگردوں کی تعداد کتنی ہے؟

کیف۔ میں استادی شاگردی کا قائل نہیں۔ مشورہ سے لینے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ زیادہ تر طبقہ نوجوانوں کا ہے۔ میری شاعری تحریکی شاعری ہے۔ جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ اردو نواز پیدا کرنا ہے۔ میں ہندوستان کے جس علاقے میں بھی گیا ہوں وہاں کے غیر مسلم انسان اور سامع میرے کلام کے مداح اور معترف نظر آتے ہیں۔ بعض انھوں نے اپنی خصوصی محفلوں میں دعوتِ شرکت دی ہے۔

ہاں خوب یاد آیا ایک مرتبہ علامہ سیماب اکبر آبادی نے اپنے شاگردوں کی فہرست میں میرا نام لکھ دیا تھا جبکہ میرا ان سے اس طرح کا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا تھا جب میں نے ان کو لکھا۔ انھوں نے بڑی محبت سے خط کا جواب دیا اور اس کی تردید کر دینے کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن انھوں نے نہ اس کی تردید کرائی اور نہ ہی میں نے پھر کبھی اس طرف توجہ دلائی

عرفان۔ کیف صاحب آپ نے اپنے دور کے کن شعرا سے ملاقات کی اور کس کے کلام سے متاثر ہیں۔؟

کیف۔ ہندو پاک کے بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت کرچکا ہوں۔ جہاں اپنے دور کے مشاہیر شعرا سے ملاقات ہوئی چند نام ذہن میں ہیں۔ علامہ اقبال۔ حفیظ جالندھری۔ نوح ناروی۔ داغ۔ جوش ملیح آبادی۔ سیماب اکبرآبادی۔ اصغر گونڈوی۔ فانی بدایونی۔ جگر مرادآبادی۔ مانی جائسی۔ نظم آفندی۔ وغیرہ وغیرہ۔

جناب مبین احسن جاذب میرے قریبی دوستوں میں ہیں۔ مولانا ماہر القادری۔ مدیر فاران کراچی اور حضرت عروج زیدی کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ان حضرات کے کلام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ یہ لوگ بھی مجھ پر بہت کرم فرماتے ہیں۔

شروع میں رومانی شاعری نے بہت متاثر کیا لیکن

علاوہ دوسرے موضوعات پر کہنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بھوپال پہلی اور آخری تربیت گاہ ہے جہاں پر شاعری کی صحیح سمت متعین ہوئی۔ ترقی پسند ادب کی تحریک نے متاثر کیا اور میں اس سے قریب ہوتا چلا گیا۔ ہندوستان کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں شاعرے میں شرکت کے لئے نہ گیا ہوں۔

عرفان۔ آپ کا مستقل قیام کس جگہ رہتا ہے۔ میری نوٹ بک پر آپ نے تین پتے تحریر کئے ہیں۔ بھوپال بمبئی اور الہ آباد۔ مگر خط کا جواب ہمیشہ دوسری جگہوں سے ملا ہے۔؟

کیف۔ فنکار کا کوئی گھر اور کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ لوگوں کے دلوں میں رہتا ہے۔ تخلیق فن اس کا مشرب ہوتا ہے۔

عرفان۔ آپ کی نظر میں زندگی کی اعلیٰ قدریں کیا ہیں؟

کیف۔ سچائی۔ شرافت نفس اور سلامت روی کو میں بہت اہمیت دیتا ہوں حق بات کہنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا میرے نزدیک زندگی کی اعلیٰ ترین قدر ہے۔

عرفان۔ قدیم اور جدید شعراء میں آپ کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔؟

کیف۔ میری نظر میں۔ میر۔ غالب۔ مومن۔ انیس داغ اقبال چکبست اور فانی کی زیادہ اہمیت ہے جدید شاعری ابھی اپنی ارتقائی منازل میں ہے۔

عرفان۔ کیف صاحب آپ فلمی دنیا سے بھی وابستہ ہیں۔؟

کیف۔ میں اس وقت تک سو فلموں کے گیت لکھ چکا ہوں۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ کوئی بھی فلم اس قابل نہیں ہوئی جو میری شہرت کا سبب بن جاتی۔ کمال امروہوی کی پہلی فلم "محبوبہ" کے گیت لکھے وہ آج تک ڈبوں میں بند ہے "دوبارہ" انارکلی کے گیت لکھنے کا موقع ملا جس کا سنگیت انل بسواس نے تیار کیا تھا۔ وہ بھی ریلیز نہ ہوسکی جس کا ایک گیت لتا منگیشکر نے گایا تھا بول تھے۔

الٹا بھی ہے ملاح بھی ہے کشتی ہے کہ ڈوبی جاتی ہے
ہم ڈوب تو جائیں گے لیکن دونوں پہ ہی تہمت آتی ہے

ہلی تھیئٹر کی فلم "صیاد" میں بھی میرے گیت تھے کمال امروہی کی فلم "دائرہ" کے گیت بھی میرے ہی تھے۔ اسکے علاوہ قسمت پلٹ کے دیکھ" اور "ڈاکو" کے گیت بھی لکھے تھے فلم "پاکیزہ" میں بھی میرے گیت شامل ہیں۔

فلمی شاعر کی حیثیت سے اسوقت تک گمنامی میں پڑا ہوں جبکہ بمبئی کے موجودہ فلمی شاعروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے مجھ سے ایک دو گیت اپنے نام سے لکھوائے تھے جو فلم بینی طبقے میں بہت مقبول ہوتے ہیں۔ چونکہ نام دوسروں کا تھا اسلئے شہرت کے حقدار بھی وہی رہے۔

عرفان۔ شعر کہنے کے لئے آپ کو کسی خاص موڈ کی ضرورت پیش آتی ہے۔؟

کیف۔ نظم یا غزل کہتے وقت اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کرتہ اتار دیتا ہوں صرف بنیان اور تہبند بہنے لیٹ کر شعر کہتا ہوں اگر بے تکلف دوستوں کا ساتھ ہو جاتا ہے۔ تب بہت تیز شعر کہتا ہوں۔

عرفان۔ موجودہ دور کے شاعروں میں آپ سب سے زیادہ کس کو پسند کرتے ہیں؟

کیف۔ غیر مسلم شعراء میں کالیداس۔ تلسی داس۔ میرا بائی کبیر گرو نانک اور ٹیگور کا مطالعہ کر چکا ہوں اور متاثر ہوا ہوں موجودہ دور کے اردو شعراء میں۔ اختر الایمان۔ میراجی۔ ساحر لدھیانوی سردار جعفری۔ فیض احمد فیض۔ کو پڑھتا ہوں اور لطف

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ جس قدر مشہور ہے اسی قدر بے سروپا ہے ۔ کیونکہ عاقل خاں اور زیب النساء کے متعلق اس دور میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس کا تذکرہ نہیں ہے ۔ مآثرالامراء جس میں عاقل خاں کے مفصل حالات درج ہیں اس میں اس واقعہ کا نام و نشان تک نہیں ۔

جن کتابوں میں ان دونوں کے حالات مل سکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں :۔

(۱) عالمگیر نامہ

(۲) مآثر عالمگیری

(۳) خزانۂ عامرہ

(۴) سرو آزاد

(۵) ید بیضا

مگر ان کتابوں میں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق نہیں ہے ۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے ان یورپین مصنفوں پر جنھوں نے دعویٔ تحقیق کے باوجود اس بے سروپا واقعہ کو قلمبند کیا ہے ۔

اس سے زیادہ حیرت ان بازاری اہل قلم مسلمانوں پر ہوتی ہے جنھوں نے تجارتی غرض سے اپنی کتابوں اور لٹریچروں میں ہو بہو وہی واقعہ نقل کر دیا ہے جس کو یورپین مصنفوں نے مسلمان عورتوں کے دامن عفت کو داغدار کرنے کے لئے گڑھا ہے ۔

دوسرا واقعہ جو شہزادی کے متعلق مشہور ہے وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اس نے یہ مصرعہ کہا ۔ ؎

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

چاہتی تھی کہ دوسرا مصرعہ ہو جائے ۔ مگر بسیار کوشش کے باوجود اس کی جوڑ کا دوسرا مصرعہ موزوں نہیں ہوا ۔ بالآخر ناصر علی کے پاس یہ مصرعہ لکھ کر بھیجا ۔ ناصر علی نے برجستہ کہا ؎

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم
شاید رسیدہ برلب زیب النساء لبم

تردید کے لئے شبلی کا یہ جملہ لکھ دینا کافی ہوگا کہ :۔

” جو تیموریوں کے جاہ و جلال اور آداب و آئین سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ ناصر علی کو خواب میں بھی اس گستاخی کی جرأت نہیں ہو سکتی ہے “

آم کی دلفریب چٹنی (بشریٰ صدیقی)

یہ دسترخوان کی زینت کو دوبالا کرتی ہے ۔ ہاضمہ درست کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے ۔ چٹنی کیا ہے لاجواب تحفہ ہے ۔ یہ ہماری آزمودہ ہے ۔

کچے آم ڈیڑھ سیر، سرکہ تین پاؤ، چینی تین سیر، لہسن ڈیڑھ چھٹانک، سرخ مرچ ڈیڑھ چھٹانک، کشمش آدھا پاؤ، نمک حسب ضرورت ،

سب سے پہلے آموں کا چھلکا اتار کر تراش لیں پھر کسی چینی کے برتن میں ڈال کر رکھیں اسکے اوپر سارا سرکہ ڈال دیں اور پھر سب کو ملائیں اور کسی ہوادار جگہ پر رکھ دیں ایک دن پڑی رہے دوسرے دن وہ نرم ہو جائے گی پھر یوں تیار کریں ۔

ایک دیگچی میں کترا ہوئی پھانکیں اسمیں ڈال دیں اور سرخ مرچ اور لہسن کو بھی ڈالکر آگ پر رکھیں اور خوب گرم کریں اور جب گل جائیں تو اس میں چینی ملا دیں اور نمک کشمش وغیرہ ڈال دیں اور پکائیں جب چینی گاڑھی ہو جائے پھر تھوڑی دیر بعد نیچے اتار دیں ۔ سرد ہونے پر مرتبان میں ڈال دیں اور حسب ضرورت استعمال کریں ۔

بزم مستورات

"ایثار"

از ع ۔ ا ۔ الفت بی ۔ اے

زاہدہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی ہوئی ماں کے کمرے میں پہنچی اور یہ دیکھ کر اسکی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ بڑے سکون سے میٹھی نیند سو رہی ہیں "اوہ امی تم نے بھی حد کی ہوئی ہے کیا وہ ماں بھی اتنی چین کی نیند سو سکتی ہے جس کا نوجوان اور اکلوتا بیٹا میدان جنگ میں دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا ہو اور اب وہ زندہ بھی ہے یا نہیں بھیا کو گئے ہوئے ایک ماہ ہو چکا ہے اس عرصے میں ان کی خیریت بھی معلوم نہ ہوئی۔ کہیں .... نہیں نہیں اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی ۔۔۔

اور کچھ دیر بعد وہ جا نماز پر بیٹھی بارگاہِ خداوندی میں سربسجدہ تھی اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ ساجد زاہدہ کا بھائی تھا پچیس سالہ خوبرو نوجوان ہر وقت مسکراتے رہنا گویا اسکی عادت تھی زاہدہ کو یاد نہ تھا کہ بڑی سے بڑی مشکل میں بھی کبھی ساجد کے ماتھے پر شکن پڑی ہو کتنی ننھی عمر میں اس پر تین افراد کا بار پڑ گیا تھا وہ خود ضعیف ماں اور زاہدہ ۔ ساجد کے والد نے اپنے وطنِ عزیز کے حصول کی خاطر جان دے دی تھی وہ بھی تو ایک سپاہی تھے لوگوں کو اپنے گھر بار لٹنے اور عزیزوں کے قتل و غارتگری کا دکھ تھا لیکن ساجد کی ماں کو اس بات پر فخر تھا کہ اس کے رفیقِ حیات کا خون اس سرزمین بیت المقدس کو حاصل کرنے میں کام آیا اور شاید یہی جذبہ تھا کہ جو ساجد کی رگوں میں پیوست ہو چکا تھا ۔۔۔

زاہدہ ایک سپاہی اور ایک بلند حوصلہ ماں کی بیٹی تھی ایک سپاہی کی بہن تھی پھر بھی نہ معلوم اس میں وہ جراءت و ایثار کا جذبہ کیوں موجزن نہ تھا جو اس مختصر سے خاندان کی روایت اور شان تھا ۔ شاید اسکی وجہ بہن کا نازک رشتہ ہی تھا جو اپنے بھائی کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہے بے شک وہ اپنے بھائی سے لڑتی ہے اسے بے جا حکم پر دل ہی دل میں کڑھتی ہے مگر اسکی کسی بات کو ٹالنے کا بھی اس کا دل نہیں چاہتا

وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ میں اپنے بھیا کیلئے اتنی خوبصورت سی دلہن لاؤنگی کہ بھیا بھی میری پسند کی داد دیئے بغیر نہ رہیں گے حالانکہ وہ میری ہر بات اور ہر چیز میں عیب نکالنے کے عادی ہیں لیکن نہ معلوم اسے کیوں ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی یہ خواہش ہمیشہ خواہش ہی رہیگی

اسے اپنے بھائی کی وہ آنکھیں یاد آگئیں جو محاذ جنگ پر جاتے ہوئے بھی آنسوؤں سے بھیگنے کے بجائے ایک عجیب سی مسرت کی چمک میں ڈوبی ہوئی تھیں اسکی مسکراہٹ میں عزم کی جھلک کچھ اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھی اعتماد نے اس کے سینے کو اور پھیلا دیا تھا اور جب زاہدہ کی آنکھوں میں اس نے

آنسو دیکھے تو پیار سے اس کے سر پر ایک چپت لگا کر کہا تھا

"میری منی سی بہن ہماری عورتیں ایسے موقعوں پر بجائے آنسو بہانے کے اپنے بھائیوں اور بیٹیوں کو ہمت و عزم دلا کر رخصت کرتی ہیں تم اس قوم کی بیٹی ہو جس نے رضیہ سلطانہ، لیلیٰ خالد۔ جمیلہ بوہرہ اور فاطمہ برنادی جیسی جانباز عورتوں کو جنم دیا مجھے اس وقت تم سے زیادہ عزیز اس وطن مقدس کی مٹی ہے ابھی مجھے اپنی تم جیسی لاکھوں بہنوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا ہے"

جب وہ اپنی ضعیف ماں سے ملنے کیلئے بڑھا تھا تو خم دار کمر اور دھندلی آنکھوں والی ماں کا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا اس نے قرآن شریف اپنے بیٹے کے سر پہ رکھ کر کہا تھا میں اپنا ایک سہارا مادرِ وطن پر قربان کر چکی ہوں اور اب اپنے آخری عصاء پیری کو بھی اسی مقصد کیلئے بھینٹ چڑھاتے مجھے کوئی دکھ کوئی غم نہیں ہے بلکہ اگر میرا بیٹا بھی اس محاذ پر کام آگیا تو یہ میری خوش نصیبی ہو گی اور اب اسکو گئے ہوئے ایک ماہ گذر چکا تھا جنگ پورے زوروں پر تھی اور ایک بہن اپنے بھائی کیلئے خدا سے دعائیں مانگ رہی تھی۔

"یا اللہ میرے ملک کے نوجوان مرد مجاہدوں کو ہمت و استقلال پیدا کر ان میں طارق کا جوش اور صلاح الدین ایوبی کی بلند ہمتی عطا کر یا اللہ ان کے دل ایمان کے نور سے منور رکھ یا اللہ اگر موت ان کے قریب آ جائے تو ان کے کانوں میں یہ گونج رہے۔ مسلمان مرتے ہیں تو اپنے دین اور اپنے وطن کی خاطر اور زندہ رہتے ہیں تو بھی ان دو مقاصد کے تحت اگر تم جنگ میں مارے گئے تو شہید کہلاؤ گے اور زندہ رہے تو غازی لیکن اگر میدان جنگ سے ڈر کر بھاگے تو تاریخ میں مسلمانوں کی شجاعت پر بزدلی کی مہر ثبت ہو جائے گی

اور عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی زاہدہ نے دروازہ کھولا تو اس کی چیخ نکل گئی اس کے سامنے بجائے ساجد کے اس کی لاش تھی ادھر جب اس مرد مجاہد کا جنازہ اٹھایا جا رہا تھا تو ضعیف ماں سجدے میں گر کر خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اب وہ خدا کے سامنے شرمندہ نہ ہو گی اس نے اس کی دی ہوئی امانت کا صحیح مصرف کیا تھا اور سر پر سہرا باندھنے کے بجائے بہن اپنے بھائی کی لاش پر پھولوں کی چادر چڑھا رہی تھی اس وقت ساجد کے بے جان چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اسکی زندہ مسکراہٹ سے زیادہ دل آویز ہو گئی تھی —

گھریلو چٹکلے

بیگم جمال حافظ

۱۔ اگر آپ کو نزلہ ہو جائے تو اس کیلئے تھوڑی خشخاش میں شکر ملا کر رات کے وقت کھائیے، چار روز تک کھائیے انشاء اللہ نزلہ رفع ہو جائے گا۔

۲۔ اگر سخت قسم کا زکام ہو جائے تو قہوہ پکائیے اور اس کی بھاپ کو ناک کے قریب لائیے۔ تھوڑی دیر تک یہ عمل کریں

۳۔ بچوں کو اکثر خشکی کے سبب نیند نہیں آتی تو اس کے لئے آپ بچے کے سر میں سرسوں کے تیل سے روزانہ علی الصبح مالش کریں۔ پھر بچہ خوب سوئے گا۔

۴۔ برتن مانجھنے سے اکثر ہاتھوں کی انگلیاں پریشان پڑ جاتے ہیں۔ اس کیلئے ہاتھوں پر روغن زیتون کی مالش کریں

۵۔ آجکل آموں کی فصل ہے اور آج کل کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ لیکن اگر کھا بھی لیا جائے تو اس کے بعد کچے دودھ کی لسی ضرور پیجئے۔

مزاح و طنزیات

بچّے کی تعلیم

سلطان سکندر

افراد ——— باپ ——— اَن پڑھ جاہل جسے حال ہی میں کثیر دولت مل گئی ہے
ماں ——— اس کی بیوی
بچّہ ——— ار ——— استاد

ایک بڑے مکان کے ڈرائنگ روم میں باپ کوچ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا ہے کمرہ کے ساز و سامان کی بے ترتیبی سے مالک کی بد مذاقی کا اظہار ہو رہا ہے ——— ماں داخل ہوتی ہے۔ وہ ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے سے اپنے لڑکے کو گھسیٹتی ہوئی آتی ہے۔ لڑکا ہنس رہا ہے۔

ماں۔ (باپ کے پاس آکر) کیوں جی تم نے آخر اسکو اسکول جانے سے کیوں روک دیا ہے۔ اس کی شرارتوں سے تو میرا ناک میں دم ہے! (لڑکا ہاتھ چھڑا کر بھاگ جاتا ہے)

باپ۔ میں نے جان بوجھکر جانے سے روکا ہے۔ اب ہم پہلے کیطرح غریب نہیں کہ ہمارا بچّہ اسکول جا

ماں۔ تم کو تو روپیوں نے پاگل بنا دیا ہے وہ دن بھول گئے جب لکڑیاں کاٹتے کاٹتے ہتھیلی لہولہان ہوجاتی تھی۔

باپ اب نہ وہ دن رہے اور نہ وہ دن ہیں۔ اب تو خدا کے فضل سے رہنے کو یہ کوٹھی کھانے کو اچھی غذا پہنے کو قیمتی کپڑے خدمت کو کئی نوکر سبھی کچھ ہے

ماں۔ یہ میں نے مانا۔ لیکن رئیس کا بچّہ ہے کچھ تعلیم تو اسے دینی ہی ہوگی۔ پہلے یہ استاد کے یہاں جاتا تھا اب وہی استاد اس کے پاس آسکتے ہیں

باپ اب تم نے عقل کی بات کہی۔ یہی تو میں نے فیصلہ کیا ہے۔ اور دیکھو بدھن کی ماں۔ پرانے رئیسوں کی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ بدھن کو فارسی پڑھاوٗں۔ تاکہ ہم لوگ کم سے کم مغل بادشاہوں کے وقت کا رئیس سمجھیں۔

ماں۔ نا۔ نا۔ نا۔ نا۔ دنیا اِدھر کی ادھر ہو جائے۔ مگر میں اپنے بچہ کو فارسی کبھی نہ پڑھنے دونگی۔

باپ جہالت نہ کرو۔ فارسی کوئی معمولی علم ہے۔ تمام دنیا

گلستان۔ بوستان کا لوہا مانتی ہے۔ شیخ سعدی کو رشتہ
ہو یا نہ ہو چچا کہنا ہی پڑتا ہے۔ میری بات مان لو اگر بدھن
فارسی پڑھ گئی تو دنیا بھر میں اس کا نام ہوگا ۔

ل ۔ اس خیال میں نہ رہنا۔ وہ زمانہ گیا اب بدھن کو کوئی
نئی بینر سکھانی چاہیئے۔ فارسی سکھانے سے فائدہ ؟
نہ ہم فارسی میں بات چیت کریں۔ نہ فارسی میں خط
لکھیں۔ پھر نہ ہم اس زبان میں گا نا گائیں اور نہ
تھیٹر کریں یہ پرانی چیز کہیں بھی تو کام نہیں آتی !

پ ۔ بدھن کی ماں۔ مجھے حیرت ہے کہ اس نئے زمانہ میں
تمھاری لڑائی کا پرانا طریقہ نہ بدلا۔ یہ بھٹیاروں کی
سی لڑائی اب ہمیں زیب نہیں دیتی۔ ذرا رئیسوں
کی طرح لڑنے کی مشق کرو ۔

ل ۔ کچھ بھی ہو میں تمھیں بتائے دیتی ہوں کہ میں بدھن
کو فارسی کبھی نہ پڑھنے دونگی ۔

پ ۔ احمق نہ بنو ۔

ل ۔ تم بھی زیادہ عقلمند نہ بنو ۔

پ ۔ میں بدھن کا باپ ہوں کہ تم ؟

ل ۔ میں بدھن کی ماں ہوں کہ تم ؟

پ ۔ کس جاہل سے پالا پڑا ہے! (گھنٹی بجتی ہے) کون
صاحب ہیں آجایئے۔ ایک بزرگ داخل ہوتے ہیں!
اخاہ آپ ہیں استاد۔ آجایئے۔ بڑے وقت پر آئے

ستاد۔ آداب عرض ہے۔ آپ کا مزاج تو اچھا ہے ۔

پ ۔ اچھا تھا!

ستاد ۔ جی

پ ۔ استاد گاماں۔ میں آپ سے کیا عرض کروں۔ بڑی
مصیبت میں ہوں۔ اچھا۔ بدھن کی ماں اب استاد
آگئے ہیں ان سے فیصلہ کرا لو!

ماں۔ ہاں۔ ہاں مگر بات میں کروں گی !

باپ نہیں نہیں۔ سمجھاؤں گا میں !

استاد۔ بات کیا ہے

باپ۔ استاد۔ میرا خیال ہے کہ میرا لڑکا فارسی پڑھے
مگر میری بیوی فارسی کے سخت خلاف ہے اس
لئے آپ اپنی رائے دیجئے ۔

استاد۔ فارسی پڑھانے سے آپ کا مقصد کیا ہے ۔

باپ۔ مقصد ؟ بس یہی کہ ذرا قابل ہو جائے اور لوگوں
میں خوب نام ہو جیسے آپ ہیں۔ آپ کی تقریر کا
ہر طرف شہرہ ہے آپ کونسل میں ممبر چنے گئے صرف
اس لئے کہ فارسی جانتے ہیں !

استاد۔ میں؟ میں فارسی جانتا ہوں! یہ آپ سے کس نے
کہا؟ میں فارسی قطعاً نہیں جانتا۔ بلکہ یہ خدا کی
خاص مہربانی ہے کہ مجھے فارسی نہیں آتی۔ نواب
صاحب! انسان کی عمر زیادہ نہیں ہوتی اگر وہ اپنی
تھوڑی سی عمر میں اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں
کی طرف دوڑے گا تو اس کی توجہ بٹ جائے گی۔
یعنی نہ وہ گھر کا رہے گا اور نہ گھاٹ کا مثال میں
ہماری عورتوں کو لے لیجئے۔ یہ جب لڑتی ہیں تو
ان کے الفاظ میں کتنا جوش۔ کتنی سلاست اور ان
کے جملوں میں کس قدر زور اور کیسی روانی ہوتی
ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ فارسی پڑھکر دماغ اور
فکر کی توتیں ضائع نہیں کرتیں ۔

ماں۔ اب کہو؟ میری ہر بات کو تم یونہی ٹھکرا دیتے ہو !

باپ۔ تمھاری طرح سے میں کوئی ضدی آدمی نہیں۔ سچی
بات اور پکی دلیل کے سامنے میرا سر ہمیشہ خم ہے
اور استاد کی بات سچی اور دلیل کی ہے۔ میں مان گیا

کہ فارسی بدھن کیلئے مناسب نہیں

استاد۔ دیکھئے نواب صاحب۔ بات یہ ہے کہ وہ زمانہ گیا جب فردوسی کو ہر شعر پر ایک اشرفی ملتی تھی اب تو سعدی۔ نظامی اور فردوسی کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ نہ کبھی عدالتوں میں ان کا ذکر ہوتا ہے نہ ہماری کونسلوں میں ان کا نام لیا جاتا ہے اور تو اور دو کانوں میں گلستاں۔ بوستاں بکنا بند ہو گئی ہیں

باپ۔ مگر استاد۔ میرا بچہ کچھ نہ کچھ تو ضرور پڑھے گا۔ فارسی نہ سہی جغرافیہ سہی۔

استاد۔ جغرافیہ تو جھیلوں۔ پہاڑوں اور دریاؤں کا علم ہے اس کی ضرورت پرانے زمانے میں حملہ کرنے کے وقت ہوا کرتی تھی اب تو آپ کلکتہ سے لپنا درتک بغیر جغرافیہ جانے ہوئے جا سکتے ہیں۔ پھر خواہ مخواہ دماغ پریشان کرنے سے فائدہ؟

باپ۔ تو یہ نہ سہی۔ تواریخ پڑھایئے۔ میں نے اسکی بڑی تعریفیں سنی ہے۔ کہتے ہیں خاص نوابوں اور بادشاہوں کا علم ہے۔

استاد۔ یہ تو درست ہے مگر سوئے ہوئے بادشاہوں کا قصہ یاد کرنے سے فائدہ؟ پھر آپکو اس سے غرض کہ قطب صاحب کی لاٹ کب بنی؟ تاج محل میں جہانگیر کی قبر ہے یا سلیم چشتی کی؟ — لاٹ صاحب جب بھی بنی — بن گئی۔ تاج میں جس کی بھی قبر ہے۔ ہے۔ گڑے مردے اکھاڑنے سے فائدہ؟ میرے خیال میں نواب زادہ کو ان فضولیات سے بچا کر رکھنا چاہیئے۔

ماں۔ بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے — اسکو کوئی زندہ علم سکھایئے استاد۔

باپ زندہ علم کا خیال ہے تو پھر نجوم پڑھایئے۔

استاد۔ پڑھانے کو تو میں نجوم بھی پڑھا سکتا ہوں مگر میرے خیال میں بھونچال آنیکی تاریخ نکالنا ستاروں کی گردش معلوم کرنا یا گرہن کے وقت بتانے میں اگر زندگی صرف کر دی جائے تو فائدہ کیا ہے؟ یہ باتیں تمام کی تمام دو دو آنہ کی جنتریوں میں مل جاتی ہیں!

ماں۔ استاد۔ اب ایک بات میری بھی مان لو۔ تم اس کو حساب پڑھاؤ۔

استاد۔ نا۔نا۔نا۔نا۔ اس علم کے تو میں بہت خلاف ہوں۔ رئیس زادہ کے شاہانہ دماغ پر بنیوں کا رنگ میں کبھی نہ چڑھنے دوں گا

باپ۔ اسکو بھی چھوڑ دیئے۔ اگر یہ فارسی نہ پڑھنے دے گی تو میں حساب بھی نہ پڑھنے دوں گا۔ میری بھی یہ ضد ہے

ماں۔ تو پھر یہ بتاؤ کہ وہ کیا پڑھے؟

استاد۔ دیکھئے شہرت حاصل کرنے کیلئے دو چار باتیں ضروری ہیں۔ مثلاً اوصاف حمیدہ۔ فضائل پسندیدہ۔ اخلاق و تواضع اور یہ تمام باتیں نواب زادہ اپنی ماں یعنی بیگم صاحبہ سے سیکھ سکتا ہے۔

ماں۔ جی بے شک مگر بدھن کے ابا۔ استاد نے جو کہا تم کچھ بھی؟

باپ۔ سمجھنے کو تو خیر میں نہیں سمجھا مگر بات بڑی اچھی ہے

استاد۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑی نیک خاتون ہیں اور بڑی خوبیوں کی مالک ہیں۔

ماں۔ استاد۔ ہو نہ ہو آپ کسی بڑے خاندان کے آدمی ہیں اور آپ کی لیاقت کا کیا کہنا۔ خدا آپ کو زندہ رکھے۔!

استاد۔ آپ کی قدر دانی ہے

باپ۔ اجی قدر دانی کو تو ماریئے لات۔ بچہ آخر پڑھے کیا۔ یہ علم جو اس کولوں میں پڑھائے جاتے ہیں وہ تو واقعی بےکار نظر آتے ہیں۔ اب آپ ہی کوئی ڈھنگ نکالئے

استاد۔ جی میری رائے تو یہ ہے کہ نواب زادہ کے ننھے اور تازہ دماغ کو نہ تو کوئی پرانا علم پڑھایا جائے اور نہ اس پر کسی نئے علم کا بوجھ ڈالا جائے تاکہ اسکی نشوونما میں فرق نہ آئے اور یہ تو آپ کو ماننا ہی پڑیگا کہ خدا کی دی ہوئی عقل کو انسانی سبق سے آلودہ کرنا جہالت کی بدترین مثال ہے

باپ۔ بے شک۔ بے شک۔ بس بدھن کی ماں۔ فیصلہ ہوگیا

ماں۔ استاد۔ اللہ آپ کو خوش رکھے ـــــ (سب کے چہروں پر کامیابی کی مسکراہٹ ہے)

(پردہ گرتا ہے)

قہقہے

جاوید ادیب

پروفیسر۔ میں نے جو سامان کہا ہے جاکر دوکاندار سے لے آؤ۔

نوکر۔ حضور مجھے یاد نہیں رہے گا ایک کاغذ پر لکھ دیں۔

پروفیسر۔ لو قلم لیتے جاؤ دوکاندار سے لکھوا لینا۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔

بادشاہ (مسخرے سے) تمہیں موت کا حکم سنایا جاتا ہے البتہ تمہیں اتنی رعایت دی جاتی ہے کہ موت کا طریقہ تم خود تجویز کرلو!

مسخرہ (کچھ سوچکر) جناب میں بڑھاپے کی موت مرنا چاہتا ہوں

انتقادیات

قدر و قیمت

صیرفی کے قلم سے

(اس عنوان کے تحت صرف ان مطبوعات پر تبصرہ کیا جاتا ہے جنکے دو نسخے موصول ہوں)

ماہنامہ صحیفہ مونگیر

مدیر۔ جناب محمد رضی احمد رحمانی
ضخامت۔ ۲۲×۱۸/۸ تقطیع کے ۴۲ صفحات
قیمت۔ سالانہ تین روپئے، فی پرچہ ۳۰ پیسے
ملنے کا پتہ۔ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر (بہار)

ماہنامہ "صحیفہ" ابھی حال میں جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کے علمی اور دینی ترجمان کی حیثیت سے نکلا ہے اس کا ساتواں شمارہ ہمارے زیر نظر ہے۔ رسالہ مختصر ہے لیکن مضامین جس قدر بھی ہیں ملی فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے مفید اور بامقصد ہیں۔ کتابت و طباعت بھی دلکش ہے امید ہے کہ یہ ماہنامہ مقبول ہوگا۔

پندرہ روزہ "تحریک ملت" کلکتہ

(مسلم پرسنل لا نمبر)

ایڈیٹر: عبدالعزیز۔
ضخامت ــ ۳۰×۲۰/۴ کے ۱۶ صفحات
قیمت۔ ۲۵ پیسے (مسلم پرسنل لا نمبر)
ملنے کا پتہ۔ پندرہ روزہ "تحریک ملت" کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ۔

عرصہ سے شائع ہونے والا پندرہ روزہ تحریک ملت کلکتہ یکم جون ۷۲ء کے شمارہ کو "مسلم پرسنل لا نمبر" کی شکل دی گئی ہے اور اس میں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی یا تنسیخ کے خلاف انجمن خواتین محبان شریعت کلکتہ کے زیر اہتمام ۱۳ مئی ۷۲ء کو منعقدہ احتجاجی اجتماع کی رپورٹ مکمل طور پر شائع کی گئی ہے۔

اس اجتماع کی کارروائی (مختصراً) محترمہ ثریا چودھری صاحبہ سکریٹری انجمن کے قلم سے رگ سنگ کے گذشتہ شمارہ (جون ۷۲ء) میں پیش کی جا چکی ہے۔ تحریک ملت نے اس اجتماع کے خطبہ ہائے صدارت اور استقبالیہ تقریروں اور تجاویز کو پوری طرح یکجا کر کے خصوصیت سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لئے ایک کام کی چیز پیش کر دی ہے۔

ماہنامہ "کاوش" کانپور

ایڈیٹر: سید کلیم اللہ کاظمی بی اے۔
زیر نگرانی۔ سید آفاق احمد ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ امیر اعلیٰ یوتھ مجلس اترپردیش۔

ضخامت۔ ۲۰×۳۰/۸ کے ۲۶ صفحات
دورنگا سرورق
قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ۔ ۸۸/۱۵۰ محمد علی پارک چمن گنج کانپور ۱
لیجئے صاحب۔ رسائل اور جرائد کے لئے کانپور کی سخت اور سنگلاخ سرزمین پر ایک اور نیا جریدہ "کاوش" کے نام سے شائع ہوگیا۔ اگر شمار کیا جائے تو ان اخبارات، رسائل اور جرائد کی تعداد جو کانپور سے شائع ہوئے اور نوشیدہ غنچوں کی صورت میں بن کھلے مرجھا گئے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے لاکھوں تک نہیں ہزاروں تک ضرور پہونچ سکتی ہے وجہ اس کی صرف یہ ہی کہی جا سکتی ہے کہ کانپور کی سرزمین کسی رسالے یا اخبار کی نمود کے لئے زرخیز تو ہے لیکن یہاں اس کی آبیاری کے وسائل تقریباً مفقود ہیں۔
"کاوش" بڑے ہی طمطراق کے ساتھ شائع ہوا ہے دورنگے حسین سرورق اور دیدہ زیب کتابت و طباعت کو دیکھ کر بے ساختہ اسکے مطالعہ پر طبیعت راغب ہوسکتی ہے۔ مضامین بھی اچھے ہیں اور ادبی ذوق کی تسکین فراہم کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ انجینیر، ڈاکٹر، وکلاء، اساتذہ، طلبا وطالبات اور محنت کش نوجوانوں کے لئے شائع کئے جانے والے اس تعمیری جریدہ کو بقائے دوام حاصل ہو۔ اور جس محنت اور لگن سے پہلا شمارہ قارئین کو پیش کیا گیا ہے وہ بارآور ہو۔

مضمون نگاروں سے

ناقابل اشاعت مضامین صرف اس وقت صاحب مضمون کو واپس بھیجے جائیں گے جبکہ اسکے ساتھ واپسی ٹکٹ بھی موجود ہو بصورت دیگر انہیں ضائع کردیا جائیگا۔
(ایڈیٹر)

ماہنامہ رنگ سنگ کانپور (سیرت نمبر) پر

معاصر ماہنامہ "تجلّی" دیوبند کا تبصرہ

• ایک صاف ستھرا ماہنامہ • مدیر۔ فیروز بوبجہ • مقام اشاعت کانپور۔

اس دقیع ماہنامے کا "سیرت نمبر" ہمارے سامنے ہے صفحات ۱۴۶۔ قیمت ڈھائی روپیہ۔ خاطر خواہ مطالعہ کا وقت تو ابھی تک ہمیں نہیں مل سکا۔ لیکن جستہ جستہ جو کچھ بھی دیکھا اسے بہت اچھا پایا۔ شروع ہی میں ایک صفحے کے لگ بھگ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تحریر کا جو اقتباس "بارگاہِ نبوی ﷺ میں" کے عنوان سے دیا گیا ہے وہ تنہا اتنا اثر انگیز اور گداز آفریں ہے کہ اسے توجہ سے پڑھئے تو آنکھوں کو نمی سے بچانا مشکل۔ مضامین نظم ونثر جو بھی اب تک مطالعہ میں آئے سب اچھے معلوم ہوئے۔ بڑی بات یہ ہے کہ عقائد اور انداز فکر میں ستھراپن ہے
ہم اتنا اچھا اور مفید نمبر نکالنے پر ادارۂ رنگ سنگ کو ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں۔ ویسے ایک دو باتیں بطور مشورہ بھی کہدیں۔
پہلے اداریہ میں صـ۹ پر ایک فقرہ پڑھنے میں آیا ....."اور یقین ہے کہ اس کا اجر نبی عربی ﷺ (فداہ امی وابی) کی بارگاہِ رحمت سے مل کر رہے گا۔"
اجر وثواب دینا صرف اللہ کا کام ہے خصوصاً نیک نیتی اور خلوصِ قلب کا علم تو اللہ کے سوا کسی کو پورا ہوتا ہی نہیں۔ اس طرح کے مضامین میں قلم کو بہت محتاط رکھنا چاہیئے۔

نعتیں اس نمبر میں کافی ہیں اور عام معیار کے مطابق اچھی بھی ہیں لیکن ایسی کوئی نعت نہیں ملی جو سازِ روح کے لئے مضراب بن جاتی۔ الفاظ ہی الفاظ۔ آورد ہی آورد۔ کہیں تو قافیہ پیمائی نے بالکل ہی کھیل بگاڑ دیا ہے۔ جیسے

السلام اے رنگِ بہرِ عاوری ـــ السلام اے رشکِ ماہِ الوری

"ماہ الوری" بھلا کیا چیز ہے؟ اور ویسے بھی اس طرح کی قافیہ پیمائی کو "شاعری" کا نام مشکل سے ہی دیا جا سکتا ہے۔

طلیش صدیقی کا ایک قطعہ صفحۂ اول پر بھی ہے اور "نورانی سلام" انکا بھی وہ باصلاحیت شاعر ہیں لیکن تخلص انھوں نے یہ کیا رکھ لیا۔ نام ہو یا تخلص مفہوم کے اعتبار سے اس میں حسن ہونا چاہیئے نہ کہ قبح۔ طلیش کے بجائے کوئی اچھا تخلص رکھئے۔

"اللہ اور شمار" کے عنوان سے موصوف کا ایک نثر پارہ بھی شامل اشاعت ہے۔ اس کا سرنامہ "انکشافات" رکھا گیا ہے۔ یہ بچکانی بات ہے۔ فلاں لفظ کے اعداد بحساب ابجد نکالو پھر انہیں اتنے سے ضرب دے کر اتنے سے تقسیم کردو پھر حاصل تقسیم میں اتنے جمع کر کے اتنے گھٹا دو۔ اس طرح کی نکتہ سنجیاں انکشاف کے ذیل میں نہیں ذہنی کسرت کے ذیل میں آتی ہیں۔ یہ نکتہ سنجی خواہ گورونانک جی نے کی ہو یا کبیر داس نے اسکی کوئی سنجیدہ علمی حیثیت نہیں ہے نہ اس کا جوڑ حقائق سے ہے۔ البتہ آج کل عموماً جس طرح کے قارئین رسائل کو میسر ہیں۔ ان کے لئے یہ مضمون "دلچسپ" رہے گا لہٰذا اس کا شمول قابل اعتراض نہیں صرف "سرنامہ" درست نہیں معلوم ہوا۔

آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ رنگ سنگ" پھولے پھلے اور اسکے کارکنوں کے نیک عزائم میں خیر و برکت ہو۔

ماہنامہ رنگ سنگ کانپور سیرت نمبر پر معاصر ہفت روزہ ندائے ملت لکھنؤ کا تبصرہ

قیمت ۵/-

صفحات ۱۴۲

مدیر .. .. فیروز بوبیرہ

پتہ - ۸۹/۴۲ - مکھنیا بازار کانپور

رنگ سنگ۔ ایک عرصہ سے کانپور کی کاروباری دنیا میں اچھی علمی دینی، خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس کے مضامین کا تنوع کسی اچھے ڈائجسٹ سے کم نہیں۔ ٹائیٹل بہت دلکش ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ معلومات میں اضافہ کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

اس شمارے کے اہل قلم میں قاضی زین العابدین میرٹھی اویس قنوجی بھی ہیں اور اسلامیات کے علاوہ سیر و سفر، تحقیقات نیلامات بزم مستورات، وغیرہ عنوانات کے تحت نوع بنوع کی معلومات درج ہیں، یہ رسالہ کاروباری برادری کے ہاتھوں میں ہے۔ اس لئے امید ہے کہ یہ کاروباری ماحول میں ادبی ماحول کے فروغ کے لئے بڑا مفید ثابت ہوگا اور اسکے ساتھ ہی ملت کے لئے بھی مجموعی طور پر افادیت کا حامل ہوگا۔

کانپور کے نظام کے طرز پر اگر اس کی ترتیب و کتابت ہو تو اسکی افادیت اور بڑھ جائے۔

مکتوبات

کہ لوگ کہتے ہیں

آپ کے خطوط

سید محمد فتحپوری
چاندنی چوک
دہلی ۶

مکرمی زید مجدہٗ

السلام علیکم

آپکے ارسال کردہ گرامی نامے نظر نواز ہوتے آپ نے جس خلوص اور محبت سے سرفراز کیا ہے وہ میرے لئے باعث فخر ہے

حکم کے مطابق "مسلم پرسنل لا" پر ایک مضمون حاضر خدمت کر رہا ہوں اس اہم ترین موضوع پر بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کے سلسلہ میں اب تک جتنے پمفلٹ مضامین بیانات اور وضاحتیں سامنے آئی ہیں ان سب سے یہ بات مسلم ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی ادنیٰ سی بھی مداخلت حکم الٰہی میں مداخلت ہے جو ہر طرح سے مذموم اور ہر مسلمان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی کہ ترمیم ناممکن ہے تو ضرورت اس بات کی رہ جاتی ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت کو عوام پر واضح کیا جائے اور ہر طرح سے اس بات کی مکمل سعی کی جائے کہ ترمیم کے حامی افراد اپنے ناپاک ارادوں سے باز رہیں۔

آپ مسلم پرسنل لا نمبر نکال کر ایک اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر خیر عطا فرمائیں گے اور آپ جیسے مخلص افراد کی کوششیں یقیناً رنگ لائیں گی

مرسلہ مضمون کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ ترمیم ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے

مضمون آپ کی فرمائش کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس کا فیصلہ آپ پر ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے یہ مضمون نہایت عجلت میں لکھا گیا ہے اسلئے اگر اس میں کہیں قلم رکھنے کی جگہ ہو تو آپ گرفت نہ فرمائیں عجلت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قلم کی بے توجہی کا شکار رہا بلکہ بات یہ ہے کہ جس مکمل تحقیق کے ساتھ میں لکھنا چاہتا تھا وہ عدیم الفرصتی اور وقت کی تنگی کے باعث نہ ہو سکا۔ یقین مانئے اس قدر مصروف ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا جسکی وجہ یہ ہے کہ میں "آل انڈیا اردو ترقی بورڈ" اور حکومت کے اردو ادارے "ایوان غالب" سے بیک وقت وابستہ ہوں اور پھر دہلی کی ہنگامی زندگی۔ بس یہ آپکے خلوص کا ہی کرشمہ ہے کہ مضمون جیسا بھی ہوا ہوگیا۔

"سیرت نمبر" ہر لحاظ سے بہت خوب ہے اس قدر حسین اور جامع اشاعت پر آپ کی خدمت میں

مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس موقر جریدہ کو مزید بلندیاں عطا فرمائے

ایک بات جو شاید پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ کتابت پر خاص توجہ کی ضرورت ہے خاص طور سے عنوانات نام اور سرخیاں جلی اور عمدہ قلم سے ہونی چاہئیں۔

فقط
انجم عثمانی

∴

رام باغ
مرزاپور
کرمی

سلام مسنون، رنگ سنگ کے تین شمارے جن میں سیرت نمبر بھی شامل ہے، نظر نواز ہوئے۔ متشکر ہوں۔ چند در چند مصروفیتیں، بعض وقتی پریشانیوں اور ان سے زیادہ موسم کی روز افزوں اذیت ناکی نے مطالعہ کا موقع کما حقہ نہیں دیا۔ یہ ضرور ہے کہ رنگ سنگ کے مزاج و کردار سے آگاہی حاصل ہو گئی۔ سیرت نمبر بالخصوص پسند آیا۔ اس کے بیشتر مضامین معیاری اور قابل توجہ ہیں۔ منظومات میں اس پہلو پر مزید نظر رکھی جائے تو بہتر ہے کہ کوئی چیز محض حصول ثواب کے لئے نہ لکھی گئی ہو۔ صفحۂ قرطاس پر لانے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اسے ایک فن پارہ بھی ہونا چاہیے۔ نعت گوئی کو سطحیت و سہل انگاری کے بھنور سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں نعتوں کے ساتھ ایسی نظمیں بھی شائع کی جائیں جو قومی و ملی قافلے کے لئے بانگ درا بن سکیں۔ جہد و عمل سے عاری افراد کے لئے یہ زیادہ ضروری ہے۔ امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ میں پہلے سے بہتر ہوں۔ آپکا۔ عزت الاکرام

رائے بریلی

پیکرِ خلوص و محبت! سلام مسنون

پچھلے ماہ میں بیک وقت دو شمارے اور آپ کا مکتوب گرامی موصول ہو کر باعث مسرت ہوئی۔ پرچہ پسند آیا۔ ابھی پرسوں ماہ اپریل کا شمارہ بھی ملا۔ فہرست مضامین کے شاہدے ہی سے پرچے کی داخلیت، مقصدیت اور افادیت کا بھرپور اندازہ ہوا۔ خدا کرے ترویج دین اور اشاعت ملت کے لئے اٹھائے گئے اقدام کامیاب اور مساعی جمیلہ مشکور ہوں اور پرچہ ابھرتے ہوئے ادبی تقاضوں کی روشنی سے جگمگا اٹھے۔ جناب طیش صدیقی صاحب نے اللہ اور محمدؐ کے عنوان سے جو انکشاف کیا اس سے بھی اسلامی بصیرت اور عظمت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ بھائی شرمندہ ہوں کہ شدید خواہش اور آپ کے ارشاد گرامی کے باوجود "سیرت نمبر" کے لئے کچھ نہ بھیج سکا۔ دل نے تو وہی دیا لیکن مجبوری بس مصروفیات نے موقع نہ دیا۔ خیر کوشش کر رہا ہوں کہ پرچے کی توسیع اشاعت میں خاکسار کی خدمت ناچیز بھی شامل ہو

حافظ رائے بریلوی

∴

الہ آباد

محترمی تسلیم

کرم فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔ رنگ سنگ کا سیرت نمبر نظر نواز ہوا۔ ربیع الاول شریف کا مبارک مہینہ حضور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی ایمان افروز بشارت لئے آتا ہے۔ اس گمراہی کے دور باطل میں رنگ سنگ نے مقدس مشن کو ہمہ گیر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ مقالات و منظومات معلومات آفریں اور بصیرت افروز ہیں۔ یہ خاص نمبر ایک روحانی دستاویز ہے۔ صوری اور معنوی اعتبار سے بھی یہ جریدہ بلند ہے میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔   آداب

آپکا مخلص

اقبال ماہر

.:.

پچھلی شہر (جونپور)

محترمی و مکرمی تسلیم

سرفراز نامہ یہاں آیا لیکن افسوس ہے کہ میں باہر باہر مشاعروں میں رہا۔ وطن آنے پر آپکا رشحہ گرامی پڑھا۔ واقعی یہ میری غلطی تھی کہ میں ابتک نثر یا نظم سے خدمت نہیں کرسکا جسکے لئے معافی خواہ ہوں۔ سردست ایک نظم روانہ ہے۔

دعاگو

سر ورش پچھلی شہری

.:.

سہسرام

برادرم خلوص

گیا گیا ہوا تھا۔ آیا تو آپ کے تینوں شمارے میرے منتظر تھے غزلوں کی اشاعت کا شکریہ۔ جلد ہی آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ خدا کرے فرصت مل جائے۔ ابھی فرصت بہت کم ملتی ہے۔ مگر پھر بھی رنگ سنگ کے لئے ہر خدمت کو میں تیار ہوں۔

نیاز آگیں

عین تابش

.:.

جگنیا (چپارن)

مکرمی! سلام مسنون

خدا کرے۔ مزاج بخیر ہو۔

ماہنامہ رنگ سنگ کے لئے دو نعتیہ نظمیں ارسال خدمت ہیں۔ اگر پسند آجائیں تو انہیں شریک اشاعت کرکے شکریہ کا موقع دیا جائے۔ نظموں کی پسندیدگی و عدم پسندیدگی کے بارے میں اپنی رائے سے نوازیں گے۔   والسلام

وارث ریاضی

.:.

فتح پوری۔ دہلی

محترمی۔ السلام علیکم

"رنگ سنگ" کے تازہ شمارہ میں اپنا مضمون "شاعر اسلام حضرت حسان کی شاعری" نظر سے گذرا۔ ہمت افزائی کے لئے ممنون ہوں۔ آپ کی قدر دانی نے ایک بار پھر لکھنے اور لکھتے رہنے کا جذبہ پیدا کردیا ہے۔ اپنے اس جذبۂ خلوص اور کاوش کے لئے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

"رنگ سنگ" اگر نظر نواز ہوتا رہا تو انشاء اللہ میرا قلمی تعاون مستقل آپ کے ساتھ رہے گا۔ "رنگ سنگ" آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں معنوی اعتبار سے بہت خوب ہے لیکن ظاہری شکل و صورت پر مزید توجہ کی جانی چاہیئے۔ کتابت اور طباعت پر نظر زمانے کے ساتھ ساتھ ترتیب و تزئین توجہ اشد ضروری ہے۔ میری دعا اور تمنا ہے کہ رنگ سنگ روز بروز زیادہ سے زیادہ معیاری اور مقبول عام بنتا جائے۔ آمین   فقط مخلص

انجم عثمانی

.:.

معراج اسٹریٹ، سہارنپور

محترم و مکرم ۔۔۔ ہدیۂ خلوص

مزاج گرامی!

"رنگ سنگ" اپنی تمام رعنائیوں سمیت نظر سے گذرتا رہتا ہے۔ دورحاضرہ میں اردو کی عظمت کا علمبردار ہے۔ آپ کی ادبی خدمت کا اعتراف نہ کرنا حقیقت کو چھپانا ہے۔ مبارک باد کے مستحق ہیں آپ۔ اور دلنواز ہے آپکا ادبی جواہر پارہ جس نے دنیائے نکر و نظر میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

فقط والسلام

نیاز کیش

محمد ہارون عامر

•
• •

بڑی حویلی۔ ابوالمعالی

دیوبند

محترمی آداب و نیاز

خدا کرے مزاج بخیر ہوں

سیرت نمبر شروع سے آخر تک دیکھا۔ سبھی مضامین قابلِ مطالعہ ہیں۔ غزلیں بھی معیاری ہیں۔ آپ کی محنت رنگ لا رہی ہے رنگ سنگ کا ہر یا شمارہ سابقہ شماروں سے بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے سیرت نمبر دیکھکر اندازہ ہوا کہ یہ شمارہ آپ نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔

آپ کی قابلِ تحسین جد و جہد کی داد نہ دینا بھی ایک اخلاقی جرم ہوگا۔ اخلاق اور انسانیت کا عین تقاضہ یہی ہے کہ ہر احسن جذبہ کی قدر کی جائے اور ہر مفید کوشش کو سراہا جائے۔

میں اتنا معیاری اور انوکھا نمبر نکالنے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور رنگ سنگ کی بقا و ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

آپ کا اپنا

واصل شفائی

رام پور

برادر مکرم! سلام مسنون السلام

"رنگ سنگ" کا سیرت نمبر اور آپ کا گرامی نامہ ملا۔ عرفان نوازی کا شکریہ! سیرت نمبر حقیقت میں گرانقدر پیش کش ہے اسکے بیشتر مضامین سے "اشاعت خاص" کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعی رنگ سنگ انتہائی خلوص کے ساتھ علمی، ادبی و اسلامی خدمات انجام دے رہا ہے مضامین عام فہم ہیں۔ اسلئے عوام بھی اس خاص نمبر سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ سیرت نمبر کو پڑھ کر رسول کریمؐ کی سیرت دل میں گھر کرتی ہے۔ سیرت نمبر عام مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ اشاعت کا مستحق ہے۔ "سیرت نمبر" جس انداز پر مرتب ہوا ہے اس کا اسلوب جدا اور منفرد ہے اسکے مطالعہ کے بعد دل اعتراف کرتا ہے کہ اس نمبر کی واقعی ضرورت تھی۔ لکھنے والوں کا خلوص اور اقامت دین کے لئے ان کے دل کی تڑپ ایک ایک حرف سے نمایاں ہے۔ آپ کے ساتھ ساتھ اس نمبر کی ترتیب کے دوسرے ساتھی بھی علمی اور اسلامی دنیا کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے "سیرت نمبر" کو خاصے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

امید ہے آپ لوگ بخیریت ہوں گے۔

ارباب حلقہ کو سلام شوق۔

آپکا اپنا

عرفان زیدی

•
• •

چمن گنج۔ کانپور

محترمی۔ سلام مسنون

امسال ۱۲ ربیع الاول کی تقاریب منانے میں اپنی برادری نے بھی بہت شاندار رول ادا کیا ہے مسجد پھلی بازار کی برقی تنصیب

سے سجاوٹ اور یوتھ ایوسی ایشن کا بڑے جلوس کو دودھ کے شربت سے سیراب کرنا۔ منیران لوگوں کا امسال خود بڑے جلوسوں میں شامل ہونا ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے

تعلیمی نمائش بھی لگی۔ لیکن حد درجہ مایوس کن۔ جب منتظمین کو اسی سے دل لگاؤ نہیں ہے تو بیکار ہے رسم کرنے سے کیا فائدہ ؟

ذ۔ بجلی کا انتظام نہ کچھ سجاوٹ بس معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے زبردستی رسماً لگا دی ہے۔ فقط نیاز مند

محمد نسیم

. : .

سرسول (کانپور)

محبی اسلام علیکم

امسال بارہ وفات کے مبارک دستور موقع پر کانپور پہونچنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں آپکی برادری کے شاندار پروگرام دیکھے۔ جو کہ بہت قابل ستائش تھے۔ اور یہ کہ ایک جنیر دینی کتابوں کے اسٹال کا بھی دیکھا جو کہ اس زمانے میں حیرت والی بات تھی۔ لیکن معلوم نہیں کیوں پروگرام کو آپنے بہت روکھا پھیکا رکھا۔ کیا اس سے آپ کو دلچسپی کم ہے یا واقعی ایسا ہی ہے۔ پھر اتنا بھی آپنے کیا بہت کیا۔ مزید توفیق کی دعا ہے

فقط آپکا

محمد عمر صدیقی

. : .

دیوبند

کرمی محترمی، سلام و نیاز

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا

۹ مئی کو دلی سے واپسی کے بعد آپ کے دونوں خطوط یکے بعد دیگرے ملے بذریعہ نعمان دانش آپ کا سلام شفقت بھی باعث سرور و مسرت ہوا۔

حسب الحکم کسی قدر ایک تفصیلی مضمون "مسلم پرسنل لا اور ترمیم" کے عنوان سے بھیج رہا ہوں۔ ملنے پر فوراً رسید سے مطلع فرمائیں

مضمون کیسا ہے؟ اور اسکی اہمیت کتنی ہے؟ آپ اور ناظرین کرام خود اسکے مقام کو متعین فرمالیں گے۔ اگر قارئین کرام نے محسوس کیا کہ ہاں یہی ہمارے دل کی بھی بات ہے تو میں سمجھوں گا کہ میری کاوش ٹھکانے لگی

مصروفیت کی زیادتی اور موسم کے ستم سے شاید اس قابل نہیں تھا کہ کچھ بھیجتا لیکن اس خاص "مسلم پرسنل لا نمبر" میں شرکت سے محرومی بھی اچھی نہیں معلوم ہوئی۔ اسلئے کچھ دوسرے مشاغل کو کٹیس پہونچا کر کوئی مضمون بھیجنا ضروری سمجھا چنانچہ مضمون مذکور پیش خدمت ہے۔ کاش لوگ مضمون پڑھ کر پکار اٹھیں کہ "ہاں مسلم پرسنل لا میں ترمیم نہیں ہوگی، نہیں ہوگی! تاکہ حکومت مسلمانوں کی اجتماعی آواز کا وزن محسوس کرے۔

آپ کا

داؤد نیاضی جلالپوری

. : .

نیاکریم گنج
گیا (بہار)

مکرمی۔ تسلیم

رسالہ "سیرت نمبر" ملا دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ کتنے سیدھے سادے الفاظ میں قارئین کو آگاہ کیا گیا ہے۔ وہ بھول

اتنا آپ یہاں تو حالات یہ ہے کہ

نقیبہ شہر تارو رنے نعت بلے ئے حجازی کا

کتابت طباعت سب ہی اچھی ہے۔ خدا آپ کی محنتوں

کو بارآور کرے (آمین)

ان شاء اللہ پہلی کوشش میں قلمی تعاون کی کوشش کروں گا

فقط

نیاز مند

محمد بدیع الزماں

(ڈپٹی مجسٹریٹ)

⁂

دیوبند (یو۔پی)

مکرمی۔ تسلیم

سلم پرسنل لا نمبر کے لئے ایک تازہ ترین نظم ارسال

کر رہا ہوں امید ہے شرفِ مقبولیت حاصل کرے گی۔ آپ

کے رسالے کے معیاری ہونے کا بین ثبوت اعظم عثمانی : چیزہ

ہونہار نوجوان فنکاروں کی قلمی اعانت ہے۔ نظم کی رسید

سے ضرور نوازیئے۔ انتظار رہے گا۔

آپ کا اپنا

کفیل الرحمٰن نشاط

⁂

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ رگ سنگ کانپور

السلام علیکم

ایک ایک مضمون بھیج رہا ہوں۔ اس کا عنوان "دورِ رقص"

ہے ایک رقص شاہ صاحب کا ہے۔ دوسرا کم سن رقاصہ

کا۔ آجکل یہ کیسا اندھیر ہے کہ ایک شخص پر روپیہ کی بارش

ہو رہی ہے اور دوسرا باوجود محنت شاقہ کے ایک وقت

کے کھانے سے بھی مجبور ہو رہا ہے۔

امید ہے کہ شریک اشاعت فرما کر شکر گذار کریں

گے۔ والسلام

آپ کا خادم

سید اظہر حسین ہاشمی

⁂

لکھنؤ۔

مکرمی السلام علیکم

پوسٹر لے گئے ان کو ادبی حلقوں میں نمایاں مقام پر اور

ہوٹلوں میں چسپاں کرا دیا گیا ہے سلم پرسنل لا کے لئے دو نئے

قطعے ارسال کر رہا ہوں امید ہے کہ پسند آئیں گے اور ساتھ ہی

ایک نعت شریف تاجدارِ حرم کے عنوان سے ارسال ہے

یہ نعت آپ بھی ریڈیو پاکستان سے سن چکے ہوں گے اور برابر

سنتے ہوں گے اسوقت یہ نعت عالمی حیثیت حاصل کر چکی ہے

۸ سال سے یہ نعت پاکستان کے ہر اسٹیشن سے نشر ہو رہی

ہے مگر نہ تو میرا مقطع پڑھا جاتا ہے اور نہ نام ہی نشر کیا جاتا

ہے ۱۹۶۳ء میں یہ نعت میں نے پاکستان کے ایک مشہور رسالے

"سلطان العارفین" میں شائع ہونے کے لئے بھیجی تھی۔ وہ شائع

ہوئی اور وہ رسالہ ابھی میرے پاس ثبوت کے لئے موجود ہے اور یہ

اسی زمانے میں ماہنامہ آستانہ دہلی میں بھی چھپ چکی ہے۔ ہندوستان

پاکستان کے اختلاف کی وجہ سے ابتک ریڈیو اسٹیشن سے کوئی بات نہ کر سکا

حالات سدھریں تو کوئی صورت نکالوں۔ براہ کرم آپ اس نعت کو سلم پرسنل

لا نمبر میں ایک مختصر سے نوٹ کے ساتھ دیدیں نوازش ہوگی۔ حالات تو

سب لکھ دیئے نوٹ آپ بنا لیں۔ یہ بہت ضروری ہے

آپ۔ پیام جہالوی

سوالات و جوابات

لیجئے جواب حاضر ہے

علامہ مسلوی کے قلم سے

ایک شخص بیک وقت تین سوالات ہی دریافت کرسکتا ہے۔ سوال صاف اور خوشخط اور جواب کے لئے جگہ چھوڑکر لکھیں۔ صرف تعلیمی۔ اصلاحی معاشرتی اور معلوماتی سوالات ہی کے جواب دئے جائیں گے اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرمائیں۔ "لیجئے جواب حاضر ہے" ماہنامہ "رنگ سنگ" ۸۹/ ۴۲ کھنیا بازار کانپور۔

واحد ضیا ہاشمی جالپوری — دیوبند

س۔ کئی دنوں سے یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کو ایک مشورہ دوں۔ ممکن ہے شرف قبولیت حاصل کرے۔ میرا خیال ہے کہ مقالوں کی تعلیق کے ساتھ اپنے ادارتی نوٹ کیساتھ اس کا پتہ بھی شایع فرمائیں تاکہ قارئین کرام خود اگر کسی معاملے میں کوئی اختلاف یا کسی قسم کا اظہار کرنا چاہیں تو وہ براہ راست اپنے قلمکاروں سے کرسکیں۔ اسطرح خود مضمون نگاروں کو اپنے مضامین و تحقیقات کے بارے میں قارئین کی رائے و خیالات کا پتہ چلتا ہے۔

ج۔ مشورہ نہایت صائب اور قابل قبول ہے۔ ہمارے ذہن میں بھی کچھ اسی قسم کی تجویز تھی۔ انشاءاللہ آئندہ کسی شمارے سے ہم اس پر ضرور عمل درآمد شروع کردیں گے۔

س۔ میں نے اپنے خط میں یہ تذکرہ کیا تھا کہ اپنے دیگر احباب کو بھی رنگ سنگ کے تعاون کے لئے آمادہ کر رہا ہوں۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی ساجد صدیقی صاحب کی یہ مرسلہ غزل ہے۔ مجھے تو یہ غزل پسند ہے اگر آپ کو بھی پسند آئے تو رنگ سنگ کے صفحات پر جگہ ضرور دیں۔

ج۔ احباب کی قلمی عنایت کی کوششوں کے لئے شکریہ۔ ساجد صدیقی صاحب کی غزل اس شمارہ میں شایع کی جارہی ہے پسندیدگی کے بارے میں ہم کیا فیصلہ کریں یہ فیصلہ ہمارے قارئین پر ہی چھوڑ دیجئے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

س۔ سیرت نمبر خوب ہے۔ ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے جتنے کا مطالعہ کرچکا ہوں اس میں سید اطہر حسین ہاشمی صاحب کا فکر انگیز مضمون "مسلم پرسنل لاء" یونس بھائی

کے سیرت مقدسہ پر شگفتہ قطعات اور فراق فتحپوری
پیام سہالوی کی سنجیدہ غزلیں خصوصیت سے پسند آئیں
اگر مجھے بھی غمہائے وقت پر سے ہوتے تو شاید میں بھی
سیرت مقدسہ پر مضمون بھیجنے کی سعادت سے محروم نہ رہتا
ج ۔ خدا کا شکر ہے کہ سیرت نمبر آپ کو پسند آیا ۔ بلکہ یوں
کہیئے کہ جن جن ہاتھوں میں گیا ان سے ہماری کی گئی
محنتوں کی داد اور ستائش جی بھر کر حاصل ہوئی گرامی
رائے کا شکریہ ۔
س ۔ طباعت اور کتابت میں غلطیاں قارئین پر اچھے اثرات
نہیں چھوڑتیں اگر طباعت و کتابت کی عمدگی پر توجہ
دینا آپ کے لئے ممکن نہیں تو کم از کم صحت و تصحیح پر ہی
زور دیجئے ۔ اس لئے کہ کتابت کی غلطیاں اکثر اوقات
مطالب سے گزر کر مضحکہ خیز تک بن جاتی ہیں
ہمیں اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ کہنے اور
کرنے میں فرق ہے لیکن تصحیح کا کوئی اتنا بڑا مشکل
مسئلہ نہیں ہے جو حل نہ ہو سکے امید ہے کہ رنگ
سنگ کو اغلاط کی آفات سے بچائیں گے ۔
ج ۔ آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر ہم خود یہ نہیں چاہتے
کہ رنگ سنگ اغلاط سے بھرپور اپنے قارئین تک
پہنچے ۔ مگر اس کو کیا کہوں کہ باوجود احتیاط کے غلطیاں
رہ ہی جاتی ہیں ۔ بہر حال کوشش میں ہوں کہ رنگ
سنگ اپنے قارئین تک ہر ماہ ہر لحاظ سے بے داغ
اور نک سک سے درست پہنچا کرے ۔

ایس ۔ ایم ۔ مسعود کانپور

س ۔ دنیا میں آبادی کے لحاظ سے سب سے بھوکا ملک
کون ہے ۔
ج ۔ آپ کا سوال بڑا پیچیدہ ہے بھلا کس ملک کو
"بھوکا قرار دیا جائے ۔ ویسے اس وقت تک جب
تک کہ امریکہ کی پی ۔ ایل ۔ ۴۸۰ کی امداد ہندستان کو
ملتی رہی شاید ہندستان ہی دنیا کا سب سے
بھوکا ملک قرار پاتا تھا ۔ اور اب کس ملک کو بھوکا
قرار دیا جائے ۔ صاحب یہ ہماری سمجھ سے باہر
ہے ۔ ترقیاتی دور میں تمام ترقی پذیر ممالک اسقدر
ترقی تو کر ہی چکے ہیں کہ وہ کچھ عرصے کے بعد خود
کفالتی کی منزل کو پہنچ جائیں گے اور تب پی ۔ ایل
۴۸۰ کے تحت امداد لینے والا کوئی بھی ملک اپنے
آپ کو بھوکا نہ کہہ سکے گا ۔
س ۔ کیا سیلون ہندستان کا حصّہ ہے ؟
ج ۔ جی نہیں ۔ سیلون اس وقت تک ہندستان کا
حصّہ تھا جب تک کہ ہندستان انگریزی قلمرو میں
شامل تھا اس وقت انڈیا کے نام سے پکارا جانے
والا ملک موجودہ پاکستان' بنگلہ دیش' برما اور
سیلون پر مشتمل شمار کیا جاتا تھا ۔ دوسری جنگ عظیم
میں جرمنی کی شکست کے بعد سے لیکر آزادی کے بعد
تک مختلف علاقے آزاد مملکت کی حیثیت اختیار
کر گئے اور ہندستان دنیا کے نقشے میں گھٹ گھٹا
کر موجودہ "بھارت" کے بقدر رہ گیا ۔ پاکستان کے
دو لخت ہو جانے سے اس برصغیر میں ایک اور
نئے ملک بنگلہ دیش کا اضافہ ہو گیا ہے حالانکہ کبھی
یہ بھی ہندوستان کا ہی ایک ٹکڑا تھا ۔
س ۔ مسلم قوم کی تباہی کی کیا وجہ ہے ۔
ج آپ کی مراد کس قسم کی تباہی سے ہے ؟ اجی جناب
تباہی تو بڑی معمولی چیز ہے مسلم قوم اب تو ہر لحاظ
سے دیوالیہ ہو گئی ہے ۔ کون سی پستی اور گراوٹ

ایسی ہے جو اس میں موجود نہیں۔ کون سی تباہی ایسی ہے جو اس پر نہیں آئی۔ مشرق سے لیکر مغرب تک کسی بھی ملک کے مسلمان کی موجودہ حالت پر نظر ڈال لیجئے سب ایک ہی چکی میں پستے ہوئے نظر آرہے ہیں وجہ اس کی آپ دریافت کر رہے ہیں تو جناب مجھے یہ بات کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ اسکی وجہ آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ سوال آپ نے تیسرے سوال کا کوٹا پورا کرنے کیلئے کر ڈالا ہے ورنہ ہم آپ سب جانتے ہیں کہ مسلم قوم کی تباہی کی وجہ اسکی موجودہ گمرہی ہے۔ اس کا ایمان کمزور ہو چکا ہے۔ وہ خدا کے ساتھ غیر اللہ کو بھی شریک کرنے لگا ہے اس کا اسلام کے ضابطہ حیات کے ساتھ ساتھ تمام قدیم و جدید ازموں پر بھی ایقان وسیع ہو گیا ہے وہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو اب ذہنی (mythology) سمجھنے لگا ہے۔ بس یا اور کوئی وجہ بھی آپ دریافت کریں گے۔ مسلمان قوم کی تباہی کی وجہ گننے پر آجایئے تو خدا جھوٹ نہ بلوائے وجوہات اتنی ہیں کہ ہم لکھتے ہی رہ جائیں اور رنگ سنگ کے صفحات متحمل نہ ہو سکیں۔

نجم عثمانی — دہلی

س۔ جون کا شمارہ خوب ہے۔ روز بروز رسالہ کا معیار بہتر ہوتا جا رہا ہے۔ ٹائٹل دیدہ زیب ہے لیکن کتابت میں وہی بات۔ تازہ شمارہ میں نجائیے ستم نے اردو اور اردو والوں کے لئے اچھے انداز میں ضروری باتیں کی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

ج۔ گرامی رائے کا شکریہ۔ کتابت کا معیار ہم بہتر بنانے کی فکر میں ہیں انشا اللہ بہت جلد ہم بہتر اور معیاری کتابت کے ساتھ رنگ سنگ کو پیش کریں گے۔

س۔ منظومات میں یونس قنوجی صاحب کے اشعار خاص طور پر تشبیہات بہت عمدہ ہیں لیکن یہ سب ہی اشعار ہفت روزہ عزائم لکھنؤ میں شایع ہو چکے ہیں بہر حال عمدہ چیز کی زیادہ اشاعت بھی گوارا ہے لیکن اس کا اظہار ہونا چاہئے تھا۔

ج۔ یونس قنوجی صاحب کے اشعار خود ان کے ہی روانہ کردہ تھے اور موصوف نے اپنے گرامی نامہ میں اس بات کی وضاحت بھی کر دی تھی کہ یہ اشعار شایع کئے جا چکے ہیں لیکن چونکہ وضاحت نہ تھی اس لئے حوالہ نہ دیا جا سکا۔

س۔ ادبیات میں جاوید ادیب کا "بھول" اچھا ہے لیکن یہ بھی حامد حسین صاحب کا مجموعہ "اب تک یاد ہے" (مطبوعہ جماعت اسلامی) کو سامنے رکھ کر یا کم از کم پڑھکر لکھا گیا ہے۔ ادیب صاحب کی "بھول" مستعار کی بھول ہے اور میرے نزدیک قابل درگذر بہر حال کہانی کا مقصد رنگ سنگ کے عین مطابق ہے اس انداز کی چیزیں (تھوڑی سی توجہ کے ساتھ) ضرور شایع کیجئے۔ اچھا رہے گا۔

ج۔ جاوید ادیب ہمارے لئے کوئی نئی شخصیت نہیں ہیں بلکہ وہ تو ہمارے شعبۂ ادارے کے اعزازی رکن ہیں ان کا کہنا ہے کہ محولہ بالا کتاب ان کی نظروں سے آج تک نہیں گذری۔ علاوہ ازیں یہ انکی بدقسمتی ہے کہ انھیں جماعت اسلامی کا کسی قسم کا لٹریچر پڑھنے کا آج تک موقعہ ہی نہیں ملا۔ وہ ایک مصروف کاروباری آدمی ہیں لیکن گاہے گاہے ادبی ذوق کی تسکین کیلئے کچھ نہ کچھ وقت نکال لیتے ہیں انھوں

نے "بھول" کے عنوان سے منون افسانہ خود اپنی ہی ذہنی کاوشوں کے سہارے لکھا ہے ۔ علاوہ ازیں "رگِ سنگ" میں ایسے مضامین کی اشاعت سے احتیاط برتی جاتی ہے جن کے بارے میں ذرا سا بھی شک ہو جائے کہ یہ مستعار لئے گئے ہیں یا کہیں سے چرائے ہوئے ہیں ۔

ابو جعفر — کانپور

س :۔ میں رگِ سنگ کا پابندی کے ساتھ مطالعہ کرتا ہوں ماشاءاللہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے خدا نظر بد سے بچائے ۔ مگر صاحب ایک شکایت ہے آپ سے ۔ مستقل عنوانات کے تحت مضامین ہر ماہ رسالہ کی زینت بنتے چاہئیں جبکہ ہوتا یہ ہے کہ کبھی کبھی کوئی عنوان صاف غائب ہو جاتا ہے جیسے ابو غزل صاحب کی سیر و سفریات جون کے شمارہ میں نظر نہیں آئیں ۔ جون ہی کے شمارہ میں تفریحات کے عنوان پر کچھ تحریر نہیں کیا گیا ۔ یہ دونوں عنوانات میرے پسندیدہ ہیں ۔ ان کی اشاعت التوا میں نہ ڈالا کیجئے ۔

ج :۔ رگِ سنگ سے متعلق آپ کی نیک خواہشات کا شکریہ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ رگِ سنگ کے کسی شمارہ میں تشنگی باقی رہ جائے اور ہمارے قارئین کو اس کا احساس ہو لیکن اس سے بڑھکر ہم یہ کوشش بھی کرتے ہیں کہ ہر ماہ رسالہ بہتر سے بہتر انداز میں شائع ہو کر قارئین تک پہنچے ۔ اسی لئے ترجیحی حیثیت کے عنوانات کو ہم ہر شمارہ میں شامل کر لیتے ہیں ۔ اب آپ ہی بتایئے کہ اسلامیات، منظومات، غزلیات سیر و سفریات، معاشیات، انکشافات، تحقیقات ادبیات، مزاح و طنزیات، بزمِ مستورات، تفریحات تعلیمات، انتقادیات، مکتوبات، سوالات و جوابات شہریات اور اسی طرح کے تمام عنوانات کو ہم ایک ہی شمارہ میں کیسے یکجا کر سکتے ہیں ۔ صفحات کی تنگی کا شکوہ خود ہمیں بہت زیادہ ہے ۔ وسائل محدود ہیں اس لئے ترتیب کے ساتھ ہی عنوانات زیبِ صفحات کئے جا سکتے ہیں ۔ امید ہے کہ آپ کی اس سلسلے میں شکایت رفع ہو گئی ہوگی ۔ ویسے ابو غزل صاحب کو ہم نے یاد دہانی کرا دی ہے کہ وہ اس موضوع پر مسلسل کچھ نہ کچھ لکھتے رہیں اور تفریحات کے عنوان پر بھی ہر ماہ ان شاءاللہ کچھ نہ کچھ دیا جاتا رہے گا ۔

س :۔ مسلم پرسنل لاء نمبر کب آ رہا ہے ۔ اس کے مطالعہ کیلئے بے چین ہوں

ج :۔ لیجئے صاحب مسلم پرسنل لاء نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد ہمیں اپنی رائے سے ضرور نوازیں ۔

س :۔ اگر میں تفریحات کے عنوان پر کچھ لکھ کر بھیجا کروں تو کیا آپ اسے شائع کریں گے ۔؟

ج :۔ ضرور بھیجئے صاحب، ہم شکریہ کے ساتھ شائع کریں گے ۔

س :۔ ابو ضیا صاحب کے رشحاتِ قلم رگِ سنگ کے صفحات پر نظر نہیں آتے ۔ کیا بات ہے ؟

ج :۔ ابو ضیا صاحب ادارتی ذمہ داریوں کے علاوہ دفتری ذمہ داریوں کا بھی بوجھ ہے ۔ اس لئے انھیں خود نوشت مضامین لکھنے کی فرصت کم ہی مل پاتی ہے ۔

تشریحات

مسلم پرسنل لاء

محمد سمیع صدیقی ندوی

یہ مسئلہ ایک معمہ بن گیا ہے۔ متعدد تشریحات اخبارات میں رسالوں اور مختلف تحریروں میں آتی رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں تین گروہ سامنے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جس نے مغربی تعلیم حاصل کی ہے اور مغربی طرز فکر سے وابستہ ہے۔ بلکہ سخت متاثر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مذہب کے قید وبند آزاد ہو کر ایسے معاشرتی قوانین بنیں جو مرد اور عورت کو اخلاقی، مذہبی اور روحانی پابندی سے یکسر آزاد کر دے اور بالکل بے پرواہ ہو جائے۔

دوسرا گروہ ہے جو ہر تغیر کو شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسلام سے وابستگی کا اظہار کرتا ہے۔ مغربی علوم سے سرفراز ہے۔ قانون شریعت کو قرآن۔ حدیث۔ فقہ سے حاصل نہیں کرتا بلکہ ترجمے سے مستفیض ہوتا ہے۔

تیسرا گروہ علماء کا ہے جو حامل شریعت ہے۔ عوام تک رسائی ہے۔ حکومت اور جدید معاشرہ سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ وقت کے تقاضے سے باخبر ہوتے ہوئے بھی فعال نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی دور میں "پرسنل لا" کو تعزیرات کے اندر شامل کیا گیا۔ جسکے بنانے والے دوسرے گروہ کے لوگ تھے۔ اسلامی معاشرت میں اپنا مقام کھو دیا اور علماء دینیہ مکتب و مدرسے میں محدود ہو گئے۔ ایک قسم کی پاپائیت کے حامل ہو گئے۔ تعمیر ملت میں سیاستدانوں کے اشاروں پر چلنے لگے۔ اور گروہ در گروہ پیدا ہو گئے۔ جو ایک دوسرے کی رد میں سارا زور اور قوت صرف کرنے لگے۔ زمانہ تیزی سے آگے بڑھتا گیا۔ نظر انداز کرتا گیا۔ اسکی روانی کا ساتھ نہ دے سکے انگریزی دور نے نظر انداز کر دیا تھا کا ہد نکل گیا۔ عدالتوں نے انگریز کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ دینا شروع کیا۔ اسلامی قوانین اور ہندو حضرات کے شاستر کی جگہ انگریزی "...." نے لے لیا۔

تاریخ نے کروٹ بدلی۔ انگریزی راج نے بحسن خوبی برصغیر کو آزاد کر کے۔ ہندوستان کو خیرباد کہا۔ جس شاطرانہ انداز سے ساحل ہندوستان کو چھوڑا وہ بھی ان کی سیاست کا ایک شاہکار سمجھنا چاہیئے۔ مسلمان ایک ہزار سال سے سرزمین ہند پر بستا۔ رہتا۔ چلا آتا تھا۔ بزرگان دین نے اسکو اپنا مسکن بنایا صوفیہ کرام نے تلقین اور ارشد ہدایت کے دروازے کھولے غرضیکہ خاک ہند سے وابستہ ہے۔ یکایک ایک تخیل نے جنم لیا جسکو انگریزی طرز فکر نے اشارہ دیا۔ آہستہ آہستہ ملت کے دل و دماغ پر مسلط ہو گیا۔ علماء کے دو گروہ بن گئے ایک خاموش رہا۔ دوسرا اپنی بصیرت سے اسکے مضرات سے واقف ہو کر مانع ہوا۔ عوام کی باگ ڈور ایسے گروہ کے ہاتھ میں آگئی جو

جو دین سے واقف نہ تھی، اسلام کی ہمہ گیری اور عالمگیر صفت سے نا آشنا تھی۔ ۱۹۴۷ء میں ایک سیلابی شکل بن گئی تقسیم ہند کا نعرہ لگا۔ اور سب اس کی رو میں بہہ نکلے۔ جو خونی مناظر۔ ترک وطن، تباہی۔ بربادی کا حال ہوا۔ ہند کا مسلمان پاکستان کو ہر مرض کا علاج سمجھنے لگا۔ قربانی پر قربانی دیتا چلا گیا۔ کشمیر تقسیم ہوا۔ حیدر آباد کا زوال سامنے آیا، آخر میں پاکستان کی نااہلی سے مغرب و مشرق میں جو بُعد تھا وہ سیاسی (بُعد میں) منافرت میں علیحدگی میں رونما ہوا۔ اور پاکستان کو سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ عام ذہن پاکستان کے طرف دیکھنے لگا۔ قوت کے بجائے اضمحلال اور توانائی کے بجائے کمزوری آگئی۔ اسلام کو ایک محدود خطہ میں مقید کر دیا گیا۔ مسلمانان ہند سے رابطہ بھی ختم ہو گیا ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

اس تمہید بعد ذرا پرسنل لا پر نظر ڈالی جائے اسکے تحت عموماً شادی بیاہ، طلاق خلع، وراثت ایسے عنوانات زیر بحث لائے جاتے ہیں آج کل بعض پر خلوص دلوں کو تلاش ہے کہ افتراق اور اختلاف کے تیر و نشتر کم ہو جائیں خصوصاً مغربی علوم سے وابستہ حضرات کا قول ہے کہ قرآن ایک حدیث نبوی موجود تو ائمہ کا اختلاف کیوں؟ فقہاء اسلام ایک بات پر متفق کیوں نہیں ہیں؟ یہ پہلو افسوسناک ضرور ہے کہ فرقے بن گئے۔ اس میں تسکین کی ایک وجہ بھی پائی جاتی ہے۔ کلام الٰہی کی خوبی ہے کہ وہ ہر استعداد کے لوگوں کی تسکین کرتا ہے۔ ایک عامی اسطرح فائدہ اٹھاتا ہے جسطرح ایک فلسفی یا صوفی یا استدلالی مستفیض ہوتا ہے۔ آیات قرآنیہ عقل سے کام لینے کی تلقین کرتی ہیں۔ مظاہر خداوندی کے پرکھنے، سمجھنے اور حقیقت شناس بننے کے لئے دعوت دیتی ہیں۔ معاشرت کے سنوارنے دنیا کے اصلاح کے لئے روشنی بخشتی ہیں۔ قرآن کریم کوئی جامد کتاب یا نظریہ نہیں رکھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا دعویٰ عالمگیر نہ ہوتا۔ اور عصری افکار اور حادثات سے متاثر ہو کر اسکی افادیت ختم ہو جاتی۔ ایسا نہیں ہوا۔

چودہ سو سال میں اسکی روشنی مثل آفتاب کے ضوفشاں چلی آرہی ہے۔ اور اس ایٹمی توانائی اور خلائی دور میں بھی بنی نوع انسان کو ہدایت ملتی ہے۔ مفسرین نے اپنے علم، سمجھ اور ماحول سے متاثر ہو کر تفسیریں لکھی ہیں۔ ان پھولوں کی رنگت جدا جدا ہے۔ مگر مہک یکساں ہے۔ اس وقت سائنس کے انکشافات نے عالم کو مبہوت بنا دیا ہے۔ قرآن کریم صرف پہلی صدی ہجری تک محدود ہوتا تو لوگ اسے اوراق پارینہ سمجھ کر طاق نسیاں میں سنوار کر رکھ دیتے۔ آج سائنسی دماغ بھی کلام الٰہی کے نکات کو اسکی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مصری علما دور حاضر کے علمی مباحث کو قرآن حکیم سے استفادہ کرکے پیش کر رہے ہیں۔ کلام الٰہی ہمیشہ بنی نوع انسان کو خطاب کرتا ہے۔ ترقی کی منزلوں کو طے کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ستاروں کے آگے کی دنیا کی تحقیق کی طرف مائل کرتا ہے۔ انسانیت کو جھنجھوڑتا ہے، جگاتا ہے۔ اور فکر انسانی کو بال و پر بخشتا ہے۔

فقہائے اسلام اور علمائے حق نے سچائی کے ساتھ اپنے تبحر علمی سے کام لے کر زندگی اور معاشرت کے گوناگوں تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر علوم اسلامی کے سرچشمہ سے استفادہ کیا۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں فقہ کی تدوین کی۔ فروعی باتوں میں اپنی تحقیق کے مطابق اختلاف بھی کیا۔

مختلف ائمہ کرام اور مجتہدین عظام نے کاوشیں کیں۔ سرچشمہ سے فیضیاب ہو کر فقہ کی شکل میں کتابیں لکھی گئیں جس سے مسلمانوں نے معاشرہ اور معیشت دونوں کے لئے روشنی پائی قرآن پاک نے ایسی رہنمائی کی کہ سوتی دنیا جاگ گئی۔ بھٹکتی انسانیت معرفت حق سے دوچار ہو گئی۔ نئے علوم نے جنم لیا۔ منطق، فلسفہ

تاریخ۔ جغرافیہ طبعیات کیمیا۔ طب کی طرف لپکے اور جدید سائنس کے لئے سنگ بنیاد رکھ دی۔

فکر انسانی کی کوئی حد متعین نہیں، فقہا اسلام بنیادی عقائد میں ایک ہیں۔ فروعی باتوں میں قیاس سے کام لیا ہے اس سلسلہ میں مختلف رائے اور استدلال کو پیش نظر رکھا زندگی برتنے کا اصول بنائے۔ یہ بھی ایک زندگی کی علامت ہے۔ جسطرح ماضی میں مختلف تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر استدلال سے کام لیا گیا۔ اب بھی دروازہ بند نہیں حاملینِ علوم اسلامیہ اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔

"پرسنل لا" اور یکساں سول کوڈ کے نعرے بھی ایسے دماغوں کی اپج ہیں، جو علوم دینیہ سے یکسر واقف نہیں۔ ذرا الفاظ ہی پر غور کر لیجئے انگریزی الفاظ کس بات کی غمازی کر رہے ہیں۔ ان خیالات کے خالق وہ لوگ ہیں جو شریعت اسلامیہ سے ناواقف ہیں۔ اور اجنبی الفاظ کے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں پرفریب اور ناقابلِ عمل نظریہ میں گرفتار ہیں۔ سارے ہندوستان پر نظر دوڑائیے۔ کتنے مذاہب ہیں، قدیم بھی ہیں جدید بھی، کتنے طبقات ہیں۔ کتنے قبائل ہیں۔ اور کتنی علاقائی قومیں ہیں جو عقائد میں، رسم و رواج میں مختلف ہیں۔ معاشرت میں، زبان میں اور لباس میں اختلاف رکھتی ہیں۔ کیا شریعت اسلامیہ میں چند تبدیلیوں سے یکسر اختلاف مٹ جائے گا اور یکساں "سول کوڈ" نافذ ہوسکے گا؟ کیا سب خوشی خوشی خیر مقدم کرکے سرنگوں ہو جائیں گے؟ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ سرزمین ہند نے ہمیشہ آنے والی قوموں کو اپنی آغوش میں جگہ دی۔ ہندوستانی فضا نے ان پر ہندوستانی چھاپ ڈالی، سب پھولتی پھلتی رہیں۔ خوش دلی نے ہمیشہ ساتھ دیا جس سے ملک کی سالمیت برقرار رہی۔ اگر بد دلی پیدا ہوئی اور ملک انتشار کا شکار رہا۔ تو اسکی سالمیت پارہ پارہ ہو جائے گی اور تاریخ لکھنے والوں کو معاف نہ کرے گی۔ پاکستان مذہبی اعتبار ایک ہے مگر بد دلی نے ایسی شکل اختیار کی جس سے وہ دو ٹکروں میں بٹ گیا۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

طلاق اسلام نے جو طریقہ طلاق کا بتلایا ہے آج اس کو جدیدیت نے انحراف کرنے کی کوشش کی ہے۔ بڑی بھیانک شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مغرب میں طلاق لینے کا جو انداز رائج ہے اسے پیش نظر رکھ کر عورت کی آزادی کا نعرہ لگایا گیا ہے۔ ایک تحریر نظر سے گذری جس میں اظہار خیال کیا گیا تھا کہ عرب میں ایک عورت طلاق کو بخوشی قبول کر لیتی ہے۔ مگر ہندوستان میں طلاق عورت کے لئے موت کے مترادف ہے۔ بڑی نازک خیالی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور ہمدردی بھی۔ قانون کی نظر میں جذبات کو کوئی دخل نہیں۔ باپ۔ بیٹیا۔ بھائی بہن مرد عورت سب اسکے نزدیک برابر ہیں۔ ایسے رسم و رواج جو غلط طور پر رائج ہیں شریعت میں انکا کوئی مقام نہیں۔ طلاق اور خلع پر فقہائے اسلام نے بہت واضح اور تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ زندگی کی منزلوں سے۔ معاشرت کی نزاکتوں سے واقف ہوکر فقہ پر کتابیں تدوین کی ہیں۔ اور اب بھی اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے۔

ذرا فطرت کی تقسیم پر نظر ڈالیں، باپ خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ اولاد کی پرورش، تعلیم اور کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے اولاد کی نسبت اسی کی طرف دی جاتی ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی بیوی بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کردے تو باپ ہی پر اسکا انتظام لازم ہے۔ نظام معیشت میں۔ خاندان میں باپ کو یہ حیثیت حاصل ہے۔ طلاق دینے کا حق قانوناً اسے ملتا ہے تو ظلم نہیں بلکہ فطری تقسیم ہے۔ رہا طلاق کا ایک بار۔ دو بار یا سہ بار دینا۔ قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے شارع نے خوب واضح کردیا

چودہ سو برس میں ہزار ہا فیصلے ہوئے ہیں۔ ائمہ نے کاوشیں کی ہیں۔ جو مسلک جسے پسند آئے اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی مقام کے لئے "اختلاف امتی رحمۃ" کہکر پیغمبر اسلام نے رہنمائی کی ہے۔ اختلاف سے مراد جنگ و جدال نہیں اصول اسلام سے بیزاری نہیں۔ ایک دوسرے کی تحکیم نہیں بلکہ فکر و نظر میں اختلاف ہو۔ قیاس میں اختلاف ہو۔ فہم و ذہن رسا میں اختلاف ہو۔ غرض کہ علمی میدان میں شہسوار سابقت دکھلائیں۔ اور علوم حقہ کی آبیاری کریں۔ صرف شرط یہ ہو کہ قرآن و سنت سے ٹکراؤ نہ ہو۔ بنیادی عقائد پامال نہ ہوں۔ الجھاؤ ہو سلجھاؤ کے لئے۔ بددلی کی جگہ خوش دلی لے افتراق کی جگہ اتحاد ہو۔ خلع کا حق عورت کو دیا گیا ہے۔ طلاق و خلع دونوں مصلحت کے تقاضوں پر مبنی ہیں۔ جب معاملات زن و شو حد سے تجاوز کر جائیں۔ ثالث بھی ناکام رہیں۔ کوئی سبیل باقی نہ رہے تو خوش اسلوبی سے جدائی کیجائے۔ جس میں ظلم زیادتی حق تلفی کا شائبہ بھی نہ ہو یہ دونوں عمل مستحسن نظر نہیں دیکھے جاتے شریعت نے اسکی ہمت افزائی بھی نہیں کی ہے۔

یہ بڑا المیہ ہوگا کہ عورت خصوصاً صاحب اولاد اپنے شوہر سے جدا ہو۔ اگر حالات ناگفتہ بہ ہو گئے ہوں تو جدائی خلع کے ذریعہ ممکن ہے۔ یک حق ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ شوہر کو جسمانی اور روحانی حیثیت سے بدترین ہستی ثابت کرنا پڑے گا۔ تب کہیں خلع کا حق مرتب ہوگا۔ معاشرت میں ایسے واقعات شاذ ہی ہوتے ہیں۔ مغرب کی تقلید آزادی نہیں اور نہ بلند اخلاقی ہوگی۔

عورت کی قدر و منزلت کا ایک مرقع پیغمبر اسلام نے پیش فرمایا ہے جو ایک نمونہ ہے۔ حضرت زید بن حارث جو بچپن سے غلام تھے آپؐ کی خدمت میں برسہا برس رہے۔ آپکو بیٹے کی مانند رکھا اور شفقت فرمائی۔ آج کتنی حدیثیں زیدؓ سے مروی ہیں۔ حضرت زینبؓ سے نکاح کر دیا گیا حضرت زینبؓ کو پسند نہ آیا۔ مزاجوں کا فرق آزاد اور غلام کا فرق اگرچہ پیغمبر خدا نے آزاد کر دیا تھا۔ معاشرہ میں مقام کا فرق یعنی نبی کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ غرض کہ انھیں پیغمبر اسلام نے طلاق دلوادی یعنی خلع کا حق استعمال ہوا۔ اب ایک مطلقہ عورت ہے وہ بھی سوسائیٹی میں غلام کی ذلت کے سوا کچھ نہ تھا۔ دیکھئے پیغمبر اسلامؐ نے کیا مرتبہ بڑھایا اپنی مناکحت میں لے لیا۔ اور امہات المومنین میں شامل ہو گئیں نہ الزام تراشی کی ضرورت تھی نہ جنسی کمزوری کے ثبوت کی حاجت۔ اسطرح امت کو اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ہدایت ملی غلط رواج کا ازالہ ہوا۔ یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی جائز قرار پائی۔ جو عرب میں جاہلیت کے بنا پر ناقابل عمل سمجھا جاتا تھا۔ اس واقعہ کو ایک مستشرق اپنی کور چشمی سے کچھ اور ہی رنگت دیتا ہے مگر قرآن پاک کی شہادت عورت کے حق میں ہے۔

بشریت کے تقاضے، ناانصافی کی مثالیں۔ غصہ کے عالم میں طلاق کا دینا ایسی مثالیں ملتی ہیں کیا ایسی مثالیں کیا اخلاق کی یا مالی قانون شکنی کی اجازت دیتا ہے کہ قانون بدل اور آزادی کی ناگفتہ بہ لہر مشرقی معاشرت میں سرایت کر جائے اور جو مغرب میں ہو رہا ہے یہاں بھی عورت "سوسائیٹی گرل" بنجائے۔ آج امریکہ کی عدالتوں کے سامنے طلاق ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔

زکوٰۃ دینا قرآنی حکم ہے کتنے مسلمان ہیں جو دانستہ یا نادانستہ طور پر عامل نہیں ہیں؟ حکم خداوندی اٹل ہے یہ اسلامی قانون ہے کہ زکوٰۃ ادا کیجائے۔ چند لوگوں کی خواہش پر یہ ساقط نہیں ہوتا۔ نہ اصول بدلے جا سکتے ہیں۔ اسیطرح حج فرض ہے کتنے دولت مند ہیں جو اس سے محروم رہتے ہیں۔

کیسی بدقسمتی ہوگی کہ لایعنی دلائل لاکر یا مغرب کی تقلید میں معاشرت کو ایسے ڈھانچے بدل دیا جائے جس سے نفس کی خواہش پوری ہوتی ہو۔ قرآنی احکامات کو یونہی بدلتے رہو تو کوئی غیر پائیدار قانون سوسائٹی کو پاکیزہ نہیں بنا سکیگا۔

طلاق کو شریعت نے مستحسن نظر سے نہیں دیکھا۔ عورت کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو۔ الزام تراشی نہ کیجائے۔ بہتر سلوک کا مستحق سمجھا جائے۔ مہر اور حق کی پامالی نہ ہو سورہ بقرہ کی آیات واضح طور پر تعلیم دے رہی ہیں۔ اگر کوئی بدبخت نہ مانے تو اس کا قصور ہے۔ شریعت کا نہیں۔ نہ شریعت کی بنیادی اور واضح قوانین میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔

"مداخلت فی الدین" کا نعرہ بھی ایک مہمل سی بات ہے کس حکومت کا لحاظ کیا جائیگا وہ حکومت جو سیکولر ہے ایسے مسائل کے حل کے لئے مجاز ہے جو شریعت اسلامیہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ مذہبی تعلیم۔ مذہبی امور سے اسے بالکل لگاؤ نہیں اس کے سرچشمہ سے۔ اسکے حقائق کا بالکل بے نیاز ہے تو پھر اسے دخل دینے سے کیا کام امور دینیہ خالص مسلمانوں کے ہاتھ میں رہنا چاہئے بہتر ہوگا کہ حکومت محکمہ قضا قائم کردے جو علماء اور فقہا کی جماعت شریعت اسلامیہ کو پیش رکھ فیصلہ دیں تاکہ مسلمانان ہند متحمند نظام شریعت سے وابستہ رہکر معاشرت کی سدھار کریں۔ اور حقوق کی حفاظت کریں۔ غیر مسلم حضرات بھی قانون داں ہیں۔ بہتر قانون کو سمجھتے ہیں مگر حامل شریعت اسلامیہ نہیں۔ اور نہ ان سے اسکی توقع کی جاسکتی ہے۔

تعداد ازدواج کی روک تھام کے لئے حکومت پر نظر لگی ہوئی ہے۔ ایک طرف تو عورت کی آزادی کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے۔ یعنی جس قدر بے راہ روی ہو اسے جائز قرار دیا جائے۔ دوسری طرف دو یا اس سے زیادہ شادی کو آرڈیننس کے ذریعہ یا پارلیامنٹ میں قانون بناکر روکا جائے جیسے مسلم سوسائٹی کی سدھار مضر ہو۔ ملت کو قانون کے ذریعہ پاک بنانے کی خوب سوجھی ہے۔ آج پردہ کا رواج اٹھتا جارہا ہے۔ کس قانون نے اسے ختم کیا؟

قرآن پاک سے ہمیں یہ حکم ملتا ہے:۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرلو دو دو عورتوں سے تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے اگر تم کو خیال ہو کہ عدل نہ کرسکوگے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو۔ (سورہ نساء کی شروع آیتوں میں ایک آیت)

قرآن کریم کا ہر تلاوت کرنے والا اس سے واقف ہے۔ شان نزول بھی معاشرت کی اصلاح کے لئے ہے۔ لوگ گھر کی یتیم لڑکیوں سے مال اور حسن کے سبب نکاح کرلیا کرتے تھے۔ مگر انھیں ذلیل رکھتے۔ حکم خداوندی ہوا کہ تم دوسرے خاندانوں میں شادی کرلو۔ چار عورتوں تک شادی کی اجازت ہے۔ ہاں خبردار ہوجاؤ! تم سے کسی عورت کی حق تلفی نہ ہو۔ اگر عدل نہ ہوسکے تو ایک ہی شادی کرنا ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے کمزور پہلو پر زور دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اسے فیصلہ اور انتخاب پر آزادی دی گئی ہے اور ذمہ داری بھی۔

کیسا پیارا انداز ہے نصیحت بھی ہے، حکم بھی ہے۔ اور فطری بشری کمزوری کی طرف توجہ بھی دلائی گئی ہے۔ حکومت کے ذریعہ وہ بھی سیکولر حکومت۔ کسی قانون کا بننا تمام رسوائیوں کا پیش خیمہ ہے۔ حکومت اخلاقی اصلاح سے عاری ہے آج عدالتوں کی بھی اصلاح نہ ہوسکی۔ انصاف مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں تباہی اور غریبی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ساری دولت۔ ساری جائداد عدالت

اور تقدیر کے نذر ہوجاتی ہے۔ اسے انصاف کیونکر کہا جائے کاش قرآن پاک کے حکم پر زور دیا جائے۔ معاشرہ کی اصلاح خارجی عنصر سے نہیں بلکہ داخلی خوبیوں پر مبنی ہو۔

آج کل کثیر الاولاد ہونا بھی جرم ہے۔ یہ تصور کرلیا گیا ہے کہ تین بچے بڑے صحتمند۔ مجاہد اور عارف باللہ ہونگے۔ برعکس اسکے اولاد کی کثرت سب کو مریل۔ جاہل اور ناکارہ کی ایک ٹولی بنادے گی۔ ایک غلط مفروضہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر واضح ہوجائے گا کہ "ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے۔ گیارہویں حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ گیارہ گمنامی میں ختم ہوگئے۔ مگر یوسف علیہ السلام مصر کی سلطنت پر فائز ہوئے۔ اور انتظام مملکت جس خوبی سے کیا آج اس کی مثال نہیں ملتی۔ پورا علاقہ قحط سے دوچار ہوا ایک ایک فرد کے لئے غلہ مہیا تھا۔ نہ بھک مری تھی۔ اور نہ کوئی رکاوٹ نہ بلیک مارکٹنگ تھی اور نہ جلبِ منفعت۔

عبدالمطلب کے متعدد بیٹے تھے عبداللہ سب سے چھوٹے بیٹے تھے جن کا جوانی میں انتقال ہوگیا۔ انھیں کا ایک بیٹا مہر نبوت کا حامل ہوا۔ آفتابِ نبوت بنکر چمکا۔ عالم کو روشن بنایا۔ نبی تھا۔ بشر تھا۔ مجاہد تھا۔ عارف باللہ تھا۔ شب بیدار تھا۔ میدانِ کارزار کا شہسوار تھا۔ جنرل تھا۔ مقنن تھا۔ غرضکہ "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق تھا۔

اگر انسان اپنے محدود علم سے کام لیگا۔ عارضی قوانین مرتب کریگا۔ فطرت کے قانون کو عارضی قانون میں تبدیل کریگا تو نتیجہ فساد کے اور کچھ نہیں۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

یعنی اس فرش خاکی پر کوئی جاندار نہیں جسکا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ (سورہ بنی اسرائیل)

بلاشبہ تیرا رب جسکو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور وہی تنگی کردیتا ہے۔

مشاہدات سامنے ہیں۔ دنیا میں ایک فقیر بے نوا دولت مند بنتا ہے۔ دوسرے کی دولت چھن جاتی ہے فقر و فاقہ میں گذارتا ہے۔ جو انسانی فہم اور ادراک سے بالاتر ہے۔ مسلمانوں کا دور، مسلمانوں کی سلطنت، مسلمانوں کا عروج سرزمینِ ہند نے دیکھا۔ پھر ایک قوم ایک تاجر قوم ایک جزیرہ کی بسنے والی قوم ساحل ہند پر اترتی ہے۔ غفلت میں پڑی قوم آہستہ آہستہ اسکے سامنے سرنگوں ہوتی ہے۔ بڑی شان سے جزیرہ والے حکومت کرتے ہیں پھر مشئیت ایزدی بدلتی ہے۔ اسباب جمع ہوجاتے ہیں۔ ہندی قوم جاگ اٹھتی ہے قربانی دیتی ہے۔ خدا ہند کے باشندوں کو آزادی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اب اپنی قسمت کا بگاڑ اور بناؤ ہندیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یاد رہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ ہر تغیر اور ردو بدل کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس سے نتائج مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ تمام اسباب کی تکمیل کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ اسوقت کثرت آبادی سے حکومتیں اور مفکرین پریشان نظر آتے ہیں۔ دو قسم کے علاج ان کی سمجھ میں اس مشکل کا حل ہے۔ یعنی بچوں کی پیدائش پر کنٹرول اور زمین کی پیداوار میں اضافہ۔ یہ دونوں باتیں انسان کے بس کی نہیں اولاد کی پیدائش صرف خدائے قدوس کا دین ہے۔ اور غلہ کی فراوانی بھی اسی کی مرہون منت ہے۔

ذرا سوسائٹی پر نظر ڈالیں ڈالیں اور چھان بین کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ کثیر الاولاد کتنے ہیں۔ غریب طبقہ متعدد شادی کا نہیں۔ اور کثرت اسیں کی ہے متوسط طبقہ میں خال خال ملیگا۔ دولتمند طبقہ بسا اوقات اولاد کیلئے ترستا ہے۔ ذرا اس محاورہ پر

پر غور فرمائیں "گدڑی میں لعل" غریب کے ہونہار بچے کے لئے کہا گیا ہے۔ دنیا میں انقلاب لانے والے علمی دنیا میں چمکنے والے غریب ہی طبقہ سے اٹھے اور ابھرے۔ عیش و عشرت پلے ہوئے گمنامی میں رہے اور جیل لیسے یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ پہلے ایک کماتا تھا دس کھاتے تھے۔ اب دس کماتے ہیں اور دسوں فاقہ کرتے ہیں۔ کیسی رقت آمیز فاقہ کی کہانی ہے۔ ماضی پرستی اور حال کی مذمت ہمیشہ ایک شعار بنتا چلا آرہا ہے۔ جب کسی نے ماضی پر نظر دوڑائی تو ایک آہ سرد بھر کر حال کی مذمت کر ڈالی۔

متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والے سرسید احمد تھے۔ یتیم ہوئے، ماں نے پرورش کی، ایک معمولی ملازمت سے بلند مقام حاصل کیا۔ آج انکا نام روشن ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین متوسط گھر میں پیدا ہوئے۔ جامعہ ملیہ کی زندگی عسرت کی زندگی تھی آخر خدا نے انھیں صدر جمہوریہ کے مرتبہ تک پہونچا دیا۔ اسطرح علمی دنیا میں کتنے افراد غریب خاندانوں سے وابستہ تھے۔ چراغ میں جلانے کیلئے تیل بھی نہ ملتا تھا۔ مگر آسمان علم و حکمت پر آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکے۔

کثیر الاولاد ہونا۔ غربت کا شکار رہونا اور ہے۔ بھکاری ہونا اور قوم بھکاری بن کر بستی کا شکار ہوتی ہے۔ زوال اسے دبوچ لیتا ہے۔ پھر ذلت کے سوا کچھ نہیں۔ غربت میں عزتِ نفس کا باقی رکھنا زندگی کی علامت ہے۔ سعیِ پیہم سے ابھرنے کی راہ نکلتی ہے۔

فیملی پلاننگ کا ذکر بھی اسی زمرہ میں ضروری ہے اس سلسلہ میں نیت، مقصد، عمل اور نتیجہ پر غور کریں تو ایک یہی خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ یعنی مرد اور عورت کی صلاحیت اولاد پیدا کرنے کی ختم کردیجائے۔ یعنی بڑھتی ہوئی آبادی کو روک دیا جائے تاکہ باقی لوگ عیش اور آرام کی زندگی بسر کریں۔

میں نے ایک مضمون میں ۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاهم۔ (سورۃ بنی اسرائیل)

اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل مت کیا کرو ہم انکو اور تم کو رزق دینگے۔

یہ دلیل پیش کی۔ کہ فیملی پلاننگ موجودہ نوعیت میں انسب نہیں بلکہ مہلک نتائج کا حامل ہے۔

ایک طالب علم نے جنھوں نے نام پوشیدہ رکھا اعتراض کر ڈالا کہ "قتل اولاد" "من املاق" سے کیسے ثابت ہوا۔ اسکی تفسیر جو کی گئی تھی اس سے اتفاق نہیں کیا۔ عورت اور مرد یعنی زن و شوہر کے مباشرت سے ابتدائی مدارج میں جراثیم تک محدود ہے۔ رحم مادر میں کئی ماہ بعد جان پڑتی ہے۔ اسلئے اول منزل میں قتل کیسے ثابت ہوا۔ طالب علم نے آیت کی مکمل تصویر اور مفہوم سے گریز کیا۔ اللہ کی رزاقی کو نظرانداز کر دیا۔

یہ غربت کا ہوا ہی تھا جس کے تحت عرب اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ پرورش۔ شادی۔ ذلت کے تصورات میں پھنسے تھے۔ قرآن کریم نے اسکی اصلاح کی۔ اگر مسلمان کی یہی نیت ہو جو زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تھی تو یقیناً گمراہی ہے۔ عمل کیا ہوتا ہے؟۔ ایک طرف ۵۴ سال کے اوپر کا نوجوان ہو دوسری طرف بوڑھا ہے جسکی نس بندی کیجاتی ہے یعنی اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کردیا جاتا ہے۔ حکومت کو کسی خاندان سے ہمدردی نہیں۔ وہ تو دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنا مقصد رکھتی ہے۔

قومی آواز میں ایک واقعہ کی خبر نکلی عورت کی عمر ۳۰ یا ۳۵ سال کی تھی، شوہر کی نس بندی کردی گئی تھی، عورت کا معاشقہ ایک ہمسایہ سے ہوگیا۔ بچہ رہ گیا۔ وہ شخص لکھنؤ کے ایک ڈاکٹر کے پاس عورت کو لے گیا۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگایا۔ عورت نے ڈاکٹر کے سامنے منٹوں میں دم توڑ دیا۔ تحقیقات ہوئی آخر نس بندی

کو اس المیہ کا سبب سمجھا گیا۔ اس سے قبل گورکھپور میں نس بندی کے سبب پانچ جانیں ضائع ہوئیں یہ سب نتائج خداوندی کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لینے سے ظہور پذیر ہوئے۔ خدا ایک طرف دعویٰ کرتا ہے نحنُ نرزقھم وَایاکم" ہم اسکی اس رزاقی سے انکار کرتے ہیں۔ یقین اور عقیدہ کو پامال کرتے ہیں۔ سکون کی زندگی کو خیرباد کہتے ہیں۔ روحانیت کوسوں دور بھاگتی ہے۔ غرضکہ مادیت عیش ونشاط کو ہی مقصد بنا لینے ہیں جو یقینی نہیں۔

نس بندی میرے نزدیک انسان کی ایک صلاحیت کو ختم کردیتی ہے۔ ہمیشہ کے لئے اس صلاحیت سے محرومی ہوجاتی ہے یہ قتل اولاد سے بھی زیادہ بدتر جرم ہے۔ اب تو اسقاط حمل بھی کوئی جرم باقی نہیں رہا قانون اس عمل کو قابل سزا نہیں سمجھتا پرانے اقدار بھی پامال ہوگئے۔ یورپ اور امریکہ میں کتنی ناکتخدائیں مائیں بن جاتی ہیں، اور اسقاط حمل سے کام لیتی ہیں۔ شادی شدہ کا سوال ہی نہیں۔ معاشرہ میں یہ گراوٹ پیدا ہوگیا ہے۔ معلوم نہیں اسکی حد کہاں ملتی ہے؟ اگر مغربی معاشرت ہی ہماری رہنمائی کرتی ہے تو حکم خداوندی اور پیروی رسول کی بات کہاں رہی

طلاق کے سلسلے میں اور شوہر کے مرنے پر عورت کیلئے "عدت" ہے مرد کیلئے نہیں۔ اسمیں عورت کی پاکیزگی طہارت۔ عزت۔ نسل کی پاسداری۔ غرضکہ بہت سے فوائد مضمر ہیں۔ اگر عورت کہے کہ یہ پابندی غلامی ہے تو وہ خود نقصان میں رہے گی۔

وراثت کے سلسلہ میں لڑکیوں کا حق نہ دینا۔ تعلقداروں میں یہ رسم تھی کہ بڑے لڑکے کو تعلقہ ملتا بھائی محروم رہتے یا گذارہ پاتے۔ اسکو شرعی قانون وراثت ہرگز نہ کہیں گے۔ ایسا کیوں ہوا۔ اسکے لئے ایک تاریخی پس منظر ہے۔ انگریزوں نے سلطنت مغلیہ کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کردیا۔ اودھ کی سلطنت کو واجد علی شاہ سے محروم کردیا۔ قانون سازی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اسی خارجی حکومت نے اس وراثت کو قائم کیا اور نافذ بھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا نقشہ سامنے تھا۔ ہندستانی معاشرت۔ خصوصاً مسلمانوں کی سیاسی زندگی زیرو زبر تھی۔ کوئی بگڑتا تھا تو کوئی بنتا تھا۔ کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونا محال تھا بجز نادرسند نہ نادری۔ اب سوشلزم کی عام تبلیغ ہورہی ہے۔ حکومت بھی۔ سوسائٹی بھی پارٹیاں بھی اسکی حمایت میں لگی ہیں۔ تقسیم وراثت سوشلزم کی اصلی شکل ہے۔ اسلام نے جو وسعت پیدا کی ہے۔ اسکے رو سے کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ ایک دادا کی دولت درجنوں اشخاص پر تقسیم ہوجاتی ہے۔ تعلقے ختم ہوگئے۔ ریاستیں ختم ہوگئیں۔ جمہوری نظام کا دور دورہ ہے۔

اسوقت چند جدید مفکرین اس طرف مائل ہیں اور چاہتے ہیں کہ وراثت کی تقسیم نئے انداز میں کیجائے۔ نئے اصول بنائے جائیں یعنی نئی شریعت کو جنم دیں۔ یہ ایسا خطرناک اقدام ہوگا جسکا نتیجہ نظام معیشت کو درہم برہم کردے گا۔ شریعت اسلامیہ کی پامالی ہوگی۔ ملت حکم خداوندی سے بیگانہ ہوجائے گی۔ اس قسم کی تحریکیں مختلف دور میں گمراہ کن بنیں، مگر قرآن کریم کی حفاظت چونکہ منجانب اللہ ہے۔ وہ چودہ سو برس سے بغیر کسی تحریف کے کارفرما ہے اور رہے گا۔

"محجوب" کی وکالت بڑے زور شور سے کی جاتی ہے۔ دردمندی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ شریعت کے تقسیم وراثت میں ایک بڑا نقص سمجھا جاتا ہے۔ ایسے پوتے کو جو دادا کی زندگی میں یتیم ہوگیا ہے باپ کی وراثت کا مالک بنانے کی کوشش یا دلیل کی گئی ہے۔

یہ پہلو شریعت میں کیوں تشنہ رہا۔ شارع نے اسے کیوں نظر انداز کردیا۔ حالانکہ پوتے کی مظلومی اور یتیمی پکار کر

ہ رہی ہے کہ ہمارا بھی وراثت میں حق ہونا چاہئے۔ پیغمبر خدا
ا حیات طیبہ پر غور کیجئے۔ آپ کی پیدائش والد ماجد کے
تقال کے بعد ہوئی۔ دادا عبدالمطلب نے پرورش کی
ن چھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ ماں نے اور آٹھ برس کی عمر
ں دادا نے داغ مفارقت دیا۔ پھر چچا ابو طالب نے
بھتیجے کی پرورش کی۔ جس قدر شفقت دکھلائی اسکی مثال
تشکل سے ملیگی۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے
شادی ہوئی اور فارغ البالی نصیب ہوئی۔ چالیسویں سال
بوت کے عظیم مرتبہ سے خدا نے سرفراز فرمایا۔ ذرا دیکھئے
ب یتیم بھی تھے۔ مظلوم بھی۔ نزول قرآن نے حامل جبریل
یں وحی لائے ایسے حقائق کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو
راثت میں حصہ نہ ملنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ جبکہ یتیم اور مال
یم کے لئے قرآن صاف صاف ہدایت دیتا ہے۔

غور کرنے پر صرف ایک وجہ ہوسکتی ہے کہ نظام قدرت
پوتے کو بیٹے کی جگہ دینے کو تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پوتا
محروم رہتا ہے۔ مگر شریعت نے دوسری راہیں کھول دی ہیں
گر دادا تقسیم وراثت اپنی زندگی میں کرتا ہے اسے اختیار ہے
کہ وہ یتیم پوتے کو فراموش نہ کرے۔ اگر زندگی میں بھولتا
ہے تو وصیت کے ذریعہ ایک تہائی میں اسے حق دے سکتا
ہے۔ یہ بھی اگر نظر انداز ہوجائے تو صلہ رحمی کا دروازہ کھل
جاتا ہے۔ چچا اپنے محروم بھائی کی اولاد کو صلہ رحمی سے نوازتے
۔ ایک صحت مند سوسائٹی میں۔ ایک بااخلاق خاندان
میں۔ احکام شریعت کے پابند اشخاص میں یہ بات دشوار نہیں
بلکہ خدا کی خوشنودی کا باعث ہے۔ قرآن پاک نے سلوک
کرنے پر کتنا اجر مرتب کیا ہے۔ خدا کی راہ میں صرف کرنے
پر بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔

الغرض۔ شادی۔ طلاق۔ وراثت اور دیگر مسائل
پر غور کرنے اور روشنی ڈالنے کیلئے ایسے جید علماء موجود ہیں جو
ملت کی رہنمائی کرسکتے ہیں۔ حکومت کو مشورہ دے سکتے ہیں۔
مشکل مسائل حل کرسکتے ہیں۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں از
سر نو فقہ تدوین کرسکتے ہیں۔ زمانۂ حاضرہ کے تقاضوں کو سمجھکر
فیصلہ دے سکتے ہیں۔ اگر نااہل کے ہاتھوں میں مغرب زدہ مفکرین
کی قیادت میں شریعت کی تکمیل دی گئی۔ تو امت مسلمہ راضی نہ ہوگی۔
اجتہاد کا دروازہ بند نہیں مگر شرط یہ ہے کہ حاملین شریعت
کے سپرد یہ کام کیا جائے جمہوریت میں سب کو بولنے لینے کا
موقع دیا جائے۔ ہر طبقۂ فکر کو خصوصاً اہل اللہ کو سمجھنے اور غور
خوض کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ ایسے اشخاص تدبر ہیں۔ علم میں
یکتا اور شریعت کے نازک پہلوؤں سے واقف ہیں۔ مسلمانوں کے
مزاج میں دخل رکھتے ہیں۔ ان پر اعتماد ہے۔ اور اطمینان۔
انھیں اکسپرٹ سے کام لیا جائے۔

مختلف الخیال۔ مختلف مسلک کے جاننے والوں کا ایک فورم
(FORM) قائم کیا جائے۔ جہاں سب ملکر ایک لائحہ عمل تیار کریں
جو ہمہ رنگی کے ساتھ۔ یک رنگی کا حامل ہو۔

اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں بنتی ہے۔ تقدیر یزداں بھی اولوالعزم
کا ساتھ دیتی ہے۔ ورنہ قرآن پاک کے یہ الفاظ صادق آئیں
گے۔

اَلشَّیْطٰانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَأْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔
شیطان تم کو غربت سے ڈراتا ہے۔ اور بری بات کا مشورہ
دیتا ہے۔

شرعیات

مسلم پرسنل لا اور ترمیم؟؟

عبدالوحید واحد فیاضی جلالپوری

جناب عبدالوحید واحد جلالپوری کا مدلل اور مبسوط مقالہ مسلم پرسنل لا اور ترمیم کے عنوان سے لاجواب مقالہ ہے۔ فاضل مضمون نگار نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے مطالبے اور اسلام میں مساوات کی تشریح نیز زمانہ حاضرہ کی مساوات کے بارے میں تشریح کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔ جناب فیاضی صاحب اس میں کہاں تک کامیاب رہے ہیں۔ اس کا اندازہ قارئین کرام خود بہتر طور سے کر سکتے ہیں ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ موصوف نے قانون شریعت کی جس استدلال سے توضیح کی ہے وہ ان کا ہی حصہ ہے۔

(مدیر)

انگریز ہندوستان سے چلے گئے، لیکن دل و دماغ پر ابھی تک انہیں کی حکومت باقی ہے۔ یعنی آئینی و قانونی آزادی تو حاصل ہو گئی، لیکن ذہنی و فکری غلامی بدستور قائم ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ امتداد زمانہ کے ساتھ تقلید مغرب کی گرفت سخت سے سخت ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ اور یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ ذہنی و فکری غلامی، آئینی و قانونی غلامی سے بڑھ کر ہے بقول شاہ معین الدین صاحب۔

"جدید علوم، سائینس، ٹکنالوجی، اور حکومت کے اداروں کی تنظیم میں تقلید تو سمجھ میں آتی ہے بلکہ اس زمانہ میں ناگزیر ہے۔ لیکن تہذیب، معاشرت اور مذہبی مسائل میں تقلید سراسر ذہنی غلامی ہے مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلی اور اس کو مغربی قوانین کے سانچے میں ڈھالنے کی تحریک اسی کا نتیجہ ہے۔"

جو آواز بھی یورپ میں اٹھتی ہے اسکی گونج سب سے پہلے یہاں سنائی دیتی ہے۔ وہ دنیا کے کسی بھی معاملے میں جو کچھ بھی کہتا ہے یا جو نظریہ پیش کرتا ہے۔ یہ بے چون و چرا اسکو مان لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس نے آغاز میں انسان کے بندر ہونے کا نظریہ پیش کیا تو جھٹ لوگوں نے مان لیا، ہمیں کیا؟ اپنی بلا سے اگر کوئی بندر بنتا ہے تو بناکرے۔ ہمیں کیا غرض پڑی ہے انسان ثابت کرنے کی۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی بات کہے گا جس کا تعلق ہمارے مذہبی معاملات سے ہے تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔

یورپ نے ہی سب سے پہلے مذہب اسلام پر حملہ کیا اور

اسکی تاریخ کو انتہائی مسخ کرکے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس نے اسلامی نظام کو ایک غیر عادلانہ نظام قرار دیا۔ اور اسکو جذبات کی راہ سے موثر بنانے کی کوشش کی جسکے بعد دنیا کے کچھ لوگوں کا دام فریب میں آجانا بالکل قدرتی اور فطری تھا اس نے کہنا شروع کیا کہ۔

"اسلام" جو اپنے کو عدل و انصاف کا بانی کہتا ہے اس نے عورتوں کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا "ان کو گھر کی چہار دیواری میں محبوس کر دیا۔ ان کو تعلیم کی آزادی نہیں دی۔ ان کو طلاق دینے کا حق نہیں دیا۔ عورتیں معاشرے کا نصف حصہ ہوتی ہیں۔ اسلئے ان کو ہر قسم کی آزادی و چھوٹ ملنی چاہیئے۔ ان کے ساتھ ہر معاملے میں مساوات ہونا چاہیئے"۔

یہ وہی مساوات ہے جس کا عنوان نہایت حسین اور مضمون انتہائی گھناؤنا ہے جس کو پڑھکر وہ خود بھی عاجز آگئے ہیں اب انکی تہذیب، ان کا تمدن، ان کی معاشرت خود اپنے ہاتھوں سے خودکشی کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس کا جائزہ تو ہم بعد میں لیں گے کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟ اجالا کہاں ہے؟ اور اندھیرا کہاں؟ لیکن .. .. سردست ہمیں کہنا یہ ہے کہ یورپ نے انتہائی چابکدستی و روشن خیالی سے وہ باتیں کہنا شروع کیں جو براہ راست جذبات کو اپیل کریں اور کہنے والے کو اپنا ہمدرد و محسن سمجھیں۔

چنانچہ کچھ لوگ اسکے دام فریب میں آہی گئے اور اسکی ہاں میں ہاں ملانا شروع کردی۔ یہی وہ "ہاں" ہے جس نے "عورتوں کے ساتھ مساوات ہونی چاہیئے" کا عنوان اختیار کیا۔ لگے ہاتھوں ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مساوات کا مفہوم کیا ہے؟

سردست ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مرد و عورت میں مساوات کا مفہوم کیا ہے؟ کیا یہ کہ اب مرد و عورت دونوں بچہ جنیں گے اور اب دونوں کو حیض آیا کرے گا! ... خدانخواستہ اگر اسی طرح کی کوئی مساوات مقصود ہے تو ہم بہت خوش ہیں۔ لیکن پہلے عملی طور پر اس کا مظاہرہ کیا جائے تو آئندہ بھی اس پر غور کرینگے

.. .. .. کیا؟ اب عورت کے ساتھ مرد بچہ جنے گا۔ اور عورت کے ساتھ مرد کو حیض آیا کرے گا۔ اور عورت کی طرح مرد بھی بچے کو دودھ پلایا کرے گا؟ وغیرہ وغیرہ خواہ یہ تقسیم عمل اس طرح ہو کہ چھ مہینے عورت دودھ پلائے اور چھ مہینے مرد، ایک سال مرد بچے جنے ایک سال عورت یا جیسے بھی ہو۔ لیکن اس طرح کی کوئی مساوات مقصود ہے تو ہم بہت خوش ہیں۔ پہلے عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرکے دکھایا جائے تو آئندہ ہم بھی اس پر غور کرینگے .. .. .. میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس طرح کی مساوات قائم ہوگئی تو ناز ونخرے دکھانے کا موقع صرف عورت ہی کو کیوں؟ مرد بھی دکھایا کریں گے اور بچہ جننے کے معاملے میں عورت ہی محتاج کیوں؟ مرد خود جن لیا کریں گے۔ پھر ہم یقین کرلیں گے کہ وہ مثل جو بالکل لاشعوری طور پر آج سے سینکڑوں سال پہلے دیہات کے بڑھوں نے کہی تھی کہ "گائے بھی گابھن اور بیل بھی گابھن" وہ آج کے دور میں بالکل صادق آگئی۔ بہرحال اس مساوات کے تصور سے ہم خوش ہیں .. .. .. اور اگر اسکے علاوہ کسی دوسری طرح کی مساوات مراد ہے۔ تو اس کو ہم نہیں مانتے، اسلئے کہ اصلی اور واقعی مساوات تو وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے اسکے علاوہ جو کچھ ہے وہ محض فرضی ہے اور اعتباری ہے۔

افسوس! کوئی ان عقل کے دعویداروں سے پوچھے کہ ایک چیز جو اپنی اصل کے اعتبار سے دوسری چیز کے مساوی و برابر نہیں ہے۔ وہ اپنے آثار و ظواہر، ثمرات و فوائد کے اعتبار سے کیوں کر دوسری چیز کے مساوی و برابر ہو جائے گی

عورت عورت ہے، مرد مرد ہے۔ عورت مرد نہیں بن سکتی، مرد عورت نہیں بن سکتا۔ جو چیز عورت کے پاس ہے وہ مرد کے پاس نہیں ہے اور جو چیز مرد کے پاس ہے وہ عورت کے پاس نہیں ہے جب دونوں اپنی اصل ہی کے اعتبار سے یکساں و ساوی نہیں ہیں تو اپنے فرائض و ذمہ داریوں، آثار و اعمال، اثرات و ثمرات میں کیوں کر ساوی ہو سکتے ہیں۔

جو لوگ مساوات پر مصر ہیں یا اسکے متمنی ہیں وہ لوگ قدرت پر معترض ہیں اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی کسی حسین و جمیل چہرے کو دیکھ کر کہے کہ یہ حسن و جمال میں نشیب و فراز کیسا؟ اس میں تو مساوات ہونی چاہیئے یہ آنکھیں اندر کیوں دھنسی ہوئی ہیں؟ پلکوں اور حلقوں پر بال کیسے ہیں۔ اور یہ ہونٹ کے اوپر کا گوشت کا ابھرا ہوا لوتھڑا کیسا کیوں نہ اسی گوشت کے ٹکڑے سے دھنسی ہوئی آنکھوں کی خندق کو پاٹ دیا گیا اور یہ چہرہ آفتابی کے بجائے بیضوی کیوں ہے اسکو تو بالکل ماہتابی یا کتابی ہونا چاہیئے تھا تاکہ مساوات کے اصول پر پورا اتر سکتا۔

مساوات کے اس اصول پر ڈھلا ہوا کوئی چہرہ آپ کے سامنے آجائے تو آپ کا کیا خیال ہے؟...... میرا خیال ہے اگر آپ نہیں تو بچے دیکھ کر تو ڈر ہی جائیں گے لیکن...... ان کو اسی طرح کی مساوات پر اصرار ہے ظاہر ہے اس سے زیادہ بد ذوقی اور حسن کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے — لیکن ایسے ہی برے ذوق کا ثبوت اور حسن کی توہین مغرب نے کی ہے۔ اسکے باوجود بھی وہ دنیا کی عدالت میں مجرم نہ گردانا جا سکا، بلکہ لوگ شاعر کہہ کر اسکے داد بھی دیتے رہے۔

اسی مغربی اقوام کی ذہنیت سے متاثر ہو کر اب ملک میں ہر طرف مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی باتیں ہو رہی ہیں یا یکساں سول کوڈ کے نعرے لگ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ۔

۱۔ کیا مسلم پرسنل لاء میں ترمیم ممکن بھی ہے؟

۲۔ کیا کسی ایسے ملک، جس میں ہزاروں قومیں زندگی گذارتی ہوں اور اسکی بنیاد سیکولر جمہوریت پر ہو۔ اس میں یکساں سول کوڈ کا نفاذ ممکن ہو سکتا ہے؟

۳۔ اور کیا آئین و قانون اس قسم کے اقدام و ترمیم کی اجازت دیتا ہے؟

۱۔ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اس میں کسی طرح دو رائیں نہیں ہو سکتیں، مسلم پرسنل لاء...... اور ترمیم؟؟

جسکے سینے میں دل ہے اور سر میں دماغ ہے اور جو خدا و رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے وہ کسی طرح سے ایک حرف تو بڑی بات ہے ایک شوشے کی بھی ترمیم گوارہ نہیں کر سکتا۔ اسلئے کہ مسلمان کا پرسنل لاء اوہام و خیالات، رواج و رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ مستقل قانون الہی کے مجموعے کا نام ہے۔ جس میں کسی اور کو تو کیا مسلمانوں کے مذہبی علماء کو بھی ترمیم کرنے کی گنجائش نہیں اسلئے کہ قانون، قانون ساز ہی بدل سکتا ہے اور حذف و اضافہ بھی اسی ہی کی جانب سے ممکن ہے میں سمجھتا ہوں کہ مسلم پرسنل لاء...... اور ترمیم! یہ دونوں کسی طرح جمع نہیں ہو سکتے، دونوں میں وہی تضاد ہے جو آگ اور پانی میں ہے۔ خلاف فطرت ایسا تو ہو سکتا ہے کہ

جو لوگ مساوات پر مصر ہیں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی حسین و جمیل چہرے کو دیکھ کر کہے کہ یہ حسن و جمال میں نشیب و فراز کیسا؟ آنکھیں اندر، کان باہر، ناک ابھری، چہرہ بیضوی، یہ سب ایسا کیوں ہے۔ ان سب کو برابر ہونا چاہیئے تھا۔ ظاہر ہے اس سے زیادہ بدذوقی اور حسن کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے لیکن ایسے ہی برے ذوق کا ثبوت اور حسن کی توہین مغرب نے کی ہے اسکے باوجود بھی وہ دنیا کی عدالت میں مجرم نہ گردانا جا سکا بلکہ اسے شاعر کہہ کر اسکے داد دئیے ہیں

آگ اور پانی ایک جگہ جمع ہو جائیں لیکن مسلم پرسنل لا اور ترمیم دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں یہی نہیں بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ مچھلیاں اڑنے لگیں پرندے فضاؤں کے بجائے دریاؤں میں تیرنے لگیں اور انسان خشکی کے بجائے، سمندروں میں جا بسیں بلکہ دنیا کا اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعہ پیش آجائے، یہ سب ممکن اور آسان ہے لیکن مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی ترمیم ناممکن و ناقابل برداشت ہے۔

مسلمان عمل بھلے ہی نہ کرے مگر مذہبی قدروں پر یقین رکھتا ہے۔ وہ نماز تو ایک وقت کی نہیں پڑھتا لیکن مسجد کی بے حرمتی پر جان چھڑکنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل میں تو کمزور ہے لیکن ان کی توہین کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ غرضیکہ وہ جان تو دے سکتا ہے لیکن ایمان دینا اسکے لئے سخت مشکل ہے۔ اسلئے کہ یہ اسکے وجود نہیں بلکہ اس کی غیرت کو چیلنج اور اسکے احساس خفتہ پر ایک شدید تازیانہ ہے جسکے بعد اس میں شیرانہ قوت پیدا ہوجانا بالکل فطری اور قدرتی امر ہے۔

جو مسلمان اعمال میں کمزور ہوگیا ہے پھر وہ اتنا شدید کیوں ہے؟ ۔ اسلئے ... کہ وہ جانتا ہے کہ ذہنی و فکری ارتداد عملی و فعلی ارتداد سے بڑھ کر ہے۔ جسکے عقائد و نظریات بدل گئے۔ اسکے لئے تو عمل کی طرف لوٹنا ممکن ہی نہیں اور جو اپنے افکار و عقائد پر جما ہوا ہے۔ اس سے یہ امید تو ہوسکتی ہے کہ صبح کا بھٹکا ہوا شام کو آجائے۔ لیکن جس کے عقائد و نظریات ہی میں فتور و تبدیلی آگئی ہو تو اس کا تو مسئلہ ہی تمام ہوگیا اسلئے یہ تو ممکن ہے کہ مسلمان عملاً کبھی بھی چار

شادیاں نہ رچائیں، تمام عمر اپنی بیوی کا کھانا پکائیں اور گھر کے اندر ان کے کپڑے دھوتے پھریں (جیسا کہ مغربی مساوات کا تقاضہ ہے) اور آج سے حق طلاق نہ استعمال کرنے کا حتمی و جزمی فیصلہ کرلیں۔ لیکن وہ قولاً کبھی اس بات کے لئے تیار نہیں ہونگے کہ چار شادیوں کو عقیدۃً حرام سمجھ لیں، عورتوں کو قوام (بالا دست) مان لیں، اور طلاق کو عورت کے حق میں ظلم و جرم تصور کرنے لگیں، اسلئے کہ وہ اعمال
سے فساد اور اسکی غلط ترتیب ہے اسے گوارہ
کیا جاسکتا ہے اور یہ عقائد کی تبدیلی
اور اس کا غلط رد عمل ہے جو کسی طرح
برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمان، اعمال کی تباہی و بربادی
ممکن ہے ہو جائے۔ لیکن عقائد پر بنیاد
کے وقت اس میں غیروں جیسی قوت [illegible]
مفکروں جیسا دماغ اور عاشقوں جیسا دل، آجاتا ہے

۲۔ ایسا ملک جس میں ہزاروں تہذیب و تمدن کے لوگ بستے ہوں، اور صدیوں سے زندگی گذارتے چلے آئے ہوں۔ اس کی بنیاد بھی سیکولر جمہوریت پر ہو اس میں یکساں سول کوڈ کا نفاذ کیسے ممکن ہے؟ ایک طرف سیکولر جمہوریت ہو، دوسری طرف یکساں سول کوڈ، یہ دونوں چیزیں مسئلے کو ناقابل فہم بنا دیتی ہیں۔ اگر ملک سیکولر جمہوریت پر یقین رکھتا ہے تو یکساں سول کوڈ کا کیا مطلب ہے؟ اگر یکساں سول کوڈ، پر یقین رکھتا ہے تو سیکولر جمہوریت کی تشریح کیا ہوگی؟ ... بات سخت پیچیدگی اور الجھاؤ کی ہے (یا صاف لفظوں میں کہنے کی طاقت کی ہے)۔ البتہ اگر آگ اور پانی دونوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو مسئلے کا سمجھنا شاید کسی حد تک آسان ہوجائے۔

مسلم پرسنل لا ... اور ترمیم!

یہ دونوں چیزیں کسی طرح جمع نہیں ہوسکتیں یہ تو ممکن ہے کہ مچھلیاں اڑنے لگیں، پرند تیرنے لگیں انسان سمندروں میں جا بسیں اور پہاڑ دوڑنے لگیں بلکہ دنیا کا اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعہ پیش آجائے یہ سب ممکن اور آسان ہے۔ لیکن مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی ترمیم ناممکن و ناقابل برداشت ہے

یکساں سول کوڈ اگر آگ ہے تو سیکولر جمہوریت پانی ۔ اور اگر دونوں ایک ہی چیزیں ہیں تو ہم سمجھ لیں گے کہ یہ وہ جام ہے کہ جس کا ہنیں الٹا سیدھا" جس کی اطلاع ہم کو معصوم شاعر نے بہت پہلے دیدی تھی۔ ایک ایسا ملک جس میں ہزاروں تہذیب و تمدن، زبان و لسان، رنگ و نسل کے لوگ رہتے ہوں۔ ایک ایسے چمنستان "وگلستان کے مشابہ ہے جس کی رونق ہزاروں قسم کے رنگ برنگ پھولوں سے ہے۔ اگر اس کو ایک ہی طرح کے پھولوں سے بھرنے کی کوشش کی جائے اور ہر طرح کے پھولوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے تو یہ پرلے درجے کی بدذوقی تو ہوسکتی ہے عقلمندی سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ اسلئے کہ سہ

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

یہ کوئی محض شاعرانہ تخیل ہی نہیں بلکہ یہی حقیقت ہے۔ لیکن اگر اسکے باوجود بھی کچھ عقل سے پیدل لوگ ملک میں یکساں سول کوڈ لانے پر مصر ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ملک کے خیرخواہ ہرگز نہیں بلکہ دشمن ہیں اسلئے کہ اس سے ملک کی اقلیتوں کے جذبات کو ٹھیس پہونچے گی۔ ملک میں غم و غصہ پھیلے گا، اقلیتوں میں مظلومیت کا احساس بڑھے گا، [illegible] گی۔ ایک ایسے نازک وقت [illegible] اتحاد و اتفاق کی بڑی ضرورت ہے۔ [illegible] کے احساسات و جذبات کو مجروح کرکے ملک کی سالمیت کو خطرے میں ڈالنا اور اسکو تباہی و بربادی کی طرف ڈھکیلنا ہے۔ اسلئے ایسے ملک میں نہ یکساں قانون کا نفاذ ممکن ہے اور نہ کسی مخصوص قوم کے لاز (قوانین) کو اکثریت کی وجہ سے پورے ملک پر تھوپا جا سکتا ہے۔ اس بات کو ملک کی اقلیتیں قطعاً کسی طرح برداشت نہ کریں گی۔

اقلیتیں ہی کسی ملک کا قیمتی حصہ ہوتی ہیں۔ وہی بدنامی اور نیک نامی کا معیار ہیں۔ اگر ان کے ساتھ مسلسل ناانصافیاں کی جاتی رہیں تو ملک کسی طرح سے باہر کی دنیا میں سرخرو اور نیک نام نہیں ہوسکتا۔ اسلئے اوروں کے مقابلے میں ان کا بڑا خیال رکھنے کی ضرورت ہے اور ان کے تمام اقلیتی کردار کی پوری پوری حفاظت ہونی چاہیئے۔

ہندوستان میں ہر ایک کو ہر قسم کی آزادی ہے یہاں ہر ایک شخص قانونی طور پر اپنی مذہبی رسومات کو ادا کرسکتا ہے، یہاں کوئی کسی کو اپنا پرسنل لا بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ یہ رنگ برنگ کے پھولوں کا دیش ہے۔ یہاں ہندو بھی ہیں مسلم بھی، سکھ بھی ہیں اور

مسلمان، بھلے ہی عمل میں کمزور ہو، لیکن وہ مذہبی قدروں پر یقین رکھتا ہے۔ اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ ذہنی و فکری ارتداد، عملی و فعلی ارتداد سے بڑھکر ہے۔ جسکے عقائد و نظریات بدل گئے اسکے لئے تو عمل کی طرف لوٹنا ممکن ہی نہیں اور جو اپنے افکار و عقائد پر جما ہوا ہے اس سے یہ امید تو ہوسکتی ہے کہ صبح کا بھٹکا ہوا شام کو آجائے، اسلئے یہ تو ممکن ہے کہ مسلمان عملاً چار شادیاں کبھی نہ کریں، زندگی بھر اپنی بیوی کے کپڑے دھوتے پھریں اور حق طلاق نہ استعمال کرنے کا حتمی و جتمی فیصلہ کرلیں لیکن وہ قولاً کبھی اس بات کیلئے تیار نہ ہونگے کہ وہ ان چیزوں کو عقیدۃً حرام سمجھیں، اسلئے کہ وہ اعمال کا فساد اور اسکی غلطی ہے۔ اسے گوارہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ عقائد کی تبدیلی اور اس کا غلط ردعمل ہے جو کسی طرح برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمان اعمال کی تباہی و بربادی پر ممکن ہے سوجائے لیکن عقائد پر یلغار کے وقت اس میں شیروں جیسی قوت، مفکروں جیسا دماغ اور عارفوں جیسا دل آجاتا ہے

یہاں بھی۔ یہاں سب اپنے اپنے طریقوں پر اپنے پالنے والے کی عبادت کرتے ہیں، ہر ایک کا اپنا مخصوص پرسنل لا ہے اسلئے یہاں یکساں سول کوڈ کا نفاذ ناممکن و محال ہے یہ ہماری ہی نہیں سب کی آواز ہے اس میں کسی گروہ فرقے کی تخصیص نہیں۔ یہاں ہندو مسلم کی کوئی تفریق نہیں سب ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی کا نعرہ ہے کہ "ہم ایک تھے۔ اور ایک ہی رہیں گے" اگرچہ بظاہر ہماری زبان ہمارا تمدن، ہماری تہذیب، ہماری معاشرت ہمارا مذہب الگ ہے لیکن ان چیزوں کے اختلاف سے قومیت تقسیم نہیں ہوا کرتی۔ مذہب مختلف ہوتے ہوئے قومیت ایک ہو سکتی ہے لیکن مذہب کے ایک ہوتے ہوئے قومیت کا ایک ہونا کوئی ضروری نہیں۔

چنانچہ ابھی حال ہی میں وزیر دفاع مسٹر جگجیون رام نے جمعیۃ العلماء کے تئیسویں سالانہ اجلاس عام دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"... جب جناح صاحب نے دو قومی عقیدہ (نظریہ) کا سوال اٹھایا تو ہم نے کہا تھا کہ ہندو مسلمان الگ الگ قوم نہیں، بنگلہ دیش نے دکھا دیا کہ پاکستان کے سپاہی نے اللہ اکبر کہہ کے گولی چلائی، بنگلہ دیش کے بیکس جوان نے گولی کھاتے ہوئے اللہ اکبر کہا۔ اللہ اکبر دونوں کی زبان پر تھا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ مذہب ایک ہوتے ہوئے بھی قوم الگ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کا مسلمان پہلے ہندوستانی ہے پھر کچھ اور (لیکن اس سے ہمیں تھوڑا سا اختلاف ہے اسلئے کہ ہم پہلے مسلمان ہیں تب ہندوستانی۔ قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں، اور مذہب ہی نے ہم کو حب الوطنی کا سبق دیا۔ ہماری اور بابو جی کی بات میں کوئی تضاد نہیں۔ اسلئے کہ بابو جی کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مذہب اتحاد قومیت کی راہ میں حائل اور پردہ ہے، اسلئے کہ انھوں نے تو اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ مذہب مختلف ہوتے ہوئے بھی قومیت ایک ہو سکتی ہے) آگے بابو جی نے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: ہمارا ملک بہت بڑا ہے اس میں مختلف مذاہب کے لوگ صدیوں سے رہتے آئے ہیں ... ... ہندوستان کو ہندوؤں کا ملک کہا گیا لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہندوستان میں مسلم آبادی تیسرے نمبر پر ہے (اس میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں اسلئے) ... ... ہندوستانی تہذیب کی اس رنگارنگی کو نمایاں کیا جائے ... ... ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ہندوستان میں الگ زبان، الگ تہذیب کو ماننے والے رہیں گے۔۔ ہندوستان کے لوگوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ہندوستان کو صرف ایک مذہب کا ملک بنا دیا جائے۔ ایسا وقت آیا کہ ہندوستان کو صرف مسلمان یا صرف ہندو ملک بنا لیا جائے۔ کچھ لوگوں نے تبدیل مذہب کی کوشش

ہمارا ہندوستان رنگ برنگ کے پھولوں کا دیش اسلئے یہاں نہ یکساں سول کوڈ کا نفاذ ممکن ہے اور نہ کسی اکثریت کے پرسنل لا کو پورے ملک پر تھوپا جا سکتا ہے۔ اسکے باوجود بھی اگر کسی قسم کا اقدام کیا جاتا ہے تو یہ کھلی ہوئی بدعہدی اور دستور ہند کی توہین ہے اس سے اقلیتوں کے جذبات کو ٹھیس پہونچے گی۔ ملک میں غم و غصہ پھیلے گا اور اقلیتوں میں مظلومیت احساس بڑھے گا۔ ایسے نازک وقت میں اقلیتوں کے احساسات و جذبات کو مجروح کر کے ملک کی سالمیت کو خطرے میں ڈالنا اور اسکو تباہی و بربادی کی طرف ڈھکیلنا ہے۔ حالانکہ اقلیتیں ہی کسی ملک کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ ناانصافیاں ہونے سے ملک باہر کی دنیا میں بدنام ہوگا۔

ہم سب ہندوستانی ہیں اگرچہ ہمارا مذہب الگ الگ ہے۔ لیکن ان سے قومیت تقسیم نہیں ہوا کرتی مذہب مختلف ہوتے ہوئے قومیت ایک ہو سکتی ہے۔ لیکن مذہب ایک ہوتے ہوئے قومیت کا ایک ہونا ضروری نہیں

لیکن انسانیت کا رشتہ قوی ہے۔ ہمارا مذہب، ہماری زبان الگ الگ ہے لیکن ہمارے سوچنے کا طریقہ ایک ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہماری بنیادی تہذیب ایک ہے اسی کو میں انڈین کلچر کہتا ہوں۔ اس میں سے ہندو مسلم کلچر نکلتا ہے .. .. ہندو مسلمان دونوں وطن پرست ہیں .. .. ہم سب ہندوستانی ہیں، ہم سب ہندوستانی ہیں، ہم سب کا ہندوستان پر برابر کا حق ہے۔ جب شاستری جی کے زمانہ میں ہندوستان پر حملہ ہوا تھا اور شاستری جی نے الہ آباد میں کہا تھا کہ "ملک کو بچاؤ تو میں نے کہا تھا کہ آپ کون ہوتے ہیں بچانے والے، ہمارا ملک ہے ہم خود بچا لیں گے .. .. ..

یہاں سب برابر کے حقدار اور برابر کے شہری ہیں۔ یہاں جو حقوق ایک منسٹر کو حاصل ہیں وہی ایک معمولی آدمی کو۔ اگر رکشہ کھینچنے والے کا ایک ووٹ ہے تو وہی ایک ووٹ منسٹر کا بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک منسٹر کو تو دس ووٹوں کا اختیار ہے اور رکشہ والے کو ایک۔ دونوں برابر کے حقدار ہیں۔ جتنا حصہ منسٹر کا ہے اتنا ہی اس کا بھی۔ یہاں اگر کسی کے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے تو اسکو اپنا پورا پورا حق وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔ حقوق مانگے نہیں جاتے بلکہ حقوق لئے جاتے ہیں .. .. ..

ہندوستان ہمیشہ کثیر المذاہب کثیر اللسان رہے گا۔ ہندوستان سب کا ہے میں کبھی برداشت نہ کروں گا کہ ہندوستان پر ہندوستانیوں کے سوا کسی اور کی حکومت ہو۔"

ہم نے بابوجی کی تقریر کے طویل ترین اقتباسات اس لئے نقل کئے کہ اس سے مذکورہ مقاصد کی پوری پوری وضاحت اور تائید ہوتی ہے کہ ہندوستان ایک رہا ہے، ایک ہے اور رہے گا، یہاں ہر مذہب و زبان کے لوگ رہیں گے یہاں مسجدوں میں اذان بھی ہوگی۔ مندروں میں گھنٹے بھی بجیں گے اور کلیساؤں اور گرجاؤں میں تسبیح بھی ہوگی۔ یہاں کوئی کسی کو روک نہیں سکتا۔ اسلئے کہ یہاں سب کو دستور میں آئینی وقانونی، مذہبی و شخصی آزادی حاصل ہے اسلئے یہاں یکساں سول کوڈ کا خواب دیکھنا سورج کی روشنی سے الگ کسی اندھیری کوٹھری میں تو ممکن ہے لیکن وہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

۳۔ جہاں تک تیسرے سوال کا تعلق ہے کہ "کیا آئین وقانون اس قسم کے اقدام و ترمیم کی اجازت دیتا ہے؟ تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں: دستور ہرگز ہرگز اس قسم کے جارحانہ اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔ اسکے باوجود بھی اگر کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کی جاتی ہے تو یہ ہندوستان کی تاریخی رواداری کے بالکل منافی اور خلاف ہے۔ اور ملک کی بڑی تعداد کے مذہبی جذبات واحساسات کو ٹھیس پہونچانا ہے۔ بلکہ انکے ساتھ کھلی ہوئی جارحیت اور سراسر ظلم وعدوان ہے۔

دستور ہند کی دفعہ ۲۹ کی عبارت میں ہے۔

"ہر شہری کو آزادیٔ خیال اور آزادیٔ مذہب حاصل ہے۔ اقلیتوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے اسکے علاوہ ان کو اس کا بھی حق ہے کہ اپنے علیحدہ اسکول اور مدرسے قائم کریں، اپنی تہذیب تمدن، زبان اور رسم الخط کو برقرار رکھیں۔

اور اسکے علاوہ اور بہت سی دفعات میں اقلیتوں کو جو حقوق حاصل ہیں اسکی بھی رو سے، اس طرح کا کوئی اقدام اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کے مترادف ہے۔

اسکے باوجود بھی حکومت اگر کوئی ناعاقبت اندیشانہ قدم اٹھاتی ہے تو اس سے ملک کو فائدہ پہونچنے کے بجائے الٹے نقصان پہونچ جانے کا اندیشہ ہے۔ ایسا کرنا دستور کی آئینی اور قانونی خلاف ورزی تو ہوگی ہی ساتھ ہی ساتھ کوئی

عند ہندوستان کی سیکولر حکومت کو وعدہ خلافی اور عہد شکنی کے الزام سے بچا نہیں سکتا ۔ ۔ ۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکومت کون سا راستہ اختیار کرتی ہے۔ رواداری اور وفاداری کا یا بدعہدی اور بے وفائی کا۔ اس کا فیصلہ مستقبل کے لمحات کرینگے لیکن ہمیں امید ہے کہ حکومت دور اندیشی سے کام لے گی جیسا کہ ایک حکومت کے شایان شان ہے اور یہی ہمارا حکومت کو مشورہ بھی ہے ورنہ اقلیتیں چین سے نہیں بیٹھیں گی۔

مسلم پرسنل لا کے متعلق بھی میں وضاحت سے عرض کر چکا ہوں کہ اس میں کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی کا تصور بھی بالکلیہ محال و ناممکن ہے۔

مسلمانوں کا پرسنل لا دیگر مذاہب کی طرح رواج و رسومات، یا اوہام و خیالات کا مجموعہ نہیں اور نہ ہی اسکی بنیاد عقیدوں یا دنیاوی مصلحتوں وقتی ضرورتوں اور نفسانی خواہشوں پر ہے۔ اسلئے انکے پرسنل لا میں اگر کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کا سوال اٹھایا جاتا ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ ان کے مذہبی انفرادیت اور ملی وجود کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس کی دستور ہند میں قطعاً گنجائش نہیں۔

سنہ ۱۹۴۸ء میں قانون ساز اسمبلی میں جہاں پرسنل لا کے خلاف باتیں آئیں وہیں یہ بھی کہا گیا کہ ۔ لوگوں کا کوئی طبقہ اپنے پرسنل لا کو ترک کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ اگر ان کے پاس اپنا لا موجود ہو۔ یہ ترمیم آرٹیکل ۳۵ میں ہوئی

> مسلمانوں کا پرسنل لا دیگر مذاہب کی طرح رواج و رسوم یا اوہام و خیالات کا مجموعہ نہیں ہے اور نہ ہی اسکی بنیاد مادی عقیدوں دنیاوی مصلحتوں وقتی ضرورتوں اور نفسانی خواہشوں پر ہے اسلئے ان کے پرسنل لا میں اگر کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کا سوال اٹھایا جاتا ہے تو اسکے معنی یہ ہیں ان کی مذہبی انفرادیت اور ملی وجود کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے

تھی۔ آرٹیکل ۱۲ میں یہ ترمیم ہوئی کہ "ہر فرقہ جو اپنا مخصوص پرسنل لا رکھتا ہو، اس کا لحاظ کیا جائے گا" آرٹیکل ۱۹ میں ترمیم ہوئی کہ۔ کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہیئے جو کسی بھی شہری کے لئے اپنے پرسنل لا کے نفاذ میں رکاوٹ بنے: شمس تبریز خاں"

اسلئے دستوری اور آئینی طور پر بھی اور مذہبی اور اسلامی طور پر مسلمان اپنے پرسنل لا میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کرنے سے معذور ہیں۔

البتہ، جن لوگوں نے مغربی قوموں کی طرح خود کو مذہب کی قیود سے آزاد کر لیا ہے یا ان کے پرسنل لا کی بنیاد ہی مذہب کے بجائے اوہام و خیالات پر ہے ان میں اگر کسی تنگی و تشدد کی وجہ سے ترمیم کی جائے تو ممکن ہے۔ لیکن اگر وہ بھی اپنے پرسنل لا کو اسی حال میں باقی رکھنا چاہتے ہیں تو دستور و آئین کے مطابق حکومت کوئی جبر نہیں کر سکتی۔

بہرحال اتنی ساری وضاحتوں کے باوجود بھی اگر کچھ لوگ مسلم پرسنل لا میں ترمیم و اصلاح کی باتیں کرتے ہیں تو وہ یقیناً نفرت و بغاوت کی خلیج کو پاٹنے کے بجائے اسکو وسعت دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گویا انہیں ملک و ملت کا اتحاد و اتفاق عزیز نہیں۔

حکومت بڑی خوبصورتی سے یہ بات کہتی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم ہم اسی وقت کریں گے جب مسلم معاشرے کی جانب سے ترمیم کا مطالبہ ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلے میں کچھ

نام نہاد مسلمانوں کے مطالبات کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔

لیکن ہم حکومت سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر چند ضمیر فروشوں کی آوازیں اتنی موثر ہیں تو ملک کے آٹھ یا دس کروڑ مسلمانوں کی چیخیں حکومت کو کیوں نہیں سنائی پڑتیں۔ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حکومت اس مسئلے پر سوچنے سمجھنے کے بجائے جانبدارانہ اور جارحانہ فیصلہ کر چکی ہے؟ اگر نہیں! ... تو اسے ملک کے بے چین و بیقرار لوگوں کی چیخوں پر کان دھرنا چاہیئے۔ ورنہ ہم ایک ہی بات سمجھنے پر مجبور ہیں اور وہ یہ کہ حکومت ہمارے خلاف جارحانہ فیصلہ کر چکی ہے۔

یہ کون لوگ ہیں جو ترمیم کا مطالبہ کرتے ہیں! نقاب کشائی کی کوئی ضرورت نہیں، ہم ان کے سیاہ چہرے کو خوب پہچانتے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے پاس کرائے کا دل ہے جس سے سوچتے ہیں۔ مانگے کی زبان ہے۔ جس سے بولتے ہیں۔ عاریت کا دماغ ہے جس سے وہ دو دو پانچ بناتے ہیں جو پرلے درجے کے جاہل مرکب ہیں جن کا دین و ایمان بھی مشکوک و مفلوج ہے۔ جن کو علم و مذہب سے دور کا بھی لگاؤ نہیں پھر بھی وہ اپنے کو عالم سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔

عجیب ستم ظریفی ہے کہ دنیا کے بہت سے معاملات میں اپنی جہالت کا اقرار کر لینا کوئی عیب کی بات نہیں۔ آہن گر زرگری سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے میں کوئی توہین نہیں محسوس کرتا۔ لیکن قرآن و حدیث یا دین و مذہب کے معاملے میں ہر شخص عالم بننے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی بھی اپنی ... جہالت کا اقرار کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس میں اپنی توہین نفس سمجھتا ہے۔ اور خود کو علامۂ دوراں سمجھ کر دین کی غلط سلط تشریح کرنے میں مصروف ہے۔ غالبًا اقبال ہی نے سچ کہا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم قرآن ہے۔ اسلئے کہ اسکو ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔

> حکومت بڑی خوبصورتی سے یہ بات کہتی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی ہم اس وقت کریں گے جب مسلم معاشرے کی جانب سے ترمیم کا مطالبہ ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلے میں کچھ غلط سلط مطالبات کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے لیکن ہم حکومت سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر چند ضمیر فروشوں کی آوازیں اتنی موثر ہیں تو ملک کے ۸ یا ۱۰ کروڑ مسلمانوں کی چیخیں حکومت کو کیوں نہیں سنائی پڑتیں۔ کیا اس کا یہ کھلا ہوا مطلب نہیں کہ حکومت ایک جانبدارانہ فیصلہ کر چکی ہے۔

کچھ ضروری نہیں کہ ساری ذمہ داریاں وہی لوگ محسوس کریں جن کو دین سے مس بھی نہیں۔ جو چیز محض علماء کے سمجھنے کی ہے اسکو علماء کیلئے چھوڑ دیں۔ ... کل تک جو دین کی الف سے بھی واقف نہیں تھے آج وہ کہاں سے احکامی بیان دینے لگے؟

کچھ مغرب زدہ لوگوں کے اوپر اپنی جہالت کا راز کھل گیا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آنا چاہتے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ اپنی بغاوت کا کھل کر اعلان کریں اور شریعت کی صریح مخالفت کی جرأت و جسارت کریں۔ اسلئے اب انھوں نے چور دروازے سے آنا شروع کر دیا ہے۔ اب وہ اجماع، اجتہاد و قیاس کا سہارا لے کر کہہ رہے ہیں کہ فلاں فلاں مسئلے میں اس طرح سے ترمیم ہوئی ہے۔ یا حضرت عمرؓ نے فلاں فلاں مسئلے میں تبدیلی کی ہے اور فلاں فلاں مسئلے میں قیاس سے کام لیا گیا ہے اسلئے مسلم پرسنل لا میں ترمیم ممکن ہے۔

لیکن ان سرپھروں کو کون بتلائے کہ جن جن قوانین کے

[illegible] سنت میں [illegible] ہے۔ ان
[illegible] اجماع، اجتہاد، استحسان وغیرہ کی کیا گنجائش ہے؟ مگر
[illegible] ناگزیر وضروری تبدیلی ہوئی بھی ہے تو وہ شریعت ہی
[illegible] اصول کلیہ کی روشنی میں۔ اگر کوئی مسئلہ بظاہر کتاب وسنت
[illegible] نہیں مل رہا تھا اور اسکے بغیر مسلمانوں کو نقصان وتنگی کا اندیشہ
[illegible] اس جزئیہ کا حل کتاب وسنت ہی کی کلیہ کی روشنی میں نکالا گیا
ہے۔ لیکن اجماع نہ احمقوں کی کیٹی کا نام ہے اور۔ اجتہاد
[illegible] بیت الخلاء میں بیٹھ کر کوئی الٹکا شعر کہہ لینے کی چیز ہے
[illegible] اسکے لئے کچھ مخصوص قیود وشرائط ہیں جس کا اہل ہر
[illegible] فص کو نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہاں اسکی تفصیل
[illegible] گنجائش نہیں۔

اسی طرح کاش ان بیچاروں [illegible]
معلوم ہوتا کہ قیاس غلط سلط [illegible]
[illegible] یا کو ترتیب دیکر ایک لنگڑا [illegible]
[illegible] نتیجہ نکال لینے کا نام نہیں۔ بلکہ [illegible]
[illegible] اجماع۔ اجتہاد وغیرہ کی طرح قیاس [illegible]
[illegible] مظہر حکم (حکم ظاہر کرنے والا ہے) ہے [illegible]
[illegible] موجد حکم (نیا حکم پیدا کرنے والا) نہیں۔
[illegible] جیسے خوردبین کہ اس سے باریک سے باریک چیزیں
نظر آجاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح سے قیاس ایک چشمہ ہے جس کو
[illegible] لینے کے بعد کتاب وسنت کا متن سے لے کر حاشیہ بین السطور
[illegible] بالکل صاف نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز
[illegible] نہیں کہ پہلے حاشیہ اور بین السطور تھا ہی نہیں اور اب آموجود
[illegible] اسی طرح سے کتاب وسنت میں اپنی جامعیت کی وجہ
[illegible] سے ماقبل ومابعد کے تمام مسائل آگئے ہیں لیکن کبھی کبھی وقت
[illegible] کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلئے کبھی کبھی قیاس واجتہاد وغیرہ
[illegible] عینک کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جونہی یہ عینک لگا

قیاس، اجماع، اجتہاد یہ سب
مظہر حکم ہیں موجد حکم ہرگز نہیں جس طرح خورد
بین سے تمام باریک چیز نظر آتی ہیں بالکل اسی طرح سے
قیاس بھی ایک چشمہ ہے جس کو لگا لینے کے بعد کتاب وسنت
کا متن سے لیکر حاشیہ اور بین السطور تک بالکل صاف نظر آنے
لگتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس سے پہلے حاشیہ اور بین السطور
تھا ہی نہیں اور اب آموجود ہوا۔ اسی طرح کتاب وسنت میں تمام مسائل
آگئے ہیں لیکن کبھی کبھی وقت نظر کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے عینک
کا استعمال ناگزیر بن جاتا ہے پھر جونہی عینک لگا
کر کتاب وسنت پر نظر ڈالتے ہیں مسئلہ منقح
ہوکر بالکل سامنے آجاتا ہے

کر کتاب وسنت پر نظر ڈالتے ہیں مسئلہ منقح ہوکر بالکل
سامنے آجاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مظہر حکم ہیں۔ موجد حکم نہیں۔
لیکن ظاہر ہے کہ اس عینک کو استعمال کرنے کا اہل
تو ہر شخص نہیں ہوگا۔ اس کو وہی استعمال کرسکتا ہے جس
کے آنکھ ہو۔ اگر کوئی سرے ہی سے اندھا ہو تو اسکو کیا
نظر آئے گا خاک؟ .. .. .. اس لئے اس کے استعمال کا حق
صرف بیناؤں کو ہوگا اور وہ صرف علماء ہیں اور بس،
اتنی واضح، عام فہم اور دلنشیں مثال کے بعد میں
[illegible] سمجھتا ہوں کہ وہی لوگ مطمئن نہ ہوں گے
[illegible] جنھوں نے نہ سمجھنے کا فیصلہ کر لیا ہو گر
[illegible] ورنہ اتنی واضح مثال کے سمجھ میں نہ
[illegible] آنے کے کوئی معنی نہیں۔
[illegible] کچھ لوگ برطانوی دور کا
[illegible] حوالہ دیتے ہیں کہ انگریز کے
[illegible] دور حکومت میں تو مسلم پرسنل لاء
[illegible] میں ترمیم ہوئی ہے۔ جہاں تک میرا
[illegible] مطالعہ ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات کچھ زیادہ
[illegible] صحیح نہیں۔ اسلئے کہ انگریز سمجھتا تھا کہ مسلمان اپنے
مذہبی معاملات میں کسی قسم کی ترمیم قطعاً گوارہ نہ کریں گے مسلمان مال و
دولت دے سکتے ہیں، سلطنت وحکومت دے سکتے ہیں
جیسا کہ انھوں نے دی۔ لیکن مذہبی معاملات میں مداخلت کو
کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کو چھیڑ کر [illegible]
میں ایک نیا مسئلہ کھڑا کرنا کوئی عقلمندی کی بات نہ ہوگی
چنانچہ اس نے تمام اقلیتوں کے کردار کی حفاظت کا [illegible]
ان کے پرسنل لاء میں کسی قسم کی مداخلت سے باز رہا۔ [illegible]
مسلمانوں کی فقہ اسلامی کی کتابوں کا ترجمہ کرایا اور اسکے پرسنل
لاء پر مستند کتابیں لکھوائیں۔ اور ان کے پرسنل لاء کی [illegible]

کی صورت میں مدون کرایا۔ چنانچہ اب تک اسی لاء کے تحت عدالتوں میں فیصلے ہوتے ہیں۔

اس لئے یہ بات کچھ زیادہ درست نہیں کہ انگریزوں کے دور میں مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلی ہوئی ہے۔ ہاں ایسا بات ادب ہے کہ بعض مسائل کسی وجہ سے نظرثانی کے محتاج ہیں لیکن انگریزی دور میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم والی بات صحیح نہیں۔

اگرچہ ہمیں انگریزوں سے خوش فہمی نہیں۔ اسلئے کہ ان کا اس کے پیچھے ضرور کچھ مقصد پنہا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا منصوبہ بند ضرب ہم کو اتفاق سے نہ پہونچ سکا۔ بہرحال بات یہی حقیقت سے قریب ہے اسلئے اس کا اعتراف ضروری ہے

اتنی لمبی چوڑی گفتگو کے بعد ہم حکومت سے صرف ایک ہی بات کہنا چاہتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا اپنی جگہ پر ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کو کسی طرح بھی پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ نہ دستور کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ اور نہ مصلحت کا عذر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت اقلیتوں خصوصًا مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرے گی اور ان کو مجروح ہونے سے بچائے گی۔

ورنہ، حکومت اس بات کو نوٹ کرلے کہ مسلم پرسنل لا بازیچہ اطفال نہیں، کوئی کھیل تماشہ نہیں۔ یہ الٰہی قوانین کا اٹل مجموعہ ہے۔ جس میں کسی قسم کی ترمیم ممکن ہی نہیں۔ اگر اس نے اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا تو ملک کی انصاف پسند قوتیں اور اقلیتیں اس جارحیت کو روکنے کے لئے کھڑی ہو جائیں گی۔ اور ملک باہر کی دنیا میں بدنام ہو کر رہے گا۔

لیکن، ہم پھر بھی اپنی حکومت سے اچھی ہی امید رکھتے ہیں کہ وہ ملک کی زبردست اقلیت کو بے چینی و اضطراب میں مبتلا نہیں کرے گی۔

شرعیات

مسلم پرسنل لا میں ترمیم ناقابل برداشت

انجم عثمانی

مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا مسئلہ جو بعض اہل اقتدار
ُرنصیبی سے کچھ نام نہاد مسلمان بھی) بار بار اٹھاتے ہیں
پس منظر میں یہ نیت ہرگز نہیں کہ شریعت کے بعض
نات کو بروئے کار لانے میں موجودہ ماحول اور موجود
ں کے پیش نظر کچھ مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اسلئے
حکامات پر نظر ثانی کی جائے بلکہ مقصد صرف اور صرف
ہے کہ دستور میں سپرد کئے گئے بنیادی حقوق یعنی مذہبی
ثقافتی آزادی وغیرہ کو ختم کیا جائے۔ اور قومی امتیازات
بت د نابود کر کے کل معاشرہ میں یکسانیت پیدا کی جائے
یکسانیت کے پس پردہ یہ مقصد اور ارادہ کام کر رہا ہے
ان جو اپنے عقائد کے اعتبار سے صرف فقہ اسلامی ہی
جب الا تباع سمجھتے ہیں اور ایک محدود دائرے میں
ہی آزادی مسلمانوں کو کس درجہ میں حاصل ہے اسے ختم
خواہشات کے تتبع اور انسان کے وضع کردہ لنگڑے
قانون پہان سے زبردستی عمل کرایا جائے، اس قانون
پر ٹھونسا جائے کیوں کہ اسلام دشمن افراد اس بات کو
سمجھتے ہیں کہ جب تک مسلمان خدا کے نازل کردہ
نا پر عمل کرتے رہیں گے جو کہ تمام نوع انسان کیلئے
ا سود مند ہے ان میں اتحاد ہو جانے اور ترقی و . .

سربراہی حاصل کرنے کے دروازے کھلے رہیں گے۔ مسلمانوں
کے اتحاد انکی یکجائی اور ان کے عقائد کی پختگی کو اس طور پر ختم
کیا جا سکتا ہے کہ تبدریج ان پر انسان کے وضع کردہ قوانین
مسلط کر دئے جائیں۔ انسان کے وضع کردہ ادھورے لنگڑے
اور غیر مفید قوانین کے دائرہ میں داخل ہوتے ہی مسلمانوں میں
کسی متحد تنظیم کے پیدا ہونے کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔

اسلام اور مسلمان دشمن موجودہ عناصر اس
امر کو جانتے ہیں کہ باوجود متعدد اختلافات کے
مسلمان باعتبار عقائد کے مکمل طور پر متحد ہو جاتے
ہیں، انہیں اسلام کی یہ وحدت پریشان کرتی ہے۔
انہیں معلوم ہے کہ اسلام کا نظام حیات ایک ایسی
مضبوط اور مکمل ڈوری ہے جو تمام عالم اسلام کو
عقائد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے منسلک
کئے ہوئے ہے۔ انہیں خبر ہے کہ مختلف موتیوں کے
درمیان سے پڑی ہوئی یہ ڈوری تمام موتیوں کو ایک
خوبصورت ہار کی شکل میں سامنے لاتی ہے اور تب
اسلامی ہار کے خوبصورت اور سچے موتیوں کی حقیقی
چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں
جب تک اس ڈوری کو نہیں کاٹا جائے گا یہ موتی

اس خوبصورت ہار کی شکل میں پروئے رہیں گے اسلئے یہ لوگ آہستہ آہستہ اس ڈوری پر قانون کی چھری استعمال کر رہے ہیں تاکہ یہ موتی بکھر جائیں اور اس ہار کی قدر و قیمت (جو ان کے لئے ناقابل برداشت ہے) باقی نہ رہے لیکن ان دشمنان اسلام کو یہ احساس نہیں کہ اس ڈوری نے تو لاکھوں دشمنوں کی چھریاں کند کر دی ہیں یہ نہ کٹی ہے اور نہ انشاء اللہ کٹ سکتی ہے۔ اسلئے کہ یہ انسان کے کمزور ہاتھوں کی پروئی ہوئی وہ ڈوری نہیں ہے جو خود بناتا اور خود پروتا ہے۔ یہ اللہ کی ڈوری ہے جسے کاٹ دینا غیر اللہ کے بس کی بات نہیں۔

اسلام دشمن یہ عناصر مختلف مواقع پر اپنے جذبہ کا اظہار کرتے رہتے ہیں ان کی اس عادت قبیحہ کا ایک جز مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا نعرہ بھی ہے۔ اس نعرہ کا درد کچھ افراد کے پیٹ میں رہ رہ کر اٹھتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد اس کی آواز اٹھائی جاتی ہے اور جب اس پر احتجاج ہوتا ہے تو کچھ دن کے لئے یہ چلاتے ہوئے گیدڑ "اپنے بھٹوں" میں گھس جاتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ بعد پھر باہر آ کر "بھونکنا" شروع کر دیتے ہیں دراصل ترمیم کے حامی یہ لوگ اس خواہ مخواہ کے خدشہ اور بے بنیاد خطرہ سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں کہ اگر یکساں سول کوڈ نہ بنایا گیا تو کہیں آگے چل کر یہ قابل لحاظ اقلیت اکثریت میں نہ تبدیل ہو جائے اور اکثریت کا روپ نہ بنا پالنگے۔

ترمیم کی حامی یہ جماعت اسلام دشمنی کی بنا پر مسلم پرسنل لا کو ایک رواجی شئے تصور کئے ہوئے ہے شاید اس لئے طلاق، وراثت، وغیرہ میں بھی یکسانیت کو مفید گردانتی ہے اور اسکے لئے آئین کی دفعہ ۴۴ کو بنیاد بنا رہی ہے۔ ترمیم کی حامی یہ جماعت اسلام اور مسلمان دشمنی میں مسلم پرسنل لا جیسے خالص شرعی مسئلہ کو آنکھوں پر سیاسی چشمہ چڑھا کر دیکھ رہی ہے اور اس کو توڑ مروڑ کر اس طرح پیش کیا جا رہا ہے کہ مسلمان صرف عیاشی کے لئے ایسا کرتے ہیں (نعوذ باللہ) اور اسلام اس کی اجازت دیتا ہے (معاذ اللہ) اور اس طرح ایک تیر سے دو شکار کر رہے ہیں۔ ایک طرف مسلمان کی بدنامی اور دوسری طرف اسلام کے اصولوں کو کمزور ثابت کرنا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام تعدد ازدواج کی ہمت افزائی نہیں کرتا بلکہ ایک مجبوری کا علاج ہے جسکی اباحت نہایت ضروری ہے۔

مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا نعرہ لگانے والے لوگ اسلام دشمنی کا چشمہ اتار کر دیکھیں کہ ایک سے زائد بیویوں کا تناسب ہندوستانی مسلمانوں میں کیا ہے؟ ایک فیصد بھی نہیں، اسکے علاوہ یہ لوگ اس حقیقت سے بھی جان بوجھ کر گریز کر رہے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمان عورتوں کا تناسب مردوں کے مقابلہ میں کم ہے جب عورتوں کا تناسب مردوں کے مقابلہ میں کم ہوا تو پھر تعدد ازدواج ہوگا کیسے؟ لیکن ان سب حقائق پر اس وقت غور کیا جا سکتا تھا کہ جب پیش نظر نفس مسئلہ ہوتا یہاں تو ان لوگوں کے پیش نظر تعدد ازدواج کا مسئلہ ہے ہی نہیں بلکہ صرف اور صرف اسلام دشمنی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ مسلم پرسنل لا خالص مذہبی اور شرعی حیثیت کا مسئلہ ہے اور اس میں کسی قسم کی ادنیٰ سی بھی دخل اندازی کسی درجہ میں بھی جائز نہیں۔

یہ انسانوں کا وضع کردہ قانون نہیں ہے کہ جسکو جب چاہے بدل ڈالا جائے۔ یہ صرف اور صرف اللہ کا متعین کردہ قانون ہے جسکے اندر کمی و بیشی ناممکن ہے۔ بھلا انسان کی یہ مجال کہ اپنے خالق حقیقی کے متعین کردہ قانون میں دخل اندازی کرے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے انکو حلال کرے اور

جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حلال گردانیں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم (سورۂ مائدہ پارہ ۷) ارشاد باری تعالیٰ کے بعد دنیا کے عظیم سے عظیم انسان کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اسکے نازل کردہ قوانین میں ادنیٰ سی بھی کتر بیونت کرے حتیٰ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی نہیں یہ ہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کلامی لا ینسخ کلام اللہ (میری ذاتی رائے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں بدل سکتی) جب دنیا میں سب سے عظیم ترین انسان اور انسانی دنیا کے رہبر کامل کو بھی یہ حق حاصل نہیں تو کسی اور انسان کا تو سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟۔

قرآن کریم کا مطالعہ ہر جگہ اس امر کی طرف راہ نمائی کرتا ہے کہ راہیں صرف دو ہی ایک اتباع دین پیروی رسول خدا اور دوسرے اپنی خواہشات کا اتباع پہلی صورت ہدایت اور رشد ہے اور دوسری شکل سراسر گمراہی، ضلالت اندھیرا اور دوزخ کی راہ ہے۔ ان دو راہوں کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ضلال کی راہ اختیار کرنے والے سوچیں کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ مداخلت فی الدین کرنے والے یہ نام نہاد مسلمان ختم اللہ علی قلوبھم الخ۔ کے مصداق ہیں۔

اسلام کے لیے روز اول سے آج تک ہمیشہ دشمنان اسلام سازشیں کرتے رہے یہ سازش کبھی مستشرقین کی شکل میں سامنے آئی ہے اور کبھی مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے حامیوں کی شکل میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اجتماعی اور انفرادی طور پر ہر شعبہ حیات میں سازشیں کی جاتی رہی ہیں لیکن اہل ایمان ہمیشہ اسکا جواب جان کی بازی لگا کر دیتے رہے ہیں۔ یقیناً اسلام کوئی ایسی شے نہیں کہ جسے کوئی مٹا سکے اور نہ ہی اسلام کسی کی جاگیر ہے کہ کوئی اسے چھین سکے یہ ایک نعمت ہے کہ جو اس سے مالا مال ہوتا ہے وہ خوش نصیب ہے اگر کوئی اس انعام عظیم کی قدر نہیں کرتا تو اس سے اس کی اہمیت اور قدر و قیمت پر کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر کچھ مسلمان اس کی حسب مرتبہ قدر نہیں کر رہے ہیں تو اس سے اسلام کا کیا بگڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ نعمت عظمیٰ کسی اور کو بخش دیں گے۔ اسلام کو تاقیامت زندہ رکھنے کا تو خدا نے وعدہ کیا ہے دشمنان اسلام کے مٹانے کی خواہش سے بھلا یہ کہیں مٹ سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ کی روشن کردہ یہ شمع جس کے نور سے عالم انسان منور ہے بھلا انسان کی کمزور پھونکوں سے بجھ سکتی ہے؟۔

"مسلم پرسنل لا" میں ترمیم کے حامی اپنی رائے کی دلیل اور ہم پر اعتراض کے طور پر کچھ اسلامی ممالک کا حوالہ دیتے ہیں جیسے مصر و شام، مراکش وغیرہ ان کا کہنا ہے کہ یہ ممالک اسلامی ہیں اور ان میں یکساں سول کوڈ ہے جبکہ یہاں مختلف اقوام بستی ہیں یہ لوگ بھی تو کلمہ گو ہیں اور ہماری نظر میں ہم سے اچھے مسلمان ہیں لیکن اس اعتراض کو کرنے سے پہلے یہ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ اول تو ان اسلامی ممالک میں مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم نہیں بلکہ اجتہاد کی ایک شکل ہے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کے الفاظ میں۔

> "مصر و شام مراکش کا نام لیکر اسلامی پرسنل لا میں جس ترمیم کا ذکر کیا جاتا ہے اسکو ترمیم کہنا ایک فریب ہے وہ ترمیم نہیں ہے بلکہ دوسرے مکتب اجتہاد کی یہی متبادل تشریح یا تعبیر ہے جس کو کسی سابق تشریح یا تعبیر کی جگہ ضرورت کی بنا پر لایا گیا ہے اور اسکو مستند علما کی ایک جماعت نے مرتب کیا ہے۔
>
> (اسلامی شریعت یا مسلم پرسنل لا صفحہ ۱۲)

پھر اگر بالفرض محال اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کچھ جگہوں پر اس میں ترمیم کی بھی گئی ہے تو اس سے ترمیم کا جواز کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ کیا کسی جگہ کسی نادانی کا عمل

میں آجانا اسے جائز بنادیتا ہے ؟ کیا اگر کوئی فرد قوم یا ملک احکام خداوندی میں دخل اندازی کرے تو وہ قابل گرفت نہیں رہتی ؟ ظاہر ہے کہیں کوئی خرابی اجتماعی طور پر ہو یا انفرادی طور وہ خرابی خرابی ہی رہتی ہے اچھائی نہیں بنتی۔

اسلام کا نظام زیست کسی فرد کسی ملک اور کسی قوم کا محتاج نہیں اسلامی قوانین کی بنیاد کسی کی ذاتی رائے پر نہیں بلکہ یہ صرف خدا تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات پر استوار ہے ان احکامات میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں دیا گیا اور نہ ہی کسی ملک کا قانون اور عمل اسلامی نظام حیات کے مقابلہ میں بطور نظیر پیش کیا جا سکتا ہے۔

ایک بات اور جو بہت ہی اہمیت کے ساتھ ترمیم کے حامی افراد کہا کرتے ہیں کہ وقت کے بدلتے تقاضوں کے پیش نظر اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلم پرسنل لا کی تعریفات کو وسعت دینے اور اسکے مضمرات کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ مسلم پرسنل لا وقت کے بدلتے دھارے کے دوش بدوش چل سکے۔

اس بات کو مستقل کہتے رہنے والے کیا اس بات کی تشریح کریں گے؟ "وقت کے دھارے" اور "زمانہ کے تقاضوں" جیسے غیر واضح الفاظ سے ان کی مراد کیا ہے ؟ کیا وقت کے دھارے کا مطلب یہ ہے کہ جو اکثریت چاہے اس پر سب عمل کریں ؟ کیا "زمانہ کے تقاضوں" سے ان کی مراد یہ ہے کہ تمام دنیا اگر الحاد اور شرک میں مبتلا ہو تو مسلمان بھی اس رنگ میں رنگ جائیں ؟ مگر یہ ہی مراد ہے تو پھر صرف "مسلم پرسنل لا" ہی کیوں تمام احکامات شرعیت کو بدلنے اور ہر جگہ اپنے من مانی کو اختیار کر لینے میں کیا حرج ہے ؟ اور اگر اس انداز کو آپ کے یہاں "خوشگوار تبدیلی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو پھر یقیناً آپ جیسے اسلام دشمن عناصر نہیں دن بعد ہی (جب بھی کہیں سے

ڈوری ہلے گی) نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر تمام احکامات شرعیہ میں مداخلت کو بھی بے جا تصور نہ کریں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ "وقت کے تقاضوں" "حالات کے دھارے" اور اس قسم کی خود ساختہ اصلاحات کے پردہ میں یہ اسلام دشمن عناصر ناخواندہ حضرات کو زبردست دھوکے میں مبتلا کر رہے ہیں۔ ورنہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام کا دستور حیات وقت کے ہر تقاضے اور ہر الجھن کا مکمل حل ہے اور زمانے کے ہر موڑ کو سنبھالنے کی وسعت رکھتا ہے۔ اسلام مسجد اور مکتب تک محدود نہیں یہ صرف پوجا پاٹ اور رسم و رواج کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی معاشرے کی مشکلات کا صحیح حل ہے۔ یہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کو مکمل طور سے محیط ہے بلکہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکے ذریعہ انسانی معاشرہ امن و آشتی کی ڈگر پا سکتا ہے۔ اسلام کا نظام حیات مسجدوں سے لیکر یونیورسٹیوں تک اور کھیتوں سے لیکر عدالتوں تک ہر مسئلہ کا حل اپنے اندر رکھتا ہے ایک ایسا مکمل اور واضح حل جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں کل بنی نوع انسان کے لئے مفید اور فلاحی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے ہر زمانہ میں شریعت اسلامیہ کے نکات کو عوام کو بتلانے اور برتنے کا ملانے کا کام جاری رکھا جائے اور ظاہر ہے یہ کام ان لوگوں کا نہیں جو ختم اللہ علی قلوبہم کے مصداق ہیں بلکہ یہ کام مستند علمائے دین اور زیرک مفتیان کرام کا ہے کہ وہ استنباط کریں اور لوگوں کو شریعت کے مسائل سے صحیح صحیح آگاہ کریں اسلئے کہ اس کام کے وارث یہی لوگ ہیں (العلماء ورثۃ الانبیاء) انہیں کی بات اس سلسلہ میں معتبر ہے (شکر ہے کہ اس سلسلہ میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اور مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دیگر علماء کو ساتھ لے کر کوشش شروع کر دی

ہے۔ مجھ امام اللہ جزاہم خیرا) اس کے علاوہ ان مسلمان حضرات
کا بھی فرض ہے کہ جو کسی نہ کسی درجہ میں مقتدر ہیں کہ ارباب
اقتدار کو اس مسئلہ کی صحیح نوعیت نزاکت اور اہمیت بتائیں اور
سمجھائیں کہ ایسے نازک مسئلہ میں بے جا دخل اندازی کا ردِ عمل کیا
ہوگا؟ اس لئے کہ کسی بھی ملک کے کسی اقلیتی فرقہ کے مذہبی جذبات
کو ٹھیس پہونچانے سے صرف یہی نقصان نہیں ہوتا کہ ملک کے
ایک فرقہ سے ارباب اقتدار کا اعتماد اٹھ جاتا ہے بلکہ ایک عظیم
نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ ملک کی خارجہ پالیسی پر یہ تمام باتیں
اثر انداز ہوتی ہیں۔ ایک طرف تو اس بات کی کوشش کہ تمام دنیا
اس بات کو محسوس کرے کہ ہندوستان میں اقلیتیں نہ صرف یہ کہ
قابل لحاظ ہیں بلکہ .. انہیں اپنے اپنے عقائد کے اعتبار سے
مذہبی معاملہ میں مکمل آزادی ہے اور دوسری طرف یہ رویہ کہ
مسلم پرسنل لا جیسے خالص مذہبی مسئلہ میں بلاضرورت خواہ مخواہ
ٹانگ اڑائی جائے اور اس مداخلت کے لئے مختلف بہانے
تراشے جائیں اور جب کچھ حق پسند افراد اس کی صحیح پوزیشن واضح
کریں اور یہ باور کرانے کی کوشش کریں کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ جس
میں انسانی قوانین کی طرح ردوبدل کی جائے تو اس کی تاویلیں
کی جائیں۔ کسی بھی مسئلہ میں مداخلت اس طرح اور زیادہ مذموم
ہوجاتی ہے کہ جب اس میں مداخلت سے کوئی فائدہ نہ ہو اور مقصد
صرف کسی ایک فرقہ کے عقائد کو ٹھیس پہونچانا ہو۔ "مسلم پرسنل
لا" کا مسئلہ ایک ایسا ہی مسئلہ کہ اگر اس بات سے بھی بفرضِ
محال قطع نظر کرلی جائے کہ باعتبار شریعت اس میں ترمیم کس
قدر قبیح فعل ہے تو بھی اس میں ترمیم سے ملک کو کوئی مادی
فائدہ بھی نہیں پہونچتا اور نہ ہی نفاذ قوانین میں اس کی ترمیم
نہ کرنے سے کوئی رکاوٹ ہی پیدا ہوتی ہے؟

جب یہ مسئلہ کسی کے لئے نقصان دہ نہیں تو پھر اس
میں تبدیلی کے ارادے کو اسلام دشمنی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا
ہے۔ اگر یکساں سول کوڈ نافذ بھی کردیا جائے تو سمجھ میں نہیں
آتا کہ اس سے ملک کی ترقی کی صورت کہاں سے نکلتی ہے؟ اور
قوانین کے اجراء میں اس ترمیم سے کس قسم کی سہولت پیدا
ہوتی ہے؟ جو کسی اور صورت سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اوّل
تو اس میں ترمیم سے کوئی سہولت اور ترقی کی راہ نکلتی نہیں
اور اگر بزعم دشمنان کوئی آسانی پیدا ہو بھی جاتی ہے تو یہ
جمہوریت کی کون سی قسم ہے کہ ایک قابل لحاظ اور وطن پرست
اقلیت کے مذہبی جذبات اور مقدس عقائد کو یوں پامال کیا جائے
یہ جمہوریت اور سیکولرازم کی کون سی نوعیت ہے کہ خواہ مخواہ
مذہبی معاملات میں ٹانگ اڑائی جائے اور ایسی سازشیں
کی جائیں کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس مداخلت کے مرتکب اہل اقتدار نہیں
اسلام کے مدعی ہی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ اس مرتبہ اسلام کے دشمنوں
نے ایک شاطرانہ سازش کی ہے کہ کچھ بدعقیدہ
لوگوں کو سامنے رکھا ہے کہ جو اپنی کچھ ذہنی اور مادی مفادات
کے حصول کے لئے اس قدر قبیح فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں
ایسا کیوں ہورہا ہے؟ ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟ ایسا کون
کر رہا ہے؟ اگر ان سوالات کے جوابات تلاش
کئے جائیں تو بات پھر وہیں اسلام دشمنی اور
اسلام دشمنوں پر جاکر ٹھہرتی ہے۔ لیکن "مسلم پرسنل
لا" میں ترمیم کے حامی افراد کو یہ احساس ہونا چاہئے
کہ ہر قوم میں ہر قسم کے افراد ہوتے ہیں کچھ بک
جانے والے اور کچھ جان دینے والے۔ یہ کام
تو نہایت آسان ہے کہ کسی فرقہ کی تباہی کے لئے
اس فرقہ کے ... کچھ افراد منتخب کرلئے (یا
صرف نام اس فرقہ والوں جیسے دیئے جائیں)
لیکن اس فرقہ کے باقی افراد اس بے ہودہ حرکت کو

نظرانداز کر جائیں یہ مشکل ہے (اس بات کا احساس مختلف جگہوں سے احتجاج کی شکل میں ان لوگوں کو ہو بھی گیا ہوگا) اگر کچھ نام نہاد مسلمان ایسے ہیں جو مسلمانوں ہی کے لئے مسائل کھڑے کر سکتے ہیں۔ تقریباً مسلمانوں ہی میں ایک کثیر تعداد وہ بھی ہے کہ جو نہ صرف اس مسئلہ پر خاموشی اختیار نہیں کر سکتی بلکہ اپنے شدید رد عمل کا مظاہرہ بھی کر سکتی ہے۔

لہٰذا ملکی مفاد' رضائے خدا' قانونی نقطۂ نگاہ' اور جمہوریت کی قدروں کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ اس انداز کی باتوں کو بند کیا جائے۔ اور .... مذہبی معاملات میں کسی بھی قسم کی مداخلت سے مکمل طور سے باز رہا جائے ورنہ ظاہر ہے کہ مذہب میں اس مداخلت کو کوئی بھی صحیح العقیدہ صاحب ایمان برداشت نہیں کرے گا۔

ترمیم ہو سکتی نہیں

پیام سہالوی

جسکے دامن میں ہر اک انسان کو ملتا ہے سکوں
اس سے بہتر کوئی بھی تنظیم ہو سکتی نہیں
رحمۃ اللعالمین نے جو بنایا ہے نظام
حشر تک اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی نہیں

شرعیات

ہمارا قانون۔ ہماری زندگی

ندیم الواجدی

مضمون زیر نظر میں جناب ندیم الواجدی نے قانون شریعت میں ترمیم کے مطالبہ کی ریشہ دوانی کو بڑی خوبی سے اجاگر کیا ہے۔ آپ اس کاوش کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ (مدیر)

"یہ عظیم فتنہ"

ہمارا قومی معاشرہ اگرچہ آزاد ہے تاہم وہ ابھی تک ذہنی طور پر غلامانہ طرز فکر کا شکار ہے۔ اپنے شعائر اپنے رسوم و رواج اپنے قوانین اور رہن سہن کے تمام طور طریقے اسی انداز فکر کے مطابق ڈھالنا اسے زیادہ پسند ہے۔

"مسلم پرسنل لا" کے خلاف جو فتنہ ابھرا ہے وہ دراصل اسی غلام طرز فکر کی پیداوار ہے۔ دوسروں کی اندھی تقلید ہمیں اس بات پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ اپنے مذہبی قوانین پر خط تنسیخ کھینچ دیں ان میں ترمیمات کریں اور اپنی خواہش کے مطابق ڈھال لیں۔

یہ فتنہ کوئی نیا فتنہ نہیں ہے۔ کافی عرصے سے اس کی صدائے بازگشت سنی جا رہی ہے۔ پہلی مرتبہ یہ اپنی پوری شدت کے ساتھ اس وقت سامنے آیا جب ۱۹۶۸ء میں پوری دنیا میں حقوق انسانی کا سال پوری عظمت و احترام کے ساتھ منایا جا رہا تھا۔ لیکن حال ہی میں اس فتنے نے پھر جنم لیا ہے۔ پونا میں حمید دلوائی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی مسلم ستیہ شودھک منڈل کانفرنس سے اس مسئلے نے زور پکڑا۔ اس کانفرنس میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا قومی پریس نے اس کانفرنس کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ اس کانفرنس میں پونا کے ایک ممتاز مراٹھی اخبار "کیسری" کے مطابق مسلم خواتین کی مختصر سی تعداد شریک تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان گنی چنی آوازوں کو تمام مسلمانوں کی خواہش سمجھ کر تائیدات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سنجیدہ حلقے اس وقت چونکا جب دہلی میں مرزا طاہر محمود کی سرکردگی میں انڈین لاء انسٹی ٹیوٹ کا مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں ایک سہ روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ اور بیشتر تقاریر و مقالات میں ترمیم کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے قانون کے خلاف ان آوازوں کو کچلنے کے لئے تمام مذہب پسند مسلم خواتین میدان عمل میں اتر آئیں اور جگہ جگہ کانفرنسیں منعقد کر کے قانون شریعت پر اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

ہمیں حمید دلوائی جیسے لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انھوں نے ایسے مواقع فراہم کئے کہ ہندوستان کی مسلم خواتین

کے مزاج اور مذہبی تعلق کو کچلا جاسکے اور اس سلسلے کی سب سے خوش آیند بات تو یہ ہے کہ اس مسئلے نے دارالعلوم دیوبند کے علماء کو جھنجھوڑ کر رکھدیا اور اس سلسلے میں انہیں عملی اقدامات کے لئے مجبور ہونا پڑا۔

آغاز سے اب تک کی یہ کہانی آپ لوگوں کے سامنے ہے آپ اس کہانی کے ایک پہلو سے واقف ہیں، اس فتنے کے پس منظر میں کس کا ہاتھ ہے یہ بھی مخفی نہیں ہے۔ اس لئے یہاں میرا مقصد اس کہانی کے نشیب و فراز کو واضح کرنا نہیں ہے

بلکہ اس مسئلے کے نشیب و فراز پر روشنی ڈالنی ہے۔

"مسلم پرسنل لا" کے لفظ سے کچھ کم فہم لوگ ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ دراصل "پرسنل" سے وہ مفہوم نکالتے ہیں کہ قانون فرد کا ایک ذاتی معاملہ اور پرائیویٹ مسئلہ ہے جو اس کے مزاج کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوسکتا ہے اور پھر اسکی تائید مزید لفظ "مسلم" نے بھی کی ہے اس غلط فہمی کی بنیاد پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے مذہبی پرسنل لاؤں کی طرح مسلم پرسنل لا بھی مسلمانوں کے عادات، ان کے مزاج او معاشرتی طریقوں کی پیداوار ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ یہ فرد کا ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ اس کی پیداوار میں اس کی نجی زندگی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ خدائی قانون ہے جس کا نفاذ پورے اسلامی معاشرہ میں ہوتا ہے۔

انگریزی دور حکومت میں بھی یہ اصطلاح اپنے اندر بڑی وسعت رکھتی تھی۔ اور اس کا اطلاق اسلامی شریعت کے تمام قوانین پر ہوتا تھا۔ آج بھی حدود و تعزیرات کے علاوہ جتنے قوانین اسلامی ہیں۔ ان کے لئے یہ ہی اصطلاح مستعمل ہے

مسلم پرسنل لا کی اہمیت

اقوام وملل کی زندگی میں ان کے اقدار حیات، اصول اور طور طریقے بہت کچھ اہمیت رکھتے ہیں قومیں اپنے مذہبی سرمایہ کو عزیز رکھتی ہیں حقیقت پوچھئے تو اس مذہبی سرمایے یعنی اقدار و اصول کے بغیر ان کی زندگی میں وہ اکائی اور وحدت باقی نہیں رہے گی جو قوموں کا مقصود ہے۔

ان دینی اقدار سے قوموں کو قدم قدم پر سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ اقدار قوموں کی زندگی میں اہم اور مستحکم رول ادا کرتے ہیں ان اقدار کا زندگی میں اس قدر دخل ہے کہ انہیں اپنی تہذیب و تمدن کا سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے ان ہی اقدار سے پتہ چلتا ہے کہ اس قوم کا تہذیبی ڈھانچہ مضمحل ہے یا مضبوط؟ اس قوم کے افکار میں ارتقا ہے یا تنزل؟ اسکے شعار میں پاکیزگی ہے یا گندگی اس قوم کے عقائد کی عمارت قوی یا کمزور بنیادوں پر استوار ہے؟ اس قوم کے رسوم کیا ہیں؟ اس کا نظام فکر اور نظام زندگی کیا ہے؟ یہ سب کچھ ان اقدار ہی سے معلوم ہوتا ہے یہی مذہبی اقدار قوموں کے لئے عزیز ترین ہوتے ہیں جس طرح دوسری قومیں اپنی مذہبی قدروں کی محتاج ہیں مسلمان بھی اپنے بقاء و وجود کے لئے شریعت کے متعین کردہ اصولوں اور طریقوں کی ضرورت قدم قدم پر محسوس کرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جس تہذیب کو ان قدروں سے محروم کیا گیا اس نے اپنا وجود تحلیل کر دیا اپنا سر دوسری تہذیبوں کے شانوں پر رکھ دیا اور ان کی اقدار کو گلے سے لگا لیا۔ جو لوگ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں وہ تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالیں۔ دوسروں کی زندگی کو کنگالنے کی ضرورت نہیں ہے خود مسلمانوں کی تاریخ دیکھنی ہوگی۔ چین کی تاریخ سامنے ہے۔ چین کے مسلمانوں کی تاریخ چیخ چیخ کر دعوت عبرت دے رہی ہے۔ آنکھیں کھلی رکھ کر دیکھیں چین کے مسلمانوں کی عظیم انسان زندگی میں جھانک کر، چین اسلامی علوم و تہذیب کا مرکز بن چکا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کے قانون پر ضرب پڑی اور رفتہ رفتہ

نہیں تبدیل کر دیا گیا تو وہاں یہ عظیم تہذیب فضاؤں میں حلول کر گئی۔ روس کے مسلمانوں کی تاریخ بھی چین کے مسلمانوں کی تاریخ سے قطعی مختلف نہیں ہے۔ یہ دونوں علاقے ایک ہی سکے کی دو تصویریں ہیں۔ روس جو بخاریؒ جیسے عظیم القدر محدث کا وطن تھا۔ آج اسلام کا دشمن ہے اور وہ سرزمین اسلامی قدریں پامال کر رہی ہے۔ اور اس کی وجہ صرف ایک ہے ہماری اقدار پر ضرب، ہمارے اصول کی بیخ کنی، اور شعار میں تبدیلی۔

جو لوگ تبدیلی کی باتیں کرتے ہیں کیا وہ ایسی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ ان قوانین کے جوئے کو اتار پھینکنے کے بعد بھی کسی جگہ اسلامی تہذیب نے اپنا وجود برقرار رکھا ہو۔

ہمارے قوانین الٰہی قوانین ہیں جن میں اضافے اور ترمیمات خدا کے ہاتھ میں ہیں اس کا رسول بھی حرام کو حلال مستحب کو واجب اور فرض کو سنت قرار نہیں دے سکتا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے جب ایک حلال چیز سے احتراز شروع کیا تو کہا گیا خدا کی حلال کی ہوئی شے آپ کس طرح حرام کر سکتے ہیں؟

ڈاکٹر اقبال نے کتنی بہترین بات کہی ہے ؎

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

تبدیلی کا مطالبہ

کچھ مغربی ثقافت میں رنگے ہوئے لوگوں نے مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی یا پورے ملک میں یکساں سول کوڈ نافذ کر دینے کے مطالبے شروع کر دیئے ہیں۔ اپنے ان مطالبوں کے جواز میں وہ طرح طرح کی باتیں اور بعید از عقل دلائل پیش کرتے ہیں مجھے حیرت ہے یہ سن کر کہ یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کے سلسلے میں حمید دلوائی نے ایک نئے انداز سے استدلال کیا ہے کہ اسی (۸۰) فیصد قوانین اسلامی پر عمل نہیں ہوتا اگر باقی بیس (۲۰) فی صد پر بھی عمل نہ ہو تو کیا برائی؟ لیکن اول تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو میں بمبئی خواتین کانفرنس (منعقدہ ۲۳ جنوری زیر اہتمام جماعت اسلامی بمبئی) کے خطبۂ صدارت کے یہ الفاظ مستعار لوں گا۔ "ان کی یہ دلیل ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ دیکھ کر لوگ عام طور سے حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی نہیں کرتے یہ مشورہ دے کہ بقیہ اصولوں کی بھی خلاف ورزی کر ڈالو اور بجائے نفاست کو اختیار کرنے اور صاف ہوا میں رہنے اور ـ ـ ـ ـ ـ صاف ستھری غذا کھانے کے میلے کچیلے رہو۔ گندی ہوا میں سانس لو اور گندی سی گندی غذا کھاؤ۔" (ماہنامہ حجاب رامپور مئی ۱۹۷۲ء)

کچھ لوگوں نے (مثلاً پروفیسر آصف فیضی وغیرہ) نسبتاً علمی انداز اختیار کیا ہے اور اجتہاد، قیاس اور اجماع وغیرہ جیسی اصطلاحوں کو مستدل بنا کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ان قوانین میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا یہ استدلال صحیح ہے؟ اس پر متوجہ ہونے سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ قرآن و حدیث اس تبدیلی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

کتاب و سنت کا فیصلہ

قرآن میں جگہ جگہ اسلامی احکام کی قطعیت کو بیان کیا گیا ہے۔ ان احکام اور مقرر کردہ اصولوں کی تکذیب پر دردناک عذاب کی خبر سنائی گئی ہے۔ چنانچہ اس آیت کا یہی مفہوم ہے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ آيَاتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ۔

ترجمہ۔ اس شخص نے ظلم کیا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تکذیب کی اور اعراض کیا۔ ایسے لوگوں کو ہم بدترین عذاب دیں گے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا

تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ
عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ۔

آپ خدائی قانون کے مطابق ان پر فیصلہ دیا کیجئے ان کی خواہشات کا اتباع مت کیجئے اور ان سے بچتے رہئیے کہیں وہ آپ کو خدائی قانون سے ہٹا نہ دیں۔

ایک آیت میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا
بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ
وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ۔

کیا آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے جو آپ کی اور ماقبل کی شریعتوں پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن باطل عدالتوں سے فیصلے کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں حالانکہ انہیں توان کے ساتھ عدم تعاون کا حکم دیا گیا تھا۔

ان آیات کے علاوہ خدائے پاک نے جن موقعوں پر احکامات بیان کئے ہیں وہاں مسلمانوں کو تنبیہہ کی گئی ہے اور ان سے روگردانی کرنے پر وعید بھی۔ چنانچہ طلاق اور خلع کے احکام بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا

ترجمہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے آگے مت بڑھو۔

نکاح کے بارے میں یہ تصریح موجود ہے۔

كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

یہ اللہ کا تمہارے لئے فیصلہ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ذَالِكَ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

ترجمہ۔ یہ اللہ کا وہ حکم ہے جو تم پر جاری کیا جاتا ہے

وراثت کے احکامات بیان کرتے ہوئے سخت وعید بھی کی گئی ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ
يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ
مُهِينٌ

اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اسکے حدود سے تجاوز کیا اسے ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ اور اس کے لئے سخت عذاب ہے۔

ظہار کے مسائل کی تصریح کرتے ہوئے اسکی وضاحت بھی کر دی ہے۔

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ
مُهِينٌ۔

ترجمہ۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔

ان قرآنی تصریحات کے علاوہ احادیث میں بھی متعدد جگہوں پر اسلامی قوانین کو اٹل، اور مستحکم قرار دیا ہے چنانچہ ایک جگہ آپ نے ارشاد فرمایا "یہودی کثرت سوال اور اپنی شریعت میں کمی بیشی سے حدِ کفر میں داخل ہو گئے"۔ اس فرمان مقدس کا مطلب یہ ہے احکام کے بارے میں کثرت سے سوال مت کرو کہ یہ حکم ایسا کیوں ہے؟ اس میں کیا مصلحت ہے؟ یہ حکم ایسا کیوں نہیں ہے؟ وغیرہ اور اس حدیث کا دوسرا حصہ بتلا رہا ہے کہ یہودیوں نے اپنی آسمانی شریعت میں ترمیم و تغیر کیا، کمی بیشی کی تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو گئے۔ گویا اگر اس قسم کی کوئی کوشش ہماری جانب سے ہوئی تو ہمارا

حال بھی یہودیوں سے مختلف نہ ہوگا۔

ایک حدیث میں اس سے قدرے مختلف مفہوم اس طرح بیان کیا جارہا ہے" دین میں قیاس سے کام نہ لو دین عقل ہی تک محدود نہیں ہے پہلا قیاس کرنے والا شیطان تھا" قرآن نے منتعدد مقامات پر احکام میں قیاس سے کام لیا اور اپنے عقل کے معیار پر قیاس میں صحیح کمی کرنا دراصل شیطانی فعل ہے۔

شیخ علی متقی برہان پوری (م ۹۷۵ھ) نے متعدد احادیث ایسی بیان کی ہیں کہ قیامت کے روز حوض کوثر سے ایسے لوگوں کو ہنکا دیا جائے گا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین میں کوئی تبدیلی کی ہے۔

(مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام از شمس تبریز خاں ص ۸۹)

چند اصطلاحات

بعض لوگ اجتہاد، قیاس، اجماع استحسان اور تلفیق وغیرہ جیسی اصطلاحات کا سہارا لے کر شریعت میں تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور ان اصطلاحات کے بارے میں جو تفصیل اور جو حکم فقہائے بیان کیا ہے اسے لغو انداز کر دیتے ہیں

جہاں تک اجتہاد کا مسئلہ ہے اس اصطلاح کے مفہوم کو لوگ پوری طرح نہیں سمجھتے ہیں اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں بعض پڑھے لکھے (دانشور قسم کے لوگ مثلاً پروفیسر آصف فیضی وغیرہ) بھی شامل ہیں پروفیسر آصف فیضی نے اجتہاد کو ترمیم کے لئے سند لی حضرت معاذ بن جبلؓ کی اس حدیث سے قرار دیا ہے۔

وعن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثه الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ قال اجتہد رائی

معاذؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضورؐ نے انہیں یمن روانہ کیا تو سوال کیا مقدموں کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ معاذؓ نے عرض کیا۔ قرآن پاک کے ذریعہ کروں گا۔ آپؐ نے ... ارشاد فرمایا اگر قرآن سے تجھے رہنمائی نہ ملے تو۔ تو معاذؓ نے کہا تو پھر اللہ کے رسولؐ کی سنت ہے۔ آپؐ نے پوچھا اگر سنت میں بھی وہ مسئلہ نہ ملے؟ معاذؓ نے کہا تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲۴ باب العمل فی القضاء والخوف منه)

حدیث کے آخری لفظ "اجتہد رائی" کا ترجمہ پروفیسر صاحب نے یہ کیا ہے" تو میں پھر عقل کے مطابق فیصلہ کروں گا" لیکن ان الفاظ کا یہ ترجمہ سخت مغالطہ انگیز ہے۔ اگر حضرت معاذؓ کو یہی کہنا تھا کہ میں عقل کے مطابق فیصلہ کروں گا تو" دوسرے دو جوابوں کی طرح اس سوال کے جواب میں بھی "اقضی برائی" کہنا چاہیے تھا" اجتہد" کا لفظ استعمال کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت معاذؓ کی مراد وہ نہیں ہے جو پروفیسر صاحب بیان فرمارہے ہیں اس کے علاوہ" اجتہد رائی" کے بعد حدیث میں ایک لفظ "لا آلو" بھی ہے جس کا ترجمہ مشکوٰۃ کے محشی نے بین السطور میں یہ کیا ہے۔

ای لا اقصر فی الاجتہاد والتحری للصواب

یعنی اجتہاد اور صحیح فیصلے کی تلاش میں کوتاہی نہیں کروں گا اس تفصیل سے" اجتہد" اور" اقضی" کا فرق واضح ہوجاتا ہے۔

دراصل اجتہاد کی حقیقت یہ ہے کہ یہ محض عقل کے ذریعہ کسی حکم کو سمجھ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ ماہرین فقہ کے نزدیک اجتہاد اس خاص قسم کے تعقل کو کہتے ہیں جس میں

شریعت کا کوئی بھی اصول کوئی بھی ضابطہ اور کوئی بھی کلیہ مجروح نہ ہونے پائے۔ جو بھی مسائل وضع کئے جائیں ان میں کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کے معمولی معمولی سے اشاروں کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ ان مراجع کی طرف توجہ کئے بغیر کسی ایک مسئلے کی محض اپنی عقل کے ذریعہ توجیہ کر لینا ہی اجتہاد نہیں ہے۔

بعض لوگ اجتہاد کو اس لئے بھی تبدیلی کے لئے مستدل بناتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے اجتہاد سے کچھ تبدیلیاں کی تھیں خود دور حاضر میں حضرت تھانویؒ نے زوج غائب کی مدت انتظار اور دوسرے مسائل کے سلسلے میں اجتہاد سے کام لیا تھا۔ لیکن یہاں بھی لوگوں نے اجتہاد کے مفہوم کی تعیین میں دھوکا کھایا ہے۔ مولانا شمس تبریز خاں نے اپنی کتاب "مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام" میں لکھا ہے "ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جن مسائل اور روایات کو سامنے رکھ کر اور ان کے ظاہر کو دیکھ کر استدلال کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسلامی قوانین میں تبدیلی کی ان کی کیا حقیقت ہے ہم نے ان تمام مسائل پر نظر کی لیکن کوئی مسئلہ بقول شاہ ولی اللہ ایسا نہیں ملا جس میں حضرت عمر یا کسی امام مجتہد نے آزادانہ رائے سے بغیر کتاب و سنت کی طرف رجوع کئے ہوئے فیصلہ کر دیا ہو (ص ۱۲۳)"

حضرت تھانوی کے اجتہاد کی بھی یہی حقیقت ہے ۱۳۵۳ھ (۱۹۳۴ء) میں حضرت تھانوی نے علماء کو جمع کر کے عورتوں کی سہولیات کے لئے جو اجتہادات کئے وہ اصطلاحی تعریف کے دائرے ہی میں تھے خود ان کی اس سلسلے کی تصنیف "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ ایک جگہ حضرت تھانویؒ نے یہ بھی لکھا ہے۔

وما من حادثة الا ذكرها في كتاب من الكتب المعتبرة اما بعينها او بذكر قاعدة كلية تشملها.

ایسا کوئی مسئلہ نہیں جس کا ذکر مستند کتب میں نہ موجود ہو یا تو بعینہ وہی مسئلہ یا پھر ایسا قاعدہ کلیہ جو اس مسئلے پر مشتمل ہے۔

(بوادر النوادر ص ۳۶۹)

اس سے بھی مولانا تھانویؒ کے اجتہاد کی حقیقت صاف طور سے واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس قسم کے اجتہاد کی ضرورت اگر ہو تو شریعت نے اس کی اجازت دی ہے لیکن جو لوگ اس سے استدلال کر رہے ہیں وہ اجتہاد کو اس کے دائرے میں دیکھنے کے روادار نہیں ہے۔ پروفیسر آصف فیضی کا جو مقالہ انگریزی اور اردو میں "مسلم پرسنل لا" کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں اس اجتہاد کی واضح شکلیں ملتی ہیں۔

پروفیسر آصف فیضی کا اجتہاد

قرآن کریم نے حکم دیا ہے جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیں اور انھوں نے ان سے خلوت بھی نہ کی ہو اور نہ ہی کوئی مہر مقرر کیا ہو تو اس صورت میں مرد کو بطور ہرجانہ کچھ رقم ادا کرنی ہوگی۔ اس ہرجانے کو متاع الطلاق کہا جاتا ہے لیکن اگر مہر مقرر کر لیا ہو اور خلوت نہ کی ہو تو نصف دینا پڑے گا اور اگر مہر مقرر کرنے کی صورت میں خلوت بھی ہو چکی ہو تو پورا مہر دینا پڑے گا۔ ان صورتوں میں متاع الطلاق نہیں ہے لیکن — پروفیسر صاحب چاہتے ہیں کہ یہ متاع الطلاق ہر مطلقہ کے لئے لازمی قرار دے دیا جائے قرآن کے ایک قطعی حکم کی موجودگی میں پروفیسر صاحب کے اس اجتہاد کو کیا کہا جائیگا اور پھر متاع الطلاق کے جواز میں جو دلیل انھوں نے قائم کی ہے وہ یہ ہے کہ تاکہ ان بدقسمت عورتوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے جن میں سے بعض کو بلا قصور بھی طلاق دیدی جاتی ہے۔ صرف اس بے بنیاد دلیل کی بنیاد پر ایک نص میں تبدیلی کا جواز پیش کرنا کم علمی تو ہو سکتی ہے۔ اجتہاد ہرگز نہیں بلکہ

آصف فیضی نے اپنے مقالے میں اسی انداز سے متعدد مسائل میں
اجتہاد کیا ہے۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو کچھ اور بھی نظیریں پیش کیا جاتا

آمدم برسر مطلب

مولانا شمس تبریز خاں نے "کیا اجماع سے
نص میں تبدیلی ہوسکتی ہے؟" کے عنوان
سے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے: "علمائے اسلام کا اس پر
اتفاق ہے کہ کتاب و سنت میں کسی اور ذیلی ماخذ سے تبدیلی نہیں
ہوسکتی اس لئے کہ اجماع اور قیاس تو خود شریعت سے ماخوذ
ہوئے ہیں اس کے سوا مصالح استحسان اور عرف سے تو بدرجہ
اولیٰ نص میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، اصول کی عام کتابوں میں ہے
کہ امام صاحب (امام ابوحنیفہؒ) کے ہاں نص کی موجودگی میں مصالح
کا اعتبار نہیں ہے (ولا اعتبار للمصالح لوجود النص ص)
اسکے بعد مولانا نے امام ابن تیمیہؒ کا ایک اقتباس "فتاوی
شیخ الاسلام" سے نقل کیا ہے جس میں ایسے اجماع کو روح شریعت
کے منافی قرار دیا ہے۔" اس تصریح سے اجماع، قیاس، عرف
وغیرہ کی نصوص قطعیہ کی موجودگی میں نفی ہوتی ہے لیکن ان کی
اجازت اس وقت دی جائے گی جب شریعت میں صراحتاً یا
کنایتہً کسی مسئلے کے بارے میں کوئی حکم موجود نہ ہو۔

امام شافعیؒ کی تصریح کے مطابق استحسان دو قیاسوں
میں سے ایک کو ترجیح دینے کا نام ہے اور انھوں نے اپنی تصنیف
"الرسالہ" میں استحسان کے لئے کتاب و سنت اجماع و قیاس
در علم شریعت میں مہارت کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ استحسان کی کڑیاں بھی کتاب و سنت سے ہی جاکر ملتی
ہیں۔ امام شافعیؒ نے صاف طور سے لکھدیا ہے "ان حراما
علی احد ان یقول بالاستحسان اذا خالف الاستحسان الخبر
من الکتاب والسنۃ۔ (یہ بات حرام ہے کہ کوئی اس صورت
میں استحسان کا قائل ہو جب کہ استحسان کتاب و سنت کے خلاف ہو
ایک اصطلاح ہے "تلفیق بین المذاہب" اس اصطلاح کا مطلب
یہ ہے کہ مذاہب اربعہ میں سے ایک مسئلہ کا کوئی بھی حکم اپنے
اپنے لئے اختیار کر لیا جائے۔ مثال کے طور پر اگر حنفیؒ مذہب
میں کوئی حکم نسبتاً سخت ہو اور شافعیؒ مسلک میں آسان تو اس
سہولت کے لئے امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کر لیا جائے۔ علماء
نے اسے سخت ناپسند کیا ہے علامہ شامیؒ نے ایک مسلک
سے دوسرے مسلک کی طرف منتقل ہونے کو ہوائے نفس سے تشبیہ
دی ہے انھوں نے یہ بھی کہا اگر کوئی شخص ایسا کرے تو مجھے
اندیشہ ہے کہ اس کا ایمان سلب نہ ہوجائے اس لئے کہ یہ اپنے
مذہب کی توہین کے مترادف ہے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ
مجتہد قاضی کو بھی اپنے مسلک کے خلاف فتویٰ نہ دینا چاہیئے
لیکن اسی جگہ ان کے قلم سے یہ تصریح بھی موجود ہے کہ اجتہاد
کی بنا پر تلفیق ہوسکتی ہے لیکن اس کی گنجائش بھی سخت نازک
اور دشوار ترین حالات کے لئے ہے (شامی جلد ۲ ص ۱۹۱) اس
پوری تفصیل سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اجتہاد
قیاس، اجماع، عرف استحسان اور تلفیق وغیرہ سے کسی بھی
صریح اور قطعی مسئلے میں تبدیلی یا ترمیم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ
سب ذیلی ماخذ ہیں اور ذیلی و ضمنی ماخذ اصل میں تبدیلی کریں یہ
عقل کے بھی خلاف ہے۔

عورت کا مقام

مسلم پرسنلا کی تبدیلی کے لئے آوازوں کے
پیچھے جو چیز کار فرما ہے وہ یہ ہے کہ ان
لوگوں کے گمان کے مطابق اسلام میں عورتوں کو عزت کا مقام
اور آزادی کی زندگی میسر نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ
اعتراض کس قدر جاہلانہ ہے اسلام میں عورتوں کو جو بلند و بالا
مقام حاصل ہے اس کا فراخدلانہ اعتراف تو بڑے بڑے مستشرقین
نے کیا ہے انہیں اسلام کی یہ ادا بے حد پسند ہے کہ وہ عورت کو
شمع محفل کے بجائے چراغ خانہ سمجھتا ہے اس موضوع پر ہمیشہ
لکھا جاتا رہا ہے عبث ہوگا اگر میں اس وقت کچھ لکھوں لیکن

اتنا ضرور کہوں گا کہ ہندو تہذیب، عیسائیت اور جاہلیت روس یا تہذیب، یہودیت وغیرہ میں عورت کو وہ عزت اور وہ مرتبہ حاصل نہیں ہے۔ جو اسلام نے عورتوں کو بخشا ہے۔

آخری بات | پوری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا ہمارا عزیز ترین قانون ہے ۔ جس کی بقاء پر ہمارے وجود کا انحصار ہے۔ ہم کسی بھی قیمت پر اس میں تبدیلی برداشت نہیں کر سکتے۔

کسی بھی جگہ ہمیں اپنی شریعت کی طرف سے ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا جس کی بنیاد پر اس تبدیلی کو جائز قرار دیا جا سکے۔ ہمیں ہر نئے پرانے مسئلے کے لئے اپنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ہر ہر مسئلے کے لئے مستند کتب میں صراحتًا یا کنایتًہ کچھ موجود ہے۔ کسی بھی نئی صورت حال کے سلسلے میں ہمیں انہی کی رہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔ اپنی عقل اپنے قیاس اور اپنی رائے کی بنیاد پر قانون شریعت میں کسی تبدیلی یا ترمیم کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

قانونِ شریعت

پیام سہاوی

وہ ہو عہد جہانگیری کہ ہو وہ دورِ فاروقی
صداقت کا کبھی قانون بدلا ہے نہ بدلے گا
نظامِ زندگی ہر دور میں بدلا کیا لیکن
شریعت کا کبھی قانون بدلا ہے نہ بدلے گا

شرعیات

مسلم پرسنل لاء اور ترمیم

احمد علی خاں اناوی

احمد علی خاں صاحب نے اپنے اس محققانہ مضمون میں مسلم پرسنل لاء کو برقرار رکھنے کی ضرورت کو جس مدلل انداز میں واضح کیا ہے۔ اس نے نہ صرف مضمون کو قابل وقعت بنادیا ہے بلکہ مخالفوں کو اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کی دعوت بھی دیدی ہے۔ خدا کرے کہ خاں صاحب کی یہ کاوش فکر قبول اور پسندیدہ قرار پائے

(ادارہ)

ہم دین کی باتوں میں ترمیم نہیں کرتے
دنیا کے ارادوں کو تسلیم نہیں کرتے

مسلم پرسنل لاء میں ترمیم۔

یہ اہل باطل کی وہ فلک شگاف آواز ہے جو آج ہندوستان کے کونے کونے میں گونج رہی ہے لیکن کیا مسلمان اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے نہیں، ہرگز نہیں کبھی بھی نہیں کیوں ؟ یوں تو اسلام کے خلاف ہمیشہ معاندانہ آوازیں اٹھتی رہیں مسلسل حملے ہوتے رہے اور اسکے مٹانے کی غایت کوششیں کی جاتی رہیں سچ تو یہ ہے اگر اس کو اللہ نے دامن " انا لہ لحافظون " میں پناہ نہ دی ہوتی تو شاید آج کا اصلی چہرہ بھی باقی نہ رہتا۔

تاریخ شاہد ہے کہ مخالفین کو تھوڑی سی تحریفی کاروائی کے بعد ہی ادیان سابقہ اپنی اصلی صورت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔

لیکن اسلام ابتدا سے لیکر آج تک اسی شان و شوکت کے مسکراتا ہوا بانداز تمسخر از زبان حال مخالفین سے یوں کہہ رہا ہے۔ ع

" پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا "

آج اسی پرآشوب دور میں جبکہ ہر طرف سے فتن کی بہتات ہے اگر ایک فتنہ دبایئے تو دوسرا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ ع .

" تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم "

مسلم پرسنل لاء نہایت ہی اہم اور سنگین فتنہ ہے۔

جہاں معاندین اسلام ترمیم کی آوازیں اٹھا رہے ہیں، وہاں کچھ نام نہاد مسلمان جو حکومت کے ہاتھ میں بک چکے ہیں اور حکومت انھیں کٹھ پتلی کی طرح نچا رہی ہے جن کے ذہنوں پر مغربیت مسلط ہے جنھیں اسلام سے دور کا واسطہ نہیں علم دین سے کوئی سروکار نہیں جو ابنائے عصر اور مذاہب باطلہ کی کورانہ تقلید میں تو سرگرداں ہیں، لیکن مذہب حق اور علمائے دین کی تقلید سے بیزار ہیں۔

جن کی زندگیاں نصرانیت ویہودیت اور مذاہب باطلہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ جو مسلمان کا جو ٹا لیبل لگا کر دین کے ستھصال کی فکر میں ہیں وہ بھی ترمیم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ع

" اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے "

لیکن مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں جو خود لوگوں کی صلاح کے لئے آیا ہو اس میں اصلاح کرنا خود فراموشی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اسلام کامل ومکمل نظام حیات ہے جس میں ترمیم کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور اسکو علامہ شاطبی نے اپنی کتاب الاعتصام میں رقم کیا ہے (ملاحظہ ہو)

ان الشریعة جاءت کاملة لاتحتمل الزیادة و النقصان لان اللّٰہ قال فیھا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ کہ یہ کامل اور اکمل دین ہے۔ اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ نے اس مذہب کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:- اے نبی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کرلیا۔

جب شریعت اسلامیہ کے ایک شوشہ میں صاحب شریعت نبی اکرم ﷺ کو ترمیم کا حق حاصل نہ تھا چنانچہ آپ خود اس کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا مایوحیٰ الیّ (سورہ یونس پارہ ۱۱)

کہ مجھے قوانین اسلام کے کسی ایک شوشہ میں ترمیم کا اختیار نہیں ہے بحکم اللہ کی طرف سے نازل ہو ہے میں اسکی اتباع کرتا ہوں۔

تو دوسروں کو کیسے اختیار دیا جاسکتا ہے ؟

مسلمان اسے کبھی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ان کے ایمان کا ایک جزلاینفک ہے مسلمان اپنی جان دے سکتا ہے۔ عزت و ناموس قربان کرسکتا ہے یہاں تک کہ اپنے مال و دولت بیوی بچوں کو اپنے سامنے آگ کے الاؤ میں جلتا دیکھنے کے لئے تیار ہوسکتا ہے لیکن اسلام پر آنچ آئے اس کو کبھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا

حکومت اگرچہ بظاہر یہ کہہ رہی ہے کہ ہم اسی وقت ترمیم کریں گے جب مسلمان اس کا مطالبہ کریں گے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ خطر کی گھنٹی بھی بار بار بجا رہی ہے کہ کچھ مسلمان اور بالخصوص خواتین اسلام مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی خواہاں ہیں۔ اس لئے کہ اسلام نے انکے ساتھ مساویانہ برتاؤ نہیں کیا۔

مخالفین کی جانب سے اسلام پر اعتراضات ہو رہے ہیں کہ اس نے عورت کے ساتھ ظلم کیا ہے اس کے حقوق تلف کئے ہیں اسے محکومیت کا درجہ دیا ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ اسی لئے ہم ترمیم کی آوازیں اٹھا رہے ہیں تاکہ مظلوم کو اس کا صحیح حق مل سکے لیکن شاید انھوں نے یہ فقرے کہتے ہوئے اپنے گریبان میں جھانک نہیں دیکھا ورنہ کبھی بھی اسلام کی شان میں ایسے کلمات کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ اسلام نے جو حقوق مردوں کو دیئے ہیں ویسا عورتوں کو بھی دیئے ہیں۔

اگر مردوں کو خرید و فروخت، اجرت و شفعہ جدل و صلح رہن وہبہ، وراثت و نکاح وغیرہ میں حقوق حاصل ہیں تو عورت کو بھی اسی نوع میں سے ایک نوع ہونے کی حیثیت سے وہی حقوق حاصل ہیں۔ مرد کو اگر طلاق کا اختیار دیا گیا ہے تو صنف نازک کو بھی خیار بلوغ وخیار فسخ وغیرہ کے اختیارات دیکر اس کے حقوق کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور وہ حقوق اس صنف نازک کو عطا فرمائے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

لیکن مذاہب سابقہ اور ہندوؤں نے کیا دیا یہ تاریخ آپکو
بتادے گی ۔

اسلام سے کچھ صدیاں پیشتر مانی نے مسیحیت اور مجوسیت
کی آمیزش سے ایک نیا مذہب تیار کیا تھا جسکی تعلیم یہ تھی کہ دنیا
سے گوشہ گیری کر کے اس کو ویران اور برباد اور ترک ازدواج
سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے ۔ باپ کا بیٹی کو اور بھائی
کا بہن کو اپنی زوجیت میں لینا وہاں کوئی غیر معمولی بات نہ
تھی یہ سن کر کس قدر حیرت ہوگی کہ یزدگرد ثانی جو پانچویں
صدی کے وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا ۔ اس نے اپنی
بیٹی سے اپنا عقد کیا اور پھر اسکو قتل کر ڈالا

عہد قدیم میں ایک شخص مزدک نامی پیدا ہوا جو اس
بات کی تعلیم دیتا تھا کہ عورت اور دولت کسی خاص شخص کی ملک
نہیں بلکہ ان کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہئے چنانچہ ایک
شخص کی بیوی مزدک کے عقاید کی رو سے ہر شخص کے ساتھ ہمبستر
ہو سکتی تھی ۔

ہندوؤں کے مذہب ویدک میں عورت کو محکومیت و
غلامی کا درجہ دیا گیا تھا کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات
کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہ تھا ۔

کسی بودھ راہب تک کی عصمت دری کی سزا میں کچھ جرمانہ
ہی تھا ۔ عورتیں جوؤں میں ہاری جاتی تھیں ایک عورت
کے کئی شوہر ہوتے تھے ۔ وہ بیوہ ہوکر زندگی کی ہر لذت سے
ہمیشہ کے لئے محروم کر دی جاتی تھی ۔ اسی لئے شوہر کے مرنے پر
بعض عورتیں زندہ در آتش ہونا پسند کرتی تھیں (اسی رسم کو
یہاں ستی ہونا کہا جاتا ہے) شراب پی کر ایسے بدمست ہوتے
کہ اپنی ماں بہن بیٹی کی تمیز نہ کرتے تھے ۔

طلاق کے لئے کوئی مدت اور عدت نہ تھی یعنی جب تک
شوہر چاہے عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی نہ کسی اور سے
شادی کر سکتی تھی ۔ نکاح کی بھی کوئی حد نہ تھی نہ میراث میں کوئی
حصہ تھا ۔

یہی حال عربوں کا تھا بلکہ وہ ان سے بھی دو قدم آگے تھے ۔
" قیاس کن زگلستان من بہار مرا " ایک ایک شخص کی دس دس
بیویاں ہوتی تھیں دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرتے
ایام حیض کے زمانے میں عورتوں کو الگ کر دیتے اور ان کے
ساتھ مواکلت کو بھی ترک کر دیتے تھے ۔

طلاق کی بھی کوئی مدت و صحیح طریقہ رائج نہ تھا عورت
جب بیوہ ہو جاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت ہی تنگ کوٹھری میں رہتی تھی
اچھے کپڑے اور خوشبو وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز استعمال نہیں
کر سکتی تھی ۔ اس حال کے ساتھ جب پورا سال گذر جاتا تو
لوگ ایک بکری گدھا لاتے اس سے وہ اپنے جسم یا . . . کو
مس کرتی پھر کوٹھری سے باہر نکلتی اور اس کے ہاتھ میں
مینگنی دی جاتی وہ مینگنی کو پھینک دیتی اس وقت سوگ سے
نکل آتی اور قدیمی حالت قائم ہوتی ۔

اہل عرب کے ظلم کی حالت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ اگر ان
کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو سخت رنج ہوتا ، اور بعض
لوگ گھر میں رہنا چھوڑ دیتے تھے ۔

ابو حمزہ ایک رئیس تھا ۔ اسکے لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے
گھر میں رہنا چھوڑ دیا ۔ اس پر اس کی بیوی یہ اشعار پڑھ پڑھ
کر بچی کو لوریاں دیتی تھی ۔

مالابی حمزۃ لا یاتینا
یظل فی البیت الذی یلینا
غضبان الا نلد البنینا
تاللہ ما ذالک بایدینا
ونحن کالارض لزارعینا
ننبت ما قد زرعوہ فینا

ابو حمزہ کو کیا ہوگیا ہے کہ ہمارے پاس نہیں
آتا اور ہمسایہ کے گھر میں رات بسر کرتا ہے اس
پر ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتے خدا کی قسم یہ
ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے ہم بطور کھیت
کے ہیں ہم میں جو بویا جائے گا وہی اگے گا۔
عورت کو مورث کے ترکہ میں سے کچھ نہ ملتا تھا عرب کا
قول تھا کہ میراث اسی کا حق ہے جو تلوار پکڑ سکتا ہو۔
اسلام آیا تو اس مظلوم گروہ کی فریاد رسی ہوئی مذہب
اسلام نے آتے ہی اعلان کر دیا۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ)

وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کے لئے پوشاک ہو
عورات تمہاری خادمہ باندی نہیں نہ یہ کہ تم آقا ہو اور وہ
تمہارا مال کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو جو چاہو
ان سے خدمت لو انکو ذلیل سمجھو۔
بلکہ یہ فرمایا گیا:۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ)

عورتوں کا بھی مرد پر حق ہے جیسا کہ مرد کا عورت پر
اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ
ڈانٹا تو اس نے برابر کا جواب دیا پھر وہ کہتے ہیں کہ اسلام سے
پہلے ہم لوگ عورتوں کو کسی شمار و قطار میں نہ سمجھتے تھے اسلام
آیا تو اس نے ان کے بارے میں احکام اتارے اور ان کے
حق مقرر کئے۔
آنحضور نے عورتوں کی قدر و منزلت بڑھاتے ہوئے
صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا۔

خیرکم خیرکم لاھلہ (ترمذی)

"تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہیں"۔

ایک صحابی بڑے عابد و زاہد تھے لیکن اپنی بیوی کی طرف
توجہ نہ کرتے تھے۔ آنحضرت نے جب ان کا یہ حال دیکھا تو ان
کو بلوا کر یہ فرمایا۔

وَلِزَوْجِكَ عَلَیْكَ حَقًّا (بخاری کتاب النکاح)

اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔
اسلام ہی نے ازدواج کی حد مقرر کی اور پھر فرمایا کہ چار
بیویوں کے رکھنے کا حق اسی وقت ہو سکتا جب سب کے
ساتھ مساویانہ حقوق قائم کرنے کی طاقت موجود ہو۔
طلاق کا حق اگر عورت کو بعض فطری کمزوریوں کی وجہ
سے نہیں دیا گیا تو اسے خیار فسخ و خیار بلوغ دیا گیا۔ حضور
کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خیار
حاصل ہوا جسکی وجہ سے ان کے شوہر مغیث رضی اللہ عنہ (جو ان سے بے
حد محبت کرتے تھے) مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے ان
کے آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی تھی، جب حضور کو
یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت بریرہ کو بلا کر ان سے
کہا کہ مغیث رضی اللہ عنہ سے رجوع کر لو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے کہا آپ
مجھے حکم دے رہے ہیں یا سفارش کر رہے ہیں۔ آنحضور نے فرمایا
سفارش، تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر مجھکو رجوع کرنے
کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
یہ ہیں عورت کے حقوق مذہب اسلام میں"
اسلام نے تعدد ازدواج کے حکم دینے میں بھی صنف
نازک کی ہی عزت کو قائم رکھا ہے۔ اگر کسی شخص کو بیک
وقت دو تین بیویوں کی رکھنے کی قدرت ہو اور اسکو اسکی اجازت
نہ دی جائے تو اسکو اسکی شہوانیت عورتوں کی عزت لوٹنے
پر مجبور کرے گی۔ ان کے حقوق کو پامال کرنے کی دعوت
دے گی۔ اسی مصلحت کے پیش نظر تعدد ازدواج کی اجازت
دی گئی۔

حق وراثت اسلام کا عورت پر وہ خصوصی کرم ہے
ے متاثر ہو کر بہت سی غیر مسلم خواتین نے اسلام کے
کرنے کی خواہش کی۔

جرمنی کی ایک تاجر فیلڈوک مارگریٹ کا واقعہ ہے
اسکی وفات ایسی حالت میں ہوئی جبکہ وہ تین وقت
فاقہ بیماری میں اپنے تنگ و تاریک کمرے میں
یاں رگڑ رہی تھی اس نے پادری اور کئی دوسرے
سامنے ایک سنسنی خیز بیان دیا اور وہ یہ کہ ایک
س سے اسکے والدین نے اسلئے گھر سے نکال دیا کہ اس
انکی مرضی کے بغیر ایک مرد سے شادی کر لی تھی اس کے
سے نکلنے کے بعد اس کے منگیتر نے بھی بے وفائی کی اور
سے غربت کے انتہائی درجہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔

وہ عیسائی قانون کی رو سے کوئی حصہ باپ کی
ئداد سے نہیں لے سکتی تھی سی سال میں مر گیا تھا سارے
یت کا مالک بڑا بھائی ہو گیا تھا۔ اس نے کہا کہ۔
" کاش میں مسلمان ہوتی تو آج اسطرح ایڑیاں رگڑ
نہ مرتی کیونکہ مجھے باپ کی جائداد میں ورثہ کا حق ہوتا
(ماخوذ اسلام کی صداقت غیر مسلموں کی نظر میں) ص۱۸۹

اقوام عالم کی تاریخ بتاتی ہے کہ وراثت سے سار
یاں محروم تھے وراثت کی کوئی حد مقرر نہ تھی صرف
سلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے اگر مردوں کے حصوں کو مقرر
دیا تو للذکر مثل حظ الانثیین کا اعلان کر کے
رتوں کے حقوق کو بھی محفوظ کر دیا۔ اور اگر مرد کے حصہ
نصف اسکو باپ کی ملکیت سے دلایا تو شوہر کے ذمہ
ن نفقہ بھی واجب کر دیا۔

غرضیکہ اسلام نے عورت کو عزت کے اوج بام پر
پہنچا دیا یہ ہے اسلام کا وہ انصاف جسے باطل پرست
ظلم سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ نہ اسلام نے کوئی
ظلم کیا۔ اسی کو کہتے ہیں ہم ؎

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نہ مسلم خواتین نے ترمیم کی آواز اٹھائی بلکہ وہ انکا سہارا لے کر
شریعت کاملہ میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں لیکن انکی یہ ناپاک خواہش
کبھی بھی پوری نہ ہوگی۔

مسلم پرسنل لا ان کے قوانین کی طرح نہیں ہے جسمیں آئے
دن نت نئے تغیرات ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک ایسا مکمل قانون ہے
جسمیں ترمیم کی کسی صورت میں گنجائش نہیں۔
خواہ وہ تعدد ازدواج کی شکل میں یا طلاق و
وراثت کی۔

بلکہ میرے نزدیک مسلم پرسنل لا کی اور اس کے خلاف آواز
اٹھانے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نادان بکری جنون
کے عالم میں اپنا سر پہاڑ سے ٹکراتی ہے لیکن پہاڑ کو تو کوئی
نقصان نہیں پہونچتا لیکن اسکی حماقت کی وجہ سے اس کا سر
پاش پاش ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سے مخالفین کے باطل ارادوں سے مسلم پرسنل
کو تو کوئی نقصان نہ پہونچے گا لیکن خود انکے باطل ارادے ضرور
پاش پاش ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ۔

قطعہ

اسلام کے قانون میں کچھ ردوبدل ہو
یہ بات مسلمان گوارہ نہ کریں گے
اٹھ جائیں گے اسلام پرستوں کے جنازے
لیکن یہ کبھی دب کے گذارا نہ کریں گے
(دسہکاش کمار بیتاب لکھنوی)

شرعیات

دین اسلام

خوشتر مکرانوی

قارئین رگ سنگ کیلئے جناب خوشتر مکرانوی نئے نہیں ہیں۔ قانون شریعت جیسے نازک مسئلے پر آپ نے دین اسلام کے نام سے زیر نظر مضمون میں مسئلے کی اہمیت و افادیت پر مبسوط و مدلل بحث فرمائی ہے آپ اس میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں (اس) بات کا فیصلہ قارئین کرام خود ہی کر سکتے ہیں ـــــ مدیر

تاریخ کا ایک طالب علم جب دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے تو اسے شہری، صوبائی اور کشوری آئین و رسومات میں ہر آدمی جکڑا نظر آتا ہے۔ یہ رسومات حالانکہ جدا جدا مذہبی رنگوں میں نظر آتی ہیں لیکن ان کے باوجود بھی آدمی فوائد سے محروم نظر آتا ہے کیونکہ یہ رسومات ان عہدوں سے متعلق ہیں جبکہ قدرت نے ابن آدم کو خیر امت کے اعزاز سے نہیں نوازا تھا۔ گو اس سے قبل خالق کائنات نے برائے منشور انسانیت دنیا کو پیغمبر بھیجے لیکن چونکہ پچھلے ادیان کامل دین کی حیثیت نہیں رکھتے تھے اس نے انسانیت کا منشور ہمیشہ ادھورا رہا۔ تاآنکہ وہ وقت بھی آگیا کہ جب خداوند کریم نے اپنے حبیب احمد مصطفیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا اور نبی برحق پر وہ کتاب نازل فرمائی جو سب سے جامع اور مکمل کتاب تھی اور اس نور ہدایت کو بھیجکر اس نے دین کو مکمل کر دیا۔

اس سے قبل انسان وحشیانہ کورچشمی کی زندگی گذار رہا تھا۔ خداوند کریم نے قرآن کریم کو نازل فرما کر جہاں دین کی تکمیل کی وہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ وسلم کے فدائی مسلمانوں کو خیر امت کے لقب سے بھی نوازا

دنیا کے نقاد و مفکرین حضرات اس دین اسلام اور آئین جہاں، نصاب الدنیا کو خوب جانتے ہیں پھر بھی انہیں کل ایسا کرنے پر ضرور مجبور ہونا پڑے گا کہ ہم جب دنیا کے مذاہب پر غور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں مذہب اسلام کے علاوہ یہ کہیں بات نظر نہیں آتی کہ دین مسلّم و مکمل ہو چکا ہے گاندھی جی نے غالباً یہی سوچکر کہا تھا کہ ـــ

"عملی اصولوں کے اعتبار سے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی فطرت پر پورا اترتا ہے اور انسان کو پاکیزہ اور باعمل زندگی گذارنے کا راستہ بتاتا ہے ـــ"

قبل از اسلام کے ادیان پوری دنیا کے انسانوں کے مزاج و فطرت کے مطابق پورے نہیں اترتے کیونکہ قدرت کو صرف ایک دین کامل رائج کرنا تھا اس لئے مذہب اسلام کے ظہور کے بعد خداوند کریم نے تمام پچھلے ادیان کو منسوخ

کردیا اور صرف اس لئے کہ رفتہ رفتہ انسان ایک دین کامل کی پیروی کیلئے تیار ہو جائے مگر ان تمام مذاہب کے پیشواؤں کو مذہب اسلام اپنے ماننے والوں کو برحق تصور کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ انھوں نے بانی اسلام کی بشارت کا پیغام دیا اور یہ بھی خدا کے پیغامبر ہی تھے ——— مگر ان پیغامبروں کی کسی پیغمبر نے بھی کسی پیغمبر کو بشارت نہیں دی کیونکہ ان تمام کی امتوں کا قائم رکھنا خالق کائنات کے مقصود میں ہی نہیں تھا مذہب اسلام پوری دنیا کیلئے آیا ہے اسکی بقا کسی ملک وقوم پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے سچے اور واثق اصولوں پر ہے اسکی حیات لا بدی ہے ۔ دیگر مذاہب کی دھارمک کتب ان گنت اوقات وعہدہ میں تبدیل ہوتی رہی ہیں ۔ کیونکہ یہ کسی وقت کا بھی ساتھ نہیں دے پائیں کیونکہ یہ تمام وقتی وعہدی دستک وآہنگ کی جرسی صورت وذرائع تھے پھر بھی خالق حقیقی نے ان تمام دھرموں کے پارینہ ودیرینہ اثرات کا فسوں باطل کرتے ہوئے اس انسانی مذہب (دینِ اسلام) کے ذریعہ اعلان فرمایا ———

"ہم نے تمکو درمیانی امت بنایا ہے تاکہ قوموں کے سامنے تم خدا کی شہادت اختیار کرو ۔"

پروفیسر گیب اپنی کتاب "اسلام کا مستقبل" میں قرآن کی بے مثال عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں

"قرآن مجید پیغمبر اسلام کی اپنی تصنیف تھی تو پھر دوسرے لوگ بھی اس کی مثال لا سکتے تھے سارے قرآن مجید کی مثل تو چھوڑیئے صرف دس آیات بھی قرآن مجید کے مقابلے میں کوئی آج تک نہ لا سکا اور یہ حقیقت ہے کہ آج تک اس چیلنج کو ساری دنیا میں کسی نے بھی قبول نہ کیا ۔ تو پھر سب دنیا کو یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ یہ قرآن مجید کا عظیم معجزہ ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی"

مذہب اسلام نہ بزور شمشیر پھیلا اور نہ ہی کثرت اولاد سے فروغ پایا بلکہ یہ تو بلا لحاظ مذہب وملت فطری تہذیب واخلاق اور ترغیب علم وامن مساوات وانسانی محبت کے علاوہ اپنے وجود سے جو پہلے کہیں اصول واحکام ثبت ورائج نہیں تھے دنیا کو آشنا ومتاثر کیا اور اس عالم بسیط کے مذاہب بیک وقت یہ آواز لگا رہے تھے ۔

سفر پورا ہوا اے ناخداؤ !
کنارا آگیا اب ڈوب جاؤ !

مذہب اسلام اپنے ماننے والوں کو ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ تو انسان دوستی کو لازم قرار دیتا ہے دنیا اسی جذبے کا نام وعمل ہے جس کے استعمال سے اپنے علاوہ دوسروں کو فائدہ نصیب ہی نہ ہو سکے ۔ مگر شان مومن راقم السطور کے سامنے یوں رواں ہے ۔

ترا ہر سانس سایۂ تشدد کو مٹاتا ہے
ترا ہر گام ماہ ونجم دھرتی پر بچھاتا ہے
تری روحانیت کا نور سورج کو جگاتا ہے
خضر کو گمرہوں کے واسطے منزل دکھاتا ہے
محمدؐ نے تجھے ذوق عبادت ہی نہیں بخشا
تجھے اہل جہاں میں زندگی اپنی بتانی ہے
کہ تو دونوں جہاں کے واسطے سامان پیدا کر
تجھے ادراک جدو جہد کی چونگی چکانی ہے
ترا حصہ ہے خوابیدہ دماغوں کو جگا دینا !!
تری فطرت میں ہے ساکت چراغوں کو منسا دینا
تری شفقت کا نام ہے دستورِ دو عالم
بشر کے دامن ہستی سے داغوں کو مٹا دینا

تیرے عزم و عمل میں خوابِ یزداں کی تعبیریں
کہ تیری عرش کے سینے پہ ہیں مرقوم تفسیریں

مذہب اسلام کے ہر پہلو کو اندلس یونیورسٹی نے پہلی بار سائنس و ٹکنالوجی کے پیمانوں کی کسوٹی پر جانچ کر امتِ محسنِ انسانیت کا افتخار سے سربلند کر دیا تھا اور آج کی سائنس بھی اسکی مخالف نہیں بلکہ یہ تو اسکی مرہون منت ہے۔ بانیٔ اسلام نے جمہوریت کا اعلان فرما کر اور اس کے اصولوں پر آپ عمل پیرا ہو کر دنیا کو بتلا دیا کہ اب انسانی دل و دماغ یہ کہنے پر مجبور ہے جو برطانیہ کا سب سے بڑا مفکر مشہور مصنف اور ناول نگار جارج برنارڈ شا لکھتا ہے ۔

"میں نے ہمیشہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو عزت، عظمت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ دین اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو دنیا کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق ہر دور اور ہر زمانہ کی رہنمائی کی اہلیت رکھتا ہے میں اس سے پہلے بھی پیش گوئی کر چکا ہوں کہ سو سال بعد یورپ کا اگر کوئی مذہب ہوگا تو وہ صرف اسلام ہوگا"

جو اسلام کی راہ پہ گامزن ہوگا بس وہی فلاح کی محرابوں میں داخل ہو سکے گا ورنہ یہ زندگی کی قرطاس سے کبھی طرح کم نہیں سمجھی اور مانی جائے گی انسانوں نے جمہوریت کو اپنایا ضرور مگر جو اسلام نے جمہوری تصور و احکام پیش کئے ان سے آج کہیں کام نہیں لیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان بلا کی مادی ترقی کرنے کے باوجود قلبی سکون سے محروم ہے ہمیں فخر ہے کہ ہمارا دیش تختِ جمہوریت پر براجمان ہے اور دیگر جمہوری ممالک سے طاق و شفاف بھی مانا جاتا ہے مگر اس کا "مسلم پرسنل لاء" سے ٹکراؤ مناسب نہیں جس مذہب سے یہ متاثر ہو کر قوانین مرتب کئے گئے مگر اب ہماری سرکار کو محبان وطن سے ایسا کیا خطرہ لاحق ہو گیا کہ سرکار ہمارے مذہبی آئین و احکام کو ختم کرنا چاہتی ہے بزبان جمعیۃ علماء ہند "مسلم پرسنل لاء میں ترمیم مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا جمہوری اصولوں کے منافی ہے" ــــــ اور گذشتہ ماہ جولائی میں مسلم خواتین کا مسلم پرسنل لاء سے متعلق ایک منعقد ہوا تھا اسکی تقریر کا اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ مذہب اسلام نے ہی بنتِ حوّا کو ذلالت کے اندھیرے غار سے نجات دلائی ہمیں کلام الٰہی اور احادیث رہبر عالم پر صدق دل سے یقین ہے کہ یہ دونوں چیزیں بنی نوع انساں کی حامی و مددگار ہیں آخر انسان کو انکے فرمان و اصول ضرور لبیک کہنا ہوگا ۔

"اسلام نے عورتوں کو جو حقوق جو سماجی انصاف اور امتیازی مقام دیا ہے تاریخ کے پچھلے دور میں اسکی مثال نہیں ملے گی اور ترقی یافتہ مستقبل میں بھی اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا ۔

صدیوں سے مردوں کی غلامی میں رہنے والی عورت جو بچپن میں باپ کی غلام رہتی تھی جوانی میں شوہر کی غلام رہتی تھی اور بڑھاپے میں بیٹوں کی غلام رہتی تھی اس عورت کو محسنِ انسانیت نے وہ مقام دیا کہ اگر وہ بچی ہے تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اگر وہ بیوی ہے تو رفیقۂ حیات ہے اگر وہ ماں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت ہے ۔ یونان اور روم کی مہذب سوسائٹی میں عورت پامال رہی ہندستان میں وہ ستی بنکر جلتی رہی ۔ یورپ میں وہ نحوست کا نشان اور شیطان کا سایہ سمجھی جاتی رہی مگر

اسلام کے ابرِ رحمت نے دنیا کی نصف آبادی
یعنی صنفِ نازک کو بھی اپنے سایۂ رحمت میں
لے لیا۔ عورت جو وارثت میں بھی حقدار ہے
وہ بیٹی بنکر باپ کی جائداد میں حق پاتی ہے
بیوی بنکر شوہر کی ملکیت میں حصّہ پاتی ہے اگر
وہ ماں ہے تو بیٹوں کی جائداد میں حقدار ہے
جن حکومتوں کو لوگ مذہبی کہتے یا سمجھتے
رہے ہیں وہاں پر تو مذہبی اقلیتوں کو پوری
مذہبی آزادی حاصل رہی ۔

ہندوستان پر سیکڑوں سال مسلمانوں
نے حکومت کی مگر کبھی غیر مسلم سوسائٹی پر اپنے
قوانین کو نافذ نہیں کیا۔ ہر غیر مسلم کو پوری پوری
آزادی تھی کہ وہ اپنے رسم و رواج اور خاندانی
نظام پر پوری طرح عمل کرے قرآن کی ہدایت
"لکم دینکم ولی دین" پر صحیح عمل ہم نے
کیا مگر جب ہماری سیکولر حکومت کے ارادوں
پر نظر پڑتی ہے تو ہمیں بڑی فکر ہوتی ہے
کہ یہاں پر کہنے کی باتیں کچھ اور ہیں اور کرنے
کی باتیں کچھ اور ہیں ــــــ مگر اب مایوسی
کی کوئی وجہ نہیں ہے آج پورے ہندوستان
کی عورتیں بیدار ہو چکی ہیں انشاء اللہ ان کی
جد وجہد سے یہ مایوسی کی شام امید کی صبح میں
بدل جائے گی اور ہم اسلام اور دین کی دولت
کی حفاظت کرتے ہوئے ملک اور قوم کی
ترقی میں بھر پور حصّہ لیں گے"

جب سرکار کا کوئی مذہب ہی نہیں ہے تو
پھر اسے کسی مذہب میں دخیل ہونا کہاں کا دستور ہے اور کہاں
کی روشن سیاست ہے اس سے ملک و سماج کبھی سدھر نہیں
سکتے بلکہ ہماری سرکار کو تو "مسلم پرسنل لاء" کا مسئلہ اٹھانے
کے بجائے اپنے ترمیم شدہ مطالبوں اور عوامی عزم و عمل پر
غور کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اس ملک سے دنیا کو جمہوری
نظام سے متعلق بہت کچھ توقعات ہیں ۔ مذہبی اصولوں سے
کبھی کسی سرکار کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ ان کے ٹھوس
احکام و اصول ملک و قوم اور سماج کو تقویت ہی بخشا سکتے ہیں
نبی برحق نے جمہوریت کا جو صحیح تصور دنیا کے سامنے پیش کیا ہے انہیں
میں ہندستان کی مشہور خاتون اور تحریک آزادی کی ایک مجاہدہ مسز سروجنی
نائیڈو کے الفاظ میں پیش کرتے ہوئے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اس
توقع کے ساتھ کہ حکومت مسلم پرسنل لاء میں کسی قسم کی مداخلت سے باز رہے گی ۔

"وہ پاک انسان (صلعم) ایک نفرت سے
بھر پور بغض و تعصب سے بھرپور اور جہالت
سے معمور دنیا کیطرف آیا اور اس صحرا کے اندر
جو انکی پیدائش کا گہوارہ تھا ایک نہ مٹنے والی
صداقت کا ان پر انکشاف ہوا جو رب العلمین
کے دو پاکیزہ الفاظ میں مضمر ہے یعنی اس خدا
کو آپؐ نے پیش کیا جو تمام اقوام اور مذاہب
کا ایک ہی خدا ہے۔ اسلام میں حقیقی اور خالص
جمہوریت کا رنگ پایا جاتا ہے جو اپنی اعلیٰ
شان و شوکت کے لحاظ سے ہمارے زمانے
کی نام نہاد جمہوریتوں کے بے حقیقت اور
اعراض اشکال سے کوسوں دور اور بدرجہ
ارفع تر ہے ۔ یہ وہ رنگ ہے جسکو نہ کوئی
مذہب عیسوی پیدا کر سکا اور نہ ہندو مذہب
جو تاریخ عالم میں بہت قدیم ہے اسکی تخلیق
کا موجب ہوا بلکہ وہ پاک محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کی پاک مساعی کا نتیجہ ہے"

شرعیات

مسلمانوں کا شخصی قانون

ڈاکٹر منظر بھاگلپوری

"حکمراں چاہے مسلمان ہی کیوں نہ ہو اسے اصول شرع سے ہٹ کر حکم دینے کا اختیار نہیں ہے اور جہاں تک غیر اسلامی حکومت کا سوال ہے وہ دینی امور میں کسی فیصلے کی مجاز ہے۔ اور نہ اس کا کوئی فیصلہ شرعاً قابل قبول"۔ مندرجہ بالا سطور زیر نظر مقالہ "مسلمانوں کا شخصی قانون" از قلم ڈاکٹر منظر بھاگلپوری سے مقتبس ہیں۔ ہم بلا کسی تکلف کے کہہ سکتے ہیں کہ حکومت ان اجتماعی اور احتجاجی آوازوں کو یقیناً نظر انداز نہ کر سکے گی۔ (مدیر)

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی لانے کی سیاسی بازی گروں اور حکومت کے ذمہ داروں کی زبان سے باربار آواز بلند ہو رہی تھی۔ اور اب یہ آواز روز بروز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہے ——!

حالانکہ علماء کرام اور دیگر مسلم رہنماؤں نے بھی پرسنل لا میں کسی قسم کی تبدیلی کے خلاف پرزور احتجاج کیا ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں کی دینی، تہذیبی اور سماجی زندگی سے مسلم پرسنل لا کا تعلق بہت گہرا ہے۔ اور یہ رشتہ اتنا مستحکم ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اس شریعت اسلامیہ میں رخنہ نہیں ڈال سکتا۔ یہ کسی انسان کا خود ساختہ قانون نہیں ہے بلکہ قانون الٰہی ہے ——! اسلئے حکومت کی جانب سے کی گئی کسی بھی تبدیلی کو ہندوستان کے مسلمان کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے ——!

اس آواز سے حکومت کے ذمہ داروں نے ایک نئی راہ اختیار کی، جب دیکھا بزور جبر یہ مسئلہ حل ہو نہیں سکتا اور براہ راست مداخلت کرنے سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جانے کا خدشہ ہے تو یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ پرسنل لا میں تبدیلی مسلمانوں کا مطالبہ ہے۔ اور کیوں ہے؟ کہ چند نام نہاد مغرب زدہ مسلمان مردوں اور عورتوں نے ترقی پسندی کے نام پر مسلم پرسنل لا میں خفیف سی اصلاح کا مطالبہ کیا ہے۔ اور مختلف مقامات پر جیسے پونا اور دیگر علاقوں میں چھوٹے چھوٹے اجتماع کر کے حکومت سے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی لانے اور مسلم معاشرہ کو شریعت کی قید و بند سے آزاد کرانے کا غلط رویہ اختیار کر لیا ہے۔ اور حکومت سے یہ اپیل کی جا رہی ہے کہ جلد از جلد مسلم پرسنل لا میں تبدیلی لائی جائے اس کی اصلاح کی جائے اور

کثرت ازدواج کی جو وبا مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے اس کو دور کیا جائے۔

کثرت ازدواج کا رواج صرف مسلمانوں میں نہیں ہے بلکہ شریعت نے اس امر کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی پابندیاں بھی عاید کردی ہیں۔ اگر ایک سے زائد نکاح کرنے والا اپنی بیویوں سے مساوی یا نہ سلوک رکھ سکتا ہے تو کرے اور اگر وہ اس کا اہل نہیں ہے تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرے ایک سے زائد نکاح کا مقصد عیاشی اور نفس پرستی نہیں ہے جیسا کہ دوسروں میں ہے، کہ ایک راجہ کی تیرہؔ سے لیکر تیرہ سو تک مہارانیاں ہوا کرتی تھیں۔ اور راجہ کے مرنے کے بعد سبھوں کو ستی کر دیا جاتا تھا۔ تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں اور شریعت اسلامیہ میں مسلمانوں کو بحالت مجبوری ایک سے چار تک نکاح کی اجازت دی گئی ہے اس پر تنبیہ بھی ہے ۔!

تاکید ہے کہ اگر صلاحیت ہو تو ایک سے زاید نکاح کرو نہیں تو ایک ہی اکتفا کرے ۔!! اور فی زمانہ کون بھلا ایسا مسلمان ہوگا جو ایک سے زائد نکاح کرنے کی حماقت کرے گا جبکہ ایک ہی کے اخراجات کی کفالت بحسن و خوبی نہیں کرسکتا ۔!

ہاں تو جو خرد ماغ مسلمان مسلم پرسنل لا میں ترمیم اصلاح چاہتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں۔ آیا وہ مسلمان بھی ہیں کہ نہیں ۔؟ امت محمدیؐ کے دعویدار۔ تعلیمات محمدیؐ سے منکر۔ لعنت ہے ایسی تبدیلی چاہنے والے مردوں اور عورتوں پر ۔!

سب سے پہلے ان چند مغرب زدہ اور نام نہاد مسلمانوں کو مسلم پرسنل لا کے متعلق صحیح صورت حال سے واقف ہونا ضروری سا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی جان لینے کی ضرورت ہے کہ مسلم پرسنل لا ہے کیا ۔؟ دستور ہند میں اسکا کیا مقام ہے ۔؟ اس میں تبدیلی ہوسکتی ہے یا نہیں ۔؟ حکومت یا نام نہاد ترقی پسند مسلمان مردوں اور عورتوں کو مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تبدیلی کا حق ہے یا نہیں ۔؟

مسلم پرسنل لا شریعت اسلامیہ کا اہم جزو ہے۔ شریعت اسلامیہ میں تبدیلی کا حق حکومت کو قطعی حاصل نہیں ۔! مسلم پرسنل لا یعنی مسلمانوں کا شخصی قانون اور یہ ایک مکمل قانون شریعت ہے۔ جو قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔ یا وہ مخصوص قانون جس کو "انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء" کی دفعہ میں مسلم پرسنل لا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس قانون میں مسلم پرسنل لا کو وراثت، نکاح، خلع، طلاق عقد ثانی، فسخ، نفقہ مہر اور اوقاف وغیرہ کو محدود کر دیا گیا ہے۔،

ابتدا میں مسلم پرسنل لا کا تصور بہت مبہم تھا اور قانون ہائے دیوانی ۱۸۸۷ء میں یہ کہا گیا تھا کہ

"کسی متضاد قانون کی غیر موجودگی کی صورت میں وراثت، نکاح، شادی بیاہ کے تمام معاملات محمڈن لا (MOHAMMADAN LAW) کے مطابق فیصل ہونگے بشرطیکہ فریقین مسلمان ہوں"

اور ایکٹ جب انتشار کا سبب بنا تو انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء (Indian Shariyat act 1937) میں تشکیل پذیر ہوا جسکی رو سے یہ واضح ہوگیا کہ مسلم پرسنل لا کی حدود میں صرف وراثت، نکاح، خلع، طلاق، نکاح ثانی، عقد بیوہ، فسخ، مہر، نفقہ، ہبہ اور اوقاف وغیرہ شامل ہیں۔

اس لئے ثبوت نسب وغیرہ کے احکام قانون شریعت

گئے داخل نہیں ہیں بلکہ قانون شہادت کے مطابق قرار دیئے گئے۔ اور قانون شہادت کی رُو سے اگر شوہر کے مرنے کے دو سو اسّی دن بعد کوئی بچہ تولد ہو تو وہ ثابت النسب نہیں نہیں قرار دیا جائے گا۔ برخلاف اسکے فقہ حنفیہ کی رُو سے حمل کی اکثر مدت دو برس ہے اسلئے خاوند کی وفات کے بعد عورت کے دو برس کے اندر کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب متوفی خاوند سے تسلیم کیا جائے گا ــــ

موجودہ دستور ہند میں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی لانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ حکومت سارے ہندوستان کے لئے ایک مشترکہ قانون نافذ کرنا چاہتی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام شہریوں کے لئے یکساں سول قانون بنایا جائے اور مسلمانوں کو یا کسی اور طبقہ کو اس بارے میں جو خصوصیات حاصل ہیں ختم کر دیا جائے۔ اور وہ جو متحدہ قومیت کے تصور کے لئے مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی وحدت بھی لازمی سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ایک قوم کے افراد کے درمیان ایک زبان، ایک کلچر، ایک ہی قسم کی تہذیبی و معاشرتی نظام جاری رہنا چاہیئے۔ اور قانون وراثت میں بھی یکسانیت لازمی ہے۔ تاکہ قوم کے تمام افراد کے درمیان پوری طرح یکجہتی قائم ہو جائے اور ملی امتیازات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائیں۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ حکومت یا چند سر پھرے خر دماغ اور نام نہاد مسلم رہنما مذہبی اور ثقافتی حق کو ختم کرنا اور ملی امتیازات کو مٹا کر پورے معاشرے میں یک رنگی پیدا کرنا چاہتے ہیں بالفاظ دیگر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان جو اپنے عقائد کے مطابق کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کو ہی واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔ اور بحالات موجودہ کم از کم جن چند مسائل کے اندر انھیں اپنی شریعت کے مطابق عمل آزادی حاصل تھی اسے بھی ختم کر کے عام انسانی خواہشات کے اتباع اور انسانوں کے بنائے ہوئے اصول اور قوانین کی پیروی کرنے پر انھیں مجبور کر دیا جائے ــــ ظاہر ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اسکی اجازت قطعاً نہیں دی جا سکتی اور یہی مداخلت شریعت اسلامیہ میں اختلال کا باعث ہے۔

کیا مسلمان شریعت اسلامیہ، احکام خداوندی اور تعلیمات رسول سے منہ موڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا۔؟

"اگر وہ لوگ آپ کے کہنے پر عمل نہ کریں تو آپ
سمجھ لیں کہ وہ محض اپنی خواہشات کی پیروی
کرتے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ اور
کون ہو سکتا ہے جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر
اپنی خواہشات کا اتباع کرے یقینا اللہ تعالیٰ
ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ــــ"! (القرآن)

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی لانے کے معنی یہ ہوئے کہ شریعت اسلامیہ کے بنیادی اصول قرآن وسنت کے قائم کردہ حدود کو توڑ کر جو راہ بھی اختیار کی جائیگی وہ دین سے روگردانی اور گمراہی کی راہ ہوگی۔ تو ثابت یہ ہوا کہ شرع کو نظر انداز کر کے کوئی نئی راہ اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کے مقاصد فوت ہو جائیں گے ــــ! دین اور احکام الٰہی سے بغاوت کی راہ پیدا ہو جائے گی۔

غرضکہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ کرنا ایک عظیم حماقت ہے اسطرح دور حاضر کے رجحانات اور تغیرات کو نظر انداز کر دینا بھی کچھ کم حماقت نہ ہوگی۔ اسلئے شریعت اسلامیہ اگر نئے حالات سے متاثر ہو گئی، علمائے اسلام زمانہ کے پیدا کردہ نئے مسائل کا پامردی کے ساتھ مقابلہ نہ کر سکے اور فقۂ قدیم کی جزئیات پر جمود کی راہ اختیار کی گئی تو آہستہ آہستہ دین سے بیزاری کے رجحانات از خود پیدا ہونے

شروع ہو جائیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"کسی ایسے کام میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی جس سے خالق (اللہ) کی نافرمانی ہوتی ہو۔! اطاعت صرف نیکیوں میں ہے، اور جو شخص تمہیں اللہ کی نافرمانی کا حکم دے تو اسے ہرگز نہ سننا، اور نہ اس کی اطاعت کرنا۔"!

غیر مسلم حکمرانوں اور دینی حکومتوں سے قطع نظر اگر حکمران مسلمان بھی ہوں تو انھیں اپنی ذاتی رائے کتاب و سنت کو نظر انداز کر کے قانون سازی کا مطلق اختیار نہیں

یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین جب یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کا فیصلہ رسول اکرم صلعم کے فیصلوں کے خلاف ہے تو وہ فوراً اپنی رائے سے رجوع فرما لیتے۔ اور اپنا حکم منسوخ کر دیتے۔

ایسی ایسی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً شوہر کی "دیت" میں عورت وارث ہوگی یا نہیں۔؟ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی نے عدم توریث کا فیصلہ فرمایا لیکن جب حضرت ضحاک بن سفیان نے بتایا کہ اشیم ضبابی کے واقعہ میں آنحضور نے عورت کو حصہ دلایا تھا۔ تو حضرت عمر نے فوراً اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ حکمران چاہے مسلمان ہی کیوں نہ ہو اسے اصول شرع سے ہٹ کر حکم دینے کا اختیار نہیں ہے اور جہاں تک غیر اسلامی حکومت کا سوال ہے وہ دینی امور میں نہ کسی فیصلہ کی مجاز ہے اور نہ اس کا کوئی فیصلہ شرعاً قابل قبول۔!

مسلم پرسنل لا جیسے خالص دینی معاملہ میں قانون سازی اور ترمیم و تنسیخ کا حق حکومت کو ہے اور نہ نام نہاد ترقی پسند مسلم رہنماؤں کو۔

یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حکومت یا چند خیر دماغ مسلمانوں کا مقصد جن کا نظریہ ملحدانہ ہے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے ذریعہ مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح نہیں بلکہ اسکی پشت پر مختلف سیاسی دماغ ہیں۔

اسلئے واضح رہے کہ ان امور میں نہ حکومت کا کوئی فیصلہ قابل قبول ہوگا۔ اور نہ وہ فیصلے قابل قبول ہونگے جو حکومت اپنی سرپرستی میں کرائے ہوں۔!

شریعت اسلامیہ کے کسی حکم کے بارے میں وہی رائے معتبر ہوگی جس کی بنیاد کتاب و سنت میں موجود ہو۔ اور ہر وہ رائے قابل رد ہوگی جو شریعت اسلامیہ کے بنیادی اصول اور قرآن و سنت کی قائم کردہ حدود توڑ کر قائم کی گئی ہو۔

میں اس امر کو بھی یہاں واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلم پرسنل لا کے نام سے جو قانون سرکاری عدالتوں میں آج جاری ہے اس میں ترمیم کے احکامات بہت محدود نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جزئیات و تفصیلات میں کچھ ایسے مسائل نکلیں جن پر نئے حالات کی روشنی میں علماء اسلام کو غور کرنا پڑے۔

اور سب سے آخر میں یہ بھی واضح کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ان مسائل پر غور کرنے کیلئے فہم صحیح اور اصلاح نیت نہ ہو تو خواہشات نفس کا غلبہ۔! جس پر غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ فہم صحیح اور حسن نیت کے ساتھ اس کام کو انجام دیں گے وہی صراط مستقیم پر ہونگے۔

(وما توفیقی الا باللہ)

شرعیات

مسلم پرسنل لاء کیا ہے؟

ابو سلیم محمد عبدالحیٔ

دین وملت کے ممتاز قلمکار اور رسالہ ذکمیتہ الحسنات رام پور (یوپی) کے مدیر و مالک جناب ابو سلیم محمد عبدالحیٔ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کے قلم سے نکلی ہوئی ایک کتاب "اسلامی دعوت اور خواتین" کے ایک باب میں مسلم پرسنل لاء پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے اور اسکے تحفظ وبقا کی ضرورت اور اہمیت واضح کی گئی ہے۔ وقت و حالات کے تقاضہ کے مطابق اس باب کو ابھی حال میں "اسلامی معاشرت میں دخنہ اندازی" کے زیر عنوان ایک الگ کتابچہ کی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔ جس پر رگ سنگ کے گذشتہ شمارہ میں تبصرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں اسکے بعض خاص اور اہم اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ قارئین رگ سنگ پر یہ مسئلہ پوری طرح آئینہ ہو جائے　　(ادارہ)

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اسلام انسان کی پوری زندگی کا دین ہے انفرادی زندگی بھی اور اجتماعی زندگی بھی اس طرح اسلام کا اصل مطالبہ تو یہ ہے کہ زندگی کے تمام معاملات خدائی ہدایات اور خدائی ضابطوں کے تحت انجام دیئے جائیں چنانچہ جب تک اسلام غالب تھا اور حکومتیں اسلامی تھیں۔ تمام ملکی قوانین قرآن اور سنت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہی ہوتے تھے لیکن جب مسلمانوں کی شامت اعمال سے اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل گیا یا اقتدار رکھتے ہوئے بھی انھوں نے غیر مسلم حکومتوں کی دیکھا دیکھی ملکی قوانین میں کتاب اور سنت کی پیروی چھوڑ دی تو صرف وہ قوانین اسلامی شریعت کے مطابق باقی رہ گئے جن کا تعلق شخصی زندگی سے تھا۔ یعنی نکاح وطلاق کے مسئلے یا پھر تقسیم میراث کے مسئلے چنانچہ جس زمانے میں ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت مسلط ہو گئی تو تمام ملکی قوانین انگریزوں کے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق بنا دیئے گئے۔ البتہ مسلمانوں کو حکومت کی بخشی ہوئی یہ آزادی حاصل رہی کہ نکاح اور طلاق اور میراث کے مسائل میں ان کے معاملات شریعت کے مطابق طے کئے جاتے تھے اس قانون کو انھوں نے مسلمانوں کے پرسنل لاء یا محمڈن لا کا نام دیا تھا۔

مسلمانوں کیلئے یہی بدقسمتی کیا کم تھی کہ ان کا وہ ضابطۂ حیات جو انہیں اسلام نے پوری زندگی کے لئے دیا تھا اسے زندگی کے تمام معاملات سے بے دخل کر دیا گیا۔ اور اسکے بہت چھوٹے حصے کو جس کا تعلق محض شخصی اور سماجی معاملات سے تھا پرسنل لاء کے نام سے باقی رکھا گیا لیکن کسے معلوم تھا کہ

جب ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا تو مسلمانوں کے پاس بچے کھچے حصے کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔ آج ہمارے ملک میں اسلامی شریعت کے ان ضابطوں کو بھی ختم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے جنھیں پرسنل لا کہا جاتا ہے۔ اسی سلسلے کی کچھ باتیں سمجھ لینا نہایت اہم ہے کیوں کہ اگر مسئلہ صحیح رخ سے سامنے نہیں آئے گا تو خود مسلمان بھی غلط فہمی کا شکار رہیں گے۔

مسلم پرسنل لا کی اہمیت

پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کہ جن ضابطوں کو مسلم پرسنل لا کہا گیا ہے وہ حقیقت میں اسلامی شریعت کا ایک جزو ہیں اور اس اعتبار سے ہر مسلمان کے لئے وہ ویسے ہی واجب التعمیل اور قابل احترام ہیں جیسے کہ دین کی دوسری باتیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کسی حال میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی فرد یا حکومت چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو کسی طرح بھی ان معاملات میں ٹانگ اڑائے جن میں اسلامی شریعت نے کوئی ضابطہ مقرر کیا ہے۔ اس کی نظر میں ہر وہ کوشش جو ان ضابطوں میں ترمیم کرنے یا کچھ گھٹانے بڑھانے کیلئے کی جائے گی دین میں مداخلت کے ہم معنی ہوگی۔ اسلامی شریعت نے جن معاملات کے سلسلے میں جو ضابطے مقرر کئے ہیں ان میں ادل بدل کرنے کا حق سارے مسلمانوں کو مل کر بھی حاصل نہیں ہے

جہاں تک مسلم پرسنل لا کا تعلق ہے یہ شریعت کا وہ حصہ ہے جو مسلمانوں کی نگاہوں میں بہت زیادہ اہم ہے ایک تو اسلئے کہ ان کا مخصوص معاشرتی ڈھانچہ انہی ضابطوں کے بل پر قائم ہے اور دوسرے یہ کہ پوری اسلامی شریعت سے محروم ہوجانے کے بعد یہی بچا کھچا سرمایہ ہے جس کے بل پر ان کی اسلامی حیثیت ایک حد تک برقرار ہے اسلئے اس بارے میں مسلمانوں کے جذبات ہمیشہ نازک رہے ہیں۔ ہندوستان میں جو دستور اس وقت رائج ہے وہ چاہے پوری طرح اطمینان بخش نہ ہو لیکن پھر بھی اس میں اقلیتوں کیلئے بہت کچھ اطمینان کا سامان موجود ہے کیوں کہ اس میں بنیادی حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے اور اس میں مذہبی آزادی بھی شامل ہے لیکن پریشانی کی بات یہ ہے کہ کاغذ پر جو کچھ لکھا ہوا ہے عمل میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ چنانچہ آئے دن حکومت کی طرف سے ایسی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں جن سے اقلیتوں کے دلوں میں یہ بدگمانی بڑھتی رہتی ہے کہ دستور کے دیئے ہوئے تحفظات محض دکھانے کیلئے ہیں۔

بہت دنوں سے حکومت کے حلقوں میں اس طرح کی تجویزیں اور مشورے ہو رہے ہیں کہ اب سارے ملک کیلئے یکساں سول کوڈ ہونا چاہیئے یعنی شخصی اور معاشرتی معاملات بھی سب لوگوں کے یکساں ضابطوں کے تحت چلنا چاہئیں، اور یہ فرق باقی نہ رہنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے شخصی اور سماجی معاملات کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسروں کا دوسرے ضابطوں کے مطابق۔ دستور کے رہنما اصولوں میں ایک دفعہ ۴۴ موجود ہے جس میں صاف صاف الفاظ میں اس ارادے کا اظہار کیا گیا ہے کہ حکومت اس بات کی کوشش کرے گی کہ پورے ملک میں سب باشندوں کے لئے سول کوڈ (شہری ضوابط) یکساں قسم کے بنائے جائیں دستور میں اس بات کے موجود ہونے کا تقاضہ یہی ہے کہ حکومت پورے ملک میں یکساں سماجی قوانین نافذ کرنے کی طرف قدم بڑھائے۔ اس طرح دیکھا جائے تو گویا دستوری تحفظات کے ہوتے ہوئے بھی مسلم پرسنل لا کو جو خطرہ درپیش ہے اس کا مقابلہ مسلمانوں کو کرنا ہی پڑے گا۔

فوری مداخلت کا نشانہ

جو لوگ مسلم پرسنل لا کی جداگانہ حیثیت کو ختم کر کے سارے ملک کیلئے یکساں سماجی ضوابط بنانا چاہتے ہیں وہ مصلحت کو سامنے رکھ کر تدریج سے کام کرنا چاہتے ہیں چنانچہ انھوں نے معاشرے کی اصلاح کا نام دے کر بعض چیزوں کو اپنی کوششوں کے لئے نشانہ مقرر کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا سب سے اہم نشانہ اسلامی شریعت میں مسلمان مرد کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ پہلے تو انھوں نے سرکاری ملازموں کے لئے یہ قانون بنایا کہ کوئی شخص جو سرکاری نوکر ہو ایک سے زاید شادی نہیں کرسکتا اسکے بعد کوششیں ہو رہی ہیں کہ پہلے مختلف ریاستوں میں اور پھر پورے ملک میں ایک سے زیادہ شادی کرنا قانوناً جرم قرار دے دیا جائے اس سلسلے میں یہ لوگ بڑے ہمدردانہ انداز میں مسلمان عورتوں کے جذبات سے اپیل کرتے ہیں

مرد کے لئے ایک سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت جس شکل میں شریعت نے دی ہے وہ اللہ کی کیسی بڑی رحمت ہے اس کی تفصیل بتانے سے پہلے ہم آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ذرا آپ یہ تو دیکھیں کہ کیا واقعی یہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جس نے کوئی عملی دشواری پیدا کر دی ہے مسلم سماج ہمارے سامنے ہے۔ اعداد و شمار کرنیوالوں نے بتایا ہے کہ ایک ہزار میں سے بمشکل ایک یا اس سے کم تعداد میں ایسے مرد پائے جاتے ہیں جن کے پاس دو بیویاں ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو یہ مسئلہ سرے سے کوئی عملی مسئلہ ہے ہی نہیں۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ اگر ایک سے زائد بیویاں ہونے کی شکل میں مرد ان شرائط کو پورا کرنے میں کوتاہی برت رہے ہیں جو شریعت نے لگائی ہیں تو انہیں ان کا پابند بنانے کیلئے مناسب صورتیں اختیار کی جاتیں لیکن ایسا نہیں کیا گیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل محرک مسلم خواتین کی حمایت اور ہمدردی نہیں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے بلکہ مدعا کچھ اور ہی ہے۔

اسلام خدا کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اسلامی شریعت کے ضابطے کسی انسان نے نہیں بنائے ہیں بلکہ یہ اس ہستی کے بنائے ہوئے ضابطے ہیں جو قیامت تک پیش آنے والے واقعات سے باخبر ہے اور انسانی فطرت کے تمام گوشے بھی اس پر روشن ہیں بہت سے واقعات اور حالات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ ایک شخص جائز طریقے پر دوسری شادی کیلئے -- اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ آج جس سماج میں ایک سے زائد شادیاں کرنا قانونی جرم قرار دینے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اس کا حال ہمارے سامنے ہے عملی طور پر کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کی قانونی بیوی تو بلاشبہ ایک ہی ہے لیکن اسکے علاوہ اور کئی رکھتے ہیں اور سماج میں اسکے لئے کیسی کیسی آسانیاں فراہم ہو چکی ہیں اس کا حال کسی سے چھپا ہوا نہیں۔ اسلام جس قسم کا پاکیزہ ماحول بنانا چاہتا ہے وہ اسے ہرگز گوارا نہیں کرسکتا کہ بیوی تو ایک ہی ہو لیکن بے قید آشنائیوں کا دائرہ وسیع ہو اس لئے وہ مرد سے ایک غیر فطری مطالبہ کرنیکے بدلے اسے اجازت دیتا ہے کہ اگر حقیقی ضرورت پیش آگئی ہے تو وہ ایک سے زائد شادیاں کرسکتا ہے۔ آپ سوچیں کہ اگر ہر حال میں ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا قانوناً جرم ہو جاتے تو ایک ایسے شخص کیلئے جو کسی جائز وجہ سے اپنے آپ کو دوسری شادی کرنے کے لئے مجبور پاتا ہو دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں کہ یا تو وہ اخلاق اور پاک دامنی کو چھوڑ کر جو چاہے کرتا پھرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تو پھر اس بیوی کو جو ایک عرصے تک اس کی رفیقہ کی ساتھی رہی ہے اپنے سے کاٹ پھینکنے کے بہانے تلاش

کرے اور چاہے اس پر کتنا ہی ظلم ہو لیکن اس سے پنڈ
چھڑا کر دوسری شادی کرے۔ اسلام ایک فطری دین ہے
اس میں فطرت کے تمام جائز مطالبوں کو پورا کرنے کی سہولتیں
رکھی گئی ہیں۔ اسلئے اس نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ دوسری
شادی کرے اور اپنی پہلی رفیقۂ حیات کو ہرگز اپنے سے جدا
نہ کرے بلکہ اسکے حقوق ادا کرتے ہوئے اس کی دیرینہ رفاقت
کی قدر کرے۔ اور اسے بدستور ساتھ رکھے۔

کون نہیں جانتا کہ عورت کی زندگی میں بار بار ایسے اوقات
آتے ہیں کہ جب وہ حمل اور دوسری معذوریوں کی وجہ سے
حق زوجیت ادا کرنے سے مجبور ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی
شخص اپنی صحت مزاج اور طبیعت کے تقاضے کی وجہ سے
اپنے کو اس قابل نہیں پاتا کہ وہ اس زمانے میں اپنے تجرد
اور پاک دامنی کی حفاظت ٹھیک ٹھیک کر سکے تو کیا
اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ وہ بھٹک جائے اور سماج
کی فضا کو گندہ کرنے کا سبب بن جائے۔ یہ تو آپ کو مسلم
ہی ہوگا کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص اس طرح کی گندگی پھیلانے
کا سبب بنے تو اسلامی شریعت نے اسکے لئے موت کی
سزا (رجم) رکھی ہے۔ یہ بات انصاف سے بہت دور ہوتی
کہ ایک طرف تو انسانی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے
کوئی جائز صورت تجویز نہ کی جاتی اور دوسری طرف اسی
فطرت کے تقاضوں سے مجبور ہوکر لغزش کرنے والوں
کے لئے آخری اور انتہائی سزا رکھ دی جاتی۔ آپ جس قدر
غور کریں گے یہی محسوس کریں گے کہ اسلام جس طرح کا پاکیزہ
ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے قیام کے لئے جہاں زنا پر
سخت پابندیاں لگانا ضروری تھا وہیں نکاح کیلئے سہولتیں
بہم پہونچانا بھی انتہائی ضروری اور قرین انصاف تھا۔ دراصل
جن لوگوں کی نظر میں زنا محض ایک کھیل ہے اور سماج کی
پاکیزگی کی کوئی خاص اہمیت نہیں وہ زنا کیلئے سزائے
موت کو صحیح سمجھ سکتے ہیں اور نہ مخصوص حالات میں ایک
سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت کی مصلحت ان کی
سمجھ میں آسکتی ہے۔

عورت کیلئے اپنی موجودگی میں شوہر کی دوسری
بیوی کا تصور ہمارے مخصوص حالات میں بہت زیادہ نازک
اور جذباتی مسئلہ بن گیا ہے حالانکہ ایسے سماج کی مثالیں
موجود ہیں جہاں یہ ایک معمولی بات ہے اور اس میں وہ نزاکتیں
نہیں پائی جاتیں جو ہمارے یہاں ملتی ہیں۔ لیکن ذرا غور کریں
کہ کیا صورت حال دوسری شادی سے زیادہ نازک اور
جذباتی نہیں ہے؟ ایک مرد کی بیوی اگرچہ ایک ہی ہو لیکن
اسکے تعلقات کا دائرہ وسیع ہو اور آئے دن نئی نئی
"دوستیاں" قائم ہوتی اور ختم ہوتی رہتی ہوں کون نہیں
جانتا کہ ایسے حالات میں خاتون کا دامن عفت خود داغ
دار ہو جاتا ہے اور وہ اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین اور
خواہشات کی تکمیل کے لئے خود بھی اس راہ پر چل پڑتی ہے
جس پر اس کا شوہر چل رہا ہوتا ہے۔ نتیجہ اسکے سوا کچھ نہیں
نکلتا کہ ماحول پاکیزگی اور پاک دامنی کی نعمت سے محروم ہو
جاتا ہے اور ہر طرف آوارگی اور بدکاری کی شرانگیزی کے سوا
اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ حالات کی یہ تصویر محض خیالی نہیں
ہے شادیوں پر پابندیاں لگانے والے اور آزاد دوستیوں
کو گوارا کرنے والے سماج موجود ہیں جن کی حالت بالکل وہی
ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے

پرسنل لا میں تبدیلی کیسے ہو؟

اسلامی شریعت نے ایک مسلم اور ایک غیر مسلم کی شادی کی اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی

زمانے میں بھی جو پرسنل لا موجود تھا اس کے تحت ہر وہ نکاح باطل ہو جاتا تھا جس کا کوئی ایک فریق مرد یا عورت مسلمان نہیں رہتا تھا۔ اس وقت سول میرج ایکٹ رائج تھا جس کی رو سے ہر مرد یا عورت شادی کر سکتے تھے بشرطیکہ وہ اپنے مذہب سے انکار کریں لیکن اب سول میرج ایکٹ کے بجائے "اسپیشل میرج ایکٹ" رائج ہے جس کی رو سے ہر مذہب والا دوسرے مذہب والے سے شادی کر سکتا ہے اور کسی کو اپنے مذہب سے انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ غور کریں گی تو بآسانی سمجھ لیں گی کہ مسلمانوں کے لیے یہ کتنا بڑا فتنہ ہے اور اس سے ان کی امتیازی قومی حیثیت کس طرح فنا ہوتی ہے، اور کس طرح اسلام کے مٹانے کے فتنہ کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

مسلم پرسنل لا میں تبدیلیاں کرنے کیلئے جو لوگ آوازیں اٹھا رہے ہیں۔ اگرچہ ان کی بات اس اعتبار سے انتہائی خطرناک اور ناقابل برداشت ہے کہ اس طرح شریعت کے قانون میں ایسے لوگوں کو دخل اندازی کا موقع مل جائے تو قرآن و سنت کی ہدایت کے بغیر ہمارے سماجی قوانین میں کاٹ چھانٹ شروع کر دیں گے اور پھر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کی اس دخل اندازی سے شریعت کے کون کون سے بنیادی ضابطے باطل ہو جائیں گے۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے ہمیں کسی قیمت پر ان مداخلتوں کو برداشت نہ کرنا چاہیئے۔

مسلم سماج میں بہت سی معاشرتی خرابیاں اس لئے بھی پائی جاتی ہیں کہ حقیقت میں لوگ شریعت کے بتائے ہوئے ضابطوں پر ٹھیک ٹھیک عمل نہیں کرتے مثلاً طلاق کے بارے میں شریعت نے واضح طور پر اس کے استعمال کا صحیح طریقہ بتایا ہے لیکن آج جہالت کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص اٹھتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو ناگواری کی بنیاد بنا کر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالتا ہے۔ یہی حال عورتوں کے حقوق ادا کرنے کا ہے۔ اس بارے میں شریعت کے احکام موجود ہیں لیکن لوگ کبھی اپنی جہالت کی وجہ سے اور کبھی نفسانیت کی بنا پر عورتوں کی حق تلفی کرتے ہیں۔ اب اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ انہیں ایسی حق تلفیوں کے روکنے کے لئے شریعت کے ضابطوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے تو صحیح نہ ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مردوں اور عورتوں کو اسلام کے مقرر کئے ہوئے معاشرتی حقوق اور ذمہ داریوں کا علم بھی ہو اور اس پر عمل درآمد کرانے کیلئے ان کے اندر ایمان کی طاقت اور خدا کا خوف بھی ہو۔ در حقیقت بہت سی خرابیاں اس لئے پائی جاتی ہیں کہ لوگوں کا تعلق ایمان سے کمزور ہو رہا ہے ان کے دلوں سے خدا کا خوف اور اس کی شریعت کا احترام نکلتا جا رہا ہے اس طرح کی خرابیوں کا علاج شریعت میں ترمیم سے نہیں ہو سکتا اگر دل نہیں بدلیں گے تو ہزار ترمیموں کے بعد بھی معاشرتی ناانصافیاں جوں کی توں قائم رہیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ بڑھ جائیں یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ البتہ یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ مسلمان عورتوں کی بہت سی حق تلفیاں محض شریعت پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے ظہور میں آ رہی ہیں شریعت میں ان کا پورا تحفظ موجود ہے لیکن اصل مرض یہ ہے کہ لوگ یا تو شریعت سے ناواقف ہیں یا اس کی طرف سے لاپرواہ ایسی صورت میں ان حق تلفیوں کو بنیاد بنا کر شریعت کے ضابطوں کو بدل ڈالنے کی بات سوچنا صرف غلط ہی نہیں بلکہ شرارت آمیز ہے اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے اہل علم لوگ شریعت کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرتے رہیں جن کی طرف سے غفلت برتی جا رہی ہے اور شریعت کے ضابطوں میں جو مصلحتیں ہیں انہیں سامنے لاتے رہیں۔

اس موقع پر ایک بات پھر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا

ضروری ہے۔ اسلامی شریعت نے جو احکام دیئے ہیں ان کی معقولیت اور حکمت پوری طرح اسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے۔ جب آپ اس حکم کو پورے اسلامی نظام میں رکھ کر دیکھیں ہماری بے شمار پریشانیوں کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہماری زندگی کے مختلف اجزاء ایسے مختلف سانچوں میں ڈھالے جارہے ہیں۔ جو ہمارے اسلامی مزاج سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اسکے نتیجے میں کشمکش شروع ہوتی ہے اور بہت سی خوبیاں بھی اپنی صحیح شکل میں ہمارے سامنے نہیں آتیں۔ درحقیقت ہمیں پورے نظام اسلامی کا تعارف کرانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا چاہیئے اسکے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے بنیادی تصورات ہم لوگوں کے سامنے صحیح شکل میں پیش کریں۔ ان بنیادی تصورات کو ذہن نشین کرائے بغیر ہم اسلامی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی خوبی اور برتری واضح نہیں کرسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری زندگی کے ہر ہر پہلو کا براہِ راست واسطہ ہمارے بنیادی تصورات سے ہے دوسرے لوگ اسے نہیں جانتے

اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر مسلم پرسنل قانون میں فلاں اور فلاں تبدیلی کردی جائے تو اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے اور مسلمان اسے گوارا کیوں نہیں کرتے۔ ایسا وہ اس لئے سوچتے ہیں کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ مسلمان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ وہ اگر کسی معاملے میں بھی خدائی احکام کے خلاف عمل کرے گا تو اسکے نتیجے میں اس کی آخرت تباہ ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے وہ شریعت کے کسی معمولی حکم میں بھی مداخلت گوارا نہیں کرتا اسکے نزدیک شریعت کے احکام کو نفع نقصان کے ترازو میں تولنا یا اپنی پسند اور ناپسند کے معیار پہ جانچنا انتہائی خطرناک کھیل ہے جس کے نتیجے میں اسکی آخرت برباد ہوسکتی ہے اب جو لوگ مسلمانوں کے بنیادی عقیدے سے ناواقف ہیں انہیں

کیسے سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کے لئے دین میں مداخلت کا مسئلہ کیوں ان کی زندگی اور موت سے زیادہ اہم ہے؟

اسلام پسند خواتین کے کرنیکا کام

جن خواتین کو اسلام کے ساتھ وابستہ رہنا ہے اور جو اسلامی زندگی گزارنے کا فیصلہ کرچکی ہیں انہیں پرسنل لاء کے مسئلے سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ محض باہر کا مسئلہ ہے اور اس کا تعلق محض مردوں سے ہے آج جن مسائل پر زندگی کا ڈھانچہ بن رہا ہے۔ ان میں کم مسائل ایسے ہیں جن میں خواتین کے غیر متعلق رہنے کی گنجائش ہو۔ ہماری نظر میں وہ اس سلسلے میں چند مفید کام کرسکتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ انہیں اپنے علم اور اپنی گنجائش کے مطابق اس مسئلے پر زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا چاہیئے اس مطالعہ کے نتیجے میں خود جو الجھنیں ذہن میں پیدا ہوں انہیں صاف کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو شخص بات کو سمجھنے کے لئے کوشش کرتا ہے وہ بات سمجھ لیتا ہے جو

خواتین اسلام کے ساتھ اپنا تعلق برقرار رکھنے کا فیصلہ کرچکی ہیں ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات حل کئے جاسکتے ہیں اس لئے مطالعہ کے درمیان آپ کے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوں انہیں حل کرکے سب سے پہلے اطمینان حاصل کرنا چاہیے کیوں کہ جو شخص خود مطمئن نہ ہو وہ کسی دوسرے کو مطمئن نہیں کرسکتا۔

آپکا دوسرا اہم کام یہ ہے کہ آپ خواتین کے اجتماعات میں اس مسئلے کے ضروری پہلوؤں کو پیش فرماتی رہیں اور اگر اللہ نے صلاحیت دی ہے تو اخبارات میں اپنے بیانات کی اشاعت کرائیے مغرب زدہ خواتین اردو اور انگریزی پریس میں اس مسئلے سے متعلق جو زہر پھیلا رہی ہیں ان کی رد میں معقول طریقے پر دلائل فراہم کرنے کی کوشش کیجئے اور اپنے وضاحتی مقالے شائع کرائیے۔

شرعیات

مسلم پرسنل لا

شمس پیرزادہ

مسلمانوں کا ایک محدود طبقہ جو اگرچہ کہ تعداد کے لحاظ سے بہت قلیل ہے لیکن جس نے "نئی روشنی" میں آنکھیں کھولی ہیں جدید رجحانات کے مطابق مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا حامی ہے، اس کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ شرعی قوانین ظالمانہ ہیں اور مسلم معاشرہ میں جو خرابی بھی پائی جاتی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ان میں اصلاحات کی ضرورت حقیقتاً پیش آگئی ہے۔

ایسا ہو ناممکن ہی کیوں کر ہے جبکہ شرعی قوانین اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں جو بندوں کے مصالح سے بخوبی واقف ہے بلکہ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ اسکی آنکھیں تہذیب جدید کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہوگئی ہیں اور انصاف وسادات کے جو تصورات اسے مغربی تہذیب سے تحفہ میں ملے ہیں۔ ان کے پیش نظر وہ اسلام کے معاشرتی اصولوں کو ناقص خیال کرنے لگتا ہے، اسکی نظر میں اسلام کا معاشرتی نظام اب فرسودہ ہو گیا ہے کیونکہ وہ جدید رجحانات سے مطابقت نہیں رکھتا اس لئے وہ اس بندھن سے آزاد رہکر جدید رجحانات کے مطابق معاشرتی نظام تشکیل دینا چاہتا ہے۔ جس میں عورت و مرد دونوں کو بے لگام آزادی ہو، دونوں کو ایک ہی سطح پر رکھا جائے اور کسی کو کسی پر درجہ کے لحاظ سے فوقیت حاصل نہ ہو، یہ جدید رجحانات اسے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی اور ایک نئے سول کوڈ کی تشکیل کا مطالبہ پر آمادہ کر رہے ہیں۔

حسن اور اعتدال ——— اگر اس طبقے کے لوگ ذہن سے اسلام کے معاشرتی نظام کا مطالبہ کرتے انسان کی فطرت اور اسکی اخلاقی حیثیت کو نظر انداز کرتے تو انھیں اسلام کے معاشرتی نظام میں کمال درجہ حسن اور اعتدال نظر آتا، بلاشبہ اسلام نے مرد کو عورت پر ایک درجہ عطا فرمایا ہے اور یہ درجہ قوامیت کا۔ لیکن درجہ کی یہ فوقیت مرد کی فطری ساخت اور فطری داعیات کے مطابق ہے اس کے بغیر خاندانی زندگی میں کوئی نظم پیدا ہو سکتا ہے اور نہ اخلاقی اقدار باقی رہ سکتی ہیں۔ اسی بنا پر اسلام نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے نہ کہ عورت کو، البتہ عورت کو خلع کا حق ضرور دیا۔ اسی طرح باپ کی جائداد میں لڑکے کی بہ نسبت لڑکی کا نصف رکھا گیا ہے کیونکہ معاش کی ذمہ داری مرد پر ہے اسی کو اپنے بیوی بچوں کے نان و نفقہ کا انتظام کرنا ہے نیز عورت اپنے شوہر سے مہر بھی پاتی ہے اس لئے انصاد

کا تقاضہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے حصے میں تفریق کی جائے لیکن تہذیب جدید جو انصاف کے نام پر بے انصافی کی لاٹھی چلانا چاہتی ہے، وہ کب اسکو حقیقت پسندی پر محمول کرتی؟ وہ تو مساوات ہی کو سب کچھ قرار دیتی ہے، حالانکہ انسانی کی نطرت مساوات کے اس انتہا پسندانہ تصور سے نا آشنا ہے۔ باپ اور بیٹا انسان ہونے کی حیثیت سے یقیناً مساوی ہیں اس کے باوجود باپ کو بیٹے پر برتری حاصل ہے اور بیٹے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کا لحاظ کرے اسی لئے بیٹے پر باپ کی فرماں برداری لازم ہے لیکن اگر مساوات کے انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کو اختیار کرلیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ باپ بیٹے دونوں برابر ہیں، دونوں میں درجہ کا کوئی تفاوت نہیں ہے، اور بیٹے کے لئے باپ کی فرمانبرداری کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر یہ ضروری ہے کہ بیٹا باپ کی فرماں برداری کرے تو انصاف اور مساوات کے تقاضے کے تحت یہ کیوں نہ ضروری سمجھا جائے کہ باپ بھی بیٹے کی فرماں برداری کرے؟ ہدایت الٰہی سے بے نیازی پہنچ کرنے کے نتیجے میں انسان بھٹک کر کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے

مسلم ممالک میں تبدیلیاں ۔ جو لوگ مسلم پرسنل لاء میں جدید رجحانات و نظریات کے مطابق تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں، وہ اکثر اس کے جواز میں مسلم ممالک کی مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں جب مسلمان ملکوں میں مسلم پرسنل لاء میں تبدیلیاں کی گئی ہیں تو کیا ہندستان کے مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے نرالے واقع ہوئے ہیں، جو کسی تبدیلی کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے؟

یہ معترضین اصل میں صورت حال کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتے اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ ایک غلط تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں، واقعہ یوں ہے کہ مسلم ممالک میں ایک بڑی تعداد ان ممالک کی ہے جہاں مسلم پرسنل لاء میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، بلکہ شرعی قوانین ہی رائج اور نافذ العمل ہیں، سعودی عرب، یمن، بحرین۔ کویت، قطر، ابوظبی، دبئی، افغانستان، مالدیپ، گنی، سنگال، صومالیہ اور نائیجیریا اسکی مثالیں ہیں۔ ان ممالک میں سے کسی ملک میں حنبلی فقہ نافذ ہے تو کسی ملک میں مالکی فقہ کہیں فقہ حنفی کو قانون کا درجہ حاصل ہے، بلکہ وہاں دستوری ہدایت کے مطابق یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کی قانونی سازی کتاب و سنت اور اسوۂ صحابہ کے مطابق ہونا چاہئے یمن میں زیدی فقہ نافذ العمل ہے جوبی یمن میں شافعی یا حنفی قانون کی پیروی کی جاتی ہے۔

بحرین میں مالکی، شافعی اور شیعہ فقہ کا نفاذ متعلقہ افراد پر کیا جاتا ہے، کویت میں اسلام کا عائلی قانون نافذ ہے اور عام طور سے مالکی فقہ رائج ہے

افغانستان کے دستور کے مطابق وہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور تمام مذہبی امور حنفی فقہ کے مطابق انجام دیئے جاتے ہیں، مروجہ اسلامی قانون میں وہاں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ مالدیپ میں عائلی قانون شافعی مسلک کا رائج ہے۔ افریقی ممالک چاڈ گنی، مالی، ماریٹینیا، نائیجیریا، سینیگال اور صومالیہ میں اسلام کے عائلی قوانین میں تبدیلی کیلئے اب تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ نائیجیریا میں مالکی فقہ کو عائلی اور وراثتی قانون کا درجہ حاصل ہے۔

شرعی حدود سے تجاوز ۔ جن مسلم ممالک نے عائلی قوانین میں اصلاحات کی ہیں ان میں بعض تبدیلیاں ایسی ضرور ہیں، جو شرعی حدود سے متجاوز ہیں لیکن بیشتر اصلاح

کی نوعیت یہ ہے کہ یا تو مختلف فقہی مسالک میں سے کسی مسلک کی بات کو قانونی حیثیت دیدی گئی ہے، یا پھر بعض تفصیلات کو قاعدے اور ضابطے کی شکل دیدی گئی ہے جن میں سے کتنے ہی قاعدے محض انتظامی نوعیت کے ہیں۔ صرف دو مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں اسلام کے عائلی قوانین کا خاتمہ کر کے سیکولر طرز کا سول کوڈ نافذ کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ یہ دو ممالک ترکی اور البانیہ ہیں، ترکی میں یہ تبدیلی ۱۹۲۶ء میں لائی گئی جبکہ اسلام کے عائلی اور وراثتی قوانین سے انحراف کر کے سوئٹزرلینڈ کے سول کوڈ کو نافذ کر دیا گیا لیکن ترکی کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ وہاں مصطفےٰ کمال کے دور حکومت میں اسلام کا نقشہ کسطرح بگاڑا گیا اور کس جبر و تشدد کے ساتھ ریاست کی تشکیل لادینیت کی بنیاد پر کی گئی۔ یہاں تک کہ عربی زبان میں اذان دینے کی ممانعت کر دی گئی تھی اس لئے ایسے ملک کی مثال پیش کرنے سے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کیلئے وجہِ جواز فراہم نہیں ہوتی اور پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اگر کوئی مسلم ملک شریعت کے منشا کیخلاف مسلم پرسنل لا میں کوئی تبدیلی کرتے یا اسکو ختم کر کے کوئی غیر اسلامی کوڈ نافذ کرے تو نہ شرعاً وہ اس کا مجاز ہے اور نہ اس سے دوسرے ممالک کے مسلمانوں کیلئے کوئی قابل مثال قائم ہوتی ہے پھر اگر ترکی کی مثال دی جاتی ہے تو ان ممالک کی مثال کیوں نہیں دی جاتی، جنھوں نے اسلام کے عائلی اور وراثتی قوانین میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی ہے ایسے ممالک کا ہم اوپر تذکرہ کر چکے ہیں اور جو ایک دو نہیں بلکہ ان کی تعداد کافی ہے۔

اسرائیل میں —— اسلام کے عائلی اور وراثتی قوانین کو ختم کرنے کی جرأت تو اب تک اسرائیل کی حکومت بھی نہیں کرسکی ہے، ترکوں کا ۱۹۱۷ء کا بنایا ہوا عائلی قانون جو شریعت کی روشنی میں مرتب کیا گیا تھا اور جسکو بعد میں ترکی کی حکومت نے ۱۹۲۶ء میں ختم کر دیا تھا اب تک اسرائیل میں مسلمانوں کیلئے نافذ العمل ہے، بجز اس کے کہ اسرائیل کی حکومت نے اس کو عام ملکی قوانین کے تابع رکھا ہے۔

پاکستان میں اصلاحات —— رہی پاکستان کی مثال جسکی تبدیلی کے حامی بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں، تو واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں اب بھی مسلم پرسنل لا، ہی نافذ ہے نہ کہ سیکولر سول کوڈ البتہ ۱۹۶۱ء کے عائلی قانون کے ذریعہ "اصلاحات" کی گئی ہیں۔ ان صلاحات کی نوعیت بھی زیادہ تر انتظامی ہے یا بعض کو قاعدے اور ضابطہ کی شکل دیدی گئی ہے، موٹی موٹی اصلاحات میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شادی کو رجسٹر کرانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ایسا نہ کرنے پر شادی قانوناً ناجائز نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے لئے کچھ سزا تجویز کی گئی ہے، دوسری اصلاح یہ کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کیلئے آربیٹریشن کونسل سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے لیکن ایسا نہ کرنے پر کچھ سزا تجویز کی گئی ہے نہ کہ دوسری شادی کو باطل قرار دیا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ ایک سے زائد شادی پر کلی طور سے پابندی نہیں کی گئی ہے۔ تیسری یہ کہ طلاق کے سلسلے میں مرد پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ آربیٹریشن کونسل کو اسکی اطلاع دے یہ کونسل شوہر اور بیوی کے درمیان مفاہمت کی کوشش کرے گی۔ اس سے واضح ہے کہ اس قانون نے مرد کو ہاتھ سے طلاق کا اختیار چھین نہیں لیا ہے بلکہ ایک ضابطے کے ذریعے مفاہمت کا ایک موقع فراہم کر دیا گیا ہے اور چوتھی اصلاح وراثت کے سلسلے میں ہوئی ہے کہ اور وہ کہ یتیم پوتے پوتی کو حصہ دلوایا گیا ہے، بقدر اس حصہ کے جو

ان کے باپ کے زندہ رہنے کی صورت میں دادا کی جائداد میں انھیں ملتا "ان اصلاحات" پر شرعی نقطۂ نظر سے کلام کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ پاکستان میں ایسا نہیں ہوا کہ مسلم پرسنل لاء کی تنسیخ عمل میں آئی ہو اور اسکی جگہ غیر اسلامی کوڈ نافذ کر دیا گیا ہو اور نہ ہی مسلم پرسنل لاء میں بڑے پیمانہ پر کوئی تبدیلی کی گئی ہے۔ پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ان تبدیلیوں کی پاکستانی علماء نے پرزور مخالفت کی تھی اور عوام نے سخت احتجاج کیا تھا لیکن وہاں کی آمرانہ حکومت نے جمہور کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیا لہذا آمرانہ حکومت کی یہ مثال ہمارے جمہوری ملک کیلئے کسطرح دلیل بن سکتی ہے؟

مزید براں یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ پاکستان کی حکومت نے یہ ترمیمات مسلمانوں کے پرسنل لاء میں کی ہیں جبکہ مسلمان وہاں اکثریت میں ہیں، لیکن کیا پاکستان کی اقلیت کے پرسنل لاء میں مداخلت کی گئی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر پاکستان میں مسلم پرسنل لاء میں کی گئی ترمیمات سے ہندوستان کے مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کیلئے جبکہ یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں کسطرح جواز نکل آتا ہے؟

مضمون نگاروں سے

ناقابل اشاعت مضامین صرف اسی وقت صاحب مضمون کو واپس بھیجے جائیں گے جبکہ اس کے ساتھ واپسی ٹکٹ بھی موجود ہو۔ بصورت دیگر انھیں ضائع کر دیا جائے گا

(نائب مدیر)

●

نبی برحق نے مرد کی طاغوتیت اور عورت کی مظلومیت کے خلاف آواز اٹھائی، عورت کو انسانیت کے حقوق عطا کئے اور اسکی قانونی ضمانتیں دیں اور اسوقت جبکہ روم کے بعض حلقوں میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ عورت انسانی روح رکھتی بھی ہے یا نہیں۔ اسوقت قرآن کریم یہ صراحت کر رہا تھا

"پھر ان کے رب نے انکی دعا قبول کی میں تم سے کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو۔" (آل عمران ۱۹۵)

"مردوں کا حصہ ہے اس میں جو چھوڑ کر مرجائیں ان کے ماں باپ اور رشتہ دار اور عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ اس میں جو چھوڑ کر مرجائیں ان کے ماں باپ اور رشتہ دار" (نساء)

"مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے" (نساء ۳۳)

اسطرح قرآن بلاکسی جھجک اور تردد کے عورتوں کے روحانی اور مادی زندگی میں مردوں کے برابر کا درجہ دے رہا تھا اور رسول اللہ علیہ وسلم فرمان جاری کر رہے تھے۔

"ثیبہ عورت کی شادی نہ کی جائے جب تک کہ اسکی مرضی نہ معلوم کرلی جائے اور کنواری کی شادی نہ کی جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ حاصل کرلی جائے اس کا خاموش رہنا بھی اجازت ہے۔" (متفق علیہ)

اسطرح عورت کی ذاتی زندگی میں رفیق زندگی منتخب کرنے کی آزادی عطا کر رہے تھے۔

شرعیات

مسلم پرسنل لاء

اسلام محمد فریاد کانپوری

قارئین رگ سنگ کیلئے جناب اسلام محمد صاحب فریاد کانپوری نئی شخصیت ہیں۔ آپ نے زیر نظر مضمون "مسلم پرسنل لا" میں قانون شریعت کی اہمیت و افادیت کا اظہار جامع طور پر کیا ہے۔ (ادارہ)

قانون شریعت مذہب اسلام کا ایک سادہ لیکن پختہ اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ قانون شریعت میں بھی کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو سکتی ہے اور نہ ایسے کسی اقدام کو امت محمدیہ کبھی برداشت کر سکتی ہے۔ یوں تو شروع سے ہی اس میں تبدیلی لانے کی مجرمانہ کوششیں کی جاتی رہی ہیں لیکن ہر موڑ پر محب قوم اور شمع اسلام کے جاں نثار پروانوں نے اپنی جان کی بازی لگاکر ان حرکتوں کے خلاف قدم اٹھایا۔

شریعت کا مقصد صرف نماز، روزہ، حج یا زکوٰۃ کی تعلیم دینا ہی نہیں ہے بلکہ ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرنا ہے۔ اللہ و رسول کے احکام کی روشنی میں یہ ضابطۂ حیات مرتب کیا گیا ہے۔ اللہ و رسول کے احکام میں تبدیلی کے معنی رسول کی صداقت اور رہبری میں شبہ کرنا ہے اور حضور کو صادق و رہبر نہ سمجھنے کا مطلب جذبۂ ایمانی سے خارج ہونا ہے۔ جذبۂ ایمانی سے خارج ہونے کا مقصد مذہب اسلام سے الگ ہونا ہے اور مذہب اسلام سے الگ ہونے کا مقصد کفر سے ناطہ جوڑنا ہے۔ بس کسی بھی قیمت پر کوئی بھی سچا مسلمان کبھی قانون شریعت میں تبدیلی گوارہ نہیں کریگا

یہ سچ ہے کہ آج مسلمانوں کی بیشتر تعداد عمل سے عاری ہے۔ لیکن اسکا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ان کے دل میں مذہب اور دین کی محبت نہیں ہے آج مسلمانوں میں بیشتر تعداد ناخواندہ ہے لیکن یہی لوگ صدق دل سے اپنے دین و مذہب کو پیار کرتے ہیں۔ اور اس پر کسی قسم کوئی ضرب برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ ناخواندہ ضرور ہیں لیکن اسلامی جوش سے مالا مال ہیں ان کے دلوں میں رسول کی محبت اور اللہ کا خوف موجود ہے آج اگر مسلمانوں کا سروے کیا جائے تو پڑھے لکھے جاہلوں سے یہ ناخواندہ عاقل بہتر ہوں گے اور دنیا کے خوف سے زیادہ اللہ کا خوف ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوگا اور وہ کسی طرح بھی اپنے مذہب میں مداخلت برداشت نہ کریں گے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ :-

ترجمہ :- "یوں کہو کہ ایمان لائے اللہ پر اور اس پر
جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا"

اس جملہ کی روشنی میں صاف طور سے نظر آتا ہے
کہ جو کچھ اللہ نے ہمارے لئے اتارا وہ ہمارا ایمان ہے
اور ایمان سے منکر ہونا کفر ہے۔ پس قانون شریعت
اللہ کیطرف سے حضور کے ذریعہ اتاری ہوئی چیز ہے
جس میں تبدیلی کا مقصد کفر کا ساتھ دینا ہے۔

یہی نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص (اہل
حق) سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے مخالف (اہل
جاہل) کی خواہشوں کو یا مرادوں کو پوری کرتا ہے تو وہ
ستمگار ہے۔ قرآن فرماتا ہے ــــ

ترجمہ :- "اور (اے سننے والے کہے باشد) اگر تو
ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو
ضرور ستمگار ہوگا"

پس معلوم ہوا کہ کفر کو اپنے مقصد میں کامیاب
ہونے کیلئے اپنی خواہشوں کو پورا کروانا بہت ضروری
ہے اور کفر کی خواہش ہمیشہ سے مسلمانوں کو زیر کرنے
کی رہی ہے پل پل پر اور قدم قدم پر روڑے اٹکانے
کی رہی ہے اور کفر کو اس کی خواہش پوری ہونے
دینے کا مقصد ہے کہ ہم جان بوجھکر اسکو ایسا کرنے کی ترغیب
دے رہے ہیں جو کہ اپنے مذہب پر ستم کرنے کے مترادف
ہے اور ایک ستمگار کی سزا کبھی معاف نہیں ہوتی اسکا
خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے ہم جانتے ہیں کہ کفر ہمارا
ازلی دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ مسلمان بہک جائیں
اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنا خون بہائیں۔ لیکن آج
کا مسلمان اتنا بے شعور تو نہیں کہ وہ کفر کی اس دیرینہ
خواہش کو پورا ہو جانے دے اور خود دور کھڑا
تماشائی بنا رہے۔ ہم کسی قیمت پر ایسا نہ ہونے دیں
گے۔ ہمارا وجود ہماری شریعت سے ہے ہماری زندگی
ہماری شریعت سے ہے۔ ہماری خوشی، ہمارا غم یہی
نہیں حتیٰ کہ ہمارا ایمان بھی شریعت ہے

ہم اپنے ایمان میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ
ہمارا ایمان ہے اللہ ایک ہے اور محمد اس کے رسول
اور بندے ہیں پس ہم کس طرح اللہ اور اس کے رسول
کی باتوں کو نہ مانیں بلکہ اس کے بنائے ہوئے قوانین
میں تبدیلی لائیں اسکا مقصد یہ ہوا کہ ہم اپنے ایمانی اور
روحانی جذبے سے مستثنیٰ ہو چکے ہیں۔

اللہ نے ہمیں ایک جھنڈے کے تلے رکھا ہمارے
لئے اپنا محبوب بھیجا جو ہماری رہبری کرتا رہا۔ اس سے
پہلے بھی اس نے ہزاروں نبیوں کو پیدا کیا لیکن سب
نبیوں کی امت ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکی
خوش قسمت ہیں ہم لوگ جو ایسے رسول کی امت میں پیدا
ہوئے جنکی تعریف خود خدا کرتا ہے۔ اللہ چاہتا تو
سارے لوگوں کو ایک ہی امت میں پیدا کرتا لیکن اس
نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس نے ایک خاص شریعت
اور راستہ بنایا تھا جسکو اس نے اپنے محبوب کی خدمت
میں بطور تحفہ پیش کیا۔ ہم اس تحفہ کو اپنی جان سے
بھی عزیز ترین سمجھتے ہیں اور اس تحفہ کیلئے ہم اپنی جان
دے دیں گے لیکن اس پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ
قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ :-

ترجمہ :- "اور اے سننے والے انکی خواہشوں کی پیروی
نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر ہم نے تم سب کیلئے
ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو
تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا"

اس لئے ہر اعتبار سے ہماری زندگی میں اگر کوئی چیز قیمتی ہے تو وہ ہے ہمارا ایمان اور ایمان تب ہی مکمل اور بہتر ہوگا جب مذہبی شریعت پر سختی سے عمل درآمد کریں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہونے دیں۔ اس پر چھائے ہوئے بادل کو اپنے جوش وعقیدے کی زوردار ہوا سے خلاء میں مار بھگائیں۔ ہم اپنے یقین صادق کو ساتھ میں لیکر ہی شیطانی سازش کا قلع قمع کر دیں ہم اپنی زندگی کو ختم کر سکتے ہیں لیکن مسلم پرسنل لا میں تبدیلی گوارہ نہیں کر سکتے ۔

جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ بھیجنے کی زحمت فرمائیں ۔

●

اہل عرب لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور بچیوں کو بڑی نفرت سے دیکھا کرتے تھے۔ اہل عرب کی اس جہالت کا نقشہ قرآن پاک یوں کھینچتا ہے

واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسودا وھو کظیم ۝ یتواریٰ من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علیٰ ھون ام یدسہ فی التراب الا ساء ما یحکمون ۝ (نحل)

یعنی جب انھیں بچی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتے ہیں۔ اس بری اطلاع سے قوم سے منھ چھپاتے پھرتے ہیں کہ اس کو ذلت کے ساتھ روک رکھیں یا اسکو مٹی میں چھپا دیں۔ دیکھو کس قدر غلط فیصلے کرتے ہیں۔

حالی مرحوم نے اسکی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اسکو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

اہل عرب کے اس قبیح و افسوسناک رواج کے باوجود یہی لوگ نبی کریم کی تعلیم و تربیت کے بعد لڑکیوں کی پرورش کے ایسے دلدادہ ہوئے کہ ایکبار ایک یتیم لڑکی کی پرورش کا مسئلہ سامنے آیا تو صحابہ میں سے کئی نے استحقاق کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ کو اس کا فیصلہ کرنا پڑا

احتجاجات ———————— شہریار کے قلم سے

> زندہ باد اے دخترانِ ملک و ملّت زندہ باد
> ہمّتِ عالی و عزم مستقل، پائندہ باد
>
> طلعت صدیقی

جی چاہتا ہے کہ ایک تاریخ مرتب کر ڈالی جائے دخترانِ ملّت اسلامیہ ہند کی بیداری کی تاریخ، ان کی غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کے مظاہرہ کی تاریخ، ان کے اس عزم، ہمت، حوصلہ، جرأت اور دلیری کی تاریخ جس نے انہیں قانونِ شریعت کے خلاف بدباطن معاندین اور شرپسند مخالفین کی شیطنتوں اور خباثتوں پر زبانِ اعتراض کھولنے، دل کے اضطراب کو ہونٹوں پر لانے اور صدائے احتجاج بلند کرنے پر آمادہ کیا اور جس کے نتیجہ میں کانپور، الٰہ آباد، لکھنؤ، حیدرآباد، احمدآباد اور بمبئی وغیرہ میں ملک و ملّت کی یہ بیٹیاں احتجاجی اجتماعات میں سر جوڑ کر بیٹھیں، صورتِ حال پر غور و خوض کرنے، اپنے پاک اور پاکیزہ خیالات کا اظہار کرنے اور قراردادوں کی وساطت سے اربابِ حکومت کے بلند و بالا ایوانوں تک آواز پہونچانے پر مجبور کرایا۔ ورق الٹئے اور ملاحظہ فرمایئے۔

(ادارہ)

خواتین کانپور کا اجتماع

۱۶ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ
مطابق ۲ اپریل ۱۹۷۲ء

یوم یکشنبہ کو سہ پہر کے وقت حلیم مسلم کالج کانپور کے وسیع لان پر انتہائی خوبصورتی اور خوش سلیقگی سے آراستہ و پیراستہ کئے گئے پنڈال میں کانپور کی مسلمان خواتین کا ایک عظیم الشان اجتماع زیر اہتمام ادارۂ پاسبانِ شریعت کانپور زیر صدارت محترمہ رضیہ بیگم صاحبہ پرنسپل مسلم جبلی گرلس کالج کانپور انعقاد پذیر ہوا. ملت اسلامیہ کانپور کی تقریباً ۹ ہزار بیٹیوں نے اپنی شرکت و شمولیت سے اس کی رونق میں اضافہ کیا.

جلسہ کی کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے بعد محترمہ قیصر بیگم صاحبہ نیازی صدر مجلس استقبالیہ کی تحریک اور تمام حاضرات جلسہ کی تائید سے محترمہ رضیہ بیگم صاحبہ صدارت کی کرسی پر رونق افروز ہوئیں اور صدر مجلس استقبالیہ محترمہ قیصر بیگم کو خطبۂ استقبالیہ پیش کرنے کی دعوت دی. محترمہ قیصر بیگم صاحبہ نے اپنا خطبہ پیش فرمایا جو درج ذیل ہے.

خطبۂ استقبالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ۔

ترجمہ. پروردگار اس کام کیلئے میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ بات سمجھ لیں.

محترم خواتین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
خواہران محترم اہلاً وسہلاً مرحبا
آپکی تشریف فرمائی کا دل سے شکریہ

اس مجلس میں جو ذمہ داری میرے کمزور کاندھوں پر ڈالی گئی ہے اسکے اٹھانے کیلئے نہ میری عمر اجازت دیتی ہے اور نہ صحت آپ کے پرخلوص اصرار نے ان رکاوٹوں کے باوجود اس اہم ذمہ داری کو اٹھانے پر مجبور کر دیا میں نے محض اللہ کے بھروسے اور آپ حضرات کے تعاون کی امید پر اسے اٹھا لیا اللہ ہماری اور سب کی مدد فرمائے اور ہم سب کو اپنی رضا کے کام کی بیش از بیش توفیق بخشے

محترم خواتین!

اس سے پہلے کہ میں اس اہم موضوع پر کچھ اظہار خیال کروں جسکے سلسلے میں آپ جمع ہوئی ہیں آپ سب کا شکریہ ادا کر دینا بھی اپنا فرض سمجھتی ہوں. یہ خدا کا بہت بڑا احسان و کرم ہے کہ اس نے اس نازک موقع پر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے اور اسکو دور کرنے کی ہم سب کو توفیق بخشی یہی توفیق اور آپ کی ایمانی حرارت تھی جو اس شکل میں ظاہر ہوئی ہے کہ ایک معمولی آواز پر اس کثیر تعداد میں آپ یہاں تشریف لائی ہیں.

معزز خواتین!

آپ جانتی ہیں کہ جس دین پر ہم ایمان لاتے ہیں وہ زندگی کے تمام ہی چھوٹے بڑے معاملات میں ہدایت و رہنمائی کرتا ہے زندگی کا کوئی شعبہ اور حصہ اس کی ہدایات و رہنمائی سے چھوٹا نہیں ہے جہاں وہ عقائد و عبادات اخلاق و معاملات تہذیب و تمدن سیاست و معیشت کے اصول بتاتا ہے وہیں معاشرت و رہن سہن کے ضوابط بھی متعین کرتا ہے. اسلامی پرسنل لا کیا ہے؟ یہ دین کا وہ اہم حصہ ہے جس پر اسلامی معاشرت کی پوری عمارت کھڑی ہے اگر مسلمان اس اہم حصہ سے غفلت برتتے ہیں یا

اس میں ہر کس و ناکس کو ترمیم و تنسیخ کا حق دے دیتے ہیں تو پوری اسلامی معاشرت کی عمارت زمین بوس ہو کر رہ جائے گی کیونکہ نکاح و طلاق کے اصول ہوں یا خلع و راثت کے ضوابط اگر اسلامی معاشرت کے ان ہی بنیادی اصولوں میں تبدیلی کی اجازت دے دی جاتے تو اسلامی معاشرت میں رہ ہی کیا جائے گا اور قرآن کے ایک اہم حصے کو عملاً ترک کر کے ہم اس آیت کے مصداق بن جائیں گے۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ (یہ کیا بات ہے کہ) تم کتاب (خدا) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اسکے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں)

لیکن آج کل جس طرح ہر نئی نظر آنے والی چیز کو بغیر سوچے سمجھے اپنا لینا ایک فیشن بن گیا ہے اسی طرح یورپ و امریکہ کی مخرب اخلاق و انسانیت و شرافت کا جنازہ نکال دینے والی تہذیب و تمدن و معاشرت کے دلدادہ نوجوان مرد اور عورتیں جنھیں درحقیقت انسانیت و شرافت کی ہوا تک نہیں لگی ہے اور جو گرگٹ کی طرح ہر رنگ بدلنے ہی کو اصل کمال سمجھتے ہیں انھوں نے اسلام کے مقدس و پاکیزہ معاشرے و سماج بنانے والے اصولوں کے خلاف اپنی نادانی اور جہالت کی بنا پر آواز بلند کرنا شروع کر دی ہے ان کی جہالت اور نادانی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ انھوں نے تو صرف الحاد و بے دینی اور مغرب زدگی کے ماحول میں آنکھ کھولی اس میں سانس لیتے رہے اور اسی میں پل کر جوان ہوئے اور ایک دن کے لئے بھی انھوں نے اسلام کے معاشی اور معاشرتی ... "تہذیبی و تمدنی" سیاسی و بین الاقوامی اصول و ضوابط کو اٹھا کر دیکھا بھی نہیں اور اسکے ناقابل عمل اور فرسودہ ہونے کا حکم صادر کرنے بیٹھ گئے۔ جبکہ دنیا کا یہ ایک مسلمہ فیصلہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق اس فن کے ماہر کو ہی ہے آپ روزانہ دیکھتی ہیں کہ .. جب کوئی قانونی مشورہ درکار ہوتا ہے تو حکومت بھی ماہرین قانون ہی کی طرف رجوع کرتی ہے کیوں نہیں آرٹ کے ماہر سے پوچھ لیتی کبھی آپ نے دیکھا یا سنا... ہے کہ کسی آرٹ کے ماہر کو سائنس کا شعبہ سپرد کیا گیا ہو اگر ایسا نہیں ہے کہ ہر علم و فن کا ماہر ہی اس علم کے بارے میں صحیح رائے یا مشورہ دے سکتا ہے تو میں حکومت سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ پھر مختلف علوم و فنون کی تعلیم پر اربوں روپیہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے کیوں نہیں دیہات کے ہل چلانے والوں کو مختلف شعبے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔

دنیا کے ہر معمولی سے معمولی کام کے لئے تو ان کے ماہرین کی تلاش ہوتی ہے لیکن بے چارہ ایک اسلام ہی ایسا ہے کہ جس کے اصول و ضوابط کے قابل عمل و ناقابل عمل ہونے کا فیصلہ مغربی تہذیب و تمدن کے ماہرین سے کرایا جاتا ہے۔

محترم خواتین!

مسلم پرسنل لاء ہمارے دین کا ایک اہم حصہ ہے

اور اتنا اہم ہے کہ اسکو بکالنے کی جرأت و ہمت انگریز بھی نہ کر سکے لیکن ہم نے اس آواز کا جو اسکے خلاف اٹھائی جا رہی ہے ڈٹ کر مقابلہ نہ کیا اور خاموش بیٹھے رہے تو ہمیں اپنے پورے دین ہی سے ہاتھ دھونا پڑیگا پھر کیوں نہ ہم ان آواز اٹھانے والوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ اگر تم ان اصولوں کو ناقابل عمل اور فرسودہ سمجھتے ہو تو کس نے تم کو مجبور کیا ہے کہ مسلمان ہی رہو اور حکومت سے بھی کہہ دیں کہ یہ ہمارے دین و ایمان کا مسئلہ ہے اس میں غور و فکر کا حق دین کے ماہرین ہی کو حاصل ہے لیکن اگر تم نے ہمارے علی الرغم اس میں ترمیم کرنی چاہی تو اسکے نتائج بہت ہی خطرناک نکلیں گے

آخر میں میں اپنی محترم بہنوں اور بیٹیوں سے یہ بات کہنا چاہتی ہوں کہ ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی بہنوں کو بتائیں کہ مسلم پرسنل لا کیا ہے اور دین میں اسکا کیا مقام ہے تاکہ وہ غلط پروپیگنڈوں سے متاثر نہ ہوں

خدا کے خلاف اک بغاوت کا طوفان چلا آرہا ہے خدا کی زمین پر
اٹھو اے خدائے وفا دار بندو! نہ زد کو آنے دو دین مبیں پر

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد صدر صاحبہ نے اپنا بلیغ خطبہ پیش فرمایا۔ ملاحظہ ہو

خطبۂ صدارت

محترم بہنو! السلام علیکم

آپکو اے محافظین پاسبانِ شریعت کے زیر انتظام اس جلسہ کے انعقاد کا مقصد معلوم ہی ہے اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ چند افراد کی طرف سے مسلم پرسنل لا میں ترمیم، تبدیلی اور تنسیخ کے مطالبہ نے آج ہم سب کو ایک جا اور ایک آواز ہو کر یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ "اسلام ایک مکمل دین ہے ایک ایسا دین ہے جس کا نظام زندگی کے ہر شعبہ پر، دنیا کے ہر خطہ میں اور ہر دور میں یکساں طور پر فلاح دارین کا ضامن ہے اسلام کی بنیادی کتاب قرآن ہے اور نظام اسلام کی واضح اور کامل تعبیر و تشریح۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے

(ملاحظہ فرمائیے دار العلوم دیوبند میں مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں منعقدہ اجتماع مورخہ ۱۴، ۱۵ مارچ ۱۹۷۲ء)

مسلم پرسنل لا کی بنیاد اسلامی فقہ ہے اور اسلامی فقہ کی بنیاد قرآن کریم احادیث نبوی اجماع اور قیاس ہیں۔ ہمارے مستند، پابند شریعت، دینی شعور کے حامل اساتذہ کرام نیز مجتہد علماء کرام کی متفقہ رائے ہے کہ "اسلامی فقہ جامد اور بالکل بے حرکت نہیں ہے مگر اس میں بنیادی اصولوں میں ترمیم کا ابھی کوئی سوال نہیں۔"

اسلام ایک مکمل، ارفع اور حسین بہترین نظام حیات ہے ایسے نظام کی کتابی و عملی تصویر بھی ارفع اور حسین ترین ہونا چاہیئے۔ آج ہم کو یہ بھی غور کرنا ہے کہ یہ تصویر بے رنگ کیوں نظر آتی ہے کیا ہیں وہ اسباب اور کون سے ہیں وہ حالات جن کے تحت ہمارا معاشرتی معاشی و سیاسی نظام اپنی رعنائی، خوبصورتی افادیت و تاثر کھو بیٹھا ہے ہمیں کیا کرنا ہے اپنی اصلاح کے لئے؟؟؟

ہمارا یہ جذبہ کہ ہم ہر دور، ہر جگہ اور ہر حالت میں دین کے تحفظ کے لئے کھڑی ہوں گی بہت قابل قدر ہے لیکن ایک افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو عموماً اور مسلم خواتین کو خصوصاً مسلم پرسنل لا کے متعلق بہت کم واقفیت ہے اور اسی لئے ہم اپنی غیر مسلم بہنوں کو موجودہ زمانہ میں بھی اس کی برتری اور فضیلت پر مطمئن نہیں کر سکتے آج کے مخصوص معاشی معاشرتی اور ثقافتی ماحول میں ضرورت

اس بات کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد کو مسلم پرسنل لا اور شریعت اسلامی سے نہ صرف واقف ہی کرایا جائے بلکہ اس پر عمل درآمد کے بھی انتظامات کئے جائیں تاکہ واقعی اسلامی سماج کی تعمیر ہو سکے جو تمام عالم کے لئے قابل تقلید نمونہ ہو اور معترضین کو بھی خاموش کر دے۔

دراصل پرسنل لا کی تدوین ہندوستان میں ایک نازک مسئلہ ہے جو قومی اتحاد اور قومی یکجہتی کے دائرہ سے باہر ہے۔ ہندوستان کے آئین کے مطابق مسلمانوں کو جو بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ ان کا مذہب، معاشرت اور شخصی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ شخصی زندگی میں نکاح، طلاق، تعدد، ازدواج میراث اور عورتوں و مردوں کے حقوق و فرائض قسم کے مسئلوں کا بہت اہم مقام ہے اور یہ تمام مسائل قانون شریعت کے مطابق طے ہونا ہیں۔ اگر موجودہ سائنٹفک اور ٹکنیکل ترقی سے متاثر حالات میں شرعی نکتوں کی مزید وضاحت اور ترمیم اندرون شرعی حدود کی واقعی ضرورت ہے اور شریعت کے مطابق مسائل حل کرنے میں خاص دقت پیش آ رہی ہو تو ہر مکتب خیال کے علماء کرام، قانون دان حضرات اور صحیح دینی شعور رکھنے والے صاحب الرائے نیز علوم جدیدہ سے واقف اساتذہ کرام، مجالس مذاکرہ میں غور و خوض فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے پیش نظر اپنے متفقہ فیصلہ سے پبلک اور حکومت کو مطلع فرمائیں۔

اس ضمن میں ہم خواتین کا یہ کام ہے کہ جس قدر ممکن ہو قانون اور فقہ اسلامی کے ماخذ تک پہونچنے اور سمجھنے کی کوشش کریں، ایک دوسرے کو بتائیں، معاشرہ میں قبیح معاملات میں حق تلفی کے سدباب کی کوشش کریں پسماندہ طبقہ کی طرف خاص توجہ دے کر ان کے معاشی مسائل کے حل میں مددگار ہوں۔

محترم خواتین!

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی حامی چند خواتین کا بیان ہے کہ انھوں نے مسلم عورتوں کی زبوں حالی اور مردوں کے ظلم اور زیادتی سے پریشان عورتوں کی نجات کے لئے مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ کا نسخہ تجویز کیا ہے ان کی رائے میں گویا مسلم عورتوں کی تکالیف کا سبب ہی مسلم پرسنل لا ہے ہم اس سے قطعی متفق نہیں ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دیئے ہیں وہ نہ صرف ان کے لئے ہی مکمل اور باعث رحمت ہیں بلکہ ایک نہایت جامع مضبوط، شائستہ و مہذب سماج کی بنیاد ہیں کاش ان حقوق کو غصب نہ کیا جائے اور ان کی ادائیگی میں اسلامی فراخ دلی اور اتباع سنت نبوی سے کام لیا جائے۔

اسلامی معاشرہ میں عورت کا درجہ بلند رکھا گیا ہے ایک نومولود کا عورت سے سب سے پہلا رشتہ ماں کے روپ میں قائم ہوتا ہے اس رشتہ کی عظمت و بزرگی کی تلقین ملاحظہ فرمایئے کہ ماں کے پیروں کے نیچے بہشت بتائی جاتی ہے ماں کے ساتھ حسن وسلوک کا حکم دیا جاتا ہے اور ماں حیات نہ ہو تو خالہ کی اطاعت و خدمت کی تعلیم دی جاتی ہے ایک زمانہ تھا جب لڑکیوں کو زندہ رہنے کا بھی حق نہ تھا۔ وہ شفیق باپ کے ہاتھوں ہی موت کے منھ میں پھینک دی جاتی تھیں قرآن کریم نے کہا کہ نہیں وہ زندہ رہے گی اور اس حق پر جو شخص دست درازی کرے گا۔ خدا کی طرف سے اس کی باز پرس ہوگی۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

جبکہ زندہ درگور لڑکی کے بارے میں پوچھا
جائیگا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔

نبی کریمؐ نے فرمایا ہے "اللہ نے حرام کی ہے تم پر ماؤں کی نافرمانی ادائیگی حقوق سے ہاتھ روکنا۔ ہر طرف سے لے ل ھینا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا۔ بعض مذاہب میں عورت کو اتنا کمزور رکھا گیا ہے کہ عبادت کا بار بھی زیادہ تر عورتوں پر ہی ہوتا ہے۔ اسلام نے اس میدان میں کوئی امتیاز واہنیں رکھا جزا اور سزا عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے یکساں ہے اعمال و افعال کی کسوٹی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے قرآن پاک میں مذکور ہے کہ "جس مرد اور عورت نے بھی اچھا کام کیا اور اگر وہ مومن ہے تو ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور انکے بہتر اعمال کا جو وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے مطابق صلاح وتقوی اور آخرت کی کامیابی کا جو معیار مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی ہے عورت کے نہ صرف حقوق ہی متعین کئے گئے ہیں بلکہ حسن سلوک، محبت اور ہمدردی کی تلقین و سفارش بہت پر زور موثر انداز میں کی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "کیا میں تجھ کو بتا دوں کہ بڑی فضیلت والا صدقہ کون سا ہے؟ اپنی بچی پر احسان کرنا جو بیوہ ہونے یا طلاق دے دیئے جانے کی وجہ سے تیری طرف لوٹا دی گئی ہو اور جس کا تیرے سوا کوئی دوسرا کفیل اور بار اٹھانے والا نہ رہا ہو۔

سبحان اللہ کیا خوب ارشاد ہے ایک بیوہ یا مطلقہ کے احترام اور تواضع کی یہ مثال کیا کسی اور معاشرہ میں بھی نظر آتی ہے۔

بہنو!

اسلامی تعلیم اور اسلامی نظام میں نہ صرف معاشرتی بلکہ معاشی اعتبار سے بھی عورت کے حقوق مکمل طور سے محفوظ ہیں تاریخ گواہ ہے کہ نزول اسلام سے قبل.. لڑکیوں کا وراثت میں کوئی حق نہ تھا اسلام نے چودہ سو برس قبل مردوں کی طرح عورتوں کو بھی ہر رشتہ میں وراثت کا حق دلوا کر اس کی اقتصادی پوزیشن کو مضبوط کر دیا البتہ ایک اور دو کا جو فرق روا رکھا ہے اور آج کل چند ناعاقبت اندیشوں کے اعتراض کا نشانہ بن رہا ہے وہ صرف اس لئے کہ عورتوں پر کفالت کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

اسلام نے عورت و مرد دونوں کی حدود شرعیت کے اندر مکمل حلال حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اور ان کی محنت کے صلہ کو ان کا جائز حق تسلیم کیا ہے کوئی کسی کے مال پر یہاں تک کہ خاوند بھی بدون اجازت تصرف کا حقدار نہیں ہے۔ سورۃ نساء میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ "مردوں کو اپنی کمائی کا حصہ ملے اور عورتوں کو اپنی کمائی کا حصہ ملے اور دونوں اللہ سے اس کا فضل مانگو"

محترم خواتین!

معاشی حقوق کا ایک پہلو اور ملاحظہ فرمایئے۔ برادران وطن میں تلک اور جہیز کے بغیر شادی ممکن نہیں ہے اس تلک اور جہیز کی قربان گاہ پر نہ معلوم کتنی معصوم ہستیاں اور ان کی تمنائیں بھینٹ چڑھ جاتی ہیں معاشرہ میں کس قدر زر پرستی، خود غرضی، ظلم اور استبداد کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں لڑکیوں کی پیدائش

نامبارک مانی جاتی۔ وہ ایک عظیم بار بن جاتی ہے۔ خود لڑکی کے دل میں ان حالات کو دیکھ کر احساس کمتری پیدا ہوتا ہے وہ اپنی صنف کو خود ہی حقیر اور ناپسندیدہ تصور کر لیتی ہے۔ اسلام نے عورت کو اس پست حالت سے کتنا اونچا اٹھا دیا۔ جب یہ اصول مقرر ہوا کہ زرِ تملک اور زرِ جہیز کے بجائے زرِ مہر لازمی قرار دیا گیا اور یہ زرِ مہر لڑکی کے والدین کا حق نہیں ہے بلکہ خود اس کا ہے جس کا مطالبہ وہ کسی وقت بھی کر سکتی ہے گویا کم سے کم اقتصادی ضمانت ہے جو ازدواجی زندگی شروع ہوتے ہی مل جاتی ہے۔ اس کے علاوہ خاوند کے اخلاقی فرائض کا دائرہ تو بہت ہی وسیع رکھا ہے وہ جس قدر دیندار ہوگا اسی قدر اپنی شریک حیات کے ساتھ حسن وسلوک سے پیش آئے گا حدیث شریف ہے "تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہو" اور یہ کہ "افضل ترین مال وہ ہے جس کو آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرے۔"

اسلام کا مزاج جمہوری ہے، جمہوریت کا ثمرہ بالغ ہیں اور جہاں فرق ہے وہ ان کے صنفی فرق کا تقاضہ ہے۔ چنانچہ نکاح اور فسخ نکاح کے لئے اسلام نے مرد و عورت دونوں کو تقریباً یکساں حقوق دئے ہیں۔ عورت و مرد دونوں کے لئے یکساں حقوق و فرائض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ شادی شدہ عورتوں کا نکاح (بیوگی یا طلاق کے بعد) اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لے لیا جائے اور دوشیزہ کا نکاح بھی اس سے اجازت کے بغیر نہ کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ یتیم لڑکیوں کا نکاح بھی اس سے رائے و مشورہ سے پہلے نہ کرو۔ اور جب مشورہ کا حکم ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ہر بالغ عورت اپنے ذاتی معاملات میں حدود شرعی کے اندر رہتے ہوئے قطعی آزاد اور خود مختار ہے۔

فسخ نکاح کے مسئلہ کو دیکھئے تو اسلام نے مرد کو حق طلاق اور عورت کو حق خلع دیا ہے مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ یہ حقوق معاشرہ کی پستی و تنزلی کی طرف نہ لے جائیں اور طلاق یا خلع کا لازمی نتیجہ یعنی شکستہ گھروں کی تعداد کم سے کم ہو تاکہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں حرج نہ واقع ہو۔ طلاق کو اللہ کی نظر میں بہت ناپسندیدہ بنایا گیا ہے اور عورتوں کے لئے بھی یہ ارشاد ہے کہ جو عورت بلا کسی حقیقی وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے ان احادیث کو پیش نظر رکھ کر ان حقوق کا استعمال کیا جائے تو اسلامی معاشرہ میں یورپ و امریکہ کی مانند ہر گھنٹہ ایک طلاق کی نوبت آئی ہے اور نہ آئے گی اور یہ ایک پختہ صاف ستھرے معاشرے کی ضمانت ہے۔

اللہ جل شانہ نے اسلامی معاشرہ کو غلاظت اور ٹوٹ پھوٹ سے بچانے اور مومن عورت کو باعزت مقام دینے کے لئے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ الفاظ اور عمل دونوں میں ہدایت ہو چکی ہے ایک نہایت مہذب اور جذبہ ترحم سے لبریز اصول اسلامی یعنی عقد ثانی کی ترغیب ہے بعض غیر مسلم سماج میں بیوہ عورت کو جس طرح ذلت و پستی کے غار میں ڈھکیل دیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ جو جبر و ظلم ہوتا ہے اس کی مثالیں آپ نے دیکھی ہی ہوں گی اس کے برعکس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیوہ خواتین سے نکاح فرما کے معاشرہ کو یہ ترغیب دی ہے کہ مطلقہ اور بیوہ کو ذلیل نہ سمجھا جائے اور ممکن ہو تو بہ عجلت ان کے عقد ثانی کا انتظام کیا جائے

آنحضرت رسول مقبول اور صحابہ کرام نے بیوہ اور مطلقہ سے خود نکاح میں غیر معمولی تاخیر نہ کرکے نمونہ بھی پیش کردیا ہے۔

الغرض غور فرمائیے تو اسلام نے عورتوں کو تمام جائز اور ضروری حقوق نہایت فراغ دلی کے ساتھ عطا کر دئے ہیں۔ تحصیل علم کا حق جو ایک تقریباً بنیادی اور بہت ضروری حق ہے عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے یکساں ہے حضرت انس سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہؐ نے علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور اس طرح یہ حق بھی ہے کہ لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی مکمل انتظام کیا جائے۔

خواتین محترم!

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مکمل اور اعلیٰ ترین مذہب کے وارث ہونے کے باوجود ہمارے معاشرہ میں گھن کیوں لگ رہا ہے بے اطمینانی کیوں ہے اور آج مسلمان عورتیں خود کو مظلوم و مجبور کیوں محسوس کر رہی ہیں اس کا جواب معترضین کے الفاظ میں تو یہی ہوگا کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم تبدیلی اور ... ... / تحریک آزادیٔ نسواں کی ضرورت ہے مگر مسلم خواتین کی یہ متفقہ رائے ہونا چاہیئے کہ شریعت یا مسلم پرسنل لا میں تخفیف یا تحریف سے کام نہ چلے گا۔ ہماری نظروں میں فقہ اسلامی جس کی بنیاد قرآن پاک اور احادیث نبوی ہیں، ہمارا جز و ایمان ہے اس مسئلہ میں ہم مستند و پابند شریعت علمائے کرام کی طرف سے حتمی اور شرعی فیصلے کے منتظر ہیں اور وہی ہمارا فیصلہ ہوگا۔

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "عورتوں کیلئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں البتہ مردوں کو ان پر (عورت) پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اور اب میں ختم کرتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مقاصد میں معین و مددگار ہو۔ آمین ثم آمین۔

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ

دور ہے منزلِ مقصود مگر ہے تو یہی
راہ کٹ جائے گی تو عزم سفر پیدا کر

خطبہ صدارت کی کامیاب تکمیل کے بعد فیض عام نسواں انٹر کالج کی پرنسپل صاحبہ محترمہ سرور اسلام نے اپنی تقریر دلپذیر سے شریک بزم بہنوں کے دلوں کو ایمان و اسلام کی حرارت بخشی ملاحظہ فرمائیے۔

مسلم پرسنل لا سیکولرازم کی کسوٹی پر

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔

معززہ صدر، پاسبانِ شریعت، قابل قدر اور بہت پیاری بہنو!

السلام علیکم

آج ۱۲ اپریل ۱۹۸۲ء کو ہم اور آپ پاسبان شریعت کی اس مجلس میں شریک ہیں ہمارے یہاں آنے کا مقصد اپنی شریعت کو ہندوستانی عدالتوں میں محفوظ دیکھنا ہے جسے ہم پرسنل لا کے نام سے پکارتے ہیں اور ایک انڈین سول کوڈ کے نفاذ کو اپنے اوپر جاری اور ساری کرنے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں آج کی یہ مجلس پاسبان شریعت آپ سے کچھ تقاضہ کر رہی ہے

اس کا ایک تقاضہ ہے اس کا ایک پیام ہے اور اس پیام کو ہم سب ہی سن رہے ہیں وہ کہہ رہی ہے۔

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

آج ہم سب مل کر اپنی عوامی حکومت تک عورتوں کی یہ آواز پہونچانا چاہتے ہیں کہ ہمیں اسلام سے پیار ہے قرآن سے محبت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے قلبی لگاؤ ہے ہم اللہ کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں رسول اکرمؐ کی ہدایتوں اور قرآن پاک کی روشنی میں اپنے حالات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم پرسنل لا میں کوئی تبدیلیاں نہیں چاہتے چاہے وہ تبدیلیاں تعداد ازدواج کے سلسلہ میں ہوں یا طلاق اور خلع کے معاملہ میں یا مہر اور وراثت کیلئے ہوں یا عورتوں کے تحفظ کے نام پر اور انکے حقوق کی نوعیت بدلنے کیلئے۔

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی محض چند روشن خیال مغرب زدہ لوگوں کی رائے سے نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ چاہے کریم بھائی چھاگلہ ہوں یا شری حمید ڈلوائی ہوں یا شریفہ طیب جی ہوں۔ یا پروفیسر آصف فیضی۔ اگر یہ چند شخصیتیں ہندوستان میں ایک سول کوڈ کے نفاذ پر زور دیتی ہیں۔ تو حکومت شوق سے انڈین سول کوڈ نافذ کر دے ہمیں اس سے نہ کوئی سروکار ہوگا نہ کوئی غرض۔ بات تو صرف اتنی ہے کہ ہم محمڈن لا کی حفاظت چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ مسلم پرسنل لا۔ انڈین سول کوڈ میں گم ہو کر رہ جائے اور اس کا کوئی وجود باقی نہ رہے اگر کسی کو مسلمان۔ عورتوں اور مسلمان مردوں کی زبوں حالی کا احساس ہے تو کوشش کے میدان بہت ہیں اردو زبان کو اس کا

حق ملنا چاہیئے مسلمان بچوں کی درستی کیلئے دینی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے مسلم لڑکیوں کے پڑھنے کیلئے بہترین اور معیاری اسکول قائم ہونا چاہیئے مسلمانوں کی اقتصادی خوشحالی کیلئے کوئی نیا منصوبہ ترتیب دیا جانا چاہیئے روشن خیال حضرات مسلمانوں کو ان کی پستی کے اسباب بتائیں اور اس پستی سے نجات پانے کا کوئی پاکیزہ راستہ اختیار کریں یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ شریعت اسلامیہ کو فنا کر دینے کا پلان بنا کر اسکو اصلاح مذہب کا خوبصورت نام دے دیا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی مسلمان زندہ ہے اور اس کا شعور بیدار ہے۔

ہمارے مرکزی وزیر قانون مسٹر گوکھلے مسلم پرسنل کے مخالفین سے ذرا خوش نظر آتے ہیں۔ ہم اپنے فاضل وزیر قانون کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ہم ایک مسلمان کی روح چاہتے ہیں۔ ہم ایک مسلمان کا لباس چاہتے ہیں تو وزیر قانون جواب دیں گے اسلام کی روح بنانا تو تمہارا اپنا کام ہے ہاں ہم تم کو لباس دیں گے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ سول کوڈ کا وہ نیا لباس کیا ہوگا۔ وہ لباس بدھ ازم کا ہوگا یا جین ازم کا وہ لباس ہندو ازم کا ہوگا یا سکھ ازم کا ہوگا وہ لباس عیسائیت کا ہوگا یا پارسیت کا وہ لباس کمیونزم کا ہوگا یا سوشل ازم کا فاضل وزیر قانون کے ماتھے پر کچھ سلوٹیں پڑ جائیں گی اور وہ جواب دیں گے وہ نیا لباس بدھ ازم کا بھی ہوگا اور جین ازم کا بھی ہندو ازم کا بھی ہوگا اور سکھ ازم کا بھی کمیونزم کا بھی ہوگا اور سوشل ازم کا بھی ہوگا۔ اگر سول کوڈ کے نام سے ہندوستان بھر کے ازموں کا ایک معجون مرکب تیار کر لیا گیا تو ہم اپنے فاضل وزیر قانون سے عرض کریں گے کہ ہمارا اسلام ازم ہی

ہم کو دید بیجئے۔

اس بات پر شاید مخالفین کی ایک جماعت بول اٹھے کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کی ترمیم پر شور کیا گیا ترکی میں مسلم شریعت میں تبدیلی نہیں کی گئی؟ کیا مصر میں مسلم شریعت میں ترمیم نہیں کی گئی؟ کیا پاکستان میں مسلم شریعت کی ترمیم کو روا نہیں رکھا گیا اسکے جواب میں ہم معترضین سے اتنا عرض کرتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد ترک انگریزی تہذیب میں اتنا رنگ گئے تھے کہ انہیں شریعت سے بیزاری اور مغربیت سے پیار ہونے لگا تھا۔ لیکن کیا آج ہم ہندوستانی مسلمان ان کی کلاہ لالہ رنگ کو اپنے سروں کی زینت بنانا قابل فخر سمجھتے ہیں؟ نہیں کیا آج ہندوستانی مسلمان ترکوں کی اسلام دوستی کے گیت گاتے ہیں؟ انہیں شریعت کے احکامات پر ان کا عقیدہ کمزور ہو چکا ہے قرآن ان کے ایمانیت کے استحکام کا ذریعہ نہیں رہ گیا ہے شاید اسی لئے ترکی ٹوپی کو وہ طرۂ امتیاز حاصل نہ رہا جو اس سے قبل تھا کیوں؟ اسلئے کہ جب کوئی قوم اپنی انفرادیت کھو بیٹھتی ہے تو دنیا کی نظر میں اسکی کوئی شان باقی نہیں رہ جاتی پاکستان اور مصر کی مثال لیجئے ان دونوں ملکوں میں بھی مسلم پرسنل لا میں تبدیلیاں کی گئیں لیکن تبدیلیاں ظلم و جبر کے بل بوتے پر ہوئیں طاقت سے ہوئیں حکومت کی آمریت سے ہوئیں عوام کے جذبات کو کچل کر ہوئیں۔ پاکستان کے صدر ایوب خاں ہوں یا مصر کے جمال عبدالناصر مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے بعد وہ مسلمانوں میں ترقی کی وہ راہیں نہ کھول سکے جنکے خواب انہوں نے دیکھے تھے وہ نہ اپنے ملکوں کی اقتصادی حالت کو بحال کر سکے نہ ان کی اخلاقی پستی کو درست کر سکے آج دونوں

بڑی قوتوں کے دست نگر ہیں آج بھی یہ دونوں ملک خود کفیل نہیں۔ مصر کی طرف جب اسرائیل غاصبانہ نظر ڈالتا ہے تو مصر کی فوجیں روس کو اپنی مدد کیلئے پکارنے لگتی ہیں اور رہا پاکستان تو یہ بھی آج امریکہ اور چین کی بیساکھیوں کے سہارے چل رہا ہے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے بعد یہ ملک کوئی بھی خاطر خواہ ترقی نہ کر سکے کیوں؟ اسلئے کہ وہ قانونِ شریعت کی ترمیم ہی اپنی ترقی کا باعث سمجھ بیٹھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

ہماری ہر دلعزیز وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کرنے والوں کو سراہا ہے وہ کہتی ہیں کہ ان روشن خیال مسلمانوں میں ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں ہم اپنی وزیر اعظم کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپکے سامنے جن روشن خیال ترقی پسند مسلمانوں کا ذکر آیا ہے اول تو وہ اسلام سے ناواقف ہیں دوسرے ان پر ماڈرن سوسائٹی کا رنگ اس قدر چھایا ہوا ہے کہ مذہب نام کا کوئی رنگ ان میں بھاتا ہی نہیں۔ اخلاقیات اور مذہبیات کو وہ تنگ نظری کا نام دیتے ہیں اس موقع پر جواہر لال نہرو کی ایک بات یاد آگئی جس کو انھوں نے فخریہ انداز میں "ڈسکوری آف انڈیا" میں لکھا ہے وہ یہ کہ:

"جب میں نے ہندوستان کی پانچ ہزار سالہ پرانی تاریخ پر نظر ڈالی تو میں عقیدت میں ڈوب گیا اور مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہمارے ملک کی تہذیب اسکے تمدن اور اسکے مذہب کی بنیادیں کس قدر مضبوط ہیں ہندوستان پر بار بار حملے ہوئے حکومتیں

بدیسیوں قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوا آندھی اور طوفان آئے لیکن ہندوستان کی پانچ ہزار سالہ تہذیب کی جڑوں کو کوئی ہلا نہیں سکا۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کی اس بات کو سامنے رکھکر ہم بھی مسز گاندھی سے کچھ غور کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ ہمارا اسلام بھی چودہ سو سال پرانا ہے ہندوستان میں اسلام نے اپنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں ہم بھی اپنے مذہب کی بقا چاہتے ہیں اپنے کلچر کی بنیادوں کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں اپنی شریعت کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں کیا آپ کے معزز باپ اور ہمارے محبوب رہنما نے ہندو کوڈ میں اسلام کے کئی شرعی مسائل کا سہارا نہیں لیا اگر قومی یکجہتی کے نام پر مسلم پرسنل لا کو ختم کر دیا گیا اور پورے ہندوستان میں ایک سول کوڈ نافذ کر دیا گیا تو کیا اس سے جن سنگھیوں کے خواب کی تعبیر پوری نہیں ہوتی وہ تعبیر جسے وہ "بھارتیہ کرن" کہتے ہیں ہم مانتے ہیں کہ ہمارے مسلم پرسنل لا میں ہماری اخلاقی کمزوریوں کے سبب سے کچھ سماجی برائیاں پیدا ہو گئیں ہیں ان کو درست کرنے کا حق تو صرف ہمارے علمائے کرام کو ہی پہونچتا ہے کہ وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں اور ملت کی صحیح رہنمائی کا حق ادا کریں یہ حق صرف علماء تک پہونچا دیجیے آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔

سیکولرازم کا نعرہ لگانے والے مسلم پرسنل لا کو قومی یکجہتی کے منافی سمجھتے ہیں ان سیکولرازم کے پجاریوں سے ہمیں پوچھنا ہے کہ وہ سیکولرازم کے ذریعہ مذہب اور اخلاقیات کے دروازے کیوں بند کرنا چاہتے ہیں کیا ان کا سیکولرازم ہندوستان کیلئے کوئی نئی چیز ہے؟ نہیں، دور کیوں جائیے مغلوں کے دور حکومت میں بھی سامراجی نظام کے ساتھ کیا سیکولر نظریہ کارفرما نظر نہیں آتا شہنشاہ جلال الدین اکبر کا دور حکومت ہے۔

شہنشاہ اکبر ایک سیکولر ہندوستان کی تشکیل کرنا چاہتا ہے اس نے دنیا کی بہترین تعلیمات کو جمع کرکے ایک نیا مذہب دیا اور اس کا نام دین الہی رکھا اکبر کا خیال تھا کہ دین الہی بڑی تیزی کے ساتھ ہندوستان میں پھیل جائے گا لیکن نتیجہ امید کے خلاف ہوا بیس کروڑ آبادی کے اس وسیع ہندوستان میں صرف اٹھارہ لوگوں نے دین الہی قبول کیا شہنشاہ اکبر نے جب اپنے درباریوں سے دین الہی قبول کرنے پر اصرار کیا تو راجہ بھگوان داس نے کیا خوب جواب دیا تھا۔

" شہنشاہ اعظم میں ہندوستان میں صرف دو مذہب جانتا ہوں ایک ہندو مذہب اور دوسرا اسلام اگر آپ کہیں تو میں ہندو مت چھوڑ کر اسلام قبول کر سکتا ہوں لیکن تیسرا مذہب قبول کرنے کو تیار نہیں"

دین الہی اور سیکولرازم یہ وہ سیکولرازم ہے جہاں کسی تہذیب کی انفرادیت باقی نہیں رہی کہیں مذہب کا وجود باقی نہیں رہتا جہاں کسی تمدن کی کوئی پہچان نہیں ملتی ایک دوسرا سیکولرازم اور دیکھیے شاہجہاں کا دور حکومت ہے رعایا کو اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی آزادی ہے بادشاہ ہر مذہب کی عزت کرتا ہے ان کے مذہب سے ان کے تمدن سے ان کی زبان سے اسے کوئی تعصب نہیں رعایا خوشحال ہے اور فارغ البالی بھی نہ حکومت رعایا سے ٹکر لیتی ہے اور نہ رعایا اپنے بادشاہ کے عمل پر گھراتی

طابق ہے یہ ہے تعمیری سیکولرازم پہلا سیکولرازم مذہب تمدن اور تہذیب کو اس طرح ملا دیتا ہے کہ کسی خاص مذہب کی کسی خاص تمدن کی کسی خاص تحریک کی شکل پہچانی نہیں جا سکتی۔ دوسرا سیکولرازم مذہبی رواداری سکھاتا ہے اور تمدن کی حفاظت اس تعمیری سیکولرازم کا نتیجہ ہے ایک بے مثال تاج محل کی تعمیر اور ایک پائدار لال قلعے کی تشکیل ہم بھی بھارت میں ایک تعمیری سیکولرازم چاہتے ہیں یعنی اپنی زبان اپنے مذہب اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی پاسبانی۔

ہماری یہ آواز بڑی نرم ہے یہ سچائی کی آواز ہے یہ درد کی آواز ہے یہ کرب کی آواز ہے ہماری یہ آواز مسز گاندھی کے مسکن تک بھی جائے گی اور راشٹرپتی بھون کی دیواروں کے اس پار بھی ہماری یہ آواز پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بھی جائے گی اور جنرل اسمبلی کے اجلاس میں بھی ہماری یہ آواز سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بھی سنیں گے گے اور بیرون پارلیمنٹ بھی یہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی ماؤں کی آواز ہے ان کی بہنوں کی آواز ہے ان کی بیٹیوں کی آواز ہے۔ وہ حکومت کے خلاف نہ فلک شگاف نعرے لگاتی ہیں نہ ان کے ہونٹوں سے حکومت مردہ باد کا شور بلند ہوتا ہے وہ نہ کانگریسیوں کی پالیسیوں کی مذمت کرتی ہیں اور نہ مسز گاندھی کی سیاست پر کوئی نکتہ چینی مسلم پرسنل کی حفاظت کیلئے ہم نے ایک آواز اٹھائی ہے جہاں بھوک ہڑتال ہے اور نہ تشدد کی کوئی تحریک نہ زوردار مظاہرے ہیں نہ پرشور جلوس ہم صرف اپنی حکومت سے ایک درخواست کرتے ہیں ہماری صرف ایک مانگ ہے اور وہ مانگ یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا میں کسی دخل اندازی کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے چودہ سو سال پرانی شریعت میں ملت اسلامیہ کے کسی بھی فرد کو ترمیم کا کوئی حق نہیں ہم اپنا حق چاہتے ہیں مذہبی آزادی کا حق اور مذہبی رواداری کا برتاؤ ہمیں یقین ہے آقائے ہند کے صدر آزاد ہند کے وزیر اعظم آزاد ہند کے وزیر قانون آزاد ہند کے چیف جسٹس ہماری اس اپیل پر غور کریں گے۔

دیکھئے صدائے بازگشت کیا پیغام لاتی ہے امید ہے کہ یہ پیام امید افزا ہوگا یہ پیام ہماری طلب کا جواب ہوگا اگر ایسا نہ ہوا تو ہم کہنے پر مجبور ہیں کہ

سکوت آموز طول داستانِ درد ہے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اِسْتَمِعْ اَجِبْ

ترجمہ۔ اے اللہ تو سلامت ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے تو برکت والا اور بزرگ و برتر ہے اے عظمت نوازش والے۔ ہماری التجا سن لے اور قبول فرمائے

ماشاء اللہ سبحان اللہ کیا خوب تقریر ہے دل کے دریچے کھل گئے، دماغ روشن ہوگیا اور اب زہرہ بتول صاحبا اپنے جذبات و کیفیات قلب پیش فرما رہی ہیں۔

مسلم پرسنل لاء کا تحفظ کیوں؟

جناب صدر صاحبہ اور معزز خواتین!

حمد و ثنا اس خدا کیلئے جو ساری کائنات کا اور اس کے رہنے والوں کا خالق و مالک مربی آقا اور نگہبان ہے جس نے انسان کو عقل عطا کر کے صحیح و غلط کی سمجھ۔ بھلے برے کی تمیز سوچنے سمجھنے اور زندگی کے راستے پہچاننے کی صلاحیت بخشی ساتھ ہی نبی کتابوں اور رسولوں کے ذریعے ہمیں دنیا میں انسان بن کر ... رہنے کا طریقہ سکھایا۔

معزز خواتین! آج دنیا میں کروڑوں انسان

ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کتنی ہی مملکتیں ہیں جو دنیا کے نقشہ پر اسلامی ملک کے نام سے پہچانی جاتی ہیں مگر جس دنیا کو ہم دنیائے اسلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس میں اور غیر اسلامی دنیا میں بجز نام کے اور کوئی فرق نظر نہیں آتا کتنے ہی مسلمان آپ کو ایسے ملیں گے جنہیں خدا کے وجود میں شک اور رسالت میں شبہہ ہے وہ آخرت کے منکر ہیں ان کی نگاہوں میں اسلام ایک ضابطہ اور مکمل نظام حیات نہیں ہے چنانچہ دنیا کے دوسرے طریقوں میں سے اپنی.. خواہشات کے مطابق کوئی طریقہ پسند کر رکھا ہے خود بھی اسکے سچے اور موثر ہونے پر یقین کامل رکھتے ہیں اور دوسروں کے سامنے طرح طرح کے دلائل و براہین سے سچا ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں لادینی کو ترقی کا سبب اور پستی غریبی و بدحالی کا باعث مذہب کو قرار دیتے ہیں اور یہ سب کرنیکے باوجود خود کو مسلمان کہتے ہیں اور کہلائے جانے پر اصرار کرتے ہیں جبکہ نام کے علاوہ اسلام کی ساری صفات ان میں مفقود ہیں اور اسلام نے جس طریق کار زندگی کو انسان کی رہنمائی کیلئے تجویز کیا ہے انھوں نے نہ اسے جانا ہے اور نہ جاننے کی کوشش کی ہے۔

ماں بہنو! ہمارا اور آپکا ایمان ہے کہ ہمارا دین ایک مکمل دین ہے اور اس ذات کا نازل کیا ہوا ہے جس نے ساری دنیا کو پیدا کیا ہے لیکن ہم اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کچھ لوگ اسلام کے خلاف ہمیشہ برسر پیکار رہے ہیں کہ کچھ رنج کا مقام نہ تھا اگر یہ لوگ ہم ہی میں سے نہ ہوتے مگر افسوس کہ اس طرح کے کاموں میں نام نہاد مسلمانوں کا حصہ زیادہ رہا ہے جنھوں نے اپنے باطنی خیالات ذاتی فائدوں اور مصلحتوں کی بنا پر مسلمانوں کو ذلیل اور اسلام کو نقصان پہنچایا ہے دور کیوں جائیے موجودہ حالات پر نظر ڈالئے ہر ہر جگہ مسلمانوں کی پستی، غریبی، جہالت، شکست و زبوں حالی کو دیکھئے اور انکے اسباب سمجھنے کی کوشش کیجئے کیا یہ صدا دل کی گہرائیوں سے نہیں آتی کہ ؎

درس قرآن نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

آج بھی ان ہی لوگوں کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے کہ حکومت کے سربراہ ان ہی کی کوششوں اور مطالبوں کا سہارا لے کر ہندوستان کے اندر یونیفارم سول کوڈ رائج کرنا چاہتے ہیں جسکے معنی ہیں کہ شخصی و معاشرتی معاملات سب لوگوں کے یکساں ضابطوں کے تحت عمل میں لائے جائیں اور یہ تفریق ختم ہو جائے کہ مسلمانوں کے سماجی و معاشرتی معاملات کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق ہو اور دوسروں کا دوسرے ضابطوں کے تحت جبکہ اسلام کو ایک مکمل نظام حیات ماننے کا تقاضہ ہے کہ زندگی کے تمام معاملات پروردگار کی دی ہوئی ہدایات و احکامات کے تحت انجام دئے جائیں جب تک اسلام غالب تھا اور حکومتیں فی الحقیقت اسلامی تھیں، مسلمانوں کے تمام قوانین قرآن و سنت کی روشنی میں بنائے جاتے تھے اور کسی غیر مسلم کے اندر اسکے خلاف چوں و چرا کی گنجائش نہ تھی. لیکن مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی کے سبب سے اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل گیا یا اقتدار رکھتے ہوئے بھی غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی اپنے ملکی قوانین میں قرآن و سنت کی پیروی چھوڑ دی تو صرف وہ قوانین اسلامی شریعت کے مطابق باقی رہ گئے جن کا تعلق ہماری شخصی زندگی سے تھا یعنی نکاح و طلاق

کے مسائل یا تقسیم میراث کے مسائل۔ چنانچہ ہندوستان میں انگریزوں کے
دور حکومت میں ملکی قوانین تو انکے اپنے ضابطوں کے تحت بنائے
گئے لیکن مسلمانوں کے نکاح و طلاق .. ..
اور میراث کے مسائل بدستور شریعت کے مطابق طے کئے جاتے
رہے اور اسی کو مسلمانوں کے پرسنل لا یا محمڈن لا کا نام دیا گیا۔ یہ پہلی
زد تھی جو اسلامی ضابطۂ حیات پر پڑی جسکی رو سے زیادہ تر معاملات
کو اسلام کے دائرہ سے نکال دیا گیا اور صرف شخصی و سماجی معاملات
کو پرسنل لا کے نام سے باقی رکھا گیا جیسا کہ ہیں اور آپکو معلوم
ہے بدقسمتی سے ہمارے ملک میں اسلامی شریعت کے ان ضابطوں
کو بھی ختم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں جو کہ ہماری اور صرف ہماری
ذات و شخصیت تک محدود ہیں۔ اس سلسلے میں ان
کا سب سے اہم نشانہ اسلام میں مسلمانوں مرد کو چار تک شادیاں
کرنے کی اجازت ہے پہلے سرکاری ملازمین کیلئے یہ قانون بنایا گیا
کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کرسکتے اور اب رفتہ رفتہ پورے
ملک میں یہی قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں اسلام میں دی گئی اجازت
حکم نہیں کہ مرد کو ضروری کرنا ہیں بشرط مجبوری و ضرورت اور وہ
بھی اس قید کے ساتھ کہ وہ ایسی حیثیت رکھتا ہو اور انکے درمیان
انصاف بھی کرسکے کو "مرد کا ظلم" قرار دیکر ناواقف ناعاقبت
اندیش مسلمان خواتین کو انکے خلاف میدان میں لانا چاہتے ہیں۔
ورنہ کون نہیں جانتا کہ یہ اسلام میں دی گئی اجازت خود ہماری
ہی بھلائی کیلئے ہے اسلام ایک پاکیزہ سماج چاہتا ہے اور بیوی
کے علاوہ کسی عورت پر نظر ڈالنے کو سخت جرم کہکر برسر عام اسکی
سزا مقرر کرتا ہے زندگی میں ایک شادی اور مرضی کے مطابق عیاشی
کی اس میں گنجائش نہیں جیسا کہ یورپ اور دوسرے ممالک میں
عام ہے حتیٰ کہ انکے یہاں کی بڑھتی ہوئی بے حیائی عیاشی اور پھر
اسکے خراب نتائج سے وہ خود گھبرا اٹھے ہیں لیکن خود کردہ
را علاج نیست کے مصداق اصلاح کے کسی قانون پر قادر نہیں۔
اپنے بنائے ہوئے پھندوں میں خود ہی گرفتار ہیں اور اس سے
نکلنے کی کوئی سبیل نہیں پاتے۔ یہ کوئی قیاس آرائی یا اندازہ نہیں
نہیں ہے بلکہ یقین کیجئے کہ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔ اپنی جھوٹی
تسلی کی خاطر ایک ہی علاج رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں
میں بھی اس وبا کو عام کردیا جائے تاکہ انہیں کوئی ٹوکنے والا
نہ رہے ساتھ ہی مسلمانوں اور انکی شریعت سے جو انہیں
دلی بغض ہے اسے بھی تقویت پہونچے۔
دوسرا نشانہ طلاق کی اجازت ہے اور اس سلسلہ
میں یہ کہنا کہ مسلمان مرد کا ایک جملہ کہ میں نے طلاق دی"
وہ طلاق دے سکتا ہے ظلم ہے اسلام میں طلاق اور خلع
کی اجازت بھی دراصل سماج کو پاکیزہ بنانے کیلئے ہے یعنی
طرفین جب آپس میں کسی طرح نہ نبھا سکیں تو بحسن و خوبی
الگ ہوجائیں اگرچہ یہ بات خدا کے نزدیک پسندیدہ
نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ کچھ لوگ اپنی جہالت کی
وجہ اور نفسانیت کی بنا پر عورتوں کی حق تلفی کرتے ہیں
شریعت میں انکا پورا پورا تحفظ موجود ہے لیکن یا تو لوگ
شریعت سے ناواقف ہیں یا اس سے لاپرواہ لیکن اس
چیز کو بنیاد بناکر شریعت کے ضابطوں کو بدلنا انتہائی غلط
ہے علاوہ ازیں اعتراض کرنیوالے اگر اعداد و شمار جمع کریں
کہ مسلمانوں میں کتنی طلاقیں عمل میں آتی ہیں اور غیر مسلموں
میں کتنی تو شاید وہ اپنے الفاظ واپس لینا پسند کریں۔
میری بہنو! اسلامی شریعت میں ایک مسلم کی
شادی ایک غیر مسلم سے جائز نہیں ہے انگریزوں نے
سول میرج ایکٹ کے ذریعہ اسطرح کی شادی کو جائز قرار
دیا بشرطیکہ وہ اپنے مذہب سے انکار کردیں لیکن موجودہ
حکومت میں اسپیشل میرج ایکٹ بنایا گیا ہے جسکی رو سے
دو مختلف مذاہب والے بغیر انکار کے شادی کرسکتے ہیں
اس قانون کی براہ راست زد اسلامی شریعت پر پڑتی ہے
ہے اور اگر اس فتنہ کا بروقت انسداد نہ کیا گیا تو پوری

قوم تباہ ہوجائے گی۔

میری عزیز بہنو! مسئلہ کی نزاکتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم سب کا فرض ہے کہ پروردگار کی طرف سے دی ہوئی صلاحیتوں اور استعداد کو کام میں لاکر اپنے دین کی حفاظت میں تن من دھن سے لگ جائیں یہ نہ سمجھیں کہ یہ کام صرف مردوں کا ہے اور عورتیں اس ذمہ داری سے بری الذمہ ہیں نہیں بلکہ ہماری ذمہ داریاں ان سے بھی زیادہ ہیں اسلئے کہ ایک عورت پوری قوم کی ماں ہوتی ہے۔

اور اب بیگم ماسٹر نصیر صاحبہ اس موضوع پر اپنے جاندار خیالات کا اظہار فرما رہی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

مسلم پرسنل لاء اور ہم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید، اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط۔

ترجمہ۔ آج تمہارے دین سے انکار کرنے والوں کو مایوسی ہوچکی ہے لہٰذا تم ایسے منکرین دین سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور اسلام کو تمہارے لئے دین کی حیثیت سے پسند کیا (سورۂ مائدہ)

خواتین اسلام وقت محدود ہونے کی بنا پر میں مسلم پرسنل لاء کے بارے میں تفصیلی روشنی نہ ڈال سکوں گی، اخبارات اور رسائل میں اس مسئلہ پر موافقت اور مخالفت میں بہت سے بیانات شائع ہوچکے ہیں اہل علم خواتین ان سے استفادہ کرسکتی ہیں مخالفین کی صف میں اکثریت ایسوں کی ہے جنکی نظریں اسلام کے بنیادی عقائد پر نہیں وہ محض اپنی عقل و فراست کی بنیاد پر تبدیلی لانا چاہتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو مغربیت اور فلسفۂ اشتراکیت سے مسحور ہوکر مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی چاہتے ہیں، اور ایسے بھی ہیں جو محض جزئی تبدیلی کے خواہشمند ہیں، یہ سب نظریئے ہم مسلم خواتین کیلئے ناقابل برداشت اور خطرناک ہیں اور اس صورت سے شرعی قوانین اور اسکے حدود اختیارات کے دائرے میں ایسے افراد کو دخل اندازی کا موقع مل جائے گا جو قرآن اور سنت کے احکامات کے بغیر ہمارے سماجی یا عائلی قوانین میں کتر بیونت شروع کردیں گے اور پھر ایسے افراد کی بے جا مداخلت "مداخلت فی الدین" کے مترادف ہوگی یہی وجہ ہے کہ ہم کسی قیمت پر مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی برداشت نہ کرسکیں گے پھر معلوم نہیں ایسے لوگوں کی دخل اندازی سے ہماری شریعت مطہرہ کے کون کون سے بنیادی ضابطے کالعدم ہوجائیں۔ علاوہ اسکے ہمارے پرسنل لاء میں ایسے پہلو بھی ہیں جو ہماری خصوصی توجہ کی محتاج ہیں، لیکن جو معاشرتی قوانین قرآن پاک اور سنت کی ہدایت کے تحت ہیں ان میں کسی کو ترمیم اور تنسیخ کا اختیار نہیں، البتہ ائمۂ دین فقہا یا مفتیان نے اپنے اپنے دور میں اپنے اپنے علم و فہم سے حالات زمانہ کی ضرورتوں کے ماتحت جو ضابطے بنائے ہیں ایسا نہیں ہے کہ اس میں ضرورت کے تحت کوئی تبدیلی نہ کی جاسکے اگر ایسے حالات سامنے آئیں جو اس زمانہ کی پیداوار ہیں جس سے سابقہ دور صحابہؓ اور فقہا کو واسطہ نہیں رہا تو اس میں صحیح شرعی بحث لانے کی کوشش آج کے علماء اور فقہا کریں جن ضابطوں میں ضرورت زمانہ کے ماتحت ترمیم کرنا چاہیں ترمیم کریں لیکن یہ کام اغیار کا نہیں

بلکہ ہمارے علماء کرام کے کرنے کا ہے اور اسکی جانب علمائے دارالعلوم دیوبند نے ابھی حال میں مختلف علماء کرام کو مدعو کرکے مشورہ کیا اور اسکے بعد اخبارات میں اعلان کردیا جس سے ہم مسلم خواتین کا پٹنہ پوری طرح متفق ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی جو کتاب اور سنت پر مبنی ہے۔

آج کے پرآشوب دور میں اسکی ضرورت ہے کہ ہم یقین کریں کہ اسلام نے جو حقوق ہم کو عطا کئے ہیں وہ کسی مذہب میں نہیں بلکہ ہمارے بہت سے اسلامی ضابطوں پر آج دیگر قومیں عمل پیرا ہیں اب اگر دوسری قومیں یا ان کی خواتین یہ دعویٰ کریں کہ ہم نے اسلام کے اصول میں سے چند اچھے اصول اپنا لئے ہیں اسلئے کیا حرج ہے ہماری ہی یہ بات آپ مان لیں کہ اسپیشل میرج ایکٹ پر آپ عمل پیرا ہوں جس کی رو سے ہر مذہب والا دوسرے مذہب والے سے شادی کرسکتا ہے اور کسی کو اپنے مذہب سے انکار کرنے کی بھی ضرورت نہیں اگر آپ غور وفکر سے کام لیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ اس قانون کی براہ راست زد اسلامی شریعت کے اس اصول پر پڑتی ہے کہ کوئی مسلمان عورت مسلمان رہتے ہوئے کسی غیر مسلم مرد (جو اہل کتاب نہ ہو) سے اور کوئی مسلمان مرد مسلمان رہتے ہوئے کسی غیر مسلم عورت (جو اہل کتاب نہ ہو) سے شادی نہیں کرسکتا اختصار کے طور پر میں نے صرف اس ایک مثال پر اکتفا کیا ہے ورنہ بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں، اب ہماری دینی بہنیں اندازہ فرمائیں کیا ایسی صورت میں ہم ان قرآنی ضابطوں کو جو اللہ کے پیارے رسول صلعم کے ذریعہ ہم کو عطا ہوئے۔ نعوذ باللہ اگر ہم نہ عمل پیرا ہوں تو کیا واقعی ہمارا شمار مسلمانوں میں ہوسکتا ہے لہٰذا یہ آیت پاک اس بات کی شاہد ہے کہ آپکا دین مکمل ہے آپ کی شریعت مکمل ہے، آپ کے خدا کا پسندیدہ مذہب اسلام ہے اور اسی پر عمل کرکے ہم کامیابی کی منزلیں طے کرسکتے ہیں، اور مسلم پرسنل لا کے بقا کا دارومدار قرآنی تعلیمات پر پورا پورا عمل کرنے پر ہے اور دعا ہے کہ اللہ پاک ہم کو اور ہماری سب بہنوں، ماؤں بیٹیوں کو نیک عمل کی توفیق عنایت فرمائے

محترمہ اختر بانو صاحبہ نے اپنی حکمت آفرینیوں سے معمور تقریر میں ارشاد فرمایا۔

مسلم پرسنل لا کی اہمیت

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۝

محترم صدر جلسہ و معزز خواتین اسلام علیکم!

اس جلسہ کے انعقاد کا مقصد تو آپ کو معلوم ہی ہوگیا اسکی تائید میں میں اپنے تاثرات پیش کرتی ہوں۔

گذشتہ زمانے میں عورتیں جانتی ہی نہیں تھیں کہ مسلم پرسنل لا کیا چیز ہے وہ بیچاری اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر گھریلو ذمہ داریوں کو پورا کرتی تھیں اور خدا اور رسولؐ کے احکام کی پوری پابندی کرتی تھیں قرآن وسنت پر عمل کرنا ان کی زندگی کا مقصد تھا وہ جانتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام قرآن میں نازل کئے ہیں وہ فرض ہیں ان ہی کے مطابق زندگی گذارنا چاہیئے چونکہ ان کے پاس ڈگریاں نہیں تھیں اسلئے وہ جاہل بھی جاتی تھیں۔ لیکن بحیثیت دینی معلومات ان کے پاس آج کی نئی نسل سے بہت زیادہ تھی اور وہ پرسکون زندگی گذارتی تھیں۔ لیکن آجکل کے ہنگامی حالات میں عورتوں کے لئے بھی ضروری ہوگیا ہے کہ وہ ان غلط پروپیگنڈہ کو ختم کرنے کیلئے میدان عمل میں آئیں فی زمانہ جبکہ مسلمان قوم ہر لحاظ سے پستی کی طرف جارہی ہے

معاشی اقتصادی، معاشرتی۔ تہذیبی اور تمدنی زوال شروع ہوگیا ہے اور زندگی کے مسائل اتنے پیچیدہ بنا دئیے گئے ہیں کہ ایک کم حیثیت انسان کے لئے باعزت زندگی گذارنا شکل ہوگئی ہے ان حالات میں ہماری توجہ بنیادی مسائل کی طرف مرکوز ہونا چاہیئے تھی۔ لیکن اسلام دشمن جو کہ ہمارے زوال سے خوش ہیں ایسے نت نئے مسائل سامنے لاکر کھڑے کر دیتے ہیں جن میں الجھ کر ہم اپنی صلاحیت و پیسہ ان کاموں میں صرف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں نئی روشنی کی دلدادہ مغربی تہذیب پر فریفتہ کچھ خواتین جو اپنے مذہب سے ناواقف دین سے بیگانہ ہیں وہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی خواہشمند ہیں وہ نہیں جانتی ہیں کہ ہماری اس آواز سے کتنا غلط اثر پڑے گا اور جن لوگوں کی دلی تمنا ہے کہ جو تھوڑا سا اسلامی قانون باقی رہ گیا ہے اس کو بھی ختم کر کے سول کوڈ بنا دیا جائے تاکہ مسلمانوں کی کوئی خصوصیت باقی ہی نہ رہے۔ دشمن اسلام جو ہم کو مٹانے پر تلے ہیں انھوں نے اپنی عیاری سے چند بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنا آلہ کار بنالیا ان کو دنیا کے سبز باغ دکھاکر ان کے ہمدرد بن گئے۔

آپ جانتی ہیں شیطان کبھی کھلکر سامنے نہیں آتا بلکہ ہمارے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور ہمدرد بن کر بدخواہی کرتا ہے ہر مسلمان مرد یا عورت قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانتا ہے اور اس کو پس پشت ڈالنا کبھی پسند نہیں کرتا وہ اگر سچا مسلمان ہے تو اپنی جان دینا پسند کریگا لیکن اپنی آخرت نہیں برباد کرے گا۔ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ خدا کی دی ہوئی جتنی بھی صلاحیت ہمارے پاس ہے اس کو خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے میں لگائیں۔ ہم پر فرض ہے کہ جن خدائی قوانین میں لوگ ترمیم کرنا چاہتے ہیں ان کے خلاف آواز اٹھائیں اور اپیل کریں کہ ہمارے اسلامی شخصی قانون میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ یہ ہمارا اپنا بنایا ہوا قانون نہیں ہے جس میں ترمیم کی ضرورت ہے بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا بنایا ہوا قانون ہے جو ہمارا خالق، رازق اور مالک ہونیکے علاوہ ہماری ضروریات۔ جذبات۔ خیالات سے واقف ہے۔ جس نے ہم کو پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہمکو زندگی گذارنے کا طریقہ اپنے پیارے نبیوں کے ذریعہ بتلایا۔ اور اس کے انجام سے بھی باخبر کیا

میری عزیز بہنو! و بیٹیو! میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ ہم سب اپنے فرض کو سمجھیں اور جس میں جتنی صلاحیت ہے اسی کے مطابق وہ دین کو اور اسکے احکام کو زیادہ سے زیادہ عام کرے۔ یہ تو اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے اگر ہم اس کی ناقدری کریں گے تو خدا جانے ہمارا کیا انجام ہو دنیا میں تو مبتلائے عذاب ہی ہی جہنم کے عذاب کے بھی مستحق نہ ہو جائیں تحفظ شریعت ہمارا اولین فرض ہے

مسلم پرسنل لا یعنی مسلمانوں کا شخصی قانون کیا ہے؟ نکاح۔ طلاق۔ خلع اور میراث کی تقسیم یہ خدائی قانون ہے اور خدا کے فضل سے ہم مسلمان اسی طریقہ سے ان کاموں کو انجام دیتے ہیں جیسے خدا نے ہم کو بتایا۔ کیا آپ لوگوں میں سے کوئی بھی اس بات پر آمادہ ہوں گی کہ اس میں اپنی طرف سے کچھ گھٹایا یا بڑھایا جائے۔

"تعدد ازدواج": یعنی شرع سے چار شادیوں کی اجازت ہماری اس دکھتی رگ کو ہمارے ہمدردوں نے پکڑا۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی عورت خوشی سے اپنی سوت کو برداشت نہیں کرسکتی لیکن جب معاملہ شریعت کا آجاتا ہے تو پھر سوت کیا عورت موت کو بھی بخوشی برداشت کرلیتی ہے

اپنی جان کی قربانی دیکر بھی وہ یہی سمجھتی ہے کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دراصل یہ چار شادیوں والا مسئلہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے کیوں کہ بمشکل ہزار میں ایک مرد آپ کو ایسا ملے گا جس کی دو بیویاں ہوں۔ یہ تو ایک بہانہ ہے ہمارے مذہب میں دخل انداز ہونے کا۔ "یہ قانون بنانا کہ مرد ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرسکتا وہ جرم سمجھا جائیگا" سوچیئے اِس سے ہم کو کیا فائدہ ہوگا۔ اگر مرد کو شادی کرنا ہی ہے کسی وجہ سے بھی تو وہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلے گا۔ اس وقت عورت زیادہ مصیبت میں گرفتار ہوگی کہ اس کا کوئی سرپرست ہی نہیں رہے گا جو اس کا اور اسکے بچوں کا بار اٹھائے۔ پھر وہ زندگی کیسے گذارے گی

اوّل تو یہ اجازت مردوں کو شرائط کے ساتھ دی گئی ہے کہ دونوں بیویوں کو برابر سمجھیں اور کسی کی حق تلفی نہ کریں ایک کو اس طرح معلق نہ چھوڑ دیا جائے کہ گویا اس کا کوئی والی وارث ہی نہیں ہے۔ اب اگر مرد اس پر عمل نہیں کرتے تو وہ مردوں کی زیادتی ہے یا اسلامی قانون کی خرابی۔ قانون بنانے والا تو انسانوں کے جذبات۔ تاثرات سے واقف ہے اگر پہلی بیوی مستقل بیمار ہے اور وہ حق زوجیت نہیں ادا کر سکتی ہے تو پھر مرد کیا کرے۔ وہ معاشرہ کو گندہ کرے اور عذاب کا مستحق ہو یا جائز طریقے سے اپنی خواہش کو پورا کرے۔ خدا نے اسی لئے نکاح کو آسان اور زنا کو مشکل کردیا ہے کیا ایسے انسان کو رجم کی سزا دینا ظلم نہ ہوگا جو مجبور ہو جس کو اس کام کے لئے ہمارا قانون کھلی اجازت دے۔ لیکن جو اس کی باریکیوں سے ناواقف ہوں ان کے لئے تو رجم بھی ظلم ہے اور دوسری شادی بھی ظلم ہے وہ تو آزاد رہ کر اپنی خواہشوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں جو کسی حدود کے پابند نہیں ہیں ان کے لئے تو مذہب قائم کئے ہوئے حدود بھی ظلم ہیں وہ تو وہ جانور ہیں جو ہر چراگاہ میں بے لگام چرتے پھرتے ہیں پھر یہ اس قسم کی اور ضرورتیں بھی ہیں جنکی بنا پر دوسری شادی کی اجازت ہے۔ مثلاً ایک بیوی سے اولاد کا پیدا نہ ہونا یا کسی سے ایسا تعلق پیدا ہو جانا جس کا چھوڑنا ناممکن ہو۔

اب بتلایئے انسانوں کے بدلنے کی ضرورت ہے یا خدائی قانون کے۔ جو انسان خدا فراموش دین بیزار اور آخرت کے منکر ہوں گے وہی ظالم ہوں گے خود اپنے اوپر بھی ظلم کریں گے اور دوسروں پر بھی۔ وہ کسی قانون کی پابندی کر ہی نہیں سکتے چاہے اللہ کا قانون ہو یا حکومت کا وہ نافرمان سب ہی کے باغی ہوتے ہیں۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ مسلمان مردوں و عورتوں کو اسلام کے مقرر کئے ہوئے ضابطۂ حیات کا علم ہو اور وہ ایک دوسرے کے حقوق سے واقف ہوں ہر شخص کے مقام کا احترام اور خدا کا خوف ہی ہماری زندگیاں سدھار سکتا ہے دراصل بہت سی خرابیاں اس وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں کہ ہمارے ایمان کمزور ہو گئے ہیں۔ ہمارے دل سے خدا کا خوف نکل چکا ہے اور آخرت کی فکر سے بے نیاز ہیں۔ خدا کا خوف رسولؐ کی محبت دلوں میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو احکام شریعت پر عمل کرے گا وہ انشاء اللہ ضرور فلاح دارین حاصل کرے گا۔

مسلم خواتین کا یہ جلسۂ عام چند نااہل مسلمانوں کے شریعت ایکٹ کو ختم کرنے کے ناجائز مطالبہ پر اظہار افسوس کرتا ہے اور ان نامعلوم ہستیوں کے غلط پروپیگنڈہ پر

ارباب حکومت کو توجہ دلاتا ہے کہ ہم مسلم خواتین کسی قیمت پر بھی اپنے اسلامی قانون میں ترمیم پر آمادہ نہیں ہیں ہم کو جو مذہبی آزادی دستور ہند نے دے رکھی ہے اس میں کسی ایسی تبدیلی کو جو کتاب و سنت کے خلاف ہو ہرگز ہرگز برداشت کرنے کے تیار نہیں ہیں۔

مسلم پرسنل لا اسلامی شریعت کا ایک اہم جزء ہے ہر مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس سے گہری عقیدت رکھتا ہے اس پر عمل کرتا ہے اور اسی کے مطابق زندگی گذارنے پر اسکی آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے ہم دعا کرتے ہیں خدا وند تعالیٰ ہماری کوششوں میں ہم کو کامیاب کرنے ہم خلوص نیت سے اللہ کی خوشنودی کی خاطر جو کام بھی کریں اس کو قبول فرمائے۔ آمین۔

محترمہ زرینہ عاقل نازؔ نے اپنی تقریر پر تنویر میں بہت ہی صاف واضح اور غیر مبہم طور پر بتایا کہ۔

ترمیم کے پردہ میں کیا پوشیدہ ہے؟

ایک عام پڑھا لکھا آدمی بھی یہ بات جانتا ہے کہ قانون اپنی قسم کے اعتبار سے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اوّل دستور اساسی یعنی بنیادی قانون یا رہنما اصول۔ دوم۔ رہنما اصول کی روشنی میں معین کردہ ضابطے۔

ٹھیک اسی طرح شریعت اسلامیہ کا بھی معاملہ ہے شریعت نے انسانیت کی فلاح و بقا کے لئے کتاب و سنت کے ذریعہ اور رسولؐ برحق کی معرفت ضابطۂ حیات کے رہنما اصول عطا کئے۔ یہ تو تھی قانون کی قسم اوّل، پھر جب ہمارے علماء کرام و مجتہدین عظام نے رہنما اصولوں کی روشنی میں حالات وقت پر قیاس کر کے تفصیلات و تشریحات معین و مدوّن کیں تو یہ اسلامی ضابطہ حیات کہلایا اور حاکمین وقت نے (ممکنہ مقامات پر) اسلامی قانون کے بطور ملک میں جاری کیا۔ جب ہمارے ملک ہندوستان میں شاہی ختم ہو کر انگریز حکومت کے ساتھ انگریزی قانون آیا تو ہمارے آبا و اجداد نے کافی جد و جہد کے بعد انگریز سے یہ بات منوالی کہ تمام عدالتوں میں مسلم معاملات مسلم قوانین ہی کی روشنی میں فیصل کئے جائیں گے اور اسکے لئے ملکی قانون میں مسلم معاملات سے متعلق مسلم قوانین درج کئے گئے اور ان کا نام پڑا "مسلم پرسنل لاء"

بعد ازاں ملک آزاد ہونے پر ہمارے قانون سازوں نے ملکی مصالح کے پیش نظر یہ مناسب سمجھا کہ ملکی عدالتوں سے تمام طرح کے پرسنل قوانین نکال دئے جائیں اور انکی جگہ پورے ملک کے لئے ایک قانون نافذ کیا جائے۔ اسی لئے دستور ہند یعنی رہنما اصولوں کے دفعہ ۴۴ میں اسی طرح درج ہوا "جس وقت ممکن اور مناسب ہو پورے ملک میں سب کیلئے ایک قانون بنایا جائے"۔

ہر ذی شعور بخوبی جانتا ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی قوانین کی منسوخی کسی بھی قیمت پر گوارہ نہیں کرسکتے۔ اس لئے دفعہ ۴۴ کا احترام قائم کرنیوالوں نے یہ خوبصورت طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ مسلم پرسنل کی منسوخی کے بجائے اس میں ترمیم کرنے کی بات کہی جائے اور یہ اصول منوالیا جائے کہ اگر کچھ مسلمان مطالبہ کریں (تو حکومت کے حسب خواہش) مسلم پرسنل لا میں ترمیم بھی کی جاسکتی ہے۔ سوچئے کہ اس راستہ کے کھل جانے کے بعد کیا ہوگا؟ یقینی بات ہے کہ ترمیم ہی ترمیم پیدا کرے گی اور نتیجے کے طور پر اصلی سرمایۂ شریعت یعنی قرآن پاک کے عطا کردہ اصول جو ہمارے پاس موجود ہیں وہ خود ہی اپنی اصلی حالت میں نہ رہیں گے اس طرح سے مسلم پرسنل لا میں ترمیم

یا تبدیلی قرآن پاک کے اصولوں کو بدلنے کے مساوی ہوگی اور ترمیم شدہ قوانین کھوکھلے اور بے معنی ہو کر رہ جائینگے اور وہ مذہب جو آج دین فطرت کہلاتا ہے جب ترمیمات اور تبدیلیاں ہو کر اپنی خصوصیت کو کھو دے گا تو یقیناً لوگوں کے لئے ناپسندیدہ اور پریشان کن بن جائے گا اور اس طرح دین اسلام کا وجود خود ہی عدم میں تبدیل ہو جائے گا اور مسلمان دین سے بیزار ہو کر خود ہی آٹھیں گے کہ ہمیں مسلم پرسنل لا نہیں بلکہ "یکساں سول کوڈ" چاہیے ایسی حالت میں دین کیا اور دین کے ماننے والے کون؟

ان حالت کی روشنی میں غور کیجئے کہ کیا کوئی بھی شریعت سے وابستہ مسلمان یہ پسند کرے گا کہ مسلم پرسنل لا میں کسی بھی قسم کی کوئی ترمیم کی جائے۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔

اسے ان مغرب زدہ خواتین کا ذکر تو چھوڑیئے جن کا نام "نو آر" یا "بیگم" پر ہو سکتا ہے لیکن انہیں دین اور اسلام کے ہجے بھی نہیں آتے بلکہ اسکے برعکس ان کی زندگی کا خاص مقصد تو شرعی حدود کو توڑ کر اپٹو ڈانس اور صرف ایڈوانس بننا ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے دین سے کیا غرض؟ انکے لئے تو علامہ اقبال پہلے ہی فرما گئے ہیں

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کر گسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہ بازی"

ایسے لوگوں کی آواز کو لغت دینا کیا معنی! اس کی مثال تو ایسی ہوگی جیسے رعایا کے کچھ دیوانے کہیں کہ فلاں قانون سے ہمیں نفرت ہے اس کو بدل دیا جائے۔ تو کیا حکومت اس کو بدل دے گی؟ نہیں بدلے گی! اسی طرح چند دین سے بے تعلق لوگوں کی آوازیں بھی ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

ہر کام ایک ضابطے کے مطابق ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام حکومتی اصولوں میں بھی ترمیم ایک ضابطے کے مطابق ہوتی ہے۔ مخلوق کے بنائے ہوئے قانون کو تو ضابطے کے فیتے سے ناپا جائے اور خالق کائنات کے قانون یعنی قرآن پاک کے اصول کو چند غیر اہم لوگوں کے کہنے پر بڑی آسانی سے ردو بدل کر دیا جائے اس کو زیادتی نہیں تو کیا کہا جائیگا؟ قرآن پاک میں ایک لفظ تو بڑی بات ہے زیر وزبر کی تبدیلی بھی مسلمان کسی حال میں برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بات مقدم اور موخر ہے۔

ہمارے اللہ میاں سخت نہیں ہیں جہاں انھوں نے قرآن پاک کو ہر زمان و مکان کیلئے رکھا ہے وہیں ایک لچک بھی رکھی ہے اور وہ ہے "اجتہاد" اور اس کا حق ہر شخص کیا معنی ہر مسلمان کو نہیں دیا گیا سوائے مجتہدین وقت کے اب اگر کسی قسم کے اجتہاد کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو مسلمانوں کی اکثریت مجتہدین سے اجتہاد کی درخواست کرے اور وہ آزادانہ طور پر غور کرنے کے بعد کوئی فیصلہ دیں!

ہماری حکومت یہ تو کسی قیمت پر نہیں چاہتی کہ کسی کا کوئی بھی حق مجروح ہو اسلئے اس نے پبلک کو دے گئے ......

(Fundamental Right یعنی بنیادی حقوق میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ اگر کوئی قانون ہمارے کسی بھی حق سے ٹکراتا ہو متصادم ہوتا ہو یا منسوخ کرنا چاہتا ہو تو وہ دستور کی رو سے قطعاً ناجائز ہے اب اس دستور کی رو سے کسی کو بھی یہ حق کب حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہمارے مذہبی معاملات میں دخل اندازی :

ہمیں امید ہے کہ حکومت۔ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے ارادے پر پھر سے غور کریگی اور جو لوگ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی ہونا چاہئے انکو یہ جواب دیگی کہ آپ یہ بات اپنے علماء اور فقہاء سے کہئے اگر قرآن پاک کے بنیادی اصولوں کو ردو بدل نہ کرتے ہوئے کوئی گنجائش نکلتی ہوگی تو وہ فیصلہ کن جواب دینگے ہم اس معاملے میں مجبور ہیں

احتجاجات

بیس اور بیس کا پانچ سو گنا؟

ظہر یار کے قلم سے۔

عنوان کچھ عجیب و غریب، طلسمی قفل ابجد اور گورکھ دھندا سا معلوم ہو رہا ہوگا لیکن واقعہ جس قدر حیرت انگیز اور چونکا دینے والا ہے اس کی ترجمانی کے لئے شاید اس سے زیادہ مناسب عنوان کوئی اور نہ ہو سکے۔

بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم، تبدیلی یا تنسیخ کے فتنہ کا آغاز کرنے والے "ہمدردانِ قوم و ملت" اور ان کے "نعل تابعین" نے اپنے "خوشامدانہ مطالبہ" کو وزن دار اور باوقار بنانے کے لئے لکھنؤ میں نام نہاد مسلم خواتین کا ایک اجتماع بھی کر ڈالا تھا۔ جس میں لے دے کے کل بیس عدد محترماؤں نے شرکت فرمائی تھی جن کا نصف دس ہوتا ہے اور ان میں سے بھی بعض نے بعد میں یہ بیان دے کر کہ انہیں دھوکہ دے کر اس "جلسہ" میں شریک کیا گیا صاف کر دیا کہ ان بیس میں بھی سب کی سب آصف فیضی، حمید دلوائی اور کریم بھائی چھاگلہ وغیرہ کے مسلک و عقیدہ کی حامی و ہمنوا نہ تھیں۔

جواب میں مسلم خواتین کے احتجاجی اجتماعات کا دور شروع ہوا تو بمبئی، حیدرآباد، لکھنؤ، احمدآباد، کانپور اور مالے گاؤں وغیرہ میں بڑے نمائندہ اور شاندار اجتماعات ہوئے۔ لکھنؤ کے اجتماع میں ایک اندازہ کے مطابق تقریباً دس ہزار خواتین نے شرکت فرمائی یعنی بیس کا پانچ سو گنا، دونوں کا فرق صاف ظاہر ہے اب ہم کیا عرض کریں عنوان اسی کی تو غمازی کرتا ہے۔

لکھنؤ کے اس اجتماع کی صدارت کے فرائض محترمہ قیصر بیگم صاحبہ نیازی ... نے انجام دئے اور مجلس استقبالیہ کی صدارت بیگم اصغر حسین صاحب ایڈوکیٹ نے کی۔ ان دونوں بیگمات کے خطبات درج ذیل ہیں۔

خطبۂ استقبالیہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ اجمعین۔

محترم خواتین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اس نشست میں جو ذمہ داری آپ نے بھروسہ کرکے مجھ پر

والی ہے میں اسکے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں میں اپنے آپ کو اس منصب کے لائق خیال نہیں کرتی تھی لیکن اب خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے اس ذمہ داری کو ادا کرنیکی ہمت دے۔

میں لکھنؤ کی مسلمان عورتوں کے اس جلسہ میں صاف کہہ دینا چاہتی ہوں کہ حالات اب ایسا رخ اختیار کر رہے ہیں کہ ہم سب خواتین کو میدان عمل میں آنا پڑے گا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ ہم سب کو ایسی ہمت اور جرأت عطا کرے گا کہ ہم متحد و متفق ہو کر اسلامی قوانین کے خلاف دیئے ہوئے اس چیلنج کا بھرپور جواب دے سکیں خداوند تعالیٰ ہماری آواز کو ساری ملت کی آواز بنا دے۔ آمین

مسلم پرسنل لا کے بدل ڈالنے کی جو تحریک آج کل چل رہی ہے اس کے خلاف بمبئی میں خواتین کا ایک بڑا اجتماع ہوا تھا۔ اس وقت سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ ان ہی مقاصد کے تحت ایسا ہی اجتماع لکھنؤ میں بھی ہو۔ مگر میں اپنے اندر اتنی وسعت نہ پاتی تھی کہ اتنا بڑا کام تنہا انجام دے سکوں لیکن علامہ اقبال کے یہ اشعار آپ نے بارہا پڑھے ہوں گے

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

اس جلسے کیلئے مدد کرنیوالوں کو خدا اُنکے جزائے خیر دے۔ ان کی وجہ سے ہمارا کام آسان ہو گیا مجھے امید ہے کہ آج کے جلسہ کا مقصد آپ کے سامنے واضح ہوگا۔ یہ بات بالکل صاف ہے کہ ہم بہت کچھ برداشت کرتے ہیں۔ مگر دینی معاملات میں یہ کھلی ہوئی مداخلت ہماری برداشت سے باہر ہے اس ملت کی بدنصیبی ہے کہ اسی میں۔۔ کچھ عورتیں اور مرد ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کے دل میں اسلامی شریعت کا کوئی احترام و یقین نہیں ہے۔ انھوں نے اوپر سے اشارہ پاکر مسلم پرسنل لا یعنی مسلمانوں کے شادی بیاہ وراثت اور دوسرے معاملات کے لئے شرعی قوانین کو ختم کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا ہے میرے خیال میں ان کو یہ نہیں معلوم کہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی ابھی ایسی خواتین کی کثیر تعداد موجود ہے جن کو ہر چیز سے بڑھ کر دین عزیز ہے اور وہ آخر دم تک اس غلط فکر کی مخالفت کریں گی میں ان کو آگاہ کرنا چاہتی ہوں کہ تیرہ سو برس پہلے جو قانون کتاب الٰہی میں ہم پر نافذ ہو چکے ہیں ان میں ردو بدل کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے اللہ کا دیا ہوا یہ ضابطہ حیات برحق ہے اس کا ہر قانون اٹل ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے قانون میں مردوں کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی گئی ہے مگر اس کے ساتھ عدل کی کڑی شرط بھی عائد کی گئی ہے کلام پاک میں صاف مذکور ہے کہ اگر تم کو اس کا احتمال ہو کر عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو۔ چنانچہ ہمارے ہاں دو فیصد مرد بھی ایسے نہیں ہیں جن کی دو بیویاں ہوں کتنے مرد ایسے بھی ہیں جو زندگی بھر اولاد کے لئے ترستے رہے مگر دوسری شادی نہ کی۔ کتنے مرد ایسے ہیں جو عمر بھر اپنی دائم المریض بیوی کی تیمارداری اور علاج کرتے رہے مگر دوسرے عقد کا نام تک نہ لیا

ہماری لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے وہ بخوبی جانتی ہیں کہ ان کا ہونیوالا شوہر چار شادیاں تک کر سکتا ہے لیکن وہ ذرا بھی پریشان اور فکرمند نہیں ہوتیں وہ سمجھتی ہیں کہ اگر انھوں نے حق زوجیت کے اچھے ذرائع انجام دیئے تو ان کا شوہر دوسرے عقد کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مسلم

خواتین کو وہ حقوق اور بلندی حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی سے مطمئن اور مسرور ہیں۔ کسی مذہب کی خواتین کو ایسے حقوق حاصل نہیں ہیں۔

اسکے ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ کوئی ایسی صورت ضرور پیدا کی جائے جس سے عورتیں مردوں کے ظلم اور بے جا سلوک سے محفوظ رہ سکیں۔ ذرا ذرا سی نا اتفاقی پر طلاق کی دھمکیاں دینا۔ یا طلاق دے دینا خدا وند کریم کے نزدیک اس سے معیوب کوئی بات نہیں

اللہ تعالیٰ کو مرد اور عورت کے تعلق کی جو صورت پسند ہے وہ یہ کہ دونوں باہم میل ملاپ سے رہیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو بھلے طریقے سے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں مگر ہر حال میں صلح کر لینا بہتر ہے

حدیث میں ہے کہ حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند طلاق ہے۔ تعلقات کے سدھارنے کیلئے اسلامی شریعت نے جو قانون دیئے ہیں۔ ان پر عمل نہ کرنے سے آج ہم ان کی برکتوں سے محروم ہیں۔ اور اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ ہم اسلامی قانون کی موجودہ شکل یعنی شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء ہی کو بدل ڈالنے کی حماقت کریں بلکہ اسی قانون پر مردوں اور عورتوں کو چلنے کیلئے ہر صورت سے آمادہ کریں۔ تب ہی ہر اعتراض کرنے والے کا منہ بند ہو سکے گا

اور انشاء اللہ ایسا دن بھی آئے گا کہ اسلامی سماج کے صاف ستھرے ماحول اور پاکیزہ تعلقات کو دیکھ اور اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے حقوق پر خواتین کو مطمئن اور مسرور پا کر موجودہ ہندوستانی سماج بھی انہیں بابرکت ہدایات کو اپنانے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔

سبحان ربک رب العزت عما یصفون

وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

خطبۂ صدارت

انجمن خواتین برائے تحفظ شریعت کے زیر اہتمام مسلم خواتین کے جلسہ منعقدہ ممتاز دارالبنات بتاریخ میں ۱۹ ر مارچ کا خطبۂ صدارت بدر شہود ی

الحمد وللہ نحمدہ نصلی علی رسولہ الکریم ط

محترم بہنو!

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اتنے اہم مسئلے میں اس نے ہم عورتوں کو بیدار ہونے اور دین کی حفاظت میں کھڑی ہو جانے کا موقع دیا ہے۔ اس پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اسی سے مدد طلب کرنی چاہیئے اور اسی کے بھروسے پر اپنی کامیابی کا یقین رکھنا چاہیئے

اسلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے (یعنی پوری زندگی بسر کرنے کا طریقہ) یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ آج کے دور میں ہم دین کی پیروی کرنے کے بجائے اس کے بہت تھوڑے سے حکموں پر عمل کر رہے ہیں۔ انگریزوں کی غلامی اور مسلمانوں کی اپنی غفلت کی وجہ سے اللہ کا یہ دین آج نہ بازار میں ہے نہ کھیت میں نہ اسکول میں جاری ہے نہ دفتروں میں نہ عدالتوں میں نافذ ہے نہ سرکار میں بلکہ پیچھے ہٹتے ہٹتے اس نے دو جگہوں میں پناہ لی ہے۔ ایک مسجد میں۔ جہاں نماز روزہ دین کے مطابق ہے اور ایک گھر میں جہاں مسلمانوں کی خاندانی زندگی (نکاح طلاق، خلع، وراثت وغیرہ) میں دین کا حکم چل رہا ہے۔

بدقسمتی سے ہماری نئی نسل میں ایسے مرد اور عورتیں پیدا ہو رہی ہیں جو اسلام کو بھی نہیں جانتے یورپ اور امریکہ کی بے حیا اور بے نور زندگی کے رسیا بھی ہیں۔ ہونا تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی پوری طرح سمجھ کر اور اپناتے ہوئے ایسے لوگ اللہ کے پسندیدہ طریقے کو دنیا

میں پھیلانے کا عزم لے کر اٹھتے اور دنیا جو آئے دن کی جنگوں خاندانی نظام کی بربادی، نئی نسل کی بے راہ روی اور بے شمار مصیبتوں کا شکار ہے۔ وہ اس بابرکت طریقے کی طرف لپکتی لیکن افسوس ایسا نہیں ہے اور مسلمان کے سپوتوں کو آج اسلام کے تلکے ٹھکرا دینا پسند آیا ہے۔

لیکن ہم کو پورا یقین ہے کہ مسلمانوں کی پوری ملّت ایسے گم کردہ راہ لوگوں کو اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دے گی اور پوری قوت سے اسلام کی حفاظت کے لئے کمر باندھ لیگی۔

دین کی حفاظت اور شریعت کے تحفظ کے بہت سے پہلو ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ بہنوں کے اس جلسے کی کامیابی یہی ہے کہ ہم کام کرنے کے ان سب میدانوں کو جان لیں اور بھی رُخ سے بھی جو بہن کام کرنا چاہیں وہ اس کا عزم کر لیں

شریعت کے تحفظ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم دین کے اور خاص کر ان احکام سے جن کو مسلم پرسنل لا و شریعت ایکٹ (۱۹۳۷ء) کہا جاتا ہے۔ عام بہنوں کو واقف کرائیں اس معاملے میں سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ مسلمان مرد اور عورتیں اس مسئلے سے واقف نہیں ہیں اس لئے ہر بہکانے والے کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے کہ جو جی چاہے کہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ غیر مسلم مردوں اور عورتوں کو جہاں تک بس ہو اس مسئلے کی صحیح صورت حال بتائی جائے۔ ہندوستان کے عام لوگوں میں مذہبی قانون کا یہ تصور ہے کہ وہ ہمارے پرکھوں اور بزرگوں کے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا آج زمانے کے حالات دیکھ کر ان میں تبدیلی کی جا سکتی ہے بالکل اسی طرح وہ مسلمانوں کے قانون (یعنی قرآن و شریعت کے حکموں) کو سمجھتے ہیں۔ ان کو نہیں معلوم اور یہ بتانا

ہماری ذمہ داری ہے کہ اسلامی شریعت اور مسلم پرسنل لا کی بنیاد قرآن پاک کے صاف احکامات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے پر ہے ان کو تبدیل کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں چاہے ساری دنیا کے مسلمان ہی کیوں نہ چاہیں سورۂ احزاب میں اللہ نے فرمایا "کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے معاملات میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، دوسری جگہ سورۂ نسا میں جہاں رہن سہن اور نکاح وغیرہ کے حکم آئے ہیں۔ صاف فرما دیا گیا ہے "اے نبیؐ تمہارے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم کو اپنے معاملات میں حکم نہ مانیں پھر آپ کے فیصلے کے بعد دل میں کوئی ناگواری تک محسوس نہ کریں بلکہ خوشی خوشی تسلیم کر لیں۔"

دین کے کچھ حکموں (جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کو ماننا۔ اور کچھ سے منہ موڑ لینا، اللہ کی کتاب کو کھیل بنانا اور اس کا انکار کرنے کے برابر ہے۔ خدا تعالیٰ نے خبردار کیا ہے۔

افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض ۚ فما جزاء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الیٰ اشد العذاب

(سورہ بقرہ)

"تو کیا تم اللہ کی کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے سے کفر کرتے ہو؟ جو ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلّت نصیب ہو اور آخرت میں شدید عذاب کی طرف پھیر دئے جائیں۔"

شریعت کے اس تحفظ کا ایک رُخ یہ ہے کہ باہمی تعلقات میں خاندانی معاملات اور نکاح اور طلاق وغیرہ

کے مسئلوں میں وراثت کی تقسیم اور اسی طرح کے دوسرے پہلوؤں میں عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے معاملات شریعت کے بہترین قانون کی روشنی میں سلجھاتے جائیں ظلم اور زیادتی جہاں اور جس شکل میں بھی ہو رہی ہو اسے روکا اور ختم کیا جائے ملت کے ایسے مردوں اور خواتین کی سیکڑوں انجمنیں بنیں جو اسلام کے دیئے ہوئے حقوق کی نگہبان ہوں اور جو بھی ان حقوق سے محروم ہو اسے وہ حق دلوائیں۔

پھر شریعت کے تحفظ ہی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ شرعی قوانین کی تفصیل میں جہاں ان کو برتنے میں دقت پیش آ رہی ہو یا آج کل کے نئے مسائل کے سلسلے میں کسی اصلاح یا تفصیل اور وضاحت کی ضرورت ہو تو اسلامی قوانین کے ماہر علماء سر جوڑ کر بیٹھیں اور شریعت کی رہنمائی کی تفصیل، اور نئے مسئلوں کے حل سے پوری ملت کو آگاہ کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ہر دوسرے کام کی طرح اسکے ماہر اور جاننے والے ہی کر سکتے ہیں اور اسلام کے قانون کی تفصیل اور توضیح کا حق شریعت کے جاننے والے علماء ہی کو پہونچتا ہے کسی عیدو لوائی یا شریفہ حبیب جی کو نہیں۔

یہ مسرت کی بات ہے کہ علماء کی طرف سے خود یہ بات سامنے آئی ہے اور اگلے ماہ میں اس طرح کی مشترکہ کوشش دیوبند میں شروع ہونے جا رہی ہے خدا ان سب کوششوں کا بہتر نتیجہ ہمیں دکھائے کیوں کہ اسی طریقے سے یہ ممکن ہے کہ پوری ملت کو مسئلہ کی اہمیت بھی معلوم ہو جائے اسے آج کے حالات میں شریعت کی رہنمائی بھی مل سکے اور پھر اس پر چلنے کا عزم ہے کر اٹھنے والے مرد اور عورتیں اس سازش کو ختم کرنے میں کامیاب بھی ہو سکیں جس کا اگر آج مقابلہ نہ کیا تو ملت اسلامیہ کے یہ دونوں قلعے (مسجد اور گھر) بھی خدا نخواستہ باقی نہ رہینگے جو اس وقت دین کی پناہ گاہ ہیں میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ ہم عورتوں کو دین کی حفاظت کے اس عظیم کام کے لئے ہمت حوصلہ اور لگن دے اور ہمیں ایسی زندگی سے نوازے جس کی برکتیں اس زندگی سے آخرت تک ہم کو ملتی رہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

قرارداد انجمن خواتین برائے تحفظ شریعت کے زیر اہتمام لکھنؤ کی مسلم خواتین کا یہ جلسہ عام یہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ ہم کو زندگی بسر کرنے کے لئے جو حکم دیا ہے وہ سب سے بہتر حکم ہے اور ان کی پیروی سے نہ صرف مسلمان کی بلکہ تمام بنی نوع انسان کی زندگی سدھر سکتی ہے۔

مسلم پرسنل لا یعنی مسلمانوں کے عائلی معاملات میں شریعت کے احکام میں کسی منسوخی یا تبدیلی کا حق کسی کو حتی کہ خود مسلمانوں کو بھی حاصل نہیں ہے یہ جلسہ عام حکومت کے ہوشمند اور ذمہ دار افراد سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حکومت کے روادارانہ (سیکولر) کردار کو برقرار رکھنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اور کچھ ذمہ داروں کی طرف سے آئے دن مسلم پرسنل لا میں تبدیلی و منسوخی کے جو ارادے ظاہر کئے جاتے رہیں ان کا سدباب کریں تاکہ ملک کے تمام تہذیبی گروہ یکجہتی اور اطمینان کی فضا میں ترقی کر سکیں یہ جلسہ علماء اور ملت کے تمام دوسرے افراد سے درخواست کرتا ہے کہ اسلامی شریعت میں جن تفصیلی وضاحتوں اور اصلاحات کی ضرورت ہے ان کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس طرح ملت کی قابل اطمینان رہنمائی کریں یہ جلسہ ملت سے مطالبہ کرتا ہے کہ عام مسلمانوں میں شریعت اسلامی کے بر خلاف عورتوں پر زیادتی کا جو عام عمل پایا جاتا ہے اس کا سدباب کرنے کا بندوبست کیا جائے اور ملت کی رائے عامہ بیدار کر کے ہر الجھن کو شریعت کی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ مسلم خواتین کا یہ جلسہ پورے عزم کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ مسلم پرسنل لا کو بدلنے یا منسوخ کرنے کی ہر کوشش کا ہر صورت اور ہر میدان میں مقابلہ کیا جائیگا اور گمراہ کردہ افراد کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔

زندگی کے
حسین ترین
اور
یادگار لمحات
کی ساتھی
Family Tea
Family
Tea
CTC
Blue Label
فیملی چائے
سی۔ ٹی۔ سی بلیو لیبل
دارجلنگ کی خالص تازہ پتیوں سے تیار کردہ فرحت بخش چائے
فلاورڈی کمپنی۔ توپ خانہ بازار، کانپور

احتجاجات

الٰہ آباد میں مسلم خواتین کا نمائندہ اجلاس

بیگم ڈاکٹر اشتیاق احمد

الٰہ آباد کی مسلم خواتین کا اجلاس ۱۹ مارچ کو بوقت ۷ بجے شام بعد نماز مغرب بیگم حبیبہ خاتون صاحبہ کی کوٹھی نور اللہ روڈ پر زیر صدارت محترمہ ڈاکٹر شاکرہ کاظمی صاحبہ ایم۔ اے پی ایچ ڈی (تعلیمات) منعقد ہوا۔

منتظمین خواتین ایک ماہ قبل سے اس اجلاس کی تیاریوں میں مشغول رہیں۔ تقریباً شہر کی تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سے انفرادی ملاقاتوں اور رابطوں کی کوشش کی متعدد خواتین سے ٹیلی فون پر رابطہ بھی رکھا اور بلا کسی استثناء کے سبھی حضرات کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب رہیں۔

۵ مارچ ۱۹۸۶ء سے دعوت نامہ تقسیم کرنے کا کام شروع ہوا۔ رفقاء جماعت اسلامی اور دوسرے حضرات نے دعوت نامہ تقسیم کرنے میں تعاون کیا جسکی وجہ سے جلسہ میں تقریباً سات آٹھ سو خواتین نے شرکت کی۔ ان میں بیشتر تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کی تھی۔
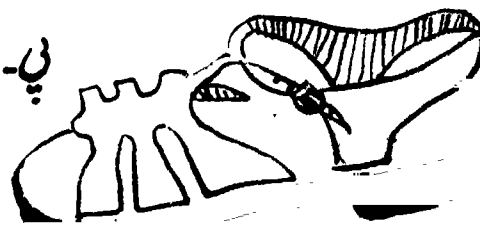
اجلاس ٹھیک ۷ بجے شام تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔ حافظہ وقاری محترمہ محمودہ صاحبہ نے قرأت فرمائی پھر ایک نعت شریف سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ محترمہ بیگم ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحبہ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ پھر حسب ذیل ترتیب سے مقررین خواتین نے اپنے اپنے مخصوص موضوعات پر تقریریں کیں۔

۱۔ محترمہ نور جہاں صاحبہ ایم۔ اے نے "طلاق" پر سیر حاصل بحث کی۔

۲۔ محترمہ قریشہ خاتون صاحبہ ایم۔ اے (اردو معاشیات) ایل۔ ٹی کا موضوع تعداد ازدواج اور پردہ تھا۔

۳۔ محترمہ جویریہ عثمانی صاحبہ ایم اے فارسی۔ ایل ٹی نے وراثت کی عقلی و نقلی دلیلوں سے وضاحت فرمائی۔

۴۔ محترمہ ریحانہ قاسم صاحبہ ایم اے (اردو فارسی) کا موضوع خاص نکاح تھا۔

۵۔ ڈاکٹر شاکرہ کاظمی صاحبہ ایم اے پی ایچ۔ ڈی (ایجوکیشن) نے خطبۂ صدارت پیش کیا اسکے بعد ایک انٹرمیڈیٹ کی طالبہ رخسانہ محمد علی نے لکھی ہوئی تقریر پڑھی۔

۶۔ محترمہ بیگم اکرام الدین صاحبہ ناظمہ حلقۂ خواتین جماعت اسلامی الٰہ آباد نے تمام تقریروں کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ ہماری زندگی کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور اسکے حکم کی اطاعت میں طے ہونے چاہئیں صرف پرسنل لا ہی پر موقوف نہیں بلکہ ہماری زندگی کا سارا قانون کتاب و سنت کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ہم اپنی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ سوسائٹی کی بہنوں سے کیونکہ اس جلسے میں انہیں کی اکثریت ہے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ایک ہو جائیں۔ کہ انہیں مغربی عورتوں اور غیر مسلم معاشرے کی نقالی کرنی ہے۔ یا اسلامی معاشرے کی تعمیر

میں ایک قابل قدر رول ادا کرتا ہے

اس کے بعد یہ تجاویز پیش کی گئیں اور پورے جوش و خروش اور مکمل اتفاق کے ساتھ منظور کی گئیں

تجاویز

مسلم خواتین الہ آباد کا یہ نمائندہ اجلاس درج ذیل باتوں پر یقین کامل کا اظہار کرتا ہے۔ اور دین کی حفاظت اور اپنے فکر و عمل کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا مصمم ارادہ کرتا ہے۔

۱۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو اسلامی زندگی کے تمام ہی شعبوں پر حاوی ہے

۲۔ قرآن کریم اس نظام کے اصولوں کا مجموعہ ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصولوں کی کامل تعبیر و تشریح ہے۔

۳۔ فقہ اسلامی یعنی قانون تفصیلات انہیں اصولوں اور تعبیروں کی روشنی میں ائمہ مجتہدین اور صاحب بصیرت فقہائے اسلام کی کاوشوں کا نتیجہ ہے

۴۔ فقہ اسلامی میں حالات زمانہ کے لحاظ سے ترمیم و تنسیخ کا دروازہ ائمہ مجتہدین اور صاحب بصیرت فقہائے اسلام کیلئے کھلا ہوا ہے اور یہ حق صرف انہیں حضرات کو حاصل ہے۔
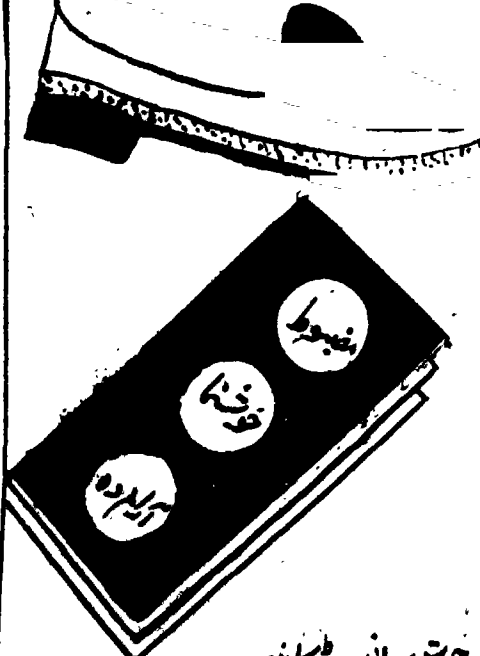
۵۔ مسلم پرسنل لا فقہ اسلامی کا ایک جز ہے جس میں کسی مسلم یا غیر مسلم کو ترمیم کا حق نہیں پہونچتا

۶۔ غیر عالم دین مسلمانوں اور غیر مسلموں کی طرف سے پرسنل لا میں ترمیم کی کوشش کو خواتین کا یہ جلسہ مداخلت فی الدین سمجھتا ہے اور ان کی پرزور ملامت کرتا ہوا غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے

۷۔ یہ جلسہ انہیں بتا دینا چاہتا ہے کہ دستور ہند کی دفعہ ۴۴۔ (یعنی بھارت کے لئے یونیفارم سول کوڈ کی ضرورت) کوئی الٰہی قانون نہیں کہ اس کی خاطر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون میں ترمیم کی جرأت کی جائے۔

۸۔ پرسنل لا کے تمام اجزا نکاح، طلاق، تعداد ازدواج وراثت وغیرہ عین فطرت انسانی کے مطابق اور سائنٹفک ہیں۔ ان میں کوئی جز غیر عقلی اور غیر سائنٹفک نہیں۔

احتجاجات

حیدرآباد کی خواتین کا اجتماع

احمد جاوید

۲۷ر فروری ۱۹۸۶ء کو مشاورتی بورڈ حلقۂ خواتین حیدرآباد کے زیر اہتمام اور محترمہ زیبا عسکری صاحبہ ایم۔اے۔ بی۔ایڈ کے زیر صدارت کمال یار جنگ پیلس میں ملت اسلامیہ حیدرآباد کی محترم اور قابل فخر بیٹیوں کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا جس میں ہزاروں خواتین نے شریک ہو کر مسلم پرسنل لا میں ترمیم، تنسیخ یا تبدیلی کے لئے اٹھنے والی آوازوں کے خلاف زوردار صدائے احتجاج بلند کی۔

اس سے قبل اس مشاورتی بورڈ کی مساعی جمیلہ سے ۲۰ر فروری کو "مسلم پرسنل لا اور مسلم خواتین" کے زیر عنوان ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہو چکی تھی۔ جس میں (؟) انیس صاحب دین و دانش خواتین نے اپنے پرمغز مقالات اور مدلل خیالات کے ذریعہ انتہائی واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتا دیا کہ مسلم خواتین میں سے کوئی بھی قانون شریعت میں تبدیلی کا تصور تک نہیں کر سکتی

۲۷ر فروری ۱۹۸۶ء کو منعقد ہونے والے اجتماع میں اپنا سلیقہ مند خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے محترمہ رحیم النسا بیگم (صدر مشاورتی بورڈ حلقۂ خواتین حیدرآباد) نے فرمایا کہ

خطبۂ استقبالیہ

صدر محترم اور خواتین کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحیثیت صدر مشاورتی بورڈ حلقۂ خواتین میں آج اس اجتماع عام میں آپ سب خواتین کے استقبال کا خوشگوار فریضہ انجام دینے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں فطری طور پر آپ سب کو خوش آمدید کہتے ہوئے مجھے دلی مسرت حاصل ہو رہی ہے لیکن سانحہ ہمارے اس جلسۂ عام کے لئے جو چیز محرک ہوئی ہے اور جس غرض کیلئے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں اس کا احساس مجھے کسی قدر کڑھن میں بھی مبتلا کر رہا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلم گھرانے میں پیدا فرمایا اسی کے نتیجہ میں آج دنیا کی سب سے بڑی نعمت "اسلام" سے ہم سرفراز ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اتفاقاً ایک غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے آج کتنی ہی ہماری بہنیں اور بھائی اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں پھر دوسری طرف ہم پر اللہ کا مزید فضل و احسان یہ بھی ہے کہ اس گئے گذرے دور میں جبکہ چاروں طرف مادہ پرستی خدا بیزاری بلکہ خدا انکاری اور آخرت فراموشی کا دور دورہ ہے ہم کو اپنے دین و ایمان سے سچی لگن حاصل ہے۔ چنانچہ آج کا ہمارا یہ عظیم الشان اجتماع اس حقیقت کی کھلی دلیل ہے۔

جس پس منظر میں آپ سب کو یہاں جمع ہونے کی زحمت

دی گئی ہے اس سے واقفیت ہم سب کیلئے ضروری ہے اخبارات کا پابندی کیا گیا مطالعہ کرنے والی خواتین اس بات سے واقف ہو چکی ہوں گی کہ ان دنوں مسلم پرسنل لا پر جلسوں کی رودادوں، قرار دادوں اور بیانات کے ذریعہ عامتہ المسلمین کی توجہ اس جانب مبذول کرائی جارہی ہے

مشاورتی بورڈ حلقہ خواتین حیدرآباد نے بھی اس ضمن میں گذشتہ اتوار کو اسٹینڈرڈ پبلک اسکول محلہ محلوت پر ایک محفل مذاکرہ منعقد کیا تھا مذاکرہ "مسلم پرسنل لا اور مسلم خواتین" کے زیر عنوان تھا اور اسکے مختلف پہلوؤں پر ہماری پڑھی لکھی بہنوں نے کافی معلوماتی مقالات پڑھے تھے۔ اخبارات کے ذریعہ اسکی مختصر سی روداد بھی آپ جان چکی ہوں گی جو مقالات وہاں پڑھے گئے ان کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ان کو مرتب کیا گیا ہے اور ایک کتابچہ کی شکل میں آپ سب کی خدمت میں انہیں پیش کیا جارہا ہے اس کے مطالعہ سے بھی اور آج کی اس نشست کی کارروائی سے بھی آپ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہوگی کہ جس اہم مسئلہ پر ہمیں یہاں جمع کیا گیا ہے۔ وہ وقت کی ایک اہم پکار ہے اگر مسلم خواتین نے موقع کی اس نزاکت کا صحیح اندازہ لگانے میں کوتاہی برتی اور اسکے تدراک کے لئے مناسب دفاعی واقدامی کارروائی نہیں کی تو پھر بعد کو ہمارے پچھتانے سے نہ وہ زمانہ لوٹ سکتا ہے جو بدل چکا اور نہ وہ حالات جو کروٹ لے چکے۔

میری اس طویل تمہید کی غرض صرف یہی ہے کہ آپ پوری سنجیدگی سے غور کریں اور پوری کارروائی کو صبر وسکون کے ساتھ سنیں، اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ "مسلم پرسنل لا" کیا ہے اس میں کون سے پہلو ہیں جن کو بنیاد بنا کر اور مسلمانوں کی عموماً اور مسلم خواتین کی خصوصاً بہبودی کا لبادہ اوڑھ کر بعض بدنیت لوگ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس مقدس قانون الہٰی کو انسانی قانون کی آمیزش کے ذریعہ ناپاک کیا جائے اور اس طرح قانون سازی کے وہ حقوق مخلوق خدا کو دئے جائیں جسکے وہ کسی طرح اہل نہیں ہیں پچھلی تمام امتوں کے بگاڑ اور الہٰی تعلیمات سے انحراف کی اصل وجہ یہی تھی کہ ان لوگوں نے کہیں نادانی سے اور کہیں ضد اور ہٹ دھرمی سے الہٰی قانون کو فراموش کر دیا یا اس میں رد و بدل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا انسان پر یہ ایک فضل عظیم تھا کہ انسانیت کے اس بھلائے ہوئے سبق کو یاد دلانے اور اس کی گم کردہ راہ کو پھر بتانے کیلئے اس نے اپنے آخری نبی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ وہ مکمل ضابطۂ حیات روانہ فرمایا جو ہر طرح سے مکمل ابدی اور ناقابل ترمیم وتبدیل ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ؕ

ترجمہ۔ "آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کیا۔"

اس دین حنیف کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اب تک اپنے وعدہ کے مطابق انسانی دسترس سے دور رکھا ہے۔ لیکن اب کچھ فکری میدان میں اس بات کی شیطانی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے کہ اس بہترین نظام زندگی کو بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر کئی پہلوؤں سے ناقص وناتمام قرار دے کر اس کی تبدیلی کا جواز پیدا کیا جائے اسی لئے آئے دن ہم آپ اس طرح کی باتیں سنتی رہتی ہیں کہ مسلم پرسنل لا میں ترقی پسند تبدیلیاں لائی جانی چاہئیں اور یہ کہ ان کوششوں کو سراہنا چاہئیے جو اس ضمن میں مسلمانوں کے شعور کو بیدار

کرنے اور ان کی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے کی جاتی ہوں۔۔۔ تاکہ رفتہ رفتہ وہ دور آہی جائے جبکہ مسلم پرسنل لا، پارسی پرسنل لا، عیسائی پرسنل لا اور ہندو قوانین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے اور ہمارے ملک کے دستور کی دفعہ ۴۴ کے مطابق ملک کا سیول کوڈ سب شہریوں کے لئے یکساں ہو جائے۔

یہی مسئلہ کا وہ تشویش ناک پہلو ہے جس نے ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لینے اور کوئی ٹھوس لائحہ عمل تجویز کرنے کیلئے ہم سب کو یہاں جمع کیا ہے۔ یہ مسئلہ صرف اتنا نہیں کہ قانون وراثت یا قانون نکاح و طلاق میں کچھ چھوٹی موٹی تبدیلیاں حالات زمانہ کی رعایت کے پیش نظر کرلی جائیں نہیں! سن لیجئے اور اچھی طرح سن لیجئے کہ یہ مسئلہ ہمارے دین وایمان کا ہے اسکی زد راست طور پر ہمارے اس عقیدہ پر پڑتی ہے کہ قانون سازی کا حق صرف رب کائنات کو حاصل ہے اگر ہم نے فلسفیانہ گفتگوؤں اور منطقی نتائج کے پیش نظر ایک بار اس بات کو تسلیم کرلیا کہ قانون کو نصوص صریح کے علی الرغم بدلا بھی جا سکتا ہے تو پھر آگے چل کر اس پورے قانون کو انسانی قانون کی دسترس سے بچانے کے لئے کوئی طاقت کام نہیں دے سکتی۔ اسی لئے بنیادی طور پر ہم اس بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں کہ یہ مسئلہ عام لوگوں یا حکومتی ذمہ داروں کے حدود کار میں داخل ہے ہم سے اگر کوئی کہتا ہے کہ اپنے معاشرتی قانون، جو مسلم پرسنل لا سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بدلنے کا حق ہمیں دے دو تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہم اپنے اس بنیادی اصول سے انحراف کرلیں کہ مسلمان وہ ہے جو پابند شریعت ہے۔ چنانچہ دیگر مذہبی اقلیتوں کی نسبت پرسنل لا میں تبدیلی کی آواز پر مسلمانوں کے اظہار بے چینی کا یہی راز ہے۔

کچھ زبانیں یوں بول اٹھتی ہیں کہ یہ ایک خالصتاً مسئلہ ہے اور اسکو سیاست سے کیوں ملوث کیا جاتا ہے پھر یہ کہ عین انتخابات سے قبل اسکو کیوں اٹھایا جا رہا ہے اسکے بارے میں مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ گو یہ مسئلہ عام نقطۂ نظر سے مذہبی کہا جاتا ہے لیکن دستور ہند کی دفعہ ۴۴ کی برقراری تک اسکو مذہبی سمجھنا یا باور کرانا ایک حسین فریب ہے۔ مزید برآں حکومت کے ذمہ داران کے بیانات سے جو پریس و پلیٹ فارم سے وقتاً فوقتاً دئے جاتے ہیں اسی بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس مذہبی مسئلہ کو محض مذہبی رکھا نہیں گیا اور ہمارے سیاست داں اپنے ان عزائم سے باز آنے کے لئے تیار نہیں جنکا اظہار وہ اپنی گفتگوؤں اور بیانات میں وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں رہا دوسرا سوال کہ اسکو عین انتخابات سے قبل کیوں اٹھایا جا رہا ہے تو میں کہتی ہوں کہ اس مسئلے کو چھیڑنے والے دراصل وہ نام نہاد مسلمان ہیں جو حکومت کے اشاروں پر مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ لیکر اٹھتے ہیں کس مسلم تنظیم یا فرد نے مسٹر حمید دلوائی اور شریفہ طیب جی صاحبہ سے کہا تھا کہ وہ اس نازک مسئلہ پر ایک کانفرنس بلوائیں اور اس کی ملک گیر تشہیر کریں؟ کس مسلمان فرد نے مسٹر ایچ۔ آر۔ گوکھلے مرکزی وزیر انصاف و قانون سے اس بات کی خواہش کی تھی کہ وہ ان خیالات کو عام کریں جو انھوں نے گذشتہ ماہ دہلی میں "اسلامی قانون اور ہندوستان" کے زیر عنوان ایک سیمینار میں اپنی تقریر کے ذریعہ پیش کئے۔ ان غیر ذمہ دارانہ بیانات اور سازشی کانفرنسوں کے روداروں اور قرار دادوں نے ہندوستان بھر میں مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجوڑا ہے بالخصوص خواتین کو جنکے نام کا سہارا لے کر نفرت و اشتعال پیدا کیا جا رہا ہے اور انکی اور ان کی

خاموشی سے غلط مفہوم لیا جا رہا تھا قابل مبارکباد ہیں حیدرآباد کی خواتین جنھوں نے اس مسئلہ میں برصغیر ہند کی دیگر خواتین کی رہنمائی کی ہیں صاف طور پر کہدوں کہ انتخابات سے اس مسئلہ کو ملوث کرنے میں ہمیں کوئی دلچسپی نہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے عمداً ان خواتین کے تعاون کو حاصل کرنے سے احتراز کیا جن کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ان دنوں ملکی سیاست سے ہے اس طرح گو یا ہمارا کچھ نقصان بھی ہوا ہے لیکن ہم نے نہ چاہا کہ اس خالص دینی مسئلہ کو سیاست کا اکھاڑہ بننے دیا جائے یہاں کچھ اپوزیشن جماعتوں کا اس مسئلہ کا استعمال تو میں کہدوں کہ ہم ان زبانی دعوؤں اور تیقنات سے ہرگز دھوکہ کھانے والے نہیں ہمارے سامنے اس وقت ان تمام لوگوں کے بیانات ہیں جو مسلم پرسنل لا سے اپنے تعلق خاطر کا اظہار کر رہے ہیں آئندہ کے حالات اور تاریخ ہی بتلا دے گی کہ وہ اپنے قول و قرار کے کس حد تک سچے تھے۔

آخر میں مشاورتی بورڈ حلقہ خواتین حیدرآباد کی جانب سے میں اس امر کا اعلان کر دوں کہ اس مسئلہ کو ہم صرف وقتی طور سے لیکر آگے بڑھنے پر اکتفا نہیں کرینگے ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہی نہ ہوگا کہ مسلم پرسنل میں خدا را کوئی تبدیلی نہ کی جائے بلکہ ہمارا مطالبہ یہ ہوگا کہ ہماری خاموشی یا آپسی انتشار کی وجہ اب تک جو قوانین ملک میں رائج ہیں جو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی پر راست طور پر اثر ڈالتے ہوں ان میں فوری طور پر مناسب تبدیلی کی جائے مثلاً یہ کہ ملک کے مروجہ اسپیشل میرج ایکٹ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ قانون انفساخ نکاح وغیرہ میں جو امور شرعی قانون کے مغائر ہیں انکو حذف کردیا جائے۔ دستور کی دفعہ ۴۴ کو فوری منسوخ کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اپنے اس خطبہ کو ختم کرنے سے قبل پھر ایک بار آپ سب خواتین کو دلی جذبہ سے خوش آمدید کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ بار الٰہا تو ہمارے ان ناتواں ہاتھوں میں اتنی توانائی عطا فرما کہ تیرے دین پر نظر بد ڈالنے والوں کے عزائم کو ہم اپنے ان ہاتھوں سے خاک میں ملا دیں دین کے تحفظ کی ہر علمی و عملی صورت کو ہم پر آشکارہ فرما دے اور ہم سب کو توفیق عطا فرما کہ ہم متفق ہو کر اپنے ازلی و ابدی دشمن شیطان اور اسکی ذریت کا پوری جرأت کے ساتھ مقابلہ کریں (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خطبۂ صدارت

خطبۂ استقبالیہ کے بعد محترمہ زیبا عسکری صاحبہ نے اپنا درج ذیل پُرسوز اور بصیرت افروز خطبہ پیش فرمایا۔

محترم بہنو!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

آج اس جلسہ کی صدارت جو ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے اسکے لئے میں بانیان جلسہ کی نہایت مشکور ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ہرگز اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتی مگر بعض بزرگوں کے پرخلوص اصرار پر اپنی نااہلیوں کے باوجود میں نے یہ ذمہ داری قبول کرلی۔ وَمِنَ اللّٰہِ التَّوْفِیْقُ ۝

آج کا یہ دن محرم الحرام کا ایک مبارک دن حیدرآباد کی تاریخ میں یقیناً ایک یادگار دن ہوگا۔ نہیں میں کہتی ہوں، ہندوستان کی تاریخ میں اس دن کو ایک اہم حیثیت حاصل ہوگی ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ کل کا گذرنے والا یوم عاشورہ تاریخ اسلام کا ایک یادگار دن بن چکا ہے۔ دنیا ۱۰ محرم الحرام کو اس حیثیت سے جانتی ہے کہ یہی وہ دن تھا جبکہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مایہ ناز سپوت نے دین الٰہی کے تحفظ کی خاطر اور خلافت کو ملوکیت میں بدلنے سے روکنے کے لئے اپنی اور اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کی بیدار

کربلا میں قربانی پیش فرمائی

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ اسی مبارک مہینہ میں جو ہر سال ہمیں اس بات کی یاد دہانی کرتا ہے کہ اسلام کو ایسے ہی جانثاروں کی ضرورت ہے جو اپنی جانوں کو قربان کرنا گوارا کرلیں لیکن اسلامی اقدار و احکام کی تبدیلی کو کبھی برداشت نہ کریں، ہم سب اس غرض کے لئے یہاں جمع ہوئی ہیں کہ ہمارے عزیز ترین دین پر ڈاکے اور رخنے ڈالنے کی جو ناپاک کوششیں کچھ حسین اور پُر فریب نعروں کی آڑ میں ہو رہی ہیں ان کو ہم ہرگز بار آور نہ ہونے دینگے۔ ہمارا یہ عظیم الشان اجتماع اپنی زبان حال سے اسی گواہی کو دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ اپنے دین کے تحفظ میں عورت مرد سے کبھی پیچھے نہیں رہی ہے وہ صنف نازک ضرور ہے لیکن اسلام کے قلعہ پر جب حملے ہونے لگے تو سینہ سپر ہونے میں کبھی پیچھے نہیں رہی ہے

خواتین محترم! یہ جلسہ مسلم پرسنل لا کی وضاحت اور اس کی حفاظت کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے منعقد کیا گیا ہے اس کی نوعیت اس چیلنج کے جواب کی سی ہے جو ہماری بعض بہنوں نے شریعت ایکٹ میں بیانات دلوا کر عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ "مسلم خواتین شرعی قوانین سے تنگ آگئی ہیں اسلئے وہ ان کو ختم کرنا چاہتی ہیں یا حسب مرضی ترمیم چاہتی ہیں" لیکن جہاں تک عام مسلم خواتین کا تعلق ہے اس دور میں بھی اللہ کا دین اور شریعت ان کو جان سے زیادہ عزیز ہے اور کسی قیمت پر بھی وہ ان میں ترمیم کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف مسز حمید دلوائی، شریفہ طیب جی اور ان کے مٹھی بھر ساتھی ہیں اور دوسری طرف کروڑوں مسلم خواتین

بہنو! وقت کا تقاضا ہے کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اب مزید غفلت یا خاموشی کا وقت نہیں رہا

شرعی قوانین کی حفاظت کی ذمہ داری جسقدر مردوں پر ہے اس سے بڑھکر عورتوں پر عائد ہوتی ہے آج ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ اگر شریعت کے ایک جزو کو بھی کوئی ختم کرنا چاہے تو ہم سب ان شاء اللہ سینہ سپر ہو جائینگے۔ یہ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ ہماری جان کا مسئلہ ہے۔ ہمارے ایمان کا مسئلہ ہے یہ وہ موقع ہے کہ تمام مسلم طبقات کی طرف سے اجتماعی طور پر صدائے احتجاج بلند کی جائے

عزیز بہنو! آئیے اب ذرا غور کریں کہ مسلم پرسنل لا آخر ہے کیا! یہ تو ہم مانتے ہیں کہ اسلام ہماری زندگی کے لئے رہنما ہے اور اسلام کے معنی فرمانبرداری کے ہیں اسی لئے ضروری ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات خدائی ضابطوں کے تحت انجام دئے جائیں

جب تک حکومت مسلمانوں کے ہاتھ رہی قرآن و سنت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہی ملکی قوانین نافذ تھے لیکن شامت اعمال سے جب اقتدار ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور انگریزوں کی غلامی کا طوق ہمارے گلے میں پڑ گیا تو انھوں نے تمام قوانین بدل ڈالے اور صرف وہ قوانین اسلامی شریعت کے مطابق باقی رہ گئے جن کا تعلق شخصی زندگی سے تھا یعنی نکاح طلاق اور میراث وغیرہ اس قانون کو انھوں نے ..... مسلم پرسنل لا یا محمڈن لا کا نام دیا اور اس کا تعلق مسلمانوں کی خالص شخصی زندگی سے رکھا گیا لیکن جب ملک غلامی سے آزاد ہوا تو اسلامی شریعت کے اس حصے کو بھی ختم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے جس چیز کا نام پرسنل لا ہے اسکے بارے میں معلومات حاصل کرنا بیحد ضروری ہے اور اس جلسہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ ہماری بہنیں اسکو اچھی طرح سمجھ لیں۔

خواتین محترم! اس دنیا میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہر دائی

جو انسان پر مسلط کی جاتی ہے وہ اولاً بھلائی کی شکل میں سامنے آجاتی ہے اور اس کو نیکی کا لباس پہنا کر پیش کیا جاتا ہے مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں بھی یہی ہو رہا ہے کہ اس میں ترمیم کو بھلائی اور خیر بتایا جا رہا ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ ہماری ناواقف بہنیں کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ زمانے میں شادی اور طلاق کے جو ضابطے ہیں وہ فرسودہ اور ناکارہ ہیں۔ لہٰذا اب ایک سے زیادہ شادی کرنے پر پابندی لگنی چاہیئے۔ طلاق اور میراث کے مسائل میں بھی ضرورتاً ترمیم ہونی چاہیئے۔ یہ ہیں ان لوگوں کے خیالات جو مسلم پرسنل لا میں ترمیم چاہتے ہیں اور وہ اس ترمیم میں مسلمان عورت کی عزت و راحت سمجھتے ہیں۔

بہنو! ہم کو نہایت ہی ٹھنڈے دل سے عورت کی سماجی تاریخ پر غور کرنا چاہیئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ رومیوں اور یونانیوں نے عورت کو کمزور درجہ دے رکھا تھا۔ لیکن اسلام نے عورت کو اس کمزور درجہ سے نکال کر اعلیٰ درجہ پر فائز کیا۔

سورۂ بقر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "عورتوں کے لئے" بھی ویسے حقوق ہیں۔ جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے"۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہتر ہو" یعنی بہتر سلوک کرے اسلام نے عورت کو ماں کا درجہ دیا تو جنت اسکے قدموں تلے رکھدی۔ بیوی بنایا تو فرمایا کہ خیارکم خیارکم باھلہ۔ بیوی اور بیٹی کو میراث میں بھی حصہ دلایا۔ حالانکہ اسی عرب میں عورت ایک کمتر حیثیت رکھتی تھی وہ مال و اسباب کی طرح خریدی اور بیچی جاتی تھی یہاں تک کہ بعض قبیلے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔

عزیز بہنو! انصاف شرط ہے عرض مطلب بات یہ ہے کہ اگر اسلام نہ آیا ہوتا تو نہیں معلوم آج عورت کا دنیا میں کیا مقام ہوتا اب ہم ذرا ان امور پر روشنی ڈالتے ہیں جو گمراہ گردہ کا نشانہ بنے ہوئے ہیں سب سے پہلے ایک سے زیادہ شادی کا مسئلہ ہے۔ میں یہ واضح کرنا چاہتی ہوں کہ اسلام میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ صرف اجازت ہے اور یہی اجازت بھی شریعت نے چند شرائط کے تحت دی ہے۔ عدل و انصاف اور مساوی سلوک کی ایسی پابندیاں ہیں کہ عموماً بہت کم لوگ اس کی جرأت کرتے ہیں۔ اور اسی لئے ایسے مردوں کا تناسب بہت ہی کم ہے۔ جو دوسری شادی کرنیوالوں کی فہرست میں آتے ہیں۔ اس اجازت میں ایک خاص حکمت و مصلحت بھی ہے۔ بیوی کی بعض نسوانی بیماریوں یا دیگر سماجی یا جسمانی ضروریات کے تحت بعض اوقات مرد مجبور ہو جاتا ہے کہ دوسری شادی کرلے۔ لغزشوں سے بچنے کیلئے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے مطابق دوسری شادی کرتا ہے اور پاکیزہ سماج کو گندہ کرنے کی بجائے ایک پاکیزہ ماحول بناتا ہے درحقیقت یہ ایک صالح کوشش ہے ورنہ کیا کوئی بیوی یہ گوارہ کر سکتی ہے کہ بیوی تو ایک رہے اور مرد اپنی ضرورت کے لئے ناجائز راہیں اختیار کرلے عورت کی زندگی میں بعض مواقع ایسے آتے ہیں کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرنے سے قابل نہیں رہتی۔ ایسی حالت میں مرد اپنی پاکدامنی کی حفاظت کے لئے دوسری شادی نہ کرے تو اور کیا کرے۔ ایک مسلمان عورت کا دل ضرور اس پر شاکر و صابر رہے گا کہ زندگی پاک ہے۔ یہ پہلو بھی اس کو اطمنان بخشے گا کہ

جو کچھ ہوا ہے۔ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شادی کی اجازت لامحدود جنسی بے راہ روی کو روکنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس میں معاشی مشکلات کے حل کا ایک پہلو بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اب طلاق کے مسئلے کو لیجئے یہ ایک نہایت نازک مسئلہ ہے۔ شادی اسلامی نقطۂ نظر سے ایک نہایت ذمہ دارانہ پاکیزہ معاہدہ ہے۔ اس معاہدہ کو توڑنا کھیل نہیں ہے۔ آخری سانس تک کا عہد و پیماں ہے تاہم انسانی فطرت نشیب و فراز کی حامل ہوتی ہے کبھی کبھار زندگی میں ایسی منزل بھی آتی ہے کہ اس معاہدہ پر نظر ثانی کرنا پڑتی ہے چنانچہ شریعت اس بارے میں نہایت احتیاط اور غور و فکر کی ہدایت دیتی ہے۔ اسی لئے حکم ہے کہ پہلے ایک طلاق دی جائے تاکہ دونوں کو اچھی طرح غور و فکر کا موقع مل جائے اس غور و فکر کے بعد بھی اگر ضروری سمجھا جائے۔ تب کہیں دوسرے ماہ دوسری طلاق دی جائے تاکہ مزید غور و فکر کا موقع ملے اور دونوں اس کے نتائج و اثرات پر خوب غور و فکر کریں۔ غور و فکر کی دو منزلوں کے بعد بھی یکجائی کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو تیسرے ماہ میں آخری طلاق دی جائے۔ طلاق کے ساتھ ہی مہر موجل کی ادائی بھی فوری ضروری ہے تاکہ عورت کو کسی فوری معاشی دشواری کا سامنا نہ کرنے پڑے اور وہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے کوئی مناسب راہ تلاش کرنے تک معاشی مشکلات میں گرفتار نہ ہو۔

گو یا یہ صحیح ہے کہ طلاق کا یہ حق مردوں کو دیا گیا ہے لیکن میں واضح کردوں کہ بعض حالات میں یہ حق عورت کو بھی دیا گیا ہے جو اصطلاحاً "خلع" کہلاتا ہے۔ مثلاً شوہر بیوی پر بے بنیاد الزام لگائے، شوہر دو سال تک مسلسل بیوی کے جملہ اخراجات نہ اٹھائے۔ شوہر کا رویہ بیوی کے ساتھ ظالمانہ ہو شوہر بیویوں کے درمیان انصاف و مساوات قائم نہ رکھتا ہو۔ عورت کی شادی نابالغی میں اس کے والد یا سرپرست نے کردی ہو۔ یہ اور اس طرح کی چند صورتیں ہیں جب کہ بیوی قانوناً شوہر سے خلع یعنی طلاق لینے کی مجاز ہے۔

اس سلسلہ میں میراث کے مسائل پر بھی اعتراضات کئے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ بیوی کو برابر کا حصہ نہیں ملتا۔ مگر اس مسئلہ میں شریعت کی نگاہ دور رس ہے۔ بعض اوقات عورت کو بحیثیت مجموعی مرد سے زیادہ حصہ اور روپیہ ملتا ہے۔ غور فرمائیے ایک عورت نے بیٹی کی حیثیت سے اپنے باپ کا ترکہ پایا بوقت عقد زر مہر کی مالک بنی پھر بیوی کی حیثیت سے شوہر کی جائداد کا ایک حصہ بھی اسکے قبضہ میں آیا۔ اس طرح عورت مجموعی طور پر زیادہ نفع میں رہی بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ عورت پر کمانے اور پرورش کرنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس طرح اسکو حاصل شدہ مال یا روپیہ اسکے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔

بہر حال نکاح، طلاق، خلع اور میراث کے مسائل اس قدر تفصیل کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں کہ کوئی ان کو پڑھے اور انصاف سے غور کرے تو ہرگز عورت کی کمتری یا محرومی کا کوئی تصور اسکے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا

محترم خواتین! آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ بعض ترقی پسند ہستیوں کو ایک فرضی بنیاد پر پرسنل لا میں ترمیم کا خیال پیدا ہوگیا ہے۔ مردوں کے نا دیبا سلوک کی ان کو بہت شکایت ہے لیکن یہاں حقائق و مسائل سے بحث ہے اگر چند مرد اپنے فرائض میں کوتاہی کریں یا بدسلوکی بھی کریں تو اس سے قانون پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ وہ شرعی

داد گیر سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ معاشرہ میں چور، رہزن، قاتل ہر قسم کے لوگ ہیں۔ کیا اس کا الزام قانون کے سر تھوپا جاتا ہے؟ چند غیر ذمہ دار مسلمانوں کی بے عملی یا چند مردوں کی بد سلوکی کا الزام اسلامی قانون پر لگانا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

بہنو! تمام مسائل کا تفصیل سے بیان کرنا مشکل ہے اس لئے میں نے مختصر طور سے چند باتیں عرض کر دی ہیں اور اب یہ یاد دلانا چاہتی ہوں کہ اسلام کوئی نوزائیدہ مذہب نہیں ہے۔ چودہ سو برس ہو گئے ہیں۔ دوستوں، دشمنوں سب نے اس کی تعلیمات کو کس کس کر دیکھا ہے اسلام کی ایک تاریخ ہے۔ وہ تاریخ اس کا عملی نمونہ ہے جس زمانہ میں ہم قوانین اسلام پر مکمل عمل کرتے تھے۔ اس کا فائدہ اور لذت دونوں ہم کو حاصل تھے۔ آج ساری دنیا خدا سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں ایک عام مرکزی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ایک تشنگی ہے جو سکون و عزت کی متلاشی ہے تہذیب جدید کی چمک اور نمائشی دلکشی ان کو جھوٹا آئینہ دکھاتی ہے۔ زندگی کے سنجیدہ اور سود مند پہلو نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں ایک اضطراب ہے اور تلاشِ سکون میں سب کے سب سرگرداں ہیں۔ اسلامی شادی تو کجا اندیشہ ہے کہ لوگ شادی ہی سے بیزار ہو جائیں گے۔ یہ ہپّی ازم اور ہپّی ازم خطرناک مستقبل کی نشاندہی کر رہے ہیں میں دوسروں سے پہلے مسلم عورتوں سے یہ کہتی ہوں کہ تمہاری عزت اور تمہارا سکون صرف اسلام میں ہے چنانچہ جب تک تم اسلام ... رہیں۔ اس سکون سے مستفید ہوتی رہیں۔ لیکن ... چھوڑ دیا بے یقینی اور اضطراب کی

بہنو! ایک بار پھر عمل پر متوجہ ہو جاؤ یقین اور ایمان کی کی مضبوطی کے ساتھ جب عمل ہوگا تو زندگی کا حقیقی سکون بھی مل جائے گا۔ کسی زمانہ میں مسلمان میاں بیوی "سونا" نہیں "کسوٹی" سمجھے جاتے تھے۔ اس کے معیار پر دوسروں کو جانچا جاتا تھا۔ جب تمہارے پاس ہر مرض کی دوا ہے، ہر اضطراب کا سکون ہے تو ادھر ادھر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے خرابی قانون میں نہیں خرابی دراصل ہمارے عمل میں ہے اس کو دور کرنا چاہیئے۔

ایک بات اور بھی عرض کرنی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر حکومت اس سلسلہ میں کیوں پریشان ہے؟ کسی بھی حکومت کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ کسی مذہبی اقلیت کا پرسنل لا ایسا نہ ہو جو حکومت کے ملکی و انتظامی معاملات میں دخل دے بس یہی ایک بنیادی بات ہو سکتی ہے جب تک کسی جماعت کا پرسنل لا حکومت کے کسی قانون سے ٹکراتا نہ ہو حکومت کو خواہ مخواہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کہ اس میں مداخلت کی حاجت پیش آئے۔ ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے یہاں کئی مذاہب ہیں کئی تہذیبیں ہیں۔ اس ملک میں غیر مذہبی (سیکولر) پالیسی کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہر مذہب کو، ہر فرقہ کو، ہر اکائی کو قدرتی اور دستوری طور پر بقا اور ترقی کا حق دیا جائے۔ ورنہ غیر مذہبی پالیسی کا تصور ہی فنا ہو جائے گا۔ چمن میں سارے پھول ایک ہی رنگ کے ہوں تو چمن خوبصورت دکھائی نہیں دیتا۔ چمن کی دلکشی اور حسن تو رنگا رنگ پھولوں سے ہوتا ہے۔

استاد ذوق نے یہ حقیقت شاعرانہ انداز میں یوں بیان کی ہے کہتے ہیں۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

معزز خواتین! مسئلہ اہم ہے اس میں سماجی کارکنوں مجالس قانون ساز کے اراکین اور خاص طور پر علماء کو آگے بڑھنا ہے

خواتین کو بھی چاہیئے کہ اپنی بساط کے مطابق اپنا حصہ ادا کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم میں اس کا احساس پیدا ہوگیا ہے کہ عزم وعمل ہے تو کامیابی یقینی ہے۔ اس موقع پر یہ اپیل بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ آپ ان شرعی مسائل کا تفصیلی مطالعہ کریں اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں ان تعلیمات کی روح کو پھیلائیں۔ تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں اور اسلام سے صالح معاشرہ کا تصور خوب پھیل جائے پھر تو کسی کو زعم کی جرأت بھی نہ ہوگی۔

اور دوسری جانب ہمیں چاہیئے کہ ہماری غیر مسلم بہنوں سے ربط پیدا کر کے مسئلہ کی اصل نوعیت و حقیقت سے انہیں واقف کرائیں اور ہماری اس مہم میں ان کا تعاون حاصل کر کے حکومت پر یہ باور کرا دیں کہ مسلم پرسنل لا جیسے نازک مسئلہ میں اپنے آپ کو الجھا کر اپنے لئے نئے مسائل کا اضافہ نہ کرلے۔

میں آخر میں اپنے اس اعلان اپنی تقریر ختم کرتی ہوں کہ ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مضمون نگاروں سے

ناقابل اشاعت مضامین صرف اس وقت صاحب مضمون کو واپس بھیجے جائیں گے جبکہ اسکے ساتھ واپسی ٹکٹ بھی موجود ہو۔ بصورت دیگر انہیں ضائع کر دیا جائے گا۔ (اڈیٹر)

احتجاجات

احمد آباد کی اسلام پسند خواتین کا یادگار جلسہ

مرتب: قاضی محمد یونس ڈبائیوی

احمد آباد میں ۲۴ مارچ کو بوقت دوپہر ۳ بجے بوابر ہال دریاپور میں مسلم خواتین کا مسلم پرسنل لا میں مداخلت کے خلاف ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا۔ جسکی صدارت محترمہ سعیدہ بیگم قادری صاحبہ (ایم اے اردو و انگلش) نے کی۔ محترمہ یاسمین صاحبہ نے ناظمہ کی حیثیت سے خطبۂ استقبالیہ دیا ان کے علاوہ پانچ معزز خواتین نے پرمغز تقاریر کیں۔

خطبۂ صدارت

محترمہ سعیدہ بیگم قادری صاحبہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا کہ نام نہاد ترقی پسندوں نے اس بات کو کہ "مسلم سماج میں عورت لونڈی اور باندی جیسی زندگی بسر کر رہی ہے" ٹیپ کا مصرعہ بنا لیا ہے حالانکہ یہ سراسر الزام ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے قبل عورتیں ضرور لونڈی اور باندی کی طرح زندگی بسر کرتی تھیں مرد اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے مولانا حالیؒ نے اپنی مسدس میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے

> جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
> تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
> پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
> کہیں گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
> وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
> جیسے سانپ جیسے کوئی جننے والی

لیکن جب اسلام آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

> وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
> مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
> اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
> اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
> عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
> پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

اسلام کے آنے کے بعد عورت کو صحیح آزادی نصیب ہوئی

اسلام کے عائلی قانون نکاح پر روشنی ڈالتے ہوئے محترمہ موصوفہ نے کہا کہ اسلام میں نکاح ایک معاہدہ ہی نہیں بلکہ اس کو عبادت کا درجہ حاصل ہے اور یہ عبادت کبھی ختم نہیں ہو سکتی

آپ نے ترقی پسندوں کے اس الزام کا کہ اسلام میں صرف مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے عورت کو نہیں۔ جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ عورت کی نفسیات کے سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہے عورتیں نازک مزاج ہوتی ہیں ضبط و تحمل کا مادہ ان میں کم ہوتا ہے۔ اگر عورتوں کو بھی طلاق ... کا حق دے

دیا جائے تو سماجی زندگی میں بڑی ابتری پھیل جائے۔ ہم آئے دن ترقی پسند ممالک میں طلاق کے اعداد و شمار اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کو اس لیے طلاق دی کہ وہ سوتے میں خراٹے لیتا تھا اور ایک عورت نے اپنے شوہر سے اس لیے چھٹکارا پایا کہ اس کے منہ سے بدبو آتی تھی یا اس میں وہ عادتیں تھیں جو عورت کو پسند نہ تھیں۔

آپ نے کہا کہ ہم کو نہ یورپ کی اندھی تقلید کرنی ہے اور نہ ہم اس تہذیب سے متاثر ہوں گے اگر لوگ تعصب کی عینک اتار کر اسلام کے عائلی قوانین کا مطالعہ کریں تو ضرور دیکھیں گے کہ یہ قوانین صرف خاندانی زندگی کو ہی متاثر نہیں کرتے بلکہ سماج اور معاشرے پر ان کے بڑے دور رس اثرات پڑتے ہیں۔

آپ نے کہا کہ مسلم سماج میں طلاق وغیرہ کے سلسلہ میں جو ابتری پائی جاتی ہے اس کی وجہ اسلام کے عائلی قوانین کی کمزوری نہیں بلکہ مسلمانوں کی جہالت ہے ان کی اسلام سے ناواقفیت اور ان کا ایمان سے تعلق کا کم ہو جانا ہے اس کا علاج یہ نہیں کہ پرسنل لا کو بدل دیا جائے بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا کیا جائے ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کی جائے

مسلم ممالک میں اسلامی قوانین میں تبدیلی کی جو مثالیں ہم کو سنائی جاتی ہیں وہ ہمارے لیے سند نہیں ہمارا ایمان اسلامی شریعت پر ہے مسلم ممالک کے ہم مقلد نہیں ہیں۔

خطبۂ استقبالیہ

مس یاسمین مومن صاحبہ نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں کہا کہ اس حاضری کے سلسلہ میں آپ سب لوگ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ہم سب یہاں ایک چیلنج کا جواب دینے کے لیے جمع ہوئی ہیں جو قومی یکجہتی سیکولرازم اور آزادیٔ نسواں کے نام سے پکارا جا رہا ہے اس بار پھر عورتوں کی آزادی کے نام سے ایک مہم شروع کی گئی ہے کہ مسلم پرسنل لا کو بدل کر تمام شہریوں پر یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے تاکہ آہستہ آہستہ مسلمانوں پر سے اسلام کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا جائے اور پھر ان کو جدھر چاہیں ہانک دیا جائے اس مہم کی ایک کڑی وہ کانفرنس تھی جو مسلم ستیہ شودھک منڈل کے زیر اہتمام پونا میں منعقد کی گئی اس کانفرنس میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

اس کانفرنس سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو کیوں کہ یہ کانفرنس خالص مسلم خواتین کی نہیں تھی اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے جماعت اسلامی احمدآباد نے اسلام پسند ہوش مند خواتین کو جمع کیا ہے تاکہ حکومت اور نام نہاد ترقی پسندوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مسلم خواتین کی اکثریت کیا چاہتی ہے

اس سلسلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ ہم اسلامی شریعت کو اپنے ایمان کا اہم جز سمجھتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے کہ مسلم سماج میں عورت غلام ہے بلکہ اسلام نے چودہ سو سال قبل عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں وہ آج بھی دنیا کے بہت سے ممالک میں عورتوں کو میسر نہیں ہیں۔

ہم اس آزادی کی حامی ہیں جو اسلام نے ہم کو دی ہے اور جو دنیا کے لیے ایک نمونہ ہے آپ نے کہا کہ ہمیں بتایا جائے شریعت اسلامی میں مداخلت یا تبدیلی اور بلراج مدھوک کے "مسلمانوں کا بھارتیہ کرن" کے نعرے میں کیا فرق ہے صرف اتنا کہ ایک کھلم کھلا بیان کر رہا ہے اور دوسرا پردوں اور سازشوں کے روپ میں۔

خواتین کا امتحان

خطبۂ استقبالیہ کے بعد محترمہ چاند بی بی شیخ صاحبہ ایم اے اسٹیج پر آئیں۔ انھوں نے عورتوں کے جم غفیر کو دیکھ کر جذبات سے بھری آواز میں کہا۔

اے مسلمان عورتو! اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ آج پھر ایک گروپ یہ چاہتا ہے کہ ہم اللہ کے احکام سے منہ موڑ لیں اور اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ دیں۔

میری عزیز بہنو! یہ تمہارے امتحان کا وقت ہے بتا دو یہ تمہاری ریڑھ کی ہڈی ہے اور ہم اس کی حفاظت نہ کر کے اپنے پورے جسم کو معطل کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اس وقت ہر طرف سے یورش کی زد میں ہیں یہاں تک کہ ہم میں سے ہی بہت سے لوگ مخالفوں کی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں اور مخالفین انکے کندھے پر بندوق رکھ کر ہمیں نشانہ بنا رہے ہیں ہم بہادری سے اپنوں اور غیروں کا مقابلہ کریں گے۔ یہاں تک کہ جان دیدیں گے۔ لیکن اس رسّی کو چھوڑنے والے نہیں جو احکام شریعت کی صورت میں ہمارے خدا نے ہم کو دی ہے۔

بہنو! ضرورت ہے کہ ہم ایمان کی قوت پیدا کریں اور یہ وقت کی سب سے بڑی پکار ہے۔ ہم علم دین سے بیگانہ ہو گئے ہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ اسلام ہمیں ورثہ میں ملا ہے ہم نے اس کو پا کر کبھی اسے پانے کی کوشش نہیں کی ہے بالکل اس بے وقوف آدمی کی طرح جو ورثہ میں ملے ہوئے سرمایہ کو فضول خرچی میں ضائع کر دیتا ہے۔ پھر سر پکڑ کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے

آپ نے ترقی پسندوں کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ الزامات ہیں یا ہم سے مذاق کیا جا رہا ہے اس وقت ۴ ہزار کے قریب عورتیں ہیں کیا یہ بتا سکتی ہیں جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمان عورتوں پر طلاق کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ کیا الزام صحیح ہے؟ ہرگز نہیں، یہ الزام بے جا الزام ہے شاید یہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ نے طلاق کو سخت ناپسند فرمایا ہے اور صرف مجبوری کی صورت میں اس کی اجازت دی ہے

اب سوال آتا ہے کہ کیا ایک مسلمان چار بیویاں رکھ سکتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے ایسے وقت میں جب کہ ملک کے تیل پر بھی ٹیکس ہے کیا ایک مرد چار بیویوں کی کفالت کر سکتا ہے اسلام نے چار بیویوں کی اجازت دی ہے لیکن اس پر شرائط کا ایک چارٹ بھی منسلک ہے شرائط کے ساتھ اجازت دینا کوئی آزادی نہیں۔ ہے اگر کوئی آدمی شرائط پوری کر کے چار بیویاں رکھتا ہے تو یہ سماج کے لئے نعمت ہے نہ کہ لعنت آپ نے بتایا کہ ہر صوبے کی ودھان سبھا اپنا الگ ایک قانون رکھتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرے صوبوں کے قانون غلط اور برے ہیں ایک صوبے سے دوسرے صوبہ کا رہن سہن الگ ہے اس میں بسنے والوں کا طریقہ جدا جدا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان اپنا ایک الگ قانون نہیں رکھ سکتے۔

ہوشیار خبردار

آپ کے فوراً بعد مسز اقبال انصار صدیقی صاحبہ تشریف لائیں۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد کہا کہ اسلامی شریعت میں ہمیں جو حقوق دیئے گئے ہیں اس پر عمل درآمد میں جو جھول نظر آتا ہے اس کی وجہ اسلامی شریعت نہیں ہماری جہالت ہے اسی جہالت اور غفلت نے حمید دلوائی جیسے لوگوں کو موقع دیا ہے کہ وہ غیروں کی ہاں میں ہاں ملائیں ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ مسلمان عورتیں اس غفلت کو ترک کر چکی ہیں جس کا ثبوت اس شہر کی چار ہزار عورتیں اسی حال میں اپنی موجودگی سے دے رہی ہیں ہم اس جہالت کو بھی ختم کرنے کی کوشش کریں گی۔

جیسا کہ مجھ سے پہلے میری بہنوں نے کہا ہے کہ مسلم ممالک میں عائلی قوانین میں کی جانے والی تبدیلی ہمارے

مثال نہیں بن سکتی وہ اپنے اعمال کے خود جوابدہ ہیں اور ہم اپنے لیے خود جوابدہ ہیں ہم نے اسلامی شریعت کے سماج میں آنکھیں کھولی ہیں۔ اسی میں مرنا پسند کریں گے

اللہ کا قانون

آپ کے بعد محترمہ فہمیدہ قاضی صاحبہ مائک پر آئیں

وہ اس جلسہ میں شرکت کے لئے مہاسمند سے آئی تھیں آپ کی آواز اور انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے ذہن میں لاوا لئے ہوئے ہیں جو نکلنے کیلئے راستہ تلاش کر رہا ہے۔

آپ نے کہا کہ کیا ترقی پسندی اسی کا نام ہے کہ کسی اقلیت سے ان کے عائلی قوانین تک چھین لئے جائیں۔؟

اے لوگو! مجھے بتاؤ! نعوذ باللہ کیا تم اللہ سے بھی زیادہ علم رکھتے ہو جو اس کے بنائے ہوئے قانون میں ترمیم اور مداخلت کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم اس جانور سے بھی گئے گذرے ہو جو اپنے پنجوں کو دیکھ کر رو پڑتا ہے اور اپنی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے

میں ایک بار پھر بانگ بلند کہتی ہوں ہماری شریعت اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون میں کسی انسان کو مداخلت کا یہ حق نہیں پہونچتا ہے اور نہ ہم اس حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ تالیوں کی گونج میں واپس ہوئیں۔

مسلم سماج میں عورت کی حیثیت

اب اسٹیج پر پروفیسر

سں زہرہ جی بی ناچس والا آئیں آپ نے مسلم سماج میں عورت کے درجہ پر روشنی ڈالی آپ نے یہ بھی بتایا کہ دوسرے مذاہب میں عورت کا کیا مقام ہے اہل یونان کا قول نقل کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ عورت آدمی کے لئے صرف دو بار خوشی کا باعث بنتی ہے ایک شادی کے دن، دوسرے موت کے دن

اسی طرح آپ نے پوپ پال کے کچھ خطوط کے اقتباسات پڑھ کر سنائے جس میں عورت کو مرد کی خدمت اور چاکری کرنے والی خداوند کا تحفہ بتایا گیا تھا۔

دوسری جگہ پوپ نے کہا کہ عورتو! تم تو شیطان کا دروازہ ہو۔ اسی طرح مختلف مذاہب کے حوالوں سے عورت کے بارے میں ان کے تصورات کو پیش کرنے کے بعد آپ نے کہا کہ اب دیکھئے کہ اسلام نے عورت کا کیا درجہ رکھا ہے قرآن مجید میں ہے کہ زندگی کی کٹھنائیوں اور پیچ و خم میں ہمیشہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے مددگار اور معاون رہے ہیں زندگی کی ذمہ داری کو دونوں نے سنبھالا ہے

سورۂ توبہ رکوع ۹ میں ہے "ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی معاون ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں"۔

دوسری جگہ ہے: اللہ نے حرام کی ہے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور ان کی حقوق سے ہاتھ روکنا اور ہر طرف سے مال جوڑنا اور لڑکیوں کا زندہ دفن کرنا۔

حدیث شریف میں ہے عورت کا وہی احترام کرتا ہے جو شریف النفس ہو اور ان کی وہی توہین کرتا ہے جو کمینہ ہوتا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار عورت مرد کو مخاطب کیا۔ ہر مرد کو عورت کا کفیل اور سرپرست مقرر کیا ہے حاکم نہیں

مسلم معاشرے پر الزامات لگائے جاتے ہیں ان کی بنیاد کیا ہے۔ صرف یہی کہ جو جاہل ہیں ان کو اس دین سے منحرف کر دیا جائے۔

آپ اپنی اولاد کو علم دین سے آراستہ کریں۔ بچے کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہے۔

ناقابل قبول

مس ہمرا رضا منصوری صاحبہ نے اتحاد پر زور دیا۔ آپ نے کہا کہ ان حالات میں بہت ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

آپ نے کہا کہ دستور کی دفعہ ۴۴ میں کہا گیا ہے کہ حکومت اس بات کی کوشش کرے گی کہ پورے ملک میں سب باشندوں کے لئے یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے۔ دستور کی اس دفعہ کا موجود رہنا اس بات کا منافی ہے کہ حکومت پورے ملک میں یکساں سماجی قوانین نافذ کرنے کی طرف قدم بڑھائے حالانکہ اقلیتوں کے مذہبی تحفظ اور ان کے تہذیبی حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری بھی دستور میں ہے۔

جو لوگ یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کی بنیاد کیا ہوگی ایک ذمہ دار سے یہ سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اس کی بنیاد قومی کلچر ہوگی۔ اقلیت کے کلچر کو بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے اب رہ گیا اکثریت کا کوئی کلچر تو کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں کہ کسی دوسرے مذہب کے قوانین آپ پر مسلط کئے جائیں۔ ہم اس کو کبھی گوارہ نہیں کرسکتے۔ جس قانون پر ہم صدیوں سے چل رہے ہیں اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے کیا وجہ ہے کہ ہم اس میں ترمیم کی اجازت دیدیں۔ یہ دین قیامت تک ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے ہم اس کے امین ہیں اور اس کی حفاظت آخری سانس تک کریں گے۔ میں مادر ہند اندرا گاندھی سے اپیل کرتی ہوں کہ چند مغرب زدہ مسلم عورتوں کی آواز کو تمام مسلم عورتوں کی آواز نہ سمجھیں۔ آپ بردبار ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے تدبر اور رہانت عطا فرمائی ہے مجھے امید ہے کہ آپ اللہ کی سنتوں سے مزد نکام ہیں گی ہم اس قانون کو پسند کرتے ہیں امید ہے کہ آپ ہماری پسند کو فوقیت دیں گی۔

شریعت جان سے زیادہ عزیز

جلسہ کے آخر میں ایک معزز خاتون خدیجہ آپا اسٹیج پر آئیں آپ اچھی مقررہ ہیں آپ نے کہا کہ ہم کو شریعت جان سے زیادہ عزیز ہے کیا آپ اس میں ترمیم کے لئے تیار ہیں؟ سب طرف سے نہیں نہیں کی آوازیں آئیں اس کے بعد قرارداد پڑھ کر سنائی گئی جو متفقہ طور سے منظور کی گئی۔

عورت کو نکاح کا اختیار

ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر ایک سیاہ غلام تھا جس کو مغیث کہا جاتا تھا گویا میں اب تک اسکو دیکھ رہا ہوں کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں بریرہ کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کی داڑھی پر گر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے ایک روز فرمایا عباس کیا تم کو اس پر تعجب اور حیرت نہیں ہے کہ مغیث بریرہ کو چاہتا ہے اور اس بریرہ اس سے نفرت کرتی ہے پھر نبی صلعم نے بریرہ سے فرمایا۔ بریرہ کاش تو رجوع کر لیتی یعنی مغیث سے دوبارہ نکاح کر لیتی۔ بریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ مجھ کو حکم دیتے ہیں آپؐ نے فرمایا میں سفارش کرتا ہوں۔ حکم نہیں دیتا۔ بریرہ نے عرض کیا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں (یعنی میں اس سے نکاح کرنا نہیں چاہتی) (بخاری)

شہر بات

گرد و پیش

ترجمان کے قلم سے

روزنامہ انقلاب بمبئی کی اشاعت ۱۴ جون ۱۹۸۲ء میں مالیگاؤں کے ایک صاحب جناب محمد عابد انصاری کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں ایک ایسے واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے انتہائی عبرتناک بلکہ یوں کہیے کہ تشویشناک ہے انصاری صاحب نے بتایا کہ

"ابھی کچھ ہی دنوں پہلے کی بات ہے کہ مجھے ایک بچے کی سالگرہ کے دلچسپ پروگرام میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا۔ رسم سالگرہ اور مہمانوں کی خاطر تواضع کے بعد جس بچے کی سالگرہ تھی اس کے باپ نے نہایت ہی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اب ہمارا منا آپ کو بہترین فلمی نغمے سنائے گا۔ بچہ اپنی پیاری آواز میں گانے لگا۔ جس کے بول تھے۔

"میرے سپنوں کی رانی کب آئے گی تو"

اس کے بعد اور بھی کئی فلمی گیت اس نے پیش کئے۔"

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فاصبر دیا اولی الابصار بار — لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جو بھی کہنا ہو، ابھی نہ کہیے۔ جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ ایک مسلمان گھرانے کے چشم و چراغ سے یہ بدگمانی کیوں ہو کہ اس نے صرف "سپنوں کی رانی" سے خطاب کرنا ہی سیکھا ہے۔ بچہ ذہین معلوم ہوتا ہے ایک خوشحال اور متمول مسلمان والدین کا نور نظر ہے یقیناً ذہانت کی دولت سے مالامال ہوگا۔ والدین کی تربیت نے مزید یادگی کی ہوگی، قرآن کریم کی سورتیں یاد کی ہوں گی، نماز کے طریقے معلوم کر رکھے ہوں گے بزرگانِ دین کے حالات و واقعات اگر ازبر نہ ہونگے۔ تو کم از کم نظر سے گذر ہی چکے ہوں گے۔ لیجیے مراسلہ کا کچھ اور حصہ ملاحظہ فرمائیے۔

"جب یہ گانے کا سلسلہ ختم ہوا تو میں نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "واہ بیٹا واہ، تم تو بڑا ہی اچھا گلا لیتے ہو۔ اب ذرا ایک مرتبہ کلمۂ شہادت تو سناؤ"۔ بچہ حیرت سے میری طرف دیکھ کے کہنے لگا "یہ کلمۂ شہادت کیا ہوتا ہے؟"

بھئی، خوش فہمی کی بھی حد ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کے لئے جس کے خون میں اسلام اور ایمان کی ذرا بھی روشنی موجود ہے۔ بات اب صبر و برداشت کی حد سے باہر ہو گئی ہے ایک ایسا بچہ جو ایک دو نہیں کئی کئی فلمی گیت فر فر سنا رہا ہو۔ کلمۂ شہادت کا نام سنتے ہی حیران ہو جائے

گویا اسکے کان تک اس سے قطعی ناآشنا ہیں تو پھر زبان و بیان کا کیا ذکر، بات ہی قیاس میں آنے والی نہیں پھر بھی چلو فرض ہے کہ ایک مسلمان کو شک کا فائدہ دیں۔ سوئے ظن سے بچنے کا بھی ایک مقام ہے تو لیجیے کیوں نہ یہ فرض کریں کہ بچے نے یاروں اور دوستوں کی صحبت میں کلمے سیکھ لئے ہوں۔ والدین کی تربیت کا دخل نہ ہو، وہ چاہتے ہوں کہ ان کا بچہ مسلمان بنے، پروگرام میں شامل ہو کر اسے کلمہ سکھایا جائے گا۔ نماز کی تربیت دی جائے گی اور قرآن کریم پڑھایا جائے گا۔ لہٰذا اس پہلو کو بھی دیکھ لیجیے۔ عابد صاحب کا کہنا ہیں کہ۔

"کلمۂ شہادت کیا ہوتا ہے؟" اتنا کہنے کے بعد وہ اپنے باپ کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ "ڈیڈی! ڈیڈی! دیکھئے وہ انکل، ہیں نا مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ کلمۂ شہادت سناؤ۔ تم نے مجھے آج تک کلمۂ شہادت بتایا ہی نہیں۔" (اور حیرت و حسرت کے ساتھ اب یہ معلوم کیجئے کہ) باپ بچے کی باتوں کو سنی ان سنی کر کے اپنے دوسرے بھائیوں سے گفتگو میں مصروف ہیں

الاماں۔ الحفیظ۔ لسان العصر اکبر الہ آبادی نے کہا تھا کہ

طفل میں بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

یہاں تو یہ کہنے کا موقع بھی نہیں رہا۔ خود "والدین کریمین" اسی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔ دودھ بھی انہیں کا ہے اور تعلیم بھی انہیں کی عجب نہیں کہ خود پدر بزرگوار کو کلمۂ شہادت نہ معلوم ہو اور پھر اس "ترقی، تعمیر، انقلاب"، سوشلزم اور سیکولرزم کے اس روشن اور تابناک دور میں آخر کلمہ، درود، نماز، زکواۃ، روزہ اور حج کے چکر میں پڑ کر رجعت پسندی فرسودہ خیالی، قدامت پرستی اور دقیانوسیت کا الزام کون اپنے سر لے عابد صاحب بھی کوئی "مسلمان" ہی معلوم ہوتے ہیں جو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ۔

"باپ کی بے توجہی اور لاپروائی دیکھ کر مجھے انتہائی افسوس ہوا کہ مسلمانوں کی آنے والی نسل کا بس اللہ ہی حافظ ہے"۔

جی۔ تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ حمید دلوائی۔ محمد علی کریم بھائی چھاگلہ۔ پروفیسر آصف فیضی اور پروفیسر مجیب وغیرہ "مقدس ہستیوں" کا وجود بس، اسی دور تک ہے اب یہ تو ظلمات سے نور کی اور نور سے ظلمات کی تخلیق کرنے اور۔ دن سے رات اور رات سے دن نکالنے والے نور السمٰوات والارض کا کرم ہوگا کہ وہ اس بچے سے اپنے دین و آئین کا کوئی کام لینا چاہے تو اسے توفیق عطا فرما دے اپنے اور اپنے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کے سانچے میں ڈھال دے۔ اسے غزالی و رازی بنا دے، اسے رومیؒ اور جامیؒ کی جگہ دے دے یا اسے ابن تیمیہؒ اور ولی اللہؒ کا مقام و مرتبہ عطا فرما دے ورنہ اس کو ان عظیم و جلیل شخصیتوں کے غلاموں کے غلام کا درجہ بھی ملتا نظر نہیں آتا آثار تو یہ بتاتے ہیں کہ بڑا ہو کر یہ بچہ بھی "اپنے آئینہ" میں پوری ملت اسلامیہ ہند کی تصویر دیکھ کر اپنی خدا بیزاری اور آخرت فراموشی کا ثبوت دیتے ہوئے پوری ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ اعلان کرتا نظر آئے گا کہ۔

"اسی فیصدی قوانین اسلام پر عمل نہیں ہوتا تو باقی بیس فیصدی پر عمل نہ ہو تو کیا برائی ہے"۔ (حمید دلوائی)

یہی تعلیم و تربیت ہے جو آگے چل کر اس ذہن کی تعمیر کرتی ہے۔ جس کی نمائندگی مذکورہ بالا شخصیتیں کرتی ہیں

اور جن کو محض مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے اور صرف مسلمانوں جیسا نام رکھ لینے پر "ملت اسلامیہ کا نمائندہ" قرار دیا جاتا ہے۔ انہیں اسلامی قوانین شریعت کی ترجمانی کا حق دیا جاتا ہے۔ انہیں قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح بالرائے کا موقع دیا جارہا ہے۔

ان کا ذکر چھوڑ دیجئے۔ ان حالات میں کیا خود ملت کا حقیقی درد رکھنے والے 'اسلام و ایمان کی سچائی پر یقین رکھنے والے اور خدا و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا پرخلوص جذبہ رکھنے والے مسلمانوں کا فرض نہیں ہو جاتا کہ وہ ایک ایسی نسل تیار کریں جو ابتلاء و آزمائش کے سخت سے سخت اور سنگین سے سنگین دور میں بھی اپنے مسلمان ہونے کا فخر کرسکے' کھلم کھلا اور علی الاعلان اس کا اظہار کرے اور دعا خدائے بزرگ و برتر سے اس کی ہمیشہ یہ رہے کہ ۔ ۔

ہمیں ثابت قدم رکھ دین و آئین محمد پر
ہمارا خاتمہ جب ہو تو ہو دین محمد پر
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ویسا نہیں۔ ایسا بھی ہے

مایوس نہ ہوئیے ۔ لگے ہاتھوں ایک واقعہ اور سن لیجئے۔ شہر کے بھرے پرے مصروف ترین علاقے میں محفل میلاد مبارک کا اہتمام ہے ۔ رات کے ۹ بج چکے ہیں ۔ نعتیہ پروگرام ختم ہو چکا ہے اب صرف حضرت مولانا کا انتظار ہے۔ حضرت مولانا واعظ خوش بیان ابھی تشریف نہیں لائے مجمع عام میں بے چینی ہے ۔ وقت تیزی سے گذر رہا ہے ۔ ڈائس خالی ہے اور لاؤڈ اسپیکر دعوت آواز نشر کرنے کے لئے بے چین سامع موجود مگر مقرر یا منقبت خواں کوئی نہیں۔

ناگہاں ایک چھوٹا سا بچہ ڈائس پر نمودار ہوتا ہے عمر ہے کوئی گیارہ حد بارہ سال ۔ گمان گذرا کہ شاید نعت شریف کے دو چار اشعار پڑھے گا' اپنے ذوق طفلی کی تسکین کریگا اور واپس لوٹ جائے گا۔ مگر نہیں صاحب قال اللہ و قال الرسول کے ساتھ وہ لڑکا بڑی عالمانہ اور فاضلانہ تقریر کر رہا ہے۔ منقولی و مستند، احادیث صحیحہ اور آیات قرآنی کے حوالوں کے ساتھ مجمع حیرت زدہ گوش برآواز ہے بچے کی آواز ہر کہہ و مہ پر اثر کر رہی ہے اور بچہ اپنی دھن میں علم و معرفت کے بیش بہا خزانے لٹاتا چلا جا رہا ہے۔

بالآخر حضرت مولانا تشریف لاتے ہیں' نعرہ ہائے تکبیر کے ساتھ ڈائس پر رونق افروز ہوتے ہیں: بچہ تقریر کرتے کرتے رک جاتا ہے اور اتر کر جانے کے لئے قدم آگے بڑھاتا ہے حضرت مولانا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے اسکو تقریر جاری رکھنے کیلئے کہتے ہیں وہ بچہ پھر اسی طرح تقریر کرنے لگ جاتا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں اس نے کتنی دیر تقریر کی ہوگی ۔ دس منٹ ۔ پندرہ منٹ ۔ بیس منٹ۔ جی نہیں مکمل ایک گھنٹہ تک اس نے تقریر کی ۔ اور ایسی جامع و مدلل کہ شاید ہر دستار بند مولوی فاضل کے بس کی بات بھی نہ تھی ۔

آپ شاید سمجھتے ہوں گے کہ یہ بچہ کسی پشتینی مولوی گھرانے کا چشم و چراغ ہوگا ۔ یا کم از کم اس ماحول میں رہتا ہوگا جہاں ہر وقت قرآن اور حدیث کا چرچا رہتا ہوگا ۔ جی نہیں یہ بچہ سو فیصدی اس ماحول کی پیداوار ہے جہاں بیشتر طبقہ کے بچے گولیاں اور گلی ڈنڈا کھیلتے نظر آتے ہیں ۔ اور اس فضا میں سانس لیتا رہا ہے ۔ جہاں بچے ہر وقت ایک دوسرے کو گالیاں دیتے نظر آتے ہیں ۔ اور یہ بچہ اس گھرانے کا چشم و چراغ ہے جس کے باپ اور چچا ادنیٰ سرکاری ملازم ہیں اور ان محکمہ جات میں جن کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں رشوت کے خزانے کھلے رہتے ہیں ۔

اور سنئے ۔ بچہ عالم و فاضل ہی نہیں حافظ قرآن بھی ہے علی الصباح جاڑے سردی ہو یا گرمی جب محلے کے دوسرے بچے اپنے اپنے گھروں میں ہوتے ہیں یہ نماز فجر کی ادائیگی کے لئے اپنے باپ اور چچا کے ہمراہ سوئے مسجد جاتا نظر آتا ہے ۔ اتنی بھولی سی عمر اور یہ علم و فضل بھلا اسے دیکھ کر تو بس یہی دعا کرنے کو جی چاہتا ہے کہ خدا قوم کے تمام نونہالوں کو اسی روش پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

سیر و سفریات

سفرنامہ

رشید النظفر خان

فیروز بھائی نے رنگ سنگ کی ترویج و اشاعت کی ذمہ داریاں مجھے تفویض کر کے مجھے دفتر کی اہم ترین ذمہ داری سپرد کر دی۔ میں اس راستہ کی منزلوں سے نا آشنا نا تجربہ کار تھا۔ تاہم خدا پر بھروسہ اور اپنے عزم و استقلال کے پیش نظر میں نے ان ذمہ داریوں کو قبول کر لیا۔ انسانی اقدار کا تقاضہ ہے کہ ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد انہیں واجب طور پر نبھایا بھی جائے۔ جون کے آتش خیز مہینے میں کہ جب زمین و آسمان آگ اگل رہے تھے۔ بیرونی مقام کا سفر کرنا اور وہ بھی انجان اور نئے راستوں پر کوئی آسان بات نہیں تھی اگرچہ فیروز بھائی اور بھائی ابوضیا صاحب کا مشورہ یہی تھا کہ موسم میں تبدیلی اور قیامت خیز گرمی میں کمی واقع ہو جانے کے بعد دورے کا آغاز کیا جائے۔ لیکن میرا نظریہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ موسمی تبدیلیاں ارادے پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ اسی نظریہ کے تحت میں نے خدا کا نام لے کر لکھنؤ، بریلی، رامپور، حسن پور، مرادآباد اور امروہہ وطن کا دورہ شروع کیا۔ دورے کا مقصد یہ تھا کہ ماہنامہ رنگ سنگ کو بیرونجات میں بیت المال کی افادیت کے پیش نظر پنجابی برادری سے متعارف کرایا جائے۔ الحمد للہ میں اس مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوا۔

تاہم یہاں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ موسم گرما کی حشر خیزیوں کے سبب مجھے اپنے اس دورے میں کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی پھر بھی مجموعی اعتبار سے یہ دورہ اس لئے کامیاب رہا کہ اس دورے میں جو کچھ بھی تعاون ملا ہے وہ رنگ سنگ کی توسیع اشاعت کے لئے بہت زیادہ ہمت افزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہ اقدام رنگ سنگ کے مستقبل کے لئے ایک درخشاں باب ہوگا۔

لکھنؤ میں امیر الدولہ اسلامیہ کالج کے شعبہ انگریزی کے صدر جناب پروفیسر معین الدین حسن صاحب، محی الدین حسن سہیل احمد صبیح صاحب بی اے ایل ایل بی۔ بشیر فاروقی صاحب۔ پیام سہالوی صاحب۔ آکاش کمار بیتاب صاحب لکھنوی۔ منظر الحق صاحب جوہر۔ دہلی یونیورسٹی سے وابستہ پروفیسر فرحت کاکوروی صاحب۔ قمر الحسن صاحب نے جون کی قیامت خیز لو اور سخت گرمی کے باوجود میرے ساتھ تعاون کیا۔ پروفیسر معین صاحب اور سہیل صاحب اپنے آرام کا خیال نہ کر کے میرے ساتھ متعدد مقامات پر گئے اور ادب نواز شخصیتوں سے میرا تعارف کرایا۔

پروفیسر فرقت کاکوروی صاحب منفرد صاحب طرز شخصیت ہیں۔ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آئے سہیل صاحب ہمراہ تھے۔ فرقت صاحب کے دولت خانے پر پہونچنے کے بعد فرقت صاحب نے شربت روح افزا سے خاطر تواضع کی۔ میں نے پروفیسر صاحب کو رنگ ترنگ کا ماہ جون ۹۲ء کا شمارہ پیش کیا۔ وہ دیر تک رسالے کو بڑے انہماک سے دیکھتے رہے سرورق کی بہت تعریف کی اور مضامین کو بھی سراہا۔ فرقت صاحب بلاشبہہ بڑی ہی ظریف شخصیت ہیں کہنے لگے کہ میاں ایک بات ہمیں بتاؤ کہ بھائی تم اچار یہ ولتوبا بجاوے کی پدیاترا (مفسد تبلیغی جماعت) سے متعلق ہو یا میلادیہ ہو۔ اسپر بہت دیر تک سبکے ہی قہقہے گونجتے رہے۔ ان کی ظرافت کی چاشنی سب نے ہی محسوس کی۔ پروفیسر صاحب نے رنگ ترنگ کی ترتیب و تدوین وغیرہ سے متعلق بھی اپنے تجربات کی روشنی میں کچھ اہم مشورے دیئے ہیں۔ جو رنگ ترنگ کے لئے بیحد کارآمد ہیں۔ انشاءاللہ رنگ ترنگ پروفیسر فرقت کاکوروی صاحب کے مشوروں سے خاطر خواہ مستفید ہوگا۔

ادارہ قومی آواز سے وابستہ جناب حسن واصف عثمانی سے طیش صدیقی صاحب کی ہدایت پر ملاقات کی۔ موصوف مرنجاں و مرنج قسم کی بڑی ہی دلچسپ اور پرخلوص شخصیت ہیں۔ بھائی بات کرینگے تو ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے اپالو ۱۷ خلا کی طرف مائل پرواز ہو۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار برطانیہ کے سابق مرحوم وزیر اعظم مسٹر ونسٹن چرچل کی یاد دلاتا ہے

لکھنؤ میں پانچ دن گذارنے کے بعد میں بریلی پہونچا۔ یہاں پہونچنے پر سخت لو اور قیامت خیز دھوپ سے واسطہ پڑا۔ گرمی سے پسینے میں کپڑے اس طرح شرابور رہے تھے کہ جیسے کسی نے گھڑوں پانی ڈال دیا ہو۔ دھوپ کی تپش کا عالم کہ امان والحفیظ۔ لوگ وہ قیامت خیز جھکڑ کہ پناہ بخدا۔ یہاں آیا تھا پروفیسر وسیم بریلوی کے پاس۔ لیکن یہاں پہونچنے پر وسیم صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ کیونکہ وسیم صاحب باہر گئے ہوئے تھے۔ لکھنؤ میں تو قہر کی گرمی تھی ہی لیکن بریلی میں قہر سے بھی زیادہ کی گرمی تھی۔ مجبوراً یہاں سے مرادآباد روانہ ہوگیا۔

مرادآباد پہونچنے میں سب سے پہلے ولی برادرس ایکسپورٹرس محلہ تباکو والوں کا رخ کیا۔ . . . میرے ساتھ رشید صاحب اور ان کے برادران نے جس خلوص اور محبت کا مظاہرہ کیا۔ میں اس کا اظہار کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ موصوف کا خلوص و تعاون میری توقعات سے کہیں بڑھ کر تھا۔ بھائی محمد اسلم صاحب فیشن اسٹور والوں نے اپنا قیمتی وقت دیا محض میری خاطر سخت دھوپ اور لو میں میرے ہمراہ رہے۔ مرادآباد میں ایک محلہ ہے۔ اس کا نام ہے پیر غیب۔ یہاں ایک عظیم الشان بلڈنگ آپکو نظر آئے گی۔ اس بلڈنگ کا نام ہے ذکریا ہاؤس۔

محمد راشد صاحب اور محمد شاہد صاحب اس کے مالکان میں ہیں۔ یہ عظیم الشان بلڈنگ صرف بلڈنگ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت بڑا برآمدی مرکز ہے۔ مرادآبادی ظروف اور دیگر مصنوعات یہاں سے غیر ممالک کو ایکسپورٹ ہوتی ہیں۔ اتفاق دیکھئے میں شاہد صاحب سے ملاقات کرنے گیا تھا لیکن ملاقات ہوئی جناب راشد صاحب سے۔

راشد بھائی سرخ و سفید گورے چٹے کاروباری آدمی ہیں بڑی ہی دلچسپ شخصیت ہنس مکھ۔ خوش مزاج۔ زندہ دل۔ درمندوں کے مدد۔ بزدشتم کوٹھی کے گیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے میاں نے راشد بھائی تک پہونچنے میں میری رہنمائی

کی۔ جب راشد بھائی کے کمرے میں پہونچا تو انھوں نے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ خاطر تواضع کی۔ پھر کہنے لگے کہ بھائی کہاں سے آنا ہوا۔ عرض کیا۔ کانپور سے حاضر ہوا ہوں۔ کہنے لگے بھائی یہ کانپور کہاں واقع ہے (میں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ بھائی بڑے پہونچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں) میں نے کہا عرض کیا کہ مشرقی اتر پردیش کے ایک کونے میں واقع ہوا ہے۔ راشد بھائی مسکرائے۔ بولے سوا سیر معلوم ہوتے ہو۔ عرض کیا کہ نہیں جناب ہاں اسیر۔ اس پر انھوں نے ایک فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔ لیجیے کچھ ہی دیر میں راشد بھائی ایسا معلوم ہونے لگے کہ جیسے میری ان کی برسوں کی جان پہچان ہو۔ انھوں نے اس قدر اپنائیت سے باتیں کیں کہ ان سے طبیعت ہی سیر نہیں ہو پا رہی تھی۔ باتیں بہت سی باتیں بات بات میں ایک نہ ایک چٹکلہ اور پھر قہقہوں کی بوچھار۔ راشد بھائی نے میرے ساتھ بہت زیادہ تعاون کیا اپنی فرم ایچ ایم ذکریا۔ ایم یحییٰ کا اشتہار بھی عنایت فرمایا اس اشتہار کو آپ زیر نظر مسلم پرسنل لا میں ملاحظہ فرمائیں گے راشد بھائی کے اثرات کے سبب اور بھی پنجابی برادری سے متعلق کاروباری حضرات نے تعاون کیا۔ ان شخصیتوں میں جناب رشید صاحب ولی بادرس مرادآباد ایکسپورٹر۔ ایچ ایچ رحمان صاحب۔ جناب حاجی شیخ وجیہ الدین صاحب ایکسپورٹر ہینڈی کرافٹس کارپوریشن۔ جناب باری صاحب (باری سنس تحصیل اسکول) ایکسپورٹر۔ جناب شمیم احمد صاحب ایم اے جناب ولی الرحمان صاحب ایکسپورٹر۔ جان داؤد اینڈ کمپنی، نوبہار کاٹھ دروازہ۔ جناب یونس صاحب پائنیر کارڈبورڈ بکس فیکٹری۔ تمباکو والان۔ جناب محمد اسلم صاحب نیشن شو اسٹور، محمد اقبال صاحب شمسی۔ آپٹیشین بلڈنگ ہیں۔

ان سب ہی صاحبان نے دامے درمے قدمے سخنے میرے ساتھ "رنگ برنگ" کے سلسلے میں تعاون کیا۔ اور اپنی فرموں کے اشتہارات بھی عنایت فرمائے۔

مرادآباد میں پنجابی برادری میں عام طور پر اس بات کا زیادہ احساس پایا جاتا ہے کہ کانپور کی پنجابی برادری مرادآباد کی پنجابی برادری سے تقریباً الگ تھلگ ہے۔ کسی قسم کا کوئی باہمی ارتباط میل ملاپ اور رشتہ مناکحت نہیں ہے اگر اس تعطل کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ مرادآباد اور کانپور کی پنجابی برادری کے مفاد میں زیادہ مفید ہوگا۔ اور اس طرح برادری کے تعلقات میں مزید مضبوطی پیدا ہوگی نیز دونوں برادریوں کو آپس میں قریب آنے کا موقع ملے گا یونس صاحب۔ محمد اقبال شمسی صاحب، اسلم صاحب۔ وجیہ صاحب نیز جناب راشد صاحب نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر کسی وقت فیروز لودیہ صاحب مرادآباد تشریف لائیں تو یہ بات زیادہ مناسب ہوگی۔ نیز اس طرح دونوں مقامات کی برادری میں جو دوری پائی جاتی ہے اس میں بھی بہت حد تک کمی واقع ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں فیروز صاحب کا دورہ رنگ برنگ کی توسیع اشاعت کے لئے زیادہ سودمند ثابت ہوگا اس مشورے کو فیروز صاحب نے قبول فرما لیا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی فیروز صاحب مرادآباد کا دورہ کرینگے۔ حسن پور۔ امروہہ۔ دھام پور سے بھی بہت سے حضرات نے توسیع اشاعت کے سلسلے میں تعاون کیا۔ امروہہ میں قاضی عزیز عباسی صاحب حنان احمد صاحب۔ حکیم صیانت اللہ صاحب نیز یونس نجمی صاحب نے خصوصی تعاون کیا۔ جس کے لئے ادارہ ان حضرات کا مشکور ہے۔

اسی دوران مجھے بدقسمتی سے ابوضیا صاحب کے والد جناب مرحوم احمد حسین صاحب بادی ایڈیٹر ہماری آواز کانپور کے انتقال پر ملال کی اچانک خبر ملی۔ چونکہ ابوضیا صاحب پر مسلم پرسنل لا نمبر کی اشاعت کی ذمہ داری تھی۔ اسلئے قدرتی طور پر مسلم پرسنل لا کی اشاعت میں تاخیر ہو جانے کا امکان تھا لہٰذا اپنے دورے کو مختصر کر کے کانپور روانہ ہونا پڑا۔

نڈی کرافٹس میں ذیل کی مصنوعات ایکسپورٹ
کرانے کے لئے ہم سے رابطہ قائم کیجئے
س آرٹ ویر
لکڑی کی مصنوعات
چمڑے کی مصنوعات
ہینڈلوم سے تیار شدہ ملبوسات
لکھنؤ کے کرتے وغیرہ
اور ہینڈی کرافٹ سے متعلق دیگر جملہ مصنوعات کی برآمد کا
مرادآباد میں واحد مرکز
ولی برادرس۔ایکسپورٹرس
تحصیل اسکول مراد آباد (یوپی) انڈیا
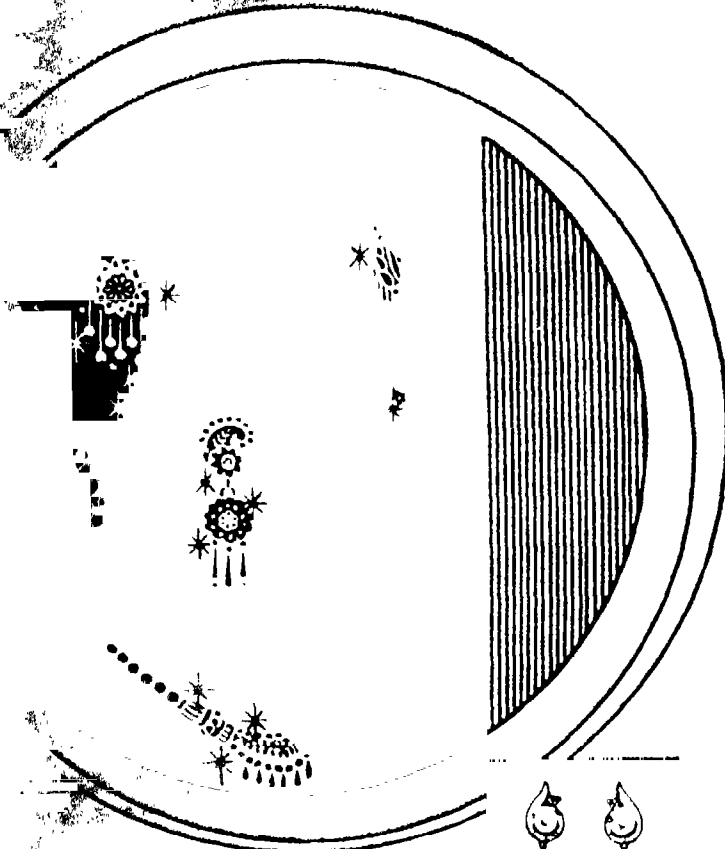
ہمیشہ سوم پراڈکٹس پرائیوٹ لیڈ
لی جیولری
زیورات پہنیے۔ یہ زیورات دلکشی میں کسی
کے زیورات سے کم نہیں۔ لیکن قیمت میں
کم ہیں۔ آپ کی سندرتا کو نکھارنے کے لئے
تجارتی معلومات کیلئے
ایم۔ ایس شرما اینڈ سنز
۲۴۔ پوسٹ آفس سٹریٹ
صدر بازار، دہلی ۶۔
فیاض اینڈ کمپنی (مقامی ایجنٹ برائے لی جیولری) مشن رو

Rb. ... 9/ JULY AUGUST 1972 ... hones.
...ed with the Registrar of Newspapers R. N. 19397/..

پاکیزہ اجتماعی قدروں کا ترجمان ادبی جریدہ

ستمبر ۱۹۶۲ء

تیز تر ہوتا ہے خشمِ تند خوباں عجز سے
ہے رگِ سنگ فسانِ تیغِ شعلۂ خاروخس
(غالبؔ)

مدیر : فیروز بوبکیہ

معاون مدیر : ابوضیا

ناظم شعبہ جات اشاعت وتعلقات : رشید الظفر خاں

سرورق : آرٹیکو
تزئین : ابن یونس

خطاط : حفظ الرحمان خان
" : محمد نفیس خان
" : مشتاق علی

بیت المال کا قیام مسلم اقتصادیات کا اہم ترین قدم ہے۔

سال سوم
شمارہ ۲۹

ستمبر ۱۹۷۲ء
رجب ۱۳۹۲ ہجری
عام شمارہ ۔ ایک روپیہ
سالانہ دس روپیہ
دفتر مقام اشاعت اور ترسیل زر کا پتہ
۸۹/۲/۴ مکھنیا بازار ۔ کانپور

فون نمبر ۔
۶۰۴۷۲ — ۶۳۸۸۳ — ۶۸۸۲۰

طابع وناشر
فیروز الدین بوبکیہ

مطبع
لیتھو برقی پریس نئی سڑک کانپور

دی
سپیر ٹینری
کانپور
سارے ہندوستان میں واحد اور اوّل
ISI
کے مطابق کروم اپر لیدر بنانے والے
کلرڈ فینسی لیدر
انڈسٹریل لیدر
فائن کاف لیدر
سوئیڈ لیدر
کروم ویٹ بلیو
کروم اپر لیدر
زگ گرین لیدر
سوٹ کیس لیدر
سول لیدر
ربر سول
دی سپیر ٹینری ۔ جاجمؤ ۔ کانپور
ٹیلی فون نمبر: ۶۳۴۸۶

مجھے یہ دیکھ کر بڑا رنج ہوتا ہے کہ اب مسلمانوں کی اخلاقی پستی یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ ان کی بستیوں میں خدا کا قانون توڑنے والے مزے سے دندناتے پھرتے ہیں ۔ اور رب العالمین کی پابندی کرنے والے اور اسکی اطاعت کی تلقین کرنے والے الٹے نکو بن جاتے ہیں ۔

متعفن فضا میں اگر کہیں سے خوشبو کی ایک ذراسی لپٹ آرہی ہو تو تندرست دماغ اس کی طرف لپکتے ہیں اور ان کا جی چاہتا ہے کہ ساری فضا ہی ایسی ہو جائے ۔ لیکن ماتم کے قابل ہے ان بیمار دماغوں کا حال جو خوشبو کی اس لپٹ پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ فضا میں اتنی خوشبو بھی باقی نہ رہے ۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ فضا کی عفونت نے ان دماغوں کو اندر تک سڑا دیا ہے حتیٰ کہ اب ان کے لئے بدبو گوارا ہو گئی ہے اور خوشبو ناگوار ۔ (مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی)

اِس شمارے کے قلمکار

اداریات

اسلامیات

منظومات و غزلیات

سیر و سفریات

شخصیات

تحقیقات

تجزیات

ادبیات

بزمِ مستورات

اخلاقیات

مزاح و طنزیات

تفریحات

مکتوبات

سوالات و جوابات

اداریات

شہ رگ

ادارہ

ہمعصر "شان ہند" کے گذشتہ شمارے میں جوش ملیح آبادی کی کتاب "یادوں کی برات" پر تبصرہ کیا گیا ہے تبصرے میں جوش کی احسان فراموشیوں پر نکتہ چینی خصوصیت سے کی گئی ہے چند اصحاب کے نام دیئے گئے ہیں جنھوں نے جوش صاحب پر احسانات کئے اور عظیم احسانات مگر جوش صاحب نے اپنی کتاب میں ان کے تذکرے سے گریز کیا ہے۔

ہمیں اس سلسلے میں ظاہر ہے کہ کچھ نہیں کہنا ہے۔ کیونکہ ہم قطعًا لاعلم ہیں کہ ان صاحب نے جوش صاحب پر واقعی احسان کیا یا نہیں کیا۔ بہرحال جب شان ہند کے مدیر جناب سرور صاحب نشان دہی کر رہے ہیں تو یقینًا ایسا ہی ہوگا۔

ویسے ہمیں بھی جوش صاحب کی یادوں کی برات کچھ اچھی نہیں لگی۔ سوائے زبان و بیان کے اس میں جو کچھ ہے سرتاسر لغویات ہی ہے۔ احساس برتری جو دراصل احساس کمتری کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس میں جوش صاحب بری طرح گرفتار ہیں کتنے ہی نقاد حضرات نے ان کی شاعری کو ہسٹریائی دورہ قرار دیا ہے۔

خدا بیزاری۔ مذہب پر طعن، مذہب پرستوں پر سب و شتم۔ امرد پرستی پر فخر۔ شراب کی اچھائی پر لایعنی دلائل، اپنے عشقوں کا بکھان، دوسروں کا حقارت آمیز تذکرہ۔ اپنی غلطیوں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش۔ سب ہی کچھ تو ہے اس لغو کتاب میں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوش صاحب اپنی یادوں کے سہارے اور انتہائی نشے کی ترنگ میں جو سمجھ میں آیا بے ساختہ نوک قلم سے تحریر کرتے گئے اور لکھ لینے کے بعد دوبارہ پڑھنے کی بھی زحمت نہ کی۔ حد یہ ہے کہ واقعات ایک دوسرے سے مربوط تک نہیں ہیں۔ ایک بات ختم نہیں ہونے پائی کہ دوسری شروع کر دی یا ایک واقعہ زمانۂ حال سے متعلق ہے تو دوسرا واقعہ گئے گزرے ماضی کی یادوں کو روشن کر رہا ہے۔

جوش صاحب نے حوالے دینے میں بھی صحت کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا ہے۔ جگہوں کے نام اور تاریخیں جابجا غلط تحریر ہیں ویسے ایک بلا نوش کے ذہن سے اس سے زیادہ کچھ توقع بھی تو نہیں کی جا سکتی طرفہ یہ دیکھئے کہ جابجا زبان میں زور پیدا کرنے کے لئے سیدھی سیدھی مغلظات کا بھی سہارا لیا گیا ہے۔

جوش صاحب کی "یادوں کی برات" کی تمام غلطیاں اپنی جگہ پر لیکن "شان ہند" کے مدیر جناب سرور صاحب نے ایک پرچہ اداریہ تحریر کیا ہے اس میں ہمیں ان کی تحریر کردہ آخری دو سطریں بری طرح کھٹک رہی ہیں۔ [illegible]

صاحب کی امرد پرستی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ان الفاظ میں خامہ فرسائی کی گئی ہے کہ :-

" جوش صاحب کی اس عادت پر امرد پرستی کے امام حضرت لوط بھی شرم سے پانی پانی ہو گئے ہوں گے "

ہمیں معلوم ہے کہ " شان ہند " (دہلی) کے مدیر اعلیٰ دراصل غیر مسلم ہیں اور اسی لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان سے اس تحریر میں سہو ہو گیا ہے ۔ تاہم ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ہم مدیر اعلیٰ موصوف کی اس غلط فہمی کو بطریق احسن دور کر دیں ۔

دراصل ہمارے حضور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سیکڑوں ہزاروں سال پہلے اس دنیا کے ایک خطہ میں ایک قوم آباد تھی ۔ جس میں بے شمار برائیاں تھیں ۔ وہ بے انتہا گناہ کرتی تھی اور ستم بالائے ستم یہ کہ امرد پرستی کی بے پناہ شائق ۔ اس قوم میں عورتوں کا وجود بے کار محض ہو کر رہ گیا تھا ۔ اور اس قوم کے مرد عورتوں کی جانب قطعاً التفات نہ کرتے تھے ۔ ـــــــ اللہ تعالیٰ نے جسطرح ہر قوم کی ہدایت کیلئے نبی بھیجے ہیں اسی طرح اس قوم میں بھی اپنے پیارے نبی حضرت لوط علیہ السلام کو اتارا چنانچہ یہ قوم قوم لوط کہلاتی ہے ۔ انھوں نے آکر اپنی قوم کو بے انتہا سمجھایا اور اس قبیح عادت کو ترک کر دینے کی تلقین کی ۔ مگر جب انکی قوم نے ان کی بات نہیں سنی ، نہیں مانی تو آخر کار اللہ رب العزت نے اس قوم پر عذاب الیم نازل کیا اور وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ۔

ہمیں امید ہے کہ فاضل مدیر شان ہند کی غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی اور وہ اپنے آئندہ شمارے میں اصل روایت کے مطابق اس کی تردید کر دیں گے تاکہ ان کے قارئین پر ان کے اداریہ کے مطالعہ کے بعد جو غلط تاثر قائم ہوا ہو گا وہ ختم ہو جائے ۔

اداریات

بستی بستی

فیروزی قلم سے

۱۹۶۳ء کی بات ہے میں بسلسلۂ امتحان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ گیا تھا۔ کانپور کے ایک صاحب سلیمان ہوسٹل میں مقیم تھے انھوں نے ازراہِ عنایت اپنے کمرے ہی میں جگہ دیدی تھی دوپہر تک امتحان سے فراغت ہو جاتی تھی۔ شام کو عموماً یونیورسٹی ایریا گھومنے نکل جایا کرتے تھے۔ یونیورسٹی کے ماحول میں سادگی کے ساتھ ساتھ ایک عجیب حسن تھا کہ شہر جانے کو طبیعت ہی گوارہ نہیں کرتی تھی۔

ایک سہ پہر کو اپنے "روم میٹ" کے ہمراہ آزاد لائبریری دیکھنے گئے۔ ہر طرف باغات کا جال بچھا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھی نے ہمکو فخریہ بتایا کہ "لاکھوں روپیہ صرف ان باغات کی دیکھ ریکھ اور سجانے اور سنوارنے میں صرف ہو جاتا ہے۔" ہمارا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا۔ حکومت جو اتنا سرمایہ صرف کر رہی ہے کہیں آگے چل کر بوٹی دیکر بکرا لینے والی مثال نہ بن جائے۔ وہ صاحب آجکل کانپور میڈیکل کالج میں ہیں۔ آخری سال ہے۔ چند دن پہلے ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ہماری اس بات کو دہرایا اور ملول ہو کر بولے "واقعی آپ کے خدشات درست ثابت ہوئے۔"

مسلم یونیورسٹی کے معاملے میں ہماری حکومت نے ایک خون چوسنے والے مہاجن کا کردار ادا کیا ہے۔ پہلے ضرورت سے زیادہ سرمایہ دیکر کرپشن کو فروغ دیا' چند لوگوں کو خرید لیا بعد ان چند لوگوں کے سہارے پوری یونیورسٹی پر قبضہ جما لیا۔

تاریخی کردار کا داویلا کیا جا رہا ہے کہ وہ برقرار رہے ہماری عقل میں یہ بات بعد کوشش بھی نہیں آرہی ہے کسی ادارہ کا تاریخی کردار تو بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اور اس ادارہ کا بنیادی کردار یہ تھا کہ مسلم قوم تعلیمی میدان میں رینگ رہی تھی۔ اسکو زمانے کے ساتھ چلنا سکھانا مقصود تھا یا تاریخی کردار لبقول سرسید یہ ہے کہ "یہاں کے طالب علم کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں سائنس اور سر پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج ہونا چاہیے۔" اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی دور ہو گئی؟ اگر ختم ہو گئی ہے تو سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب ہیبت ناک حد تک کم کیوں ہے؟۔

جہاں تک تاریخی کردار کا تعلق ہے نئے ترمیمی بل نے کورٹ کے ممبران کا مسلمان ہونا ضروری نہیں قرار دیا مسلم طلباء کی اکثریت برقرار رکھنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا تو ظاہر ہے اس کا کردار کتنے دن برقرار رہ سکتا ہے۔ اقلیتی نام رکھنے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟ کردار ختم ہو جانے کے بعد نام کتنے دن باقی رہ سکتا ہے۔ یہ ہر صاحب شعور بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

مساوات کے نام پر ایک عجیب کھیل کھیلا جا رہا ہے کہا جاتا ہے کہ جو ایکٹ مسلم یونیورسٹی کیلئے بنا ہے وہی ہندو یونیورسٹی

کیلئے بھی بنے گا۔ اس فضول بات کا بھی کوئی جواز ہو سکتا ہے؟
اقلیت کے حقوق کا تحفظ سارے مہذب دساتیر کرتے ہیں کیونکہ
اکثریت کے حقوق سلب ہونے کا کوئی خطرہ نہیں جن کے پاس
صرف "ایک" یونیورسٹی ہے ان کے صرف دو جائز اور سیدھے
سادے مطالبات تھے کہ اس ادارہ کا اقلیتی اور اقامتی کردار
برقرار رکھا جائے۔ جن کے پاس تقریباً "۹۵" یونیورسٹیاں
ہیں ان کا مطالبہ تھا کہ ادارہ کا اقلیتی اور اقامتی دونوں
کردار ختم کئے جائیں۔ حکومت نے حق و انصاف کو پس پشت
ڈال کر مساوات کے نام پر ایک مطالبہ باقی رکھا ایک ختم کر دیا
یہ اسی قسم کی مساوات ہے جو حکومت آر ایس ایس اور جماعت
اسلامی کے درمیان روا رکھتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہاں جماعت
اسلامی اور کہاں آر ایس ایس۔ زمین و آسمان کا فرق۔ مختصر
ترین طور پر اگر دونوں جماعتوں کی (DEFINIATION) بیان
کی جا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ ایک انسان انسان کے درمیان
محبت اور الفت کے جذبات پیدا کرنا چاہتی ہے دوسرے انسانوں
کے درمیان منافرت پھیلانے پر یقین رکھتی ہے۔ مگر رموز مملکت
خویش خسرواں دانند

آئینی دور کے اندر رہتے ہوئے اس سیدھے سادے
اور معصوم احتجاج پر جتنی سخت اور کڑی سزا مسلمانوں کو ملی
ہے اس کی حقیقت اب اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی زبان پر
آنے لگی ہے۔ ابھی حالیہ تامل ناڈو کے تحقیقاتی وفد نے
جو انکشافات کئے ہیں۔ یا یوپی اسمبلی میں حزب اختلافات
کی جماعتوں نے جو بیانات دیئے ہیں وہ بڑے سے بڑے
شقی القلب کو آزردہ کرنے کیلئے کافی ہیں۔ خدا کرے یہ حقائق
سیاست کی نظر نہ ہو جائیں۔ احمد آباد کے فساد کی تحقیق جج
کے ذریعے یا کمیشن کے سامنے کرائی جا سکتی ہے کیونکہ وہاں غلطی
کانگریسی حکمراں تھی۔ یوپی میں عدالتی تحقیق کی اجازت
صرف اس لئے نہیں دی جا رہی ہے کہ یہاں اندرا کانگریس
حکمرانی کر رہی ہے؟ حکومت کی طرف سے آئی جی کے
ذریعے تحقیق کے اعلان پر ہم اس کے سوائے اور کیا
کہہ سکتے ہیں کہ؎

تم ہی قاتل، تم ہی شاہد تمہیں منصف ٹھہرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

اسلامیات

قوتِ خیال

مولوی شریف حسین صاحب

آجکل امریکہ میں "قوت خیال" کے زور سے لوگ ہر قسم کی کامیابی اور دولت مندی حاصل کر رہے ہیں

درحقیقت قوت خیال بڑی زبردست طاقت ہے اسکی موجودگی سے فقیر بادشاہ اور اس کی عدم موجودگی سے امیر فقیر ہو جاتے ہیں۔

قوت خیال جسکا اظہار دماغ سے ہوتا ہے۔ دنیا میں بڑی زبردست طاقت ہے۔ اتنی زبردست کہ اس سے زیادہ طاقت کا ابھی تک پتہ نہیں چلا۔ اس کو زندگی کی روح، جسم کی حرکت اور روح کی طاقت کہتے ہیں۔ انسان مرجاتا ہے مگر دماغ سے نکلے ہوئے خیالات زندہ رہتے ہیں۔

قوت خیال ہر فعل کا ماخذ "قوت خیال" کل عالم کی تہہ میں کام کر رہی ہے انسان کے دل میں جو جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہی افعال و اعمال کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ کوئی ایسا کام نہیں جسکو پہلے خیال نے نہ کیا ہو۔ جب تک دماغ میں خیالی نقشہ قائم نہیں ہوتا تب تک کچھ بھی نہیں ہوتا

کسی کام کے سرانجام دینے سے پہلے آدمی کے دل میں ایک تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس تحریک سے ایک حِس دماغ میں جگہ پیدا کر لیتی ہے۔ اس کیفیت کا نام احساس ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بعدہٗ جب یہ دل میں ایک احساس کیفیت پیدا کر لیتی ہے۔ اس کا نام "خواہش" ہے۔ جب ضمیر اس پر مناسب غور کر لیتا ہے اور اسکی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اسے "خیال" کہا جاتا ہے جب اس خیال کی لہریں زبان پر آتی ہیں تو "قول" کی صورت ہے اور پھر جب وہ لہریں ہاتھوں میں منتقل ہوتی ہیں "فعل" کا نام پاتی ہیں۔

علم النفس کا یہ سادہ قانون ہے کہ کسی طرح کا خیال اگر کافی عرصہ تک دماغ میں گشت کرتا رہے تو وہ رفتہ رفتہ دماغ کے ان مقامات پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے تحریک افعال ہوتی ہے اور یہ آخرکار فعل کی شکل میں عمل پذیر ہوتا ہے

جملہ افعالِ خیال کی نقل انسان کے جملہ افعال دماغی تحریک کی نقل ہوا کرتے ہیں۔ سنگ تراش پہلے اپنے دماغ میں خیالی صورت

پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح مصور سب سے پہلے اپنے دماغ میں تصویر کا خیالی نقشہ کھینچتا ہے پھر اسکو کاغذ پر منتقل کرتا ہے۔ اسی طرح مصنف اپنی کتاب کو احاطۂ تحریر میں لانے سے پہلے مضمون کو دماغ میں جمع کرتا ہے

یہ بت، تصاویر، کتب دراصل انسان کے دماغ میں قائم شدہ صورتوں کے خیالی عکس ہیں۔

خیالِ افعال کا محرک

ہر شخص اپنی قسمت کے قلب کو آپ ڈھالتا ہے کیونکہ ہماری خوشی اور غمی، ہماری ترقی اور تنزلی، ہماری کامیابی اور ناکامیابی، ہماری زندگی اور موت یہ صرف ہمارے خیالات کے نتائج ہیں قانونی زندگی کا سب سے زبردست اصول ہے کہ انسانی زندگی دماغی خیالات کے عین مطابق ہوتی ہے۔ یعنی انسان جیسا خیال اپنے دل میں لاتا ہے وہ ویسا ہی بن جاتا ہے۔ باہری انسان دراصل باطنی خیالات کا عکس ہے انسان کے ہر فعل کا ظہور اس کے خیال کے بعد ہوتا ہے۔ پس تحریک خیالات علت ہے زندگی اور تقدیر اسکا معلول۔

یہ دنیا خیالی ہے

دانا لوگ غلط نہیں کہتے کہ دنیا خیالی ہے۔ بلکہ وہ صحیح بتلاتے ہیں۔ ہماری دنیا۔ ہماری زندگی۔ ہمارے دلی خیالات کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں جو لوگ مارے مارے پھرتے ہیں اور ناکامیابی کی شکائیتیں کرتے رہتے ہیں وہ اپنے خیالات کے مارے ہوئے ہیں۔ خونی شخص اپنے سایہ سے گھبراتا ہے ضعیف الاعتقاد آدمی کو گھر ہی میں بھوت پریت نظر آتے ہیں دل میں انکی تصویریں بن جاتی ہیں اور وہی ہر چہار طرف نظر آتی ہیں۔

اسلامیات

کبر و خودداری میں فرق

شہباز الحسینی

کبر و خودداری میں فرق باجود قربت کے فرق بھی ہے۔ خودداری کبر یعنی غرور سے الگ چیز ہے اور یہ کوئی اخلاقی عیب نہیں جناب شہباز الحسینی صاحب نے کبر اور خودداری کے اس باریک فرق کو بہت ہی خوبی کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ خودداری اخلاقی خوبی ہے اور کبر اخلاقی جرم۔ ایک عنداللہ محمود ہے اور دوسرا مبغوض ایک میں ثواب ہے اور دوسرے میں عتاب۔ ——— (مدیر)

کبر و خودداری ایک دوسرے سے قریب تر سہی مگر فرق ضرور ہے کیونکہ دونوں کی تعریفیں الگ ہیں۔ دونوں کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر الگ ہے۔ کبر یہ ہے کہ اپنی بڑائی اور دوسروں کی تحقیر کی جائے اور خودداری یہ ہے کہ صرف اپنے آپکو بڑا سمجھا جائے۔

گویا کبر ایک اضافی چیز ہے یعنی متکبر آدمی اپنے آپکو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے۔ لیکن خودداری کے لئے تنہا انسان کی ذات کافی ہے، کبر و خودداری کا فرق شارع کی زبانی سنئے ابو داؤد کی یہ حدیث۔

ان رجلاً اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان
رجلاً جمیلاً فقال یا رسول اللہ انی رجل
حُبّبت الی الجمال وَ اعطیت منہ ما تراہ حتی
ما احب ان یفوقنی احدا ما بشراک نعلی وَ
اما قال بشسع نعلی افمن ابکر ذالک قال لا ولکن
الکبر من بطر الحق وغمط النّاس۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک حسین اور خوبصورت آدمی آیا اور اس نے کہا مجھے اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پسند ہے، (مطلب یہ ہے کہ یہ تو غرور میں داخل نہیں) فرمایا خدا تو خود ہی جمال کو پسند کرتا ہے۔ غرور یہ ہے کہ حق کا انکار کیا جائے۔ اور لوگوں کی تحقیر کی جائے۔

ابو حفص سہروردیؒ کہتے ہیں کہ خودداری غرور سے الگ چیز ہے۔ کیونکہ خودداری اپنی ذات کی حیثیت کو ماننے اور اسکی عزت کرنے کا نام ہے کہ وہ فانی باتوں کی پستی میں نہ پڑ جائے اور اپنی ذات کی اصلی حیثیت کو فراموش کر جانے اور اسکو اسکی جگہ سے اوپر جانے کو کبر کہتے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ انسان میں جب کوئی وصف یا کمال پایا جاتا ہے تو قدرتی طور پر اسکے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے اور یہ کوئی اخلاقی عیب نہیں (کیونکہ اسی کا نام خودداری ہے) لیکن جب یہ خیال اسقدر ترقی کر جاتا ہے کہ وہ اور لوگوں کو جن میں یہ وصف نہیں پایا جاتا یا کم پایا جاتا ہے۔ اپنے سے حقیر سمجھنے لگتا ہے تو اسکو کبر اور اسکے اظہار کو تکبر کہتے ہیں۔

ان اقوال کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ کبر اپنی بڑائی اور دوسروں کی تحقیر کا نام ہے۔ اور خودداری صرف اپنی بڑائی کے ماننے سے عبارت

ہے، اور یہی تعریف کے اعتبار سے فرق ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے یہ فرق کیا جاسکتا ہے کہ خودداری اخلاقی خوبی ہے، اور کبر اخلاقی جرم، ایک عنداللہ محمود ہے اور دوسرا مبغوض ایک میں ثواب ہے دوسرے میں عتاب۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ایک کی تعلیم دی ہے اور دوسرے سے روکا ہے۔ آنحضرت ؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری ۔۔۔ الخ

یعنی کبر میری چادر اور عظمت میری تہبند ہے، جو شخص مجھ سے ان دونوں کے بارے میں جھگڑے گا میں اسکو جہنم میں پھینک دونگا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔

لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر و لا یدخل النار من کان فی قلبہ مثقال خردل من ایمان۔ یعنی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

واقعات ہمیں بتلاتے ہیں کہ حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ مشہور ہے کہ ابلیس عنداللہ مقرب اور ستر ہزار فرشتوں کا سردار تھا۔ کسی کو کیا خبر تھی کہ یہی سردار آگے چل کر کبر کے سبب جہنم کا کوئلہ بنے گا۔ مگر جب اس نے غرورًا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ کی رحمت سے دور اور جہنم کا ایندھن بن گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی اختیار کرنے کا حکم کیوں دیا؟ وہ اسی لئے کہ ان کے "انا اعلم" میں کبر کی بو آگئی تھی۔

غزوۂ حنین میں اولاً مسلمانوں کی شکست کیوں ہوئی؟ وہ اسی وجہ سے کہ کثرت تعداد کے سبب ان کے دلوں میں عجب پیدا ہو گیا تھا۔

ان احادیث و واقعات سے معلوم ہوا کہ کبر ایک زبردست جرم ہے جس کی پاداش میں بندہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے مگر خودداری کوئی جرم نہیں بلکہ اخلاقی خوبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے نہ صرف اسکی تعلیم بلکہ ان کاروں سے بھی روکا ہے جن کے سبب خودداری کو صدمہ پہنچتا ہے۔ فرمایا

السوال ذل۔ کہ سوال کرنا ذلت ہے۔

اسلئے دوسروں کے سامنے ہاتھ مت پھیلاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تعلیم خودداری نے صحابہؓ کو انتہائی خوددار بنا دیا تھا۔ اہل صفہؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بسا اوقات بھوک سے بیتاب ہو جاتے تھے مگر کسی سے سوال نہ کرتے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کے زمانہ میں بھکاری خال خال ہی نظر آتے تھے، اور یہ تعلیم اسی کا نتیجہ تھا کہ معمولی سے معمولی مسلمان بھی قیصر و کسریٰ کے دربار میں بے دھڑک چلا جاتا تھا اور دلیری اور آزادی سے سوال و جواب کرتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ خودداری میں اللہ اور رسول کی رضامندی ہے اور کبر و غرور میں ناراضگی، ایک سے اللہ اور رسول خوش ہوتے ہیں اور دوسرے سے ناراض، اور یہی شرعی نقطۂ نظر کبر و خودداری کے درمیان فرق ہے۔

محبّت کا تاج محل

(سرکش مچھلی شہری)

کیا پوچھتے ہو دل کی باتیں چتون سے تمہاری ڈرتا ہوں
زندہ مجھے تم نے سمجھا ہے، زندہ تو ہوں لیکن مرتا ہوں
طوفانِ فنا میں ڈوب کے پھر کیا جانئے کیسے ابھرتا ہوں
جب رات کو دنیا سوتی ہے میں جاگ کے آہیں بھرتا ہوں
تم کو نہ محبت ہو مجھ سے میں تم سے محبت کرتا ہوں

اک شمع ہے ایسی جو سب کو پروانہ بنائے دیتی ہے
اک یاد ہے ایسی جو ظالم دنیا کو بھلائے دیتی ہے
اک ایسی نظر ہے سینے پر جو تیر چلائے دیتی ہے
اک آگ ہے ایسی دل میں جو دل کو جلائے دیتی ہے
تم کو نہ محبت ہو مجھ سے میں تم سے محبت کرتا ہوں

بنوایا ہے مثل شاہجہاں میں نے بھی تو اک تاج محل
وہ تاج نظر کے سامنے ہے، یہ تاج نگاہوں سے اوجھل
وہ تاج ہے جمنا کی زینت، یہ تاج ہے میرے دل کا کنول
اس تاج میں ڈوبا ستارا اس تاج میں ابھرے لاکھ غزل
تم کو نہ محبت ہو مجھ سے میں تم سے محبت کرتا ہوں

وہ تاج تو ہے بس چھینی ہوئی مجبور غریبوں کی دولت
یہ تاج نشانی یادوں کی یہ تاج محبت کی محنت
اس تاج میں ہے ممتاز محل اس تاج میں ہر جانِ الفت
اس تاج میں مردہ لاش مگر اس تاج میں اک زندہ مورت
تم کو نہ محبت ہو مجھ سے میں تم سے محبت کرتا ہوں

وہ تاج نگاہوں کی تسکیں یہ تاج تڑپتے دل کا سکوں
وہ تاج زمینِ آب چمن یہ تاج دلِ برباد کا خوں
وہ پیار کا مرقد اور اسے میں سینے سے لگائے رکھتا ہوں
وہ تاج وصیت عورت کی یہ تاج وفا کا حسن جنوں
تم کو نہ محبت ہو مجھ سے میں تم سے محبت کرتا ہوں

غزلیات

حرمت الاکرام

یہ تشنگی کی آگ ، یہ آسودگی کا زہر
پیتا ہے کس خوشی سے زمانہ خوشی کا زہر
کل انجمن نواز تھا تیرہ شبی کا زہر
آئی سحر تو پھیل گیا روشنی کا زہر
وہ بدگمانیاں ہیں کہ خود سے بھی خوش نہیں
خوابوں میں کون گھول گیا آگہی کا زہر
تاصبح آزمائی ہے تشنہ لبوں کا ظرف
وہ رات جس کے جام میں ہو چاندنی کا زہر
اک تیرا غم تھا مٹ نہ سکیں جس کی تلخیاں
تھا ورنہ خوشگوار بہت زندگی کا زہر
تاروا یہ رات مجھ سے گزاری نہ جائے گی
دلیس میرے اتار دو اپنی ہنسی کا زہر
شکوہ نہیں یہ سادہ دلی کا ہے تجربہ
ہوتا ہے دشمنی سے سوا دوستی کا زہر
اے گردشِ حیات! نہ لے مجھ سے انتقام
کیا کم عدوئے جاں ہے مری سادگی کا زہر
مدہوشیٔ حیات نہ سمجھی کہ جام میں
غم کا سرور کتنا ہے، کتنا خوشی کا زہر؟
حرمتؔ دو آتشہ ہے بلا کی، سرشتِ دل
منزل رسی کی پیاس ہے اور گمرہی کا زہر

نصر قریشی

دشتِ امکاں میں نئی راہ نکالی جائے،
غم کی جاگیر قرینے سے سنبھالی جائے،
وقت قاتل کی طرح سر پہ کھڑا تیغ بدست
کوئی تدبیر کرو وار تو خالی جائے
ایک تصویر خیالی کہ نہیں جس کا وجود
دوستو! ملکیتِ دل سے نکالی جائے
فکر کی وادی میں طاری ہے خموشی کب سے
ایک ہنگامے کی بنیاد ہی ڈالی جائے
شہر امید بھی پھیلائے ہے خود دستِ سوال
لیکے کشکول کہاں کوئی سوالی جائے
کاٹ کر رکھ دے جو پتھر کی لکیریں بھی نصرؔ
کوئی تلوار کبھی ایسی تو ڈھالی جائے

غزلیں

حباب ہاشمی

آہوں میں بدل جائیں اشکوں میں بھی ڈھل جائیں
اچھا ہے یونہی دل کے ارمان نکل جائیں

تزئینِ گلستاں میں اپنی تو یہ کوشش ہے
کانٹے جو چمن کے ہیں وہ آج نکل جائیں

ساقی تری محفل میں تخصیص نہیں اچھی!
کچھ لطف ادھر بھی ہو کچھ جام تو چل جائیں

ہنگامِ جنوں اکثر محسوس یہ ہوتا ہے
دیوار سے سر پھوڑیں صحرا میں نکل جائیں

جاتے ہو تو پھر جاؤ مڑ کے نہ ادھر دیکھو
کچھ اشک سرِ مژگاں ممکن ہے مچل جائیں

رہوارِ عزائم کو مہمیز لگاتا ہوں
اب گردشِ دوراں کے انداز بدل جائیں

محفل میں حباب اس کی اپنا تو یہ دعویٰ ہے
واعظ بھی بہک جائیں، زاہد بھی پھسل جائیں

عروج زیدی

عجز پیکرِ در باہمہ، اوج و کمال
ایسے انساں ہیں جہاں میں خال خال

پاسِ آدابِ وفا اور عرضِ حال
ان سے دل کی بات کہنی ہے محال

ارتقائے زندگی کا یہ مآل
زندگی کی دھڑکنیں نذرِ زوال

ان کی دنیا ہے وہ جو چاہیں کریں
میرے ذمّے تو ہے اس کی دیکھ بھال

دل کہ ہے آئینۂ مہر و وفا،
اور اگر پڑ جائے اس شیشے میں بال

اب مزاجِ حسن میں نرمی سی ہے
یہ محبت کے لیے ہے نیک فال

خلدِ گم گشتہ سہی دنیا عروج
کس کے چہرے پر نہیں گردِ ملال!

طفیل احمد مدنی

گداز و صبر و استغنا کا جو حامل نہیں ہوتا
نگاہِ معتبر میں دوستو وہ دل نہیں ہوتا
چمن ہو شہر کی گلیاں ہوں صحرا ہو تمھیں کیا
کہ پوشیدہ کہاں پر خنجرِ قاتل نہیں ہوتا
گزر اوقات کر لیتا ہے دنیا میں بہر صورت
مسافر خوگرِ آسائشِ منزل نہیں ہوتا
کوئی اس ڈوبنے والے کے دل کا حال کیا جانے
نظر میں جس کے تا حدِّ نظر ساحل نہیں ہوتا
وہ خلوت کا سکوں ہو یا کسی محفل کا ہنگامہ
کہیں پہ دل تمھاری یاد سے غافل نہیں ہوتا
تری نظروں نے اتنے پیچ و خم چھوڑے ہیں راہوں میں
کہ رہبر خود بھٹک جاتا ہے گر کامل نہیں ہوتا
انھیں گھڑیوں میں ہوتا ہے علاجِ چاک دامانی
یہ پچھلی شب کا سناٹا بھی لا حاصل نہیں ہوتا

بدرالدین بدرؔ قریشی

کچھ اسطرح سے اسیرانِ دردِ غم گذرے
کہ جس طرح کوئی آسودۂ کرم گذرے
قدم قدم پہ ملی حوصلے کی داد ہمیں،
کچھ اس طرح حدِ دار و رسن سے ہم گذرے
ہمیں رہے ستم و جور کے لئے مخصوص
کچھ ایسے دورِ مسرت بنام غم گذرے
خوشا کہ اس نے لیا امتحانِ صبر و شکیب
زہے کہ منزلِ تکمیلِ غم سے ہم گذرے
نہ حرف آئے کہیں عصمتِ محبت پر
رہِ وفا سے بصد احتیاط ہم گذرے

سیر و سفریات

قطرہ سمندر میں

سلیمان سالک

احباب نے اس ارضِ مقدس اور دیارِ حرمین کے سفر میں جس خلوص کا مظاہرہ کیا۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا۔ لیکن اس خلوص کے بدلہ میں، میں ان کو کیا نذر کروں؟

دریغ آمدن از ہمہ بوستاں   تہی دست رفتن سوئے دوستاں

اقبالؒ نے کہا تھا۔

زائران کعبہ سے اقبالؔ یہ پوچھے کوئی   کیا حرم کا تحفہ، زم زم کے سوا کچھ بھی نہیں

زم زم کا تقدس اپنی جگہ۔ لیکن اقبالؒ زم زم کے سوا بھی کسی اور چیز کے آرزومند تھے۔ زیرِ نظر تحریر جو رگ سنگ کی معرفت پیش کی جا رہی ہے۔ وہ کبھی کعبہ کے سائے میں سپردِ قلم ہوئی ہے اور کبھی حرم کی مسجد کے صحن میں کبھی، غارِ ثور کے راستہ میں کبھی مسجدِ نبوی میں اسی تحفہ گراں کو احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ کاش یہ تحفہ زم زم کے سوا کوئی چیز ٹھہرے! (س س)

○

۲ر فروری ۱۹۶۹ء
سلیمان سالک

وہ وقت آ ہی گیا جس کے لئے طبیعت کبھی آمادہ نہیں ہوتی یعنی رخصت و وداع۔ اپنے دل کی یہ فطری خامی ہے کہ کسی کے جاتے وقت یا خود چلتے وقت دل و دماغ میں ہیجان اور تلاطم سا برپا ہو جاتا ہے۔ ایک طرح کی عجیب الجھن ہوتی ہے۔ اکثر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ جی اس کیفیت سے بھاگتا ہے۔ میں اسکو اپنی کمزوری سمجھتا ہوں۔ پتہ نہیں۔ یہ زندگی سے فرار ہے یا کوئی مخصوص شاعرانہ کیفیت!۔
دوستوں کو یہ شکایت رہی ہے کہ جاتے وقت کا پتہ نہیں چلتا۔ ابھی پروگرام بن رہے ہیں۔ معاملات طے پا رہے ہیں۔ کل پرسوں کی باتیں ہو رہی ہیں کہ اچانک پتہ چلا کہ "چلے گئے"۔ ٹھکانہ پر

فون کیے جاتے۔ ایک دوسرے سے پرسش ہوتی ہے۔ لوگ حیران ہو جاتے ہیں ۔ بات کیا ہے دہی علیحدگی پر ذہنی کوفت ۔ نہیں چاہتا کہ روانگی کے وقت

دہ رہ رہ کر گلے مل مل کے رخصت ہوتے جاتے ہیں

والا معاملہ ہو لیکن سفر حج کی رخصتی تو ایسی نہیں جو عام دنوں کی ذیل میں آسکے ۔ اور پھر یہ رخصتی اپنوں سے ؟ جگر کے ٹکڑوں سے ؟ دل کی آرزوؤں سے ! ان کے پژمردہ چہرے ۔ انکا فکر آمیز انداز آخر کیسے دیکھا جائے ؟ یہ وقت پورے سفر کی صعوبتوں پہ بھاری تھا ۔ ہفتوں سے سوچ رہا تھا ۔ پروردگارا ایسے وقت کیا ہوگا ۔ آنکھوں کا طوفان کون روکے گا ؟ لبوں سے "فی امان اللہ" کیسے کہا جائے گا ؟ لیکن وہ وقت آہی گیا ۔

گھر کا حال کل سے بجھا بجھا سا محسوس کر رہا ہوں ۔ کل سے ان لوگوں کی بھوک ختم ہو گئی ہے چل پھر رہے ہیں ۔ بے جان لاشوں کی طرح تھکے تھکے سے کھوئے کھوئے سے اور خود بھی دو باتیں کیں ۔ آواز بھرا گئی ۔ آنکھیں چار ہوئیں جی امنڈ نے لگا ۔۔۔۔ ان لوگوں سے اپنی روانگی کیسے پوشیدہ رکھتا ۔ انتظام کون کرتا ؟ ۔

اس دور میں یہ بعد ، کوئی اہمیت نہیں رکھتا ، یہ سفر کوئی سفر نہیں لیکن جہاں پل ، کا بھروسہ نہ ہو ، احساسات نازک کیوں نہ ہو جائیں ؟ ۔

گیا ہے ۔
بچو ۔ عزیزو ۔ دوستو ! فی امان اللہ

○

○

۳ر فروری سنہ ۶۹ء
کانپور اسٹیشن

سینہ پر پتھر کی سل رکھ کر گھر سے رخصت ہو رہا ہوں سب میری طرف دیکھ رہے ہیں ، میں زمین کی طرف ۔ پلکوں کو ملنے نہیں دے رہا ہوں کہ امنڈتے ہوئے آنسو ٹپ سے گر نہ پڑیں ۔ دو رکعت نفل پڑھ لی ہے اب چل رہا ہوں ۔

اسٹیشن پر گاڑی آچکی ہے لوگ مصافحہ کیلئے پیچھے پڑ رہے ہیں ، بھائی آگئے بچے آگئے ۔ دل دونوں ہاتھوں سے پکڑ رہا ہوں چہرہ چھپا کر معانقہ کر رہا ہوں ۔ صبر کا بند ٹوٹ

۴ر فروری

چالیس گاؤں پر ٹرین اسٹاپ

سفر حج میں ضروری سامان کے ساتھ احرام کے کپڑے بھی لازم تھا اور چند گز وہ کپڑا بھی ملزوم ہے ۔ جو ہر مسلمان کے ساتھ قبر میں جاتا ہے ۔ موت کی ساعت معین کیا معلوم کب آجائے تو مسافرت کے عالم میں اس کپڑے کی کہاں سے فراہمی ہو ؟ ۔

بھائی کی زبان سے کئی بار سفر کے دوران انتظام

ن رہا تھا۔ کہ زم زم میں بھگونے والا کپڑا بھی لے لیا ہے۔
س کو بھگو کر واپس لے آنا" میں سوچتا تھا کہ بے وجہ اس
پڑے کو لادنا ہے۔ وہاں کپڑا سستا بھی ہے۔ اور اچھا
بی ہوگا۔ وہیں خرید لیں گے۔ بھگو لیں گے۔ لیتے آئیں گے۔
ہ تو راستہ میں پتہ چلا کہ آدمی اس سفر میں گھر سے کفن
بدوش چلتا ہے۔ ان کی محبت میری موت کا تصور بھی
رتے ڈرتی ہے وہ میرے کفن کی بات بھی کیسے زبان پہ
اتے جو شخص اپنے جسم کا آخری قطرۂ خون بھی ہماری
ضرورت پہ نکال کر دے سکتا ہو اسکو یہ خیال سوہانِ روح
کیوں نہ ہو؟

مدتوں سے دعائیں کر رہا ہوں کہ پروردگار! میری
نکھیں انھی کے سامنے بند ہوں میرا کمزور دل انکی موت کا
دمہ برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ جس شخص کی محنت میرے
سم کی توانائی، آرام و راحت اور زیب و زینت میں معاون
ہی ہو جس کی پرورش و پرداخت نے مجھکو پچاس برس
ے متجاوز عرصہ طے کرا دیا ہو۔ وہ مٹی بھی ٹھکانے لگا دے
لوگ یقین دلاتے ہیں کہ زائرِ کعبہ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں
اطمینان ہوتا ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

جو چور ہے دل کا وہ ہزار آئے نہ لب پر
دزدیدہ نگاہی بھی وہی بات کہے ہے

○

۶ر فروری

بمبئی پہونچ گیا ہوں۔ کاغذات کی تکمیل میں وقت صرف
ہو رہا ہے۔ ۱۱ر فروری کو ہمارا محمدی جہاز ہے۔ صابو صدیق
کے مسافر خانہ میں قیام ہے بمبئی شہر میں جہاں زمین کا حساب
انچوں میں ہوتا ہے۔ وہاں اتنا طویل و عریض مسافر خانہ صرف
رفاہِ عام کیلئے تعمیر کرا دینا بڑے دل گردہ کا کام ہے۔

○

۹ر فروری

بمبئی بارہا آیا گیا۔ بمبئی کو دیکھا تھا بمبئی کی نوک پلک بھی
دیکھی تھی۔ گل رخانِ سورت بھی نگاہوں سے گزری تھیں اور
مہوشانِ گجرات بھی، مہاراشٹر کی کڑک بھی مشاہدہ میں آئی
تھی اور میمن و بوہرہ کی خلیجی شکلیں بھی۔ ان سڑکوں کے بھی
طواف کئے ہیں۔ جہاں میخانہ آباد ہے۔ اور ان کوچوں سے
بھی گذرے ہیں جہاں جسم خریدے اور فروخت کئے جاتے
ہیں۔ چوپاٹی چرچ گیٹ انڈیا گیٹ۔ مالا بار ہل اور جوہو سے
بھی لطف اندوز ہوئے ہیں اور سمندری پہاڑیوں کے سینہ
چیر کر الیفنٹا کی صناعیوں کا بھی مشاہدہ کیا۔ ادیبوں سے بھی
رابطے رہے ہیں اور سیاستدانوں سے بھی واسطے نگارخانوں
کی حقیقتیں بھی سمجھی ہیں۔ اور اداکاروں کی نظر فریبیاں
بھی بھائی ہیں مگر آج، ــــــ آج زندگی کچھ بدلی سی معلوم
ہو رہی ہے۔ دل کا بربط جواب چھیڑتا ہوں تو اب
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں راگ ہی کوئی اور ہے۔

در کوئے عشق یار ــ قرارے گرفتہ ایم
از خویش رفتہ ایم و کنارے گرفتہ ایم

بمبئی کی وسعتیں اور دلچسپیاں سمٹ کر صابو صدیق کے مسافر خانہ
میں سما گئی ہیں۔ حسنِ ظاہر بے کیف ہو رہا ہے۔ اور حسنِ باطن
کی کوئی کرن نیزہ کی آنی کی طرح دل میں چبھتی جا رہی ہے
بمبئی کا نعرۂ رندانہ اور جلوہ مستانہ یہاں کی ایک چھوٹی سی
مسجد میں سبوحٌ قدوسٌ کے ترانے گا رہا ہے۔ (باقی)

ڈائمنڈ جوبلی سال
لیدر گڈس، اسپورٹس لیدر گڈس
پورٹ فولیوز و سفری سامان
خصوصاً
ھارنس اینڈ سیڈلری
تیار کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔
تشریف لاکر خدمت کا موقع فراہم کریں۔
ایس محمد اسمٰعیل اینڈ کمپنی
حسرت موہانی روڈ
ٹیلیگرام
فون
بینکرس:
الہ آباد بینک
چارٹرڈ بینک
اسٹیٹ بینک آف انڈیا
اپنی معیاری مصنوعات
کے لئے
دُنیا کے گوشہ گوشہ میں
۷۲ برسوں سے
شہرت یافتہ
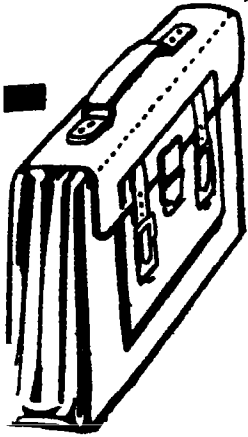
شخصیات

دبستان سیماب کے چند ممتاز شعراء

ساحل مانک پوری
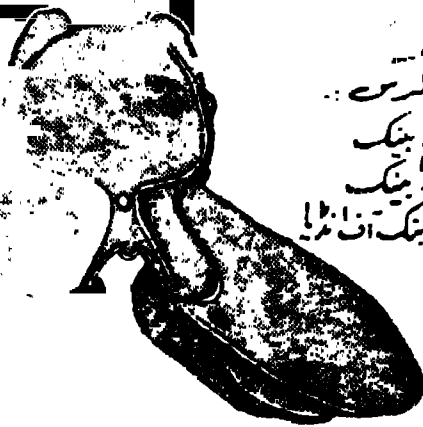
مکرمی تسلیم

جولائی و اگست کا مشترکہ شمارہ ملا۔ مضمون کی پسندیدگی کا شکریہ۔ حکم کے بموجب دوسری قسط ارسال کر رہا ہوں جس میں جناب شفیق کوٹی، فسر احمد نگری، شفق ٹونکی اور اسد نقوی صاحب شریک ہیں۔ علامہ سیماب کے سیکڑوں باکمال شاگردوں کو پرکھنا آسان کام نہیں۔ پھر بھی آپ نے اگر یہ سلسلہ جاری رکھا تو میں اس سلسلے کو قائم رکھوں گا۔ آئندہ قسط کے لئے زیادہ گنجائش پیدا کیجئے۔

نیازمند

ساحل مانکپوری

شفیق کوٹی شفیق اللہ خان شفیق قصبہ کوٹ فتحپور میں ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حسب رواج دینی مدرسوں میں حاصل کی ۱۹۲۴ء میں انجینیرنگ کا امتحان لکھنؤ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ سے پاس کیا۔ اور محکمۂ زراعت میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۳۱ء محکمہ سنٹرل ایکسائز میں فورمین کے عہدہ پر فائز ہوئے ۱۹۴۴ء میں ایگزامنر آف اسٹور ہو کر بمبئی تشریف لے گئے اور بٹوارے کے بعد ۱۹۵۰ء کراچی منتقل ہو گئے۔ ۱۹۵۱ء میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہو کر لاہور میں تعینات ہوئے اور اب تک وہیں مقیم ہیں۔

کوٹ ایک بڑا مردم خیز خطہ ہے فتحپور، کوٹ، ہنسگام بریلی، نصیر آباد، امیٹھی، بلگرام اور لکھنؤ وغیرہ ایک ایسی علمی و ادبی پٹی میں واقع ہیں جہاں سے نیاز فتح پوری، فرمان فتح پوری، ڈاکٹر محمد ابو سحر، سحر ہنسگامی، نشتر ہنسگامی، بہار کوٹی، نوح ناروی اکبر الہ آبادی، جلیل مانکپوری، علی شاہ بے نظیر، وحید کڑوی، مانی جائسی کوثر جائسی، ڈاکٹر مسیح الزماں، ڈاکٹر وحید اختر، نشتر سلونوی، مسعود اختر جمال، بسمل بلگرامی، آتش لکھنوی، نسیم لکھنوی، انیس لکھنوی وغیرہ جیسے ذی علم اور صاحب فن اساتذہ تعلق رکھتے ہیں۔

شفیق کوٹی نے ایک علمی ماحول میں پرورش پائی اور اپنی ذہانت و فطانت کے بھروسہ پر دنیائے شعر و ادب میں اپنا مقام متعین کیا۔ ایک زمانہ تک آپکا کلام اردو کے معیاری رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے اخبار و رسائل وغیرہ علاوہ مشاعروں اور نجی ادبی محفلوں میں لوگوں نے آپکے کلام کو سنا اور پڑھا ہے۔

موصوف تقریباً ۴۰ سال سے شعر کہہ رہے ہیں ان میں غزلیہ اشعار کی تعداد زیادہ ہے۔ نظمیں بھی کہی ہیں۔ لیکن اس تناسب

سے نہیں ۔

موصوف علامہ سیماب کے لائق ترین شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں ۔ انھوں علامہ سے شاعری کے فن میں قابلِ تحسین استفادہ کیا ہے ۔ علامہ سیماب ایک بھاری بھرکم شخصیت کے حامل استاد تھے جن کے فیض صحبت سے بہتوں نے حسب صلاحیت فائدہ اٹھایا ہے شفیق صاحب کے کلام میں پیدا شدہ گہرائی وگیرائی فکر و فلسفہ اور رموز و حکمت سیماب صاحب ہی کے اثر کا نتیجہ ہے ۔

بقولِ عبادت بریلوی ۔

"شفیق صاحب کی شاعری میں فن کو برتنے کی طرف جو اس قدر توجہ نظر آتی ہے وہ درحقیقت سیماب ہی کے اثر کا نتیجہ ہے ۔ اس اثر نے انھیں اشعار کی نوک پلک کو درست کرنا سکھایا ہے ۔ الفاظ کی صحیح تراش خراش سکھائی ہے غزل کی روایت سے صحیح طور پر کام لینے کے گر بتائے ہیں "

یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ سیماب جیسا استادِ فن برسوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے ۔ علامہ سیماب کی رحلت کے بعد اردو شاعری ایک باکمال استاد سے محروم ہوگئی اور نہ اب ایسی ہمہ گیر شخصیت پیدا ہو سکتی ہے ۔ علامہ کا اردو شاعری وہ مقام حاصل ہے ۔ جہاں پہونچنے کے لئے بڑی ریاض اور مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ان کے فیض صحبت نے جانے کتنے ادیبوں اور شاعروں کو اساتذہ کی صف میں پہونچا دیا ہے ۔ ان سے فیض اٹھانے والوں میں راز چاندپوری، ساغر نظامی، ضیا فتح آبادی، بسمل سعیدی، اثر مظفر نگری، اعجاز صدیقی، نثار اٹاوی، صبا متھراوی، رونق دکنی، جاذب سہرامی، نازش پرتابگڈھی، شفا گوالیاروی، طرفہ قریشی، مخمور جالندھری، حسامی مانک پوری اور قمر نعمانی سہسرامی وغیرہ قابل ذکر ہیں

اسی صف میں شفیق کوٹوی بھی دکھائی دیتے ہیں جن کی غزلوں کے مطالعہ کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے علامہ سیماب کی صحبت میں رہ کر کافی دستگاہ حاصل کرلی ہے ۔ غزلوں میں تغزل کی اعلیٰ روایات کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں سطحی جذبات سے احتراز کرتے ہوئے پاکیزہ خیالات سے اشعار میں گہرائی اور معنوی کیفیت پیدا کرنے کی فنکارانہ کوشش کی ہے ۔ کلام میں رنگینی و دلکشی سادگی اور روانی پیدا کرنے کیلئے مترنم بحروں کا انتخاب ان کے شاعرانہ اور عارفانہ ذہن کا پتہ دیتا ہے انھوں نے عشقیہ واردات و کیفیات کی ترجمانی میں کہیں بھی شائستگی کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار للعوہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں ۔

موصوف کی غزلوں میں صرف عشقیہ مضامین کے حامل اشعار ہی نہیں ہیں بلکہ انہیں زندگی کی مختلف صورتیں بھی نظر آتی ہیں زندگی میں آنے والے مختلف مسائل، دکھ درد، عیش و نشاط، تکلیف و آرام اور دوسرے لوازمات کو شعر کے پیکر میں بیان کرنے کی شاعرانہ کوششوں کا بہت بڑا دخل ہے جسکی وجہ سے غزل میں محض روایتی اسلوب نہیں پایا جاتا بلکہ نئی زندگی کا شعور اور اسکے برتنے کا سلیقہ نظر آتا ہے لیکن مشکل اور دقیق مضامین کی طرف کم ہی توجہ پائی جاتی ہے ۔ اسی لئے نہ کہیں غالب کا فلسفہ و حکمت اور نہ اقبال کی عارفانہ لے بلکہ وہاں تو دھیمی دھیمی سلگتی ہوئی کسک اور ہلکی ہلکی موسیقیت اور نغمگی کی پھوار ہے ۔

نمونۂ کلام

یہ کیسی کیسی سی کلیاں یہ سہمے سہمے سے پھول
عجیب رنگ گلستاں ہے دیکھئے کیا ہو
میں پھر رہا ہوں زمانے میں آشیاں بردوش

نظر میں اپنا گلستان ہے دیکھئے کیسا ہو

کس سے کہوں کہ میرا نشیمن اجڑ گیا
کس کو نہیں یہ رنج پریشاں کئے ہوئے

گزری ہے میرے بعد گلستاں میں کیا خفیق
پوچھوں جو مجھ کو موسمِ دیوانہ گر ملے

وقت کا سیل رواں ہجر کا پابند نہیں
میں جیوں یا نہ جیوں رات گزر جائے گی
یہ اندھیرا یہ ستاروں کی تجلی کب تک
ٹوٹ جائے گا فسوں رات گزر جائے گی

رفتہ رفتہ غمِ الفت نہ بنے سیل رواں
بڑھتے بڑھتے نہ یہ پانی میرے سر سے گزرے

تمہاری یاد میرے دل میں اس طرح آئی
کہ جیسے آئے دبے پاؤں گلستاں میں صبا

وہاں تو جنبشِ لب پہ زباں کٹتی ہے
جو ہم خموش نہ رہتے تو اور کیا کرتے

آندھیوں میں لرزاں تھا زیست کا چراغ اپنا
زیست کا چراغ اپنا آندھیوں میں لرزاں ہے

افسر احمد نگری

عبدالغفور افسر احمد نگر (گجرات)

جولائی ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام مولوی محمد اسمٰعیل تھا۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم والد کے زیر نگرانی حاصل کی اسکے بعد میونسپل اسکول میں داخلہ لیا۔ وہاں کی تعلیم ختم کرنیکے بعد ۱۹۳۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا مزید تعلیم والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے جاری نہ رہ سکی۔

موصوف کو ذوق شعری ورثے میں ملا تھا۔ ان کے دادا فقیر محمد تیغ اور چچا سلیمان خان اوج احمد نگر کے اچھے شاعر ہوئے ہیں۔ افسر کی ابتدائی غزلوں میں روایتی تغزل کی چھاپ نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے ذوق سخن کو مشاہدۂ فطرت اور مطالعہ کے ذریعہ ترقی دی اور ایک نئی راہ نکالنے میں کامیاب ہوئے یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں تغزل کے ساتھ ہی فکر اور گہرائی کی معنوی خصوصیتیں نظر آتی ہیں۔ اعجاز صدیقی کہتے ہیں۔

> "یہ وہ زمانہ تھا جبکہ افسر علامہ اقبالؒ اور
> غالب کا گہرا مطالعہ کر رہے تھے۔ ان
> کے شب و روز ان دو ممتاز اور عدیم المثال
> شاعروں کے کلام کو سمجھنے اور لطف اندوز
> ہونے میں صرف ہوتے تھے اسی دوران
> میں علامہ سیماب کے کلیات نظم و غزل
> سے بھی ذوق مطالعہ کا شوق ہوا۔
> افسر نے تینوں شعراء کی جدا جدا راہوں
> کو سمجھنے کی کوشش کی اور اپنے ذوق و
> وجدان کے ایما سے علامہ اقبال
> کے رنگ کا نشتر اپنے دل میں چبھو لیا
> ان کے یہاں بھی عزم و یقین کی وہی
> منزل ہے جو اقبال کے یہاں ہے"

افسر نے علامہ اور غالب کے تلامذہ سے گہرا اثر لیا لیکن بعد کو علامہ سیماب کی رہنمائی میں بہت جلد صاف اور واضح منزلوں کا سراغ پالیا۔

افسرکے کلام میں اقبال کی صدائے بازگشت ہے موصوف جگہ جگہ خودی کی تفسیر بیان کرتے ہیں اور ان کا ذہن رسولِ خدا کی تعلیمات سے تابندہ و درخشندہ ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی فلسفہ اور اسلام کے حقیقی خدوخال کو اجاگر کرنے میں کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے کلام پر اقبال کے شعری رجحانات کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔ ساتھ ہی ان کی شاعری میں نئے رجحانات وخیالات کی پرچھائیاں بھی متحرک دکھائی دیتی ہیں۔ زبان و بیان میں وقار، غلطت، عربی فارسی کے بلند اور بھاری بھرکم الفاظ، مشکل اور دقیق تراکیب اور اسلوب کی ہمواری نے کلام کو روانی، برجستگی اور گہرائی بخش دی ہے۔

احمد نگر کا یہ باکمال شاعر کم عمری میں ہی ۲ر دسمبر ۱۹۶۳ء کو شب میں ۲ بجے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

موصوف کا مجموعہ کلام "خاورستان" اور دوسرے دو متفرق مجموعے شائع ہوئے۔

نمونۂ کلام

حق و باطل

کشاکشِ حق و باطل سے بے نیاز ہے تو،
تری خودی کو گوارا ہے ربطِ شیشہ و سنگ
نہ پوچھ مجھ سے حریفانِ تشنگی کا مآل
ہنوز جلوۂ آبِ فرات ہے بے ننگ

آتشِ نمرود

ابھی ہے ماہ کواکب کو انتظارِ حسینؓ
اگرچہ برق بہ داماں ہے آسمانِ کبود
یزیدیوں کی جفاؤں سے تو ملول نہ ہو
فروغِ عشق کا باعث ہے آتشِ نمرود

آئینۂ محکم

عرب کے سوز میں باقی نہیں وہ ذوقِ طلب
سکھائی جس نے مسلمانوں کو گرمیِ گفتار
خودی کی موت سے ہوتی ہے پرورش اسکی
وہ اختلال کہ ہیں جس میں اُمتوں کے مزار

جادۂ کلیم و خلیل

نگاہِ شوق میں ہے جلوۂ خانۂ جبریل
وہ دشت و سادہ کی پنہائی و ہجومِ نخیل،
تری نوائے پریشاں ہے صورِ اسرافیل
کہ تو ہے راہروِ جادۂ کلیم و خلیل

اشعارِ غزل

میرے نغموں سے ہے یہ گرمیِ گلبانگ سروش
کیا مزا ہو جو میری خاک پریشاں ہو جائے
دور ہے منزلِ ادراکِ حقیقت افسر
دل نہ ہنگامۂ باطل سے پریشاں ہو جائے

میری اِن ہستی مجنوں آنکھوں میں اے لیلیٰ جمال
رقص فرما رازِ عمرِ جاوداں ہے اور میں
عرش سے لایا ہوں اے افسر جنونِ تیز گام،
وسعتِ عالم بقدرِ یک فغاں ہے اور میں

نوٹ:- حضرت شفق ٹونکی اور اسد نقوی صاحب کے نمونۂ کلام اور ان سے متعلق مذکورہ صفحات کی گنجائش نہ ہونے کے باعث ملاحظہ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے ——— مدیر ——

شخصیات

معراج الدّین خسرو

اودھ کے ایک صوفی شاعر

محی الدین حسن سہیل

محی الدین حسن سہیل کا کوروی قارئین رگ سنگ کیلئے اجنبی نہیں رہے ہیں۔ گذشتہ مسلم پرسنل لا نمبر میں آپ کا تحقیقی مضمون "فرقت کاکوروی ایک جائزہ" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ سہیل صاحب کی عبارت میں چاشنی اور حسن بیان کی رنگینی کا عنصر نمایاں ہے ——— (ادارہ)

لکھنؤ سے چند میل کے فاصلے پر ایک قصبہ بنام کاکوری مشہور ہے۔ یہ قصبہ علم و ادب اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ایک خاص شہرت کا حامل ہے۔ یہاں کی سرزمین نے عظیم انسانوں کو جنم دیا جنھوں نے ہندوستان کی روحانی شان سے یہاں کے علم اور کلچر پر خاص اثرات مرتب کئے ہیں۔ اب سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل قلندریہ سلسلے کے ایک بزرگ شاہ محمد کاظم نے اس خطۂ کاکوری میں تارک الدنیا ہو کر یاد خدا میں اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے اپنی چھوٹی سی کٹیا ڈال دی۔ شاہ کاظم قلندر کی چھپی ہوئی صوفیانہ صلاحیتیں بو نے گل کیطرح پھیل گئیں اور باوجود انتہائی اخفا، کے اہل نظر نے انکی روشن ضمیری کو پہچان لیا اور چہار طرف سے دینی اور دنیاوی حاجات لیکر انکی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے اور شاہ صاحب کی ایک معمولی سی کٹیا نے ایک خانقاہ کی صورت اختیار کرلی حضرت شاہ کاظم قلندر خود بھی نغمے سے خاص شوق رکھتے تھے اور برج بھاشا کے بڑے پائے کے شاعر تھے۔ نیز آپ کے صاحبزادہ حضرت شاہ تراب علی قلندر اردو، ہندی اور فارسی کے عظیم شعراء میں شامل ہیں ان حضرات کے کلام دراصل انکی روحانیت اور واردات قلبی کا عکس ہے۔ ان کو جو کچھ بھی حاصل ہوتا رہا وہ اسکو اپنے دل میں چھپاکر نہ رکھ سکے بلکہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے عیاں کر دیا۔ معمولی معمولی اشعار میں ان رموز کو بے نقاب کیا ہے جسکو فلسفی اور مفکر ذہن بھی برسوں کی محنت کے باوجود نہ سلجھا پایا۔ انھوں نے مئے عرفان کے کرشمے ظرب آگیں میں جو کچھ بھی کہہ دیا دنیا حیرت میں پڑ گئی اور بہتوں کو غم دنیا سے نجات مل گئی

یہ ذکر تو ان حضرات کا تھا جو خود کامل تھے لیکن ان سے وابستہ کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنھوں نے ان کے قدموں کی دھول سے تکمیل حاصل کی اور وہی رنگ پایا جو ان کے رہنماؤں کا تھا۔ اپنے ساقی کی مست نظروں کی کرشمہ سازیوں پر قربان ہو کر اپنی ہستی کو انکی ہستی میں جذب کر کے اس محبوب حقیقی کے دیدار کئے جو اپنے رخ زیبا کو حجاب کے

۔ دوں میں اسطرح مستور کئے ہوئے ہے کہ کسی صورت سامنے ہی نہیں آتا اور جب انکو اس دیدارِ حسین سے سرفراز کیا گیا تو انھوں نے اس صورت ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جس نے انکو اس مقام تک پہونچایا تھا ان کے رہنما نے انکو اس منزل تک پہونچا دیا جسکی راہ و رسم سے وہ خود واقف تھے۔ جب ان پاکیزہ دلوں میں نورِ عرفان کی جگمگاہٹ اپنی پوری ضیا پاشیوں سے ساتھ پھیل گئی تو ان کے ذہن و تخیل نے بھی اپنی روشنی سے کسبِ نور کیا اور ان کے جذبات بلند نغمات کی صورت میں سامنے آ گئے منشی معراج الدین خسرو بھی بہ فیضِ نگاہِ ساقی ایک رندِ میخانۂ معرفت بنے اور شعر گوئی میں اپنے ساقی اپنے زاہد عجیب محبوب کی شوخیوں کو سمونا اپنا شعار بنا لیا خسرو آستانۂ کاظمیہ سے وابستہ مرید خاص تھے جنھوں نے حسنِ خدمت کے ذریعہ یہ مقام حاصل کیا کہ ان کے پیر و مرشد مولانا حافظ شاہ علی انور قلندرؒ نے ان کے متعلق اپنے صاحبزادہ شاہ حبیب حیدر قلندرؒ سے فرمایا کہ ہم نے حبیب اور معراجؒ کی روح ایک کر دی چنانچہ مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ سے ان کی معاملت تا زندگی دوستانہ رہی اور جو مقام انھیں حاصل ہوا وہ مخصوص شعراء میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ خسرو شعر گوئی میں استاد جلیل مانکپوری سے اصلاح لیتے تھے اور اپنے استاد کے شوخ رنگِ سخن کو بالکل اپنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

خسرو کاکوروی اس دور کے شاعر تھے جب اردو شاعری جوش کے انقلابی ترانوں، جگر کے مستانہ کلام، فانی کے قنوطی افکار، اصغر کی عارفانہ غزلوں اور حسرت کی معصومانہ فکر سے نکھر اور سنور رہی تھی انھوں نے اپنے دور کے شعراء کے رنگِ سخن سے مکمل تو نہیں کچھ ہٹ کر نغمہ سرائی کی اور استاد جلیل کی شاگردی کا پورا حق ادا کر دیا لیکن افسوس کہ آج تک خسرو کا کلام رنگیں باوجود بے پناہ جاذبیت کے منظرِ عام پر نہ آسکا ممکن ہے یہ بھی ان کے صوفیانہ پوشیدگی کی وجہ سے ہوا ہو!

شاعری میں انسان کو سب سے پہلے جو چیز متاثر کرتی ہے وہ الفاظ کی مناسب نشست اور خیال کی ایسی ادائیگی جو بیک وقت نغمگی بھی بکھیرے اور جذبات کی دنیا میں ہلچل بھی مچا دے۔ ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔ ؎

ہو مبارک تجھے یہ جام و صراحی ساقی
سب سلامت رہیں یہ تیرے شرابی ساقی
ایسی مے دے کہ جسے پی کے میں اتنا بہکوں
خود کو ساقی کہوں اور تجھ کو شرابی ساقی
سارا میخانہ اڑا جاؤں بلا نوش ہوں میں
تجھ سے سب چھین کے کر دوں تجھے خالی ساقی
ایسی مے اور کہیں جاؤ تو ملتی ہی نہیں
اتنی جو کچھ ہے کہ قطرہ بھی ہے کافی ساقی

اشعار کی مستانہ کیفیت پڑھنے یا سننے والے کے ذہن کے پردہ پر ایک ایسے میخانہ کی تصویر ابھارتی ہے جہاں ساقی رندوں کا امام ہوتا ہے اور اس ساقی سے مست و الست میکش اپنے سنوارے جانے کی گذارش کرتے ہیں۔ اس غزل کا پہلا شعر دعائیہ ہے۔ دوسرے شعر میں کی گئی التجا شاعر کی نسبتِ قلندریت کو ظاہر کر رہی ہے اور تیسرے شعر میں اپنے پیمانے کے وسیع ظرف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسکا کہنا بقول جگر یہ ہے۔ ؎

پوچھا کیا کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے
سب الٹ دے ساقیا جتنی بھی میخانہ میں ہے

جگر ایک خود بھی صوفی منش شاعر تھے۔ اس لئے یہاں
ان کا خیال خسرو کے خیال سے بالکل مل گیا۔ خسرو کی شاعری
میں فارسی زبان کی شیرینی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اگرچہ
وہ فارسی میں بھی اچھے شعر کہتے تھے لیکن انکی اردو میں فارسی
کا رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ ان کے کلام کا ردِ عمل ایک ناقابلِ
بیان ٹھنڈک کے احساس سے کیا جاتا ہے۔ گو ان کا موضوع
سخن صرف حسن و عشق کی رنگینیوں تک محدود ہے لیکن پھر
بھی یہ کیا کم ہے؟ کائنات حسن کے علاوہ ہے کیا! حسن کی
خود بینی اور خود آرائی معاملات محبوب و محب کی کچھ جھلکیاں
اور دیکھنا ہوں تو یہ غزل ملاحظہ ہو۔ ؎

بے تابیوں سے نیند نہ آئی تمام رات
اشکوں سے دل کی آگ بجھائی تمام رات
وعدوں پہ وہ نہ آئے شبِ انتظار میں
روٹھی رہی قضا بھی نہ آئی تمام رات
چھیڑا جو آرزو کو تو وہ مسکرا دیئے
بجلی ہمارے دل پہ گرائی تمام رات
خوں کرکے آرزو کا پریشان ہو گئے
مہندی لگا لگا کے چھڑائی تمام رات
ترچھی نگاہِ ناز وہ دل میں اتر گئی
تلوار ان کی خوں میں نہائی تمام رات
تارے بھی جھلملانے لگے آسمان پر
افشاں نے کی تھی جشن نمائی تمام رات
خسرو والے بزم میں دیکھا کیا کوئی
دیکھا نہیں شراب پلائی تمام رات

پوری غزل اپنے دامن میں شوخی کے جواہر چھپائے
ہوئے ہے۔ شاعر ہجر اور وصال دونوں کی کیفیات سے
دوچار ہے۔ یہ دو نقطے ایک دوسرے کے منفی
ہونے کے ساتھ بہت ہی کم فاصلہ رکھتے ہیں۔ کبھی تو
ہے تو ہجر ہی ہجر اور اگر مل گیا تو بغیر امید وصال کچھ
ہجر سے وقفہ صرف چند ساعتوں پر منحصر ہوتا ہے۔ شروع
کے اشعار جدائی کے غماز ہیں جب محبوب عاشقِ سوختہ
ساماں کے سیہ خانے میں آنے کیلئے زلفیں سلجھا رہا تھا
تو بقول غالب ؎

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یاں ہجوم اشک سے تارِ نگہ نایاب تھا

یہاں عشق ایک ایک پل آہوں پر کاٹ رہا ہے اس
بتِ بے مہرا اور غارت گرِ صبر و وفا کا انتظار کر رہا تھا
کہ ایکدم بجلی چمکی اور جلووں نے بقول حسرت با وصف
عصمت وصل کی شب انتہائی معصومانہ بے حجابیاں
شروع کر دیں اور اسکی ترچھی نگاہ تلوار بن کر عاشق کے
دل کے پار ہو گئی اور اس دردِ لذت آگیں کا بیان اس
لئے اپنے اشعار کے ذریعہ کر دیا ہے۔ چوتھا شعر خاص
جلیل کے رنگ کا ہے۔ مہندی کو جلیل نے بھی خون
آرزو سے تشبیہ دی ہے۔ ان کا شعر ہے ؎

مہندی میرے لہو کی مبارک ہو آپ کو
رنگ وفا بھی اس میں ہے بوئے وفا بھی ہے

لیکن "مہندی لگا لگا کے چھڑائی تمام رات" جس انداز
سے نظم کیا گیا ہے وہ منفرد بھی ہے اور اس (کانشس
CONSCIOUS) کا جو بیان کیا ہے اس کا انداز بڑا
پیارا ہے۔

ایک دوسری غزل اپنے انداز کی نئی اور اپنے زمانہ
مقبول ترین غزل بھی جس میں محبوب سے مکالمہ کی صورت

میں بڑی ہی دلربا باتیں بڑی ہی پرفضا ماحول میں ہوئی ہے۔ سہ

اس نے کہا ہستی تیری، میں نے کہا جلوہ تیرا
اس نے کہا پھر ہستی، میں نے کہا پردہ تیرا
اس نے کہا دل لے گیا، میں نے کہا ہاں لے گیا
اس نے کہا وہ کون تھا، میں نے کہا غمزہ تیرا
اس نے کہا کس سے گلہ، میں نے کہا تقدیر سے
اس نے کہا تقدیر کیا، میں نے کہا منشا تیرا
اس نے کہا باران غم، میں نے کہا رونا میرا
اس نے کہا برق ستم، میں نے کہا ہنسا تیرا
اس نے کہا شام بلا۔ میں نے کہا گیسو تیرے
اس نے کہا صبح صفا میں نے کہا چہرہ تیرا

یہ غزل مسلسل حسن وعشق کے باہمی معاملات کی ترجمان ہے۔ محبوب کے بھولے بھالے سوال اس کے جواب میں عاشق کے پُرمعنی جواب سے یہ غزل فن کی ایک نادر مثال ہے جس میں بیک وقت دو طرح کے طرز ہائے فکر کو یکجا کر دیا گیا ہے اس کی سادگی اور فصاحت اردو غزل کو ایک نیا رنگ و آہنگ دے رہی ہے۔ بے ساختہ دل چاہتا ہے کہ بار بار اس غزل کو پڑھیں۔ بقول اثر سہ

پھر ہو سرگرم تکلم اسی انداز کے ساتھ
حسن لو دینے لگیں شعلۂ آواز کے ساتھ

اس شاعر کے کلام میں ایسا اثر ہے کہ یہ قلب انسانی کو اپنی طرف بیک نظر مائل کر لیتا ہے اور سننے والا اس کا شیدا ہو جاتا ہے۔ خسرو کاکوری کا انتقال ۱۹ صفر ۱۳۵۵ھ ہوا۔

آخر میں کچھ اور اشعار درج ہیں۔ سہ

۱۔ دم آفرو وہ یار ملنے نہ آئے
میرے دل کو قرار آئے نہ آئے

۲۔ پلا ساقی میری آنکھوں کے صدقے
کہ پھر فصل بہار آئے نہ آئے

۳۔ ہزار مجمع خوباں دماہرو ہو گا
نگاہ جس پہ ٹھہر جائے گی وہ تو ہو گا

۴۔ جان میری ہو اداؤں پہ نثار
تم نے صدقہ تو اتارا ہی نہیں

۵۔ کہیں وہ بن سنور کر آج مہماں جانے والے ہیں
تمنائیں میری لے جذب دل تیرے حوالے ہیں

۶۔ دل کی خطا ہو یا کہ نظر کا قصور ہو
تم سے بھی کوئی اور ہے اچھا ہے جواب دو

۷۔ میں بھی اک آئینہ ہوں تمثال عشق
تم نے کبھی ہائے نہ دیکھا مجھے

۸۔ آئینہ پر نگاہ جو کی دل تڑپ گیا
کیا ہو جو کوئی آنکھ ملائے رقیب سے
جس خار کو چاہے وہ گل تر ہو جائے
دیکھے جو صدف کی سمت گوہر ہو جائے
خسرو میرے ساقی کا تقرب یہ ہے
جس جام کو منہ لگائے کوثر ہو جائے

مضمون نگاروں سے

ناقابل اشاعت مضامین صرف اسی وقت صاحب مضمون کو واپس بھیجے جائیں گے جبکہ اس کے ساتھ واپسی ٹکٹ بھی موجود ہو۔ بصورت دیگر انھیں ضائع کر دیا جائے گا۔

(نائب مدیر)

تحقیقات

"طرزِ شادیاں"

کمال یوسف

زیرِ نظر مضمون دنیا کے تین بڑے مذاہب مسیح، اسلام اور ہندو کی طرزِ تقریب شادی پر ایک غائر نظر ہے۔ ان طرز شادیوں کی صرف مذہبی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ جس طرح ان کے معاشرے میں بھی رائج ہیں، تصویر کشی کی گئی ہے۔

سب سے پہلے میں عیسائیوں کی طرزِ شادی آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اِن کے یہاں شادی کا اوّلین مقصد جنسی تسکین ہے تاکہ جنسی بے راہ روی نہ پھیلنے پائے۔ ویسے زیادہ فوقیت شادی نہ کرنے اور مجرد زندگی گذارنے پر دی گئی ہے۔ اس کی مثالیں پادری اور نن (NUN) ہیں جو تمام عمر شادی نہیں کرتے اور اپنے آپ کو نفس کے تابع نہیں بناتے۔ دوسرا مقصد اِن کی شادی کا ہے۔ مرد عورت کا باہمی رشتہ جو کہ معاشرے کے ذریعہ منظور کیا جاتا ہے اور پھر نسل کو آگے بڑھانے میں مدد دیتا ہے۔ لڑکی یا لڑکے کا چناؤ ماں باپ کرتے ہیں یا طرفین خود ہی ایک دوسرے کو پسند کر لینے کے بعد ازدواجی زندگی میں بندھ جاتے ہیں۔ ان دونوں کے چناؤ کے وقت کچھ باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے جیسے خون کا رشتہ، معاشرتی اہمیت، خاندانی پوزیشن وغیرہ۔ خون کے رشتے کے معاملے میں عیسائی مسیرے، چچیرے، پھپھیرے بھائی بہنوں میں شادی کو غیر مذہبی سمجھ

اِن مراحل سے گذرنے کے بعد منگنی کی رسم پوری کی جاتی ہے۔ یہ رسم لڑکی والوں کے گھر پر ہوتی ہے۔ یار اور دوسرے رشتے داروں و برادری کے لوگوں کو بلایا جاتا تاکہ اجتماعی طور پر سب کی منظوری لی جا سکے۔ لڑکے والے مٹھا انگوٹھی، روپیہ، ناریل اور رومال لے کر جاتے ہیں کچھ لڑکی کیلئے کپڑے بھی لیجائے جاتے ہیں جو اسکو اس تقریب پہننا ہوتے ہیں۔ لڑکے لڑکی کو ایک ساتھ بٹھایا جاتا ہے پادری بائبل کی آیتیں پڑھتا ہے۔ پھر لڑکا لڑکی کو ایک انگو دیتا ہے۔ پادری دونوں کو انگوٹھیاں پہنا کر منگنی کی رسم کو پورا کر دیتا ہے اور بعد تقسیم مٹھائی اس دن کا پروگرام ختم اور اس کے بعد لڑکا اور لڑکی ایک ساتھ گھوم پھر سکتے

منگنی کی رسم کے تین ہفتے کے بعد شادی منعقد ہو ہے اور اس کیلئے ضروری ہے کہ لڑکا و لڑکی کو چرچ کا ہونا چاہیئے۔ کردار کے اچھا ہونے کی سند ہونی چاہیے

اور اپنی شادی کیلئے چرچ کو ایک عرضی لکھنی چاہیئے۔ ان تین ہفتوں کے دوران دونوں چرچوں میں (جس کے لڑکا اور لڑکی ممبر ہیں) اُن کی شادی کا اعلان ہوتا ہے تاکہ اگر کسی کو ان کی شادی پر کوئی اعتراض ہو یا وہ اس بات سے واقف ہو کہ یہ شادی غیر شرعی ہے تو وہ اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ کسی اعتراض کے نہ ہونے پر شادی کی تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے۔ نکاح عام طور پر اُس چرچ میں ہوتا ہے جسکی ممبر لڑکی ہوتی ہے۔ چرچ میں پہلے دولہا پہنچتا ہے اور دولہن کے آنے پر گھنٹے بجائے جاتے ہیں۔ نکاح سے پہلے پادری ایک بار پھر سب سے پوچھتا ہے کہ آیا کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں۔ یہی بات دولہا اور دولہن سے بھی پوچھی جاتی ہے۔ کسی بھی قسم کے اعتراض نہ ہونے پر پادری نکاح پڑھاتا ہے سب ان کیلئے دعا مانگتے ہیں اور محفل برخاست ہو جاتی ہے

ان کے یہاں مرد ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتا۔ طلاق دولہا یا دولہن کسی کی طرف سے بھی دی جا سکتی ہے۔ جہیز یا مہر کا کوئی مسئلہ ان کے یہاں درپیش نہیں

ہندو شادی

ان کے یہاں شادی کا اولین مقصد مذہبی ہے۔ کیونکہ اِن کے مذہب میں مذہبی کاموں کو پورا کرنے کیلئے عورت کا ساتھ ہونا فرض بتایا ہے۔ دوسرا مقصد نسل کو اور خاندان کو آگے بڑھانا اور آخری مقصد جنسی تسکین ہے۔ اسطرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے یہاں جو مقصد آخری ہے وہ عیسائیوں کے یہاں اوّلین ہے

ہندوؤں کے یہاں دولہا دلہن کا انتخاب زیادہ تر ماں باپ کرتے ہیں۔ شادی کی بات چیت لڑکی والے لیکر جاتے ہیں لڑکے کی تعلیم و تربیت کے مطابق خاندانی پوزیشن کی بنیاد پر جہیز کی رقم وغیرہ طے کی جاتی ہے یہ رقم و جہیز اتنی مقدار میں ہوتا ہے کہ لڑکی والا اس بوجھ تلے ایسا دبتا ہے کہ نکلنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں لڑکی کی پیدائش کو اچھا تصور نہیں کیا جاتا ہے۔

ہندوؤں میں شادیاں زیادہ تر اپنی ہی ذات کے اندر ہوتی ہیں۔ چاچا۔ خالہ۔ ماموں۔ پھوپھا کے یہاں شادی کرنا ممنوع ہے۔ ایک ہی ذات میں شادیاں کرنے کی وجہ سے ان کی سماجی زندگی بہت محدود رہی ہے لیکن آج کے انڈسٹریل دور میں یہ سب بندھن ٹوٹ رہے ہیں اونچی ذات کی لڑکی نیچی ذات میں نہیں آسکتی لیکن نیچی ذات والا اپنی لڑکی کی شادی اونچی ذات میں کر سکتا ہے اس کی وجہ سے جہیز کی رقم، دولہا کی رقم، بے میل شادیاں اور غریب ماں باپ و لڑکیوں کی خودکشیاں بڑھ گئیں۔

ہندوؤں کے یہاں اب تو صرف ایک شادی (MONOGAMY) رائج ہے۔ ۱۹۵۵ء سے پہلے ہندو ایک سے زائد بیویاں رکھ سکتے تھے اور کچھ قبائل میں اب بھی (POLYANDRY) رائج ہے۔ یعنی ایک عورت کے ایک سے زائد شوہر ہوتے ہیں۔ اسکی وجہ غریبی، لڑکیوں کی کمی وغیرہ ہے ہندوؤں میں بیواؤں کی شادی مذہب کے برخلاف تھی اور اسکی وجہ "کنیا دان" تھی۔ کیونکہ ایک بار دان (خیرات) کی گئی چیز دوبارہ دان نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ۱۹۵۶ء میں ایک قانون پاس ہوا جس کی رو سے ایک ہندو بیوہ دوسری شادی اپنی پسند سے یا اپنے سرپرستوں کی مرضی کے مطابق کر سکتی تھی۔ مگر اس قانون کو ابھی سماجی منظوری نہیں ملی ہے وجہ؟ مذہبی نقطۂ نظر!!

مسلم شادی

اب میں اس طرز شادی کی بابت بیان کر رہا ہوں جو ہم سے ہی متعلق ہے۔ یعنی مسلم

شادی۔ اس شادی کو بیان کرنے کیلئے میں پورے مسلم معاشرے
کو تو نہیں ہاں صرف اپنے ہی معاشرہ میں ہونے والی شادیوں
کی تصویر کشی کر دونگا اور یہ تصویر کم و بیش ہر مسلم معاشرہ کی نمائندگی
کرے گی۔

شادی کا مذہبی نقطۂ نظر مسلمانوں کے یہاں یہ ہے
اَلنِّکَاحُ نِصْفُ اِیْمَان۔ یعنی نکاح آدھا ایمان ہے اور
ساتھ ہی ساتھ جنسی ملاپ کیلئے سماجی و مذہبی منظوری
بھی ہے۔ تیسرا اور آخری مقصد نسل مسلم کو آگے بڑھانا ہے
خیر تو لیجئے اب میں آپ کے سامنے اسکی معاشرتی
تصویر پیش کر دوں۔

لڑکے کے جوان ہو جانے پر ماں باپ کا اسکی شادی
کیلئے فکرمند ہونا لازمی ہے اور جبکہ لڑکا کا 'پوت' ہو
اس مسئلے کو طے کرنے کیلئے ایک 'ہنگامی' میٹنگ بلائی جاتی
ہے۔ جس میں یہ 'بل' پاس ہوتا ہے کہ کون سی لڑکی انکی
شریک حیات بننے کیلئے بہتر ہوگی۔ پھر کسی 'سفیر' کا انتخاب
کیا جاتا ہے جو لڑکے والوں کے اس پیغام کو لڑکی کے
سرپرستوں تک کچھ ہچکچاتے ہوئے' کچھ لجاتے ہوئے'
کچھ شرماتے ہوئے پہنچاتا ہے۔ منظوری مل جانے کے بعد
یہ خوشخبری اس کے حق داروں تک پہونچاتا ہے اور پھر
اس کے بعد 'بات چیت' پکی ہونے کی مہم شروع ہو جاتی
ہے۔ یہ مہم زیادہ تر عورتوں کے ذریعہ سر کی جاتی ہے
اس میں والدین کی تمنائیں' بہنوں کے ارمان' رشتہ داروں
کی خواہشیں ہی تکمیل میں آتی ہیں۔ خاندان کی سرکردہ
سرکردہ ہستیوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی مختلف ٹولیاں
کئی قسطوں میں لڑکی کے یہاں جاتی ہیں یہ قسطیں زیادہ
تر پیر یا جمعہ کو جاتی ہیں۔ آخری قسط میں لڑکی کے
لوگ پان اور الائچی سے "نمائندوں" کی تواضع کرتے
ہیں گویا یہ اعلان ہے کہ ہم نے آپ کا رشتہ منظور کیا اس مہم
کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے سر کرنے والوں کی تواضع صرف
پان و الائچی سے ہی نہیں بلکہ ایسے لوازمات سے بھی کی جاتی ہے
کہ اگر میں وہ یہاں بیان کر دوں تو آپکی توجہ ان صفحات سے
ہٹ کر کسی عمدہ سے باورچی خانے میں لے جانے میں معاون
ہوں گا۔

لڑکے والوں کیطرف سے یہ 'مہم' سر ہو جانے کے بعد "لڑکی
والے منگنی" کا مورچہ لگاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی رسم ہے
جو کسی طرز شادی سے میل کھاتی ہے۔ اس میں لڑکے والے
لڑکی کے گھر جاتے ہیں۔ لڑکی کو کپڑے کا جوڑا پہناتے ہیں
زیور چڑھاتے ہیں (یہ چڑھانا لفظ بھی ایسا ہے کہ معلوم
ہوتا ہے جیسے مندر میں کسی مورتی کے قدموں میں پھول
چڑھائے ہوں) بعد تناول حاضر محفل برخواست۔

اس رسم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ "بات چیت" پکی
ہونے کی جو مہم سر کی گئی تھی اس کا "سرٹیفکیٹ" حاصل کیا جائے
منگنی اور شادی کے درمیان کا وقفہ ٹھہراؤ وقفہ ہوتا
ہے اس دوران میں "لین دین" سرگرم عمل رہتا ہے۔ عید ہو
یا بقرعید' محرم ہو یا رمضان' موسم گرما آیا ہو یا سرما کی آمد ہو'
کوئی سفر کر کے باہر سے تشریف لایا ہو یا لڑکا یا لڑکی پڑھائی
کے امتحان میں پاس ہوئے ہوں (کیونکہ عموماً یہاں تعلیم کے
دوران ہی شادی طے کر دی جاتی ہے) مٹھائی سے لے کر
پھلوں تک' چوڑی سے لیکر جوتی تک' کپڑوں سے لیکر سنگھار
اور شیو کے لوازمات تک' شربت سے چائے و کافی تک
تمام چیزوں کا "امپورٹ ایکسپورٹ" بہت ہی گرم جوشی سے
ہوتا ہے۔

یہ رسم ایک طرح کا (Reminder) ہے جس سے
طرفین اور اُن کے رشتہ داروں کو یہ بات یاد رہے کہ ہماے

لڑکے یا لڑکی کی نسبت فلاں سے جڑی ہے۔

بہت سے "نا فہم" اصحاب ایسی رسومات کو "چونچلے" اسراف بے جا "خود نمائی" اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ لیکن بے چارے وہ "کم عقل" لوگوں کو کیا معلوم کہ اگر ایسے چونچلے نہ ہوں تو ہماری معاشی زندگی اس سے کتنی متاثر ہوگی۔ مٹھائی پھل کپڑے سنگھار کا سامان وغیرہ جب بنے گا نہیں تو پیسے کا (circulation) نہیں ہوگا۔ پھر یہ لازمی بات ہوگی کہ غریبی بڑھے گی اور قوم کی دولت صرف چند تجوریوں کی دولت بن کر رہ جائے گی۔ خیر یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر میں اس کا حل ان صفحات پر تلاش کروں تو دوسرے مضامین کا حق طباعت چھیننے کے مترادف ہوگا اور آج کے جمہوری دور میں یہ انصاف سے مبرّا بات ہوگی۔

ان مراحل سے گذر جانے کے بعد جب ہم شادی کی منزل کے قریب پہونچتے ہیں تو اس تک رسائی کیلئے کیا کیا اچھل پھاند ہوتی ہے اس کا ذکر بھی سن لیجئے۔

شادی کا دن۔ تاریخ۔ مہینہ اور سنہ شمسی و قمری حساب کے مطابق طے ہو جانے کے بعد شادی کی تیاریاں بڑے زور شور سے شروع ہو جاتی ہیں۔

پہلے دن کا معرکہ "مہندی کی رات" ہوتا ہے اس کا اہتمام لڑکی والے کے سر پہ ہوتا ہے۔ دولہن کی سہیلیاں عزیز و اقارب سب جمع ہوتے ہیں۔ لڑکی کے مہندی لگائی جاتی ہے اور رات کو "جل پان" کے بعد لڑکیوں کو چھوڑ کر سب رخصت ہو جاتے ہیں (یہ رسم ہندوں کی رسم مہندی سے اخذ کی گئی ہے)

اسی دن یا اس کے دوسرے دن کا پروگرام "جہیز دکھائی" ہوتا ہے۔ یہ رسم بھی سرکاری کاموں کیطرح ہمیشہ قائم نہیں رہتی کبھی رائج ہے اور کبھی منسوخ کر دی جاتی ہے۔ ویسے بڑھ چڑھ کر جہیز دینا یہ ایک روایت ہے اور اسے چھوٹا بڑا۔ امیر و غریب سب ہی بڑی مستعدی سے انجام دیتے ہیں۔ (اس رسم میں بھی خالص ہندوانہ رنگ ہے)

لڑکے والوں کا پہلے دن کا پروگرام "نوشہ سازی" ہے جسے عرف عام میں "کھارا" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رسم بھی اپنی جگہ مستعدی سے قائم نہیں۔ کیونکہ کبھی کوئی سرپھرا (اسکی مخالفت کرکے بزرگوں کی برسوں سے چلی آئی روایت کو انکی ناگواری کے باوجود بڑی بے دردی کے ساتھ توڑ دیتا ہے۔ کچھ اسی کیطرح کے "بے وقوف" حضرات اسکی ہمت کی داد دیتے ہیں لیکن زیادہ تر اسے دوسروں کی تنقید و طعنوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے اور وہ بیچارہ گھبرا کر اپنا کفارہ ادا کرنے کیلئے اپنے لڑکوں کی نوشہ سازی کرنے کا قوی فیصلہ کرلیتا ہے۔

اس رات کو ایک رسم اور منعقد کی جاتی ہے جسے "ناچے خانے" کے نام سے نوازا جاتا ہے۔ اگر اس کو "مہندی کی رات" کا مذکر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں لڑکیاں دولہن کے پاس اکٹھا ہوتی ہیں۔ اس سے اٹکھیلیاں کرتی ہیں اور یہاں لڑکے جمع ہوکر دولہامیاں کو اس قدر پریشان کرتے ہیں کہ وہ بیچارے آئندہ شادی نہ کرنے کے بارے میں فیصلہ کرلیتے ہیں۔

بہر حال اب تک کی رسومات کا کوئی اصلاحی پہلو ہو یا نہ ہو، سماجی اور معاشی پہلو بدرجہ اتم موجود ہے سماج میں رہتے ہوئے اگر سماجی روایتوں اور رسومات کی خلاف ورزی کی جائے تو کرنے والے کو سماج کبھی نہیں بخشتا اسے سماج کی نکتہ چینیوں کا شکار ہونا پڑتا ہے، انکو بننا پڑتا ہے۔

خیر! اب میں ان پروگراموں کیطرف آپکی توجہ دلاتا ہوں جنھیں رسومات میں شامل کرنا جانا ہوگا اور نہ ہی پورے طور سے انھیں مذہبی ہی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ رسم وہ طریق کار ہوتا ہے جسے مذہب نے نہ کہا ہو۔ یعنی نہ تو خدا کا حکم ہو اور نہ ہی رسول کا فرمان۔ بلکہ سماج نے ہی اسے لاگو کیا ہو، رائج کیا ہو۔ ان کے کرنے یا نہ کرنے سے مذہب نہیں بلکہ معاشرہ متاثر ہوتا ہو۔

شادی کے دن (یعنی جس دن نکاح ہونا قرار پایا جائے) لڑکے والے برات لے کر لڑکی کے گھر جاتے ہیں۔ وہیں پر نکاح پڑھایا جاتا ہے۔ قاضی۔ وکیلوں اور گواہوں کی موجودگی میں "مہر" کی رقم طے کرتا ہے۔ یہ وہ رقم ہوتی ہے جو کہ شوہر بیوی کو پہلی رات میں۔ یا بعد میں یا طلاق دیتے وقت ادا کرتا ہے۔ اس رقم کا تعین لڑکی والے ہی کرتے ہیں۔ لڑکی کا نکاح پہلے ہی پڑھا دیا جاتا ہے۔ یعنی اسکی مرضی پہلے پوچھی جاتی ہے اور اس کی رضامندی کے بعد میاں دولہا صاحب کی۔ بعد نکاح طعام کا انتظام لڑکی والوں کی طرف سے ہی ہوتا ہے تو اسطرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس پروگرام میں نکاح ایک مذہبی فریضہ ہے اور طعام وغیرہ معاشرتی۔ یہ رسم کبھی تو بڑی دھوم دھام سے کسی بڑی جگہ شامیانے کے نیچے منائی جاتی ہے اور کبھی نہایت ہی سادگی کے ساتھ مسجد میں

سب سے آخر کا مرحلہ ہے "رخصتی" اس میں دولہن کو اس کے میکے سے اکثر بینڈ باجہ اور زیادہ تر آتشبازی کے سائے میں سسرال لے جایا جاتا ہے گویا کوئی فتح کا جشن ہو (یہ حقیقت ہے کہ اس فتح کی خوشی اس سے بڑھکر ہے جو ملک کو حاصل کر کے حاصل ہوتی ہے)

دوسرے دن لڑکا ولیمہ دیتا ہے۔ یہ سو فیصدی مذہبی فریضہ ہے جس میں مہمانوں کی تعداد کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

نتیجہ کے طور سے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اس طرز تقریب شادی کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ ابکا کچھ تو پل میں کچھ۔ اس کے سارے پروگرام مذہبی کم اور معاشرتی زیادہ ہیں۔ جس میں اصلاحی پہلو کم اور نمود و نمائش کا عنصر زیادہ ہے۔ حقیقت کم اور مصنوعیت زیادہ۔ اسکی بہت سی رسومات ہندووانہ اور کچھ سیکی طرز شادی سے میل کھاتی ہیں۔ وجہ؟ صدیوں سے مختلف معاشروں کے ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کا بہت سا رنگ ہمارے اوپر چڑھ آیا ہے اور اب ہم انھیں اپنا "اوٹ" حصہ سمجھتے ہیں اور کسی بھی قیمت پر ان سے گریز کرنا اپنی توہین، بے عزتی اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں۔

دسترخوان

از۔ شاہدہ شمیم اختر

کریلوں کا بہترین اچار

ترکیب:۔ کریلے ایک سیر، لہسن آدھا پاؤ، ادرک ۲ تولہ، کلونجی ۲ تولہ، مرچ سرخ و مرچ سیاہ ایک تولہ، ہینگ ۲ تولہ، پیاز ایک چھٹانک، کریلوں کو اوپر سے خوب صاف کر لیں اور پھر بیج نکالکر انھیں پانی میں ذرا سا جوش دیں۔ پھر کریلے کے بیجوں کو مسالوں میں نمک و پیاز کے ساتھ ان میں بھر کر اوپر سے ڈورا باندھ دیں اور پھر عرق نکال ڈالیں دو یوم کے بعد استعمال کریں۔

مربہ ادرک

ادرک عمدہ ایک سیر، قند سفید ۲ سیر، ادرک چھیلکر اسکو گود لیں اور پانی میں پانچ تولہ چونا ملاکر اس میں ادرک ڈالکر خوب جوش دیں۔ اس کے بعد اسکو صاف پانی سے دھوکر اور قند کا شیرہ [illegible] انہیں ڈال دیں اور کفگیر سے آہستہ آہستہ چلائیں یہاں تک کہ [illegible] گاڑھا ہو جائے پھر آگ سے اتار لیں۔ [illegible]

ہمیشہ سوم پراڈکٹس پرائیویٹ لمیٹڈ کلکتہ کے
للی جیولری گولڈ پلیٹڈ
زیورات پہنئے۔ یہ زیورات دلکشی میں کسی طرح بھی سونے کے زیورات سے کم نہیں۔ لیکن قیمت میں گہرائی سے بھی کم ہیں۔ آپ کی سندرتا کو نکھارنے کے لئے بہترین ہیں۔
تجارتی معلومات کیلئے
ایم۔ ایس شرما اینڈ سنز
۲۳۔ پوسٹ آفس سٹریٹ
صدر بازار، دہلی ۶
فیاض اینڈ کمپنی (مقامی ایجنٹ برائے للی جیولری) مشن روڈ کانپور

تجزیات

اور...... کارواں چلتا رہا

تماشائی

زندگی خالق کائنات کیطرف سے دی گئی ایک
یش بہا نعمت ہے۔ جسکو سنوارنا اور نکھارنا ہمارا فرض ہے
اگر چاہیں تو بھی خود کو یا کسی اور کو زندگی نہیں دے
سکتے۔ تو ہمیں اس کا حق کیوں کر پہنچتا ہے کہ ہم اپنی یا دوسرے
زندگی لے لیں؟

خودکشی ایک گناہ ہے، مذہب کی رو سے معاشرہ
نگاہ میں ناجائز۔ تقریباً ہر ملک میں اسکو جرم قرار دیا گیا
ہے لیکن خودکشی کی وارداتوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے
میں پس منظر میں مادی ترقیات اس کا سبب دکھائی دیتی
ہے لیکن جذباتی الجھنیں کارفرما ہیں۔

چند سال قبل ایک مقامی کالج کے ایک معاشیات کے
روفیسر صاحب نے خودکشی کی تھی نہایت ہی ڈرامائی انداز میں
پروفیسر صاحب ایک خاص طرز نظام پر نہ صرف یقین
رکھتے تھے بلکہ اس کے فروغ کیلئے سرگرداں بھی رہتے تھے نوجوان
ہین اور نادار طلباء کے بڑے ہی ہمدرد۔ اپنی تنخواہ کا
خاص حصہ طلباء کی ضرورتوں پر خرچ کرنا ان کا معمول
تھا۔ ہم انکو کئی سال سے جانتے تھے۔ ان کے متعلق
سنا جاتا تھا کہ اپنے زمانۂ طالب علمی میں دل کے ہاتھوں
کر کھائی تھی۔ بہر حال بظاہر اس واقعہ کا ان پر کوئی
اثر دکھائی نہ دیتا تھا۔

برسوں اپنے حلقۂ احباب میں خودکشی کے موضوع پر
بحث و مباحثہ ان کا خاص مشغلہ رہا۔ خودکشی کے جذبہ
کا محرک اس کے سماجی و معاشی اسباب، اور نفسیات
سے اس کا رشتہ وغیرہ وغیرہ۔ شوپنہار ان کا پسندیدہ
مفکر و ادیب تھا۔ یوں سمجھیے کہ اس موضوع پر وہ اچھی
خاصی اتھارٹی تھے۔

دسہرہ کی چھٹیوں میں زیادہ تر ہوسٹل کے لڑکے اپنے
گھروں کو جا چکے تھے۔ پروفیسر صاحب نے باہر سے کمرے کے
دروازہ میں تالہ ڈال دیا اور غسل خانہ کی راہ سے واپس
کمرہ میں آگئے وصیت تیار کی۔ نہایت ہی مکمل وصیت
ایک ایک پیسہ اور ایک ایک کتاب کی اس میں تفصیل تھی
امداد اور نادار طلباء کی اعانت کا خاص خیال رکھا گیا
تھا۔ حتیٰ کہ آخر میں بچے ہوئے دو روپیئے اپنے ایک
دوست کے الیکشن فنڈ میں دینے کی ہدایت تھی پھر چارپائی پر
لیٹ کر اپنے بغل میں سوئچ بورڈ رکھ لیا اور بجلی کا تار اپنے
بازو پر لپیٹ کر سوئچ آن کر دیا۔

چار پانچ دن تک کرنٹ جسم میں پار ہوتا رہا جب
بدبو پھیلنا شروع ہوئی تو چند لڑکوں نے روشندان کی راہ

سے جاکر کمرہ کھولا۔ جسم پھول کر پکا ہو چکا تھا اور ہاتھ لگانے سے گل کر گر پڑتا تھا۔ بدقت تمام آخری رسوم انجام دی گئیں اور یوں معاشرہ ایک ذہین اور نیک انسان سے محروم ہوگیا۔

دوسرا واقعہ حال کا ہے … ۔ … برلن کے ایک نہایت ہی معمولی کاروباری شخص کانسٹنٹن لانگ کا، ریڈیو اور ٹیلیویژن کی درجن بھر دکانوں کے مالک ایک عدد بیوی کے شوہر اور دو بچوں کے باپ کی حیثیت سے نہایت ہی پرمسرت زندگی گذارنے والے۔

ایک رات ساز و سامان سے لیس اپنی سفید مرسڈیز کار میں بیٹھکر شہر کے وسط میں بہنے والی لینڈ ورنہر کے پل پہونچ گئے ۱۵ فٹ لمبی نائلان کی رسی کا ایک سرا پل کی ریلنگ پر باندھ دیا۔ جیب سے چالیس عدد تیز اثر خواب آور گولیاں (ایک آدمی کو مارنے کیلئے دس گولیاں ہی کافی ہوتی ہیں) نگل گئے۔ اسکیم اتنی جامع کہ پانی کی بوتل بھی ساتھ تھی گولیوں کے نگلنے کیلئے اور ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔

مقصد یوں تھا کہ رسی کے دوسرے سرے پر بنا ہوا پھندا گلے میں ڈال کر نیچے پانی میں چھلانگ لگا دیں۔ چھلانگ لگاتے ہی پھندا مختصر ہوتا اور ان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔ بالفرض اس میں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو وہ ریوالور کی گولی چلاکر دماغ کے پرخچے اڑا دیں گے اور نشانہ چوک جائے تو پھر سیدھے پانی کے اندر جائیں گے۔ تیرنا انکو آتا نہ تھا۔ لہٰذا پانی کے نیچے ہی رہ جائیں گے اور خواب آور گولیاں اپنا اثر دکھائیں گی اور یوں جانِ جانِ آفریں کے سپرد کر دیں گے یہ تھا کانسٹنٹن لانگ کا ماسٹر پلان۔

اور انھوں نے پھندا گلے میں ڈالا۔ چھلانگ لگائی اور پھر غیر ممکن .... ممکن میں بدل گیا۔ گولی چلی اور رسی کو توڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ پھندا کس نہ سکا وہ پانی کے اندر گرے چند لمحوں میں پانی کی بھاری مقدار ان کے پیٹ میں داخل ہوگئی۔ سطح آب پر آتے آتے زور کی ایک لمبی قے ہوئی اور گولیوں کا سارا زہر باہر۔ ایک ناؤ ان کے داہنی طرف نمودار ہوئی اور ملاحوں نے ان کو باہر نکال لیا۔

چند دنوں تک ہسپتال میں رہے اور اب کلی طور پر تندرست اور صحتیاب ہیں۔ مغربی برلن کی پولیس نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے انکار کر دیا ہے کانسٹنٹن صاحب اب نہایت ہی خوش ہیں اور اپنے اس اقدام کیلئے پشیمان۔

کاروبار میں روز افزوں ترقی اور انتہائی سخت کمپٹیشن نے انکو ہراساں کر دیا تھا اور گھبرا کر انہوں نے یہ قدم اٹھایا تھا۔

ہمیں یقین ہے کہ پروفیسر صاحب اگر کسی طرح بچ جاتے تو آج وہ بھی اپنے اقدام پر پشیمان ہوتے

ادبیات

ناعورتؔ

ابن کیفی

ابن کیفی آپ کے جانے پہچانے افسانہ نگار ہیں۔ زیر نظر افسانہ "ناعورت" میں انھوں نے جسمانی ساخت کے اعتبار سے ایک "نامکمل عورت" کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جانے کے بعد شوہر کے ساتھ نباہ نہ کر سکنے کا اچھے انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ افسانہ اگرچہ مقصدیت سے بالکل خالی ہے لیکن قارئین کی پسند کے عین مطابق ہے

(مدیر)

شہنائیوں کی گونج سے ساری کائنات رنگین ہو رہی تھی۔ اور میں اپنے کمرے میں بیٹھا راج اور کویتا کے مقدر پر رشک کر رہا تھا۔ جو اس ظالم اور تنگ دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنی محبت اپنے ارمانوں اور آرزوؤں کے محل کو پوری جامعیت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچا کر سرخرو ہو رہے ہیں۔ ان کی اس تکمیل وفا میں نہ تو روایتی طور پر کسی رقیب کی منافقانہ سازشوں سے واسطہ پڑا تھا اور نہ خاندانی بلندیوں اور پستیوں کی اونچ نیچ کی نام نہاد خاندانی ریتوں نے ہی الجھایا تھا۔ اور نہ ہی جہیز یا ماں باپ کی شان کے مطابق لین دین نے ہی کوئی رخنہ پیدا کیا تھا۔

حیرت انگیز طور پر انھیں اپنی محبت اور چاہت کو تکمیل تک پہونچانے میں کسی قسم کی پریشانی اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ دونوں کالج میں لے ایک دوسرے کو پسند کیا آنکھوں میں پیام کے تبادلے کے بعد لبوں لے ایک دوسرے سے مخاطب ہونا شروع کیا۔ اور پھر کالج کے در و دیوار نے انھیں جگہ ہر مقام اور ہر لمحات ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ دیکھنا شروع کر دیا۔

کالج کے تمام لڑکوں اور لڑکیوں میں اس انوکھے اور ناقابل یقین ملن پہ بڑی تیزی میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں ان سب کو ہی حیرت تھی کہ راجؔ اور کویتاؔ۔ جو اس سے پہلے تک کالج میں الگ تھلگ اور دور سے رہنے کی وجہ سے ہر ایک کی نکتہ چینیوں کا موضوع بنے رہتے انھیں کالج کے کسی بھی لڑکے لڑکی سے نہ تو بات کرنا پسند تھا اور نہ ان کے قریب رہنا، ان کی محفلوں پکنکوں اور تفریحی پروگراموں میں شرکت کا تو سوال ہی نہیں تھا۔

لیکن یک وقت ان دو آدمیت اور انسانیت سے خائف انسانوں کو اس طرح ایک دوسرے سے گھل مل کر ہر جگہ ہر وقت اور ہر لمحات ایک جان دو قالب بن کر رہنے سے انھیں بڑی حیرت ہوئی۔ اور پھر نت نئے اسکنڈل لطیفے اور کہانیاں کالج کے کمپاؤنڈ میں گشت کرنے لگیں" ماڈرن شیریں فرہاد" بیسویں صدی کے لیلیٰ مجنوں" اور ایٹمی دور کے ہیر رانجھا کے عنوان سے انھیں پکارا جانے لگا۔ لیکن وہ تو جیسے ایک دوسرے میں

گم ہوکر سچ مچ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے تھے اور انھیں کسی قسم کی بے چینی، بے کلی اور چہ میگوئیوں کی پرواہ نہیں رہ گئی تھی

پھر یار لوگوں نے ان دونوں پیار کے ماتوں کو انکے حال پر چھوڑ دیا۔ اور اسکے بعد دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے اپنا ایم اے کا آخری سال ختم کر کے کالج چھوڑ دیا بعد میں کالج میں یہ خبر اڑی کہ انھوں نے اب شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جسکے بعد مجھے پہلی بار تشویش ہوئی۔ کیونکہ میں ہی پورے کالج میں ایک ایسا پروفیسر تھا۔ جس سے کو یتا تھوڑی بہت نہ صرف گفتگو کر لیتی تھی بلکہ اسی گفتگو کے سہارے میں نے اسکو اور اسکی شخصیت کو کسی حد تک سمجھ لیا تھا۔

محبت اور چاہت کے جذبے سے وہ جسقدر متنفر اور بیزار تھی میں اسی قدر اس لافانی اور خدا کی خصوصی دین کا قائل تھا اکثر انگلش لٹریچر پڑھاتے وقت جب کسی خاص موضوع پر میں لکچر دینے لگتا جس کا تعلق چاہت اور محبت سے ہوتا تو اسکے چہرے پر میں بڑی شدت بیزاری نفرت اور جھلاہٹ کے تاثرات دیکھتا اور میرا ذہن بھٹکنے لگتا۔ میں یہ سوچکر مضطرب اور بے چین ہوجاتا کہ ایک حسین جوان اور معصوم دوشیزہ جو ملکوتی حسن و وقار کی مالکہ ہو اور جسے چاہنے والوں کی اس دنیا میں کمی نہیں ہوسکتی اس لطیف جذبے سے اتنا بیزار اور متنفر کیوں ہے' اتنی کراہیت اور گھن کیوں ہے اسکو اس پاکیزہ جذبے سے۔؟

اور پھر ایک دن میں نے کامن روم کی تنہائی میں اس کو اس موضوع پر کھلنے کا موقع دیدیا۔ میرے سوال پر کہ وہ خدا کی خصوصی دین اور انسانی جذبے سے اتنی متنفر کیوں ہے۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اسلئے ہے کہ یہ سب کتابوں خیالوں اور شاعروں کی تخلیقات کی پیداوار ہے۔ ورنہ حقیقت میں اس دنیا میں محبت اور چاہت اور کسی کو بے لوث طریقے پر چاہنا محض ایک خیال ہے ایک ایسا خیال جس کی کوئی حقیقت نہیں"۔

" اوہ۔ تو کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ دنیا میں اس نام کا کوئی جذبہ ہے ہی نہیں؟

"جی ہاں۔ نہ ہے اور نہ کبھی تھا"۔

"کیا تم دنیا کے ان لاکھوں کروڑوں اسی ایک پاکیزہ جذبے سے سرشار دیوانوں کی داستان زندگیوں کو سراسر جھوٹ اور فریب کا پلندہ سمجھتی ہو؟"

"یقیناً۔ یہ سب شاعروں اور ادیبوں کے من گھڑت قصے ہیں۔ جن پر کوئی بھی سمجھدار انسان یقین نہیں کر سکتا۔

"اور میں سناٹے میں آگیا ایک لمحے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی بڑی بڑی نیلگوں آنکھوں کو جو خلا میں کسی نامعلوم نکتے پر جمی ہوئی تھیں گھورتے رہنے کے بعد میرے منہ سے سرسراتے ہوئے لہجے میں نکلا۔

" تت۔ تت۔ تو کیا یہ لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، سوہنی مہیوال وغیرہ کی ابدی اور لازوال داستانیں محض شاعروں اور ادیبوں کی ذہنی اختراع ہیں ان کا حقیقت سے ذرہ برابر بھی واسطہ نہیں۔

" بالکل۔ کیوں کہ یہ ساری کہانیاں انسانی جبلت کے قطعی خلاف ہیں کوئی بھی انسان کسی لالچ یا فائدے کے بغیر اسطرح دیوانہ وار جنگلوں' بیابانوں کی خاک نہیں چھان سکتا۔ اور نہ احمقوں کی طرح ایک سنگی پہاڑ کو کاٹ کر دریا بہا سکتا ہے۔ یہ سب قصے اور کہانیوں کی باتیں ہیں۔ جن پر میں تو بالکل یقین نہیں کر سکتی۔

" تو اس کا مطلب ہے تم محبت اور بے لوث پیار کی قائل نہیں ہو؟"

" قطعی جسکی کوئی حقیقت ہی نہ ہو، اس کا قائل ہونا سراسر حماقت ہے اور میں بفضلِ خدا پڑھی لکھی لڑکی ہوں جن سے کسی

حماقت کی توقع نہ آپ کرسکتے ہیں اور نہ کوئی اور۔

"کیا تم شوہر اور بیوی کی محبت کو بھی نہیں مانتیں؟"

"وہ تو سراسر ایک مفاد سے بھرپور اور مرد کیلئے نفع ہی نفع کا سودا ہے۔ جس میں عورت کو بے وقوف بنا کر اس کا سب کچھ لوٹ لیا جاتا ہے۔ اور بدلے میں اسکو سوائے چند روٹی کے سوکھے ٹکڑوں کے اور کچھ نہیں ملتا۔ یہ سودا تو سراسر عورت کیلئے گھاٹے کا ہے سر۔ جن سے میں بری طرح متنفر ہوں۔"

اور میں ششدر رہ گیا اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ کالج کے لڑکوں اور لڑکیوں سے کیوں دور دور رہتی ہے کیوں ان سے کھنچی کھنچی سی رہتی ہے۔ اور کیوں انھیں تحقیر آمیز نظروں سے دیکھتی ہے۔ اور میرے لئے اسکی یہ عجیب وغریب شخصیت مزید پرکشش ہوگئی۔

میں انسانی نفسیات میں خصوصی طور پر دلچسپی لیتا ہوں اسی لئے میری کارگ تجسس پوری قوت سے پھڑکنے لگی اور میں اسکے ان انوکھے خیالات کے پس پشت کام کرنے والے جذبے کو کریدنے کیلئے اس سے مزید بحث و مباحثہ کے تیار ہوگیا۔

"تو اسکا مطلب ہے مس کویتا" میں نے جوش و خروش کے ساتھ اسکے جذبات سے تمتماتے ہوئے چہرے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کہ تم شادی بیاہ کے بھی خلاف ہوگی!"

"قطعاً۔ کیونکہ یہ طریقہ عورتوں کو غلام بنانے کیلئے مردوں کی مکارانہ سازش کا ایک حصہ ہے جس سے میں نفرت کرتی ہوں گہری نفرت۔"

اس نے اپنا جملہ پورا کرنے کے بعد ایک بار مجھے بھی خونخوار نظروں سے دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر چھت کی طرف دیکھنے لگی میں نے دل ہی دل میں اس کا شکریہ ادا کیا اور سارے جسم کے کھڑے ہوجانے والے رونگٹوں اور خوف کی تیز پھریری سی سارے جسم میں دوڑتے محسوس کر کے چونک پڑا۔

اسکے چہرے کی تمتماہٹ اور کسی زخمی شیرنی کی طرح چمکنے والی آنکھوں سے میں کس قدر حواس باختہ ہوگیا تھا اس کا میں انداز نہیں کرسکتا۔

پھر میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اس سے اب گفتگو بند کردی جائے مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میں اسکے انداز اور طور طریقہ سے بے حد خوفزدہ ہوگیا تھا۔ اور خود کو ایک ایسے ننھے منے پرندے کی مانند محسوس کرنے لگا تھا۔ جو کہ خونخوار درندے کے سامنے بے بس کر کے ڈال دیا گیا ہو۔ کچھ ایسی ہی درندگی اور خونخواریت کویتا کی آنکھوں میں بھی جسے میں آجتک نہیں بھول سکا ہوں۔

اور پھر جب میں نے ایک دن کویتا کو اسی کی طرح انوکھے کردار کے نوجوان راجیو کے ساتھ کالج کینٹین میں جاتے دیکھا تو چونک سا پڑا۔ وہ دونوں ہی سارے کالج میں "آدم بیزار"، "خوابوں کی دنیا کے باشندے" "انسانیت سے خارج" "انسانی خدا" اور نہ جانے کیسے کیسے خطابات سے لڑکوں اور لڑکیوں کے گروپ میں پکارے جاتے تھے لیکن ان کو جیسے ان چہ میگوئیوں اور ہنگاموں کی کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔ بس وہ اپنی اپنی دھن اور الگ تھلگ دنیاؤں میں مست تھے۔ کھوئے ہوئے تھے۔ لیکن آج انھیں ایک ساتھ دیکھ کر مجھے بھی دوسرے لڑکوں لڑکیوں کے ساتھ حیرت ہوئی تھی اور میں ایک لمحے کیلئے ٹھٹھک سا گیا تھا۔ مگر پھر فوراً ہی خود کو سنبھالتا ہوا کامن روم کی طرف چلا گیا اسکے بعد۔ تو جیسے ان کا معمول ہوگیا۔ ساتھ ساتھ کالج آتے اور ساتھ ہی ساتھ واپس جاتے۔ خالی گھنٹوں میں کالج لان میں بیٹھے گھنٹوں نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں کرتے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ اس سے بے پرواہ کہ انھیں اسطرح ایک ساتھ دیکھ کر کالج کے دوسرے لڑکے اور لڑکیاں کیا کیا اسکینڈلس گڑھتے رہتے

اور آپس میں ان دونوں کا نام لے لے کر کسطرح مذاق اڑاتے ہونگے۔

انہیں تو جیسے کسی چیز کا ہوش ہی نہیں تھا۔ اور میں دل ہی دل میں انکی اس وارفتگی والہانہ پن اور فریفتگی کو دیکھ کر خوش ہوتا رہتا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے کویتا کی یہ تبدیلی انکے نظریئے کی شکست اور میرے عقیدے کی جیت ہے۔ اور میں آپ ہی آپ کھل اٹھتا۔

پھر جب انہوں نے کالج سے فارغ ہو کر شادی کا فیصلہ کیا تو میرے قدم آپ ہی آپ کویتا کے گھر کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں اسکو اس مبارک فیصلے پر مبارکباد دینے کے ساتھ اس "انقلابی تبدیلی" اور "انہونی" کا سبب معلوم کرنے کے لئے چل پڑا۔ اور جب میں اس سے ملا تو اس نے میرے سوال کا جواب بڑے سرد اور شگفتہ انداز میں مسکراتے ہوئے دیا تھا۔

"سر۔ میں اسوقت اس حقیقت سے ناواقف تھی کہ دنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو میرے ہی طور پر سوچتے ہیں۔ اور دو یکساں سوچنے والے افراد اپنی اس سوچ کو شکل کی صورت میں چلانے کیلئے ایک ہو جائیں تو ایک کارواں بنا سکتے ہیں۔"

"تو تمہارے کہنے کا مطلب ہے راج بھی تمہارے ہی نظریئے سے اتفاق کرتا ہے۔"

"جی ہاں۔ وہ بھی بے لوث اور کسی فائدے سے یکسر بے نیاز ہو کر محبت کے قائل ہیں۔"

"اوہو۔ مگر یہ بے لوث اور مفاد سے جدا محبت کی بنیاد کیا ہے؟"

"وہی جو ایک مخلص دوست اور ایک دوسرے کا دکھ درد سمجھنے والے دو انسانوں میں ہو سکتی ہے۔"

میں اس کے اس گول مول جواب کا مطلب تو نہیں سمجھ سکا لیکن اسکا اظہار نہ کرتے ہوئے دوبارہ پوچھ بیٹھا۔

"تو کیا تم دونوں میاں بیوی کی نہیں ایک دوست کی سی زندگی گذارنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔؟"

"جی ہاں۔ ایسی پاک اور بے لوث دوستی کی مبارک زندگی جس میں کسی قسم کا مفاد اور لالچ کو دخل نہیں ہوگا۔"

اور میں احمقوں کی طرح اسکو گھورتا رہ گیا۔ اور میں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہاں سے خاموشی سے چلا آؤں کیونکہ میری سمجھ میں اسکی یہ بات بالکل نہیں آسکی تھی اور نہ میں اسے اس کا احساس ہونے دینا چاہتا تھا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے کوئی شرمندگی نہیں ہو رہی ہے کہ میں اس کی گفتگو کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔ لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں اس دلچسپ اور حیرت انگیز نفسیاتی کردار سے اکتا گیا تھا بلکہ مجھے تو اس میں اور بھی دلچسپی ہو چلی تھی۔

اب میں ان کی شادی کے بعد کے واقعات کا منتظر تھا۔ جسکے بعد ان کا انوکھا فلسفہ عملی شکل میں سامنے آنے والا اور میں اکی تفصیل کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ یعنی شادی کی ناکامی اور کامیابی کی صورت میں۔

اچانک مجھے ایک ضروری خانگی معاملے سے نپٹنے کیلئے لکھنؤ جانا پڑا جہاں مجھے پورے دو ماہ رہنا پڑا۔ وہاں میں گھریلو معاملات میں کچھ ایسا الجھا کہ مجھے کویتا اور انکی انوکھی فلاسفی کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہ ملا اور پھر میں جیسے اسکو بھول ہی گیا۔

واپسی پر مجھے ایک حیرت انگیز اور دل ہلا دینے والی خبر سننے کو ملی۔ کویتا اور راج نے ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیا تھا وہ دونوں ایک دوسرے کی شکلوں کے روادار نہ تھے بلکہ انہوں نے ایک دوسرے پر الزام تراشی شروع کر دی تھی۔ اور پھر میں ان خبروں میں سب سے سنسنی خیز خبر سن کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ کویتا اور راج طلاق لینے کیلئے عدالت جانے والے ہیں۔

ان خبروں کا تعلق مختلف لوگوں کی معلومات اور اطلاعات
تھا۔ جن پر پورے طور پر بھروسہ نہیں کرسکتا تھا اسلئے مجھے
تیا اور راج سے مل کر ان اطلاعات کی صداقت معلوم کرنی تھی
ن کئی بار کی دوڑ دھوپ کے ان دونوں کے گھروں تک دوڑ
نے کے بعد جب ان سے ملاقات نہ ہوئی تو میری تشویش اور
ھ گئی۔

اب میں مختلف لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھ تاچھ
رع کر چکا تھا۔ جن سے عجیب عجیب انکشافات ہونا شروع ہوئے
لوگ کہتے راج کو تیا کو غیر مہذب ان کلچرڈ اور غیر انسانی
دات کا مالک بتاتے ہوئے طرح طرح کی برائیوں کا کیرا بتاتا
رکو تیا اس کو خود غرض نفسانی خواہشات کا غلام بے لوث
رہے غرض محبت سے ناواقف ایک بے حس اور غیر مہذب انسان
نیکا سرٹیفکیٹ دیا کرتی ہے۔ اسی طرح اور اس جیسی لاتعداد
وتی اور غیر یقینی باتیں میرے کانوں تک پہونچیں اور میں حیران
جاتا جسکے بعد مجھے ان کی تلاش اور تیز کردینی پڑی۔

حیرت انگیز طور پر وہ دونوں ہی اپنے اپنے گھروں سے
ئب رہتے تھے۔ اکثر راتیں بھی انکی اپنے گھروں سے باہر
رتی تھیں۔ جس سے مجھے ان کی زندگی کی ٹریجڈی پر اور
ی اضطراب تھا۔ اور میں ان سے جلد از جلد مل کر حقیقی حالات
وم کرلینا چاہتا۔

پھر ایک دن بالکل انجانے میں نیشنل کافی ہاؤس میں آ گئے
لیا عجیب سے عالم میں۔ بال پریشان اور اجڑے اجڑے
کپڑے اسطرح سے کچلے جیسے مہینوں سے انھیں بدلا نہ
ہو۔ شیو بے تحاشا بڑھا ہوا جس سے ایک چھوٹی چھوٹی داڑھی
نمایاں ہوتا تھا۔ آنکھیں وحشیانہ انداز میں ادھر ادھر اس
ح متلاشی نظروں سے گھورتی نظر آرہی تھیں جیسے وہ کسی
تا چیز کو تلاش کرتی پھر رہی ہوں جو یک بیک نظروں سے
اوجھل ہو گئی ہو۔

مجھے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے چونکا پھر مجھے اپنی
میز کی طرف بڑھتے دیکھ کر آہستہ سے سر ہلا کر مسکا یا اور
میں تیزی سے دوسری کرسی کھسکا کر اس کے پاس بیٹھ گیا
میری بوکھلاہٹ اور عجلت سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے
خدشہ ہو کہ ذرا سی تساہلی اور دیر اسکو پھر میری نظروں سے
دور کردیگی۔

وہ بھی شاید میری دلی کیفیات واقف ہو گیا تھا اسی
لئے ایک لمحے کے لئے اسکی آنکھوں میں استہزائیہ سی چمک نظر
آئی مگر فوراً ہی وہ اسطرح سنجیدہ ہو گیا جیسے انجانے میں کوئی
خلاف ماحول حرکت سرزد ہو گئی ہو اور میں مزید متحیر رہ گیا۔

"ہیلو سر" اس نے سپاٹ اور بجھے بجھے لہجے میں گفتگو
میں پہل کی "کہئے آپ کہاں غائب ہو گئے تھے"

"او راج میری مت پوچھو۔ ذرا لکھنؤ چلا گیا تھا۔
جہاں کچھ خانگی معاملات میں ایسا الجھا کہ پورے دو ماہ وہاں
رہنا پڑا پچھلے ہفتے ہی یہاں پہونچا ہوں"

"خیریت تو ہے نہ"

"ہاں۔ خدا کا شکر ہے۔ تم اپنی سناؤ۔ تمھاری اور
کو تیا کی لازوال محبت کس اسٹیج پر ہے۔ شادی کی کامیابی پر
مبارکباد قبول کرو"

"شادی کی کامیابی" راج نے حیرت سے دہرایا۔
اور میں جانتے ہوئے بھی انجان بن کر اس کو استفہامیہ
نظروں سے گھورنے لگا۔ چند لمحے وہ مجھے حیرت زدہ سا دیکھتے
رہنے کے بعد سرسراتے لہجے میں بولا۔

"کک... کک کیا آپکو میری تباہی اور بربادی کی
داستان نہیں معلوم ہے؟"

"تباہی بربادی کی داستان۔! میں سمجھا نہیں"

" آہ سر ــ کویتا نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ میرا ساتھ نہ دے سکی ۔ اور میری ہنسی قہقہے لگاتی زندگی میں زہر گھول کر چلی گئی ۔

راج کے لہجے میں اسقدر درد تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا لیکن وہ میری حالت سے بے خبر بالکل مجنونانہ انداز میں کہے جارہا تھا

" زندگی کی گاڑی کھینچنے کیلئے اور اپنی محبت کو لازوال بنانے کیلئے میں نے اس سے مجنونانہ انداز میں پیار کیا۔ اسکو خوش رکھنے اور سارے جہاں کی خوشیوں سے نہال کر دینے کے لئے میں نے ہر ہر جتن کئے لیکن وہ میرے جذبات کی قدر نہ کرسکی اور مجھے چھوڑ کر چلی گئی ــ یہ دیکھے بغیر کہ میں اس کی جدائی اور بے وفائی برداشت بھی کر سکوں گا یا نہیں ـ وہ مجھ سے دور ہوگئی اتنی دور کہ اب میں اس تک پہونچ بھی نہیں سکتا "

" کیا اس نے تمہارے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا ۔؟

ہاں ــ محض اس جرم پر کہ میں اسے ایک حقیقی بیوی بناکر رکھنا چاہتا تھا۔ اسے اتنا پیار دینا چاہتا تھا جتنا آجتک کسی شوہر نے اپنی بیوی کو نہ دیا ہو ۔ لیکن افسوس وہ میری اس چاہت کی قدر نہ کر سکی اور مجھے دھتکار کر چلی گئی ۔

اور میں حیران رہ گیا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جس محبت اور جس چاہت کے لئے کویتا اتنی بے چین اور مضطرب تھی اسی کو پاکر وہ راج سے اتنی متنفر کیوں ہوگئی ۔ وہ اسے چھوڑ کر کیوں چلی گئی ــ ؟ میری رگ تجسس پھڑکنے لگی اور میں مزید حقیقت جاننے کیلئے بے چین ہوگیا ۔

" کیا تمھارا اس کا کوئی جھگڑا ہوا تھا ؟ میں نے اندرونی حقیقت معلوم کرنے کیلئے اس سے پوچھا ۔

" نہیں سر نہیں ــ راج جیسے میرے اس سوال سے تڑپ اٹھا ۔ اور اس کی آنکھیں وحشیانہ انداز میں پھیل گئیں مگر فوراً ہی انھیں گہرے رنج والم کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔

اور وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولا ۔ کاش میری اس سے لڑائی ہی ہوگئی ہوتی ۔ تو مجھے صبر آجاتا اور میں اپنے دل کو سکون دے لیتا اور اسکی اس نفرت کو جو آج مجھ سے وہ کرتی ہے اس کا سبب جان لیتا ۔ مگر افسوس تو یہی ہے سر ۔ کہ میری اس سے کسی قسم کی لڑائی بھی نہیں ہوئی ۔ اور وہ مجھ سے روٹھ کر چلی گئی "

کیا کوئی ایسا واقعہ بتا سکتے ہو جس سے اسکی اس نفرت اور حیرت انگیز تبدیلی کا اندازہ ہو سکے ۔ میں دراصل تم دونوں کی لازوال محبت کی شدت اور اس میں اتنی ہی شدت سے تبدیلی پر سخت حیران ہوں ۔ میں یقین نہیں کر پا رہا ہوں راج ــ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کویتا جیسی اچھی اور بااصول لڑکی یک بیک اتنا بدل کیسے گئی ۔ ؟

" آہ ــ یہی تو میں نہیں سمجھ پا رہا ہوں سر " راج کا گلا شدت جذبات سے رندھ گیا ۔ اور وہ نظریں جھکائے ہوئے دل دوز آواز میں بولا ۔ ایک شوہر کے ناطے اگر میں نے اس سے اپنی محبت کا جواب چاہا تو اس میں اسکو اتنی شدت سے اختلاف کیوں ہوا ۔ اگر جسمانی نقص اور پیدائشی عیب کی وجہ سے وہ میری محبت اور چاہت کا جواب نہیں دے سکتی تو اس میں اتنی شدت سے نفرت اور بیزاری کا کہاں گذر تھا یہ تو ایک آسان سی بات تھی ۔ میں نے اسکو آپریشن کا مشورہ دیا ۔ تو اس میں اسکو اتنا بھڑکنے کی کیا ضرورت تھی ۔ آج ہر قسم کے جسمانی عیبوں اور نقائص کو میڈیکل سائنس کے ذریعے دور نہیں کیا جاسکتا ــ بولئے جواب دیجئے سر ۔ آخر اسمیں میری خود غرضی اور میری شیطانی فطرت کو کیا دخل تھا ۔ یہ تو میری محبت اور چاہت کا جیتا جاگتا ثبوت تھا ۔ علاوہ اسکے میرا انسانی اور مذہبی فریضہ بھی ۔ کیا میں محض اسکو بے جان مورت کی طرح پوجتا رہتا ۔ اور صرف چہرہ دیکھ دیکھ کر پیار کرتا رہتا تو یہی سچا اور بے لوث

پیار ہوتا۔؟ کیا یہ بے غرض اور بے لاگ محبت ہوتی جس کی کویتا خواہاں تھی۔؟ بولئے سر کیا اسمیں میرا کوئی قصور تھا جسکی یہ اذیت ناک سزا اس نے مجھے دی۔ اور میں جیتے جی زندہ درگور ہوگیا۔؟ بولئے سر۔ جواب دیجئے۔ کیا میں نے اسکے ساتھ واقعی وشواس گھات کیا تھا کیا واقعی میں نے اس سے بے وفائی کی تھی۔؟ کیا یہ میرا اسکے اوپر اخلاقی انسانی اور مذہبی فرض نہیں تھا۔ کیا اس کا مجھ پر ایسا ہی فرض نہیں تھا جو وہ مجھے ٹھکرا کر میری زندگی میں زہر گھول کر چلی گئی۔ بولئے سر اسمیں میرا کیا قصور تھا۔ کیا گناہ تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟؟؟

راکیش اپنے جذباتی انداز میں بڑبڑائے جا رہا تھا اور میں گم سم سا کویتا کی اصل الجھن کو سمجھ گیا تھا۔ جو اسکے مردوں کے قرب اور انکی صحبت سے گھبرانے کا اصل سبب تھا۔ آج مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ ایک نامکمل عورت تھی۔ نا عورت۔! ■■

اک
بنگلہ
بنے
نیارا

بزم مستورات

تہوار اور رسوم

مولانا محمد عثمان فارقلیط صاحب

" تہوار اور رسوم " کے عنوان پر حضرات مولانا محمد عثمان فارقلیط صاحب کا ایک مفید عام مضمون ہفت روزہ الجمعیۃ کی ۲۹ جون ۱۹۸۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کو ہم معاشرا الجمعیۃ کے شکریہ کے ساتھ ذیل میں نقل کررہے ہیں ——— (مدیر)

" بہت سی چیزیں دولت کے چونچلے ہوا کرتی ہیں لیکن جب وہ رسمیں بن جاتی ہیں تو دولت مندوں سے نکل کر غریب غرباء تک پہنچ جاتی ہیں اور سمجھا جانے لگتا ہے کہ اگر انکی پابندی نہ کی گئی تو کنبے بھر میں ناک کٹ جائے گی اور خاندانی آبرو جاتی رہے گی اس لئے اگر ان کے پاس پیسہ نہیں ہے تو دوسروں سے قرض دام لے کر اور یوں نہ مل سکے تو سود در سود لے کر ان رسموں کی پابندی کرنی چاہیئے جب تک مسلمانوں کے پاس دولت تھی کسی کو زیادہ فکر نہ تھی لیکن جبکہ ہر طرف افلاس نظر آرہا ہے تو ان رسموں کا باقی رہنا ہمارے لئے ایک عذاب الیم سے کم نہیں اگر حکومت نمک پر ٹیکس لگائے تو ظالم اور جابر لیکن ہم خود اپنے اوپر ان رسموں کی پابندی کرکے ٹیکس لگائیں تو نہ ظلم ہے نہ جبر "

" جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جاکر الواح حاصل کرلینے کے وقت ان کی غیر حاضری میں سامری سے کہہ کر ایک سونے کا بچھڑا بنوایا تھا اس لئے کہ انھوں نے دوسری ملتوں کو اسی لعنت میں گرفتار دیکھا تھا اور بالآخر فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ [illegible] العجل کی نوبت پہنچ گئی۔ اسی طرح ہم نے بھی اپنے تہواروں کو اور ملتوں کی اندھا دھند تقلید میں بدعات و خرافات سے بھر لیا اور پیدا ہونے سے مرنے تک شادی و غمی کی بیسوں ایسی رسمیں فرض کرلیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ توہمات کی جن زنجیروں اور طوقوں سے اسلام ہمیں آزاد کرنے آیا تھا انکو ہم نے پھر پہن لیا۔"

پہلی اصلاح تو یہ ہونی چاہیئے کہ ہم جو تہوار بھی منائیں اور جو رسمیں بھی قائم رہیں ایک تو اپنی مالی حالت سے زیادہ ان پر خرچ نہ کریں اور دوسرے کبھی قرض لیکر اور بالخصوص سودی قرض لیکر نہ کوئی تہوار منایا جائے اور نہ کوئی رسم ادا کی جائے جس طرح یہ غلط ذہنیت پیدا ہوگئی ہے کہ کسی شخص کی عزت و آبرو کا معیار وہ پیمانہ ہے جس پر وہ تہوار منائے اور شادی غمی کی رسمیں ادا کرے۔ اسی طرح اسکی جگہ اب یہ صحیح ذہنیت پیدا کی جائے کہ جو شخص اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرتا ہے اور جو قرض دام لے کر تہوار مناتا ہے اور رسمیں ادا کرتا

ہے وہ ایک بے غیرت اور آبرو باختہ ہے"

"یہ نہیں کہ صبح سے شام تک دوسروں کے مظالم اور انکی ریشہ دوانیوں کا دکھڑا رو دیا جائے بلکہ اپنی قوم کے نقائص کی تلاش کی جائے اور ایک ایک کرکے ان کو دور کیا جائے۔ لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ مسلمان اپنے نقائص کا ذکر سننا نہیں چاہتے۔ اگر ہندو مریض کے مرض کی تشخیص کی جائے اور اسکو کڑوی دوا پلائی جائے تو اس سے کیا مسلمان مریض کا مرض دور ہو جائے گا؟ گھوڑ دوڑ میں ہم کو بازی جیتنا ہے، مگر مسلمان گھوڑا چابک سوار سے کہتا ہے کہ مہیز اور چابک میرے نہ لگا۔ ہندو گھوڑے کے لگا تو ہم جیت جائیں گے۔ یہ وہ منطق ہے جو مسلمانوں کے دماغ سے نکالنا ہے" (ماخوذ)

یہاں مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے مضمون کا ایک اقتباس درج کیا گیا ہے۔ اسے غور سے بار بار پڑھیے۔ مرحوم واقعی کیا بات کہہ گئے، یوں سمجھو کہ ہزار علاجوں کا علاج بتا گئے مرحوم نے مسلمانوں کی اپنے ہاتھوں بربادی کا گلہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جس طرح یہ غلط ذہنیت پیدا ہو گئی ہے کہ کسی شخص کی عزت و آبرو کا معیار وہ پیمانہ ہے جس پر وہ تہوار منائے اور شادی اور غمی کی رسمیں ادا کرے اس کی جگہ اب یہ صحیح ذہنیت پیدا کی جائے کہ جو شخص اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرتا ہے اور جو قرض دام لے کر تہوار مناتا ہے اور رسمیں ادا کرتا ہے وہ بے غیرت اور آبرو باختہ ہے" یعنی اگر ایک پیمانہ دوسرے پیمانے سے بدل جائے اور فرضی معززوں کو آبرو باختہ، بے غیرت، ذلیل اور احمق قرار دے دیا جائے تو اصلاح کی صورت بہت آسانی سے پیدا ہو سکتی ہے۔

انسان عزت اور ناموری کا بھوکا ہے وہ چاہتا ہے کہ دولت لٹائے اور اپنے حلقوں میں بڑا اور معزز سمجھا جائے لیکن اگر عزت ان لوگوں کی ہو جو شادی غمی اور تہواروں پر ملت کی فلاح و بہبود کا خیال رکھیں اور اس طرح خرچ کریں کہ دوسرے غریبوں کو بھی کم خرچ کرنے پر ذلت کا احساس نہ ہو تو بہت جلد تمام بے اعتدالیوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ عزت چاہنے والوں کو عزت چاہیئے خواہ وہ کسی راستہ سے ملے۔ اگر کم خرچ کرنے پر زیادہ عزت ملتی ہے تو لوگ عزت کی خاطر کم خرچ کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اسراف کرنے والوں پر اگر دس پانچ دفعہ یہ چھینٹا ڈال دیا جائے کہ لو میاں یہ ہیں وہ آبرو باختہ جنھوں نے ملت کی امانت کو اپنی ناموری پر قربان کیا ہے تو ان کے کان کھڑے ہوں گے اور وہ سوچیں گے کہ انھوں نے ضرورت سے زیادہ خرچ کیا اور اپنی دولت، دوست واحباب اور اور رشتہ داروں پر لگائی اور اس کا انعام یہ ملا کہ ہم آبرو باختہ اور ذلیل کہلائے تو وہ شرمندہ ہوں گے اور اپنی آبرو بچانے کیلئے اسراف سے باز آجائیں گے لیکن اگر عزت کا پیمانہ یہی رہا کہ جو زیادہ دولت لٹائے اور ملت کا فرض دیا کو پس پشت ڈالے وہ معزز اور قابل تعریف قرار پائے تو نام اور عزت کے بھوکے اخوان الشیاطین بنا منظور کریں گے مگر اپنی حرکت سے کبھی باز نہ آئیں گے۔

ابھی چند روز کی بات ہے کہ ایک غریب مسلمان جو پان سگرٹ کی معمولی تجارت کرتا ہے، اس نے اپنے بچہ کی شادی کی اور خوب رنگ رلیاں منائیں لاؤڈ اسپیکر سے اپنی عزت کو دوبالا کرنا چاہا مگر اسکو اپنی شیطانی حرکت کی یہ سزا ملی کہ وہ آج تک اپنی دوکان نہ کھول سکا۔ اب یہ شخص دوسروں سے قرض مانگتا پھرتا ہے کہ دوبارہ اپنا کام چلائے اور دوکان

ہو سکے گروہ کامیاب نہ ہوسکا۔

بے شرمی اور بے غیرتی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اس کا گھر کیا ہے ؟ شاید بھیڑ بکریاں کہ وہاں رات بسر کرنے سے انکار کردیں ۔ نہ چھوٹے بچوں کی تعلیم کا خیال ہے نہ گھر کو درست کرنے کا کوئی غرض ایک جنون تھی جس کا نشہ حلق سے اتار دیا گیا اور پھر دنیا و مافیہا سے غافل ہوگئے۔ ان ہی چٹخاروں اور فضول خرچیوں نے مسلمانوں کی ہم آنے زمینیں ہاتھ سے نکلوا دیں اور وہ لوگ دانہ دانہ کو محتاج ہوگئے جن کے دسترخوان پر دس بیس مہمان روزانہ بیٹھے نظر آتے تھے مسلمان اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں ؟ اس کی صورت بس یہی ہو سکتی ہے کہ عزت کے پیمانوں کو یکسر بدل دیا جائے۔

مسلمانوں میں ایک پنجابی برادری بھی ہے یہ لوگ عموماً تاجر پیشہ ہیں۔ خدا نے انکو تمول سے بھی نوازا ہے اجتماعی کاموں پر جسقدر یہ حضرات خرچ کرتے ہیں وہ مسلمانوں کی تمام برادریوں سے کہیں زیادہ ہے ان ہی لوگوں نے بار بار پنچائتیں کرکے شادی غم اور دوسری تقریبات کو اسقدر سادہ بنادیا ہے کہ جنھیں دیکھ کر ہمارا سر اونچا ہوتا ہے اور ہمیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ اگر کوئی چاہے تو اصلاح تربیت مشکل نہیں ہے۔ پنجابی برادری کے لوگوں کو اسلام اور ملت سے بھی پورا لگاؤ ہے فرائض کی ادائیگی میں وہ سب سے آگے ہیں۔ تمول کے باوجود تکبر اور انانیت کا نام نہیں جس اجتماعی کام کو ہاتھ میں لے لیا اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر چھوڑا سوال یہ ہے کہ پنجابی برادری نے تقریبات کو سادہ بنا کر اپنے آپ کو ذلیل کیا یا اپنی عزت کو چار چاند لگائے؟ ہم پھر مولانا محمد علی مرحوم کے چہیتے پر مسلمانوں کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ شہرت چاہنے والوں کو خوب شہرت دیں اور ناموری چاہنے والوں کا نام خوب روشن کریں مگر پیمانوں کو یکسر بدل ڈالیں اور مسرفین کو جو پہلے ہی اخوان الشیاطین میں شامل ہیں ان کی پیشانی پر آبرو باختگی کا ایک داغ اور لگادیں۔

جو مسلمان اپنے تہواروں اور بیاہ شادی کی تقریبات پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے بری مثال قائم کرکے انھیں مصیبت میں ڈالتے اور انھیں بھی زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں وہ پوری ملت کے دشمن ہیں۔ قرآن کریم نے ان کو اخوان الشیاطین کا خطاب دیا ہے۔ وہ لوگ شیطان کے بھائی ہیں جو ملت کی فلاح و بہبود کو نظر انداز کرکے محض ناک بچانے اور نام پیدا کرنے کرنے کیلئے اسراف کرتے ہیں خواہ وہ اپنی جیب سے خرچ کریں یا قرض دام لے کر دولت برباد کریں۔ وہ شیطانی حرکت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

شیطان جو کہ اولادِ آدم کا دشمن ہے یہی چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو نام و نمود کی چاٹ لگائے اور پھر انھیں کنگال کرکے ذلیل و خوار کرے افسوس ان لوگوں پر ہوتا ہے جو مذہب سے وابستگی رکھتے ہوئے بھی اپنی دولت کو نام و نمود پر قربان کرتے ہیں۔ جاہل لوگ تو پھر جاہل ہیں لیکن ارباب تقویٰ کو بھی تقریبات کے موقع پر بے لگام دیکھا گیا ہے۔ ایک طرف وہ وظائف سے بھی شغل رکھتے ہیں دوسری طرف اخوان الشیاطین بننے میں بھی عار نہیں سمجھتے

مگر اس کا علاج کیا ہے؟ علاج یہ ہے کہ جن مسرفین کو عام طور پر دریا دل سمجھا جاتا ہے اور سب لوگ ان کی عزت اور تعریف کرتے ہیں وہ ذرا ہمت کرکے ایسے لوگوں کو نظر سے گرادیں اور انکو ذلیل و خوار سمجھیں اور برادری کے لوگ ان پر طعنہ زن ہوں اور ان کا گھر سے نکلنا دشوار کردیں

P.V.C
پی۔ وی۔ سی
★ جوتے
★ سینڈلیں
★ چپلیں اور
★ پلاسٹک گڈس
آرام دہ۔ ہر دلعزیز۔ مضبوط
بے مثال اور ہر سائز میں دستیاب
ڈیلائٹ اسٹورس بساطی بازار کانپور

اخلاقیات

بُرائی اور بَدعہدی

ڈاکٹر منظر بھاگلپوری

جناب ڈاکٹر منظر بھاگلپوری صاحب نے مسلمانوں کی موجودہ حالت زار کے ایک پہلو پر اس مضمون میں بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے ہمارے قارئین اس مضمون کو یقین ہے کہ پسند کریں گے ——— مدیر

سیاسی آزادی اور جدید دستور حکومت ملنے سے کسی قوم پر دوسرا احسان یہ ہو سکتا ہے کہ اسے معاشی آزادی حاصل ہو۔ قرآن حکیم میں اسی معاشی آزادی کا ذکر ہے قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ —

"ہم نے بنی اسرائیل کو پوری پوری معاشی آزادی —"

بعد ازاں بتایا کہ —

"انھوں نے اس معاشی آزادی کی نعمت کو بھی رد کر دیا اور احکام الہی کی پابندی نہیں کی" —

چونکہ بنی اسرائیل زندگی کی تینوں منزلوں میں ناکام ہوئے انھوں نے نہ سیاسی آزادی کی قدر کی نہ نئے نظام اور آئین حکومت سے فائدہ اٹھایا اور نہ معاشی آزادی کو اپنایا اس واسطے انھیں وہ پہلی سزا دی گئی جو دور اوّل کی بدقسمت قوم کو دی جاتی ہے —

— بنی اسرائیل پر ذلت، محتاجی اور افلاس و احتیاج کا عذاب مسلط کر دیا گیا —

بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی پر رحم کر کے خدا نے کوہ طور کے نیچے از سر نو ان سے پابندی شریعت کا عہد لیا، مگر انھوں نے پھر نظام الہی کی پابندی سے سرکشی کی اسی لئے انکو سزا دی گئی —

تم میں کوئی انسانیت کی صفت باقی نہیں رہی تم بندر کی زندگی بسر کرو — یہ بنی اسرائیل کے زوال کا دوسرا درجہ ہے

قومی زوال کا پہلا درجہ یہ ہے کہ افراد قوم غریب بے روزگار اور بے حیثیت ہو جاتے ہیں — تاہم وہ دائرہ انسانیت سے خارج نہیں ہوتے —

قومی زوال کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کی انسانیت مسخ ہو جاتی ہے اور حیوان کی صفت میں شامل ہو جاتے ہیں اور ان میں عزت اور غیرت اور خودی کا احساس مطلق نہیں رہتا بلکہ احساسات بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ دوسری قوموں کے اشارے پر بندر کی طرح ناچتے رہیں —

آج بھی مسلمانوں کا یہی حال ہے آئین قرآن اور اقوال

رسول صلعم کو فراموش کر کے دوسری قوموں کے گندم نما جو فروش
رہنماؤں کے اشاروں پر چلنا ۔ان کیطرح اچھل کود کرتے ہیں
اور ذلیل خوار ہو رہے ہیں بلکہ رسوائے زمانہ ہو رہے ہیں
قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کی متعدد نافرمانیوں کا ذکر
ہے ان نافرمانیوں کا بھی انجام کیا ہوا ؟
بنی اسرائیل کے دل پتھر جیسے ہو گئے۔ بلکہ اس سے بھی
سخت بنی اسرائیل کے زوال کا پہلا درجہ یہ تھا کہ یہ غریب
بے روزگار اور بے حیثیت ہو کر رہ گئے تاہم دائرہ
انسانیت سے خارج نہیں ہوئے۔
دوسرا درجہ بتایا گیا ہے کہ وہ بندروں یا حیوانات
کا گلہ بن گئے ــــ اب تیسرا درجہ یہ بتایا کہ ــــ وہ
حیوانی حرکت سے بھی محروم کر دیئے گئے اور پتھر کی طرح
جامد و سنگدل اور بے حس و حرکت ہو گئے یہ انسانیت
کے زوال کی آخری حد ہے
بنی اسرائیل کی یہ حالت بیان کر کے اب خدا مسلمانوں
کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور کہتا ہے
ــ کیا تم ایسے
لوگوں سے امید رکھتے ہو کہ وہ ایمان لائیں گے ــ؟
اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ ــ آپس کے وعدوں
اور قول و قرار کو بدلنا در کنار ــــ بنی اسرائیل کی یہ
حالت ہو گئی تھی کہ وہ جاننے اور سمجھنے کے باوجود خدا
کے کلام کو بھی بدل دیتے تھے اور آگے چلکر قرآن حکیم
نے بنی اسرائیل کے عالموں اور سربراہوں کو بتایا ہے
کہ ــ وہ بالکل منافق اور حق پوش بن چکے تھے وہ
مسلمانوں سے ملتے تھے تو منافق بنکر یہ کہتے تھے
ہم ایمان لائے ــــ
اور جب آپس میں بیٹھتے تھے تو یہ کہتے تھے ـ

"توریت کی باتیں مسلمانوں کو کیوں بتاتے ہو ــ؟
ارے وہ تو ان باتوں سے اپنی سچائی کی سند حاصل کر کے پکے بنتے
جاتے ہیں
بعد ازاں قرآن حکیم نے یہ بھی بتایا ہے کہ اسرائیلی قوم
کا کیا حال تھا انھوں نے خیالی ڈھکوسلوں اور واہی تباہی
رسموں کو اپنا دین بنا رکھا تھا اور خدا کی کتاب کو جانتے نہ تھے
اپنی خواہش اور من گھڑت مسئلوں اور خوش اعتقادی باتوں
کو دین سمجھ رہے ہیں اور دل ہی دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں
اب ذرا غور کیجئے دور حاضرہ کے رہنماؤں عالموں اور عام
مسلمانوں کی بالکل یہی حالت ہے
اتنی ساری برائیوں اور بدعہدیوں کے باوجود ہم مسلمان
خود کو "امت محمدی" کہتے ہوئے نہیں شرماتے ــــ
دور جدید کے تہذیب زدہ مسلمانوں کی حالت کا اگر بنظر
غائر معائنہ کیا جائے تو اقبال کا یہ شعر ان پر بالکل صادق آتا
ہے ؎

"وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود"

لیشتروا بہ ثمناً قلیلاً ط
اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ــــ
یہودی علماء جو اپنی خواہشوں کے مطابق شرعی فتوے، مسائل
اور رسمیں گڑھتے ہیں تو یہ اس لئے کہ وہ اس کے عوض ثمن
قلیل یعنی چھوٹے چھوٹے دنیوی فائدے حاصل کریں
یہودیوں کے مولوی یہ بدعتیں نکالتے رہتے ہیں من
گھڑت فتوی دیتے ہیں من گھڑت کتابیں لکھتے ہیں اور مسائل
ایجاد کرتے ہیں اور پھر انھیں اپنی قوم پر جاری کرنے کیلئے یہ
کہدیتے ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے ــ!
قرآن کریم کی اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہودی

مولوی دین ہی نئے نئے رواج اور بدعات اس لئے پیدا کرتے ہیں تاکہ اس کے عوض میں اپنی ذات کیلئے چھوٹے چھوٹے فائدے حاصل کریں ۔ ثمناً قلیلاً کے معنی ہیں تھوڑی قیمت یعنی چھوٹے چھوٹے فائدے ۔

بڑے قومی فائدے یہ ہیں کہ قوم میں علم پھیلے قوم تجارت اور صنعت میں ترقی کرے قوم سیاسی طور پر آزاد اور متحد ہو افراد قوم شریف ، بااخلاق ، مہذب اور متمدن ہو ۔ قوم باکار اور خوش حال ہو صاحب ثروت اور دیندار ہو یہ بڑے بڑے قومی فائدے ہیں اور اس دنیا کے اندر باعزت اور بآرام زندگی گذارنے کی ضرورتیں ہیں ـــــ یہودی ملاؤں کو ان چیزوں کی کچھ پرواہ نہیں تھی ، وہ صرف اسے جھگڑوں اور بدعتوں کے ایجاد کرنے میں مصروف رہتے تھے جن سے ان کی شکم پری ہو اور نذرانے ملیں ۔

اگرچہ موسوی دین میں ان رسموں کیلئے کوئی جگہ موجود نہ تھی مگر یہودی ملّا کا اعلان یہ تھا کہ یہ تمام رسمیں موسوی دین کا جزو ہیں نہایت ضروری ہیں اور باعث ثواب ہیں اسی طرح یہودی ملاؤں نے موسوی شریعت کا گلا گھونٹ ڈالا اور رسموں کا دین قائم ہو گیا اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ آج مسلمانوں میں جو گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ انہیں بیجا رسومات کے سبب ہیں جیسی کہ موسوی دور میں پھیلی ہوئی تھیں ۔

مزاح وطنزیات

ٹارچ بیچنے والے

تحریر ہری شنکر پرسائی
ترجمہ جمیل اختر نعمانی

وہ پہلے چوراہوں پر بجلی کے ٹارچ بیچا کرتا تھا۔ بیچ میں وہ کچھ دن نہیں دکھائی دیا۔ کل پھر نظر آیا مگر اس مرتبہ اس نے ڈاڑھی بڑھالی تھی اور لمبا کرتا پہنے ہوئے تھا۔

میں نے پوچھا "کہاں رہے؟ اور یہ ڈاڑھی کیوں بڑھا رکھی ہے۔"

اس نے جواب دیا "باہر گیا تھا"

ڈاڑھی والے سوال کا اس نے جواب یہ دیا کہ ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

میں نے کہا "آج تم ٹارچ نہیں بیچ رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا "وہ کام بند کر دیا۔ اب تو آتما کے اندر ٹارچ جل اٹھی ہے۔ یہ "سورج چھاپ" ٹارچ اب بیکار معلوم ہوتے ہیں۔

میں نے کہا تم شاید سنیاس لے رہے ہو۔ جسکی آتما میں پرکاش پھیل جاتا ہے وہ اسی طرح حرام خوری پر اتر آتا ہے کس سے سبق لے لئے؟

میری بات سے اسے دکھ پہنچا اس نے کہا "ایسے سخت الفاظ مت بولئے آتما سب کی ایک ہے۔ میری آتما کو چوٹ پہنچا کر آپ اپنی ہی آتما کو گھائل کر رہے ہیں۔"

میں نے کہا "یہ سب تو ٹھیک ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم یکایک ایسے کیسے ہو گئے؟ کیا بیوی نے تمہیں چھوڑ دیا؟ کیا ادھار ملنا بند ہو گیا ہے؟ کیا ساہوکاروں نے زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا؟ کیا چوری کے معاملے میں پھنس گئے ہو آخر باہر کی ٹارچ آتما کے اندر کیسے گھس گئی؟"

اس نے کہا "آپ کے سب اندازے غلط ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ایک حادثہ ہو گیا ہے جس نے زندگی کو بدل دیا ہے اسے حالانکہ میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن چونکہ میں آج ہی یہاں سے دور جا رہا ہوں اس لئے آپ کو سارا قصہ سنائے دیتا ہوں۔" اور اس نے اتنا کہہ کر اپنا قصہ شروع کر دیا۔

۵ سال قبل کی بات ہے میں اپنے ایک دوست کے ساتھ مایوس بیٹھا تھا۔ ہمارے سامنے آسمان سے باتیں کرتا ہوا ایک سوال کھڑا تھا وہ سوال یہ تھا کہ "پیسہ کیسے پیدا کریں؟" ہم دونوں نے اس سوال کی ایک ایک ٹانگ پکڑی اور اسے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے ہمیں پسینہ آ گیا۔ مگر سوال اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ دوست نے کہا:

"یار اس سوال کے پاؤں زمین میں گہرے گڑے ہیں یہ اکھڑے گا نہیں۔ اسے ٹال جائیں۔"

چنانچہ ہم نے دوسری طرف منہ پھیر لیا لیکن وہ سوال پھر ہمارے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ تب میں نے کہا:—

"یار یہ سوال ملنے کا نہیں۔ اسے حل ہی کر ڈالیں ہم پیسہ پیدا کرنے کیلئے کچھ کام دھندا کریں۔ ہم اسی وقت الگ الگ سمتوں میں اپنی اپنی قسمت آزمانے نکل کھڑے ہوں اور پانچ سال بعد ٹھیک اسی تاریخ کو اسی وقت ہم یہاں ملیں گے!

دوست نے کہا:—

"یار ساتھ ہی کیوں نہ چلیں؟"

میں نے کہا:—

"نہیں! قسمت آزمانے والوں کی جتنی پرانی داستانیں میں نے پڑھی ہیں ان سب میں وہ الگ الگ راستوں پر جاتے ہیں۔ ساتھ جانے میں قسمتوں کے ٹکرا کر ٹوٹنے کا ڈر رہتا ہے"

تو صاحب ہم الگ الگ چل پڑے۔ میں نے "ٹارچ" بیچنے کا دھندہ شروع کر دیا۔ چوراہوں پر یا میدانوں میں لوگوں کو اکٹھا کر لیتا اور بہت ڈرامائی انداز میں کہتا:—

"آجکل سب جگہ اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ راتیں بہت کالی ہوتی ہیں اپنا ہی ہاتھ نہیں سجھائی دیتا۔ آدمی کو راستہ نہیں دکھائی دیتا۔ وہ بھٹک جاتا ہے۔ اس کے پاؤں کانٹوں سے زخمی ہو جاتے ہیں۔ وہ گرتا ہے اور گھٹنے لہو لہان ہو جاتے ہیں —— اس کے آس پاس بھیانک اندھیرا ہے شیر اور چیتے چاروں طرف گھوم رہے ہیں۔ سانپ زمین پر رینگ رہے ہیں۔ اندھیرا سب کو نگل رہا ہے۔ اندھیرا گھر میں بھی ہے آدمی رات کو پیشاب کرنے اٹھتا ہے اور سانپ پر اس کا پاؤں پڑتا ہے۔ سانپ اسے ڈس لیتا ہے اور وہ مر جاتا ہے"۔

آپ نے تو دیکھا ہی ہے صاحب لوگ میری باتیں سنکر کیسے ڈر جاتے تھے۔ بھری دوپہر میں وہ اندھیرے کے ڈر سے کانپنے لگتے تھے۔ آدمی کو ڈرانا کتنا آسان ہے لوگ ڈر جاتے تب میں کہتا:—

"بھائیو یہ صحیح ہے کہ اندھیرا ہے مگر روشنی بھی ہے وہی روشنی میں آپ کو دینے آیا ہوں ہماری "سورج چھاپ" ٹارچ میں وہ روشنی ہے جو اندھیرے کو دور بھگا دیتی ہے اسی وقت "سورج چھاپ" ٹارچ خریدو اور اندھیرے کو دور کرو۔ جن بھائیوں کو چاہیئے اونچا ہاتھ کریں۔"

صاحب۔ میرے ٹارچ بک جاتے اور میں آرام سے زندگی گذارنے لگا۔

وعدہ کے مطابق ٹھیک ۵ پانچ سال بعد میں اسی جگہ پہنچا جہاں مجھے دوست سے ملنا تھا۔ وہاں دن بھر میں نے اسکی راہ دیکھی۔ وہ نہیں آیا۔ کیا ہوا؟ کیا وہ بھول گیا؟ یا اب وہ اس وسیع دنیا میں نہیں ہے؟۔

میں اسے ڈھونڈھنے نکل پڑا۔

ایک شام جب ایک شہر کی سڑک پر چلا جا رہا تھا میں نے دیکھا پاس کے میدان میں خوب روشنی ہے اور ایک طرف اسٹیج سجا ہوا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر لگے ہیں۔ میدان میں ہزاروں مرد عورت عقیدت سے سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اسٹیج پر خوبصورت ریشمی کپڑوں سے سجی ہوئی بارعب شخصیت بیٹھی ہے۔ وہ خوب تندرست ہے۔ سنواری ہوئی لمبی ڈاڑھی ہے اور پیٹھ پر لہراتے لمبے لمبے بال ہیں۔

میں بھیڑ کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔

بارعب شخصیت فلموں میں جیسے سادھو ہوتے ہیں ویسی ہی لگ رہی تھی۔ اس نے اپنی کرخت آواز میں بیان شروع کیا۔ وہ اسطرح بول رہی تھی جیسے آسمان کے کسی کونے سے کوئی پراسرار پیغام اس کے کانوں میں پہنچ رہا تھا جیسے وہ بیان کے قالب میں ڈھالتی جا رہی تھی۔

بارعب شخصیت یعنی سادھو جی بتا رہے کہ رہے تھے۔

"میں انسان کو آج گھنے اندھیرے میں دیکھ رہا ہوں اس کے اندر کچھ بجھ گیا ہے۔ یہ دور ہی اندھیروں سے بھرا ہوا ہے یہ پھیلا ہوا اندھیرا پوری دنیا کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے آج انسان اس اندھیرے سے گھبرا اٹھا ہے۔ وہ راستہ بھول گیا ہے۔ آج آتما میں بھی اندھیرا ہے۔ اندر کی آنکھیں بے نور ہو گئی ہیں۔ وہ اسے دیکھ نہیں پاتیں۔ انسان کی آتما اندھیرے میں گھٹتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ انسان کی آتما خوف اور درد سے بھری ہوئی ہے۔"

اسی طرح وہ بولتے گئے اور لوگ نہایت خاموشی سے سنتے گئے۔

مجھے ہنسی چھوٹ رہی تھی اور ایک دو بار دباتے دباتے بھی ہنسی چھوٹ ہی گئی اور پاس کے سننے والوں نے مجھے ڈانٹا۔ سادھو جی مہاراج اسی انداز میں بول رہے تھے:—

"بھائیو اور بہنو اور دوست جہاں اندھیرا ہے وہیں روشنی بھی ہے۔ اندھیروں میں روشنی کی کرنیں ہیں جیسے روشنی میں اندھیرا پوشیدہ رہتا ہے۔ روشنی باہر نہیں ہے اسے اپنے من میں تلاش کرو۔ من میں بجھی ہوئی اس جیوتی کو جگاؤ میں تم سب کو اس جیوتی کو جگانے کیلئے پیغام دیتا ہوں۔ میں تمہارے اندر اسی آتما کی جیوتی کو جگانا چاہتا ہوں ہمارے سادھنا مندر میں آکر اس جیوتی کو اپنے اندر جگاؤ"

صاحب اب تو میں کھکھلا کر ہنس پڑا۔ پاس کے لوگوں نے مجھے دھکا دے کر بھگا دیا۔ اور میں اسٹیج کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ سادھو مہاراج اسٹیج سے اتر کر کار پر چڑھ رہے تھے۔ میں نے انھیں غور سے پاس سے جا کر دیکھا۔ ان کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ اس لئے میں تھوڑا جھجکا۔ لیکن میرے تو ڈاڑھی نہیں تھی۔ میں تو اسی شکل میں تھا جیسے کہ پہلے تھا

انھوں نے مجھے پہچان لیا اور بولے "ارے تم" میں پہچان کر بولنے ہی والا تھا کہ انھوں نے ہاتھ پکڑ کر کار میں بٹھا لیا۔ میں پھر کچھ بولنے لگا تو انھوں نے کہا "بنگلے تک کوئی بات چیت نہیں ہوگی۔ وہیں بات کریں گے" مجھے یاد آگیا کہ وہاں ہم دونوں کے علاوہ ڈرائیور بھی تھا۔

بنگلے پر پہنچ کر میں نے اس کا ٹھاٹ باٹ دیکھا۔ اس کے رعب داب کو دیکھ کر میں تھوڑا جھجکا۔ لیکن فوراً ہی میں نے اپنے اس دوست سے کھل کر باتیں شروع کر دیں۔

میں نے کہا:—

"یار۔ تو تو بالکل بدل گیا۔"

اس نے سنجیدگی سے کہا:—

"یہ لوکتن جیوان کا انت کرم ہے"

میں نے کہا:—

"سالے۔ فلاسفی مت بگھار۔ یہ بتا کہ تو نے اتنی دولت کیسے کما لی پانچ سال میں"!

اس نے پوچھا:—

"تم ان سالوں میں کیا کرتے رہے؟"

میں نے کہا:—

"میں تو گھوم گھوم کر ٹارچ بیچتا رہا۔ سچ بتا کیا تو بھی ٹارچ کا بیوپاری ہے؟"

اس نے کہا:—

"تجھے کیا ایسا ہی لگتا ہے؟ کیوں لگتا ہے؟

میں نے اسے بتایا کہ جو باتیں میں کہتا ہوں وہی تو کہہ رہا تھا۔ میں سیدھے ڈھنگ سے کہتا ہوں۔ تو انھیں باتوں کو پراسرار انداز سے کہتا ہے۔ میں اندھیرے کا ڈر دکھا کر لوگوں کو ٹارچ بیچتا ہوں۔ تو بھی ابھی لوگوں کو اندھیرے

کا ڈر دکھا رہا تھا۔ تو بھی ٹارچ ضرور بیچتا ہے۔

اس نے کہا: —

"تم مجھے نہیں جانتے۔ میں ٹارچ کیوں بیچوں گا؟ میں سادھو اور سنت کہلاتا ہوں۔

میں نے کہا: —

"تم کچھ بھی کہلاؤ۔ بیچتے تم ٹارچ ہو۔ تمہارے اور میرے بیان ایک جیسے ہیں۔ چاہے کوئی سادھو بنے کہ سنت بنے یا کچھ اور۔ اگر وہ لوگوں کو اندھیرے کا ڈر دکھاتا ہے تو ضرور اپنی کمپنی کی ٹارچ بیچنا چاہتا ہے۔ تم جیسے لوگوں کیلئے ہمیشہ ہی اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ بتاؤ تمہارے جیسے کسی آدمی نے ہزاروں میں کبھی بھی یہ کہا ہے کہ آج دنیا میں پرکاش پھیلا ہے؟ کبھی نہیں کہا۔ کیوں؟ اس لئے کہ انھیں اپنی کمپنی کی ٹارچ بیچنا ہے۔ میں خود لوگوں سے بھری دوپہر میں کہتا ہوں کہ اندھیرا چھایا ہے۔ بتا کس کمپنی کی ٹارچ بیچتا ہے تو؟"

میری باتوں نے اسے ٹھکانے پہنچا دیا تھا اس نے نہایت ہی نرمی سے کہا۔

"تیری بات ٹھیک ہی ہے۔ میری کمپنی نئی نہیں ہے پرانی ہے۔"

میں نے پوچھا۔

"کہاں ہے تیری دکان؟ نمونے کیلئے ایک آدھ ٹارچ تو دکھا۔ "سورج چھاپ" ٹارچ سے بہت زیادہ ہے اسکی بکری؟"

اس نے کہا: —

"اس ٹارچ کی کوئی دکان بازار میں نہیں ہے وہ بہت معمولی ہے مگر قیمت اس کی بہت مل جاتی ہے تو ایک دو دن رہ تو میں تجھے سب سمجھا دیتا ہوں۔"

تو صاحب میں دو دن اس کے پاس رہا۔ تیسرے دن "سورج چھاپ" ٹارچ کی پیٹی کو ندی کو پھینک کر میں نے نیا کام شروع کر دیا۔

وہ اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ بولا

"بس ایک ہفتے کی دیر ہے"

میں نے پوچھا: —

"تو اب کون سا دھندا کروگے؟"

اس نے جواب دیا

"دھندا وہی کروں گا۔ یعنی ٹارچ بیچوں گا بس کمپنی بدل جائے گی۔

ذرا ہنس لیجئے

جاوید ادیب

●

بیوی نے اپنے شوہر سے کہا: —
ذرا اٹھکر دیکھئے تو سہی۔ کچھ کھٹ کھٹ کی سی آواز آرہی ہے۔ چور شاید نیچے دیوار میں نقب لگا رہے ہیں۔

شوہر نے جواب دیا —

جان من میں اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ تمھیں چھوڑ کر نیچے جاؤں اور چوروں سے مقابلہ کروں اگر میں نیچے اتر کر چلا گیا تو چوروں سے تمہاری حفاظت پھر کون کرے گا۔

●

ایک شخص نے دوسرے شخص کو یہ نصیحت کی: —
اگر کوئی بھیڑ کبھی تمہارے گرد اکٹھا ہو جائے تو انکو منتشر کرنے کی تمہارے پاس ایک بڑھیا ترکیب یہ ہے کہ کپڑا پھیلا کر چندے کی اپیل کرنے لگو۔ لوگ خود بخود فرار ہونے لگیں گے۔

مزاح و طنزیات

میک اپ

شرر وش مچھلی شہری

"میک اپ" اس دور کی سب سے زیادہ اہم شے ہے۔ کوئی بھی چیز آجکل تصنع اور بناوٹ سے خالی نہیں ہے جناب شرر وش مچھلی شہری کا مضمون "میک اپ" ترنم سے پڑھنے والے شعراء کے لئے ایک لطیف طنز ہے جسے بڑے اچھے انداز میں فاضل مضمون نگار نے پیش کیا ہے۔ (مدیر)

مجھے اپنی طالب علمی کا وہ زمانہ اب بھی اچھی طرح یاد ہے جبکہ الہاباد یونیورسٹی میں بی اے کا متعلم تھا، اسی زمانے میں الفرڈ تھیٹریکل کمپنی نیا تھیٹر میں بھرتی ہوئی اور اپنا سکہ جماتی ہوئی الہ آباد میں ہر طرف دھوم مچا رہی تھی۔ ہم چند طلباء کھیل دیکھ کر واپس آئے تو آپس میں ٹھن گئی کہ کیوں نہ ہم لوگ بھی کوئی ڈرامہ مقابل میں کھیل ڈالیں، اسلئے والی ام سی اے کا مقام جو اب زیرو روڈ پر پی اسٹیشن ہے چنا گیا، چند طلباء جو ڈرامہ کی ٹکنیک سے واقف تھے ایکٹر چنے گئے لیکن وقت یہ دیوار بن گئی کہ کوئی پری چہرہ نہ تو یونیورسٹی میں اور نہ باہر ہیروئن کا پارٹ ادا کرنے کے لئے مل سکی۔ تلاش بے نیل و مرام رہی یہاں تک کہ کوئی لڑکا زنانہ پارٹ کرنے پر تیار نہ ہوا۔ مجبوراً ہم لوگوں نے یونیورسٹی سے باہر جستجو شروع کی بڑی مشکل سے ایک پندرہ برس کا لڑکا جو ابھی ریش و بروت کی زحمتوں سے دور تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ چیچک رو بھی تھا، دستیاب ہو سکا، ہم لوگوں نے یہ سوچ کر کہ یہ کمبخت زنانہ پارٹ میں جوکر بن جائے گا، اور سارا مجمع ہم لوگوں پر مضحکہ اڑائیگا اسے ہٹانا چاہا، لیکن میک اپ ایکسپرٹ نے یہ کہہ کر ہم لوگوں کی ہمت افزائی کر دی کہ اگر میک اپ کے بعد سارے تماشائی اسی کے حسن میں مسحور نہ ہو جائیں تو کل مرض میرے ذمہ . . . . اور وہی ہوا کہ جب وہ گرین روم سے بن سنور کر بجلی کی روشنی میں نکلا تو ہم لوگ خود منہ دیکھتے رہ گئے، اور جب وہ اسٹیج پر آیا تو معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جنت کی حور دنیا میں رونما ہو گئی ہے۔ جس کے لئے سارا عالم بے تاب و بے قرار ہے۔ ہر بار جب وہ پارٹ ادا کر کے پردے میں آتا تھا تو "ایک بار اور ایک بار اور" کی پرشور آواز سے سارا ہال گونج اٹھتا تھا۔ . . . . یہ تھا "میک اپ" کا اعجاز۔

میک اپ کا رواج تھیٹر سے بڑھتے بڑھتے ہر شعبۂ کردار پر حاوی ہو گیا۔ دو کانوں پر میک اپ، ایکٹروں پر میک اپ، انسانی سیرتوں پر میک اپ، غرضکہ میک اپ کے بغیر اس کے دخل و عمل کے ہماری دنیا میں کوئی کام ہی نہیں ہوتا اور بغیر میک اپ کے ہمیں اب کوئی چیز اچھی بھی نہیں لگتی، میک اپ کی جز نمائی دیکھتے ہوئے ہر ایک نے اسی کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا حالانکہ شاعری کی محفلوں پر اتنا چھا گیا ہے کہ بغیر میک اپ کے اچھے سے اچھا شاعر پسند ہی نہیں کیا جاتا، لیکن اور شعبۂ زندگی کے لئے انسان کے ہاتھ کا میک اپ جادو کرتا ہے، برخلاف اسکے جیسا کہ مشہور ہے "الشعراء تلامیذ

الرحمٰن " ان کے میک اپ میں قدرت کا ہاتھ ہے۔ انسانی کام اس میک اپ کے سامان عطا ہو جانے پر صرف یہ ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھے سلیقہ استعمال میں لائے۔

ایک بین فرق یہ بھی ہے کہ ہر محکمہ کا میک اپ، میک اپ کے نام سے مستعمل ہے۔ لیکن دنیائے شاعری کے میک اپ کا نام میک اپ سے بالکل جدا " ترنم " ہے۔ جس شاعر کو جیسا ترنم قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے اور جس خوبی سے شاعر اس کا استعمال بزم سخن میں کرتا ہے ویسی ہی اسکی شہرت اور قدر بڑھتی ہے۔

یہ ترنم وہ اعجاز رکھتا ہے کہ اگر اس کا استعمال خوبی سے ہو تو برا سے برا، بے معنی سے بے معنی، غلط شعر بھی سننے والوں پر ایسا چھا جاتا ہے کہ لوگ جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ فہم و شعور پر ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ عیوب جو بالکل سامنے کے ہوتے ہیں اور جن سے غیر شاعر بھی واقفیت رکھتا ہے۔ ان پر نقاب پڑ جاتا ہے۔ اور جہاں شعر دلحسن اور لے کے ساتھ لبوں سے نکلا کہ واہ وا کی صدائیں ہر طرف سے بلند ہوئیں اور پھر ارشاد فرمائیے " پھر عطا ہو " کا شور محفل میں گونجا، شاعر کا دماغ آسمان پر پہونچا اور سخن فہم سامعین کلیجہ مسوس کر رہ گئے، اسی ترنم کی جادو اثری کا اندازہ کرکے میں نے ایک بار مشاعرہ میں غزل سناتے وقت یہ شعر بھی پڑھ دیا تھا ؎

ترنم سے غزل پڑھ پڑھ کے اتراؤ نہ یوں یارو
اگر تشریف لائیں جانکی بائی تو کیا ہوگا

میں خود چند ایسے حضرات کا تجربہ کر چکا ہوں جو فرصت تک کو فرست، مہم کو محم، بہر نوع کو بہر نو، لکھتے ہیں، لیکن جب بزم مشاعرہ میں مائک پر زبانِ نے نواز کھلی تو پھر یوں لگا کہ جیسے اس سے بہتر شاعر نہیں اور اس سے احسن کوئی شعر نہیں، مگر ذرا ان گلوکار شعراء کی غزلیں صفحۂ کاغذ پر ملاحظہ فرمائیے تو عیوب و قبح سب سے پہلے نظر آتے ہیں اور خود اپنے دماغ ہی کو کوسنا پڑتا ہے کہ ان کمبختوں کو کیا ہو گیا تھا۔ کہ ترنم سے انھیں اشعار کو سنکر وجد تھا۔ اور اب انھیں کو کاغذ پر دیکھ کر بدمزگی پیدا ہوگئی۔

میں دوسروں کو کیا کہوں خود اپنے آپکو انھیں شاعروں کے زمرہ میں سمجھتا ہوں، جب گنگنا کر کسی شعر کی تخلیق کرتا ہوں تو خود اس وقت جھوم جاتا ہوں کہ کتنا حسین شعر ردیف و قافیہ کے قید کے ساتھ خلق ہو گیا، لیکن پھر دوسرے وقت جب اسے کاغذ کی ناؤ پر سوار دیکھتا ہوں تو بھونچکا سا ہو کر رہ جاتا ہوں کہ ارے اس میں تو " ع " صاف گرا ہے اور اس میں چھوٹی " ہ " لپیٹ میں چلی گئی ہے۔

بہر حال ترنم خداداد کا میک اپ شعرا کے لئے اس دور میں بہت راس آیا ہے۔ اور علاوہ شہرت کے کافی سے زیادہ دست غیب انعام بھی ہے۔

" خدا کرے یہ دور تادیر قائم رہے اور ہم نہ سہی ہمارے مترنم بھائی بڑی کامیابی سے زندگی گذاریں "۔

تفریحات

اولمپک ہاکی مقابلے اور ہندوستان

تماشائی کے قلم سے

اولمپک ہاکی مقابلوں کے سلسلے میں گولڈ میڈل اور سند کامیابی حاصل کرنے کیلئے بڑے پیمانے پر کوششیں جاری ہیں۔ ہندوستان ہاکی مقابلوں میں اپنے وقار کو بحال رکھنے کی پوری تگ و دو میں معروف ہے اور پورے ملک میں ہاکی کے نامور کھلاڑیوں میں سے ۲۶ کھلاڑیوں کا انتخاب عمل میں آیا ہے ۱۹۵۲ء کے اولمپک ٹیم کے کپتان ڈگ وجے سنگھ جو "بابو" کے نام سے مشہور ہیں۔ موجودہ ٹیم کے لیڈر منتخب ہوئے ہیں۔ ان ۲۶ کھلاڑیوں میں سے ۱۸ چنیدہ کھلاڑی ٹوکیو میں ہونے والے اولمپک مقابلوں شریک ہونگے اور اپنے اس اعزاز کو جو مختصر سے وقفہ کے علاوہ ۱۹۲۸ء سے مسلسل ہندوستان کو حاصل ہو رہا ہے حاصل کرنے کے لئے جی جان سے کوشش کریں گے۔

بلاشبہ ہاکی ایک بہت ہی دلچسپ کھیل ہے اور آج دنیا کے کم از کم ۶۵ ملکوں میں بڑے شوق سے کھیلا جاتا ہے۔ اب سے بانوے برس پہلے ہی کی تو بات ہے جب ۱۸۷۲ء میں انگریزوں نے اس کھیل کو ہندوستان میں متعارف کرایا تھا۔ یہ کھیل یہاں اتنا پسند کیا گیا کہ اسے یہاں کا قومی کھیل بنا دیا گیا۔ قدرتی طور پر اس کھیل کے حسب حال یہاں کھیل کے میدان موجود ہیں۔ اکثر علاقوں میں زیادہ بارش نہیں ہوتی اسلئے عموماً کھیل کے میدان خشک اور سخت زمین رہنے کی وجہ سے اس کے لئے بہت مناسب رہتے ہیں۔ اور یہاں کے نوجوانوں کے سبک اور سڈول جسم اس کھیل میں پھرتی دکھانے میں بے حد مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

ہندوستان سب سے پہلے ۱۹۲۸ء میں ایمسٹرڈم اولمپک مقابلوں میں شریک ہوا تھا۔ اسی وقت اسنے آسٹریلیا۔ بلجیم۔ ڈنمارک اور ہالینڈ کو ہرا کر پہلی کامیابی حاصل کی اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں لاس اینجلس میں ۱۹۳۶ء میں برلن میں۔ ۱۹۴۸ء میں لندن میں اور ۱۹۵۲ء میں ہلسنکی میں لگاتار کامیابیاں ہندوستان نے حاصل کیں۔

ہندوستان ۱۹۵۸ء میں پہلی بار اسوقت ناکام رہا جب ٹوکیو میں ہونے والے پہلے ایشیا کے کھیلوں میں پاکستان اس سے بازی لے گیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۰ء میں روم اولمپک مقابلوں میں بھی یہی صورت پیش آئی اور بھارت میں ہونے والے دوسرے ایشیائی کھیلوں میں بھی آخری لمحوں میں اسے پھر ایک بار شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

ہندوستان نے ہاکی میں اپنی برتری ۱۹۶۳ء میں حاصل کر لی جب اس نے بشمول پاکستان لیونس انٹرنیشنل ہاکی ٹورنامنٹ میں ۱۴ ملکوں کو شکست دی۔ لیکن ۱۹۶۴ء میں اس برتری میں کمی آئی اور اولمپک مقابلوں میں اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کے باوجود ہاکی کے کھیل میں ہندوستان کو ہمیشہ سبقت ہی حاصل رہی ہے۔ اور اس کا ریکارڈ قابل تعریف ہے۔ ۱۹۲۸ء سے اب تک ۴۸ اولمپک مقابلے ہوئے جن میں ۴۴ میں ہندوستان کامیاب رہا۔ تین میچ برابر رہے اور صرف ایک بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تمام میچوں میں ہندوستان نے کل ۲۴۴

گول گئے جب کہ اس پر کل ملا کر صرف ۲۱ گول ہی ہو سکے ۔
میونخ کے اولمپک ہاکی مقابلوں میں سولہ ملکوں کی ٹیمیں شرکت کر رہی ہیں جنہیں دو گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ۔
گروپ "اے" میں پاکستان ، مغربی جرمنی ۔ اسپین ۔ بلجیم ۔ فرانس ملائشیا ۔ ارجن ٹائنا ۔ اور یوگنڈا کو رکھا گیا ہے
گروپ "بی" میں ۔ آسٹریلیا ۔ ہندوستان کینیا ۔ ہالینڈ ۔ نیوزی لینڈ ۔ برطانیہ ۔ پولینڈ اور میکسیکو کے نام ہیں ۔

لیگ سسٹم کے تحت ہر گروپ کی دو دو ٹیمیں آپس میں مقابلہ کر کے بالآخر ایک ٹیم فائنل کے لئے رہ جائے گی۔
اس بار ہندوستان کو آسٹریلیا سے سخت مقابلہ کرنا پڑے گا ۔ آسٹریلیا کے ٹیم کے زیادہ "اینگلو انڈین" لوگوں کی اولاد ہیں جو آزادی کے بعد آسٹریلیا میں جا بسے تھے ۔ ان کے کھیل کا انداز بھی ہندوستانی کھلاڑیوں سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے ۔ نیوزی لینڈ نے بھی میکسیکو اولمپک میں ہندوستان کو زک پہونچائی تھی ہالینڈ اور کینیا کو بھی شکست دینے میں ہندوستان کو بڑی جد و جہد کرنا ہوگی ۔

دوسری طرف پاکستان کا مقابلہ بھی دوسری ٹیموں سے بہت سخت ہے اسے مغربی جرمنی سے زبردست مورچہ لینا ہوگا ۔ اسپین ۔ بلجیم اور ایشیا کی ٹیموں سے بھی پاکستان کو جیتنے کے لئے ٹیڑی تگ و دو کرنی ہوگی ۔ اس کے بعد ہی پاکستان اپنے گروپ کا فائنل میچ کھیلنے کے قابل ہو سکے گا ۔
حالانکہ گذشتہ روایت کے مطابق اس بار بھی کچھ امید ہی ہے کہ فائنل مقابلہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہو ۔ اب ان دونوں ٹیموں کے درمیان فتح کس کے مقدر میں آئے اور شکست خوردہ کون ٹھہرے یہ بات تو کھیل کے بعد ہی ظاہر ہوگی ۔ ویسے ہندوستان اس بار کیل کانٹے سے لیس ہو کر مقابلہ میں اترا ہے ۔

اولمپک ہاکی ٹیم کے لئے اٹھارہ چنیدہ کھلاڑیوں کا کپتان ۲۵ سالہ ہرمیک سنگھ کو منتخب کیا گیا ہے ۔ ٹیم مندرجہ ذیل کھلاڑیوں پر مشتمل ہے ۔

* گول کیپر فریڈرکس اور چارلس ۔
* فل بیک لچھمن سنگھ (نائب کپتان) کنڈو ۔ اور اسلم شیر خان
* ہاف بیک ۔ کرشنا مورتی ۔ ورریندر سنگھ ۔ اجیت پال سنگھ ۔ وریہ پامیس ۔ اور ہرمیک سنگھ (کپتان)
* فارورڈز ۔ گنیش ، فلپس ، ہرمیندر سنگھ ، کلونت سنگھ ، اشوک کمار ، گوبندا اور ہرچرن سنگھ ۔

اس اولمپک ٹیم سے متعلق مندرجہ ذیل تجزیہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے ۔

- فل بیک اسلم شیر ٹیم کے سب سے نو عمر کھلاڑی ہیں اور ان کی عمر صرف ۱۹ سال ہے ۔
- ٹیم کے ایک کھلاڑی فلپس کو کوئی سابقہ تجربہ نہیں ہے اور نہ ان کے کھیل کا کوئی معیار ہے
- ہرچرن سنگھ نے شاید ہی ہے کہ کبھی ٹورنامنٹوں میں کوئی گول کر دیا ہو ۔ انھیں غفور کی جگہ لانا شاید بے سود ثابت ہو ۔
- بلبیر سنگھ اور سجیت سنگھ کو ٹیم میں نہ شامل کر کے فاش غلطی کی گئی

بہر حال پروگرام کے مطابق یہ ٹیم ۱۵ ر اگست تک مغربی جرمنی میں رہے گی اور اس کے بعد پھر میونخ پہونچ جائے گی ۔ ▲▲

گذارش

ازراہ کرم ان امور کا برابر خیال رکھیں ۔

۱ ۔ آپ کا پتہ اگر بدل گیا ہے تو اپنے نئے پتے سے ہمارے دفتر کو فوراً مطلع کر دیجئے ۔ ۲ ۔ خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے تاکہ پتہ تلاش کرنے میں دفتر کو دشواری نہ پیش آئے ۔ (منیجر)

مکتوبات

کہ لوگ کہتے ہیں

آپ کے خطوط

دیوبند
یکم جولائی ۱۹۶۲ء

محترمی سلام وخلوص

رنگ سنگ کا تازہ شمارہ ملا۔ شکریہ۔ خط لکھنے میں کچھ تاخیر ہوئی جسکا سبب امتحان کی آمد اور کچھ ضروری امور ہے۔ آپ کی کاوشیں قابل داد ہیں انجم سعید صاحب اور منظور احمد منظاہری صاحب کے تحریر کردہ مضامین خصوصیت سے پسند آئے اس کے برعکس اسلامیات کے دونوں مضامین کچھ پھیکے اور غیر دلچسپ رہے۔ خدا رسالے کو ترقی عطا فرمائے۔ آمین

نعمان دانش

کانپور
۱۵ر جولائی ۱۹۶۲ء

محترمی سلام مسنون

رنگ سنگ کا مسلم پرسنل لا نمبر موصول ہوا۔ بہت خوب رہا آپ نے اس شمارہ کو واقعی ایک دستاویز کی صورت میں پیش کیا ہے۔ خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے رنگ سنگ سے متعلق ذیل کے قطعات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)

رنگِ سنگ نامی یہ ادبی جریدہ　　صحافت کی دنیا کی آنکھوں کا چیدہ
ستائیں علم و ادب کلیے مالی　　صدا دے رہے ہیں مضامینِ چیدہ

(۲)

رنگ سنگ کی ہے یہ توقیرِ عظمت　　قدم بوس ہے آج دنیائے عظمت
جگہ دل میں دے کیوں اسکو زمانہ　　کہ مقصد اس کا ہے اردو کی خدمت

(۳)

وہ چمکا فلک پر مہِ نو کی صورت　　رنگ سنگ کا جگمگاتا جریدہ
ہے فخرِ ضیا افسر ناروی بھی　　سیّد پرسنل لاء کی شان حمیدہ

(۴)

جہاندار نفاست ہے رنگ سنگ　　جہاندار بلاغت ہے رنگ سنگ
جگہ دل میں دے کیوں نہ دنیا　　جہاندار صحافت ہے رنگ سنگ

(۵)

رنگِ سنگ کی شان عظمت نہ پوچھو　　جہاندار دنیائے شہرت نہ پوچھو
مضامیں نئے ہیں نئے ہیں فسانے　　شعورِ نگاہِ صحافت نہ پوچھو

یہ فیروز صاحب کی شاعر شناسی
مجھ افسر کو سوغاتِ قلبی عطا کی

نیازمند
افسر ناروی

گرام
اسٹین کانپور
ایشیا ٹینری
فون نمبر
۶۲۳۳۱
۶۰۳۳۱
۶۲۲۷۸
ٹینرس اینڈ کیریرس
جاجمؤ روڈ کانپور
ہماری اعلیٰ قسم کی مصنوعات
• بف سول لیدر • کٹی رنگین • کروم اپر لیدر • کروم اور اوک ٹینڈ پلنگ بینڈ • ہارنس لیدر
• بنور رنگین • زگ گرین لیدر • ہر قسم کے انڈسٹریل لیدرس

سوالات و جوابات

لیجئے جواب حاضر ہے

علامہ معلومی کے قلم سے

ایک شخص بیک وقت تین سوالات ہی دریافت کرسکتا ہے۔ سوال صاف اور خوش خط اور جواب کیلئے جگہ چھوڑ کر لکھیں۔ صرف تعلیمی، اصلاحی، معاشرتی اور معلوماتی سوالات ہی کے جواب دیئے جائیں گے۔ اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرمائیں۔ "لیجئے جواب حاضر ہے" ماہنامہ "رگ سنگ" ۹۸/۲ کھنیا بازار کانپور ——— مدیر

رشاد علی　　باندہ

س۔ وہ کون سی شے ہے جو انسان کو مغرور بنا دیتی ہے اور وہ کون سی شے ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے رب کو پہچانتا ہے؟

ج۔ انسان کو مغرور بنا دینے والی شے دولت ہے اور انسان علم کے ذریعہ اپنے رب کو پہچانتا ہے

س۔ زندگی کے متعلق اقبال کا نظریہ کیا ہے؟۔

ج۔ زندگی مسلسل کوشش اور لگاتار جد و جہد کا نام ہے اقبال کا مشہور عام شعر زندگی کے متعلق اسی نظریہ کی عکاسی کرتا ہے۔ ہ

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

س۔ یوروپ کی نیچرل شاعری کا ناخدا ورڈسورتھ ہے۔ اردو کی شاعری کا کون ہے؟۔

ج۔ نظیر اکبرآبادی۔

ایم مسعود　　کانپور

س۔ آجکل عام لوگوں کا کہنا ہے کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایسا کیوں ہے؟۔

ج۔ دعا جب مانگی جاتی ہے یقیناً قبول ہوتی ہے لیکن دعا کیلئے اٹھنے والے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ حضوری قلب اور دلسوزی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم دعا تو مانگتے ہیں لیکن مانگنے کا ڈھنگ نہیں جانتے جناب مولوی شریف حسین صاحب کا مضمون "دعا۔ بندگی کا مظاہرہ" اس سلسلہ میں آپکی معلومات میں اضافہ کرسکتا ہے۔ اس مضمون کو رگ سنگ کی پچھلی اشاعتوں میں ملاحظہ فرمالیجئے۔

س۔ کیا گیارہویں شریف بھی ایک اسلامی تہوار ہے؟۔

ج۔ گیارہویں شریف کا مہینہ قطب الاقطاب غوث الاعظم محی الدین حضرت عبد القادر جیلانی کی ذاتِ گرامی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس ماہ ربیع الآخر کی گیارہ

تاریخ کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کرائی جاتی ہے۔ مختلف عقائد و مسالک کے مسلمان اس تقریب کو مختلف انداز میں مناتے ہیں۔ بہر حال یہ ماہ اسلامی مہینہ کا چوتھا مہینہ ہے اب آپ اسے چاہیں تو اسلامی تہوار کا درجہ دے لیں۔

س۔ کیا سٹہ بازی بھی جوئے کی ایک شکل ہے؟

ج۔ جی ہاں۔ اس میں بھی آپ کو کوئی شک معلوم ہوتا ہے تو ایک کھلا ہوا جوا ہے۔ اور ہر وہ لین دین جس میں ایک فریق کو فائدہ اور دوسرے فریق کو نقصان ہو جوئے کے ہی زمرہ میں آتا ہے۔